باب ۴۲ — ۴۱۹ تا ۴۲۱

مختلف سفارتیں

شہنشاہ قسطنطنیہ کی طرف سے سفارت

... اور وفود

باب ۴۳ — ۴۲۲ تا ۴۲۹

نظام سلطنت ۴۲۳

قاضی منذر بن سعید ۴۲۵

ابو ابراہیم ۴۲۸

باب ۴۴ — ۴۳۰ تا ۴۳۹

الزہرا کی تعمیر

باب ۴۵ — ۴۴۰ تا ۴۵۰

ناصر کے عہد حکومت اور کردار پر ایک نظر

محاصل ۴۴۱

زینتِ جامع مسجد ۴۴۳

تنظیم افواج ۴۴۶

باب ۴۶ — ۴۵۱ تا ۴۶۳

الحکم ثانی المستنصر باللہ

نصرانی ریاستیں ۴۵۴

اردون چہارم کا قرطبہ میں داخلہ ۴۵۷

باب ۴۷ — ۴۶۴ تا ۴۶۸

افریقہ پر فوج کشی

باب ۴۸ — ۴۶۹ تا ۴۷۶

ایک عظیم شخصیت

باب ۴۹ — ۴۷۷ تا ۴۸۳

الحکم کا ذوقِ علمی

الحکم ثانی کے کردار پر ایک نظر ۴۸۱

باب ۵۰ — ۴۸۴ تا ۴۹۴

ہشام المؤید

عیسائی ریاستوں سے جھڑپ ۴۹۱

باب ۵۱ — ۴۹۵ تا ۵۰۸

المصحفی۔ داستان عروج و زوال

باب ۵۲ — ۵۰۹ تا ۵۴۲

ایک بلند پایہ شخصیت (المنصور)

خلیفہ ہشام کے خلاف سازش ۵۱۰

سازش کے اثرات ۵۱۲

تنظیم افواج ۵۱۴

غالب سے چپقلش ۵۱۵

ملکہ صبح سے اختلاف ۵۱۸

مغرب الاقصیٰ میں جنگ ۵۲۰

عیسائی ریاستوں سے معرکہ آرائی ۵۲۶

منصور کے خلاف سازش ۵۳۰

شنت یاقب پر حملہ ۵۳۴

آخری ایام اور انتقال ۵۳۹

باب ۵۳ — ۵۴۳ تا ۵۷۲

کردار المنصور

عدل اور انصاف ۵۵۱

جذبۂ جہاد ۵۵۹

شوقِ تعمیرات ۵۶۳

134984

باب ۴۲ — ۴۱۹ تا ۴۲۱
مختلف سفارتیں
شہنشاہ قسطنطنیہ کی طرف سے سفارت
...ہ اور وفود

باب ۴۳ — ۴۲۲ تا ۴۲۹
نظام سلطنت — ۴۲۳
قاضی منذر بن سعید — ۴۲۵
ابو ابراہیم — ۴۲۸

باب ۴۴ — ۴۲۹ تا ۴۳۰
الزہرا کی تعمیر

باب ۴۵ — ۴۳۷ تا ۴۵۰
ناصر کے عہد حکومت اور کردار پر ایک نظر
محاصل — ۴۴۱
زینت جامع مسجد — ۴۴۳
تنظیم افواج — ۴۴۶

باب ۴۶ — ۴۵۱ تا ۴۶۳
الحکم ثانی المستنصر باللہ
نصرانی ریاستیں — ۴۵۴
اردون چہارم کا قرطبہ میں داخلہ — ۴۵۷

باب ۴۷ — ۴۶۴ تا ۴۶۸
...ریقہ پر فوج کشی

باب ۴۸ — ۴۶۹ تا ۴۷۶
ایک عظیم شخصیت

باب ۴۹ — ۴۷۷ تا ۴۸۳
الحکم کا ذوق علمی
الحکم ثانی کے کردار پر ایک نظر — ۴۸۱

باب ۵۰ — ۴۸۴ تا ۴۹۴
ہشام المؤید
عیسائی ریاستوں سے جھڑپ — ۴۹۱

باب ۵۱ — ۴۹۵ تا ۵۰۸
المصحفی - داستان عروج و زوال

باب ۵۲ — ۵۰۹ تا ۵۴۲
ایک بلند پایہ شخصیت (المنصور)
خلیفہ ہشام کے خلاف سازش — ۵۱۰
سازش کے اثرات — ۵۱۲
تنظیم افواج — ۵۱۴
غالب سے چپقلش — ۵۱۵
ملکہ صبح سے اختلاف — ۵۱۸
مغرب الاقصیٰ میں جنگ — ۵۲۰
عیسائی ریاستوں سے معرکہ آرائی — ۵۲۶
منصور کے خلاف سازش — ۵۳۰
شنت یاقب پر حملہ — ۵۳۴
آخری ایام اور انتقال — ۵۳۹

باب ۵۳ — ۵۴۳ تا [illegible]
کردار المنصور
عدل اور انصاف — ۵۵۱
جذبہ جہاد — ۵۵۹
شوق تعمیرات — ۵۶۳

Marfat.com

باب ۵۴	۵۷۲ تا ۵۸۱
مابعد المنصور	
قرطبہ میں بغاوت	۵۷۹
باب ۵۵	۵۸۲ تا ۵۹۷
محمد بن ہشام مہدی باللہ	
قرطبہ کی تباہی	۵۹۲
باب ۵۶	۵۹۸ تا ۶۰۹
بنی حمود کا عروج	
باب ۵۷	۶۱۰ تا ۶۱۳
المستظہر المستکفی	
باب ۵۸	۶۱۴ تا ۶۱۸
طوائف الملوکی	
باب ۵۹	۶۱۹ تا ۶۳۰
زوال کے اسباب	
باب ۶۰	۶۳۱ تا ۶۶۷
طرز سیاست وجہانبانی	
پولیس	۶۳۹
محکمہ رسل ورسائل	۶۳۷
فوجی تنظیم	۶۳۸
طریقہ جنگ	۶۴۲
صنعت وحرفت	۶۴۵
زراعت	۶۴۶
فن تعمیر	〃
ادب اور ثقافت	۶۴۹
علم تاریخ	۶۵۲
علم فلسفہ	۶۵۵
فن ریاضی اور ہیئت	۶۵۷
جغرافیہ	۶۶۰
طب وجراحی	〃
کاغذ کا استعمال	۶۶۲
توپ وبارود	〃
مسلمانوں کے تمدن کے اثرات یورپ پر	〃

تمت

Marfat.com

ذخیرہ محمد اقبال مجددی لاہور

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے
مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں
خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں
پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے حنا کی
باقی ہے ابھی رنگ مرے خونِ جگر میں
کیوں کر خس و خاشاک سے دب جائے مسلمان
مانا وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں
دیکھا بھی دکھایا بھی سنایا بھی سنا بھی
ہے دل کی تسلی نہ نظر میں نہ خبر میں

(اقبالؒ)

Marfat.com

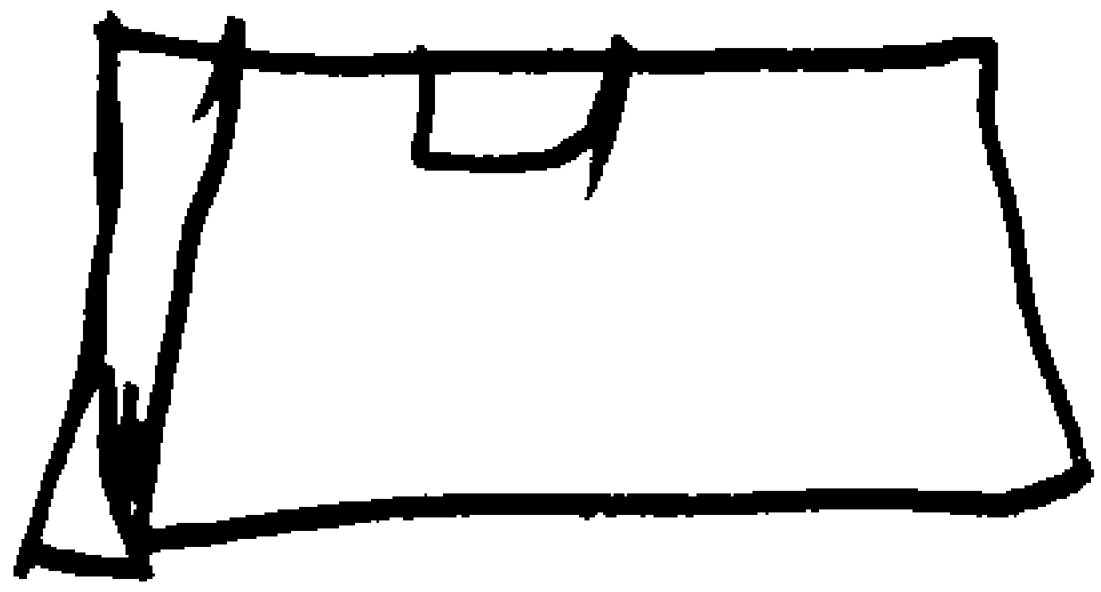

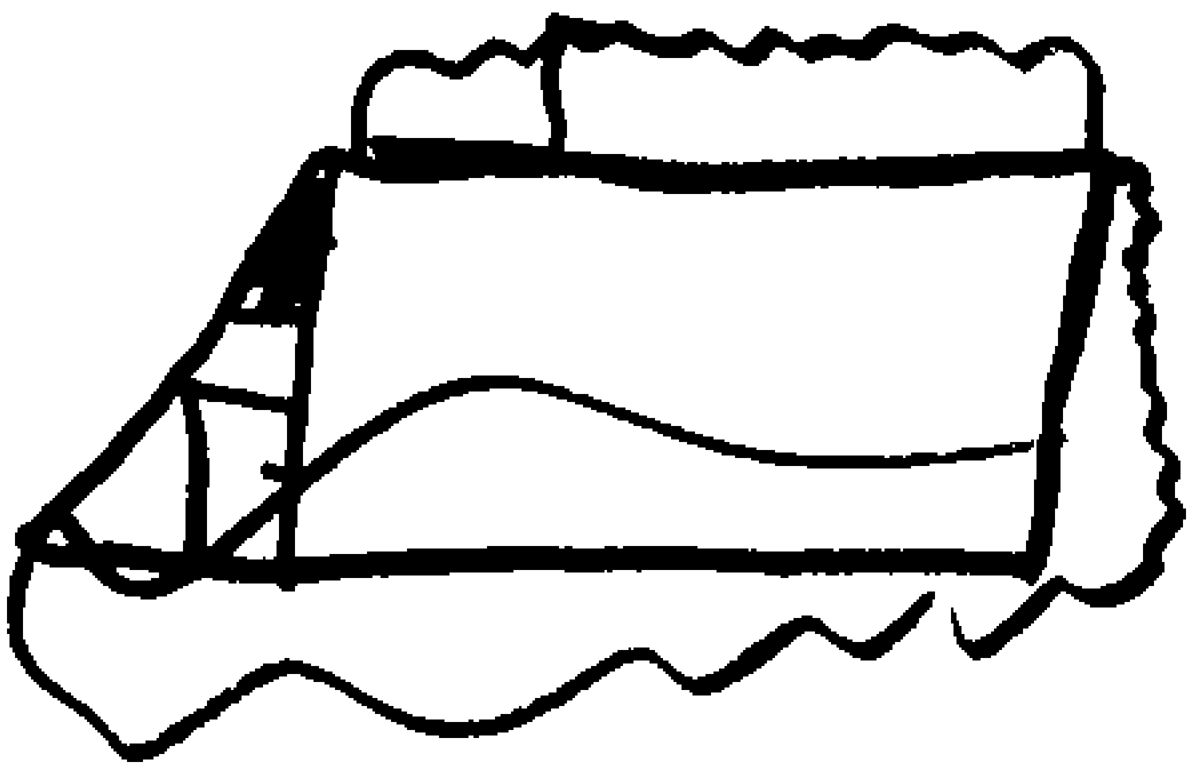

عبدالله بن محمد
مکرر

ابن مردان

Marfat.com

کلمہ آغاز

تاریخ ہندوپاک ہو یا اندلس۔ تاریخ کا نام ذہن میں آتے ہی یہ تصور ابھرنے لگتا ہے کہ اس میں چند بادشاہوں کے حسنِ انتظام۔ رعایا پروری لشکرکشی یا ان کے ظلم وستم۔ جبر و تشدد اور نکمے پن کا ذکر ہوگا۔ کسی فرمانروا نے اپنی فوجی مہمات کا سلسلہ دور دراز تک پھیلا کر دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہوں گے تو دوسرا اپنے ملک کی دفاع سے بھی قاصر رہا ہوگا۔ کسی نے کچھ اصلاحات کر کے رعایا کو خوش حال اور فارغ البال کر دیا ہوگا تو دوسرے نے تباہ و برباد۔ کسی کے عہد میں بہت سی سڑکیں۔ سرائیں عبادت گاہیں۔ مدرسے پل اور دوسرے رفاہِ عام کے کام انجام پائے ہوں گے تو کسی اور کے زمانہ میں اس کا بالکل تضاد عمل میں آیا ہوگا۔ کسی حاکم کے روح فرسا مظالم اور عیش و عشرت کی طولانی داستان ہوگی تو کسی کی انصاف پسندی، منصف مزاجی اور نیک دلی کی۔ کسی کے زمانے میں عوام سکھ چین سے ہونگے تو کسی کے دور میں بھوکے اور فاقہ زدہ۔ ان کے علاوہ بہت ہوا تو کچھ درباریوں معاحب پسندیوں۔ سازشوں۔ ریشہ دوانیوں۔ بغاوتوں اور غداریوں کے ذکر کر دیئے یا اطمینان بخش اور سکون آمیز حالات کے یہ دراصل تاریخ کا جزو تو ہے۔ تاریخ نہیں اور نہ اس کا مطالعہ تاریخ کا مطالعہ کہلایا جاسکتا ہے، تاریخ تو دوسری سوشل sciences کی طرح ایک سائنس ہے جو اپنے وسیع معنوں میں قوم و ملک کی تعمیر یا تخریب کے تاثرات پیش کرتی ہے۔ معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر کھینچتی ہے۔ عوام الناس کے رجحانات اور میلانات کا پتہ دیتی ہے۔ جو تاریخ محض حکمرانوں کے کارناموں تک محدود ہو کر رہ جائے اور اس دور کے انسانوں کا ذکر نہ کرے تاریخ کہلانے کی مستحق نہیں ہو سکتی۔ ہر سوسائٹی کی بنیاد اس کے ماضی کی روایات اور اعلیٰ اقدار پر رکھی جاتی ہے وہ جتنی ہی مضبوط و مستحکم ہوگی عمارت اتنی ہی خوبصورت اور عالی شان ہوگی۔ جب تک تاریخ کسی مخصوص عہد کے معاشرے کا مکمل جائزہ نہ لے۔ اس کی

تعداد کا کوئی واضح تصور نہ پیش کرے۔ شاہ سے لے کر گدا تک سے نہ ملائے۔ اس زمانے کے دانشوروں۔ فنکاروں۔ صنعت کاروں۔ عالموں۔ فقیہوں اور دوسری اعلیٰ شخصیتوں کا ذکر نہ کرے مختلف فرقوں۔ جماعتوں اور گروہوں کے باہمی تعلقات یا تنازعات پر روشنی نہ ڈالے۔ عام زندگی اور روزمرہ کے حالات کی کیفیت نہ بیان کرے۔ بحیثیت تاریخ نامکمل بھی ہے اور ناقص بھی۔ آج کا مورخ ان چیزوں سے دامن بچا کر کوئی تاریخ نہیں لکھ سکتا۔ اس کی ذمہ داریاں دورِ گذشتہ کے مورخین کے مقابلہ میں دوچند اور سہ چند ہوگئی ہیں۔

حالات حاضرہ کا مختصر سا جائزہ بھی یہ بتا دے گا کہ آج کے انسان کا شعور اور ادراک اور احساس بڑی حد تک جاگ اٹھا ہے وہ اب قرونِ وسطیٰ کا ایک خاموش بے زبان اور مظلوم انسان نہیں ہے جو چپ چاپ برسرِ اقتدار طبقے کے مظالم سہہ جائے۔ وہ اب حکومت سے اپنے مطالبات بھی منوا سکتا ہے۔ اپنے تقاضوں کو بھی پورا کرا سکتا ہے۔ اگر حد سے زیادہ دبایا جائے تو ہتھیار بھی اٹھا سکتا ہے۔ جنگ بھی کر سکتا ہے۔ ان انسانوں کے غول میں مملکتِ اسلامی کے وہ کلمہ گو بھی شامل ہیں جن کا ماضی کبھی تابندہ ہی نہیں تابندہ تر تھا۔ جو آج گمراہی میں پھنس جانے اور قعرِ مذلت میں گر جانے کے باوجود پھر سنبھالا لینے کے لئے بے قرار نظر آتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنی انفرادیت برقرار رکھنے اور دوسری مہذب قوموں کے شانہ بشانہ چلنے کے لئے مضطرب اور متفکر بھی۔ مگر یہ اسی وقت ممکن ہے۔ جب وہ اپنے ماضی کے جھروکوں میں جھانک کر دیکھیں۔ اپنے بلند مراتب کو پہچانیں ان نقش و نگار کو سمجھیں جن کے پیچھے تہذیب و تمدن کی ایک پوری تاریخ پنہاں ہے۔ ان سے نتائج اخذ کر کے آباؤ اجداد کے بلند کردار اور اطوار کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔ اور پھر اپنے مستقبل کی تعمیر کریں یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب مورثانِ اعلیٰ اور گرانمایہ شخصیتوں کا حال جستہ جستہ ان کے سامنے بیان کیا جائے۔ اور ان کو پوری طرح اس سے روشناس کرایا جائے اس تاریخ کی تصنیف کے اولین مقاصد انہیں تقاضوں کی تکمیل تھی۔

ہمارے ماضی پر نور و ظلمت کی پرچھائیاں بکھری ہوئی ہیں انہیں پرچھائیوں کی تہہ میں اندلس کی تاریخ کا وہ ورق بھی ہے جس میں جنگ و جدل۔ نظم و نسق امورِ سلطنت اور انتظامِ حکومت کے علاوہ فروغ علم و ادب۔ تہذیب و تمدن۔ تعمیر و تصنیف اور تدریس کی حیرت انگیز داستان بھی نظر آئے گی یہی داستان ہسپانوی تاریخ کے بہت سے اہم ورق الٹ دیتی ہے یادوں کا سلسلہ کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ خیالات اور جذبات کے پردوں پر بہت سے مختلف النوع نقش بننے لگتے ہیں۔ اس میں کہیں کہیں تعصب

قبیلہ پرستی۔ تنگ نظری اور بے جا امتیازات کی مسموم اور زہر آلود فضا ملتی ہے تو کہیں محبت۔ اخوت۔ حریت اور مساوات کی جس کا سبق سب سے پہلے دورِ جہالت اور تاریکی میں اسلام ہی نے سکھلایا۔ اور اس مذہب کے متوالوں نے مکتب اسپین میں یہ سبق دہرا کر انسانیت کی برتری اور افضلیت کی وہ مثال قائم کی جو آج بھی کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتی۔ اکثر مورخین کی تو یہ کوشش رہی ہے کہ اموی سلاطینِ اسپین کے پُرشکوہ دورِ حکومت پر دبیز پردے ڈال کر اس کو نمایاں ہی نہ ہونے دیا جائے۔ واقعات کو اس طرح سے توڑا مروڑا جائے کہ ان کی صورت مسخ ہو کر رہ جائے۔ جنگ کی خونفشاں داستان اور اس میں ہونے والی درندگی بہیمیت اور وحشیانہ پن کو زیادہ اچھالا جائے۔ تعیش پسندی اور طوائف الملوکی کے افسانوں کو خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا جائے۔ یا پھر صرف روشن پہلو کو ابھارا ——— اور مسلمانوں کی خامیوں۔ کمزوریوں اور گمراہیوں کو بالکل بے نقاب نہ ہونے دیا جائے۔ دونوں صورتوں میں مورخین نے انتہا پسندی کا ثبوت دے کر واقعات کی تاریخی اہمیت اور صداقت پر ضرب کاری لگائی اور ان کی صحت ہمیشہ کے لئے مشتبہ کر دی۔

یہ مشتبہ صورتِ حال زیادہ دنوں تک قائم نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ ایسے تمام مسائل جو متنازعہ فیہ تھے۔ جن کی صحت کے متعلق کوئی مصدقہ رائے نہیں قائم کی جا سکتی تھی۔ ان کی چھان بین لازمی تھی۔ جن واقعات کی صورت واقعی مسخ کر دی گئی تھی ان پر عمل جراحی کر کے صحیح خدوخال پیش کرنا ضروری تھا۔ تحقیق طلب نکات اور امور کے لئے مکمل طور پر جستجو کرنا ناگزیر تھی۔ بعض حالات میں دونوں نظریات کے مورخین کی رائے دینا ضروری تھی، تاکہ اس کتاب کا ناظر خود کوئی نتیجہ اخذ کر لے بہت سے ایسے رموز و نکات جو ابھی تک پردۂ خفا میں تھے ان کا اظہار کرنا مقصود تھا تاکہ تاریخ اندلس کا کوئی ورق گم شدہ نہ رہ جائے۔ یہ سارے کے سارے کام مشکل بھی تھے محنت طلب بھی مواد مفقود تھا۔ رہنمائی کی توقع نہ تھی ایک عرصہ تو صرف مسالہ کی فراہمی میں لگ گیا جب لکھنا شروع کیا تو قطعاً یہ گمان نہ تھا کہ ضخامت اتنی بڑھ جائے گی۔ مگر محض اس خیال سے کہ تاریخ اندلس کی صحیح شکل کب تک تنگ نظری کا شکار ہو کر نظروں سے پوشیدہ رہے گی۔ اس لئے جزئیات اور تفاصیل پر پوری توجہ دے کر ان کو شامل کیا گیا۔ کسی معمولی سے معمولی واقعہ کو بھی نظر انداز کرنے کو جی نہ چاہا۔ جانب داری سے حتی الامکان گریز کر کے صحت واقعہ مطمح نظر بنا رہا۔ بعض تشنہ طلب باتوں کے متعلق جستجو کر کے ان کو تفصیل سے بیان کیا گیا تاکہ اس عہد کی تاریخ کے سلسلہ میں پڑھنے والے کو تشنگی محسوس نہ ہو۔

Marfat.com

کتاب میں جا بجا مشہور مقامات۔ محلات۔ مساجد اور مقابر کے خاکے اور تصاویر شامل کر دی ہیں تاکہ فنِ تعمیر کی خصوصیات کے ساتھ اس عہد کی عظمت کا بھی اندازہ ہو سکے۔ مسجد قرطبہ جو مسلمانوں کے دور کی صرف تاریخی یادگار ہی نہیں بلکہ سنگ و خشت کی خود ایک مکمل تاریخ ہے۔ بقول اقبال یہ ایک اہم دور کی نشان دہی کرتی ہے۔ اور خون مسلمان اُندلس کی امین ہے۔ اس کی سجاوٹ۔ آرائش اور وسعت میں اموی بادشاہوں نے کس قدر جد و جہد کی اس کے متعلق کئی خاکے شامل ہیں۔ جن سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ مختلف عہد میں اس کی حدود کیا تھیں۔ نقشے بھی کچھ اس انداز سے بنائے گئے ہیں کہ وہاں کی جغرافیائی حالت کا پورا اندازہ ہو سکے۔ نقشوں میں انگریزی اور عربی دونوں نام دیئے گئے ہیں۔ جس سے کسی مقام کے متعلق کوئی اُلجھن باقی رہ جانے کا امکان نہ رہے۔ کتاب میں بھی شہروں۔ دریاؤں۔ پہاڑوں۔ درّوں۔ میدانوں اور دوسرے مقاموں کے قدیمی نام اور معرب شدہ نام دیئے ہیں۔ جس سے یہ غلط فہمی پیدا نہ ہو سکے کہ یہ کسی ایک ہی جگہ کے نام ہیں یا دو مختلف جگہ کے۔ اندلس کی کسی تاریخ میں بھی طرزِ جہانبانی اور نظامِ سیاست کے متعلق کوئی تفصیلی مواد نہیں ملتا۔ اس میں اس موضوع پر پورا ایک باب شامل ہے۔ جو یقیناً معلومات میں ایک گراں قدر اضافہ کرے گا۔ فتح کے اسباب۔ اس کے نتائج اور پھر حالات میں تبدیلی کے متعلق بھی مکمل طور پر بحث کی گئی ہے۔ مختلف ادوار میں جن عظیم شخصیتوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ان میں چاہے جنگجو ہوں یا شاہسوار۔ شاعر ہوں یا ادیب مغنی ہوں یا مطرب۔ مورخ ہوں یا مہندس معمار ہوں یا جغرافیہ نویس ان کا اجمالاً یا تفصیلاً ذکر ضرور کیا گیا ہے۔ زوال جو بقولِ اقبال ؎

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

ان حالات کا پیدا کردہ انجام تھا۔ اس کے لئے علیحدہ ایک باب ہے۔ تاکہ اپنے ہی آئینہ میں اپنی اصلی صورت نظر آ جائے۔ مسلمانوں نے کس طرح کا سلوک نصاریٰ اور یہودیوں سے برقرار رکھا علم و ادب کی ترویج کے لئے کیا کیا جتن کئے۔ کیسی کیسی عظیم الشان عمارتیں بنوائیں۔ پورے یورپ کو اپنی تہذیب و تمدن سے کیوں کر متاثر کیا۔ ان موضوعات کو بھی مرفوع القلم نہیں ہونے دیا ہے۔ طرزِ حکومت کے علاوہ طرزِ معاشرت اور آداب و اخلاق پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ سارے پاپڑ اس وجہ سے بھی زیادہ بیلے کہ ایک عام ناظر اور تاریخ مسلمانان سے دلچسپی رکھنے والے کے علاوہ سندھ و کراچی کے بی۔ اے۔ وبی۔ اے آنرس کے طلباء بھی پوری طرح اس سے استفادہ کر سکیں۔ پچھلے چھ سال سے اُندلس کے

Marfat.com

سلاطین اموی داخلِ نصاب ہیں۔ مگر ان کے متعلق کوئی مفید اور مکمل کتاب طلباء کے لئے بازار میں موجود نہ تھی۔ جتنی کتابیں شاملِ کورس تھیں وہ سب نہ صرف کمیاب بلکہ ناممکن الحصول تھیں۔ اس کی تدریس خیر سے میرے ہی سپرد تھی۔ اور جس زحمت سے مجھے دوچار ہونا پڑتا تھا وہ خود اپنی جگہ ناقابلِ بیان تھی۔ طالبِ علموں کی پریشانی کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ اس پریشانی کا واحد حل یہی تھا کہ اگر تاریخ اندلس لکھنا ہے تو اسے جلد از جلد لکھ لیا جائے۔ مگر کام کی اہمیت اور وسعت کو دیکھتے ہوئے یہ جلدی ختم نہ ہو سکتا تھا۔ ایک طویل عرصہ تو صرف کتابوں کی فراہمی میں صرف ہوا۔ پھر صرف واقعات کا بیان مقصود نہیں تھا بلکہ ان کے لئے تحقیق و جستجو بھی کرنا ضروری تھی۔ ورنہ مؤرخ کے فرائض ادائیگی صحیح معنوں میں نہ ہو پاتی۔ اس کے باوجود بھی مجھے یقین ہے کہ اس میں لاتعداد غلطیاں اور خامیاں ہیں جو اگر نظرانداز کردی جائیں تو مناسب ہے۔ مجھے خود اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے۔ اس لئے اس ضمن میں تمام دعویٰ یا گفتگو محض لایعنی۔ اگر کوئی بات کہی جا سکتی ہے تو وہ صرف "طلبِ معافی" ہے۔

اس کتاب کے لکھتے وقت پچاس سے زائد کتابیں پیشِ نظر تھیں۔ جن میں بعض قدیمی نسخے اور رسالوں کے حوالے جات بھی شامل تھے۔ قابلِ ذکر مندرجۂ ذیل نامور مؤرخین کی مستند تصانیف ہیں۔

نفح الطیب (علّامہ مقری)، تاریخ طبری۔ تاریخ اسلام۔ ابنِ خلدون۔ ابن حیان۔ ابن بشکوال۔ الرازی۔ تاریخ مسعودی عبرت نامہ اندلس (علامہ ڈوزی) اخبار اندلس (ایس۔ پی اسکاٹ)۔ اندلس (کونڈے)۔ موزران اسپین (لین پول) فالکن آف اسپین (ارفرنگ) تاریخ عرب (ہٹی)۔ تاریخ مسلمانان (امیر علی) تاریخ اسپین (منشی عابد حسین سہارنپوری) تاریخ اندلس (ریاست علی ندوی) اندلس کا تاریخی جغرافیہ (مولوی عنایت اللہ) خلافت اندلس (نواب ذوالقدر یار جنگ) نقشِ اسلام وغیرہ۔

میں اپنے کرمفرما مرزا عابد عباس کا بیحد ممنون ہوں کہ وہ اس کی تحریر کے دوران میں مستقل میری ہمت افزائی کرتے رہے اور میرے ارادوں کو متزلزل نہ ہونے دیا۔ مجّی داؤد تفضل صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنی بعض نادر کتابوں کے ساتھ مشوروں سے بھی استفادہ کا موقع دیا۔ بے جا ہوگا اگر اس کتاب کے ناشر علیم اللہ صاحب شیروانی کا ذکر شکریئے کے ساتھ یہاں نہ کیا جائے۔ انہوں نے اس کی اشاعت میں جس دلچسپی کا اظہار کیا وہ میرے لئے بہت ہی تقویت بخش تھی۔ شروع سے لے کر اب تک اُن کی یہی کوشش رہی کہ کتابت و طباعت کے لحاظ سے اس میں کوئی ایسی کمی باقی نہ رہ جائے جو اہلِ ذوق پر گراں گزرے آخر میں وہ حضرات

Marfat.com

جو اسے پڑھ کر اس کی خامیوں سے مجھے آگاہ کریں گے میرے نزدیک سب سے زیادہ شکریے کے مستحق ہوں گے۔

کاشانۂ ضیاء۔ حیدر آباد
یکم جون ۱۹۵۶ء

عبد القوی ضیا

Marfat.com

ناشر کے تأثرات

جن قوموں کے افراد ماضی کی طرف نہ دیکھنے پر مصر ہیں وہ یا تو دیدہ و دانستہ ہر پرانی چیز کو نفرت بھری نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ یا ماضی کو قصۂ پارینہ سمجھ کر اسے فراموش کر دینا بہتر سمجھتے ہیں اور یا پھر وہ لوگ بنی نوع انسان کے ارتقاء سے منکر ہیں۔ نیکی اور بدی کا ازل سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ جہاں نیکیوں پر عمل پیرا ہونا جزو پیغمبری ہے۔ وہاں برائیوں میں مبتلا ہونا کیا کافری نہیں ہے؟ ماضی میں انسان کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اذیت کے تمام وحشیانہ طور طریقے انسان پر مختلف بہانوں سے آزمائے گئے۔ ملوکیت اور مخدومیت نے بے پناہ جانیں تلف کیں۔ اختلاف رائے اور اندھی عقیدتمندی نے خون کے دریا بہا دیئے۔ ان ہولناک سزاؤں کے علاوہ انسان کبھی تو غلام بنا۔ کبھی دیوتاؤں کے بھینٹ چڑھا۔ کہیں اس کی کھال اتاری گئی۔ کہیں اس کی بوٹی بوٹی نوچی گئی کہیں اسے زندہ جلایا گیا۔ تو کہیں دار پر لٹکایا گیا۔ لیکن حق اور صداقت کے جاں نثار پھر بھی مٹ نہ سکے۔ زندگی کا "کن فیکون" کا یہ دور چلتا رہا۔ انسان زندگی کے ہر مرحلے اور ہر موڑ پر لاتعداد قربانیاں دینے کے باوجود انقلاب برپا کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا پھر امن و امان کا وہ زمانہ بھی آیا جو سب گذشتہ زمانوں پر سبقت لے گیا۔ وحشت، بربریت اور جہالت کے پیرانہ سال دیوتا (بت) ریزہ ریزہ ہوگئے۔ زندگی نے جانفزا اور رُوح پرور کروٹ لی۔ باغِ دُنیا میں بہار آئی۔ ہر سو کلیاں چٹکنے لگیں۔ شاخوں پر پھول جھومنے لگے۔ انسان نے اطمینان کا سانس لیا اور انسانیت سکھ چین کے گہوارہ میں مسکرانے لگی۔ دُنیا کو ایک مژدہ ملا۔ ایک بشارت ہوئی۔ دورافتادہ صحرا سے ایک صدا بلند ہوئی جس کی بازگشت نے دُنیا بھر کی برائیوں کی بساط الٹ دی۔ یہی تو وہ معجزہ ہے جس کو اسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آج کی ترقی یافتہ قومیں جن کو ہم اکثر حسرت اور رشک بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان کا ماضی کیا تھا؟ بلاشبہ ان قوموں کو خود اپنی ہی روایات سے جہاد کرنا پڑا۔ آج وہ سوشلزم، کمیونزم، سیکولرزم، ایونزم وغیرہ کے ناموں پر مختلف تجربے کر رہے ہیں یہ صرف اس لئے ہے کہ ان کا ماضی درخشاں تھا

Marfat.com

نہ حال اتنا بمفدہ ہے دنیا جانتی ہے کہ ہر قوم کو لامحالہ ہر قدم پر مسلمان کی میراث ...... "اسلام" کے بنیادی اصول پر کاربند ہونا پڑا ہے۔ آج کی تہذیب و تمدن جس کو اچھا سمجھ کر اتنا اچھا لا جاتا ہے۔ ان کے پس پشت جتنی خوبیاں ہیں وہ یقیناً اسلام سے مستعار لی گئی ہیں مسلمان کو اس حقیقت پر ناز ہے کہ ان کی آج سے تیرہ سو برس پہلے کی روایات ابھی تک مسلم ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں اگر آج کے مسلمان کو کچھ دکھائی نہیں دیتا تو یہ اس کی کوتاہ بینی کا تصور ہے۔ "تاریخ" دُنیا ئے اسلام کے احسانات تاقیامت فراموش نہ کر سکے گی۔

افسوس اس امر کا ہے کہ مسلمان قوم جس غور و فکر اور عمل کی وساطت سے بام عروج تک پہنچی۔ کیوں کر تباہی کے گڑھے میں گر گئی۔ یہ دُنیا تو میدانِ عمل ہے، یہاں قوم اپنے بگڑنے اور سنورنے کی ذمہ دار خود ہے بقول حالیؔ

کہ ہم نے بگاڑا نہیں کوئی اب تک
وہ بگڑا نہیں آپ دُنیا میں جب تک

کسی کے بگڑنے اور سنورنے کے وجوہات خود اس کی غلط و صحیح جدوجہد ہوتی ہے۔ تاریخ اور انسان کی طویل جدوجہد قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔ اس دورِ انحطاط میں ہر ذی فہم آدمی اگر وہ ترقی کی راہ پر گامزن ہونا چاہتا ہے تو اسے اپنے ماضی کے جھروکوں میں ضرور جھانکنا ہوگا۔ اور پھر اسے یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ وہ کہاں اور کب منزل کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر گمراہ اور بے راہ روی کا شکار ہو گیا اور پھر اسے منزلِ مقصود تک پہنچنا یقیناً دشوار نہ ہوگا۔ یہ احساس ہمارے دلوں میں شدّت سے پیدا ہو رہا ہے کہ مسلمان قوم کے موجودہ حالات تسلّی بخش نہیں ہیں احساسات و جذبات زندگی کے لاینفک اجزا ہوتے ہیں۔ کتاب ہٰذا، صرف اسی ارادے سے شائع کی گئی ہے کہ مسلمان قوم کے خوابیدہ ذہن کو جھنجھوڑا جائے۔ تاکہ وہ خوابِ خرگوش سے بیدار ہو۔

میں جناب عبد القوی صاحب ضیاءؔ کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے ہمارے ارادوں کو عملی جامہ پہناتے ہوئے پانچ سو سالہ بنی اُمیّہ کے دور کو ایک فاضل مصنّف کی طرح پوری ذمہ داریوں کے ساتھ قلم بند کیا اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ ہماری قوم اس سے کتنا استفادہ کرتی ہے۔

علیم اللہ

Marfat.com

باب - ۱
اُندلس مُسلمانوں کے حملے سے قبل

الف۔ نام کی وجہ تسمیہ:۔ برّ اعظم یورپ کا وہ ایک انتہائی وسیع عریض ملک ہے۔ جسے اسپین یا ہسپانیہ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ اپنی مغربی حدود میں جزیرہ نما کی شکل رکھتا ہے۔ اس کے ایک طرف پہاڑوں کا سلسلہ ہے اور باقی تین طرف نیلگوں سمندر کی لہریں ساحل سے ٹکراتی ہیں آج کا اسپین پرتگال سے الگ ہے۔ مگر جب مسلمانوں کے قدم اس سبزہ زار ملک میں پہنچے تو پرتگال بھی اس میں شامل تھا۔

کبھی یونانیوں نے اسے آئبریا کے نام سے پکارا تو کبھی رومانیوں نے اسے ہسپانیہ کا لقب دیا۔ اور جب کلمہ گو وہاں پہنچے تو انھوں نے اس کو اندلس کے نام سے موسوم کیا۔ یہ خیال کہ اندلس پیغمبر نوح علیہ السلام کے شجرہ النسب سے اُندلس بن طوبال بن یافث کے اپنے نام سے مشتق کیا گیا۔ قرین قیاس نہیں ہے۔

مؤرخین اسے عربی اور فارسی دونوں زبانوں کا لفظ بتلاتے ہیں۔ مگر جو چیز زیادہ قریب عقل ہے۔ وہ یہ کہ ہاسکوٹس (جرمانی) قوم نے اس جزیرہ نما کو وانڈال (VANDAL) یا وانڈلس (VANDALUS) کا نام دیا ہے۔ یہی نام بگڑ بگڑا کر عربی میں فندلش یا اندلس بنا اور اسی کی بہتر صورت اندلس ہے جس میں لطافت اور روانی دونوں موجود ہیں۔ جرمانی۔ رومیوں کی پراگندگی کے بعد اسپین کے جنوبی حصہ بائٹیکا (BAETICA) پر قابض ہوئے۔ چونکہ اس مقبوضے پر وندال کے قدم جمے ہوئے تھے اس بنا پر فاتح نے اسے وانڈلیشیہ (VANDALICIA) کہہ کر پکارا۔

عربوں نے سب سے پہلے جنوبی حصہ پر حملہ کیا۔ چونکہ وہ وانڈلیشیہ ہی کہلاتا تھا۔ لہٰذا اسے اندلس کہنے لگے۔ مگر بعد میں جیسے جیسے فتوحات کا سلسلہ طویل ہوتا گیا تو کل کا کل علاقہ اُندلس ہی کہلانے لگا حتیٰ کہ اس میں پرتگال کا جزو بھی شامل تھا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ جب لمبی قبائیں پہننے والے۔ فرانس کی حدود میں داخل ہوئے اور انھوں نے (NARBONIENIUS--) (AQUITINIA) فتح کئے تو

Marfat.com

ان کو بھی اندلس ہی کا علاقہ شمار کیا رفتہ رفتہ فتوحات کے ساتھ ساتھ سارے مقبوضات اندلس کہلانے لگے اور جب یہ مقبوضے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکلنے لگے تو بقیہ حصہ بھی اسی نام سے موسوم رہا۔ گویا اس جزیرہ نما میں جہاں مسلمانوں کی حکومت تھی وہاں کا نام اندلس رہا۔

پھر جو علاقے بعد میں عیسائیوں نے حاصل کر لئے انھیں مسلمان بھی ان کے ہی ناموں سے پکارنے لگے۔ جیسے گلیشیا (GALECIA) لیون (LEON) استوریاس (ASTURIAS) نوارا (NAVARRA) کیسٹیل قشتالیہ (CASTILE) اور کاتولینہ (CASTALSNIA)

ب۔ طبعی حالت۔ (PHYSICAL FEATURES) یورپ کا یہ حسین ملک قدرتی نعمتوں اور جملہ رعنائیوں سے آراستہ ہے۔ اس میں زمین کو زرخیز کرنے والی ندیاں بھی بہتی ہیں۔ معدنیات سے پُر پہاڑوں کے سلسلے بھی ہیں۔ حسین مگر تیز رو آبشار بھی ہیں۔ اور ہرے بھرے مرغزار بھی۔ گو عربوں نے اسے جزیرہ کہا۔ مگر شکلاً یہ جزیرہ نما ہے۔ گویا اس کے تین طرف بحر زخار ہیں اور ایک طرف فرانس سے جدا کرنے والے پائرنس پہاڑوں کے سلسلے جن کے قدرتی درے اور کوہ ہیں۔ اسپین کو فرانس سے ملانے پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ جنوب میں بحر رقاق اور مشرق میں بحر متوسط۔ (MEDITARIANENSEA) مغرب میں بحر محیط (ATLANTIC OCEAN) اور جنوب میں پائرنیس پہاڑ ہیں اور خلیج بسکے ہے۔ بحر متوسط اور بحر محیط کو جو آبنائے ملاتی ہے اسے آج کل آبنائے جبر الطارق (STRAITS OF GIBRELTAR) بھی کہتے ہیں اور یہی افریقہ اور اسپین کے درمیان مختصر سی دوری ہے۔ جہاں بحر محیط اور خلیج بسکے ملتی ہے۔ اسے مجمع البحرین بھی کہتے ہیں۔

جنوبی اور مشرقی حدود۔ جنوب اور شمال مشرق کے کناروں پر جو حلقہ قائم ہوتا ہے وہ بحر رقاق اور بحر متوسط کے ساحلی علاقے ہیں۔ یہ سلسلہ ساحل سے لگا ہوا اربونہ جو فرانس میں شامل ہے تک چلا گیا ہے مگر بیچ میں سمندر کے کنارے ہیکل الزہرا (PORTUS VENS) ضرور آتا ہے۔ یہ علاقہ طرف الاغر جسے (TRAFALGAR) کہتے ہیں سے شروع ہوتا ہے۔ اسی کے قرب میں جزیرہ طریف ہے۔ جہاں موسیٰ بن نصیر پہلا جنرل پانچ سو سواروں کے ساتھ اترا تھا۔

جنوب اور شمال۔ جنوب اور شمال مغرب سے جو علاقے منسلک ہیں۔ وہ ساحلی شہر رقاق سے شروع ہو کر کنارے کنارے بحر محیط تک چلے گئے ہیں پہلا مقام اشبونہ آتا ہے۔ اس کے بعد شنترہ اور پھر شنترین غرضکہ یہ سلسلہ جلیقیہ (GALICIA) تک چلا گیا ہے۔ جہاں بحر محیط اور خلیج بسکے آپس میں ملتے ہیں۔

شمالی مغرب و مشرق۔ یہ علاقے جلیقیہ کے آگے اشتوراس۔ اس کے بعد شکونس (RASQOES COLONY)

Marfat.com

G. S. R
1383

بعدہٗ نبرہ اور اس سے ملا ہوا جبل البرتات کا علاقہ ہے۔ اس کے پار فرانس کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے جنوبی فرانس میں بھی مسلمانوں نے متعدد حملے کئے۔ اور کم از کم بیس بڑے معرکے اس سرزمین پر انجام پائے۔

درمیانی اور نشیبی علاقے۔ شمال مغرب اور مشرق وجنوب کے ساحلی علاقوں سے ملحق درمیانی علاقے ہیں جو انتہائی سرسبز و شاداب۔ زرخیز اور قدرتی عطیات سے پُر ہیں۔ انھیں علاقوں میں بڑے بڑے زبردست معرکے ہوئے۔ یہاں ہی حکومتوں نے قیام کیا اور یہیں نشیب وفراز آئے۔

ث۔ حدود اربعہ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اندلس کے ایک جانب مختصر مگر پہاڑی اور خشکی کا سلسلہ ہے۔ اور تین جانب پانی ہی پانی۔ ایک سمت بحر متوسط MEDITERANENOCEAN ہے۔ تو دوسری جانب بحر محیط ATLANTIC OCEAN اور تیسری جانب بحیرہ زقاق یعنی STRAITS OF GIBRALTOR یہ حقیقتاً بحر متوسط اور بحر محیط کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے۔ یہ تنگ آبنائے جنوبی اندلس کو شمالی افریقہ سے متصل کرتی ہے اندلس کے شمال میں بحر اخضر یا بحر بسکس یا (BAY OF BISCAY) ہے۔ اندلس کے طول و عرض کی بابت کافی خیال آرائیاں کی گئی ہیں۔ جو حدود پہلے متعین تھے۔ اُن کا اطلاق موجودہ حدود پر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اب پرتگال ایک علٰحدہ ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج کل کے نقشہ پر یہ شمال اور جنوب سے ۳۶ درجہ وقیقہ اور ۴۳ درجہ وقیقہ LONGITUDE اور LATITUDE اور مغرب کی طرف سے ۳ درجہ ۱۲ وقیقہ اور ۹ درجہ ۳۰ وقیقہ کے درمیان واقع ہے اس میں فرانس کے وہ علاقے شامل نہیں ہیں۔ جن پر ایک عرصہ تک مسلمانوں کا تسلط رہا۔ موجودہ طریقہ پر اگر ہم پیمائش کریں تو مشرق سے مغرب تک طول ۶۵۰ میل ہوگا۔ اور شمال سے جنوب تک ۵۱۰ میل۔ اس میں فرانس کا کوئی بھی حصہ شامل نہیں ہے۔ دورِ گذشتہ میں یہی طول و عرض ۱۱۰۰ میل اور ۶۰۰ میل تھا۔ فرق کی وجہ ظاہر ہے۔ اندلس سمندر کی سطح سے اندازاً ۲۰۰۰ دو ہزار فٹ بلند ہے۔ یہ اونچائی جب پورب سے پچھم کی جانب چلئے تو کم ہوتی جائے گی یہاں تک کہ بحر اٹلانٹک کی سطح آجائے گی۔

ج۔ پہاڑوں کے سلسلے۔ سب سے نمایاں جو پہاڑوں کا سلسلہ نقشۂ اندلس پر نظر آتا ہے۔ وہ ہے جبل البرانس یا پائیریز (PYERENNES) اسی سلسلے کو کئی ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ جبل البرتات (MONTES DE PUERTO) بھی اسی کو کہتے ہیں۔ اور جبل الابواب۔ جبل الفاصل اور جبل الحاجز بھی۔

یہی پہاڑ اسپین کو فرانس سے جدا کرتے ہیں۔ مگر چند قدرتی درّے اور کوہ اس نوعیت کے ہیں۔ جو تنگ مگر عمدہ راستے کا کام دیتے ہیں۔ اور ان دونوں ملکوں میں آنے جانے کے یہی راستے ہیں

Marfat.com

جو چار ہیں۔ ان چاروں راستوں کو عموماً اس نام سے یاد کیا جاتا ہے:۔

(۱) برت الشمرۃ ,PUERTO-DECERETOR PUERTODEPINGARDA,

(۲) برت جاقہ ,PUERTODE-JACA OR PUERTO DECONERANC,

(۳) برت شناذر ,PUERTODFRONCESVALLES ORGATE OF CAESAR,

(۴) برت بیونہ PUERTO DE BEHOBIA۔

برت الشمرۃ صوبہ CATALONIA, قیطولنیہ میں ہے۔ اور برت جاقہ صوبہ وشقہ HUESCA میں۔ برت شناذر بنبلونہ PAMPLONA کے قریب اور برت بیونہ فرانس کے شہر بیونہ BAYONNA کے پاس اور اندلس میں علاقہ نوار NAVRRRE کے قریب۔ جبل البرانس کے سلسلہ مغرب میں کافی دور تک چلا گیا ہے۔ اور بسکے BISCAY اور اشتوراس ASTURIAS کے علاقوں سے گزر کر جلیقیہ (GALICIA) میں ختم ہو جاتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ جن علاقوں سے گزرتا ہے۔ نام بھی انھیں کے حاصل کرتا جاتا ہے۔ بسکے میں جبل بشکنس اور اشتوراس میں جبل اشتوراس۔

جبل البرانس کے علاوہ سرزمین اندلس پر اور بھی پہاڑوں کے نقش جابجا ابھرے ہوئے ہیں۔

۲۔ الشارات SIERRAS یہ سلسلہ پائرینیز کے دکھن جانب واقع ہے صوبہ سرقطہ SARAGOZZA کے جنوب و مشرق سے شروع ہو کر پرتگال کے شہر قلریہ COINLERE تک گیا ہے۔ شارات عربی زبان کا لفظ ہے جو شاید ہسپانوی لفظ سائرا کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اس کے معنوں میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر اسے لاطینی زبان سے حاصل کیا ہوا لفظ بتاتے ہیں جس کے معنے آرے کے ہیں۔ اور کچھ صحرا سے قرب پیدا کرتے ہیں۔ قرین قیاس دونوں محسوس ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر اس لئے کہ شارات کی چوٹیاں آرے کے دندانوں کی مانند ہیں۔ اور آخر الذکر اس باعث کہ وسط ملک کی زمین خشک بنجر اور صحرا کی مانند ہے۔ اس پہاڑ کے بھی کئی حصے ہو گئے ہیں۔ بڑا حصہ رملہ یا رمیلہ SIERREDE GUADRAMMA کہلاتا ہے۔ اور دوسرا حصہ استریلا ESTRELLA۔

۳۔ **جبل طلیطلہ** ۔ اس پہاڑ کا سلسلہ شارات کے جنوب سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے ایک ٹکڑے کا نام شارات وادی اللب SIERREDE GUADCUPE ہے اور دوسرا ٹکڑا دریائے ٹیگس TAGUS اور وادی آنہ GUADIANA سے جو ٹکڑے سیراب ہوتے ہیں اُن کے بیچ میں ہے۔

134989

۴۔ **شارات مورنیہ** ۔ SIRRE MORENA جبل طلیطلہ کے جنوب میں یہ سلسلہ چلا گیا ہے۔

Marfat.com

اور اندلس کے بیچ میں واقع ہے۔ اکثر نے اسے جبل قرطبہ بھی لکھا ہے۔ کیونکہ اس کی شاخیں قرطبہ تک پہنچی ہوئی ہیں۔ مشرقی حصہ میں جبل مشقورہ ہے جس سے دو بڑے دریا وادی شقورا اور وادی الکبیر نکلے ہیں۔

۵۔ جبل الثلیج یا جبل اشیبر۔ MONSOLORIUS ایک چھوٹا سا سلسلہ ہے۔ جس کو اب سائرا نوادا SIRRANEVADA کہتے ہیں۔ اس کی سب سے بلند چوٹی ۱۱۶۶۴ فٹ سطح سمندر سے اونچی ہے۔ گویا یہ سب سے بلند چوٹی ہے اور اس کا نام سیرودی مولاباسن CERRSDE MULLACEN علی ابوالحسن شاہان غرناطہ میں سے ایک بادشاہ کے نام سے مشہور ہے۔

۶۔ البشارات۔ ALPUXARRUS یہ ایک چھوٹا سا سلسلہ ہے جو صوبہ غرناطہ میں جبل الثلیج کے جنوب میں ساحل کے قریب دونوں جانب پھیلا ہوا ہے۔ ان چند نمایاں پہاڑوں کے علاوہ کچھ اور پہاڑ بھی پورب پچھم میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں ایک کا نام SIERRE DE ALBARRACIUS ہے یعنی (سریہ نبوزرین) اور دوسرا DAROCA کہلاتا ہے۔ اور ایک دوسرا کیونکہ GUENCA نامی ہے جنوب، اور مشرق جانب مرسیہ تک MORSE AIRANA ہے جس کا اپنی نام مونت ایرانہ MONDE AIRANA اسی طرح جنوبی مغربی گوشہ میں جبل القور اور جبل منیف ہے جو طرف القرب نامی پہاڑ تک چلا گیا ہے۔ طرف القرب کو اسپین میں (MONCHIQUE) مانشک کہتے ہیں۔

دریا۔ اندلس کی زرخیزی۔ شادابی۔ ہریالی۔ بہت کچھ ان دریاؤں کی مرہون منت ہے جو ان ادھر اُدھر پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلوں سے نکل کر پیچ و خم کھاتے۔ لہرانے سبزہ زار کرتے بہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو بحر اٹلانٹک میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو آبنائے جبرالٹر میں پناہ لیتے ہیں۔

۱۔ وادی النساء۔ GUADANESI یہ ایک مختصر دریا ہے۔ جو طریف اور جزیرہ خضرا کے درمیان بحر روم میں گرتا ہے۔

۲۔ وادی آرد۔ GUADIARD۔ یہ دریا جبل رند RONDA SERRANIADE کے منہ سے نکلتا ہے۔ اور بحر جبرالٹر سے ہٹ کر بحر روم کے دامن میں گم ہو جاتا ہے۔

۳۔ وادی القرشی۔ THEGUADALBORCA یہ بھی اتفاق سے جبل رندہ سے نکلتا ہے اور مالقہ سے دکھن کی جانب بحر روم میں گرتا ہے۔ اس پر کئی مشہور شہر آباد ہیں۔ انتقیرہ۔ ANTEQUERA الورا ALORA وادی المدینہ GUADAL MEDINA کی شاخ بھی اسی میں شامل ہو جاتی ہے۔

۴۔ وادی شقورہ SEQURA یہ نسبتاً بڑا دریا ہے۔ اس کو نہر ابیض بھی کہتے ہیں۔ یا دریائے مرسیہ اس میں بھی کئی دوسرے دریا مل جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک حدود غرناطہ سے نکلتا ہے۔ اور دو جبل

Marfat.com

شقورہ SIEIRE DE SEQURA سے یہ متعدد شہروں مثلاً مرسیہ یولاقلوشہ سے گزرتا ہوا۔ ۱۵۰ میل کا
لمبا سفر طے کرتا ہوا القنت ALICAEITE کے قریب میں ۱۹ میل دکھن کی طرف ہٹ کر بحر روم متوسط MEDITA
RRANE NSEA میں شامل ہوجاتا ہے۔

۵۔ وادی شقر JUCAR یہ دریائے جبل تنست گریہ بنو رزین DE ALBARRACIN GIESRA
سے نکلتا ہے۔ اور شہر قلیرہ CULLERA کے شہر کے پاس بحر متوسط میں گر جاتا ہے۔ اسی کا ایک معاون دریا
کبریل CABREL ہے جس کا منبع بھی وہی ہے اس دریا پر قونکہ CUEANCA نامی شہر آباد ہے۔ اور
مرسیہ اور ولنسیہ کی سرسبزی بھی اسی دریا کی وجہ سے ہے۔

۶۔ وادی ابیض۔ GUADALAVIAR اسے توریا TURIA بھی کہتے ہیں جبل دروقہ DAROCA سے
نکلتا ہے اور بلنسیہ کے پاس بحر متوسط میں گرتا ہے۔ یہ قشتالیہ CASTILE کے علاقہ سے بھی گزرا ہے اور
بلنسیہ اور ارغون کے پاس سے بھی۔

۷۔ وادی ابرو (EBRO) یہ تقریباً ۴۲۵ میل لمبا دریا ہے جبل البرانس
PYRENNES کے مشرقی حصہ سے لے کے BISCAY کے پاس سے نکلتا ہے۔ اور طرطوشہ
TORTOSA کے مقام سے ذرا آگے بحر متوسط میں شامل ہوجاتا ہے اس کے دائیں جانب وادی
شلون JALON ہے جس میں دریائے شلوقہ بہتا ہے۔ اور وادی اللب GUAD LAPE بھی شامل
ہیں اور بائیں سمت وادی جلق GALLEGO کے پاس سرقسطہ ZARAGAZA کا شہر ہے۔ اور وادی شعر
SEGRE جس پر لاردہ LERIDA کا شہر ہے۔ اسی کے کنارے طرطوشہ TARTOSA مکناسہ
MEQIUNEUZ روطہ RUEDA سرقسطہ ZARAGUZ تطیلہ TUDELA قلہرہ CALAHRRA جیسے
عظیم المرتبت شہر آباد ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ ORNCDA اور طرسونہ TARAZANA کے شہر بھی اسی
سے سیراب ہوتے ہیں CALATAYUD اس سے جو شاخ وادی شلون۔ JALON پر نکلتی ہے۔
قلعہ ایوب CALTAYUP اور مدینہ سالم MEDINACELI کے شہر ہیں۔ اور شلون کی شاخ
شلوقہ ILOCA پر دروقہ DAROCA نامی شہر بسا ہوا ہے وادی اللب نامی شہر پر قانیش
ALCANIZ آباد ہے یہ قیطلونیہ CATALONIA البرہ ALAIRE قشتالیہ CASTILE اور
اُرغون ARACON کے علاقوں سے گذرتا ہے۔

۸۔ بربَاطہ۔ BARBATE یہ ایک مختصر دریا ہے جو جبل رندہ سے نکل کر ٹرافلگر TRAFLBAR کے
جنوب میں بحر اٹلانٹک میں گر جاتا ہے یہ صوبہ قادس CADEZ سے بھی گذرا ہے۔

Marfat.com

۹۔ وادی لکہ یا وادی بکہ RIVER GUADPETC - یہ بھی ایک چھوٹا سا مگر مشہور دریا ہے اس کا منبع بھی جبل رندہ ہے۔ یہ صوبہ قادس میں بہتا ہوا بحر اٹلانٹک یعنی خلیج قادس کے پاس گرتا ہے۔ دو مشہور شہر ارکش (ARCOS) اور شریش XERES اسی پر آباد ہیں۔

۱۰۔ وادی الکبیر GUADALI QUIWIR - اس دریا کو نہر قرطبہ۔ نہر اشبیلیہ یا نہر اعظم بھی کہتے ہیں۔ اس کی اہمیت اور شہرت اور دریاؤں کی نسبت کہیں زائد ہے۔ جہاں JAEN کے قریب جبل شقورہ سے یہ چھوٹا ہے اور پھر بہت طول طول سفر طے کیا ہے۔ جنوب سے چلتا ہوا شمال کی طرف بڑھتا ہوا مغرب کی طرف مڑتا ہے اور ابدہ اور جیان کے میدانوں میں بہتا ہوا بیانہ BAEZZ کے شہر سے کچھ شمال کی طرف پہنچتا ہے کہ وادی المرہ GUADALIMAR شارات صورنیہ SIERREMORENA کے پوربی حصہ میں اپنے اندر متعدد اور چھوٹے چھوٹے دریاؤں کو سموتا ہوا پھر اندوجر ANDOTAR تک پہنچتا ہے۔ مگر پہنچنے سے پہلے وادی GUAROMAN نامی چھوٹے سے دریا کو بھی اپنے اندر جذب کرلیتا ہے۔ بعد میں خود شہر اندوجر پر ایک دریا جندولہ JANDULA بھی اس میں شامل ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ قرطبہ کے اطراف تک پہنچتا ہے۔ قرطبہ سے آگے بڑھتا ہے تو شمال کی طرف وادی علا تو RIVER GUADOMEVOTO جس کی ایک شاخ کا نام کزنہ COZNA ہے۔ شامل کرلیتا ہے۔ پھر اور آگے وادی آتو ہے۔ اس کے بعد بینذر BEMBEZAR جو وادی القیس بھی کہلاتا ہے۔ اور علاوہ ازیں دریائے بیار (BIAR) اور نہر ولبہ RIO HUELVA ہیں۔ جو اشبیلیہ اور نبلہ NIEBLA کے ضلعوں سے گزرتے ہوئے اسی میں شامل ہوجاتے ہیں۔ اشبیلیہ اور نبلہ کے درمیان زمین کی زرخیزی نہ پوچھئے زیتوں کے درختوں کی بہتات ہے۔ اس لئے یہ علاقہ شرف الاشبیلیہ AEJARAFE کہلاتا ہے۔ اسی قرب وجوار میں کئی اور دریا بھی اس میں شامل ہوجاتے ہیں۔ جن میں خاص خاص وادی آش یا وادالاشات GUADIX وادی بلون GUADALBULON دریائے سنجل یا شنیل JENIL یا SINGLILIS وادی آرہ GUADAI وغیرہ ہیں۔ آگے بڑھ کر آخر کار وادی الکبیر اپنی پہنائیاں اور وسعتیں بحر اٹلانٹک یا محیط میں غرق کر دیتا ہے۔ اس دریا کے کنارے زرخیزی۔ سرسبزی کی وجہ سے متعدد مشہور اور اہم شہر آباد ہیں ابدہ UBEDA اور پھر بیاسہ PAEXA کے شہر تو دریا سے تھوڑے فاصلہ پر ہیں۔ مگر اس سے سیراب ہوتے ہیں۔ مگر اندوجر بالکل اسی کے کنارے بسا ہوا ہے پھر شنت اور MANTORA ہے۔ آگے بڑھ کر القلیعہ ALCOLIA ہے جو درحقیقت دریائے کزنہ کے کنارے بسا ہوا ہے۔ مگر خود کزنہ آگے بڑھ کر وادی الکبیر میں شامل ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد سب سے عظیم الشان اور پرشکوہ شہر قرطبہ آتا ہے کہ جس کی یادگار

Marfat.com

جس کی عظمت کے نقوش نہ کبھی مٹ سکے ہیں۔ نہ مٹ سکیں گے تھوڑا اور آگے چلئے اسواتی نام کا ایک غیر معروف شہر آتا ہے۔ پھر حصن المدوود ALMADOVER DEL RIO اور اس سے تھوڑا آگے حصن لورہ ORADELRIO آتا ہے۔ اب تو ان کا کوئی نقش نہیں ملتا ہے انھیں دو کے درمیان ہیں ایک بڑی سڑک تھی جس پر الخادق، حصن مراد شوشبیل۔ قلعہ لمبال۔ قنطرہ، فرنجولس HORNADONELOS وغیرہ کے پڑاؤ تھے اب تو یہ سب افسانہ ماضی ہے۔ ذرا اور آگے قطلینانہ CONTEENA آتا ہے۔ پھر طشانہ۔ پھر سریش یا برنس BRENES اس سے آگے ALCOLIA پھر ایک اور شہر یا انداز اہمیت جس کا جواب نہیں۔ اشبیلیہ SEVILLA بسا ہوا ہے۔ اس کے آگے چھوٹے چھوٹے سے مقامات ہیں۔ مثلاً طرنیانہ۔ حصن القصر AZUALCOZOR قیتور۔ قیطال وغیرہ۔

۱۱۔ وادی آنہ GUADINA اس کا پرانا نام اناس ANAS تھا۔ عرب آئے تو انھوں نے اس کو آنہ ہی پکارا اور اب یہ اسی نام سے موسوم ہے۔ اس کا منبع بھی وہی ہے۔ جو دریائے شقر کا ہے۔ یہ دریا بھی باعتبار اہمیت اپنا جواب نہیں رکھتا ہے اور اسی لئے اس کے واسطے کافی تحقیق کی گئی اور نتیجے حسب ذیل حاصل ہوئے۔

۱۔ علاقہ رباح۔ CALATRAVA کے جنوب مشرق میں تقریباً اٹھارہ جھیلیں ہیں۔ ان جھیلوں سے ایک دریا نکلتا ہے جس کو آج کل وادیانہ التو THE GUADIANA ALTO کہتے ہیں۔ اور اسی دریا کے پانی سے وادیانہ خاص جو رباح سے گزرتے ہوئے یہ مخصوص نام حاصل کرتا ہے۔

۲۔ دوسرا دریا جو اس سے متعلق ہے وادیانہ باجو BAJXO - GUADIANA کہلاتا ہے۔ یعنی وادیانہ زیریں۔ یہ دیمیال DAIMIEL اور ولرتہ VILLARTA کے اونچے میدانوں سے تیزی کے ساتھ بہتا ہوا آتا ہے اور ارگاسیلا ARGAMAZILLA کے پاس زمین ہی میں غائب ہو جاتا ہے۔ تھوڑی دور آگے بڑھ کر پھر نمایاں ہوتا ہے۔ اس کے بعد پھر غائب۔ ظاہر میں ایک جھیل سا نظر آتا ہے۔ بالآخر ایک بار پھر ظاہر ہو کر دریائے اشور AZUER میں غائب ہو جاتا ہے۔ پھر یہ دونوں مل کر وادیانہ خاص میں جا ملتے ہیں۔ اس طرح سے وادیانہ آلتو اور وادیانہ باجو نے مل کر وادیانہ خاص کی تخلیق کی۔ مگر موجودہ جغرافیہ دانوں کا خیال ہے کہ اس کا اصل وجود دراصل دریائے جیجولا GIGUELA اور زنکارا ZANCARA سے ہوا ہے۔ اور یہ دونوں دریائے قونکہ CUANCA کے پہاڑوں سے نکلے ہیں۔

وادیانہ کے غائب اور ظاہر ہو جانے کی وجہ سے عرب اس کو نہر غشو بھی کہتے تھے۔ اور جہاں

Marfat.com

پرچیلوں کا ایک سلسلہ بن گیا ہے اس کو عیون وادیانہ THEOJOSDEL GUAIDANA کے نام سے پکارتے تھے۔ علامہ دمشقی کی تحقیق کے مطابق وادیانہ۔ دریائے تقلیش UCLES اور دریائے رباح CALATRAVE سے مل کر وجود میں آیا۔ دراصل علامہ نے تقلیش کے علاقے سے گزرنے والے دریا کا نام بھی تقلیش رکھ دیا۔ اس کو آج کل ریان زیر RUI RIANZARESS کہتے ہیں جو حقیقتاً دریا جیجولا میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور جیجولا دریائے زنکارا سے مل ہی جاتا ہے۔ اور پھر یہ دونوں وادیانہ خاص میں شامل ہو جاتے ہیں۔ دریائے رباح سے مراد وادیانہ بالا تو ہے۔ اور دریائے وادیانہ زیرین با جو جواب جبالین JAVA LON کہلاتے ہیں۔ اس دریا کے کنارے کئی شہر آباد تھے۔ ان میں سے بعض اب بھی کچھ نہ کچھ شہرت کے مالک ہیں۔ شہر تقلیش یہ نہر تقلیش RIARZERES سے مشرق کی طرف واقع تھا۔ قلعہ رباح CALATRAVA سے تھوڑی دور آگے تھا۔ اس کے علاوہ مدلین MEDELLIN. بطلیوس BEDJOY بلش ELVAS اور مرتلہ MERTOLA کے شہر آباد تھے۔

۱۲۔ دریائے تاجہ TAGUS۔ یہ دریا ۵۶۵ میل لمبا ہے اور یوں اسپین کا سب سے طویل دریا ہے۔ اس کا منبع شنت مریہ نورزین DE ALBARRA CINSIESRE ہے۔ پہلے یہ شمال مغرب کی طرف چلتا ہے بعد میں مغرب ہی کا رخ اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ شنترین SANTAREEN پہنچ جاتا ہے۔ اس سے قبل جب تک بحر اطلانتک میں مل نہیں گیا۔ اس کا پاٹ اس قدر چوڑا ہے کہ چھوٹے موٹے جہاز بھی اس میں چل سکتے ہیں۔ شنترین سے آگے بڑھ کر اس کے زود دھارے ہو جاتے ہیں۔ جو پھر آگے چل کر مل جاتے ہیں۔ اور لسبن LISBON کے پاس جھیل بنا دیتے ہیں۔ اور بعد میں بحر اطلانتک سے ناتہ جوڑ لیتے ہیں۔ دائیں سمت سے ایک اور دریا شرنیہ TARANIA بھی اس میں شامل ہو گیا ہے۔ جو صوبہ طلیطلہ کے شہر ارنش ARASAGAEZ کے پہاڑوں سے نکلا ہے۔ اسی کے کنارے بیوتی HUTE۔ ارنش ARANIAEZ اور طلیطلہ TOLEDO جیسے شہر آباد ہیں۔ اس کے آگے طلبیرہ TALAVERADERAYNE اور پھر سنترین SANTAREEN اور پھر حصن المعدن ALMADA اور پھر لسبن واقع ہیں۔ اس کے بعد بحر ظلمات (اٹلانٹک) کی طغیانیاں ہیں۔ دریائے شرنیہ سے پہلے ہی ایک دریا ہینارس RIO HENARES. مل چکتا ہے جس کے کنارے وادی الحجارہ GUADALAXARA کا مشہور شہر آباد ہے۔ شہر نیہ۔ میڈرڈ MADRID جو آج کل دارالخلافہ اسپین ہے کے قریب سے بھی گزرتا ہے۔

Marfat.com

جو چار ہیں۔ ان چاروں راستوں کو عموماً اس نام سے یاد کیا جاتا ہے:۔

(۱) برت الشمرۃ PUERTO-DECERETOR PUERTODEPINGARDA,

(۲) برت جاقہ PUERTODE-JACA OR PUERTODECONERANC,

(۳) برت شاذر PUERTODFRONCESVALLES ARGATE OF CAESAR,

(۴) برت بیونہ PUERTO DE BEHOBIA.

برت الشمرۃ صوبہ CATALONIA, قیطولینہ میں ہے۔ اور برت جاقہ صوبہ وشقہ HUESCA میں۔ برت شاذر بنبلونہ PAMPLONA کے قریب اور برت بیونہ فرانس کے شہر بیونہ BAYONNA کے پاس اور اندلس میں علاقہ نوار NAVRRRE کے قریب۔ جبل البرانس کے سلسلہ مغرب میں کافی دور تک چلا گیا ہے۔ اور بسکے BISCAY اور اشتوراس ASTURIAS کے علاقوں سے گزر کر جلیقیہ GALICIA, میں ختم ہو جاتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ جن علاقوں سے گزرتا ہے۔ نام بھی انھیں کے حاصل کرتا جاتا ہے۔ بسکے میں جبل بشکنس اور اشتوراس میں جبل اشتوراس۔

جبل البرانس کے علاوہ سرزمین اندلس پر اور بھی پہاڑوں کے نقش جابجا ابھرے ہوئے ہیں۔

۲۔ الشارات SIERRAS یہ سلسلہ پائرینیز کے دکھن جانب واقع ہے صوبہ سرقسطہ SARAGOZZA کے جنوب و مشرق سے شروع ہو کر پرتگال کے شہر قلمریہ COINLERE تک گیا ہے۔ شارات عربی زبان کا لفظ ہے جو شاید ہسپانوی لفظ سائرا کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اس کے معنوں میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر اسے لاطینی زبان سے حاصل کیا ہوا لفظ بتاتے ہیں جس کے معنے آرے کے ہیں۔ اور کچھ صحرا سے قرب پیدا کرتے ہیں۔ قرین قیاس دونوں محسوس ہوتے ہیں۔ اوّل الذکر اس لئے کہ شارات کی چوٹیاں آرے کے دندانوں کی مانند ہیں۔ اور آخر الذکر اس باعث کہ وسط ملک کی زمین خشک بنجر اور صحرا کی مانند ہے۔ اس پہاڑ کے بھی کئی حصے ہو گئے ہیں۔ بڑا حصہ رملیا رمیلہ SIERREDE GUADRAMMA کہلاتا ہے۔ اور دوسرا حصہ استریلا ESTRELLA۔

۳۔ **جبل طلیطلہ**۔ اس پہاڑ کا سلسلہ شارات کے جنوب سے شروع ہوتا ہے۔ اس کے ایک ٹکڑے کا نام شارات وادی اللب SIERREDE GUADCUPE ہے اور دوسرا ٹکڑا وادی یلیٹے ٹیگس TAGUS اور وادی آنہ GUADIANA سے جو ٹکڑے سیراب ہوتے ہیں ان کے بیچ میں ہے۔

134984

۴۔ **شارات مورنیہ**۔ SIRRE MORENA جبل طلیطلہ کے جنوب میں یہ سلسلہ چلا گیا ہے۔

Marfat.com

اور اندلس کے بیچ میں واقع ہے۔ اکثر نے اسے جبل قرطبہ بھی لکھا ہے۔ کیونکہ اس کی شاخیں قرطبہ تک پہنچی ہوئی ہیں۔ مشرقی حصہ میں جبل مشقورہ ہے جس سے دو بڑے دریا وادی شقورا اور وادی الکبیر نکلے ہیں۔

۵۔ جبل الثلیج یا جبل اشلیز۔ MONSOLORIUS ایک چھوٹا سا سلسلہ ہے۔ جس کو اب سائرا نوادا SIRRANEVADA کہتے ہیں۔ اس کی سب سے بلند چوٹی ۱۱۶۶۴ فٹ سطح سمندر سے اونچی ہے۔ گویا یہ سب سے بلند چوٹی ہے اور اس کا نام سیرودی مولاباسن CERRSDE MULLACEN علی ابوالحسن شاہان غرناطہ میں سے ایک بادشاہ کے نام سے مشہور ہے۔

۶۔ البشارات۔ ALPUXARRUS یہ ایک چھوٹا سا سلسلہ ہے جو صوبہ غرناطہ میں جبل الثلیج کے جنوب میں ساحل کے قریب دونوں جانب پھیلا ہوا ہے۔ ان چند نمایاں پہاڑوں کے علاوہ کچھ اور پہاڑ بھی پورب پچھم میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں ایک کا نام SIERRE DE ALBARRACIUS ہے یعنے (سریہ نبورزین) اور دوسرا DAROCA کہلاتا ہے۔ اور ایک دوسرا کونکہ CUENCA نامی ہے جنوب، اور مشرق جانب مرسیہ تک MORSE AIRANA ہے جس کا اسپنی نام مونت ایرانہ MONDE AIRANA اسی طرح جنوبی مغربی گوشہ میں جبل القور اور جبل منیف ہے جو طرف القرب نامی پہاڑ تک چلا گیا ہے۔ طرف القرب کو اسپین میں (MONCHIQUE) مانشک کہتے ہیں۔

دریا۔ اندلس کی زرخیزی۔ شادابی۔ ہریالی۔ بہت کچھ ان دریاؤں کی مرہون منت ہے جو ان ادھر ادھر پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلوں سے نکل کر پیچ و خم کھاتے۔ لہراتے سبزہ زار کرتے بہتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو بحر اٹلانٹک میں جذب ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو آبنائے جبرالٹر میں پناہ لیتے ہیں۔

۱۔ وادی النساء۔ GUADANESI یہ ایک مختصر دریا ہے۔ جو طریف اور جزیرہ خضرا کے درمیان بحر روم میں گرتا ہے۔

۲۔ وادی آرد۔ GUADIARD۔ یہ دریا جبل رند RONDA SERRANIADE کے منہ سے نکلتا ہے۔ اور بحر جبرالٹر سے ہٹ کر بحر روم کے دامن میں گم ہو جاتا ہے۔

۳۔ وادی القرشی۔ THE GUADALBORCA یہ بھی اتفاق سے جبل رندہ سے نکلتا ہے اور مالقہ سے دکھن کی جانب بحر روم میں گرتا ہے۔ اس پر کئی مشہور شہر آباد ہیں۔ انتقیرہ۔ ANTEQUERA اور ALORA وادی المدینہ GUADAL MEDINA کی شاخ بھی اسی میں شامل ہو جاتی ہے۔

۴۔ وادی شقورہ SEQURA یہ نسبتاً بڑا دریا ہے۔ اس کو نہر ابیض بھی کہتے ہیں۔ یا دریائے مریہ اس میں بھی کئی دوسرے دریا مل جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک حدود غرناطہ سے نکلتا ہے۔ اور دو جبل

Marfat.com

ان کے علاوہ دو چار اور بھی چھوٹے چھوٹے دریا ہیں مثلاً نہر مندیق MENDEGS دریائے دویرہ DOURO وادی مینہ MINHS وادی یلہ ALLLA جو کسی خاص اہمیت کے مالک نہیں ہیں۔ دسیوں ایسے بھی چھوٹے چھوٹے دریا ہیں۔ جن کے نام بھی قابل ذکر نہیں ہیں۔ البتہ وہ اسپین کی شادابی میں ضرور معاونت کرتے ہیں۔

قدیم باشندے

یہ ملک اپنی قدرتی عطیات۔ حسن و دلفریبی کی وجہ سے ہمیشہ مختلف اقوام کی نگاہوں کا مرکز رہا کبھی ایک قوم نے اس کے سبزہ زاروں کو لوٹا اس کے مرغزاروں کو تاراج کیا۔ کبھی دوسری نے حتیٰ کہ مسلمانوں کے قدم یہاں پہنچے۔ جنہوں نے سات آٹھ صدیاں مستقل یہاں حکومت کی۔ وہ بھی اس طرح سے کہ اس کی صنعت و حرفت۔ رنگینی و لطافت۔ تجارت و زراعت تعمیر و اختراعات میں گرانقدر اضافے کرتے رہے۔ حتیٰ کہ پھر عیسائیوں نے اپنے اکھڑے قدم جمائے۔ جو ہنوز جمے ہوئے ہیں۔

کہنے کو یہاں آئبریا۔ کلٹ۔ فنیقی۔ یونانی۔ رومانی۔ شیوانی۔ الانی۔ وَنڈال۔ قوطی زندگی بھی سبھی قوموں نے اپنے اپنے طور پر رنگ جمایا اور اس حسین و شاداب علاقے کو کبھی آباد کیا کبھی برباد۔ مگر ان میں سے ایک قوم نے بھی اسپین کی عظمت و رفعت بڑھانے میں وہ کوشش نہ کی جو عرب کے ریگستان میں بسنے والی قوم نے کہ جن کے قدم جہاں جہاں بھی پہنچے اپنے ساتھ ترقی اور تمدن کے نشان دیتے گئے۔

یہ ساری اوپر بیان کی ہوئی قومیں بجز فنیقیوں PHOENIX کہ جو ملک شام سے وابستہ تھیں باقی سب مشرقی یا وسطی یورپ سے متعلق تھیں۔ فنیقیوں نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے بہت قبل شام سے آکر اسپین سے تجارتی رشتہ جوڑا اور اپنی کئی بستیاں قائم کیں بعد میں جب افریقہ میں علاقہ قرطاجنہ میں ان کی باقاعدہ حکومت قائم ہوگئی تو ۲۴۰ق م انھوں نے جنوبی اسپین میں بھی اپنی حکومت کی بنیاد رکھی اسی کے تھوڑے عرصہ بعد یونانی بھی یہاں نزم آزما ہوئے گو مشرقی ساحل اسپین پر کچھ شہر بھی آباد کئے اور ان پر حکومت بھی کی۔ دوسری صدی کے اواخر میں رومنوں نے قوت پکڑی اور ان کی سلطنت واقعتاً کئی سو برس صدہا اسپین میں قائم رہی۔ مگر جب ان کی طاقت کا

Marfat.com

زور ٹوٹا تو اسپین ہی کے باشندے جو شمال مغرب میں بسے ہوئے تھے اور ثیوانی کہلاتے تھے۔ اس کے پر قابض ہو گئے۔ مگر ان کے حوصلے بھی جلد ہی پست ہو گئے اور بحیرہ خزر کے نواح میں بسنے والی ایک قوم الانی نے وسطِ یورپ اور فرانس کو فتح کیا۔ اور بعد ازاں اسپین میں بھی اپنے قدم جمائے۔ ان کے بعد قوطیون کا رنگ جما۔ سنہ ۴۱۴ء میں وہ اسپین میں داخل ہوئے اور سنہ ۴۱۹ء میں انھیں قوطیون نے اِدھر اُدھر ثیوانی اور الانی مقبوضات کو بھی فتح کیا۔ اور جنوبی اسپین سے لے کر فرانس کے دریائے لوائر LOIR تک اپنی حکومت کو پھیلایا۔ مگر حسین اور شاداب وادیوں کے گہوارے کو عرصہ تک انھیں کے قبضے میں بھلا کیسے رہنے دیا جا سکتا تھا۔ جرمنی سے ایک قوم واندال VANDAL نامی فرانس کی سرحدوں کو پار کرتی اسپین میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئی۔ اور بیس برس یہاں حکومت کر کے افریقہ چلی گئی۔ انھیں کے نام پر اسپین واندلیکہ یا واندلسیہ کہلایا اور ان کے بعد وہ قوم داخل ہوئی جو گوتھ کہلاتے تھے۔ جب یہ شمال کی جانب بڑھے تھیوارک کے تحت جب اٹلی پر قابض ہوئے تو اسٹرو گوتھ ASTROGOTH کہلائے۔ اور جب اسپین میں حکومت کا سنگ بنیاد رکھا تو ویزی گوتھ VISIGOTH کے نام سے موسوم ہوئے۔ اسی قوم کا آخری بادشاہ غیطشہ WITIZA تھا جس کو اس کی باغی فوج کے سردار رذریق RODERIC نے شکست دی اور پھر قتل کر کے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کا زمانہ حکومت تھا ۷۰۲ء تا ۷۰۹ء۔ یا ۷۱۱ء میں مسلمانوں نے اسپین میں نقل و حرکت شروع کی۔

اسپین کی مُعاشرتی کیفیت

تنگ نظری۔ تعصب۔ جہالت۔ بے دینی۔ گمراہی۔ تاریکی۔ انتشار۔ اضطراب۔ جھوٹ۔ پست اخلاقی۔ زناکاری۔ شراب خوری۔ قمار بازی یہ وہ چند خصوصیات ثقافت تھیں۔ جو نہ صرف اسپین بلکہ ماسوائے اسپین میں بھی بدرجہ اتم پھیلی ہوئی تھیں۔ دولت کی زیادتی۔ سہل پسندی اور فراوانی عطیاتِ الٰہی نے تعیش۔ عشرت۔ پست مذاقی کی صفات پیدا کیں۔ اور اچھائیوں سے اپنا دامن موڑے ہی رکھا۔ گوتھ نے دو صد سال حکومت کرنے کے باوجود رومنوں کی خرابیوں اور گمراہیوں کو دور کرنے کی کوشش تو درکنار ان کی برائیوں کو اور بھی وابستہ کرتے چلے گئے۔ بدکاریوں کی ترویج ہوئی۔ اچھائیوں کا منہ کالا کیا گیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ گوتھ جری بھی تھے۔ دلیر بھی۔ ہمت مردانہ کے بھی مالک تھے۔ جرأت رندانہ کے بھی مگر ان کی دلیری سانکی جرأتیں۔

اخلاق اور معاشرے کی کمزوریوں کی بیخ کنی کرنے کے بجائے ان کی سیوا ہی کرتی ہیں۔ انھوں نے تہذیب عیسوی تو اختیار کر لیا تھا مگر مذہب کی پابندیوں اور خوبیوں کو اختیار کرنے میں پوری طرح کوتاہی برتی تھی۔ اور ایک انھیں پر کیا موقوف خود عیسائی پادری، پروہت اور ہدایت کے علمبردار برائیوں اور کمزوریوں کا زبردست مجموعہ تھے۔ ان کی معبد گاہیں حرم سرائیں سے بڑھ کر تھیں۔ ان کے خزینے دولت سے معمور اخلاق سے خالی تھے۔ تنگ نظری ان کا طرۂ امتیاز تھا ظلم و تشدد غیر عیسائیوں پر ضرب المثل۔ علم کی روشنی ان کی عبادت گاہوں میں پہنچ ہی نہ پاتی تھی اور اگر پہنچتی بھی تھی تو زنگ آلود اور تنگ نظر ہو کر یہودی علم و ادب سے ذوق ضرور رکھتے تھے مگر راندۂ درگاہ تھے۔ وہ صنعت و حرفت سے لگاؤ رکھتے تھے۔ مگر دولت ان کا مقبوضہ نہ تھی۔ ان کی عورتوں کی عصمتیں محفوظ تھیں نہ ان کی بیٹیوں کی ناموس۔ ان کی زبان پر حکم زبان بندی تھا۔ ان کے اعصاب پر پہرا خداوندی۔ ان خود ساختہ خداؤں کے ایک اشارے پر یہودیوں کی بیویاں۔ بیٹیاں۔ بہنیں یا تو گرجاؤں کی نذر کر دی جاتیں یا کسی کی بھی کنیزیت میں دی جا سکتی تھیں۔ ان کو۔ ان کی بیٹیوں کو کسی وقت بھی غلام بنایا جا سکتا تھا۔ ان کی دولت کو بھی غصب کیا جا سکتا تھا اور تجارت اور حرفت اور زراعت کو کبھی بھی تہس نہس کیا جا سکتا تھا۔

پست طبقے کے لوگ جنھیں عوام کہہ کر پکارا جاتا ہے حقیقتاً غلام تھے۔ بلکہ غلاموں سے بھی بدتر وہ اپنے آقاؤں کے اشارے پر اپنی گردنیں بھی کٹوانے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اپنی جانیں دینے سے بھی دریغ ممکن نہ تھا۔ طاقت اور طاقتوروں نے ان کی انسانیت اور ان کی قوت کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ وہ ان تمام امور کو انجام دینے پر مامور تھے جو غلام۔ ملازم۔ مہتر۔ چمار۔ چنڈال کیا کرتے ہیں پھر بھی اس کا معاوضہ محض دشنام طرازی تھا یا بدگوئی اور بدکلامی۔ کوڑوں کی مار مختلف النوع سرزنش معمولی باتیں تھیں۔ معاشرے میں نہ ان کی کوئی حیثیت تھی اور نہ وہ کبھی کسی بھی حیثیت کا تصور کر سکتے تھے۔ اور اگر کرتے بھی تو اسے نہ صرف اخلاقی گناہ سمجھا جاتا بلکہ مذہبی بھی۔ اور سزا کوئی بھی کڑی سی۔ سخت سی۔ سوچ لیجئے۔ وہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔

درمیانی طبقہ ہر عہد۔ ہر ملک و ملت میں ایک خاص حیثیت کا مالک ہوتا ہے۔ انھیں میں تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ انھیں میں دانشمند۔ انھیں میں اہلکار۔ انھیں میں صلاح کار۔ اسپین کا رنگ ہی کچھ جدا گانہ تھا۔ یہ درمیانی طبقہ ہزار ہا مصائب کا شکار۔ نہ معلوم کتنے ہی بوجھوں کا باربردار تھا۔ ٹیکس وہ ادا کرتا تھا۔ حکومت کے کارندے کی حیثیت سے وہ کام کرتا تھا۔

Marfat.com

زراعت کی دیکھ بھال اس کا کام تھا۔ صنعت وحرفت کا وہ نگراں تھا۔ سپاہی وہ تھا۔ مزدور وہ تھا۔ ملازم وہ تھا۔ محکوم وہ اور باقی لوگ بس حاکم ہی حاکم تھے کہ جن کے ایک اشارے پر دولت کے انبار لگا دیتا۔ ان کا کام عیش وعشرت کے سامان بہم پہنچانا ان کی ذمہ داری تھی۔ خزانوں کی بھرپوری ان کی ڈیوٹی تھی۔ ملک کی نگہبانی ان کا فرض۔ جنگوں میں شرکت اور جان کی بازی لگانا ان کی اطاعت کی دلیل تھی۔

مزے میں تھے تو بس دو طبقے یا حاکم وقت یا مذہب کے خداوند۔ جہاں حُسن وعشق کی چاشنی تھی۔ رنگینیوں اور رعنائیوں کے مزے تھے۔ دولت کی بہتات تھی۔ عشرت سے التفات تھا۔ اگر کوئی کام تھا تو بس یہی جئیو تو عیش کی خاطر مرد تو کئے ہوئے عیش کا غم کرتے۔ پادری آلۂ تھے حکومت کے اور حکومت سہارا تھی مذہبی پیشواؤں کا۔ ایک دوسرے کے معاون ایک دوسرے کے مددگار۔ ایک دوسرے سے زیادہ ظالم۔ ایک دوسرے سے زیادہ تشدد پسند۔ اور جب یہ عالم ہو تو کسی اخلاق محمد ھارنے والے اور انسانیت کے علمبردار کو کیا جگہ مل سکتی ہے۔ غیلطشہ یا ڈٹیزا قوم گوتھ کا آخری تاجدار یہودی کا ہی خواہ۔ غریبوں کا معاون۔ شرافت کا حامی تھا۔ وہ عبادت گاہوں میں ناسور کی طرح رستے ہوئے گناہوں اور گناہگار زندگی سے سخت متنفر تھا۔ اور یہی سب سے بڑی اس کی کمزوری تھی۔ یہی خامی۔ جو اس کے زوال کا باعث۔ اس کی موت کی وجہ بنی۔

مذہب اور پیشواؤں کے احکام کی خلاف ورزی اس عہد کا سب سے بڑا گناہ تھا۔ جو ناقابلِ معافی سمجھا جاتا تھا۔ ڈٹیزا اس کی سزا نہ بھگتے ناممکن تھا۔ پوپ کا حکم مذہب کے ماننے والوں کے لئے فریضۂ الٰہی اور پھر اس میں تو خود غرضوں اور خود پرستوں کا فائدہ تھا۔ بغاوت ہوئی خود فوج کی جانب سے اور رذریق یا RODERIEK کی سرکردگی میں اس نے شاہی فوج کو شکست دی۔ اور ڈٹیزا کو واجب القتل ٹھیرا کر تخت پر خود قبضہ کر بیٹھا۔

اس عہد کے رواج کے مطابق نوابین۔ رؤسا۔ امراء۔ حکام اپنی بیٹیوں بہنوں کو حرم شاہی میں آدابِ شاہی اور اصولِ تہذیب سکھانے کی غرض سے بھیجتے تھے۔ گورنر سبتہ (CAEUTA) نواب جولین کی لڑکی فلورنڈا بھی اسی غرض سے حدود محلسرا میں داخل کی گئی۔ اس کی عزت کی حفاظت راذرک پر اسی قدر واجب تھی جتنی کہ اپنی لڑکی کی۔ مگر وہ اس کے حُسن بے پناہ کا والہ و شیفتہ۔ اس کی سحر طرازیوں سے اس حد تک مسحور ہوا کہ اس کی لاج کی بھی لاج نہ رکھی۔ اس کے ناموس کو بھی داغدار کرنے سے گریز نہ کیا۔ یہ نیک طینت بوالہوسی کے ہتھکنڈوں سے بھلا کہاں واقف۔

Marfat.com

وہ حسنِ معصوم مکر و فریب کی چالوں سے کہاں آگاہ۔ یہ جو ناگہانی پڑی۔ تو بس رونا کام رہ گیا۔ غم کرنا شعار۔ تھی سمجھدار باپ کو پوری روئداد اپنے ایک معتمد کے ہاتھوں بھجوادی جس کو یہ تاکید کر جلد از جلد حضور جولین میں پہنچے اور راز کی پورے طور پر حفاظت کرے۔ جولین کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ کرتے ہوئے بھی حقیقت پر اعتبار کرنا پڑا۔ بردباری اور نزاکت کا تقاضہ تھا کہ جلد بازی یا تیز گامی سے کام نہ لیا جائے بلکہ راڈرک کی طاقت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سوچ سمجھ کر قدم اٹھایا جائے۔ جولین جب دربار طلیطلہ میں پہنچا تو اس نے اپنے کسی فعل۔ کسی حرکت سے بھی یہ اظہار نہ ہونے دیا کہ اس سنگین حادثہ کا اسے علم ہے جس نے اس کی رگوں میں خون کے بجائے آگ کے شعلے بھر رکھے ہیں۔ جس نے اس کے دل و دماغ میں ایک کھولن پیدا کر رکھی ہے۔ جس نے اس کے جسم و روح میں انتقام کا شدید جذبہ پیدا کر دیا ہے۔ کمال لطف سے گفتگو کرتا رہا۔ بیوی کی علالت اور اس کی تیمارداری کے لئے فلورنڈا کی ماں کے پاس موجودگی لازمی بتا کر بیٹی کو ہمراہ لے جانے کی اجازت طلب کی۔ ماں بستر مرگ پر ہو اور بیٹی سے ملنے کی خواہش نہ کرے ناممکن۔ اس لئے بہانہ کو قرینِ قیاس سمجھا گیا۔ اور مطلوبہ اجازت دیدی گئی۔ چلتے وقت راڈرک نے یہ خواہش ظاہر کی کہ شکار کے شوق کی تکمیل کے لئے کچھ اچھے باز بھیجے جائیں۔ کاونٹ جولین نے وعدہ کیا کہ اس بار ایسے باز شہنشاہ کی خدمت میں روانہ کرے گا۔ جو اس نے اس سے پیشتر کبھی زندگی میں نہ دیکھے ہونگے۔

قلعہ سبتہ یورپ کی کنجی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا پہلے حاکم سبتہ (CEUTA) بیزنطینی حکومت کے ماتحت تھا۔ مگر اس کے زوال کے بعد اسپین ہی کی حکومت سے رشتہ جوڑ لیا اور اسی کا باجگزار ہو گیا۔ سبتہ کی مضبوطی کا اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے پیہم دو حملے اس کی فصیلوں کو شکستہ نہ کر سکے۔ اس کی مضبوط دیواروں کو نہ ہلا سکے۔ اور مردانِ جری پر فتح حاصل نہ کر سکے۔ آگ کے گولے وہاں ناکارہ ہو جاتے منجنیق کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا۔ بیرونی حملوں کو روکنے کے لئے وہ آہنی دیوار بھی تھا۔ سدِ سکندری بھی۔ اور اسی لئے اسپین ہمیشہ سے اپنے کو بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ سمجھتا تھا۔ مگر جولین کے جذبۂ انتقام نے ان آہنی دیواروں کو موم بنا دیا۔ سدِ سکندری کو مٹی کا تودہ کر دیا۔ وہ سیدھا مرکز افریقہ قیروان میں موسیٰ بن نصیر کے پاس جا پہنچا۔ یہاں اس کی توقیر بھی ہوئی عزت بھی۔ اور جب موسیٰ کو اپنے مہمان کی آمد کے مقصد کا پتہ چلا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ دل ہی دل میں نہ جانے کتنے منصوبے بن گئے۔ من ہی من میں نہ معلوم کتنے خاکے تیار ہو گئے۔ موسیٰ کی فوجیں دوبار اسی یونانی سردار کے ہاتھوں شکست کھا کر لوٹی تھیں۔ اب وہ ہاتھ

Marfat.com

بندے ہوئے طوق وسلاسل سے جکڑے ہوئے خود بخود بربریوں کے ہاتھ میں پہنچ گئے تھے۔ جولین نے ایک شاندار تقریر اسپین کے متعلق کی جس میں وہاں کے لہلاتے ہوئے کھیتوں کا ذکر کیا۔ ہرے بھرے سبزہ زار و شاداب اور حسین وادیوں کا۔ زر و جواہر کا اور دولت وحشمت کا یہ سب کچھ ایسے افسانوی انداز میں بیان کیا کہ موسیٰ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ مگر وہ مرد جہاندیدہ تھا۔ باتدبیر اور باشعور تھا۔ باہمی رنجش۔ رقابت اور مذہبی عناد اکثر یہ فتنے اٹھایا کرتی ہے لیکن غربا اور مساکین پر ظلم و تشدد کی داستانیں اس بوڑھے مگر دلیر سپاہی کے عزموں کو جوانی بخشنے کے لئے کافی تھیں۔ پھر بھی اس نے معاملات کے ہر پہلو پر غور کرنا صرف مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری سمجھا۔ خلیفۃ الوقت ولید بن عبد الملک کو حالات سے آگاہ کیا گیا۔ اور مشورہ بھی طلب کیا گیا۔ جولین سے کسی وعدہ کرنے کے بجائے تھوڑی مدت مانگی گئی جبکہ سوچ بچار کے بعد ہاں یا نہ کی جائے گی۔ جولین کی ہر بات کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود اس کی دیانتداری کا امتحان لازمی تھا دربار خلافت سے بھی منظوری کے ساتھ ساتھ محتاط رہنے کی ہدایت آئی۔ کسی بڑی مہم کے لئے منع کیا گیا۔ البتہ آزمائشی حملہ کی اجازت مل گئی۔ جولین سے کہا گیا کہ چھیڑ خوباں سے چلانے کے لئے پہلے وہ خود ہی راڈرک کی فوجوں کے دستوں پر حملہ کرے۔ کہ اس کی ایمانداری کا یقین آ سکے۔ جولین نے اسے بخوشی منظور کر لیا۔ اور تھوڑی سی فوج کے ساتھ مدینہ شدونہ MADIN SIDANO کے ساحلی علاقوں کو لوٹا بھی۔ تاراج بھی کیا کلیساؤں کو نذر آتش کیا گرجاؤں کو زیر خاک۔ اور اس طرح سے اس نے اپنے ہی آقا سے دشمنی کو مول لے لیا۔ جب یہ سب کچھ ہو لیا تو معاہدہ ہو گیا۔ وٹیزا سابق شہنشاہ اسپین کے بھائی اوپاس کو بھی معاہدہ میں شامل کر لیا گیا۔ اور اس کو بھی کچھ علاقے دینے کا وعدہ کیا گیا۔ مگر مزید احتیاط کے لئے پہلے ایک معمولی فوجی دستہ چار سو سپاہی اور ایک سو گھوڑے سواروں پر مشتمل طریف نامی جوان جنرل کی سرکردگی میں روانہ کیا گیا۔ یہ دستہ جولائی ۷۱۰ء مطابق ۹۱ھ جزیرۃ الخضرا AEGECIRAS کے مقام پر اترا۔ آج بھی طریف نامی مقام اس جنرل کی یاد دلاتا ہے۔ معمولی جھڑپوں میں مسلمان اور جولین کی مددگار فوجیں کامیاب و کامران رہیں۔ گو ان سے فتوحات کا مقصد حل نہ ہوا۔ مگر عیسائیوں کی کمزوری۔ فوجیوں کی بزدلی۔ نظام عسکری کی خامیوں کا پتہ چل گیا۔ اور اب ایک بڑی مہم کی تیاریاں اعلیٰ پیمانہ پر شروع ہو گئیں۔ اس مہم کی عنان ایک جوان تجربہ کار سپہ سالار کے سپرد کی گئی۔ جو قوم بربر سے متعلق تھے ان کا کھلتا ہوا رنگ اور سرخ سرخ بال یہ غمازی کر رہے تھے کہ وہ وندال کی ہی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا نام تھا۔ طارق ابن زیاد۔ جو موسیٰ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

Marfat.com

باب ۲

فتح اسپین

ابوزرعہ طریف بن مالک المعافری (کنیت طبق) کی کامیابی ایک زبردست مہم کا پیش خیمہ تھی۔ جولین نے اپنی وفاداری کا ثبوت مزید یہ دیا کہ فلونڈا اور میٹری دونوں بیٹیوں کو موسیٰ کے پاس بطور یرغمال بھیج دیا۔ ادھر اسپین کی کمزوری کا حال معلوم ہی ہو چکا تھا۔ اب دیر نہ مناسب تھی نہ قرین مصلحت طارق کا انتخاب بحیثیت سپہ سالار عمل میں آیا اور اس کی چھاؤنی میں ہتھیار بجنے لگے۔ تلواروں کی دھاریں تیز ہونے لگیں۔ اسلحہ جسموں پر سجائے جانے لگے۔ ۵۔ رجب ۹۲ھ (۹ جولائی ۷۱۱ء) میں یہ جانباز سات ہزار جوانمردوں کے ساتھ ساحل اندلس پر کیلپے CALPE کے مقام پر قلعۃ الاسد THEFORTRAM OFLIAN کے قرب میں اترا۔ علامہ مقری کے بیان کے مطابق ۲۷ ماہ شعبان تھا مگر ۹۲ھ تھا جب جولین کے عطا کردہ چار جہازوں پر سوار یہ قلیل تعداد فوجیوں کی ایک نئے ملک۔ نئی سر زمین۔ نئی آب و ہوا۔ نئی فضا میں پہنچی۔ تو ان لوگوں کو نہ وہاں کے حالات سے واقفیت تھی نہ وہاں کی کیفیات سے آگاہی۔ وہ ایک اجنبی ملک میں جسے سمندر کے تیز دھاروں نے ان کے وطن سے علیحدہ کر دیا تھا۔ صرف اپنے عزم۔ حوصلے۔ جوش اور قوت ایمان کے بل بوتے پر جا پہنچے تھے۔ طارق کے ساتھ تین سو سوار بھی تھے۔ اور یہودی قوم گاتھک مغیث الرومی اور یونانی جولین کی حمایت بھی اور ان سب سے بڑھ کر خود اس کی بلند حوصلگی اور تائید ایزدی۔ ادھر مستعار جہازوں نے ان جانبازوں کو سرحد اندلس پر جا پہنچایا۔ ادھر طارق نے سب سے پہلے ان کو نذر آتش کیا۔ عقلیں حیران تھیں۔ سمجھ ناکارہ۔ یہ بحر ذخار کا فاصلہ ان کشتیوں کے بغیر طے نہ ہو سکتا تھا اور وہی کشتیاں جو ان کو ریگ زاروں سے نکال کر مرغزاروں میں لائیں تھیں۔ شعلوں کی نذر کر دی گئیں۔ یہ حیرانی زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔ ہوش و خرد پر مزید کشمکش کا عالم طاری نہ رہا اور ہوالوں کہ نعرہ کے ساتھ اس مرد

Marfat.com

جس کی آواز اس کے ہمراہیوں کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس آواز نے کیا کہا، اس گرج میں کونسی بجلی پنہاں تھی۔ یہ ہم کو آج تاریخ کے صفحات بتلاتے ہیں کہ وہ رعد وہ برق وہ بجلی وہ گرج ایک خطبہ تھی۔ جو طارق نے ہتھیلی پر جان رکھ کر ساتھ چلنے والے کے سامنے دیا۔ طارق ابن زیاد کے اس خطبہ کا اصل متن جو انھوں نے ساحل اندلس پر اترتے ہی دیا تھا۔

" ایہا الناس! این المفر، البحر من ورائکم والعدو امامکم، ولیس لکم واللہ، الا الصدق والصبر، واعلموا انکم فی ھذہ الجزیرۃ اضیع من الایتام فی مأدبۃ اللئام۔ وقد استقبلکم عدوکم بجیشہ واسلحتہ واقواتہ موفورۃ، وانتم، لا وزر لکم الا سیوفکم ولا اقوات الا ما تستخلصونہ من ایدی عدوکم، وان امتدت بکم الایام علی افتقارکم ولم تنجزوا لکم امرا ذھب ریحکم، وتعوضت القلوب من رعبھا منکم الجراۃ علیکم، فادفعوا عن انفسکم خذلان ھذہ العاقبۃ من امرکم بمناجزۃ ھذہ الطاغیۃ، فقد القت بہ الیکم مدینتہ الحصینۃ، وان انتھاز الفرصۃ فیہ لممکن ان سمحتم لانفسکم بالموت، وانی لم احذرکم امرا انا عنہ بنجوۃ، ولا حملتکم علی خطۃ ارخص متاع فیھا النفوس ابدا بنفسی، واعلموا انکم ان صبرتم علی الاشق قلیلا استمتعتم بالارفہ الالذ طویلا۔ فلا ترغبوا بانفسکم عن نفسی، فما حظکم فیہ باوفر من حظی، وقد بلغکم ما انشأت ھذہ الجزیرۃ من الخیرات العمیمۃ، وقد انتخبکم الولید بن عبد الملک امیر المؤمنین من الابطال عربانا، ورضیکم لملوک ھذہ الجزیرۃ اصھارا واختانا ثقۃ منہ بارتیاحکم للطعان واستماحکم بمجالدۃ الابطال والفرسان، لیکون حظہ منکم ثواب اللہ علی اعلاء کلمۃ واظہار دینہ بھذہ الجزیرۃ۔ ولیکون مغنمھا خالصۃ لکم من دونہ ومن دون المؤمنین سواکم، واللہ تعالی ولی انجادکم علی ما یکون لکم ذکرا فی الدارین، واعلموا انی اول مجیب الی ما دعوتکم الیہ۔ وانی عند ملتقی الجمعین حامل بنفسی علی طاغیۃ القوم لذریق، فقاتلہ ان شاء اللہ تعالی فاحملوا معی۔ فان ھلکت بعدہ فقد کفیتم امرہ ولم یعوزکم بطل عاقل تسندون امورکم الیہ، وان ھلکت قبل وصولی الیہ فاخلفونی فی عزیمتی ھذہ واحملوا بانفسکم علیہ واکتفوا الہم من فتح ھذہ الجزیرۃ بقتلہ "

اے جوانمردو! جنگ کے میدان سے اب مفر کی کوئی صورت نہیں ہے دشمن تمہارے سامنے

Marfat.com

ہے۔سمندر تمہارے پیچھے (کشتیاں جلادی جاچکی تھیں)، نہ راہ فرار اس طرف ہے نہ اس طرف۔ صدق۔صبر اور مستقل مزاجی کے علاوہ اب تمہارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے۔یہ اچھی طرح جان لو کہ تمہاری مثال اس جزیرے میں ایسی ہی ہے۔جیسے کنجوس کے دسترخوان پر یتیم کی۔تمہاری ذرا سی کم ہمتی تمھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لئے کافی ہے۔تمہارے دشمن کے پاس فوج بھی ہے۔ اسلحات جنگ بھی۔تمہارے پاس بجز تمہاری تلواروں کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ان کے پاس رسد حاصل کرنے کے ہزاروں ذریعے ہیں۔تمہارے پاس ایک بھی نہیں۔اگر تم نے ہمت سے کام نہ لیا تو تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔تمہاری عظمت خاک میں مل جائے گی۔تمہارا رعب ختم ہوجائے گا۔ دشمنوں کی ہمتیں بڑھ جائیں گی۔تم اپنی عزت اور ناموس کو بچاؤ اور دشمن جو تمہارا مقابلہ کرنے کے لئے بڑھا آرہا ہے۔اس کے دانت کھٹے کردو۔اس کی قوت کو ختم کردو۔میں نے تم کو کسی ایسے امر سے نہیں ڈرایا جس سے میں خود گریز کروں۔میں نے تم کو ایسی زمین پر لڑنے کے لئے آمادہ نہیں کیا۔ جہاں میں خود لڑائی نہ کروں اگر تم نے ذرا بھی ہمت سے کام لیا تو اس ملک کی دولت وحشمت تمہاری جوتیوں کی خاک ہوگی۔اگر تھوڑی سی سختی برداشت کرگئے تو اس جزیرہ کی ہر چیز تمہاری ملکیت ہوگی۔امیرالمومنین ولید بن عبدالملک نے تم جیسے بہادروں کا انتخاب کیا کہ تم اس جزیرہ کے شاہوں کے داماد بن جاؤ۔یہاں کی حور وش صفت عورتوں،مہ جبینوں اور حسینوں کے سرتاج ہوجاؤ۔ تم نے اگر یہاں کے شہسواروں سے دو دو ہاتھ کرلئے تو خدا کا دین۔رسول کا حکم یہاں جاری و ساری ہوجائے گا۔یہ جان لو کہ جدھر میں تم لوگوں کو بلارہا ہوں ادھر جانے والا پہلا شخص میں ہوں گا۔جب فوجیں ٹکرائیں گی تو پہلی تلوار میری ہوگی۔جو اٹھے گی۔اگر میں مارا جاؤں تو تم لوگ عاقل ودانا ہو کسی دوسرے کا انتخاب کرلینا مگر خدا کی راہ میں جان دینے سے منہ نہ موڑنا۔ اور اس وقت تک دم نہ لینا۔جب تک یہ جزیرہ فتح نہ ہوجائے۔"

جس طرح سے وہ خطبہ یادگار ہے اسی طرح سے وہ جگہ بھی جہاں فرزندانِ توحید کے قدم سب سے پہلے پہنچے وہ مقام آج تک طارق کے نام پر جبل الطارق یا جبرالٹر (Gibraltar) کہلاتا ہے۔

طارق کے قدم ابھی آگے بڑھنے بھی نہ پائے تھے کہ راڈرک کے ایک آزمودہ کار جنرل تھیوڈومیر Theodomir نے اس آفت ناگہانی کی خبر پائی اور اس کو دور کرنے کے لئے پوری قوت سے اس نیم مسلح مگر مرتب فوج سے جا ٹکرایا اور پسپا ہوا۔اس شکست خوردگی

نے اس کے دل و دماغ پر ایک ایسی ہیبت طاری کی کہ مزید مقابلہ کرنے کے بجائے وہ اپنے عالیجاہ کی خدمت میں بھاگا بھاگا پہنچا اور جو نقشہ ان بادیہ پیماؤں کا پیش کیا اس کے ایک ایک لفظ سے وحشت اور دہشت دونوں کا پتہ چلتا تھا۔ اس نے ان کو جن و بھوت کے نام سے تعبیر کیا کہ جو نہ معلوم کہاں سے آگئے ہیں۔ کیسے آگئے ہیں۔ کیوں آگئے ہیں۔ نہ ان کے وطن کا علم۔ نہ ان کی قومیت کا پتہ۔ نہ ان کے مقصد کی اطلاع۔ راڈرک اس وقت جرمنی قوم لشکس Basques کی بغاوت فرو کرنے کی غرض سے پمپلونہ یا بمپلونہ میں مقیم تھا۔ اس کی اخلاقی کمزوریاں برطرف اس کے عیوب الگ۔ اس میں عزم اور استقلال کی ہرگز کمی نہ تھی۔ وہ نہ تھیوڈومیر (ندمیر) کی طرح گھبرایا نہ وحشت کا اظہار کیا۔ بلکہ چپکے سے محاصرہ اٹھا دارالسلطنت واپس آیا اور یہاں آکر ہر جانب ہرکارے مذہبی جنگ کے اعلان کے ساتھ دوڑا دیئے۔ پادریوں سے درخواست کی کہ بری گھڑی میں ساتھ دیں اور جنگ کو مذہبی جنگ کا رنگ دے کر زائد سے زائد حمایت حاصل کریں۔ تبلیغ و وعظ کے ساتھ ساتھ شوقِ جنگ بھی دلایا جانے لگا اور اسے سعادتِ عظمیٰ کا رتبہ دیا گیا۔ انعام و اکرام کے وعدے کئے گئے۔ زمین اور جاگیریں عنایت کی جانے لگیں۔ زر و جواہر لٹائے جانے لگے۔ مدد معاش کے انتظامات کئے جانے لگے۔ جبریہ بھرتی بھی شروع کر دی گئی۔ اور دیکھتے دیکھتے ایک لاکھ فوج جمع کر لی گئی جس میں گھوڑے بھی تھے۔ بیش قیمت اسلحاتِ جنگ بھی۔ ساز و سامان بھی۔ خود راڈرک کا تخت سونے اور جواہرات سے آراستہ لال و زمرد سے سجا ہوا۔ زبرجد اور یاقوت سے لسا ہوا دو گھوڑوں کی پیٹھ پر رکھا ہوا اور سنہری چھتر لگا ہوا روانہ ہوا۔ ایک طرف یہ آن بان تھی۔ شان و شوکت یہ تزک یہ احتشام۔ دوسری جانب نہ پورے طور پر ہتھیار تھے۔ نہ گھوڑے تھے نہ سامان رسد۔ نہ اسلحہ۔ اگر کوئی چیز ساتھ تھی تو جذبہ جہاد۔ شوق شہادت۔ قوتِ ایمان۔ طارق کو جیسے ہی ان تیاریوں کی خبر لگی۔ موسیٰ کے پاس پیادے روانہ کئے کہ ایک لاکھ کے مقابلے میں سات ہزار کوئی تناسب نہیں۔ کوئی مقابلہ نہیں۔ پانچ ہزار کی مزید کمک روانہ کی گئی۔ گویا ایک اور دس کا مقابلہ تھا۔ یہ جذبۂ ایثار سے سرشار آگے بڑھے۔ پہلے کارٹیجا Carthate کو فتح کیا۔ اور جولائی ۷۱۱ء کی ایک حسین اور دلفریب صبح کو انھوں نے دریائے گاڈیلیٹ وادی بکہ یا لکہ کے کنارے لاجھنڈا جھیل کے پاس مدینہ سودنہ — MADINA — SIDANA — کے میدان میں قیام کیا اور قدرت خداوندی کا تماشہ دیکھنے کے لئے بےچینی سے دشمنوں کی فوج کی آمد کا انتظار کرنے لگے۔ وہ فوجیں بھی آپہنچیں۔ ایک طرف خیموں سے چھنا چھن اور کھنک کی آوازیں آنے لگیں۔ دوسری طرف نعرہ تکبیر کی صدائیں۔ ایک طرف جام سے جام ٹکرا رہے

Marfat.com

تھے۔ دوسری طرف مسجدوں میں جھکے ہوئے سر فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ ایک طرف ساقی بصد ناز و ادا اٹکھیلیاں کر رہے تھے۔ دوسری طرف خدا سے آسرا لگائے ہوئے تپتی ہوئی مٹی پر نمازیں ادا کر رہے تھے۔ ایک طرف موتی اور جواہرات اور جواہرات سے لگی ہوئی تلواریں ہوا میں لہرائی جا رہی تھیں۔ دوسری جانب بے نیام کی ہوئی تلواریں پتھروں پر رگڑ کر تیز کی جا رہی تھیں۔ ایک طرف چاندی ٹکے ہوئے نعل والے گھوڑے ہنہنا رہے تھے۔ دوسری طرف پاؤں میں چیتھڑے لپیٹے جا رہے تھے اور یہ عالم اور یہ کیفیت نہ معلوم کتنے دنوں تک دونوں کیمپوں میں قائم رہی۔ اور پھر آخر کار روز جنگ آ ہی پہنچا۔ اور طبل جنگ بج ہی گیا۔ تکبیروں کی گونج نے صحرا میں تلاطم پیدا کر دیا۔ ہتھیاروں کی جھنکار نے سورج کو ماند کر دیا کھانڈے سے کھانڈ بجنے لگا۔ تلواریں خون پینے لگیں۔ نیزے سینوں میں سوراخ کرنے لگے۔ کلہاڑے سروں کو پاش پاش کرنے لگے۔ مگر جنگ کے میدان دو چار سو یا دو چار ہزار سپاہی نہ تھے بلکہ لاکھ۔ سر کٹتے کٹتے بھی نہ معلوم کتنی مدت درکار ہوتی ہے۔ مگر لڑائی نے آٹھویں ہی دن نقشہ بدل دیا۔ اب جو طارق اپنے مخصوص دستے اور عزم بلند کے ساتھ بڑھے تو دوسری طرف بجز سراسیمگی۔ انتشار۔ یاس و محرومی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ کتنے ہی تلوار کے گھاٹ اُترے کتنے ہی دریا کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ خود راڈرک ایک دم سے لاپتہ ہو گیا۔ اس کا گھوڑا اور سنہری جوتوں کا جوڑا دریائے گاڈلیٹ کے کنارے ملا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ وہ بھی غرق دریا ہوا۔ گو عیسائی خوش فہمی میں بہت دنوں تک یہی انتظار کرتے رہے کہ وہ اب نئی تازہ دم فوجوں کے ساتھ اس شکست کا بدلہ لینے اب آئے گا اور جب آئے گا۔

مابعد جنگ گاڈلیٹ

اس جنگ کا شمار دنیا کی ان عظیم الشان جنگوں میں ہے۔ جنھوں نے چشم زدن میں ایک قدیم سلطنت کی بنیادیں ہلا کر ایک نئی قوم کو اس پر مسلط کر دیا۔ جس نے تین سو سال کی پرانی تہذیب کی جڑیں اکھیڑ کر ایک نئی تہذیب کی جڑیں اکھیڑ کر ایک نئی تہذیب کی جڑیں مضبوط کر دیں۔ جس نے تثلیث پرستوں کی حکومت پر توحید پرستوں کو غلبہ دلا دیا۔ جس نے غیر منظم اور زنگ آلود نظام پر ایک منظم اور مرتب نظام کو قائم و دائم کر دیا۔ جس نے مظلوم اور پسے ہوئے عوام کو از سر نو تازہ زندگی بخش دی۔ جس نے پٹے ہوئے یہودیوں کو ایک نئی آزادانہ حیات عطا کر دی۔ ضبط شدہ املاک

واپس کی گئیں غیطشہ کے بیٹوں کو وہ سب کچھ ملا جو اُن سے چھین لیا گیا تھا۔ خود مسلمانوں کو بے انتہا مال غنیمت حاصل ہوا۔ تقریباً پچاس ہزار قوطی (رگوتھک) اس جنگ میں فنا سے دوچار ہوئے تیس ہزار قید ہوئے۔ اور وہ انھیں رسّوں میں جکڑے گئے جو وہ مسلمانوں کو باندھنے کے لئے لائے تھے۔ مقتولین میں ہزاروں رؤسا، امراء اور حکمار تھے جن کی زر و جواہر کی تلواریں زمین میں پڑی ہوئی سورج کی روشنی میں آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں۔ جن کے مرصع ہتھیار ان کے جسموں سے

لہ غیطشہ کا سب سے بڑا بیٹا المند تھا۔ اس کو وعدہ کا پاس کرتے ہوئے اسپین کے مغربی اضلاع میں ایک ہزار جاگیریں عطا ہوئیں۔ اور وہ ان کے انتظامات کے سلسلہ میں اشبیلیہ کے نزدیک جابسا۔ دوسرے بیٹے کا نام ارطباش تھا۔ اس کے حصّہ میں اسی قدر جاگیریں آئیں مگر یہ اس سے کچھ دور وسط اسپین میں واقع تھیں۔ اس نے اپنا مقام قرطبہ تجویز کیا۔ تیسرا بیٹا وقلہ تھا جو اتنی ہی جاگیریں حاصل کرنے کے بعد امن وچین کے ساتھ مشرقی حدود میں جابسا اور طلیطلہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ المند کے مرنے کے بعد اس کی جائداد اس کی بیٹی سارہ المعروف بہ قوطیہ کے ہاتھ آئی۔ اس کے چچا یعنی المند کے دوسرے بھائی ارطباش نے اس کو اپنی ریاست میں مدغم کرلیا۔ وہ اپنی شکایت خلیفۃ المسلمین کے سامنے پیش کرنے کے لئے دمشق روانہ ہوئی۔ ایک جہاز کرایہ پر لیا اور عسقلان میں اُتری۔ وہاں سے ہشام بن عبدالملک سے جو اُس وقت خلیفہ تھا۔ ملنے پہنچی۔ ہشام نے فوراً پروانہ والیٔ افریقہ حنظلہ ابن صفوان کے نام جاری کیا کہ قرطبہ کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ یہ حکم فوراً ابوالخطار کے پاس جو کہ عامل اندلس تھا اور ابن صفوان کا چچیرا بھائی تھا بھجوادیا گیا۔ سارہ کو اس کی جاگیر واپس ملی۔ اور ارطباش کو سرزنش کی گئی ہشام ہی کی ایماء سے سارہ کی شادی عیسٰی ابن مزاحم سے ہوئی۔ اور عیسٰی کی موت کے بعد عمیر بن سعید کے ساتھ عقد ثانی کر دیا گیا۔ پہلے شوہر سے دو بچے ابراہیم اور اسحٰق پیدا ہوئے اور اس کی اولاد سارۃ القرطبہ کہلائی۔ اور جب عبدالرحمٰن اوّل تخت نشین ہوا تو ان کو خاص مراعات اور عزت بخشی گئی۔

سے لپٹے ہوئے ان کی موت پر گریہ کناں تھے۔

اس جنگ نے بے سروسامان مسلمانوں میں ایک نئی روح ایک نیا جوش پیدا کر دیا۔ ان کی مضمحل امیدیں ایک دم سے تروتازہ ہوگئیں۔ ان کے جذبوں میں ایک نیا رنگ آگیا۔ ان کی ہمتیں اور جراتیں بے پناہ ہوگئیں انھوں نے مٹھی بھر ہوتے ہوئے ایک لشکر گراں پر فتح حاصل کی تھی۔ انھوں نے دیس سے دور پرائے ملک میں اپنی سچائی کے علم گاڑے تھے انھوں نے نہ صرف اپنی بہادری کے جوہر دکھائے تھے بلکہ وہ مثال قایم کی تھی جس کی ہم پلہ مثال نہ مل سکتی ہے نہ مل سکے گی۔ انھوں نے عملاً وہ کر دکھایا جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔ انھوں نے واقعتاً ان حالات میں نصرت کو ہم آغوش کیا تھا جب یاس و حرمان کے آثار ہر ایک چہرے پر ہویدا تھے۔ اور فتح و نصرت کی امید نہ ہونے کے برابر تھی۔ مسلمانوں کو اس قدر دولت ہاتھ آئی کہ وہ کئی کئی دن اس کا حساب ہی کرتے رہے اور شکر خدا بھی بجالاتے تھے۔

اس جنگ نے جہاں مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کی وہاں عیسائیوں کے رہے سہے حوصلوں کو بالکل ہی پست کر دیا۔ ان کی مضبوط اور مستحکم سلطنت دیکھتے ہی دیکھتے پارہ پارہ ہوگئی۔ ان کی کشتی ایسی بھنور میں پھنسی کہ پھر نہ ابھری۔ ان کی ناؤ ایسے منجدھار میں ڈوبی کہ پھر کبھی نہ تری۔ ان کی تہذیب کی بنیادیں اس طرح ہلیں کہ پھر سات سو سال تک کے لئے ان کے نشان بھی نظر نہ آئے۔ ان کی طاقت کا شیرازہ اس طرح بکھرا کہ پھر مجتمع نہ ہو پایا۔ ان کی ہمتوں نے اس طرح سے جواب دیا کہ پھر کبھی سنبھالا نہ لے سکیں۔ ان کی جراتوں نے اس انداز میں دم توڑا کہ پھر عرصہ تک اس میں زندگی کی رمق نہ پیدا ہو سکی۔ ان کی عظمت اور رفعت کو وہ ضرب کاری لگی کہ پھر دوبارہ اس کے نشانات ہی نمایاں نہ ہو سکے۔ ان کی تہذیب و تمدن کو وہ صدمہ پہنچا کہ پھر اجاگر ہی نہ ہو پائی۔ ان کی عقل و فہم و ذکا اس طرح سے ناکارہ ہوئی کہ پھر کوئی کارنامہ وجود میں آیا ہی نہیں۔ غرضیکہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک قوم قوط میں تاریکی چھاگئی۔ اور ان کا اقتدار فنا کی گود میں سوگیا۔
اور اس طرح سے یہ جنگ دنیا کی فیصلہ کن جنگوں میں شمار کی جانے لگی۔

مزید پیش قدمی

جنگ گاڈ ولیٹ ہر چند فیصلہ کن تھی اور مسلمانوں کے لئے بے حد امید افزا مگر طارق ابن زیاد

Marfat.com

کی لازوال ہمتیں ابھی اور معرکوں کو سر کرنا چاہتی تھیں اس کی قوتیں ابھی اور بھی برسرپیکار ہونے کے لئے آمادہ تھیں۔ اس کی جرأتیں ابھی اور بھی ٹکرانے کے لئے بے چین تھیں۔ اور سرورِ کائنات کا یہ ادنیٰ غلام ابھی اور بھی منزلیں طے کرنے کے لئے مضطرب تھا۔ اس بلند نظر فاتح کی سرکردگی میں کلمہ گو اور آگے بڑھے اور بڑھتے ہی چلے گئے۔ میدونہ شدونہ کی فتح کی خبر قیروان سے ہوتے ہوئے افریقہ کی بستی بستی قریہ قریہ پہنچ گئی۔ اس کی دولت و مال غنیمت کی داستانیں ہر کان سے جا ٹکرائیں۔ موسیٰ بن نصیر نے سجدۂ شکر ادا کیا اور ولید ابن عبد الملک کی خدمت میں کامرانی کی خبریں روانہ کیں اور لکھا کہ امیر المومنین یہ جنگ کوئی معمولی جنگ نہ تھی یہ معرکہ کوئی آسان معرکہ نہ تھا۔ یہ جہاد کوئی سہل جہاد نہ تھا۔ بلکہ یہ میدان حشر کا ایک ایسا نمونہ تھا کہ جس کے ذکر ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور جس میں کامیابی کا سہرا فرزندانِ توحید کے سر رہا۔ ساتھ ہی ساتھ جذبۂ رشک نے اس کو طارق کے پاس یہ پیغام پہنچانے پر بھی مجبور کیا کہ اب نزاکت حالات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مزید پیش قدمی مناسب نہیں۔ حالانکہ حالات کا یہی تقاضہ تھا کہ عیسائیوں کی منتشر طاقت کو پھر سے یکجا ہونے کا موقع نہ ملے۔ یہی رائے جولین کی تھی۔ اور یہی دیگر عمائدین کی۔ جمہوریت کے جذبۂ غالب نے طارق کو بھی اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ ان مناسب مشوروں پر عمل کرے اور اپنے آقا کو بعد میں پوری طرح صورتِ حالات سے آگاہ کر دے۔ ادھر موسیٰ کا یہ خیال کہ وہ ہوا کے دوش پر سوار جلد از جلد اندلس جا پہنچے۔ اور فتح اور کامرانی میں اپنا اور صرف اپنا نام شامل رہنے دے۔

طارق کے قدم آگے بڑھتے گئے۔ افریقہ کے ہزاروں بربر قسمت آزمائی کے لئے مسلمانوں کے کیمپ میں آپہنچے۔ طارق نے سب کا خیر مقدم کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ تعداد اگر لاتعداد نہیں تو بارہ ہزار سے پچاس ہزار تک ضرور پہنچ گئی۔ جن کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ایک حصہ کی قیادت اپنے زیر لیکر طارق نے سب سے پہلے شدونہ پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد آگے بڑھ کر قرمونہ CARMONA جیسے مضبوط شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ نے طول کھینچا تو ایک نرالا طریقہ اختیار کیا گیا۔ کاونٹ جولین اپنی یونانی فوج کا ایک دستہ لے کر بے سروسامانی اور بے یار و مددگاری کے عالم میں قرمونہ کی فصیل کے نیچے جا پہنچا اور پناہ طلب کی۔ محصورین نے سمجھا کہ یہ مسلمانوں کے خوف سے لرزاں ترساں کہیں امان کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ دروازہ کھول دیا گیا اور انہیں اندر بلا لیا گیا۔ رات کی تاریکی ہی میں اس دستے نے محافظین کو تہہ تیغ کر کے پھاٹک کھول دیئے اور مسلمان فوج اندر داخل ہو گئی۔

Marfat.com

جرأتوں کو مہمیز لگتی چلی جارہی تھی۔ طارق نے اور فاصلے طے کر کے اے سی جاء Ecija کا محاصرہ کرلیا۔ یہاں میدان میڈونز شدونہ سے بھاگے ہوئے عیسائی سپاہیوں نے پناہ لی تھی۔ ذلت کی موت پر عزت کی موت کو ان لوگوں نے ترجیح دی۔ اور محصور رہنے کے بجائے انھوں نے کھلے میدان میں اپنی قسمت کا فیصلہ کرنا زیادہ مناسب سمجھا۔ ان کے دل ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان کی ہمتیں پست تھیں پھر بھی ہاتھ پیر ہلائے بغیر زیست ان کے لئے ناممکن تھی۔ وہ سروں کو ہتھیلی پر رکھ کر تلواریں سونت کر جنگ کے شعلوں میں کود پڑے اور بے جگری سے لڑے اور پھر ایک ایک کر کے موت کی وادی میں پناہ گزیں ہو گئے۔ مرنے کو تو وہ مر گئے مگر مسلمانوں کا بھی بے انتہا نقصان کر گئے۔ پہلی مرتبہ مسلمانوں کو بہت کچھ وہ اپنا کھونا پڑا جو اب تک اسپین کے کسی اور میدانِ جنگ میں نہ کھویا تھا۔ یہ شہر مذہب عیسوی کا ایک بڑا مرکز تھا۔ جہاں پادریوں کے علاوہ راہب اور راہبات ہزاروں کی تعداد میں معبدگاہوں اور خانقاہوں میں خشک اور زاہدانہ زندگی بظاہر مقدس مریم اور حضرت عیسٰی کے نام پر گزارا کرتے تھے۔ مگر واقعتاً وہ خانقاہیں تعیش گاہیں تھیں اور راہبات جن کے حسن کا چرچا دور دور تھا اپنے حسن اور عزت کی حفاظت کرنے سے معذور تھیں ان کا کنوارا پن ایک دھوکہ تھا۔ ان کی مقدس زندگی ایک فریب تھی۔ راہبوں اور پادریوں نے جب مسلمانوں کے وحشی اور جنگلی پن کا تذکرہ کیا اور بتلایا کہ وہ اب ریشم و دیبا و حریر کے بجائے ٹاٹ کے ٹکڑوں پر لٹائی جائیں گی تو انھوں نے اپنی جانوں کو ہلکان کر لیا۔ اپنے چہروں کو بگاڑ لیا۔ اپنے حسن کو داغدار کرلیا۔ بقول ایس۔ پی اسکاٹ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان قزاقوں یعنی مسلمانوں کے دل پسیج جاتے اور ان کو رحم آجاتا مگر وہ اپنے شکار کو ہاتھ سے نکلا دیکھ کر غیض و غضب میں بھر گئے۔ ان کی عصمتوں کو خون آلود کیا پھران کو تہ تیغ۔ پتہ نہیں اسکاٹ نے یہ نتیجہ کس ماخذ کس اطلاع کی بنا پر نکال لیا۔ اگر یہ حقیقت ہوتی تو عیسائی ان کی شرافت کا دم نہ بھرتے۔ ان کی انسانیت کے لئے رطب اللسان نہ ہوتے۔ ان کی بلند کرداری اور وسیع النظری کے ترانے نہ گاتے۔ اگر یہ حقیقت ہوتی تو عیسائی ان کو اپنے عیسائی حکمرانوں سے برتر اور افضل نہ سمجھتے۔ ان کو دلیر اور وسیع القلب نہ جانتے۔ ان کے الوداع پر خون کے آنسو نہ بہاتے۔

یہ کہ وہ قزاق تھے۔ وہ لٹیرے تھے۔ وہ راہزن تھے۔ یہ اسی بات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے وٹیزا کے سارے بیٹوں اور بھائیوں کو ان کی جائدادیں بخش دیں۔ اس کے بھائی کو طلیطلہ کی حکومت سپرد کردی۔ راڈرک کے بہادر جنرل تھیوڈمیر (تدمیر) کو پورا مرسیہ کا علاقہ دے ڈالا۔ یہودیوں

Marfat.com

کو چھنی ہوئی املاک واپس کردیں۔ ان کو حقوق شہری بخش دیئے۔ گرجاؤں کو یونہی قائم رکھا۔ عبادت گاہوں کو گزند نہ پہنچایا۔ خانقاہوں کے وظیفے اور ٹرسٹ بحال رکھے۔ مکتبوں میں علم کے چراغ روشن رہنے دیئے۔ مزارعین کو تقاویاں بانٹیں۔ مزدوروں کو ان کی محنت سے زیادہ مزدوری دی۔ فنکاروں کو بیش بہا معاوضے دیئے۔ پھر بھی اگر وہ قزاق تھے۔ وہ لیٹرے تھے۔ تو آپ بھی کیوں نہ ان کو قزاق ہی سمجھئے۔ چلئے یوں ہی سہی۔ لغت اپنی جس لفظ کو چاہا جو چاہے معنی پہنا دیئے۔

شاید اسے سی جا کے مقام پر طارق کو موسیٰ کی جانب سے ہدایت ملی کہ اب وہ زیادہ آگے نہ بڑھے اور بہتے مسلمانوں کو خطرے سے دوچار نہ ہونے دے۔ رشک و حسد ان کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس عظیم الشان ملک کی فتح بھی ان کے نام سے منسوب ہو مگر دشمنوں کو آرام دینے کا موقع بہم کرنے کے معنی تھے کہ دیدہ و دانستہ ان کو قوت پہنچائی جائے۔ ان کو اپنی بگڑی حالت درست کرنے کا موقع دینا مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کرنا تھی۔ بہت غور و فکر کے بعد یہی رائے ہوئی کہ پیش قدمی بہرصورت جاری ہی رہے۔ اور یہی مسلمانوں کی۔ اُن کے آقا امیرالمومنین کی سب سے بڑی خدمت تھی۔

'اے سی جا' کی حیثیت چوراہے کی سی تھی کہ جہاں سے اندلس کے زبردست شہروں کو راہیں جاتی تھیں۔ ایک سمت قرطبہ تھا تو دوسری جانب ملاغہ۔ اور اسی طرح سے ایک ایک سمت غرناطہ اور طلیطلہ تھے۔ یہ کہاں کی دانشمندی تھی کہ اس امنڈتے ہوئے سیلاب کو اس جگہ روک دیا جائے۔ اس بڑھتے ہوئے طوفان کو یہیں منجمد کردیا جائے۔ اور ان شہروں کو نصاریٰ ہی کے قبضے میں رہنے دیا جائے جو اپنی گری ہوئی دیواروں کو سنبھال لیں۔ اپنی بنیادوں کو مضبوط کرلیں۔ طارق خود ایک دستہ لے کر قرطبہ کی جانب بڑھے۔ مغیث الرومی ان کے ساتھ تھے۔ دوسرا دستہ زید بن کسادہ کی قیادت میں جنوب کی سمت روانہ کیا گیا۔ قرطبہ کی فصیل بے حد مضبوط تھی۔ اس کی دیواریں بے انتہا مستحکم۔ نو دن تک طارق نے اپنا پڑاؤ قرطبہ کے سامنے ڈالا۔ مگر زیادہ انتظار مصلحت آمیز نہ سمجھتے ہوئے وہ طلیطلہ کی جانب بڑھے اور مغیث الرومی کو وہاں کا سپہ سالار مقرر کردیا۔ طارق کی روانگی محصورین کے لئے فال نیک تھی اور وہ سمجھے کہ اب بھی کبھی اس مختصر سی جماعت کو شکست دینا کوئی مشکل بات نہیں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ حق ہمیشہ حق کے ساتھ ہوتا ہے۔ تائید ایزدی سچائی کے ساتھ۔ ایک چرواہے کے ذریعہ مغیث کو یہ اطلاع ملی کہ قلعہ کی فصیل میں ایک شگاف بھی ہے۔ جہاں سے فوج کے چند سپاہی اندر

Marfat.com

داخل ہو سکتے ہیں۔ ایک شب انتہائی طوفان آیا۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا پھیل گیا۔ یہ امداد غیبی سمجھی گئی مغیث چند چست و چالاک سپاہی لے کر دریا کو عبور کر کے اس حصہ میں پہنچ گئے۔ جہاں دیوار کمزور تھی۔ وہیں ایک انجیر کا درخت تھا جس کے سہارے ایک سپاہی اوپر چڑھ گیا۔ اور پھر اپنا عمامہ لٹکا کر دوسروں کو بھی اوپر کھینچ لیا۔ طوفان سے بچنے کے لئے محافظین مورچے چھوڑ چھوڑ کر کہیں ادھر اُدھر پناہ لینے چلے گئے تھے۔ مغیث کے وہ سپاہی مورچوں پر قبضہ کرتے ہوئے بازاروں سے گزرتے ہوئے بڑے پھاٹک تک جا پہنچے اور تھوڑی قتل و غارتگری کے بعد اسے کھولدیا۔ بقیہ فوج اندر پہنچ گئی۔ ابھی صبح بھی نہ ہوپائی تھی کہ قرطبہ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا۔ گورنر اپنے چالیس سپاہیوں اور بقول اسکاٹ چار سو کے ساتھ شہر کے وسط میں سینٹ جارج گرجا میں جا چھپا۔ اس گرجا کی حیثیت بھی کسی قلعہ سے کم نہ تھی۔ چاروں طرف ایک خندق تھی۔ قریب ہی ایک پانی کا چشمہ تھا ———— جو اندر پانی پہنچاتا تھا۔ جنس کی کوئی کمی نہ تھی۔ دیواریں بے انتہا مضبوط تھیں۔ اور ان پر مورچے قائم تھے۔ اس کے اندر سے وہ کسی بھی محاصرے کی سختی برداشت کر سکتے تھے جتنے کہ مقابلے کی بھی جرأت کر سکتے تھے۔ مغیث نے بلا شرط اطاعت قبول کر لینے پر امان کا وعدہ کیا۔ دروازے کھول دینے پر تحفظ کا یقین دلایا۔ مگر ادھر یہ آواز ایک کان سنی گئی۔ دوسرے کان سے نکال دی گئی۔ تین مہینے بعد آخر کار چشمہ کا وہ راستہ دریافت کر لیا گیا۔ جو اندر سیراب کرتا تھا۔ جب پیاس کی شدت بڑھی تو ہمتوں نے جواب دے دیا۔ بھوک نے الگ تنگ کیا۔ بجز سرِ تسلیم خم کرنے کے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ گورنر قید ہوا۔ سزا پائی۔ دوسرے رہا کر دیئے گئے۔ اور انعامات اور اکرامات کے مستحق قرار دیئے گئے۔ باغیوں کے ساتھ جب یہ سلوک تھا۔ تو کمزوروں۔ معصوموں کو رحم کا واجبہ کیوں نہ قرار دیا جاتا۔ بچوں، بے کس و بے چاری عورتوں کی عزتیں کیوں کر خاک میں ملائی جاتیں۔

مزید فتوحات

اوپر کہیں بیان کیا جا چکا ہے کہ زید بن کسادہ کو حدود جنوب کی طرف روانہ کیا گیا تھا۔ یہ مسلمان بعد میں پہنچتے تھے۔ ان سے وابستہ دہشت۔ خوف۔ لرزہ پہلے پہنچتا تھا۔ پہلے ہاجہ فتح ہوا۔ اس کے بعد ان تی گیورا اور پھر ایلویرا ELVIRA جو نواح غرناطہ میں تھا۔ مگر اہلیان غرناطہ نے سر اطاعت نہ خم کیا۔ میدانِ جنگ آراستہ ہوا۔ طبل جنگ بجا۔ ہتھیار ایک بار پھر ٹکرائے اور مسلمانوں

Marfat.com

نے ایک بار پھر فتح و کامرانی کے شادیانے بجائے۔ پھر مالقہ MALAGA پر زور آزمائی ہوئی اور اس کو بھی شامل کرلیا گیا۔ فوج کی کمی کی وجہ سے یہاں محافظ دستے نہ چھوڑے جا سکتے تھے مگر حاکم سب جگہ عرب مقرر کئے گئے۔ اور ان کی مشاورت کمیٹی میں بالخصوص عیسائی اور یہودی دونوں شامل کئے گئے۔ غرناطہ میں یہودی ہی یہودی تھے۔ ان کی مدد امور انتظامی میں بھی حاصل کی گئی۔ اور فوج میں بھی ان کو بھرتی کیا گیا۔ زید جلد ہی گراں بہا تحفہ جات۔ بیش قیمت زر و جواہرات اور لاتعداد غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ طارق سے ملنے کے لئے طلیطلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چلتے چلاتے انھوں نے جین (GAEN) کو بھی فتح کرلیا۔

طلیطلہ وادی بکا کی جنگ کو آٹھ مہینے گزرے کہ طارق اپنی فوجوں کو لئے ہوئے دارالسلطنت اسپین طلیطلہ جا پہنچا۔ دریائے ٹیگس پر بسا ہوا یہ شہر بہت ہی بلند سطح پر واقع تھا۔ اس کو مضبوط اور ناقابل تسخیر بنانے میں قوم گاتھ کے ہر بادشاہ نے اور خصوصیت سے دیبا نے جو جنگی جوہر سے آراستہ اور معاملات سلطنت میں خاص دخل رکھتا تھا۔ بڑی بڑی ترکیبیں کی تھیں۔ قدرت نے بھی اس کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ خود دریائے ٹیگس اس کا چاروں طرف سے احاطہ کئے ہوئے تھا۔ اس سے ملحق ایک عمیق جھیل بھی تھی جو چٹان کھود کر نکالی گئی تھی اور جس میں ٹیگس کا پانی زور و شور کے ساتھ گرتا تھا اس کی فصیل نہ صرف دوہری بلکہ موٹے موٹے بھاری پتھروں سے بنائی گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہاڑ کے پہاڑ اور چٹانوں کی چٹانیں فصیل میں جڑ دی گئی ہیں۔ جس طرف دریا کا زور زیادہ تھا۔ ادھر اس کی اونچائی اور بھی زیادہ تھی۔ پھر ایک گڑھا بھی تھا جو اس قدر گہرا تھا کہ لمبی سی لمبی سیڑھی بھی لگائی جائے تو فصیل تک پہنچنا ناممکن۔ اتر کی طرف سے جو راستہ جاتا تھا اس میں گوکھرو اور لوہے کے تار بچھے ہوئے تھے جس پر سے نہ گھوڑے بغیر زخمی ہوئے گزر سکتے تھے نہ انسان۔ یہ قوم گاتھ کا پایہ تخت کاہے کو تھا ایک ایسا قلعہ تھا جس کے فتح کا خیال بھی امر محال میں سے تھا۔ موت سے بازی لگانے والے۔ خطروں کو خاطر میں نہ لانے والے۔ مشکلوں کو قابل اعتنا نہ سمجھنے والے وہ سرپھرے طارق کی کارکردگی میں طلیطلہ پہنچے تو اس کی اونچی اونچی دیواریں۔ وہ مضبوط مضبوط فصیل اپنی بلندی اور مضبوطی کا ماتم کر رہی تھیں۔ باشندگان شہر بھاگ کر جلیقہ GALICCA میں پناہ لے چکے تھے۔ کچھ استوریاس ASTAUAIAS روانہ ہوگئے تھے۔ اہالی کلیسا گرجاؤں کے خزانے کو دفن کر کے۔ تہ خانوں میں چھپا کر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کشتیوں کے ذریعہ روم بھاگ چکے تھے۔ پادریوں اور راہبوں کا ایک گروہ بر بنائے بے کسی و مجبوری وہیں پڑا رہ گیا

Marfat.com

تھا۔ اور کچھ دہقان۔ کچھ غریب جو اس آفتِ ناگہانی سے بچنے کے لئے ہتھیاروں کے بجائے دعاؤں کا سہارا لے رہے تھے۔ ابھی ان کی دعائیں بلند بھی نہ ہونے پائی تھیں کہ مسلمانوں کے بلند نیزے ہوا میں لہراتے نظر آنے لگے۔ ان کی تلواروں کی تابندگی آنکھوں میں خیرگی پیدا کرنے لگی۔ ان کے پرچم دلوں پر ہیبت طاری کرنے لگے۔ ان کے عمامے قلب وجگر کو تھرانے لگے۔ محافظ نوج کہاں تھی جو مدافعت کرتی۔ اسکاٹ کا خیال ہے کہ سب سے پہلے مسلمانوں نے قرب وجوار کی بستیوں میں آگ لگائی۔ لہلہاتی ہوئی کھیتیوں کو روند ڈالا۔ انسانوں کو قتل کر ڈالا۔ بہتوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مکانوں۔ گرجاؤں کو آگ لگا دی۔ پھر آگے بڑھ کر اسکاٹ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسلمانوں نے معمولی شرائط پیش کیں جو بلاپس وپیش قبول کر لیں۔ جن لوگوں نے شہر چھوڑ دینا چاہا ان کو اجازت مل گئی۔ مگر ان کی جائدادوں اور مقبوضہ جات کو ضبط کر لیا۔ جن لوگوں نے شہر ہی میں رہنے کا ارادہ کیا۔ انھیں بشرط ادائیگی ٹیکس جو خفیف تھا۔ اجازت دیدی گئی یہودیوں اور عیسائیوں کو فرائض مذہبی اور مراسم دینی ادا کرنے کی پوری آزادی تھی ڈاکٹر کونڈے بھی اس بات کے معترف ہیں کہ مسلمانوں نے مذہبی رسوم پر کسی قسم کی پابندی نہ لگائی۔ دوسروں کے عقائد میں کوئی تعرض نہ کیا۔ صرف نئے گرجا یا خانقاہیں بنانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مسلمان ہونے کی شکل میں بے انتہا رعائتیں کی گئی۔ لیکن جبری کسی کا مذہب تبدیل نہیں کیا۔ کسانوں سے ان کی کھیتیاں نہیں چھینی گئیں۔ دوکانداروں سے ان کی دوکانیں نہیں قرق کی گئیں اور جب فاتحین کا یہ فیاضانہ۔ یہ روادارانہ سلوک تھا۔ تو پھر وہ قتل و غارتگری کیوں کرتے۔ وہ بربادی اور تباہی کیوں مچاتے۔ اور بہتوں کی جان لینا کیا معنے۔ وہ مزارعہ کی خرابی کس لئے۔ اب ان بیانات کا تضاد ایک ہی وقت میں ایک جگہ پر کس کو قابلِ تسلیم سمجھئے۔ کیسے قابلِ قبول گردانئے۔ البتہ تعصب اور تنگ نظری کو الگ کر دیجئے ساری باتیں خود بخود روشن ہو جائیں گی۔ سارے راز ازخود منکشف ہو جائیں گے۔

بھاگنے والے اپنے ساتھ جو کچھ لے جا سکتے تھے لے گئے۔ مفرورین کے جو مال و دولت ہتھے چڑھی ہضم کر گئے۔ پھر بھی اس فتح میں مسلمانوں کے ہاتھ جو کچھ لگا اس کا نہ کوئی اندازہ تھا نہ کوئی شمار قطار۔ اور یہ مال غنیمت صرف محلول بنگلوں اور ان گھروں سے حاصل کیا گیا جنھیں چھوڑ چھوڑ کر لوگ جا چکے تھے۔ جو گھر آباد تھے ان کی چیزیں ویسی کی ویسی ہی سجی رہیں۔ بربریوں کے ہاتھ صدیوں کا جمع شدہ سونا۔ چاندی۔ ریشم۔ جواہرات۔ نیلم۔ پکھراج۔ زمرد۔ زبرجد۔ یاقوت۔ جواہرات کے برتن۔ زرنگار۔ مرصع۔ ریشمی تھان۔ پردے۔ کلیسا میں جمع کی ہوئی دولتوں کے انبار لگے۔ کہیں قربانگاہ

Marfat.com

پر ایک بیش قیمت کپڑا ملا جس کے حاشئے پر سنہری کام تھا۔ جس میں نیلم و زمرد ٹنکے ہوئے تھے۔ جواہرات توڑ لئے گئے۔ سنہری حصہ کاٹ لیا گیا۔ باقی پھینک دیا۔ ایک سونے کا برتن جس میں لبالب موتی بھرے تھے۔ موتی پھینک دیئے۔ پیالہ رکھ دیا۔ شاید موتیوں کی قیمت کا اندازہ بھی نہ تھا۔ ان سب کے علاوہ پچیس بادشاہوں کے تاج ملے کہ جن پر بے انتہا قیمتی کام بنا ہوا تھا۔ اور کوئی قیمتی پتھر نہ تھا۔ جو ان میں ٹنکا ہوا نہ تھا۔ یہ تاج مختلف دور کے مختلف بادشاہوں کی یادگار تھے۔ جو تخت نشینی کے وقت بڑے گرجا میں بطور نذر جمع کر دیئے جاتے تھے۔ ان کو دیکھ کر ہی عقل حیران اور قیاس اندازہ لگانے سے معذور نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ بیج پوچھئے تو کیا ہاتھ نہیں آیا۔ سونے اور جواہرات کی زنجیریں۔ کٹے ہوئے ہیرے۔ ترشے ہوئے نگینے۔ مرصع تلواریں۔ قیمتی زرہ بکتر۔ محل شاہی میں ایک پورا کمرہ دولت سے پر تھا کہ جس کا اندازہ لگانے کی صرف کوشش کی جا سکتی ہے۔ لگایا نہیں جا سکتا۔

دارالخلافہ پر قبضہ کرتے ہی یہودی جو ان کے اس مہم میں مددگار رہتے۔ شہر کے وقتی طور پر نگراں قرار دیئے گئے۔ طارق خود وادی الحجارہ کی طرف بڑھے۔ یہ پورا کا پورا علاقہ پہاڑی تھا اور اس پر سے گزرنا آسان نہ تھا۔ ایک تنگ راستہ سے فوج نے گزرنا شروع کیا۔ جسے آج تک طارق کے گزرنے کی وجہ سے فج طارق کہتے ہیں۔ اس تنگ درے سے نکل کر وہ مائدہ پہنچے جہاں کچھ مفرور بن نظر آئے۔ جب ان کو گرفتار کیا گیا تو ان کے پاس ایک میز اس پر ایک رحل اور اس پر ایک کتاب ہاتھ لگی۔ کہ جو مقدس گرجا کی ملکیت تھی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب کی جاتی تھی۔ اور واللہ عالم بالصواب یہ مشہور تھا کہ یروشلم کی لوٹ میں ٹیٹس TITUS کے ہاتھ یہ میز لگی تھی۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو مگر امکان یہ بھی ہے کہ وہ وہیں اسپین کے کاریگروں کے ہاتھ کا اعلیٰ نمونہ تھی۔ جو خالص سونے سے بنائی گئی تھی اور اس کے ازگرد یاقوت۔ ہیرے۔ موتی نیلم۔ اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ یہ رسم تھی کہ جو بادشاہ تخت پر بیٹھتا اس کی عظمت اور برکت کے لحاظ سے اس کی خوبصورتی اور سجاوٹ میں اضافہ کرتا تھا۔ اس کے چاروں پائے زبرجد کے تھے۔ اور سرتاپا زمرد سے غرق تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سب جواہرات کا ایک مکمل ٹکڑا ہیں۔ اس کی قیمت پانچ لاکھ اشرفیاں کہہ لیجئے یا اس سے کہیں زائد۔ سب قابل یقین۔ اس کے بیش قیمت ہونے کی وجہ سے یہ شبہ پیدا ہوا کہ بیچ بیچ کوئی ایسی میز تھی بھی کہ نہیں۔

مائدہ کے بعد طارق مایہ پہنچے اور پھر وہاں سے جلیقیہ GALICIA وہ اتنی پیش قدمی ہی کر پائے تھے کہ ان کو خبر لگی کہ موسیٰ آ پہنچے۔ اپنے آقا اپنے وائسرائے کا استقبال کرنے کے لئے وہ پھر طلیطلہ لوٹ آئے اور یہیں وہ موسیٰ ابن نصیر کا انتظار کرنے لگے۔

Marfat.com

طلیطلہ کا حصول اس بربر سردار کا آخری کارنامہ تھا۔ جہاں سے مال و دولت کی بے شمار مقدار ہاتھ لگی۔ اور جو کبھی گو تھ سلاطین کا پایہ تخت تھا۔ وہ اب کلمہ گویوں کا مسکن بن گیا تھا۔

مغیث الرومی جسے طارق حدود قرطبہ میں چھوڑ آئے تھے۔ قرطبہ کی فتح کے بعد آرچی دونہ ACHIDONA اور پھر مرسیہ کی جانب رجوع ہوا۔ یہ علاقہ بھی پہاڑی تھا۔ اور تھیوڈومیر ایک جری حوصلہ جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ اس کا گورنر تھا۔ اس نے اس سے پہلے بھی اپنی شجاعت کے کارنامے دکھائے تھے۔ اور اب بھی مسلمانوں کا مقابلہ جہاں تک ممکن ہوا کرتا رہا۔ مگر تابکے۔ اس کے حوصلے قائم بھی رہیں۔ فوج کے دل تو ٹوٹے ہوئے تھے۔ کچھ قتل ہوئے کچھ مفرور۔ انجام کار تھیوڈومیر بھی اپنے معتمد غلام کے ہمراہ بھاگا اور اوری ہیولا ORIHUELA کے شہر میں پناہ لی۔ یہاں بجز چند بچوں اور عورتوں کے کوئی نہ تھا۔ آدمی ذہین تھا۔ یوں آسانی سے قابو میں آنے والا نہ تھا۔ ایک انوکھی چال چلی۔ تمام عورتوں کو اس نے جنگی لباس پہنا کر ان کے بالوں کو گالوں تک لال کر داڑھیاں بنا کر فصیل کے اوپر کھڑا کر دیا جس سے یہ اندازہ ہو کہ چاق چوبند سپاہی مستعدی سے قلعہ کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اور سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہیں۔ مسلمانوں نے بھی قلعہ کو محفوظ دیکھ کر بجز جنگ کوئی چارہ کار نہ سمجھا۔ شام کی تاریکی میں تھیوڈومیر سفید جھنڈا ہاتھ میں لئے اپنے غلام کے ساتھ قلعہ کے باہر نکلا اور سیدھا سپہ سالار کے خیمے پر جا کھڑا ہوا اور وہاں اپنے آنے کا یہ مدعا بیان کیا کہ حاکم شہر کی طرف سے وہ صلح کا پیغام لے کر آیا۔ جب شرائط صلح دریافت کی گئیں تو اس نے جواب دیا کہ شہر کو اپنی مضبوطی پر ناز ہے۔ اور حفاظت کی تمام ترکیبیں استعمال میں ہیں مگر کشت و خون سے کوئی فائدہ ہوتے نہ دیکھ کر حاکم شہر کا یہ خیال ہے کہ اگر آبادی کو صحیح و سالم گزر جانے دیا جائے اور ان کے مال و اسباب سے کوئی تعرض نہ کیا جائے تو وہ کل صبح شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ شرطیں قبول کر لی گئیں۔ جب مغیث نے اپنی مہر ثبت کر دی معاہدہ پر تو وہ پیغامبر کے حوالے کیا گیا کہ حاکم شہر کے دستخط کرا لائے۔ اس نے کہا میں خود حاکم ہوں اور اپنے دستخط کر دیئے۔ انگشتری اُتار کر مہر ثبت کر دی۔ صبح جب شہر کے پھاٹک کھلے تو مسلمانوں نے دیکھا کہ ان میں ایک بھی مرد یا جوان نہ تھا۔ نہ ہی کوئی فوجی۔ کوئی سپاہی۔ تھیوڈومیر سے جب پوچھا گیا کہ وہ فوج وہ سپاہ کیا ہوئی تو اس نے کہا کہ شہر کے اندر ایک بھی سپاہی یا جوان مرد نہ تھا۔ وہ سب یہی عورتیں ہیں جو اس وقت اپنا مال و اسباب لئے شہر سے کوچ کر رہی ہیں۔ مغیث اسکی اس جرأت اور جدت طبع پر حیران رہ گیا اور ایسے سمجھدار انسان کو ہاتھ سے کھو دینا خلاف مصلحت سمجھا۔ مرسیہ کا پورا علاقہ تھیوڈومیر کی گورنری میں دے دیا گیا۔ اور وہ آج بھی تھیوڈومیر یا تدمیر کے نام سے موسوم ہے۔

Marfat.com

باب ۳

موسیٰ بن نصیر کی آمد

موسیٰ کو طارق کی پیہم بہ پیہم فتوحات کی خبریں مسلسل پہنچ رہی تھیں ہر خبر کے ساتھ جہاں اس کا جذبۂ جہاد تقویت پاتا وہاں اس کو یہ بھی تاؤ آتا کہ جب طارق کو مزید پیش قدمی کی ممانعت کر دی گئی پھر حوصلہ آگے بڑھنے کے لئے کیسے ہوا۔ کیوں کر ہوا۔ فتح اسپین اس کا ایمان تھا مگر اس فتح کو وہ اپنے نام سے معنون کرنا چاہتا تھا۔ اور حکم کی خلاف ورزی کے لئے طارق کی سرزنش بھی لازمی سمجھتا تھا۔ موسم گرما کی جوانی تھی کہ موسیٰ ۷۱۲ء رمضان ۹۳ھ میں آبنائے جبرالٹر کو جولین کے ہمراہ عبور کر کے اٹھارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ جزیرۃ الخضرا (ALGEIRAS) کے مقام پر لنگر انداز ہوئے۔ ان کے ساتھ معززین عرب بھی تھے اور بعض صحابہ بھی۔ اور بعض صحابہ کی اولادیں بھی اور افریقہ کے منتخب جانباز لوگ تھے ہی۔ پہلے اس نے میڈونہ سڈونہ کو جہاں طارق کے قدم بھی نہ پہنچ چکے تھے۔ مفتوح کیا پھر قرمونہ کی طرف بڑھا جو طارق کی روانگی کے بعد بغاوت کر کے خود مختار بن بیٹھا تھا۔ جولین رہنمائی کر رہا تھا۔ قرمونہ نے پہلے کی طرح حملہ آوروں کے سامنے شکست قبول کر لی۔ اور یہ شہر ایک بار پھر بغیر لڑے بھڑے کٹے پٹے مسلمانوں کی دسترس میں آ گیا۔ یہاں سے باگیں اشبیلیہ کی طرف موڑ دی گئیں۔ جو بے انتہا خوبصورت اور دولتمند شہروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کی فصیلیں بھی بہت مضبوط تھیں۔ اس کی شادابی اور شگفتگی دلوں کو موہ لینے والی تھی۔ اور اس کی عظمت کی داستانیں زبان زد خاص و عام تھیں۔ ایک مہینے تک جنگ و جدال ہوتا رہا مگر فتح کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ محاصرہ کو سخت تر بنا دیا گیا۔ جنگ میں ہر خونریزی کو جائز قرار دیا گیا۔ اہالیان اشبیلیہ کی ہمتیں آخر کار جواب دے گئیں۔ گو مسلمانوں کا بھی کافی نقصان ہوا مگر شہر ان کے ہاتھ میں آ ہی گیا۔ یہی اشبیلیہ آگے چل کر کچھ دنوں اسلامی حکومت کا دار السلطنت رہا۔ یہاں محافظ فوج چھوڑ کر موسیٰ پہلی جون ۷۱۳ء کو مریدا (MERIDA) کی سمت بڑھے۔ جو اسپین کے عظیم المرتبت شہروں میں گنا جاتا ہے۔ اس کی مضبوطی پر رومیوں اور قوطیوں دونوں نے

بے حد توجہ دی تھی اور یہاں آسائش اور آرام کی ہر سہولت کو بہم کیا گیا تھا۔ عمارات پرشکوہ تھیں اور فن تعمیر کے لحاظ سے نایاب۔ عبادت گاہیں دولت سے پُر تھیں۔ رفاہ عامہ کے لئے بہتر سے بہتر انتظامات رومی شہنشاہ آگسٹس کے زمانہ سے چلے آرہے تھے۔ ان عمارات کو دیکھ کر عقلیں دنگ رہ جاتیں۔ اب سے تیرہ سو سال قبل جس طرح جرمنی تعمیرات کے نادر نمونے دیکھ کر حیران رہ گئے تھے۔ اسی طرح تین صدی بعد افریقہ کے بربر اور عرب کے معززین بھی دنگ رہ گئے۔ بادشاہان روم نے صرف ضد میں آکر یہاں ایسی عمارت بنائی تھی کہ جو روم میں بھی نہ ہو اور اس کی تعمیر پر جتنا بھی پیسہ خرچ ہو پرواہ نہ کی جائے۔ اور یہ ہی نہیں بلکہ دریائے دادیانہ پر بڑے بڑے پل بنے ہوئے تھے۔ جو آجکل کی ترقی یافتہ سائنس کی دُنیا بھی مشکل ہی سے تعمیر کر پائے گی۔ یہ پل اونچے اور محراب نما دروں پر قائم تھے۔ جن کے نیچے دریا کا پانی ٹھاٹھیں مارتا گزرتا تھا مگر پل کو کوئی نقصان نہ پہنچا پاتا تھا۔ لطف یہ کہ پل کی بنیادیں ریت کے اندر رکھی گئیں کہ جس کے دھنسنے سے کسی وقت پر بھی اس کے شکست ہونے کا اندیشہ تھا۔ مگر وہ اندیشہ ہمیشہ اندیشہ ہی رہا۔ یہاں کے رہنے والے قرطبہ یا طلیطلہ کے رئیسوں سے کم نہ تھے۔ بلکہ دولت کی فراوانی کچھ زیادہ ہی تھی اس شہر میں گرجے اور کلیسا تو بہت مضبوط اور خوبصورت بنائے گئے تھے ایک طرح سے یہ مذہبی مرکز تھا۔ یہاں کا بطریق طلیطلہ کے بطریق سے کچھ زیادہ حیثیت اور شان وشوکت رکھتا تھا۔ جب اس کا جلوس نکلتا تھا تو ایک ہزار سے زائد ہی ملازم رنگ برنگی زرق برق مرصع و مسجع وردیاں پہنے جلو میں ساتھ رہتے تھے اور شان کو دو بالا سہ بالا کرتے رہتے تھے۔ ایسے جلوس اکثر نکلتے رہتے کہ لوگوں کے دلوں پر بطریق اعظم کی حیثیت۔ شوکت اور عظمت کا رعب مستقل پڑتا رہے۔ ان تمام ظاہری و نمائشی چیزوں کے باوجود یہاں کے لوگوں میں نہ کسی طرح ہمت کی کمی تھی نہ جرأت کی کمیابی۔ انھوں نے ان ڈھیلی ڈھیلی قباؤں اور لمبی لمبی داڑھیوں والوں کو دیکھ کر نہ ذرا سا خوف کھایا نہ کچھ وسوسہ دکھایا۔ وہ مستعدی سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ شہر بند ہو کر مسلمانوں کو تنگ کرنے کی ترکیب سوچنے لگے۔ روز صبح وہ ہتھیار بند ہو کر میدان میں نکلتے دن بھر شجاعت اور بہادری کے کارنامے دکھاتے اور سورج غروب ہوتے ہی وہ پھر اپنے قلعہ میں گھس جاتے۔ اور یہ سلسلہ یونہی کئی مہینے تک جاری رہا۔ محاصرین ناامید ہوتے جا رہے تھے۔ سپاہی تھکے جا رہے تھے۔ مگر ان کے سپہ سالار کے حوصلے ویسے ہی تازہ دم تھے۔ موسیٰ نے فوراً سارے شہر کی ناکہ بندی کر دی نہ کسی کو شہر سے باہر آنے کی اجازت دی نہ اندر جانے کی۔ سامانِ رسد کی بہم رسانی بھی بند کر دی گئی۔

Marfat.com

دشمن سے مقابلہ ممکن ہے بھوک و پیاس سے کیوں کر مقابلہ کیا جائے۔ تنگ آکر صلح کی شرطیں پیش کی جانے لگیں۔ مگر وہ کچھ اس قدر بے تکے پن سے پیش کی گئیں کہ موسیٰ کو ناگوار گزرا اور محاصرہ بدستور قائم رہا۔ آخر کار اہالی میرڈا بری طرح مجبور ہو گئے۔ اور ہر شرط پر صلح کرنے کے لئے آمادہ نظر آنے لگے۔ شرائط طے پا گئیں۔ معاہدہ تحریر ہو گیا۔ یرغمال عربی کیمپوں میں پہنچا دیئے گئے۔ شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا گیا۔ بے اندازہ دولت فاتحین کے ہاتھ لگی۔ ان میں راڈرک کی بیوہ ایئے جی لونا بھی ہاتھ آئی۔ جو بعد میں عبدالعزیز فرزند موسیٰ کے نکاح میں دیدی گئی۔ کہتے ہیں۔ یہ شادی راس نہ آئی۔ اور عبدالعزیز کی تباہی کا باعث بعد میں یہی عورت بنی۔

اہلیان میرڈا کی بہادری اور شجاعت کے افسانے جب اور عیسائیوں کو معلوم ہوئے تو ان کی بھی غیرت نے جوش کھایا۔ اور ان کی تقلید میں انہوں نے بھی اطاعت سے سر موڑ لیا۔ ایک ساتھ اشبیلیہ۔ ملاغہ۔ غرناطہ۔ اسپین اور جین JAEN میں بغاوت ہو گئی۔ موسیٰ نے سب سے پہلے اشبیلیہ کی طرف رُخ موڑ دیا۔ کیونکہ ان تمام شہر بدر کر دیا گیا تھا۔ تیس کے قریب آدمیوں کو قتل کر دیا تھا۔ یہودی جو ہمیشہ سے غدار اور ناقابل اعتبار تھے مسلمانوں کی مراعات اور مراحم بھول کر عیسائیوں کے ساتھ مل کر اور سازش کی ترکیبیں سوچنے لگے تھے۔ عبدالعزیز وہاں بسرعت تمام جا پہنچا۔ غداروں کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔ سازشیوں کو موت سے ہم آغوش کر دیا۔ یہ فتنہ جلد ہی سو گیا۔ یہ بغاوت جلد ہی فرو ہو گئی۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی قائم کی گئی۔ عربوں کو وہاں بسا دیا گیا۔ ایک زیادہ منظم بڑی محافظ فوج حدود اشبیلیہ میں چھوڑ دی گئی۔ ضبط شدہ جائدادیں تقسیم کر دی گئیں اور ان سپاہیوں کی معاش کا ذریعہ بنیں۔ یہاں سے ہٹ کر عبدالعزیز نے دوسرے باغی علاقوں کو زیر کر لیا۔ اور ان کو ان کی خطا کے مطابق سزا دی۔ مرسیہ کے ایک حصہ پر مقبوضات قایم کر دیئے گئے۔ ہر چند کہ تھیوڈومیر کی سفارش پر رعیت کو بہت سی مراعات دی گئیں۔ ان مہمات سے نپٹ کر موسیٰ ایک فاتح کی حیثیت سے طلیطلہ کی جانب اپنے آزمودہ کار جنرل طارق سے ملنے کے لئے بڑھے۔

طارق جس کے کان موسیٰ کی آمد کی خبر سے آشنا تھے۔ خود بھی اپنے اس مربی اور آقا کے استقبال کے لئے طلیطلہ سے آگے بڑھا اور بقول ڈاکٹر اسکاٹ تلویرا (TELVIRA) کے مقام پر دونوں کی ملاقات ہوئی۔ مگر ابن القوطیہ کی تحریر کی مطابق وہ مقام استیجا تھا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ کہاں ملے جب ملے تو دونوں کے دل صاف نہ تھے۔ طارق نے حکم عدولی کی تھی۔ اور حکم عدولی فوجی نظم و ضبط کے قیام کے سلسلے میں اس قدر زبردست گناہ ہے کہ جس کی ہر سزا ممکن ہے۔ موسیٰ کو

Marfat.com

کئی باتیں کھٹکی ہوئی تھیں۔ نافرمانی تو خیر طارق نے کی ہی تھی۔ مگر وہ اس مال ودولت کے بھی تذکرے سن چکے تھے کہ جو مختلف فتوحات میں اس سپہ سالار کے ہتھے لگی تھی۔ وہ فوج میں طارق کی ہر دلعزیزی سے بھی کچھ زیادہ خوش نہ تھے۔ کہ یہ ہمیشہ کسی نہ کسی بغاوت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ جگہ بجگہ بغاوتیں ہو جانے کی وجہ سے وہ انتظامات سے قطعی مطمئن نہ تھے۔

آخر کو یہ دونوں ملے۔ طارق شرمندہ۔ موسیٰ غیظ وغضب میں بھرے ہوئے۔ طارق حجلاً آداب مراتب بجالایا۔ گھوڑے سے نیچے اترا۔ تعظیم کی۔ سر جھکا دیا۔ موسیٰ نے جیسا کہ علامہ ڈوزی نے لکھا پہلے یہی سوال کیا کہ بغیر میری اجازت تمہیں میدان گاڈلیٹ سے آگے بڑھنے کی ہمت کیسے ہوئی۔ اور پھر برسر عام کوڑے سے سرزنش کی۔ اسی پر بس نہیں کی بلکہ پابجولاں بھی کر دیا۔ طارق جس کی بیش قیمت خدمات کا سارا زمانہ معترف ہے۔ جس نے چند نفوس کے ساتھ لاکھوں سے ٹکر لی اور فتح پائی۔ جس نے کفر والحاد کی زمین میں ایمان اور توحید کا چراغ روشن کیا۔ جس نے ناقوس اور گھنٹوں کی صداؤں پر اذانوں کی گونج کو فوقیت دلوادی۔ جس نے اپنی افواج کے ایک متنفس کو بھی ناراض نہ کیا۔ جس نے حالات کے تقاضے اور دوسروں کے مشوروں سے یہ قدم اٹھایا تھا۔ یہ سزا بہت سخت تھی۔ اس وقت لوگ جانتے تھے کہ قید کرنے کے کیا معنی۔ اس لئے فوراً ایک ایلچی جو دمشق کی راہ جانتا تھا اور اس سے قبل بھی موسیٰ کی طرف سے دربار خلافت میں بھیجا گیا تھا۔ رشوت دے کر دار الخلافہ جانے کے لئے آمادہ کیا گیا۔ سرعت اور تعجیل کی تاکید کی گئی اور اس کا نتیجہ تھا کہ طارق کی گرانقدر خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی رہائی کا پروانہ جاری ہوا۔ دونوں سردار طلیطلہ پہنچے۔ وہاں دلوں کے میل صاف ہوئے۔ طارق نے نذرانہ پیش کیا۔ سارے تحفے تحائف سامنے ڈھیر کر دیئے اور مال خمس بھی لاکر سجا دیا۔ موسیٰ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں خصوصاً وہ میز دیکھ کر جسے ملکیت حضرت سلیمان تبلایا گیا۔ گو اب اس کے صرف تین پائے باقی رہ گئے تھے چوتھا غائب تھا۔ عقل وفہم حیران ہو کر رہ گئی۔ مال خمس امیر المومنین کے لئے علیحدہ رکھ لیا گیا۔ باقی کے شاید حصے بخرے ہوئے اور اب آیندہ فتوحات کے لئے باہمی صلاح مشورے ہونے لگے۔

عبد العزیز بیشتر ہی باقی علاقوں کو زیر نگیں کر کے مرسیہ اور پھر نبلہ (NIEBLA) کی طرف بڑھ چکے تھے۔ اور انھیں اس عرصہ میں اپنے مقبوضہ جات میں شامل بھی کر چکے تھے۔

. . . .

ادھر طارق اور موسیٰ کی فوجیں مل کر ارغون (ARAGON) کی سمت کوچ کرنے لگیں۔

راستہ بہت خراب تھا۔ ندی بھی تھی نالے بھی۔ میدان جنگل۔ جن میں گرد بھی بمنزلہ طوفان اڑا کرتی تھی۔ غرض بہت ہی دشوار گزار راستوں کو طے کرتے ہوئے یہ صوبہ ارغون کے دارالسلطنت سرقسطہ SARGASSA جا پہنچے۔ راہ کی منزلیں طے کرنے کے لئے ہر گھوڑے سوار کو سامان میں ایک تانبہ کا برتن دیا گیا جس میں کھانے اور پینے دونوں کام لئے جا سکتے تھے۔ ایک چمڑے کی چھاگل پانی سے پُر۔ اور ایک تھیلہ کھانے پینے کی چیزیں رکھنے کے لئے دیا گیا۔ پیادوں بیچاروں کے پاس بس ان کے ہتھیار ہی تھے۔ سامان سب باربردار خچروں پر لدا ہوا تھا۔ فوجی ضرورت کی ہر چیز ساتھ تھی۔ مگر کروفر تھا۔ جو اتنی دولت وحشمت اور سامان حاصل ہو جانے کے بعد ہونا چاہئے تھا۔ کھیتی جلانا منع تھی۔ غیر سپاہیوں سے تعرض منع تھا۔ آگ لگانا۔ بستیاں جلانا قطعاً خلاف قاعدہ تھا۔ مذہبی جذبات کے احساس رکھنے کی خاص ہدایت تھی۔ عورتوں سے تشدد بچوں پر ظلم سخت ترین گناہ تھے۔ جو لوگ جنگ کے لئے آمادہ ہوں ان سے بلاشبہ کوئی رعایت نہ برتی جائے۔ جو مصالحت کے لئے کوشاں ہوں ان کے لئے ہر ممکن نرمی کی جائے۔ اور ہر ممکن نرمی برتی گئی۔ مگر وہ اہلیان ارغون پورے صوبے کو انتہائی محفوظ ناقابل تسخیر ناقابل عبور سمجھتے ہوئے شرارت ہی پر آمادہ رہے۔ اور ہتھیار ڈالنے کے بجائے صلح کی جانب بڑھنے کے بجائے ہتھیار پکڑنے اور جنگ وجدل کرنے پر ہی تلے رہے۔ جنگیں ہوئیں۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہ حفاظتی تراکیب کام آئیں نہ نمائشی بہادری اور دلیری۔ زمینیں ضبط کرلی گئیں۔ جائیدادیں چھین لی گئیں اور ان سب پر افریقیوں کو بسایا گیا۔ اور تمام شرارت پسند عناصر کو ان کے ماتحت کرا دیا گیا۔ شہریوں پر ٹیکس لگایا گیا جو معمول تھا مگر پہلی مرتبہ لگا۔ یہاں کے گورنر حسین بن عبداللہ نے ایک مسجد تعمیر کی جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ ان سب سے فرصت پاکر قسطلونہ (CATALONA) اور بلنسیہ VALENCIA پر چڑھائی کی گئی۔ انھوں نے معمولی مدافعت کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ یہاں بھی کھیتوں کو تباہ نہیں کیا گیا۔ نہ بستیوں کو جلایا گیا۔ بلکہ بربر بسائے گئے۔ جنھوں نے یہاں کی عورتوں سے نکاح کئے۔ اور گھر گرہستی جاکر بیٹھ گئے۔

اب ان دونوں سپہ سالاروں نے اپنا رُخ مغرب کی جانب موڑا اور انتہائی دشوار گذار اور خار دار علاقوں سے گزر کر پہلے جلیقیہ GALICIA پہنچے اور پھر الیتریاس AUESTRIAS یہی دونوں صوبے ایسے تھے۔ جو اب بھی عیسائی حکمرانوں کا دم بھرتے تھے اور ابھی تک انھیں کے زیر اثر تھے۔ عیسائی مذہب کا اب بھی یہاں عروج تھا۔ اور پادریوں کا بڑا اثر تھا۔ کوئی بادشاہ تو باقی نہیں

Marfat.com

رہ گیا تھا۔ مگر جہاں جہاں جو امیر تھا وہی حاکم بن بیٹھا تھا۔ راہیں اتنی سخت تھیں۔ میلوں کوئی آبادی کا پتہ نہ چلتا تھا۔ کہیں پہاڑیاں تھیں تو کہیں چٹیل میدان۔ کہیں چھوٹی موٹی آبادی اور کہیں دور تک آبادی کا پتہ نہیں۔ یہ مسلمانوں کے ہی دل جگرے تھے جو ان خطرناک راستوں اور علاقوں سے بھی نہ گھبرائے نہ ہمتیں ہاریں بلکہ منزلیں طے کرتے رہے اور ان علاقوں کو فتح کرتے رہے۔ اور بالآخر کار یہاں بھی ایک زبردست اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ مسلمانوں کی آبادیاں قائم کیں۔ اپنے گورنر مقرر کئے۔ محافظ فوج کے دستے چھوڑے۔ رعایا سے خراج بھی حاصل کیا۔ اطاعت کا سبق بھی سکھایا۔ مگر یہ علاقے اندلس کی حد آخر تھے۔ اس کے بعد اگر سامنے کچھ نظر آتا تھا تو پائرینیس (PYERENECS) کی فلک بوس چوٹیاں۔ جن میں اِکّا دُکّا درّے اور تنگ گھاٹیاں تھیں ورنہ پہاڑ ہی پہاڑ اور یہیں کھڑے ہو کر موسیٰ نے پورے یورپ کی فتح کا ایک عظیم الشان خاکہ تیار کیا۔ پورے اندلس کو وہ روندتے چلے آتے تھے۔ اب اپنے قدموں تلے حکومت فرانس کو بھی کچلنا چاہتے تھے۔ جو اپنے رعب و دبدبے۔ شان و شوکت میں اندلس سے کم حیثیت اور اہمیت نہ رکھتی تھی۔ مورخین اختلاف رکھتے ہیں اس نظریئے سے کہ موسیٰ واقعی فرانس میں داخل ہوئے بھی کہ نہیں اور انھوں نے کچھ علاقے فتح کئے اور اپنے مقبوضے قائم کئے؟ اور یہیں ان کو خلیفۃ المسلمین کا پروانۂ واپسی ملا۔ اور اس کی تعمیل میں وہ خواب ادھورے ہی رہ گئے۔ ان خاکوں کے تانے بانے بکھر کے رہ گئے۔ طارق اس وقت استورگا میں تھے اور موسیٰ لیوگیو جب ایک برق رفتار نامہ نگار ابو نصر ان کے پاس حکم کے ساتھ پہنچا کہ مزید پیش قدمی کی کوئی گنجائش نہیں دونوں سردار بارگاہ خلافت میں حاضری دیں حکم حاکم مرگ مفاجات۔ موسیٰ جب طارق سے ملے تو بس اتنا ہی کہہ کر رہ گئے کہ بیٹے اب واپس چلنے ہی میں مصلحت ہے۔

اشبلیہ کو دارالسلطنت قرار دیا گیا حکومت کی باگ ڈور عبدالعزیز کے سپرد کی گئی۔ نشیب و فراز سمجھا کر اواخر ۹۵ھ میں ابنائے جبرالٹر کو طے کر کے موسیٰ پھر قیروان پہنچے اور وہاں سے دمشق کی تیاریاں کرنے لگے۔

باب ۴

فاتحین کا انجام

طارق اور موسیٰ کی واپسی ایک بڑی گہری سازش کا نتیجہ تھی۔ اور یہ سازش ان دونوں بلند ہمت سرداروں کے لئے اس قدر مضرت رساں نہ ثابت ہوئی جتنی کہ خود ملت اسلامیہ اور سطوت مسلمانان کے لئے جب واپسی کے احکام پہنچے تو اس وقت موسیٰ کی بلند حوصلگی نہ معلوم کیا کیا اسکیمیں تیار کر رہی تھیں۔ افرنجہ (فرانس) کو روندڈالنے کے لئے اس کے قدم آگے بڑھ ہی چکے تھے۔ اور شاید اس ملک کی تسخیر کے بعد کوئی مملکت۔ کوئی سلطنت۔ کوئی طاقت یورپ کے مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کی ہمت نہ کرتی لیکن رنجشیں اکثر اوقات رشک وحسد کی جولانیاں کسی فرد کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتی ہیں۔ جتنا کہ خود پوری قوم کو۔ کاش ولید کے کان بھرنے والے۔ جری حوصلہ سپہ سالاروں کے خلاف زہر اگلنے والے یہ سوچ لیتے کہ اگر غرور و فتح مندی سے سرشار ہو کر موسیٰ یا طارق باغی ہو بھی گئے اور آزاد حکومت کی بنیاد ڈال بھی لی تو وہ آخر کار مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔ اور وہ بہر صورت یہود و نصاریٰ سے لاکھ درجہ بہتر ہوگی۔ مگر تنگ نظری ذاتی بغض و عناد ان مسئلوں کو صحیح روشنی میں دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تو دنیا کے بیشتر ملکوں کی تاریخ وہ نہ ہوتی جو اب ہمارے سامنے ہے۔ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہا اور بھرنے والوں نے اتنا کچھ بھرا کہ ولید نے بغیر کچھ سوچے سمجھے اذن واپسی دیدیا۔ اور اس کی تعمیل فوری کرنے کا بھی حکم جاری کر دیا۔ موسیٰ چاہتے تو وہ اس حکم کی خلاف ورزی کر سکتے تھے۔ مگر وہ ایک سچے وفادار اور صلح جو انسان تھے۔ وہ نمک حلال تھے اور نمک حرامی سے متنفر وہ جانتے تھے کہ کانوں کے کچے ولید کے کانوں کو واقعتاً اس قدر بھرا گیا ہے کہ بغیر دریافت کئے ہوئے معلوم کئے ہوئے یہ حکم جاری ہو گئے ہیں۔ مگر ان کی نمک حلالی اور شرافت کا تقاضا یہی تھا کہ جو کچھ بھی ہوا۔ جس طرح بھی ہوا۔ اس کی تعمیل کی جائے۔

Marfat.com

واپسی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

اشبیلیہ کو مستقر قرار دے کر ہر چہار طرف یہ ہدایتیں جاری کر دی گئیں کہ جن جن راستوں سے موسیٰ گزریں گے۔ وہاں کے حاکم معہ اپنی فوج کے سلامی دیں گے۔ اور فوج کا کچھ حصہ ساتھ بھی بھیجیں گے۔ ظاہر ہے اس سے مقصد شہرت و عظمت، شان و شوکت تھا۔ قوم گوتھ کے سرداران مارٹینیا MAURTINIA کے عظیم المرتبت حکام اس مردجری کے جلوس میں محافظین، خراج گزار اور خدام کی حیثیت سے ہمرکاب تھے بے اندازہ اور بے شمار اموال و خزائن قطار در قطار اونٹوں پر لدے ہوئے تھے۔ اس سامان میں کیا کچھ نہیں شامل تھا۔ زرہ بکتر بھی تھے۔ تلواریں بھی ہتھیار بھی۔ زینت کی اشیاء بھی تھیں۔ زیورات بھی۔ زرق برق لبادے بھی۔ خوبصورت لباس بھی۔ خود اونٹ جن پر سامان لدا ہوا تھا۔ ایسے سجائے گئے تھے کہ جیسے وہ بھی مال غنیمت کا بڑا حصہ ہوں۔ پھر تیس سے زیادہ گاڑیوں پر بیش قیمت جواہرات۔ نادر و نایاب پتھر۔ سونا چاندی۔ زرنگار کپڑے۔ تکلفات کے جملہ سامان کہ ہر چیز اس میں سے بے انتہا قیمتی تھی۔ جسمانی زیبائش اور آرائش اور تفخر کی صدہا اشیاء کہ جو نہ عربوں کی نظر سے کبھی گزریں۔ اور نہ آئندہ گزرنے کا امکان ان کے علاوہ تیس ہزار سے زیادہ اور بقول اسکاٹ لاکھوں کی تعداد میں ملازم اور کنیزیں تھیں۔ جو نازک اندام بھی تھیں خوش جمال بھی۔ یہ کہنے کو کنیزیں تھیں مگر اصل میں تھیں شہزادیاں۔ نواب زادیاں۔ امراکی صاحبزادیاں۔ ان کی رگوں میں شاہی خون گردش کر رہا تھا۔ ان کے چہروں پر شرافت اور نجابت کے آثار اس حد تک نمایاں تھے کہ تابناکی اور تابندگی پیدا ہوگئی تھی۔ معمولی آنکھ ان کے حسن و جمال کا مشاہدہ بھی نہ کرسکتی تھی۔ مگر اس وقت غلامی کا جوا کاندھے پر رکھے۔ سنہری زنجیریں گردن میں پڑی ہوئی اپنے حسن اور اپنے بلند مرتبے دونوں کا ماتم کر رہی تھیں۔ یہ سب وہ تھیں جن کا حسن اسپین بھر میں انتخابی تھا۔ جن کا شباب مثالی تھا۔ چار سو افراد صرف وہ تھے جو خاندان گاتھ کے چشم و چراغ تھے۔ جن کی رگوں میں صدیوں سے شاہی خون رواں دواں تھا۔ جن کی پشت در پشت صرف حکومت کرنے کی عادی رہی تھی۔ وہ لمبے لمبے چوغے پہنے ہوئے تھے اور ان کے گلوں میں سنہرے گلوبند تھے جو حقیقتاً طوق غلامی کے ذرا مہذب بدل تھے اور ان کے علاوہ قربان گاہوں کے مرصع بجواہر برتن۔ عود و عنبر اور سینکڑوں ایسی چیزیں تھیں۔ جو بیزنطینی اور گوتھک حکومت کی نادر اور لاجواب صنعت کا نمونہ تھیں۔ ان سب چیزوں کی جگمگاہٹ دیکھنے والوں کی آنکھوں کو چکاچوند کر دیتی تھی۔ ان کے پیچھے معززین عرب تھے۔ اعیان قریش تھے۔ عمائدین صوبہ افریقہ تھے اور پھر ان

Marfat.com

سب کے پیچھے نامور افسران فوج جو موسیٰ کے ارد گرد ہالہ کی مانند چل رہے تھے۔ اور ان سب کے پیچھے تقریباً ایک لاکھ معمولی حیثیت کے انسان جو مسیح غلام بنائے گئے تھے۔ سروں پر سامان اور بوجھ لادے جلوس کی عظمت میں اور بھی اضافہ کر رہے تھے۔ ۹۶ھ تھی کہ موسیٰ قیروان سے اس تزک و احتشام سے دمشق کے لئے روانہ ہوئے۔

موسیٰ بعد میں کسی جگہ پہنچتے ان کی آمد کی خبر ان کے جلوس کی عظمت کے افسانے ہر جگہ پہلے پہنچ جاتے۔ خانہ بدوش، باشندگانِ شہر، صحرانشین اور اہلیانِ ساحل سب بے انتہا اشتیاق سے جمع ہو کر اس پرشکوہ جلوس کا مشاہدہ کرنے نکل جاتے۔ کبھی ان کو اپنے قوتِ بصارت پر دھوکہ ہوتا کبھی اپنے شعور پر۔ آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ دل میں عش عش کرتے تھے اور زبان سے تحسین و آفرین کے نعرے بلند کرتے تھے۔ جہاں جہاں سے یہ جلوس گزرتا آدمی شامل بھی ہوتے گئے۔

جب جلوس حدود قاہرہ میں داخل ہوا تو آدمیوں کا ایک انبوہ کثیر تھا۔ انسانوں کا ایسا ہجوم تھا کہ کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ ہر چہار طرف سر ہی سر تھے۔ ایک کونے سے تھالی پھینکتے تو سر ہی سر ہوتی ہوئی میلوں کا فاصلہ طے کرتی ہوئی دوسرے کونے پہنچ جاتی۔ ساحل نیل پر اتنے آدمی جمع ہو گئے کہ راستہ ہی بند ہو کر رہ گیا۔ یہ شان و شوکت جہاں دوسروں کو مرعوب کئے دے رہی تھی وہاں خود موسیٰ میں غرور و تکبر کے جذبات پیدا کرنے کا باعث بنی جا رہی تھی۔ وہ تملق۔ بے جا خوشامد۔ جھوٹی چاپلوسی سے اس قدر خوش اور نازاں نظر آ رہے تھے کہ بیان سے باہر اور اسی خوشامد کا نتیجہ تھا کہ موسیٰ آپے میں نہ رہے اور بے حد مغرور ہو گئے۔ قوم کا ایک جانباز سپہ سالار طارق کا دست راست مغیث الرومی بھی اس جلوس کے ہمراہ تھا۔ موسیٰ نے چاہا کہ وہ بھی بحیثیت غلام خلیفہ کے سامنے پیش ہو۔ مغیث کی خدمات دیکھتے ہوئے یہ اس کی بڑی بے عزتی تھی۔ قرطبہ اس کے ہاتھوں فتح ہوا تھا۔ اریوسیلہ میں اس کے سپاہیوں نے فتح حاصل کی تھی۔ طارق کے ساتھ وہ ہر موقع پر جانبازی اور جانفشانی سے [illegible] اس کا انکار اس کی موت کا باعث ہوا۔ مگر فوج موسیٰ کی جانب سے اور بھی بد دل [illegible] ان کو طارق ہی کے ساتھ سلوک ناروا اگر ان گزرا تھا تو مغیث کا قتل [illegible] تھا۔

جب موسیٰ شام میں پہنچے تو ولید بستر علالت پر تھا۔ سلیمان بن عبدالملک [illegible] ملنے کی پوری امید تھی۔ اس نے موسیٰ کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ [illegible]

Marfat.com

اور ولید وہاں کچھ دنوں بعد دمشق میں داخل ہو۔ تو مناسب ہوگا۔ موسیٰ کے دل میں اگر کوئی غداری یا بے ایمانی کا جذبہ ہوتا تو وہ اس پیغام پر توجہ دیتے۔ اور ویسا ہی کرتے جیسا کہ تقاضائے وقت تھا۔ مگر ان کی یہ وفاداری یہ اطاعت ایک ایسے خلیفہ کے ساتھ تھی۔ جس نے محض شبہ کی بنا پر ان کو اندلس سے بلوا بھیجا تھا۔ جس نے صرف سکھانے بھڑکانے سے ان کے خلاف ہر الزام کو صحیح جانا تھا۔ جس نے ان کے خلاف خطبوں میں تحقیر آمیز الفاظ استعمال کروائے اور ان پر بیزاری کا اعلان کرانے کا حکم دیا تھا۔ مگر انھوں نے پھر بھی اپنے خلوص اور نیک شعاری کا ثبوت دیا کہ سلیمان کے حضور کہلوا دیا کہ میں اپنی جانب سے غداری یا بے ایمانی کا روادار نہیں ہو سکتا۔ البتہ اگر میرے پہنچتے پہنچتے ولید جاں بحق ہو جائے تو سارے تحفے و تحائف آپ کی خدمت میں گزار دوں گا۔ جواب معقول تھا۔ مگر سلیمان کے لئے باعث رنج ثابت ہوا۔

موسیٰ جمعہ کے دن دمشق کے شہر میں داخل ہوئے۔ سیدھے جامع مسجد پہنچے جہاں ولید قدرے صحت یاب ہونے کی وجہ سے نماز جمعہ پڑھانے آئے ہوئے تھے۔ جب نماز جمعہ ہو چکی تو موسیٰ نے آداب شاہی بجا لاتے ہوئے وہ تمام ساز و سامان اور انواع و اقسام کی اشیاء وہ گرانقدر تحفے خدمت عالی میں پیش کئے۔ سرداران قوم و ملک جو اپنے دیس اور تہذیب کے لحاظ سے لباس اور امتیازی تمغے اور رتبے کے نشانات لگائے ہوئے تھے۔ حاضر کئے گئے۔ حاضرین مسجد حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ ولید کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی سلیمان جل بھن کے راکھ ہو گئے۔ کہتے ہیں اسی وقت وہ میز معہ رحل کے پیش کی گئی۔ جو تبرکاً طلیطلہ کے کلیسا میں رکھی ہوئی تھی۔ اور مانده کے مفرورین کے ہاتھ سے طارق نے چھینی تھی اس کے تینوں پائے زمرد اور زبرجد کے تھے۔ چوتھا پایہ محض خالص سونے کا تھا۔ جو موسیٰ نے خود تیار کرایا تھا۔ موسیٰ نے اس کو مال خمس کی حیثیت سے پیش کرتے وقت یہ دعویٰ کیا کہ یہ بھی انھیں کو حاصل ہوئی تھی۔ طارق وہاں موجود تھے۔ ضبط نہ کر سکے۔ چوتھا پایہ جو انھوں نے احتیاطاً الگ کر لیا تھا۔ سامنے کر دیا۔ اور ساری حقیقت کہہ سنائی۔ موسیٰ کا جذبۂ رقابت بھڑک اٹھا مگر سچ بہر حال سچ ہے۔ وہ مصلحت وقت دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ اب وہ طارق کا کر ہی کیا سکتے تھے۔ ولید نے اس کے جواہرات علیحدہ کرا کے تختہ اور پائے مکہ شریف بھجوا دیئے۔ بعد میں موسیٰ کو بے انتہا نوازشات اور اکرامات سے نوازا۔ ان سے بغل گیر ہوئے۔ ان کی خدمات کے معترف بھی ہوئے ہزار صد ہزار شکریہ خدائے بزرگ و برتر کا ادا کیا اور پھر موسیٰ کے بھی شکر گزار ہوئے۔ اپنا

Marfat.com

لباس خاص بطور مراحم خسروانہ اور پچاس ہزار دینار بطور انعام دیئے۔ عزت وتکریم سے رخصت کیا۔

مگر یہ عزت وتکریم زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکی۔ چالیس روز کا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ولید نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ سلیمان تخت خلافت پر متمکن ہوئے۔ اب ان کو اپنے غصے اور رقابت کے جذبے کو تسکین دینے کا موقع ملا۔ موسیٰ اس وقت اسی برس کے ہو چکے تھے۔ ان کے قویٰ مضمحل تھے۔ ان کی طاقت قریب قریب جواب دے چکی تھی۔ حرص وطمع کی اب وہاں گنجائش نہ تھی۔ وہ یاد الٰہی میں باقی دن خاموشی سے گزار دینا چاہتے تھے۔ مگر سلیمان نے ان کو دربار میں طلب کیا۔ ان کی بزرگی۔ دانائی۔ خدمات صلاحیت عظمت کسی چیز کا لحاظ نہ کرتے ہوئے انھیں بر سر اجلاس رسوا کیا۔ ان پر خیانت کا مقدمہ قائم کیا۔ ان سے پچھلا تمام حساب مانگا۔ جبر ستانی اور ظالمانہ حرکات پر جواب طلب کیا۔ مگر وہ ان سب باتوں کا کیا جواب دیتے۔ اگر انھوں نے کچھ مظالم کئے تو حالات کا تقاضہ یہی تھا۔ ضبط وتنظم اسی چیز کا متمنی تھا۔ اگر انھیں بد دیانت اور خائن کہا جائے تو اس سے زیادہ بہتان ان کی ذات پر کیا لگایا جا سکتا ہے۔ انھیں اس قدر مال ومتاع اور اسلحہ افریقہ اور اندلس سے حاصل ہوئے تھے۔ اس قدر انسان ان کی خدمت پر آمادہ تھے کہ بلا تکلف وہ اس سامان کو ہضم کر کے ایک آزاد سلطنت کی بنیاد ڈال سکتے تھے۔ مگر ان میں سے انھوں نے کوئی بات بھی نہ کی تھی۔ تاریخ شاہد ہے۔ اگر انھوں نے اصراف بے جا کیا بھی تو فوج کو خوش کرنے کے لئے۔ غریب سپاہیوں کا پیٹ بھرنے کے لئے۔ قلعوں اور فصیلوں کو مضبوط کرنے کے لئے۔ شہر کو بارونق بنانے کے لئے۔ اور صنعت وحرفت اور زراعت کو ترقی دینے کے لئے۔ اگر انھوں نے جاہ وحشم کو روا رکھا تو اس سے مفتوحین پر مسلمانوں کی عظمت شوکت اور دبدبے کا مظاہرہ مقصود تھا۔ ان پر رعب جتانا تھا۔ نہ کہ اپنی ذات کو ممتاز کرنا۔ انھوں نے اپنے اوپر تو کچھ بھی خرچ نہ کیا۔ اپنے خاندان کے افراد کو تو ذرا سا بھی نہیں نوازا اگر جب دلائل سننے کو وقت کی سب سے زبردست طاقت تیار ہی نہ ہو تو دلائل کا اثر ہو کیوں کر۔ اخراجات اسراف بے جا گردانے گئے۔ ضبطی جائداد تو الگ جو انعامات اور اکرامات ولید نے بخشے تھے وہ بھی چھین لئے گئے۔ اسکاٹ کہتے ہیں دو لاکھ اور بقول بعضے چالیس لاکھ پچاس ہزار دینار کا تاوان عائد کیا گیا۔ اتنا روپیہ وہ کہاں سے دے سکتے تھے۔ کیوں کر دے سکتے تھے۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ انھیں سزا کا بھی مستوجب قرار دیا گیا۔ جلتی تپتی ریت پر۔ چلچلاتی دھوپ میں انھیں ستون سے

باندھ کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہ تھا صلہ ان کی خدمات کا۔ یہ تھا معاوضہ فتح اندلس کا۔ یہ تھا انعام خلوص نیتی کا۔ کئی گھنٹے کی اذیت دینے کے بعد بعض اصحاب کی سفارش پر انھیں چھوڑا گیا۔ مگر پھر قید خانے کی دیوار کے پیچھے پھینک دیا گیا۔ اور اسی پر کیا بس ان کے بیٹے عبد العزیز جسے وہ اندلس میں اپنا قائم مقام بنا آئے تھے۔ جو بہت ہی متقی اور پرہیزگار تھے۔ زاہد شب زندہ دار۔ عابد دیندار تھے محض اس شبہ کے تحت کہ باپ کا یہ بد انجام سن کر کہیں وہ علم بغاوت نہ بلند کر دیں۔ انھیں جب نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ سورہ فاتحہ ختم کر کے سورہ واقعہ کی تلاوت کرنے والے تھے عربوں کے ہاتھ سے قتل کرا دیا۔ پھر ان کا سر موسیٰ کے سامنے پیش کیا۔ یہ شقاوت قلبی کی بڑی ذلیل مثال تھی۔ یہ ظلم و تشدد کا بڑا ارکیک مظاہرہ تھا۔ زخموں نے موسیٰ کو پہلے ہی چور چور کر دیا تھا پیہم دکھوں نے ان کو یونہی نڈھال کر رکھا تھا۔ بیٹے کا سر دیکھ کر انھوں نے صرف ایک آہ سرد کھینچی اور اتنا کہہ کر رہ گئے کہ ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جو دن کو انصاف و عدل اور انتظام ملکی کیا کرتا تھا۔ اور رات کو خدا کی عبادت۔ جو قائم اللیل اور صائم النہار تھا۔ اب ان میں صدمے برداشت کرنے کا دم خم نہ تھا۔ اب ان میں غم سہنے کی تاب نہ تھی۔ مگر زندگی تھی کہ ختم ہی ہونے کو نہ آتی تھی۔

۹۷ھ میں جب سلیمان حج کرنے مکہ گیا تو موسیٰ بھی پابزنجیر اس کے ساتھ تھے۔ جہاں وہ بدوؤں کے درمیان دن رات بھیک مانگا کرتے تھے اور پیٹ بھرنے کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا۔ وہ تاوان کی رقم میں ادا کر دیا کرتے تھے آخر اس افلاس۔ تنگ دستی۔ مجبوری۔ اور بے چارگی کی زندگی میں مدینہ منورہ میں اس فرزند سعید اور خادم توحید نے سفر آخرت اختیار کیا۔

موسیٰ کا یہ ہیبت ناک اور عبرت ناک انجام ایک وسیع النظر جلیل القدر وحید العصر سپالار اعظم کا انجام تھا کہ جس کا جواب پھر سطوت اسلام نہ پیدا کر پائی۔ ان میں جوہر جنگی کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ نزاکت حالات اور نکات معاملات کو سمجھنے میں ان کو ملکہ خاص تھا۔ ان میں بہادری اور دلیری بدرجہ انتہا موجود تھی۔ ہمت اور مستقل مزاجی اپنے کمال کو تھی۔ وہ کسی تکلیف سے گھبرانا جانتے ہی نہ تھے۔ وہ مصیبتوں سے ڈرنا بے معنی سمجھتے تھے جنگی چالوں میں وہ اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ ہر مرحلے کو بغیر سوچے سمجھے طے نہ کرتے تھے۔ کوئی قدم بغیر غور و خوض اٹھاتے نہ تھے۔ احتیاط ہر مرحلے میں پوری برتتے تھے کامیابی کا یقین کامل ہوتے ہوئے بھی وہ کوئی خامی یا فروگذاشت باقی نہ رہنے دیتے تھے کہ بعد

یں انجام بد سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ ان کی دانشمندی، تدبر دوربینی ضرب المثل تھی۔ ان کا اندازہ ہمیشہ صحیح اور ان کا تخمینہ عموماً درست ہوتا تھا۔ کبھی کسی دشمن نے ان کو شکست سے ہمکنار نہ کیا۔ کبھی کسی میدان میں انھوں نے ناکامیابی کا منہ نہیں دیکھا۔ سپاہی ان کے گرویدہ۔ عامل ان کے فریفتہ رہتے تھے۔ وہ بڑی ہی فصیح و بلیغ تقریر کرتے تھے۔ اور مردہ دلوں میں روح اور مرجھائے جذبات میں برقی رو دوڑا دیتے تھے۔ جہاں امورِ دنیوی اور معاملات ملکی بجالانے میں وہ کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے وہاں فرائض دینی اور اُمور مذہبی کو بھی انجام دینے میں کوئی کمی باقی نہ رکھتے تھے۔ وہ مردم شناس تھے۔ مردم آزار نہیں۔ وہ سیاست دان تھے مگر مکرو فریب سے ہمیشہ گریزاں رہتے۔ انھوں نے امانت کو ہمیشہ امانت سمجھا اور دوسروں کے حصوں کو خرد برد کرنا گناہ۔ اگر انھوں نے کچھ دولت جمع بھی کی تو وہ ان کا حصّہ تھی۔ ان کی محنت کا صلہ۔ کہیں کہیں اگر کچھ ظلم کی داستانیں ان کے نام سے منسوب ہیں تو وہ ان کی بے شمار خوبیوں پر اثر انداز نہیں ہوتی عیسائی مورخوں نے ان کی عظمت کو پامال کرنے اور ان کی کامیابیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ان کے واسطے نہ معلوم کتنے بہتان تراشے۔ کتنے افسانے گھڑے ان کو لالچی اور طامع بتایا۔ ان کو ظلم وجور کا عادی کہا۔ ان کو نمک حلالی سے دور سمجھا۔ جوش غضب اور غصّہ سے مغلوب بتلایا۔ لیکن اگر وہ طامع ہوتے تو دولتوں کے انبار لگا لیتے کہ وقت ضرورت کام آئے اور ان کو مفلسی اور بے چارگی کی موت نہ مرنا پڑتی۔ اگر وہ نمک حلالی کے عادی نہ ہوتے تو سلیمان کے پیام پر عمل کرتے۔ اگر جوش غصّہ و غضب سے مغلوب رہتے۔ تو طارق کو کبھی کا قتل کروا چکے ہوتے۔ اگر وہ ظلم وجور کو ہوا دیتے تو اتنی کنیزوں اور غلاموں کے بجائے ان کی لاشیں ساتھ ہوتیں۔ عیسائی اور یہودی جو امن و امان کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اُن کے بجائے ان کی گلی سڑی ہڈیاں گلیوں۔ نالیوں۔ سڑکوں پر بکھری پڑی ہوتیں۔ یہ محض بے بنیاد الزامات اور تہمتیں ہیں۔ جو ان کے سر تھوپ دی گئیں۔ کیونکہ وہ مملکت اسپین کے فاتح اعظم تھے

موسیٰ کے ساتھ یہ سلوک خلفائے بنی امیہ پر ایک بہت بڑا داغ ہے یہ ان کی احسان فراموشی اور احسان ناشناسی کا عظیم ثبوت ہے۔ یہ ان کی کج اخلاقی۔ بے مروتی اور رکیک القلبی کا شاندار مظاہرہ تھا۔ موسیٰ کا شمار تو ان عظیم المرتبت ہستیوں میں ہے۔ جنھوں نے تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کردیا۔ جنھوں نے سطوت گوتھ کو کچل کر رکھ دیا۔ جنھوں نے اسلام کے قدم براعظم یورپ

Marfat.com

میں گاڑ دیئے۔ جنھوں نے نعرۂ توحید سرزمین تثلیث پرست میں بلند کروادیا۔ جنھوں نے کفروالحاد کی وادیوں میں اذانوں کی گونج پیدا کردی۔ جنھوں نے برائیوں کا قلع قمع کرکے ایک بہتر اور جامع نظام قائم کردیا۔ موسیٰ نے جو کچھ کیا اس پر مسلمان ہمیشہ فخر کرتے رہیں گے۔ اور اسلام ہمیشہ اپنی اس عظمت پر نازاں رہے گا۔ سلیمان نے جو کچھ کیا۔ دنیا ہمیشہ اس کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھے گی۔ لعن طعن کرتی رہے گی۔

طارق کا ذکر عہد ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جامع مسجد تک تو آتا ہے۔ جبکہ میز کا مسئلہ پیش کیا تو طارق نے اس کو اپنی حاصل کردہ اشیاء میں بتلایا۔ اور جو تھا پایہ پیش کرکے اس کو ثابت بھی کردیا۔ پھر طارق پر کیا بیتی۔ یہ سب کچھ گمنامی میں ہے۔ ولید نے موسیٰ کی طرح طارق کو انعامات اور اکرامات سے نوازا اور دارالخلافہ میں رہنے کے لئے ایک محل سجا سجایا بھی عطا کیا۔

سلیمان نے طارق سے کوئی تعرض تو نہ کیا۔ مگر اس کو اس حد تک قابل اعتماد بھی نہ سمجھا کہ پھر آئندہ کسی مہم پر روانہ کرتے۔ اور اغلباً عزلت نشینی اور گمنامی کی زندگی کے باقی دن جو آسائش اور اطمینان سے لبریز تھے گزا دیئے۔

مغیث الرومی پہلے ہی قتل کیا جا چکا تھا۔ جولین بدستور سبتہ (ceuta) کے علاقہ کا والی رہا۔ اور وہاں اس نے بغیر مداخلت بیجا زندگی کے باقی دن حکمرانی کرتے گزار دیئے۔ اس کی تیسری پشت میں ابوسلیمان ایوب دسویں صدی عیسوی میں فقہ اور شریعت کے بہت بڑے عالم گزرے جو فاضل بھی تھے۔ زکی اور ذہین بھی۔ جولین نے خود اسلام قبول کرلیا تھا۔ یہ ابھی ناقابل تحقیق بات ہے۔ طارق کی اولاد اندلس میں الموحدین کے آنے سے قبل تک عزت و حرمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

باب ۵

فتوحات کے اثرات

طارق کے ساتھ بارہ ہزار سپاہی حدود اندلس میں نہیں داخل ہوئے تھے بلکہ اس کے جلو میں ایک انقلاب۔ ایک بہتر معاشی نظام۔ ایک نیا طرز بودوباش ایک جدید انداز معاشرت ایک مضبوط طرز حکومت۔ ایک جداگانہ تہذیب۔ ایک انوکھا تمدن ساتھ ساتھ آیا تھا مسلمان اپنے ساتھ صرف نیزے کلہاڑے اور تلواریں ہی نہ لائے تھے۔ بلکہ حسن سلوک۔ اخلاق و مروت۔ محبت اور یگانگت لے کر آئے تھے۔ وہ برائیوں کا ازالہ کرنے آئے تھے۔ نیکیوں اور خوبیوں کی بنیادیں ڈالنے آئے تھے۔ وہ بدکاری اور زناکاری کا خاتمہ کر کے نیک طینتی اور شرافت کا پرچم لہرانے آئے تھے۔ وہ اپنے ہمراہ سب کچھ وہ لے کر آئے تھے جس کے لئے اہل اندلس صدیوں سے ترس رہے تھے۔

اندلس ہمیشہ سے بیرونی حملہ آوروں کا آماجگاہ بنا رہا۔ یہاں یکے بعد دیگر مختلف قومیں اپنی قوت اور جبروت کا مظاہرہ کرتی رہیں۔ اور اس سرزمین کو روندتی کچلتی رہیں۔ اگر ہم عیسائی مورخین کے حوالے بھی نظر میں رکھیں۔ جن میں علامہ ڈوزی۔ ڈاکٹر کونڈے۔ اسکاٹ لین پول وغیرہ مقبول ہیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوگا کہ نہ اہل لونشیا۔ نہ رومنوں نہ یونانیوں نہ گوتھوں نے اندلس کو وہ سب کچھ دیا جو ان کے خیال کے مطابق غیر مہذب بد اخلاق۔ وحشی۔ ڈراونی صورت اور بھدے لباس پہننے والے مسلمانوں نے دیا جبکہ اس وقت طاقت اور قوت۔ جبر و تشدد ہر چیز پر حاوی تھا۔ لوگ قانون سے ڈرنا تو کجا اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ احکامات کی خلاف ورزی کرنے پر فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ خود بادشاہوں کے احکام ان کے محل میں ہی نہ مانے جاتے تھے۔ لوگ نظم و ضبط سے جلتے تھے۔ ہر طرف سازشیں تھیں نمک حرامیاں۔ بے ایمانیاں تھیں۔ بدکاریاں اور شہوت رانیاں تھیں ہر بات میں نام و نمود کا خیال تھا۔ ظاہری زیبائش اور نمائش مقصد اولیں تھا۔ دربار شاہی۔ مفت خوروں خفیف الحرکات لوگوں۔ مسخروں۔ بازیگروں اور خوشامد

Marfat.com

خوروں سے پُر تھا۔ یہی حال ہر امیر اور رئیس کے گھر کا تھا۔ بعض امراء اور رؤسا شہنشاہوں سے بھی زیادہ ٹھاٹھ سے رہتے اور زیادہ عیش کی طرف راغب رہتے تھے۔ ہر طرف عورتوں کا ذکر تھا ہر طرف حسن کا چرچا۔ جہاں دیکھو ساغر اور مینا کی کھنک تھی۔ جس طرف نگاہ ڈالو ساقی دلربا کے گھنگروؤں کی جھنک۔ نہ قومی عزت و حرمت کا پاس تھا نہ قدر و منزلت کا لحاظ۔ نہ مردانگی پر فخر نہ جوہر انسانی پر افتخار۔ نہ سپاہیانہ طور و طرز پر انداز حیات۔ نہ بہادری و دلیری طرۂ امتیاز نہ کوئی مرکزی حکومت نہ کوئی برسر اقتدار طاقت۔ جدھر دیکھو مذہب کا دور دورہ تھا۔ پادریوں کی بات بے بات بھی چلتی تھی۔ سینٹ صوفیہ پوپ اعظم روم۔ بس انہیں کا حکم تھا۔ اور خود ان کا یہ حال تھا کہ تزک و احتشام اور شان و شوکت میں دنیا کا بڑے سے بڑا بادشاہ بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ گرجے محلسراؤں سے بڑھ کر تھے۔ کلیسا حرم سراؤں کو مات کرتے تھے۔ یہاں راہبائیں تھیں جو فحاشی اور بدکاری میں اپنا جواب نہ رکھتی تھیں۔ یہاں نازک اندام خوش شکل لڑکے تھے۔ جو غلمان کو بھی شرمندہ کرتے تھے۔ ان سے ہر قسم کا اختلاط جائز تھا۔ شراب و شاہد مذہبی شرائط کے تحت قابل قبول تھا اور ڈاکٹر اسکاٹ کہتے ہیں کہ بہر نوع بہ ہر طور مسیح علیہ السلام کے دین کی حسن و خوبی و نرمی تشریف لے جا چکی تھی۔ اور اس کی جگہ پر دور جہالت اور منہ کالا کرنے والا ہر قانون رائج تھا۔

کہنے کو تو عدالتیں بھی تھیں۔ دفاتر بھی۔ فوج نظم و نسق بھی۔ مگر عمل صرف انہیں قوانین پر ہوتا تھا۔ جو بادشاہ۔ امراء یا اہیانِ کلیسا کے حق میں مفید ہوتے تھے۔ اور جن کا شکار مستقل غریب رعایا ہوتی تھی۔ پادریوں کو۔ اسقف کو یا دیگر اہل کلیسا کو عدالتیں تو طلب کر سکتی تھیں مگر ان کا بگاڑ کچھ نہ سکتی تھیں۔ امراء و رؤسا پر تادیبی کارروائیاں تو ہو سکتی تھیں مگر ان پر عمل احاطۂ عدالت ہی میں نہ تھا۔ برخلاف اس کے رعایا کے ہر فرد پر ہر قانون لاگو تھا۔ ہر دفعہ ان پر حاوی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر ان کو کوڑے لگوا دیئے جاتے۔ داغ دیا جاتا۔ جیلوں میں ٹھونس دیا جاتا۔ کڑی سے کڑی محنت و مشقت لی جاتی اور بعض اوقات تو دل ہلا دینے والی سزائیں دے کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا تھا۔ ہر شخص پر فوجی خدمت لازمی تھی۔ بجز مذہبی اصحاب کے۔ اکثر لوگ اس سے بچنے کے لئے سر منڈا دیتے اور پادریوں جیسا لباس پہننے لگتے تھے۔ پھر وہ ہر خدمت دنیاوی سے بری تھے۔

گوتھک شاہوں نے اس لاقانونیت کو روکنے اور کلیسا کا اس قدر اقتدار بڑھنے کی روک

Marfat.com

نظام کرنے کو بہت سے قانون وضع کئے۔ کئی بار کونسل کے اجلاس طلب کئے۔ اور ۶۹۵ء میں قانون کی ایک بہت بڑی کتاب "کتاب القضاۃ" فوری جیوڈی کم بھی شائع کی جس میں عدالتوں کی برتری ثابت کی گئی۔ بادشاہ کو وقت کی سب سے بڑی طاقت منوایا گیا۔ کلیسا کی ایک علیحدہ حیثیت تسلیم کر لی گئی۔ مگر نتیجے میں وہی ڈھاک تین پات اور جب چھٹی صدی عیسوی کو تھک شہنشاہ نے مذہب عیسوی اور وہ رومن کیتھلک قبول کر لیا تو ہر طرف چرچ ہی چرچ کا بول بالا تھا۔

یہ سب کچھ تو خیر تھا ہی مگر عوام کی حالت بہت بدتر تھی۔ ان کی معاشی بدحالی۔ بے روزگاری بے چارگی خود نفس انسانیت پر نوحہ کناں تھی۔ رؤسا اور حکام ان پر جس قسم کے مظالم چاہیں روا رکھ سکتے تھے۔ ان کی جائدادوں کو ضبط کر سکتے تھے۔ ان کے گھر بار کو آگ لگوا سکتے تھے۔ ان کے زن بچوں کو کولھو میں پلوا سکتے تھے۔ ان کی بہو بیٹیوں کو زبردستی حرص وہوس کی آسودگی کا آلہ بنا سکتے تھے۔ ان کو جلاوطن کر سکتے تھے۔ ان کے بیٹے بیٹیاں اور ان کی بھی بیٹے بیٹیاں محض غلام اور کنیزیں ہی رہتیں۔ آقاؤں کو ان کی جانیں تک لینے کا حق تھا۔ اگر کوئی غلام کسی سے ناجائز تعلق پیدا کر لیتا تو اسے زندہ جلا دیا جاتا۔ عورتوں کی شرمگاہوں کو داغ دیا جاتا۔ جو شخص کسی کا قرض نہ ادا کر پاتا اس کو بھی قرضخواہ کا غلام بنا دیا جاتا۔ جو شخص کلیسا۔ حاکم۔ بادشاہ وقت کی مذمت کیا کرتا اس کو بھی بحیثیت غلام فروخت کر دیا جاتا کسانوں سے کام تو لیا جاتا۔ اُجرت نہ دی جاتی۔ وہ کھیتی باڑی تو کرتے تھے مگر فصل بکنے کے بعد رقم پر ان کا کوئی اختیار نہ ہوتا۔ درمیانی طبقہ ٹیکسوں کی بھرمار اور ساتھ ہی ساتھ۔ آمدنی کے تنگ ذرائع ہونے کی وجہ سے بہت عسرت اور تنگدستی سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ ان پر ہر قسم کی پابندیاں عائد کی تھیں۔ وہ اپنے لڑکوں لڑکیوں کی شادی بھی بغیر اجازت نہ کر سکتے تھے اور ان کی کوئی لڑکی بہت حسین ہوتی تو امیر آپس میں خود اس کو حاصل کرنے کے لئے کبھی اعلیٰ پیمانے پر جنگ و جدل کرتے۔ کبھی محض ڈوئل لڑ کر تصفیہ کر لیتے۔ لڑکی کا باپ محض تماشائی ہو سکتا تھا۔ ان کو اس بربریت سے روک نہیں سکتا تھا۔ ان کی یہ بدحالی اور خستہ حالی روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اسی کے ساتھ ساتھ ان کی عسرت اور غربت بھی۔

مگر ایک فرقہ اور تھا۔ جو ان سے بھی زیادہ بدحال زندگی گزار رہا تھا یہ تھے یہودی کبھی تو ان کا اتنا اقتدار تھا کہ جب فصلیں تیار ہوتیں تو یہ برکت کی دعا دیتے۔ اس کے بعد وہ کاٹی جاتیں۔ جب کوئی مکان یا کارخانہ تعمیر ہوتا تھا تو یہ اس میں اذانیں دیا کرتے تھے۔ مگر مذہب عیسوی کے ٹھیکیداروں کی طرف سے جلد ہی ایسے قوانین پاس ہوئے جس کے تحت یہودیوں سے اس کی دعائیں لینا اور کرانا

Marfat.com

جرم قرار دیا گیا۔ اور سزائیں مقرر کی گئیں۔ دونوں فریقوں کو شہر بدر کر دیا جاتا۔ یہودیوں کے ساتھ کھانا کھانا یا کھلانا دونوں ممنوع قرار دیا گیا۔ ان کو ہر قسم کی ایذائیں دینا مذہبی خوش عقیدگی میں شامل کر لیا گیا۔ ان میں ہر چند تجارت اور حرفت کی قابلیت تھی مگر وہ اس سے خاطر خواہ فائدہ نہ اٹھا سکتے۔ کسی کسی دور میں ان کی حالت سنور جاتی ورنہ عموماً وہ خستہ حال اور لاچار ہی رہتے۔ ان کی خوش حالی اور اقتدار کو ختم کرنے کے لئے اہلیان کلیسا روز روز نت نئی ترکیبیں سوچا کرتے نئے نئے قانون وضع کرتے۔ مثلاً ۶۰۹ء میں راڈرک کے زمانے میں یہودیوں کے معاملات میں بے انتہا دخل اندازی کی گئی۔ انہیں زبردستی عیسائی بنا لیا گیا۔ ان کی بیٹیوں۔ بیویوں کو بر سر عام رسوا کر کے نیلام کر دیا گیا جو عیسائی بننے پر آمادہ نہ ہوئے انھیں غلام بنا لیا گیا۔ ہر جگہ ہر موقع پر ان کی توہین کی گئی۔ اکثر اوقات ان کی جائدادیں کل کی کل ضبط کر لی گئیں پھر بھی یہ قوم ایسی سخت جان تھی کہ جہاں موقع ملتا۔ ذرا نجات حاصل ہوتی پھلنے پھولنے لگتی۔

اور جب یہ عالم ہو پورے ملک کا تو مسلمان جو اپنے ساتھ محبت اخوت۔ مروت۔ مساوات۔ رحمدلی خوش حالی۔ بہتر اصول اور عمدہ نظام لے کر آتے تھے۔ کیوں نہ ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے۔ وہ آندھی طوفان کی طرح اندلس میں داخل ہوئے تھے۔ اس وقت ان کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ اتنی عظیم فتوحات یہاں حاصل کریں گے کہ دیکھتے دیکھتے حملہ آور سے حکمران بن جائیں گے ڈیڑھ سال کا عرصہ کیا ہوتا ہے جس میں انھوں نے اس قدر وسیع و عریض ملک کے چپہ چپہ پر اسلام کا علم نصب کر دیا اس کے گوشہ گوشہ پر اپنا پرچم لہرا دیا۔ تنگ سی آبنائے سے لے کر کوہ پائیرنیس تک ان کا ہی بول بالا تھا۔ بحر شام سے لے کر بحر محیط تک انہیں کا طوطی بول رہا تھا۔ وہ جس تیزی سے بڑھے جس سرعت سے غلبہ حاصل کیا۔ اس کی مثال کہیں اور ملنا مشکل ہے پل جھپکاتے انھوں نے وہ زنگ خوردہ نظام اور تشدد آمیز قوانین کو تہس نہس کر دیا۔ اور اس کی جگہ پر وہ قانون نافذ کیا جس میں آقا و غلام برابر تھے جس میں امیر و غریب یکساں رتبے والے تھے۔ جس میں حاکم اور محکوم ایک ہی زنجیر کی کڑیاں تھے بادشاہ اور رعایا ایک ہی تسبیح کے دانے تھے۔ جس میں زمیندار اور کسان ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے موتی تھے جہاں بھائی چارہ تھا۔ محبت تھی۔ یگانگت تھی یہاں نسلی اور حسبی امتیاز فنا ہو کر رہ گیا تھا۔ جہاں غریبی اور امیری کا فرق مٹ کر رہ گیا۔ جہاں یہودی اور نصارٰی کا لقب ختم ہو کر رہ گیا۔ جہاں مذہب اور ملت کی تفریق گم ہو کر رہ گئی۔ جہاں مستحقین کو وہ سب کچھ بخشا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔ جہاں وٹیزا کی اولاد اور اس کے بھائی اوپاس (OPHAS) کو سب کچھ دیا گیا جس کے وعدے

Marfat.com

کئے گئے تھے۔ جہاں یہودیوں کو وہ ساری جائدادیں واپس دلائی گئیں جو غصب کرلی گئی تھیں۔ جہاں مزارعین کو ان کے مزارعہ سے پوری منفعت حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔ جہاں ٹیکس صرف تین روپیہ سالانہ فی کس لگایا گیا۔ جو نہ ہونے کے برابر تھا۔ یہ سب اتنی جلد کیسے ہوگیا ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ متوسط طبقے کے ساتھ خاص مراعات برتی گئیں۔ کیونکہ ملک کی فلاح وبہبود انھیں سے وابستہ ہوتی تھی۔ ان پرسے تمام پابندیاں اور قیود ہٹالی گئیں۔ ان کو ان کے کاموں میں سرکار کی طرف سے ہر مدد کا وعدہ کیا گیا ان کی صنعت وحرفت کو شاہانہ سرپرستی بخشی گئی۔ ان پر جو بیجا ٹیکس عائد تھے معاف کردیئے گئے۔ انھیں حکومت کا خاص آلۂ کار اور رکن سمجھا گیا۔

اسپین جو ساری دنیا سے الگ تھلگ گمراہیوں اور بدکاریوں کا مرکز تھا۔ خوش اخلاقیوں اور نیک چلنیوں کا منبع بن گیا۔ خانقاہیں وہ خانقاہیں نہ رہیں جو پہلے تھیں۔ بلکہ ان کی اصلاح کی گئی۔ بدکار اور فاحشہ عورتوں کو وہاں سے علیحدہ کیا گیا۔ حرص وہوس کے سامان کو مٹا ڈالا گیا۔ پادریوں کے اخلاق کو سنوارا گیا۔ امراء ورؤساء کے کردار کو سنبھالا گیا۔ ظاہری اسباب نام ونمود ضبط کرلئے گئے۔ نمائشی چیزوں کو چھین لیا گیا۔ اور راہباؤں اور راہبوں کو نیک چلنی اور صالح زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ غلاموں کو دکھ دینے یا ظلم کرنے پر سزائیں مقرر کی گئیں۔ ان کے حقوق قائم کئے گئے۔ ان پر مظالم روا رکھے گئے۔ استبداد منع کردیا گیا۔ تشدد ختم کردیا گیا۔ ان کو بلاوجہ سزائیں نہ دی جاسکتی تھیں۔ عورتوں کو بھیڑ بکری کی طرح سمجھنے اور استعمال کرنے کے لئے جبراً روک دیا گیا۔ ان کی فلاح کے لئے قوانین کا اجراء ہوا۔ ان کی بہبودی کی خاطر لوگوں کو اپنے دیرینہ طرز عمل کو بدلنے پر مجبور کیا گیا۔ ان کے ساتھ سلوک ناروا رکھنا ان کو محض آلۂ تفریح یا سامان تعیش سمجھنا آئینی طور پر غلط تھا۔ ان کے کھلے بازار یا جبراً بداخلاقی کا مرتکب ہونا کڑی سے کڑی سزا کا مستوجب ہوتا تھا۔

یہ مسلمانوں کا ہی دم قدم تھا کہ لوگوں میں ازسرنو جذبات حب الوطنی پیدا ہوئے۔ ملک کے ساتھ وفاداری کا جذبہ عود کر آیا۔ جاں نثاری کا جوش ابھر آیا۔ قوم وذات کی قیود سے علیحدہ ملک کی حفاظت اپنا ایمان سمجھنے لگے۔ ملت یا مذہب کے لئے بغیر ملک کی ترقی اور بہبودی اپنا فریضہ گردانے لگے۔ بے نفسی نفسی نے خیر خواہی ہر کس وناکس کی جگہ لے لی۔ اپنا ہی اپنا خیال مٹ کے رہ گیا اور دوسروں کی خیر وفلاح اولین فریضہ کردار قرار دی جانے لگی۔ ذاتی اقتدار کی جگہ ملی اقتدار نے لے لی۔ افراد کے تسلط کے بجائے قوم کا تسلط چھا گیا۔ فرقہ بندی کا نشان

Marfat.com

نہ رہا۔ گروہ بندی کا نام نہیں۔ قدیم تہذیب و تمدن کی بنیادیں اس طرح بھک سے اُڑ کر رہ گئیں۔ جیسے ان کے نیچے سرنگ لگی۔ اور ان پر بارود بچھا دی گئی ہو۔ ادھر ایک دیا سلائی دکھائی اُدھر یہ چیز بھک بھک کر رہ گئی۔ یہی اصول تھے۔ یہی خوبیاں تھیں کہ مسلمانوں کو یہودیوں نے بھی ہاتھوں ہاتھ لیا۔ عیسائیوں نے بھی۔ مری کچلی رعایا نے بھی۔ دل جلے حاکموں نے بھی ان کی آمد ایک فالِ نیک اور سعادتِ عظمیٰ تھی۔

بات یہیں تک پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی۔ مسلمان جو ایک اجنبی کی طرح جن کی کوئی بات یہاں والوں سے مطابقت نہ رکھتی تھی۔ جن کا کوئی انداز مفتوحین سے مماثلت نہیں رکھتا تھا۔ یہاں کچھ اس طرح سے چھائے کہ ملکیوں کو غیر ملکیوں کے متعلق اپنے نظریات بدلنے پڑے۔ اپنے عقائد مختلف کرنے پڑے۔ یا تو وہ لوگ ان کو بالکل تہذیب و تمدن سے نا آشنا اور بیگانہ سمجھتے تھے یا ان کی تہذیب و اخلاق کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ بے تحاشہ مذہب اسلام قبول کرنے لگے۔ انہوں نے سازشوں اور چالوں کو حصول تاج و تخت کا ذریعہ بنانا ختم کر دیا۔ ان کے امراء اب نا محرم ہو گئے تھے جو بہر طور اور بہر صورت یگانہ روزگار اور عظیم الشان اہمیت کے مالک ہوتے تھے۔ رعایا جو کبھی محفوظ اور کبھی غیر محفوظ رہتی تھی۔ اور جنہیں ہمیشہ بیرونی حملوں یا قزاقوں کی آمد کا خطرہ لاحق رہتا تھا۔ اس سے وہ اب نجات پا گئے اور اپنے آپ کو محفوظ اور امن و امان میں سمجھنے لگے قومی تعصبات جو قومی ترقی میں ہمیشہ رخنہ بنے رہتے تھے مٹا دیئے گئے اور ان کی جگہ ملک کی ترقی اور خوش حالی میں ہر مذہب و ملت کے فرد کو شریک کار کیا گیا۔ سزاؤں کا وہ پچھلا دل ہلا دینے والا طریقہ ختم کر دیا گیا۔ اور اب سزائیں جرم کی مطابقت سے دی جاتی تھیں۔ جن میں بہیمیت کا کوئی شائبہ نہ ہوتا تھا۔ چوروں اور ڈاکوؤں کی بیخ کنی کی گئی اور رعایا کو ان کے شر سے محفوظ کیا گیا۔ کاشتکاروں اور کسانوں کی محنت اب رائیگاں نہ جاتی تھی۔ بلکہ ان کو اس کا حسب قانون معاوضہ ملتا تھا اور ان کے افلاس کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن ترکیب کی جاتی۔ بروقت ضرورت ان کو تقاویاں بانٹی جاتیں۔ قحط میں انکی ہر ممکن مدد کی جاتی۔ بیج۔ کھاد۔ بیل اور دیگر سامان مفت بہم کئے جاتے غربت کو خدا کا سب سے بڑا عذاب تصور کیا جاتا۔ جو نادار۔ یتیم۔ لاوارث تھے۔ ان کو خزانہ شاہی سے عطیات اور انعامات دیئے جاتے۔ مالِ غنیمت اور زکوٰۃ میں بھی ان کا حصہ ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر انصاف کرنے کی کوشش کی جاتی اب ملک کی حفاظت ہر فرد و قوم پر واجب تھی۔ مگر اندرونی حفاظت صرف مسلمانوں کے ذمے جب یہاں آبادیاں قائم کرنا شروع کیں۔ یہاں کے قدیم باشندوں کو

Marfat.com

مناکحت کے ذریعہ رشتے ہو گئے۔ ان کو اپنے برتر اخلاق اور بہتر عمل سے اس حد تک مرعوب اور متاثر کیا گیا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں ہی کو واحد نجات دہندہ سمجھنے لگے۔ ان کو اب مسلمانوں کی موجودگی گراں گزرنا تو درکنار وہ ایک نعمت غیر مترقبہ نظر آئی جو بیٹے طرح ان پر نچھاور کر دی گئی تھی۔ اب ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی آدمی بھی مطمئن اور محفوظ سمجھتا اور عدل و انصاف کا منادر کرتے گرتے مذہبی انسان بھی اب یہ تصور نہ کر سکتا کہ ان کو فرائض دینی بجا لانے میں کوئی رکاوٹ محسوس ہو گی۔ ہر شخص جس پر کوئی زیادتی ہوتی یا کھٹکا حاکم وقت کا دروازہ انصاف کے لئے کھٹکھٹا سکتا تھا۔ اہلیان کلیسا کو بھی اپنے گمراہ کن اصول بدل کر نیک اصول داخل کرنے پڑے۔ اور رومن کیتھولک کہنے کو تو اب بھی ان کو قزاق غاصب اور خائن کہتے تھے۔ مگر دل ہی دل میں اپنی حرکات و سکنات اور خوش خلقیوں کے معترف تھے اور اپنی بدکاریوں پر لعنت ملامت کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کو بھی اپنے اطوار بدلنے پڑے اور یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ جو الزامات بھڑکانے اور اکسانے کی خاطر مسلمانوں کے خلاف لگایا کرتے تھے محض بے بنیاد اور عناد پھیلانے کی غرض سے تھے۔ وہ اگر اپنے طریقوں کو نہ بھی بدلنا چاہتے تو ان کی من مانی چل نہ سکتی۔ راہبات اب عیش و عشرت اور کج اخلاقیوں سے عاجز آ کر واقعی ایک شرافت اور عزت کی زندگی بسر کرنا چاہتی تھیں انھوں نے کلیسا چھوڑ اسلام کے دامن میں پناہ لینی خصوصاً کی یہ ضرورت کا رہی تھی۔ ان کے طرائق پر جو بدل کر بھی بدل کر ہی رہتے۔ قربان گاہوں پر قربانیاں نہ دی جا سکتی تھیں۔ اب مذہبی رسوم میں دنیا داری اور نمائش شامل نہ ہو سکتی تھی۔ اب نیکیوں کا دور دورہ تھا۔ اچھائیوں کا چرچا۔

مگر فاتحین تنگ نظر نہ تھے۔ انھوں نے یہاں کے بھی اچھے قوانین کا احترام کیا۔ یہاں کے بھی مناسب دستوروں کو بدلا نہیں۔ یہاں کے اصولوں کو بھی خواہ مخواہ گزند نہ پہنچائی۔ بلکہ ذمیوں۔ اور غیر مسلمانوں پر اسلام اور شرع کے وہی قانون لاگو ہوتے تھے۔ جو ان کے مذہب یا عقائد سے ٹکر نہ کھائیں۔ اور ان کے اصولوں کے خلاف نہ جائیں۔ ان کے طریقوں کے منافی نہ ہوں۔ رعایا خوش ہو گئی۔ یہودی مرفہ الحال۔ غلام آزاد۔ عورتیں باحیا اور باحجاب۔ متوسط طبقہ مطمئن اور مسرور۔ کسان اور دہقان شاداں اور فرحاں۔ تلخیاں ختم۔ گمراہیاں ختم۔ بداخلاقیاں ختم۔ بدیاں ختم۔ بدتمیزیاں ختم۔

مگر بات پھر بھی یہیں تک پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی۔ جہاں لاقانونیت اور بے ضابطہ پن کا دور دورہ ہو وہاں قانون اور ضابطہ کا نفاذ آسان کام نہیں۔ مگر ان کلمہ گویوں کے دلوں میں جو جذبہ کار فرما تھا۔ اس میں ایک آہنی عزم تھا۔ ایک جذبۂ عمل تھا۔ ایک اخلاص تھا۔ وہ سرزمین اندلس پر

آئے ہی تھے اللہ کے نام اور اس کے قانون کا بول بالا کرنے کے لئے پھر وہ ایسے طریقے کیوں کر اختیار کر سکتے تھے جس کی وجہ سے قرآنی احکام اور شرعی اصول پر ضرب پہنچے۔ از سر نو تمام مفتوحہ زمین کی پیمائش کی گئی۔ وہ جاگیردار، زمیندار، نواب جو زمینوں کو چھوڑ کر بھاگ چکے تھے یا لڑائی میں جان تلف کر چکے تھے۔ ان کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کی گئی۔ مختلف جگہ مختلف نسل اور وطن کے آئے ہوئے لوگ بسائے گئے۔ آبادکاری کے لئے ہر وسیلہ بہ سہولت بہم پہنچائی گئی۔ کہیں یمنی بسے تو کہیں حجازی۔ کہیں شامی تو کہیں ایرانی۔ کہیں افریقی تو کہیں مصری۔ اس طرح بھانت بھانت کے لوگ ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل گئے۔

بیرونی حملوں کے خطرے کو دور کرنے کے لئے تمام قلعوں کی پھر سے مرمت ہوئی۔ نئی فصیلیں قائم کی گئیں نئے اور مضبوط قلعے تعمیر کئے گئے سرحدوں پر چوکیاں قائم کی گئیں۔ جگہ بہ جگہ فوجی چھاؤنیاں بنائی گئیں۔ دور دراز علاقوں میں خبر رساں ایجنسیاں قائم ہوئیں۔ اکثر مقامات پر فوجی چوکیاں بٹھائی گئیں۔ جو کسی بھی حملے کی وقتی طور پر مدافعت کر سکتی تھیں۔ اور ایک سال کے اندر اندر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اندلس کی سرحد سرحد نہیں ہے۔ بلکہ لوہے اور سیسے کی دیواریں ہیں۔ جن پر چوٹ بیکار ہر فریب ناکارہ۔

مگر بات پھر بھی یہیں تک پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی۔ لطف تو جب ہے کہ خود اسلام کے دشمن مسلمانوں کے مخالف حملہ آوروں کے بدخواہ ان کی تعریف و توصیف کریں اور ان کی حکومت کے مداح ہوں۔ علامہ ڈوزی نے ہمیشہ چوٹ کی مسلمانوں اور اسپین پر۔ ان کے حق کو غاصبوں کا حق سمجھا۔ اور جب بھی موقع ملا دل کے پھپھولے پھوڑے۔ وہ بھی اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے کہ یہ فتح اسپین دراصل کتنی برائیوں کی بیخ کنی اور کتنے ہی اچھے اصولوں کی ابتدا تھی۔ ان کے نزدیک یہ فتح اہل اسپین پر بجز دور ابتدائی کوئی خاص مصیبت یا آفت نہ لائی بلکہ اس حد تک بھی نقصان رساں نہ ثابت ہوئی۔ جتنا کہ ٹیوٹانک کے حملے کے وقت۔ شروع شروع میں ضرور کچھ قتل و غارتگری ہوئی جو کہ ہر جنگ میں ناگزیر ہے اس کے بعد عربوں نے بہت جلد حالات پر قابو پالیا اور ظلم و ستم، جور و استبداد، بے ضابطگی اور غلط کاریوں کا ازالہ کر کے امن و آشتی کا ماحول پیدا کر دیا۔ ان کا آغاز سے لے کر انجام تک دور حکومت قابل برداشت ہی نہیں بلکہ گوارا تھا ہر مزاج کے لئے ہر دل کے واسطے۔ انہوں نے مفتوحین کے قوانین پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ بلکہ ان کو جوں کا توں برقرار رہنے دیا۔ ان کے منصف اور ججوں کو بھی اسی طرح بحال رہنے دیا جو کسی اور قوم یا کسی اور فاتح کے ہاتھوں نہ ممکن تھا نہ تصور میں آسکتا تھا۔ صرف وہی جائدادیں یا علاقے مسلمانوں نے آپس میں

Marfat.com

تقسیم کئے جن کو انہوں نے بزور شمشیر فتح کئے تھے۔ یا ان کے مالکان کا اب کوئی پتہ نہ تھا۔ اس پر بھی پچھلے کاشتکاروں کو ان پر بحال رکھا اور ان کے حقوق میں اضافہ کر دیا۔ مالگزاری کا کوئی بار ان پر نہ تھا۔ محنت مشقت اور جوتنے بونے کی وجہ سے ان کی تیار شدہ فصل میں سے حصہ مل جاتا۔ دوزی کے نزدیک یہ ایک اچھا ہی طریقہ کار تھا۔ کیونکہ کاشتکاری کے اصول۔ زمین کی باریکیوں سے جس قدر مقامی لوگ واقف تھے بیرونی نہیں۔ بعض بعض پورے کے پورے صوبے اور علاقے عیسائیوں اور مقامی باشندوں کے پاس رہے۔ شمالا مرسیا جب فتح ہوا تو شرائط صلح میں یہ شامل تھا کہ جو باشندے شہر چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ ان کا کچھ بھی مال و متاع ضبط نہیں کیا جائے گا۔ کوئی فرد شہر چھوڑ کر نہیں گیا۔ اور کسی کی کوئی چیز بھی ضبط نہ کی گئی۔ یا اسی طرح سے مرسیہ کے صوبہ دار تھیوڈومیر کو بخش دیا گیا بلکہ اس کا نام بھی تھیوڈومیر یا تدمیر رکھ دیا گیا۔ اس میں بعض اچھے اچھے شہر شامل تھے۔ جیسے لورقا۔ مولا۔ اوری ہیولا۔ القنت ALICANTE اور یہ سارے کے سارے علاقے سرسبز بھی تھے۔ شاداب بھی۔ ایک ذرہ بھی مسلمانوں نے یہاں کا نہیں چھینا۔ اور جو معاہدہ تھیوڈومیر اور عبدالعزیز صاحبزادہ موسیٰ کے درمیان ہوا وہ آج تک تاریخ میں محفوظ ہے۔ اس کے شرائط کی مکمل پابندی کی گئی اس پورے علاقے سے خراج میں جو کچھ حاصل ہو جاتا اسی پر اکتفا کیا جاتا۔ دوسری جگہاؤں پر بھی زمینیں اور علاقے بیشتر مقامی لوگوں ہی کے پاس باقی رہے اور انھیں اس کے فروخت۔ بیع اور مقاطع کی بھی اجازت تھی۔ جو اس سے پہلے کسی بھی حکومت کے زمانے میں حاصل نہیں ہوئی تھی۔ عوام پر صرف بارہ درہم سالانہ جو تقریباً تین روپیہ حالیہ ہوتے ہیں ٹیکس لگتا تھا۔ جو کہ نہ لگنے کے برابر تھا خواص پر ۴۸ درہم سالانہ تھا گویا ۱۲ روپیہ۔ خود ہی غور کیجئے رئیسوں کے لئے یہ رقم کچھ تھی؟ اور ۲۴ درہم متوسط طبقے کے لئے جو ان کو چنداں گراں نہ گزرتا تھا۔ عورتیں۔ بچے راہب۔ پادری۔ لولے لنگڑے۔ اندھے اپاہج۔ بیمار۔ معذور۔ مجہول۔ غلام۔ بھیک منگے اس ٹیکس سے قطعاً بری تھے۔ کاشت کے لائق زمینوں پر خراج عائد کیا جاتا تھا۔ جو مالگذاری کی شکل میں ہوتا تھا۔ اور ضلع بہ ضلع بدلتا رہتا تھا۔ زمین اور فصل کے لحاظ سے لگایا جاتا تھا۔ اور کسی بھی شکل میں کل آمدنی کا ۲۰ فیصدی سے زائد نہ ہونے پاتا تھا۔ مسلمانوں میں تعصب نام کو بھی نہ تھا بلکہ رواداری اور وسیع النظری کا وہ ایک عظیم الشان موقع تھے۔ کسی کو زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے یہاں رائج تھا۔ مگر جو مسلمان ہو جاتا تھا وہ ان تمام مراعات کا مستحق تھا۔ جو کسی دوسرے مسلمان کو حاصل تھیں۔ غلام تبدیل اسلام کے بعد لازمی آزاد ہو جاتے تھے۔

Marfat.com

بلکہ ان کے ساتھ شریفانہ لڑکیاں بیاہنے میں دریغ نہ کرتے تھے۔ اس لئے کہ ان کی بھی سماجی حالت وہی ہو جاتی تھی جو کسی بھی دوسرے شریف عرب کی۔ یہ مسلمانوں کی رواداری اور اخلاص کا ہی ثبوت تھا کہ لوگ دھڑا دھڑ مسلمان ہوئے اور جو نہیں ہوئے انہوں نے بجز اتنا ڈنگا کوئی فتنہ و فساد برپا نہیں کیا۔ بلکہ کلیسا اور اہلیان کلیسا کو جو مراعات جو شفقت مسلمانوں کے ہاتھ سے حاصل ہوئیں اس پر وہ تعجب سے انگلی دانتوں تلے دبا لیتے تھے۔ اور شکر بسیح کیا کرتے تھے۔

اور انہیں کا کیا ذکر یہ اسپین کیا فتح ہوا باشندگان اسپین کو مسلمانوں کی شکل میں ایک نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو گئی۔ انہوں نے پوری معاشرتی زندگی ہی سدھار کر رکھ دی۔ انہوں نے معاشرے کی برائیوں اور بد معاشیوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ بڑے لوگ کل اپنی طاقت کے بل بوتے پر جو جو ستم روا رکھتے تھے ان غریبوں کی حالت پر دو آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ مگر اب نوابین اور جاگیرداروں کا اگر نام و نشان باقی بھی تھا تو ان کے رعونت فرعونیت کا کوئی نشان بھی نہ تھا۔ اور کہیں اس کا مظاہرہ ہوتا تو ایسی سخت سزا ملتی کہ وہ اپنی آنے والی نسلوں کو بھی کسی غریب بے نوا لاچار پر ظلم کرنے کو منع کر جاتا۔ پہلے مذہب کا اقتدار دلوں پر نہ تھا زبان یا جسموں پر تھا مگر اب مذہب کی خوبیاں روح تک میں سرایت کر چکی تھیں۔ اسلام کو لوگ دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لئے قبول نہ کرتے تھے بلکہ اس کی خصوصیات ان کے کردار میں رچ بس چکی تھیں۔ کیا امیر کیا غریب جو متاثر ہوتا وہ لا الہ الا اللہ کہتا اور صرف نیک خصلتوں میں شامل ہو جاتا۔ جب یہ سلسلہ قرنوں سے قرنوں تر ہوا تو عیسائی پادریوں کی بھی آنکھیں کھلیں اور بارے جو رسکا انہوں نے اگر مکمل نہیں تو نسبتاً ضرور اصلاح کر ڈالی جو ہر چند کہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہی مگر اس وقت تو فتوحات کے اثرات ہی شمار کی جائیں گی۔ اور اگر فتوحات پر یونہی نظر ڈالتے رہے تو جو محاسن اور مستحب اثرات اس سے وابستہ ان کا سلسلہ یونہی طویل سے طویل تر ہو جائے گا اور کتاب کے سینکڑوں صفحات صرف اسی کے لئے درکار ہوں گے۔ مختصر یہ کہ اسپین میں مسلمان کیا آئے ایک ضابطہ آیا۔ قانون آیا۔ مستحکم معاشی نظام آیا۔ معاشرتی اصول آئے۔ ملکی انتظامات آ گئے۔ غرض سیاسی محاسن آ گئے سیاسی خوبیاں آئیں اور غرضیکہ انسانی زندگی کے ہر شعبے میں ایک مکمل انقلاب آیا جس کا سپاس گزار نہ صرف اسپین بلکہ کل یورپ کو ہونا چاہیے۔

Marfat.com

باب ۶

مسلم نوآبادیات

طارق کے ساتھ جو فوج آئی تھی اس میں بربر اور افریقہ کے مقامی باشندے زیادہ تھے۔ جو اسپین میں بسنے یا مستقل قیام کرنے کی غرض سے نہیں آئے تھے بلکہ جوشِ جہاد اور جبلّت جنگ وجدل ان کو ایک سرحد پار کرکے دوسری سرحدیں لے آئی تھی۔ بعد میں جو لوگ آ آکر شامل ہوتے رہے ان میں بھی قبطی یا بربر زیادہ تھے۔ جو اب محض مال ومتاع اور مال غنیمت حاصل کرنے چلے تھے۔ مگر جب موسیٰ اندلس کے ساحل پر اُترے تو اُن کے ساتھ شرفاء حجاز بھی تھے۔ رؤسا شام بھی۔ ثقہ ایران بھی صحابۂ کرام بھی۔ اولادِ صحابہ کرام بھی۔ یہ اب وہاں آبادیاں قائم کرنے اور مستقل بسنے کے خیال سے آئے تھے ان کو مال غنیمت حاصل کرنے کا جذبہ قطعاً اتنی دور کی مسافت طے کرکے وہاں تک لانے پر آمادہ نہیں کر پایا تھا۔ یہ تو کفرستان میں دین وایمان کی مشعل روشن کرنے آئے تھے۔ جنگ وناقوس کی جگہ اذانوں کی گونج سنانے آئے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ فتح اسپین کے بعد سیاسی حالات کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ اگر اس پر مستقل قبضہ رکھنا ہے تو مقامی باشندوں پر مکمل اعتماد نہ کرتے ہوئے محض محافظی دستوں پر اعتبار نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی آبادیوں کو بھی قائم کیا جائے ورنہ یہ محافظی دستے کبھی بھی اکتا کر چھوڑ بھاگ سکتے تھے یا دشمنوں کے باغیانہ جذبات کا ہدف بن سکتے تھے۔ اہلیانِ اسپین کا یہ حال تھا کہ ادھر طارق کی پیٹھ پھری ادھر باجہ۔ مالقہ۔ غرناطہ۔ ایلبورا میں بغاوت ہوگئی۔ ادھر موسیٰ کو کچھ عرصہ ماردہ کی فتح میں لگا۔ اور اشبلیہ۔ اینٹی کیورا۔ غرناطہ۔ مرسیہ پھر اطاعت سے باہر ہوگئے۔ ایسے لوگوں پر کیا ہے کو اعتبار۔ ایسی قوم پر کیونکر اعتماد۔ علاوہ ازیں اگر مسلمانوں کو وہاں بسایا نہ جاتا ان کی حکومت کا قیام عمل میں نہ آتا تو اس قدر جنگ وجدل۔ اتنی خونریزی۔ اتنی جانفشانی یہ سرفروشی سب ہی ضائع

Marfat.com

ہو جاتی۔ اور اتنا بڑا علاقہ جو نہ معلوم کس کس مصیبت سے فتح کیا گیا تھا بلا وجہ ہاتھ سے نکل جاتا اور مسلمان یونہی کف افسوس ملتے رہ جاتے۔

اسپین کی فتح اواخر پہلی صدی میں ہوئی۔ موسٰی کی واپسی ۹۵ھ میں ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات پائے اسی سال سے اوپر گزر چکے تھے۔ اس وقت اصحاب رسول میں کسی کا موجود ہونا خالی از تعجب نہیں۔ بہت سے تو عہد یزید و عبدالملک میں محاصرہ مدینے کے دوران میں اپنے خدا اور حبیب خدا سے جا ملے تھے۔ بہت سے طبعی عمر کو پہنچ کر جاں بحق ہو چکے تھے۔ جو دو چار باقی رہ بھی گئے تھے وہ مدینے کی گلیوں اور مکے کے حدود میں ہی باقیماندہ دن گزار دینا غنیمت شمار کرتے تھے۔ مگر یہ اسپین کی سرزمین کی انتہائی خوش بختی تھی کہ وہاں صحابی کے قدوم میمنت لزوم بھی پہنچے اور حضرات تابعین کے بھی۔

جو بزرگ موسٰی بن نصیر کے ہمراہ آئے تھے ان میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت ہستی حضرت مینذر رضی کی تھی۔ یہ خدمت رسول بھی کر چکے تھے اور روایت رسول سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔ اللہ اللہ قدر و منزلت اندلس کی کہ جہاں اُن کے قدم پہنچے اور اس کی عزت و عظمت کو چار چاند لگائے۔

تابعین میں مشہور اصحاب (۱) خش الصنعانی تھے۔ نام حسین تھا عبداللہ کے بیٹے تھے اور خنش لقب تھا۔ ابو علی کنیت تھی۔ شام کے شہر صنعاء کے رہنے والے تھے۔ اندلس موسٰی کے ہی ساتھ آئے۔ سرقسطہ میں مقام کیا۔ اپنے ہاتھوں ایک مسجد کی بنا ڈالی جو جامع مسجد کہلائی۔ بعد وفات اسی مسجد کے مغربی کونے میں باب الیہود کے قرب میں مدفون ہوئے۔ کبھی ان کا مزار زیارتگاہ عام تھا اور خلق کا اژدحام لگا رہتا تھا۔

(۲) ابوعبداللہ بن رباح اللخمی۔ دیکھنے سے معذور تھے۔ اسپین آئے تو یہیں رہ پڑے۔ ان کی اولاد آگے چل کر خوب پھلی پھولی۔

(۳) ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن یزید المعافری الحبلی والانصاری۔ انھوں نے قرطبہ کو مرکز بنایا۔ خدمتِ خلق بھی کی۔ خدمتِ دین بھی۔ لوگ ان سے بہت مانوس تھے۔ اور اکثر مسائل دریافت کرنے آیا کرتے تھے۔ جب قرطبہ میں انتقال کیا تو معتقدین زار و قطار روتے تھے۔ ان کے مزار نے بھی لوگوں کو ہمیشہ اپنی جانب مبذول رکھا۔

(۴) حیان ابن ابی جبلہ۔ کنیت ابو النصر تھی۔ یہ اغلباً موسٰی ہی کے ساتھ یا ان کے بعد فرانس تک جا پہنچے

تھے۔ اور اس ملک کی سرحد پر ایک مقام قرقشونہ (Carcassona) نام کا ہے۔ جہاں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔

(۵) مغیرہ بن ابی بردہ۔ یہ بھی پہنچے ہوئے بزرگوں میں تھے اور اکثر جنگوں میں حصّہ لیا تھا۔ اپنے قبیلہ کے سالار ہوتے تھے۔

(۶) نشیط بن کنانہ الندری۔ ان کا شمار بھی باعظمت ہستیوں میں تھا۔ اور قبیلے کی سرداری کا فخر ان کو بھی حاصل تھا۔

(۷) حیاۃ بن رجاء التمیمی۔ بزرگوں میں شامل تھے۔ بابرکت حضرات میں تھے۔

(۸) عبد اللہ بن شماسۃ الفہری۔ قبیلہ فہر سے تعلق تھا۔ حجازی تھے۔ اندلس ایسا بھایا کہ باقی زندگی یہیں گزادی۔

(۹) عیاض بن عقبہ الفہری۔ قبیلہ فہر ہیں۔ عقبہ نے جو شہرت حاصل کی وہ پوشیدہ نہیں۔ عیاض انھیں کے صاحبزادے تھے۔ اور بزرگ ہستیوں میں تھے۔

(۱۰) عبد الجبار بن ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف زہری۔ یہ تو پورا خاندان ہی واجب التعظیم تھا عبد الرحمٰن بن عوف تو عشرہ مبشرہ میں تھے اور نارِ دوزخ ان پر حرام تھی۔ ان کے مرتبے کے مطابق ان کو عزت اور تکریم حاصل ہوئی۔

عرب

سب سے زیادہ حصّہ جو مسلمانوں کا اندلس میں مستقلاً قیام پذیر ہوا۔ عربی النسل تھا۔ یہ طارق کے ساتھ بھی آئے تھے۔ موسیٰ کے بھی۔ اور اسی وقت سے اسپین کے مختلف حصّوں میں پھیل گئے تھے۔ سنہ ۹۷ھ کے ماہ عید الضحیٰ جولائی ۷۱۶ء میں جب الحر بن عبد الرحمٰن ثقفی اندلس کے امیر ہو کر آئے تو ان کے ساتھ بھی تقریباً چار سو افراد جو شرفاء عرب میں سے تھے ہمراہ آئے اور پھر اسی کو وطن سمجھ بیٹھے۔

سنہ ۱۰۰ھ مطابق ۷۱۹ء میں جب السمح بن مالک خولانی والیٔ اسپین مقرر ہوئے تو ان کے ساتھ بھی ملک شام سے کئی عربی خاندان کے نفوس یہیں آکر بس گئے۔

سنہ ۱۲۳ھ مطابق ۷۴۲ء جب افریقہ میں بربریوں نے بغاوت کی تو اموی محصور فوج کے سردار بلج بن بشر قشیری شاہی دستوں کے ہمراہ اندلس چلے آئے اور مع ان سپاہیوں کے یہیں اقامت گزیں ہو گئے۔

سنہ ۱۲۵ھ مطابق ۷۴۳ء میں جب ابو الخطار حسام بن ضرار الکلبی والی بن کر آئے تھے تو ان کے

ساتھ مصر، حمص، فلسطین، اردن، دمشق، قنسرین کے لوگ بھی لشکر میں شامل تھے۔ ان کو زمینیں بھی دی گئیں جاگیریں بھی اور وہ بھی مستقل یہیں آباد ہو گئے۔ مصریوں نے اکشونبہ (Oesonoba) اور باجہ (Bega) کے علاقے پسند کئے۔ اور پھیلتے پھیلتے مرسیہ اور تدمیر تک پہنچ گئے۔ حمص والے لبلہ (Niebla) اور اشبیلیہ (Sevilla) میں مقیم ہوئے۔ اردن کے لوگ ریہ اور مالقہ میں۔ دمشق کے البیرہ اور غرناطہ میں۔ قنسرین والے جیان (Jaen) کے شہری بنے۔

عدنان

عدنانیوں کے بہت سے قبیلے اندلس میں آکر آباد ہوئے۔ ان میں بنی ہاشم۔ بنی امیہ۔ بنی مخزوم۔ بنی فہر بنی کنانہ۔ بنی ہذیل۔ بنی تیم۔ بنی قیس۔ غیلان۔ بنی ثقیف۔ بنی ربیعہ۔ بنی زیاد۔ گویا سب ہی مشہور و معروف قبیلے کے باشندگان اندلس میں مدغم ہو کر رہ گئے۔

بنی ہاشم عرب میں بھی اور ماسوا عرب بھی بہت ہی مقبول اور محترم حضرات میں شمار کئے جاتے تھے۔ کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی قبیلے سے متعلق تھے ان کے قبیلے کے افراد نے جب بنی امیہ کی حکومت دم توڑ رہی تھی تو سات برس قرطبہ میں ۴۰۷ھ/۱۰۱۶ء تا ۴۱۴ھ/۱۰۲۳ء تک حکومت کی تھی۔ علاقہ مالقہ میں بائیس سال تک ۴۲۷ھ/۱۰۳۵ء تا ۴۵۰ھ/۱۰۵۸ء حکومت کرتے رہے۔ ایک سال کی مدت تک جزیرۃ الخضراء میں بھی حاکم رہے۔

بنی امیہ کے دور خلافت میں اندلس فتح ہوا۔ پہلے اس قبیلے کے لوگوں کی طرف سے امیر مقرر ہوئے پھر عبدالرحمٰن الداخل کے بعد سے تو یہ مستقل شاہان اسپین رہے اور ہشام کے عہد حکومت تک اس قبیلہ کا بول بالا رہا۔

بنی مخزوم نے کسی ایک جگہ پڑاؤ نہیں ڈالا۔ مگر پورے اندلس میں تتر بتر ہو گئے۔ اسی قبیلہ کا اندھا شاعر المخزومی بڑی زبردست ادبی شخصیتوں میں تھا۔ سلطان اشبیلیہ معتضد کے وزیر اسی خاندان کے لوگ رہے اور اس طرح یہ اندازہ ہوتا ہے کہ زائد تعداد ان کی اطراف اشبیلیہ میں آباد تھی۔

بنی فہر نے کچھ مدت تک اسپین میں کافی اقتدار قائم رکھا۔ اس قبیلے سے متعلق عبدالملک بن قطن ۱۱۴ھ/۷۳۲ء سے لے کر ۱۱۶ھ/۷۳۴ء اور پھر ۱۲۳ھ/۷۴۱ء میں تقریباً ایک سو سال والیٔ اندلس رہے۔ انہیں کی اولادیں سے ابو القاسم صوبہ بلنسیہ کے علاقہ البونت (Alpuente) کے حاکم تھے اور ۳۹۲ھ/۱۰۰۲ء سے ۵۰۳ھ/۱۱۰۹ء تک حکومت کرتے رہے۔ ان کی اولادیں سے بنی الجد تھے جن میں بڑے بڑے عالم و فاضل

گزرے ہیں۔ اسی قبیلے کے یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری تھے۔ جنھوں نے عرصہ تک تقریباً آزادانہ اسپین پر حکومت کی اور پھر امیر عبدالرحمٰن الداخل کے ہاتھوں شکست کھائی۔ مگر اس قبیلے کے لوگ صاحب دولت ہمیشہ رہے اور جہاں جہاں بھی بسے عزت کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔

بنی کنانہ اطراف وجوانب طلیطلہ آباد تھے۔ ان میں بھی بعض بڑے آدمی ہوئے ہیں۔ جن میں وقشی کنانی کافی مشہور ہیں۔ قاضی ابوالولید۔ وزیر ابوجعفر اور ابوالحسن بن جبیر مشہور سیاح اور عالم اسی کنبے سے متعلق تھے۔ اموی حکام ان کی عزت کرتے تھے اور قابل تکریم گردانے جاتے تھے۔

بنی ہذیل حدود تدمیر میں خصوصاً اوریہولہ (Orihuela) میں جاکر آباد ہوئے۔ اور یہیں شہرت وعزت پائی۔

بنی تیم جو مرہ بن اُدبن طابخہ بن الیاس بن نصر کی اولاد میں سے ہیں۔ اندلس میں آکر افراط سے بسے بعض لوگوں نے اس قبیلے کے شہرت بھی پائی۔ مثلاً ابوطاہر جو مقامات اللزومیہ کے مصنف تھے۔

بنی ضبہ بھی اسی قبیلے کی ایک شاخ تھے اور معدودے چند آباد تھے۔ بنو قیس عیلان میں بکثرت آباد تھے۔ ان میں بعض بنو سلمی کہلاتے تھے۔ جو سلیم بن عکرمہ بن حفصہ بن قیس عیلان کی اولاد سے عبدالملک بن حبیب سلمی حضرت امام مالک کے شاگرد اسی قبیلے سے متعلق تھے۔ قاضی ابوحفص بن عمر جو کبھی قرطبہ کے قاضی القضات تھے وہ بھی اسی قبیلے کے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی اسپین میں کافی نامور تھا۔ اسی قبیلے کی ایک شاخ بنو خرم بھی تھی جس میں ابومحمد بن حزم الحافظ الظاہری بہت بڑے محدث گزرے ہیں۔ ہرچند کہ وہ ایرانی النسل تھے۔

بنو ہوازن اشبیلیہ کے قرب وجوار میں بسے ہوئے تھے۔ اور بلنسیہ (Valencia) سے تین میل کے فاصلے پر بھی آباد تھے۔ اندلس کے اور بڑے شہروں میں بھی ان کی بستیاں تھیں

بنی جودی زیادہ تر غرناطہ میں آباد تھے۔ اس قبیلے کی اور شاخیں بھی تھیں۔ مثلاً کلابی۔ کلاب بن ربیعہ کی اولاد۔ اور قیشری قیشر بن کعب بن ربیعہ کی اولاد۔ بلج بن بشر القشیری اسی شاخ سے متعلق تھے جو اندلس کے والی ۱۲۳ھ یا ۱۲۴ھ رہے۔

بنو ثقیف بھی یہاں آباد تھے۔ حجاج اسی قبیلے کا گورنر کوفہ وبصرہ تھا۔ یہ لوگ الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی کے ہمراہ آئے تھے مگر اندلس میں اِدھر اُدھر بٹ گئے۔

بنی ربیعہ اور ان سے متعلق شاخیں بنو اسد علاقہ البیرہ میں قرب غرناطہ آباد ہوئے اور وادی آش Guadix میں بھی ان کی بستیاں تھیں۔

Marfat.com

بنو بکر بن وائل ادنبہ (Huelva) اور شلطیش (Saltes) کے علاقوں میں بس کر رہ گئے۔ ان میں ابو عبید بکری مشہور مورّخ اور جغرافیہ دان تھے۔

بنو اباد اشبیلیہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد ہوئے۔ اور اس طرح عدنانیوں کی مختلف شاخیں۔ مختلف قبیلے کل اندلس میں چھا کر رہ گئے اور اکثر نے کافی مرتبہ اور شہرت حاصل کی۔

قحطانی

قحطان اور اس کی اولاد زیادہ تر یمن میں آباد تھی۔ اس لئے وہ یمانیہ بھی کہلاتے ہیں۔ اس قبیلے کی بھی متعدد شاخیں تھیں جن میں قابلِ ذکر بنو خزرج۔ بنو اوس۔ بنو ازد۔ غانق۔ ہمدان۔ مذحج۔ طے۔ مراد عنس۔ مزہ۔ عاملہ۔ خولانی۔ معافر۔ لخم۔ جذام۔ کندہ۔ تجیب۔ حمیر۔ خثعم۔ ذی رعین۔ ذی اصبح۔ یحصب۔ ہوازن۔ قضاعہ۔ کلب۔ حضرموت۔ اور سلامان وغیرہ تھے۔

قحطان۔ جو کہلان کی اولاد ہونے کی وجہ سے اپنے کو کہلانی بھی کہتے تھے۔ اندلس میں کثرت سے آباد ہوئے۔ اسی طرح بنی ازد بھی خاصی تعداد میں بسے ہوئے تھے۔ ان میں بعض شہرت یافتہ بھی تھے۔ محمد بن ہانی البیری مشہور شاعر تھے۔ احمد بن احمد ازدی پایہ کے مورّخ تھے۔ ازد کی اولاد غسان نامی چشمے کی مناسبت سے جہاں وہ پہلے آباد تھے۔ غسانی بھی کہلائے۔ یہ لوگ غرناطہ اور مالقہ سے قریب ایک شہر صالحہ میں آباد تھے۔

بنو خزرج اور اوس یہ مدینے کے وہ دو قبیلے ہیں جنھوں نے پیغمبر اسلام کو سب سے پہلے مدینے میں پناہ دی اور دعوت بھی وہاں آنے کی۔ اس قبیلے کے افراد بے حد آئے تھے۔ یہ بتعداد کثیر مدینے سے ہجرت کر کے اندلس کے اندر جا پہنچے۔ حتیٰ کہ بقول ابن سعید مدینے میں تو انصاری ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے تھے۔

یہ لوگ زیادہ تر اطراف طلیطلہ میں بستیاں قائم کئے ہوئے تھے خزرج کے قبیلے کے بزرگ صحابہ سعد بن عبادہ جو آنحضرت کی رحلت کے بعد انصاریوں کی جانب سے خلافت کے لئے منتخب کرائے گئے تھے ان کی اولاد میں سے بنو الاحمر تھے جو غرناطہ پر عرصہ تک حکومت کرتے رہے۔ اور ۶۲۹ھ / ۱۲۳۲ء سے ۸۹۷ھ / ۱۴۹۲ء اسی خاندان کا عمل دخل تھا۔

قبیلہ اوس کی شاخ غانق تھی جو جین (Jaen) میں آباد ہوئی۔ اور انہیں کی اولاد میں سے

عبدالرحمٰن الغافقی تھے۔ جو ذی الحجہ ۱۰۲ھ (مئی ۷۲۱ء) سے صفر ۱۰۳ھ (اگست ۷۲۱ء) اور دوبارہ ۱۱۳ھ (۷۳۱ء) تا ۱۱۴ھ (۷۳۲ء) تک امیر اندلس رہے۔ فرانس میں انہوں نے بڑے معرکے سرانجام دیئے۔ اور آخر میں وہیں جنگ پوٹیرز میں ۱۱۴ھ میں شہید ہوئے۔ عبداللہ ابن ابی الحصال مشہور شاعر بھی اسی قبیلے کے تھے۔

ہمدان کے مالک کی نسبت سے بعض کہلانی اپنے کو ہمدانی کہتے تھے۔ غرناطہ سے سات میل کے فاصلہ پر ان کی آبادی تھی۔ بنو اضحیٰ بھی اسی کی ایک شاخ تھے۔

بنو مذحج یمن کے رہنے والے تھے۔ جو شاید وہاں کے ایک سرخ پہاڑ کا نام ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ زید بن کہلان کا بیٹا اودتھا اور اس کا بیٹا طے جس سے قبیلہ طے ہے۔ طے کی بیوی کا نام مذحج تھا۔ اس نسبت سے یہ قبیلہ بنو طے کہلایا۔ مرسیہ کے جنوب میں ان کی بستیاں تھیں۔

مراد بن مالک کی اولاد بنو مراد کہلاتی۔ انہوں نے اندلس میں قرطبہ سے اشبیلیہ کے راستہ پر ایک قلعہ بھی اپنے نام سے تعمیر کیا جس کو مراد *Marente* کہتے ہیں۔ یہ اور دوسری جگہاؤں پر بھی آباد تھے۔

— بنو سعید عنس بن مالک کی اولاد میں سے تھے۔ غرناطہ کے قریب اپنے نام سے ایک قلعہ بنو سعید **Alcalade Abo zaide** آباد کیا۔ کتاب المغرب بھی اسی قبیلے کے کسی فرد کی تصنیف ہے۔

خولانی اشبیلیہ اور جزیرۃ الخضرا کے درمیان قلعۂ خولان ہے۔ جو انھیں کا بنایا ہوا تھا اور اسی میں بسے ہوئے تھے۔ غرناطہ کے معزز فرد عہد اسلام تک اسی قبیلے سے واسطہ رکھتے تھے۔

خاندان لخمی نے اندلس میں کافی عزت پائی۔ سلاطین اشبیلیہ بنی عباد انھیں کی اولاد تھے۔ اور بنو الباجی اور بنو وافد بھی ان میں سے ہی تھے جو اشبیلیہ کے پرشکوہ حضرات میں تھے۔

بنو حزام سرقسطہ میں بسے اور وہیں حاکم مقرر ہوئے ان کے بہت سے افراد رباح (*Calatrava*) میں آباد تھے۔

بنو حمیرہ جو الیمنی بھی کہلاتے تھے۔ اندلس میں کافی تعداد میں موجود تھے۔ ابو عبداللہ ابن الخیاط اندھا شاعر اسی قبیلہ کا فرد تھا۔

اصبحی جو اصبح یا ذی صبح سے مشتق تھا۔ کہلان کی اولاد سے تھے۔ اور ان میں امام مالک بن انس رضؓ بہت ہی مشہور عالم گزرے ہیں۔ یہ لوگ قرطبہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے۔

یحصبی قلعہ بنی سعید کے نزد آباد تھے۔ اسی وجہ سے یہ قلعہ یحصب بھی کہلاتا ہے۔

بنو قضاعہ مالک بن حمیر سے منسوب تھے۔ اسی قبیلہ کے فرد ابو الخطار حاکم اندلس تھے۔

عنبسہ بن سحیم امیر اندلس بھی اسی سے متعلق تھے۔

بنو خشین۔ بنو تنوخ۔ بنو جہینہ قرطبہ کے اطراف میں بس گئے۔ اور خاندان بنوی اشبیلیہ کے اندر ان کا شمار ثقایان اشبیلیہ میں سے تھا۔

بنو کلب جزیرۃ الخضرا میں آباد تھے۔

بنو حضر موت قرمونہ اور اشبیلیہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس کے علاوہ بنو قحطان کے اور بھی متعدد چھوٹے قبیلے اور ان کی شاخیں مختلف شہروں میں اقامت گزیں ہوئیں۔

بربر اور افریقی

بربر سب سے پہلے اسپین .... میں داخل ہوئے یہ افریقہ کے وحشی اور جنگجو قبیلوں سے متعلق تھے۔ اور عقبہ بن نافع فہری کے افریقہ فتح کرلینے کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ اندرون افریقہ کے کونے کونے سے کھنچ کر یہ اسپین پہنچے۔ لواتہ۔ ہوارہ۔ اورغہ۔ الجیریا۔ مغرب الاوسط۔ مغرب الاقصیٰ اور ساحلی علاقوں سے چل کر پہلے یہ طارق کے ساتھ اور پھر اس کے بعد مستقل حدود اندلس میں داخل ہوتے رہے۔ انھوں نے شمالی اندلس میں اپنی آبادیاں قائم کیں چنانچہ براگا (Braga) (Ozena) اوزینا اور شمالی اسپین میں استورگہ Astorga لیون Porto یا Oporto سمورہ Zamora لیدسمہ ledesma طلنکہ Slamanga سبت مانکش Simanaca شقوبیہ Sajovia وغیرہ جنوبی علاقوں میں جاکر آباد ہوئے۔ مگر جب عیسائی ریاستوں نے وہاں زور پکڑا تو مجبوراً اُن کو وہاں سے ہٹنا پڑا۔ اور پھر یہ وسطی علاقوں میں توریہ Coria ماردہ merida بطلیوس Badatoz مدلین Medallin میں پھیل گئے۔ اس کے علاوہ بھی اور حصوں میں یہ جابجا آباد رہے۔ شاہان بنی امیہ نے ان کو بڑے بڑے عہدوں پر مامور کیا۔ اور منصب عطا کئے۔ یہ بھی جانبازی اور وفاداری سے خدمت حکومت کرتے رہے۔ بعد میں جب شیرازہ بکھر اتو یہ قرمونہ۔ رندہ Rondas غرناطہ Garnada طلیطلہ Merida اور صنہاجہ وغیرہ میں مختار ہوگئے۔ یوسف بن تاشفین بھی بربر تھا اور حکومت مرابطین کا بانی۔ اسپین کی یہی عزت

Marfat.com

امیرانِ اُندلس

Marfat.com

باب (۷)

عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر

موسیٰ بن نصیر ابھی اپنی فتوحات کا سلسلہ جلیقیہ میں قائم ہی کئے ہوئے تھے کہ امیرالمومنین ولید بن عبدالملک کا پروانہ مغیث رومی کے ہاتھ موصول ہوا کہ وہ جلد از جلد اندلس سے روانہ ہو کر دمشق پہنچیں۔ موسیٰ کو یہ پیغام سخت گراں گزرا کیونکہ ان کے عزائم تو اسپین کے بعد پورے یورپ کو فتح کرنے کے تھے وہ تو ابھی کچھ اور بھی خواب دیکھ رہے تھے۔ مگر اسی اثناء میں خلیفہ کا دوسرا قاصد ابوالنصر بھی اسی پیغام کا حامل پہنچ گیا۔ مجبوراً موسیٰ وادی لک سے ہوتے ہوئے طارق کو اپنے ہمراہ لیتے ہوئے اشبیلیہ پہنچے اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ۹۵ھ میں امیر اندلس مقرر کر کے۔ اشبیلیہ پہنچے اس کو جائے حکومت قرار دے کر خود قیروان کی سمت چل پڑے۔

اندلس ابھی نیا نیا فتح ہوا تھا۔ سارے ملک کا انتظام۔ پوری مملکت کی از سرِ نو تنظیم ایسا معمولی کام نہ تھا کہ جسے آسانی سے انجام دیا جا سکتا۔ یہ صرف عبدالعزیز کا سلیقہ۔ ان کی صلاحیت ان کا جری حوصلہ تھا کہ انھوں نے سیاسی اور معاشرتی نظام کو اس خوبصورتی سے مستحکم کیا کہ مسلمانوں کے پنجے وہاں گڑ کر رہ گئے۔ گوتھک سلطنت کے پرخچے اڑ چکے تھے۔ عیسائی حکومت کی بنیادیں ہل چکی تھیں۔ اور انہیں منہدم شدہ بنیادوں پر ایک نئی عمارت تعمیر کرنا تھی۔ جو مضبوط بھی ہو۔ پائدار بھی۔ اور واقعی ایک ایسی عمارت قائم کی گئی۔ جو کئی صدیوں تک ہر تھپیڑے کو سہتی رہی ہر حملے کو برداشت کرتی رہی اور ٹس سے مس نہ ہوئی۔

اسپین کے اب بھی بہت سے ایسے شہر تھے۔ جن پر قبضہ براہ راست نہ تھا۔ بلکہ مختلف گورنروں کے حوالے کر دیئے گئے تھے۔ ان میں بعض گورنر بھی اور بعض اہلیان شہر نے یہ سمجھتے ہوئے کہ طارق

Marfat.com

اور موسیٰ جیسے جنرل تو واپس جا چکے ہیں۔ اور ان کے ساتھ بہت کچھ فوج و سپاہ بھی، اس لئے اطاعت سے منہ موڑ کر۔ فرمانبرداری کی حدود سے نکل گئے۔ عبدالعزیز نے فوراً فوجیں بھیج کر ان کی سرکوبی کی۔ اور ان کی غیر فرمانبردارانہ حرکت پر سخت سزا دے کر اُن کو پھر دامن اطاعت میں لے آئے۔ تھیوڈومیر باوجود عیسائی ہوتے ہوئے مسلمانوں کا حلیف اور دوست رہا تھا۔ اس سے جو معاہدے ہوئے تھے ان کی تجدید کی گئی اور بہت سی مراعات بھی بخشی گئیں۔ شمال و مغرب کی جانب کئی فوجیں روانہ کی گئیں کہ دُور دراز کے علاقوں میں مسلمانوں کی ہیبت کا سکّہ بٹھا دیں۔ یہ فوجیں دور تک نکل گئیں [illegible] کے اکثر مقامات فتح ہو گئے پھر خلیج کیلے سے ملحق بعض علاقے قبضہ قدرت میں لائے حتیٰ کہ [illegible] تک جا پہنچے۔ اور سارے علاقے کو دہشت زدہ کر دیا۔ یہ سب سرحدی علاقے تھے۔ ان کی حفاظت بھی لازمی تھی ورنہ کسی وقت بھی عیسائی متحد ہو کر اسپین کے میدانوں پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اور فرانسیسی فوجوں کی آمد کا خطرہ تو ہر وقت لاحق رہتا تھا۔ اس لئے وہاں کے قلعوں میں تجربہ کار اور قابل اعتبار عہدیدار اور گورنر مقرر کیے گئے۔ جن کی ماتحتی میں کافی تعداد میں حفاظتی فوجیں رکھی گئیں۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی فوجی چوکیاں قائم کی گئیں۔ جہاں مختصر فوج رکھی گئی جس کے سپرد صرف نگہداشت اور حفاظت کا کام تھا۔ اگر کوئی بڑی فوج حملہ کرے تو امیر تک اس کی خبر پہنچا دیں یا پاس کے علاقے کے گورنر کو باخبر کر دیں۔

عبدالعزیز نے نظام جمہوریت کو قائم رکھنے کے لئے اور اس زریں اصول پر عمل کرنے کے ایک مشاورتی کونسل قائم کی کہ جس میں اہل ہوش ذی شعور اور بیدار مغز لوگ شامل کئے گئے۔ شخصی حکومت کے بجائے مشاورتی حکومت کو ترجیح دی گئی۔ اسی کونسل کے ممبران نے خزانے کی آمدنی کے ذرائع وضع کئے۔ اخراجات کے اصول قائم کئے۔ رعایا پر چھوٹے چھوٹے ٹیکس لگائے۔ محاصل مقرر کئے۔ جرائم کی روک تھام کی خاطر عدالتیں قائم کیں۔ لڑائی جھگڑوں کے انسداد کے لئے فوجداری عدالتیں بروئے کار لائے۔ مقدمات کے نمٹانے اور فیصلہ کرنے کے اختیارات انہیں کے سپرد کئے۔ شریعت اور قانون سے واقف لوگوں کو بحیثیت جج اور منصف مقرر کیا۔ جو ہر مقدمے کی روئداد پوری طرح سنتے۔ شاہدان کے بیانات گوش گزار کرتے اور اپنے علم اور واقفیت کی بناء پر فیصلہ کرتے۔ ان فیصلوں پر اپیل گورنر علاقہ یا امیر اندلس کے یہاں بھی ہو سکتی تھی۔ غیر مسلموں پر شریعت کی پابندیاں لازم قرار نہ دیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں پر انہیں کے مذہب کے لوگوں کو حاکم اور منصف مقرر کیا۔ اور انہیں کے اصول کے ماتحت مقدمات کی شنوائی اور فیصلے ہوتے۔ البتہ فریقین میں سے اگر ایک مسلمان

Marfat.com

ہوتا۔ دوسرا غیر مسلمان تو ان کے مقدمات اور بیانات قاضی اور مسلمان حاکموں کے یہاں سنے جاتے۔ ویسے دیگر مذہب والوں کو مکمل مذہبی اور معاشرتی آزادی حاصل تھی۔ ان کے اور مسلمانوں کا احترام تو لازم تھا۔ مگر ان کے اُصولوں پر چلنا نہیں۔ البتہ جو ٹیکس عائد کیا جاتا اس کی ادائیگی لازمی تھی۔ بصورت دیگر فوجداری کے مقدمات تو نہیں۔ البتہ دیوانی عدالتوں میں ان کی کھنچائی ہوتی۔ اگر اس وقت بھی وہ ادائیگی سے انکار کرتے تو فوجداری عدالتوں کے سپرد ان کو کردیا جاتا۔ مگر ایسا کمتر ہی ہوتا۔ کیونکہ اوّل تو تمام محاصل اور ٹیکس معمولی تھے۔ دوسرے جو پچھلی حکومتیں ان سے وصول کیا کرتی تھیں بہ زور و زبردستی اس کے مقابلے میں یہ سب کچھ نہ ہونے کے برابر تھا۔ حتی الامکان ظلم یا تشدد سے گریز کیا جاتا۔ اور سیدھی انگلیوں گھی نکالنے کی کوشش کی جاتی۔ . . . . اور اس کی اجازت نہ حاکموں کو تھی نہ مسلمان رعایا کو کہ وہ اپنے کسی پڑوسی کو بھی ستائیں یا غیر مسلموں کو تنگ کریں۔ بلکہ ان کے ساتھ محبت۔ نرمی اور حسن اخلاق سے پیش آئیں۔ ان کے اس رویے نے بلاشبہہ مسلمانوں کے دل میں ان کی طرف سے بدگمانی اور غلط فہمی پیدا کردی جس کا ذکر ہم آگے چل کر کریں گے۔

زمینوں اور مواضعات کی بہتری پر عبدالعزیز نے خاص طور پر توجہ دی۔ ملک کی خوش حالی کا تعلق اچھی فصلوں۔ اچھی کاشت اور بہتر زراعت سے ہے۔ اس سے وہ بخوبی واقف تھے۔ تمام پرانے کسانوں کو یہ اجازت دی گئی۔ کہ وہ اسی طرح سے ان زمینوں کو کاشت کریں۔ اور جو حقوق پہلے ان کو حاصل تھے اس سے دوچند بلکہ سہ چند کر دیئے گئے۔ کیونکہ اس وقت ساری کی ساری محنت کاشتکاروں کی ہوتی تھی۔ اور تیار شدہ فصل لارڈ یا کونٹ کی ملکیت ہوتی تھی۔ تھوڑا سا حصہ اس کا کاشتکار کو دیدیا جاتا تھا۔ اب ان کے حصہ کی مقدار بڑھادی گئی کہ وہ زیادہ توجہ۔ محنت اور دل لگاکر ان زمینوں پر اپنا وقت صرف کریں اور بہتر سے بہتر فصل تیار کریں کسی حاکم کو ان کا حصہ بالعوض لگان بھی چھین لینے کی اجازت نہ تھی۔ ان سے مفت میں کام نہیں لیا جاسکتا تھا۔ نہ ان کے جانور یا ملکیت ضبط یا قرق کی جاسکتی تھی۔ یہ سب کچھ رعایا کو خوش حال کرنے کی غرض سے تھا کہ ان کی خوشی سے حکومت وقت کی خوشی وابستہ ہوتی ہے۔ اور ان کسانوں ہی پر کیا منحصر عبدالعزیز نے اپنی پوری رعایا کے ساتھ ایک اچھے مربّی اور ایک رحمدل باپ کا سا سلوک کیا۔ غلاموں کو۔ نوکروں کو۔ عام طبقہ کے شہریوں کو اس قسم کی آزادی حاصل تھی کہ اس سے پہلے نہ انھوں نے کبھی دیکھی نہ تصوّر کی۔ ان کی تن آسانی کے تمام سامان فراہم کئے گئے۔ ان کے گھروں کا انتظام کیا گیا۔ ان کی معاشں کے لئے ذرائع مہیا کئے گئے کہ ان کو ہر قسم کی اطمینان قلبی۔ اور دلجمعی پہنچائی گئی کہ وہ اپنے ان نئے

Marfat.com

حاکموں سے بددل یا ناراض نہ ہو جائیں۔ جو عیسائی سردار اپنی جائدادیں اور زمینیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ وہ ہرچند تقسیم تو مسلمانوں میں کی گئی مگر ان پر ہل چلانے والوں کو بے دخل نہیں کیا گیا۔ ان کو اپنے کاموں سے ہٹایا نہیں گیا بلکہ وہ اسی طرح سے جوتتے بوتے رہے۔ اور زیادہ حصہ کے حقدار ٹھہرائے گئے۔ ان کے رہن سہن میں بھی کوئی تبدیلی نہ کی گئی۔ ان پر کوئی مذہبی پابندی بھی نہ عائد کی گئی۔ اس حسن سلوک نے ان کے دل موہ لئے۔ ان کو بندہ بے دام بنا دیا۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کی زندگی میں ایک اتنا بڑا انقلاب آجائے گا۔ ان کی حالت یوں چشم زدن میں سدھر جائے گی وہ بجبر و اکراہ نہیں بلکہ برضا و رغبت اسلام کی طرف کھنچنے لگے۔

عبدالعزیز کی رحمدلی اور نرم مزاجی کا یہ عالم تھا کہ جب ان کو ایک بار خبر لگی کہ بعض علاقوں میں پانی کی کمیابی کی وجہ سے قحط سالی کی صورت نمایاں ہے تو انھوں نے کسانوں کو تقاویاں بانٹیں۔ ان کو بیج۔ بیل اور دوسری سہولتیں مہیا کیں۔ صنعت کاروں اور دیگر تاجروں کو بھی حتی الوسع مدد پہنچائی۔ مگر ملک کی حالت کو خراب نہیں ہونے دیا۔ اور یوں اپنے قدرتِ انتظام کا مظاہرہ کیا۔ کئی جگہ کا ٹیکس معاف کر دیا۔ یوں بھی جو ٹیکس لگتا تھا وہ بارہ درہم سالانہ یعنے تین روپیہ فی کس فی سال کے حساب سے جا کر پڑتا تھا۔ جو کہ واقعی نہ ہونے کے برابر تھا۔ امیر آدمیوں کو البتہ بارہ سے چالیس درہم تک دینا پڑتے تھے۔ جو کہ کسی طرح ان پر بار نہ ہوتے تھے۔ خصوصاً جبکہ رعایا کی بہبودی اور آسائش کی خاطر انھوں نے حفظانِ صحت کی تمام تراکیب کیں۔ تعلیم گاہیں بنوائیں۔ سرائے۔ اور مسافر خانے بنوائے۔ اور محتاجوں کے لئے صرفِ خاص سے محتاج خانے تعمیر کروائے۔ تعجب اس بات کا نہیں کہ یہ سب کچھ انھوں نے کروایا۔ بلکہ اس پر ہے کہ یہ سب ایک سال کی قلیل مدت میں ہو گیا۔

مورخین نے ان پر عیش و عشرت سے زندگی بتانے کا اتہام لگایا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق ان کے محل میں حسین ترین عیسائی کنواری لڑکیاں کنیز کی حیثیت سے رہتی تھیں۔ یہ تو کوئی ایسی بات نہ تھی۔ ہر فاتح فوج کے یہاں مفتوحین کی اولادیں یا تو غلام بنا لی جاتیں یا پرورش کی خاطر رکھ لی جاتیں۔ عبدالعزیز کے محل میں تو ان کے لئے تمام سامان آسائش مہیا تھے۔ خصوصاً جبکہ وہ لاوارث اور بے سہارا ہو چکی تھیں۔ راڈرک آخری عیسائی بادشاہ کی بیوہ ایجیلو نے سے انہوں نے شادی کر لی تھی۔ اور اس کو حد سے زیادہ چاہتے تھے ان کا احترام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ انھیں اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت بھی دیدی تھی۔ اور کوئی رکاوٹ ان کی ادائیگی میں نہ ڈالتے تھے۔ اپنے عشوہ و غمزہ اور شوخی ادا کی بدولت وہ بہت جلد عزیز کے مزاج پر حاوی ہو گئی عیسائیوں پر خاص

Marfat.com

مراعات جو ہو رہی تھیں امیر کی طرف سے اس میں یقیناً اس کا ہاتھ تھا۔ مسلمان خصوصیت سے برسر اقتدار طبقہ اس کو سخت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتا تھا۔ ایجیلونہ نے شاید امیر کو اس بات پر بھی اکسایا کہ رعایا یا ارکین سلطنت جب امیر کے سامنے حاضر ہوں تو اس کی عزت بجا لانے کی خاطر اس کے سامنے سجدہ کریں۔ مسلمانوں کے یہاں یہ چیز سخت مذموم ہے۔ عزیز اس پر راضی نہ ہوئے لیکن انہوں نے اپنے محل میں پہنچنے کے لئے ایک دروازہ ضرور ایسا بنوا دیا جو ذرا چھوٹا تھا اور اس سے گزرتے وقت جھکنا پڑتا تھا۔ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ امیر کا مقصد ہے کہ رعایا اس کے سامنے سرخم کرے عرب جو بڑے غیور اور خودسر ہوتے ہیں وہ اس توہین کو ہرگز نہ برداشت کر سکتے تھے۔ ان کے لئے تو یہی بہت گراں تھا کہ ایک غیر مسلم عورت کے ہاتھ میں اس قدر اختیارات سونپ دیئے جائیں۔ یہ ترکیبیں سوچی جانے لگیں کہ ان کو راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ مگر یہ کام اتنا آسان نہ تھا کیونکہ وہ اپنی خوش انتظامی اور رحمدلی کی وجہ سے محبوب عوام بن چکے تھے۔ اور لوگ ان کو ایک اچھے باپ کا اچھا بیٹا سمجھتے تھے اتفاق سے سلیمان بن عبدالملک جو ولید کے بعد خلیفہ ہوئے۔ ان کے خلاف ہو گئے۔ اور ان کو روڑا سمجھتے ہوئے راہ سے ہٹانے کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ اندلس میں جو لوگ ان کے خلاف تھے ان کو اس نے اپنا ہمنوا بنا لیا۔ ان میں پانچ افسر خاص تھے۔ جن کے سرغنہ حبیب ابن عبیدہ تھے۔ ان کو یہ اشارہ ملا کہ عبدالعزیز کو ختم کر دیا جائے ان پر حملہ کرنا آسان نہ تھا کیونکہ ہر سپاہی ان پر اپنی جان چھڑکتا تھا۔ طے یہ پایا کہ جب وہ نماز پڑھتے ہوں تو قتل کر دیا جائے اور واقعی دورانِ نماز میں ان کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ یہ انتہائی قبیح فعل تھا۔ انتہائی مذموم۔ انتہائی بزدلی۔ مگر طامع یہ سب کچھ نہیں دیکھتے ہیں۔ ان کا بریدہ سر جب ان کے غم زدہ اور مصیبت زدہ باپ موسیٰ کے سامنے پیش کیا گیا تو ان پر کیا بیتی۔ اس کا ذکر ہم پیچھے کر آئے ہیں۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ عبدالعزیز ایک مدبر۔ دانا۔ باشعور۔ ذی حوصلہ۔ ذی مرتبہ امیر تھے۔ جو جہانداری اور جہانبانی کے تمام اصولوں سے کماحقہ واقف تھے۔ انہوں نے اپنی ایک سال کی مدت امارت میں وہ کر دکھایا۔ جو دوسرے سالہا سال میں نہیں کر سکتے۔

اس صورت میں وہ بہت کچھ شیر شاہ سواری سے مماثلت رکھتے تھے کہ جس نے

Marfat.com

ہمایوں سے سلطنت چھننے کے بعد چار سال کے اندر ہندوستان کی حالت ہی بدل گئی۔
عبدالعزیز کا قتل ایک فہمیدہ، جہاندیدہ، بردبار، فنون سپاہگری میں ماہر شخص کا قتل تھا،
جو عبادت گزار بھی تھا۔ پابند شریعت بھی۔ اگر وہ کچھ اور دن باقی رہتے۔ اندلس کی
حالت قابل رشک بنا دیتے۔

Marfat.com

باب (۸)

ایوب بن حبیب لخمی

خلیفۃ المسلمین کو عبدالعزیز کو اپنے راستے سے ہٹانے کی اتنی فکر تھی کہ وہ اندلس کے مستقبل اور اس کی انتظامی استحکام کو بھی بھول گئے۔ نہ کسی کو فوری طور پر پروانۂ امارت دیا گیا اور نہ کسی شخص کو مقتول امیر کا جانشین مقرر کیا گیا کہ سلطنت کے امور کی دیکھ بھال کرے۔ یہ بات مسلمانوں کے حق میں مفید نہ تھی۔ ان کو اندلس پر قبضہ جمائے کچھ ہی دن تو ہوئے تھے۔ اگر ان کا کوئی حاکم نہ ہو تو انتشار کی بنا پر یہ خطرہ تھا کہ عیسائی کہیں پھر غالب نہ آجائیں۔ وہیں کی رعایا نے باہمی صلاح و مشورہ کیا اور عبدالعزیز کے ایک چچیرے بھائی ایوب بن حبیب کو حاکم اندلس منتخب کر لیا۔

ایوب تجربہ کار اور سن رسیدہ لوگوں میں سے تھے۔ موسیٰ کے ساتھ اندلس میں داخل ہوئے تھے۔ فوجی معاملات میں ان کو تجربہ خاص تھا۔ اشبیلیہ کو اسپین کا مرکز نہ سمجھتے ہوئے انھوں نے سب سے پہلا قدم تو یہ اٹھایا کہ دارالخلافہ کو قرطبہ منتقل کر دیا۔ یہ مقام اپنی مرکزیت اور خوبصورتی کی وجہ سے اس کا اہل تھا کہ دارالسلطنت بنایا جائے۔ اس کی ترقی اور خوش حالی میں انھوں نے فوراً اضافے کرنا شروع کر دیئے۔ اس کو عربوں کی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنایا۔ وہاں مدرسے بنوائے عدالتیں قائم کیں۔ دفاتر کھولے۔ تمام محاصل کی وصولیابی کا مرکز قرار دیا۔ محلوں کی مرمت کرا کر ان کو اپنی رہائش کے لائق بنوایا۔ دیگر عمدہ مکانات میں افسران و حاکمان کی رہائش کا انتظام کیا۔ فوجی چھاؤنی قائم کی۔ غرض اس طرح سے قرطبہ کی عظمت میں گرانقدر اضافہ کر دیا۔

اس سے فراغت پا کے ایوب نے اور مقامات کی مضبوطی اور نظم کی بہتری کی طرف توجہ دی۔ سب سے پہلے تو ان تمام لٹیروں، غنڈوں اور فسادیوں کو قید کروایا۔ جو مستقل ادھم مچاتے اور

Marfat.com

رعایا کو ستاتے اور پریشان کرتے تھے۔ ان کو سخت سزائیں دیں۔ اور اس طرح عوام الناس کی بے چینی کو دور کیا۔ ملک کو مختلف صوبوں اور صوبوں کو کئی ضلعوں میں تقسیم کیا۔ ہر ضلع پر حاکم مقرر کیا۔ جو براہ راست امیر کے ماتحت ہوئے اور تمام حالات سے اس کو باخبر رکھتا۔ ان لوگوں کو خاص اختیارات تفویض کئے گئے تھے خصوصاً شرارت پسندوں کو دبانے کے سلسلے میں۔ کفار کو قابو میں رکھنے کے معاملے میں یہ لوگ ان اختیارات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اپنے رعب و دبدبہ کا مظاہرہ کرنے کی خاطر سے اکثر ظلم و ستم سے بھی کام لیا کرتے تھے مگر امن قائم رکھنے میں پوری احتیاط برتتے۔ ایوب نے خود پورے ملک کا دورہ کیا۔ ظالموں کو ظلم سے باز رہنے کی تاکید کی جو نہ مانے ان کو معزول کیا۔ اور ان کی جگہ دوسرے مناسب عمال مقرر کئے۔ بعضوں کو سخت سزائیں بھی دیں کہ دوسروں کو تنبیہ ہو۔ رعایا کی حالت کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ ان کی شکایت کو سنا اور ان کو رفع کرنے کی پوری کوشش کی۔ بہت سی خرابیوں کو دور کیا۔ زراعت اور تجارت کو فروغ دینے کی جو لوگ کسی زیادتی یا مجبوری کی وجہ سے کھیتی باڑی سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ ان کو پھر اس جانب راغب کیا۔ جو تجارت میں دلچسپی نہ لے رہے تھے۔ ان کو پھر سے آمادہ کیا۔ ٹیکسوں کی وصولیابی اور دیگر امور میں بہت سی اصلاحیں کر کے رعایا کی زندگی کو زیادہ آسان اور خوشحال بنایا۔ جو لوگ کہ مسلمان حاکموں سے نالاں تھے۔ ان کی شکایات سن کر ثبوت فراہم کئے اور پھر پوری دلجمعی کے ساتھ ان کی دادرسی کی لوگ جن علاقوں کو خالی کر کے گئے تھے ان کو پھر سے بسانے کی ترکیبیں کیں۔ فلاح و بہبود کے لئے اتنے سامان مہیا کئے گئے کہ وہ بھاگی ہوئی رعایا پھر اپنے آبائی شہر اپنے پرانے وطن میں آکر بس گئی۔ پھر بھی اگر وہ مقامات پوری طرح نہ آباد ہو پائے تو افریقہ اور دوسرے مشرقی علاقوں سے صنعت کاروں اور دوسرے فنکاروں کو بلا کر آباد کیا جاتا اور بستیوں کی اجڑی ہوئی رونق کو واپس لائے۔ جہاں جہاں عیسائی زیادہ تعداد میں تھے۔ وہاں کا تناسب برابر کرنے کے لئے مسلمانوں اور یہودیوں کو ترغیب دی گئیں۔ پھر ان میں اتنا اتحاد پیدا کیا کہ باہم دوست بن کر مل جل کر رہنے لگیں۔ سرحدی علاقوں کی مضبوطی کے لئے انھوں نے جگہ بہ جگہ برج بنوائے۔ جو برج پہلے سے بنے ہوئے تھے۔ ان کی فصیلیں اور ناربوں پر ان کی مرمت کروائی۔ ان پر فوجی دستے تعینات کئے۔ یہ تمام انتظامات اور اصلاحات اس بات کی شاہد تھیں کہ ایوب بڑی صلاحیتوں کے آدمی ہیں۔ اور ان میں خدمت قومی اور اصلاح ملکی کا ایک خاص جذبہ ہے۔ عبدالعزیز کی موت اور موسیٰ بن نصیر کی طلبی کے بعد اسپین جو یتیم و لسیر محسوس کر رہا تھا۔ انھوں نے اس حالت کو جلد ہی بدل ڈالا۔ اور ایسے

بہتر انتظام کی بنیاد اپنی مخلصانہ کوششوں کی وجہ سے ڈالی کہ ملک کی حالت ہی بدل گئی۔ مگر خدا جانے سلیمان بن عبدالملک کو موسیٰ بن نصیر اور اس کے خاندان کے افراد سے کیا بغض پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ہی رعایا کی بہبودی اور ملک کی بہتری ان کے ہاتھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ فائدہ بھی پہنچے تو ان کے ہاتھوں سے نہیں۔ انھوں نے ایوب بن حبیب کو صرف اس وجہ سے معزول کر دیا کہ وہ موسیٰ کے قرابت دار تھے۔ یہ بھی بہت عظیم غلطی تھی۔ اور کسی طرح سے عبدالعزیز کے خون اور موسیٰ کی بدتر حالت بنانے کی طرح معاف نہیں کی جا سکتی۔ مگر جب حکومت کا نظام کسی ایک شخص کے محور کے اردگرد گھومتا ہے تو ایسی تمام باتیں بعید از گمان نہیں ہوتیں۔ وائسرائے افریقہ محمد ابن یزید کو یہ پروانہ بھیجا کہ وہ ایوب کو فوراً ان کے عہدے سے سبکدوش کر دیں اور ان کے اعزاز بخشے ہوئے تمام افراد خصوصاً قبیلہ لخم کے لوگوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں۔ حکم کی تعمیل کی گئی۔ تمام لخمی افراد کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا۔ اس قبیلہ کے لوگوں کے ساتھ جی کھول کے زیادتی کی گئی۔ ان سے عہدے چھین لئے۔ ان کی جائدادیں ضبط کر لیں۔ ان کو مفلوک الحال بنا دیا۔ اور وہ مال و متاع۔ سامان و اسباب۔ زمین اور جاگیریں محمد ابن یزید نے اپنے چار سو ہمراہیوں میں تقسیم کیں۔ جو تھے تو عربی نژاد مگر اس غرض سے ان کے ساتھ اسپین آئے تھے کہ انھیں کی اولادیں آگے چل کے امارت اندلس پر فائض ہوں۔ نئے حاکم حُر بن عبدالرحمن بنائے گئے۔

Marfat.com

باب (۹)

حُر بن عبد الرحمٰن ثقفی

بنو ثقیف کا یہ جوان العمران خصوصیات کا بدرجہ اتم حامل تھا۔ جو اس قبیلے سے منسوب ہیں۔ اسی سے متعلق حجاج بن یوسف تھے۔ اور اسی کے فرد مختار ثقفی کوفی تھے۔ اور حُر تو آئے اس ارادے سے تھے کہ اپنے جبروت اور سطوت کا مظاہرہ چمکتی ہوئی تلوار اور لچکتی ہوئی انی سے کریں۔ ہونے کو تو یہ یقیناً بہادر تھے مگر صرف بہادری طرہ امتیاز تو بن نہیں سکتی۔ جبکہ سرشت میں ظلم و تشدد کے اثرات سموئے ہوئے ہوں۔ آتے ہی انھوں نے وہ سخت گیر پالیسی اختیار کی کہ لوگ کانپ گئے۔ ہر ہر مقام پر انھوں نے ایسے سخت احکامات بھیجے اور ان پر عمل درآمد میں اتنی سختی کی کہ لوگ تھرا اٹھے۔ جن پر ذرا سا بھی حیل و حجت کی انھیں کوڑے لگوائے۔ جنہوں نے سرکاری محاصل وقت پر نہیں ادا کئے۔ ان کو کربناک سزائیں دی گئیں۔ اس ظلم کی چکی میں جو بھی آیا پیسا گیا۔ وہ چاہے عیسائی ہو یا یہودی یا مسلمان۔ وہ تمام جلیل القدر لوگ جو موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کے ساتھ اندلس آئے تھے اور ان کے جھنڈے کے نیچے لڑے تھے فتح اسپین میں جی جان ایک کر دیئے تھے جنھوں نے اپنے خون سے اس زمین کو حاصل کیا تھا۔ ان کی خدمات اور ان کی سرفروشانہ جدوجہد کو بھی بالائے طاق ڈال دیا گیا۔ اور وہ بھی اس نااہل حاکم کے تشدد کا شکار ہوئے

عوام تو خیر ظلم سہہ رہے تھے۔ اور چیخ بھی نہ پاتے تھے مگر اعلیٰ افسران فوج اور اچھے خاندان کے لوگ بھی اس سے محروم نہ رہے تھے۔ عیسائیوں نے جب یہ دیکھا تو اپنا نظریہ ہی مسلمانوں اور اسلام کے متعلق بدل دیا۔ یا تو وہ اب تک ان لوگوں کی رواداری۔ وضع داری حسن اخلاق سلوک و محبت کو دیکھ کر جوق در جوق دامن اسلام میں پناہ لے رہے تھے۔ یا یہ سلسلہ ہی ایک

Marfat.com

دم سے بند ہوگیا۔ اس چیز سے حُر اور بھی چڑھ گئے۔ اور بجائے اس کے کہ اپنے رویّہ میں تبدیلی کرتے عیسائیوں اور یہودیوں کے درپے ہو گئے۔ اور ان پر ہر قسم کی آفات اور مصائب نازل فرمانے لگے۔ وہ جتنی سختی کرتے یہ لوگ اتنا ہی بددل ہوتے اور جتنا یہ لوگ بددل ہوتے اتنی ہی سختی بڑھ جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سارا نظام معاشی معطل ہو کر رہ گیا۔ ملکی انتظام میں بھی خلل پڑ گیا۔ نہ وہ پہلی سی خوش حالی رہی۔ نہ وہ سکون و اطمینان۔ کئی وفد افریقہ پہنچے اور وہاں کے گورنر سے اپنی رُوداد بیان کی۔ اسپین کے حالات بتلائے۔ حاکم وقت کی گرم مزاجی اور سخت گیری سے جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کا ذکر کیا۔ مگر کون سنتا ہے فغان درویش۔ حر بن عبدالرحمٰن تو خلیفۂ وقت کی مرضی سے حاکم بنائے گئے تھے ان کی مرضی کے بغیر کیسے ہٹائے جا سکتے تھے۔ حُر کو جب پتہ چلا کہ اس کی شکایت آپ کے حاکموں کے پاس پہنچائی جا رہی تھیں تو وہ اور بھی سختی پر مائل ہو گیا۔ مگر قدرت ظالموں کی رسّی دراز ضرور کرتی ہے۔ مگر ہمیشہ کے لئے باقی نہیں رہنے دیتی۔

عمر بن عبدالعزیز تخت پر بیٹھے جو رحمدل۔ نرم مزاج۔ فرض شناس اور بنو امیّہ کے سب سے بہتر خلیفاؤں میں سے تھے۔ انہوں نے فوراً لوگوں کی شکایات سنیں۔ اور ایسے بدکردار ظالم شخص کو ہٹا کر سمح بن مالک کو گورنر مقرر کیا۔

باب (۱۰)

سمح بن مالک الخولانی !

کہتے ہیں کہ جب عمر بن عبد العزیز نے حر بن عبد الرحمن کے حالات سُنے تو رو دیئے۔ اور خدا سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگنے لگے اور کہا کہ اے رب العالمین جو کچھ حر نے خود کیا یا سلیمان کی ایماء سے کیا اس کی ذمہ داری میری گردن پر مت رکھیو۔ اس سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ سمح بن مالک کا انتخاب خاص نظریئے سے کیا گیا ہوگا۔ اور وہ نظریہ یہی تھا کہ حاکم خوش انتظام ہو۔ نیک ہو۔ رحمدل ہو۔ رعایا کا نگہبان اور ان کی مشکلات کو دور کرنے والا ہو۔ یہ اتفاق سے پہلے ہی سے اسپین میں موجود تھے۔ اور شمالی سرحدوں پر جو فوج تعینات تھی۔ اس کے ایک افسر تھے۔ اسپین کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ اور یہاں کے لوگوں کی طبیعتوں کا بھی علم تھا۔ ویسے تھا بھی یہ شخص باہوش و باشعور۔ عدل وانصاف کا پسند کرنے والا۔ نظم ونسق کو قائم رکھنے والا۔ سب سے پہلے تو اس نے ان تمام عاملوں اور حاکموں کو برخاست کیا۔ جنھیں حر نے ملازم رکھا تھا۔ اور جو من مانی کر رہے تھے۔ رعایا کو ستانے میں لطف حاصل کر رہے تھے۔ یہ لوگ بیک جنبش قلم موقوف کر دیئے گئے پھر رعایا کی تمام شکایات سُنیں اور اُن کا ازالہ کیا۔ مظلوموں کی فریادیں سنیں اور دادرسی کی عوام کی خدمت کا بیڑا اُٹھایا اور انھیں اپنا محکوم سمجھنے کے بجائے دوست اور ساتھی سمجھا اور خود کو ان کا خادم بھی ان کا محافظ بھی قرطبہ کے لوگوں سے مل کر سب سے پہلے ان کی دشواریوں اور دقتوں کا خاتمہ کیا۔ اور پھر دوسرے شہروں کے حاکموں کو لکھا کہ وہ رعایا کی دلجوئی اور دلجمعی میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھیں۔ جن لوگوں کو خواہ مخواہ سزائیں دی گئی تھیں۔ ان کے زخموں پر مرہم رکھیں اور کچھ اعانت کر کے ان کے دُکھوں کو بھلا دیں جو لوگ قید وبند کی سختیاں جھیل رہے تھے ان کو

Marfat.com

آزاد کر دیں اور جن کے گھر بار لوٹے گئے ان کو معقول معاوضہ دیں۔

اس سے فرصت پاکر انھوں نے مالی اور ملکی انتظامات کی طرف رغبت کی۔ اور وہ تمام خرابیاں جو اس دوران میں داخل ہو گئی تھیں۔ یا جن کا ازالہ ہنوز نہ ہو سکا تھا۔ انھیں دور کریں۔ اب تک یہ طریقہ تھا کہ شہروں کی جائدادوں اور مکانوں کی آمدنی کا دسواں حصّہ بطور ٹیکس وصول کیا جاتا تھا۔ اور گاؤں کی اراضیوں اور کاشت شدہ زمینوں سے پانچواں حصّہ اس طریقہ سے غیر مسلموں خصوصاً یہودیوں کو بڑا فائدہ تھا۔ اوّل تو وہ لوگ شہر میں رہتے تھے۔ دوسرے ساری جائدادیں ان کے ہی قبضہ میں تھیں اور تجارت میں بھی پوری طرح ان کا عمل دخل تھا۔ اس ذوق تجارت نے ان کو حریص وطامع بھی بنا دیا تھا اور وہ سرکاری محاصل کو بھی دبا جاتے سمح نے اس کی اصلاح کی اور ایسے قوانین وضع کئے کہ سرکاری ٹیکس کی ادائیگی کسی طرح رُک نہ پائے۔

بربری ہر چند کہ عرصہ ہوا مسلمان ہو چکے تھے اور اسپین میں بھی کافی دنوں سے آباد تھے بڑی بڑی جائدادوں اور زمینوں کے مالک بھی بن گئے تھے۔ مگر ان کی افتادِ طبع اور تلوّن مزاجی ابھی تک ختم نہ ہوئی تھی۔ ایک جگہ رہنے بسنے میں ان کو لطف ہی نہ آتا تھا۔ ایک حالت پر قائم رہنا ان کے رجحانات کے خلاف تھا طبیعت میں خونخواری اور درندہ صفتی اب بھی باقی تھی۔ خانہ بدوشی ہنوز ان کا شعار تھا۔ جہاں کہیں آباد کئے جاتے کچھ دن رہتے پھر اس کو بیچ باچ دوسری جگہ چل دیتے۔ امیر سمح نے ان کو اس قبیح عادات کی خرابیاں بتائیں۔ ان کو صحرانوردی اور خانہ بدوشی کے مضر نتائج سے آگاہ کیا۔ ان سب کو یکجا کیا اور غیر آباد علاقوں میں مستقل بسایا۔ ان کی خونخوار طبیعت اور بربریت کو مٹانے کی کوشش کی اور انہیں تہذیب وتمدن کی خوبیوں سے آشنا کرنے کی جدوجہد کی۔ انہیں یہ بتایا کہ جو لطف ایک جگہ مل کر رہنے میں ہے۔ وہ در بدر پھرنے میں نہیں۔ ان کے سمجھانے بجھانے سے اکثر ان میں سے بس گئے اور متمدن ہوتے گئے۔

اس سے فراغت حاصل کر کے اس نے سارے ملک کی مردم شماری کرائی۔ مختلف شہروں کے حالات قلم بند کروائے۔ وہاں کے مکانوں۔ دوکانوں۔ تفریح گاہوں۔ سڑکوں اور دیگر عمارات کے خاکے تیار کروائے ایک ایک شہر ایک ایک بستی کی جملہ تفاصیل بہم کیں۔ وہاں کی تجارت صنعت وحرفت۔ روزگار ومعاشش کے طریقے۔ تجارتی اشیاء کے نام۔ خاص خاص پیداوار کے نام۔ کارخانوں اور دوسری املاک کی تفصیل غرض پوری جزئیات سے واقفیت حاصل کی۔ اس کے بعد زرعی زمینوں کا نمبر آیا۔ جو علاقہ غیر آباد تھا۔ اسے معلوم کیا۔ جو آباد تھا اس کی تفصیل حاصل

Marfat.com

کی جو قابل کاشت تھا۔ جو نہیں تھا۔ سب کی اطلاع فراہم کی۔ کس زمین میں کیا کیا پیدا ہوتا۔ آبپاشی کے کیا ذرائع ہیں زمین کیسی ہے۔ اور کونسی چیزیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ جو پیداوار ہوتی ہے، اس کی مقدار کیا ہے۔ اس میں کس طرح اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ ساری معلومات معمولی نہ تھیں۔ مگر سمح نے سب جمع کیں۔ پھر ملک کی معدنیات اور نباتات کی طرف توجہ دی۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر یہ معلوم کروایا کہ کہاں کیا کیا قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے۔ اور ان سے کیا کیا فوائد ہیں۔ اور ان کے استعمال کیا کیا ہیں پھر ان کے بعد نہروں۔ دریاؤں۔ پہاڑوں چشموں۔ پلوں اور سڑکوں ضلعوں۔ چوکیوں کی فہرستیں مرتب کردائیں۔ یہ اتنا بہت سا کام آسان نہ تھا مگر ایک اچھے حاکم اور ایک اچھے منتظم کے لئے یہ سب کچھ بھی نہ تھا۔ اسی پر کیا منحصر انہوں نے قوموں۔ گروہوں اور قبیلوں کی بھی تمام جزئیات حاصل کیں کہ کہاں کہاں کون کون لوگ بسے ہیں۔ ان کے پیشے کیا کیا ہیں۔ طرز معاشرت کیا ہے۔ عادت واطوار کیا ہیں۔ یہ بھی ایک مثالی کام تھا اور سمح نے اس کو بھی انجام دیا۔ قرطبہ کے اس پل کو جسے آگسٹس نے بنوایا تھا۔ اس کی انہوں نے از سر نو تعمیر و مرمت کی۔

سلسلۂ فتوحات ملک میں جب امن وامان قائم ہو گیا۔ جو ضروری اصلاحات اور انتظامات تھے وہ انجام پا گئے۔ تو سمح کو فتوحات کا چسکا لگا۔ سمح تو حقیقتاً تھے بھی فوجی آدمی۔ آزمودہ کار اور تجربہ کار جنرل۔ انہوں نے طارق کے ساتھ کتنی ہی عظیم مہمیں سر کی تھیں اور کتنی فتوحات میں ان کا حصّہ تھا۔ موسیٰ بن نصیر کی سپہ سالاری میں انہوں نے اپنی ذاتی استعداد کی بنا پر فتح و نصرت کے شادیانے بجائے تھے۔ ان کی انہیں خدمات کا نتیجہ تھا کہ وہ اب تک شمالی سرحدی فوجوں کے کمانڈر تھے۔ اب جو سارا اندلس ان کے تحت آیا۔ اور وہاں نظم و نسق قائم ہو گیا تو ان کا پچھلا جذبہ۔ جوش جہاد پھر ابھر آیا۔ خلیفۃ المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز سے اپنے ذوق کا اظہار کیا۔ اور فرانس پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ عمر بھلا جہاد سے کیونکر منع کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس گورنر کو سرخرو ہونے کا پورا موقع عنایت کیا۔

طارق کا یہ دوست اور رفیق کار۔ موسیٰ کا مددگار کاہے کو کبھی یہ سوچ سکتا تھا کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا کہ وہ اپنے آقاؤں کی طرح کسی بڑی فوج کے ساتھ بڑی مہم کا عزم لے کر نکلے گا۔ اس کو کاہے کو کبھی یہ گمان پیدا ہوا تھا کہ اتنے بڑے ملک کی عنان امارت

Marfat.com

اس کے ہاتھوں میں آجائیگی۔ اور وہ بھی کفار کو شمشیر اسلامی کے کرشمے دکھائے گا۔ سب سے پہلے ناربو نیز گال Narbonnesgaal کا علاقہ منتخب کیا گیا۔ یہ وہی علاقہ ہے جس کے متعلق بہت سے بے بنیاد افسانے اور من گھڑت قصے زبان زد عوام تھے۔ بڑے بڑے پہاڑوں کے پیچھے چھپا ہوا یہ ملک عجیب وغریب اسرار اور عجائبات کا مرکز تھا۔ دوری کے بنا پر کچھ دشوار گزار راستوں کی وجہ سے یہ انسانی دسترس کے کچھ ایسا بعید ہوگیا تھا کہ لوگ اسے جنوں اور پریوں کا گہوارہ سمجھنے لگے تھے۔ دلچسپ دلچسپ سی داستانیں اس کے متعلق گھڑلی گئی تھیں۔ کہ وہاں عجیب الخلقت کا قیام ہے۔ خونخوار اور بدہیئت جانور رہتے ہیں۔ خوفناک شکل والے انسان بستے ہیں۔ اور پھر دیو اور جن ان پر قابض ہیں۔ یہ سب مفروضہ باتیں تھیں وہ بھی بربنائے ناواقفیت اور جہالت۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اوردزی گوتھک علاقوں کو دیکھتے ہوئے۔ یہ جنوبی فرانس کا علاقہ کافی حد تک متمدن اور مہذب تھا صنعت وحرفت کو زیادہ فروغ حاصل تھا۔ تجارت اور زراعت بھی زوروں پر تھی۔ سرسبزی اور شادابی کی وجہ سے اناج اور دیگر اشیائے خوردنی کی بھی بہتات تھی۔ عمارت بھی اچھی خاصی تھیں۔ جہاں جہاں آج بھی آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں۔ وہ اس بات کی چغلی کھاتے ہیں کہ کسی زمانے میں یہ بہت شاندار عمارتیں ہوں گی۔ بڑے حسین وجمیل محل ہوں گے۔ بڑے مضبوط اور مستحکم قلعے ہوں گے۔

آج اس علاقے کو لینیگوڈاک Landuedoc کہتے ہیں۔ اور اب کئی اضلاع میں منقسم ہے۔ پہلے اورنج Orange اب یہ شہر تقریباً ناپید ہے) پانٹ Pontodogort میں NIMES نامی مشہور تھے۔ جن میں رومی تعمیرات کا اثر غالب تھا۔ اورنج میں بڑی خوبصورت محراب تھی۔ جو ساٹھ فیٹ بلند تھی اور کسی خاص فتح کی یادگار قائم رکھنے کے سلسلے میں بنی تھی۔ یوگنان سے یہ شہر ۱۶ میل ہے۔ ریشمی اور سوتی کپڑا بنا جاتا ہے۔ تیل بھی نکلتا تھا اور باغات بھی تھے۔ گیارہویں سے لے کر سولہویں صدی تک آزاد حکومت کا دارالسلطنت رہا اور اس کا آخری بادشاہ فلی برٹ ڈی چیلونس ۱۵۲۱ء میں لاولد مرگیا۔ جس کے بعد یہ ساری سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

نیس مانٹ پلیرس MountPlezer سے کوئی تیس میل دور ہے گندہ علاقہ ہے مگر انگور بہت پیدا ہوتے ہیں۔ دریائے رہون اور گیروں اس علاقے سے گزرتی ہیں۔ اور اس کو خوب ہی شاداب بنادیتی ہیں۔ آب وہوا بھی نہایت نفیس ہے۔ یونان اور اطالیہ کے باشندے ایک زمانے میں بکثرت رہا کرتے تھے۔ اس علاقے سے ملحق بندرگاہ پروونس تھا۔ اب خود کئی حصوں میں بٹ گیا ہے اور گیس کنی Gasegny کا علاقہ تھا کہ جو خلیج بسکے سے ملا ہوا ہے۔ پہلے گوتھک حکومت کے تحت تھا

Marfat.com

بعد میں ۷۶۰ء میں فرانسیسیوں نے اپنا قبضہ جمالیا اور ڈیوک آف اکیوٹین Aquitine کی ماتحتی میں آ گیا۔ اس سے قریب آرلیس کا علاقہ ہے کہ جہاں کی عورتیں بے حد خوبصورت اور حسین ہوتی ہیں اور اسی وجہ سے لوگوں کو شاید یہ خیال پیدا ہو گیا کہ وہ پریوں کا مخزن ہے ریشمی کپڑا، ٹوپیاں تمباکو اور شراب کثرت سے بنائی جاتی تھیں۔ کھیل تماشہ اور تفریح کے مقامات بہت سے تھے۔ اور پھر پیرے کلس Pericles. کا علاقہ کہ جہاں بہت سے مندر اور کلیسا تھے۔ عورتیں یہاں کی بھی حسن و جمال میں لاثانی تھیں۔ اور پھر کل کا کل سیپٹی سینیا کا علاقہ کہ جس کا دارالسلطنت ناربون Narbonne تھا۔ یہ شہر بہت پرانا ہے۔ اور تقریباً پانچ سو سال قبل از مسیح وجود میں آیا۔ دو سو سال قبل مسیح یہاں رومی آکر آباد ہوئے۔ تجارت کو فروغ دیا۔ یہ اسپین کی کنجی کہلاتا تھا۔ ۷۱۹ء میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ تب یہاں ایک بہت بڑی علمی درسگاہ قائم ہوئی۔ بارھویں صدی میں یہ پھر عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ سیپٹی مینیا میں اور بھی بہت سے مشہور و معروف شہر تھے۔ مثلاً اگیڈی Agde جسے یونانیوں نے بسایا تھا۔ بحر روم پر واقع ہے۔ سپین اور افریقہ سے تجارت کا مرکز رہا۔ پھر لوڈیو Lodeve بہت ہی خوبصورت مقام ہے۔ ایک وادی میں بسا ہوا تھا۔ میگیولون Maguelonne جنوبی حدود میں واقع تھا۔ بیزیرز Bazaers گوتھک کے زمانے میں یہ شہر خوب ترقی پر رہا۔ ایک بڑا گرجا تعمیر ہوا۔ اور رومنوں نے آکر اس کو اور بھی ترقی دی کارکسانی (Carcasonne) یہ شہر ٹولوس سے ۵۰ میل مشرقی جانب بسا ہوا تھا۔ خوبصورت شہر تھا۔ وزیگاتھ نے اس کو تعمیر کیا۔ خود ٹولوس Taulouse مشہور شہروں میں سے تھا۔ قیصر روم نے بسایا تھا۔ اور ایک بڑی فصیل شہر کے گرد بنوا کر اس کی مضبوطی میں اضافہ کر دیا تھا۔ ۴۱۲ء میں یہ ذریگاتھ کے قبضہ میں آیا۔ اور پھر یہ جنوبی فرانس کا دارالسلطنت رہا۔ ایکوٹانی Aquilanne بہت سرسبز اور ہرا بھرا مقام ہے۔ کوہ پائرنیس اور گیرون کے درمیان بسا ہوا ہے۔ وادی ایبرو سے لوگ آکر یہاں بسے پہلے رومیوں کے قبضہ میں تھا۔ پھر مغربی گوتھوں کے ہاتھ آیا۔ پھر شارلیمین نے اس کو فتح کر لیا۔ ۸۷۷ء میں جب کارلووِن جی کا خاندان قابض ہوا تو اس نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ اور شارلیمین کے قبضہ سے نکال لیا۔ ۱۱۵۲ء میں لوئی ہفتم کے زمانے میں یہ ریاست پھر فرانس میں شامل ہو گئی۔ امیر سمح کے زمانے میں یوڈیس جو ڈیوک آف اکیوٹین کہلاتا تھا۔ وہاں کا حاکم تھا۔

یہی وہ تمام شہر تھے۔ یہی وہ تمام علاقہ تھا۔ جو سمح کی بلند نظروں کا نشانہ بنا۔ چاروں طرف اونچے اونچے پہاڑ ان کی راہ نہ روک سکے۔ دشوار اور خارزار راستے ان کا روڑا نہ بن سکے۔ عمیق

Marfat.com

اور گہری وادیاں ان کی ہمتوں کو پست نہ کر سکیں۔ انہوں نے اس مہم پر روانہ ہونے سے پہلے پوری احتیاط برتتے ہوئے ایک عظیم فوج جمع کی۔ ان کے سامنے تمام مشکلات رکھیں۔ اور جب ان کو آمادہ پایا تو چل کھڑے ہوئے۔ پہاڑوں پر ان کے گھوڑے ایسے چڑھے جیسے ہرے بھرے میدان ہوں۔ دریاؤں کو انھوں نے اس طرح عبور کیا جیسے وہ نالے ہوں۔ راستوں کی مشکلات کو اس انداز سے طے کیا جیسے وہ مشکلات ہی نہ ہوں۔ دروں اور کوہوں کو پار کر کے جب امیر سمح وادی میں اترے تو وہاں کے لوگ ان کی شکلیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے وہ تو پہلے ہی سے مسلمانوں سے خائف اور ہراساں تھے۔ جب طارق نے اندلس فتح کیا تو ان کو خبر بھی نہ ہوئی کہ اسپین کے باشندگان کا کیا حشر ہوا۔ البتہ جب وہاں سے لوگ بھاگ بھاگ کے ان کے پاس پہنچے تو ان کو اس نئی مصیبت کا پتہ چلا ان لوگوں نے جو مسلمانوں کی بہادری کی داستان ان کے رعب و دبدبے کے قصے سنائے تو ان کے حواس باختہ ہو گئے۔ اب یہ مصیبت انہیں کے سر پر پہنچ گئی تھی۔ ان کے دل تو یونہی چھوٹے ہو گئے تھے۔ وہ بھلا مقابلہ کہاں کر سکتے تھے۔ امیر سمح چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے آخر کار سپٹی منیا کے دارالسلطنت ناربون تک پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس شہر کی فصیل بہت مضبوط تھی دیواریں پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔ مگر یہاں کے لوگوں کے دل نہ پتھر کے تھے نہ مضبوط۔ مشکل سے محاصرہ ایک مہینہ جاری رہا ہو گا کہ ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سر اطاعت جھکا دیا۔ یہاں بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا خصوصاً خانقاہوں اور کلیساؤں میں گڑی ہوئی جمع کی ہوئی بہت دولت ملی۔ ناربون پر قابو پانا تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ امیر نے اپنی فوجیں سارے علاقے میں پھیلا دیں۔ بیٹریرس۔ میگولوں اور کارکنوں کے شہر لڑے بھڑے بغیر ہی تابع میں آ گئے۔ ان لوگوں نے جزیہ دینا قبول کیا اور مسلمانوں کی پناہ بہت غنیمت جانی۔ ان شہروں پر قبضہ ہونا تھا کہ جیسے پوری وادی گیروں پر قبضہ ہو گیا۔ ہر چہار جانب یہاں سے امیر کی فوجیں پھیل گئیں۔ لوٹ مار کرتی آفت و تباہی برپا کرتی آخر کار یہ ٹولوس تک پہنچ گئیں اور اس کے گرد بھی محاصرہ کا تانا بانا بن دیا۔ یہ ایکیوٹین کا دار الامارت تھا۔ اس لئے ڈیوک آف ایکیوٹین کو اس کے بچانے کی فکر ہوئی۔ محاصرہ سختی سے جاری ہی تھا۔ اور محصورین کی ہمتیں جواب دینے والی ہی تھیں کہ ڈیوک ایک بڑی فوج لے کر ان لوگوں کی مدد کو آ پہنچے۔ مردہ حوصلوں میں جان آ گئی۔ ٹوٹی ہمتیں پھر سنبھل گئیں۔ مسلمانوں کی فوج ان دونوں کے مقابلے میں بہت کم تھی وہ چاہتے تھے کہ اب چپکے سے نکل ہی چلیں یہاں سے مگر امیر سمح نے ایک بہت جوشیلی تقریر کی۔ ان کو جہاد کی خوبیوں سے آگاہ کیا اور ان کی کم ہمتی پر طعنہ مارا۔ ان لوگوں کے

Marfat.com

دل بڑھ گئے۔ لڑنے مرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ فوجیں مقابل جم کر کھڑی ہو گئیں۔ عیسائی فوجوں کے ساتھ ان کے مذہبی رہنما اور پادری بھی تھے۔ جو واعظ کرتے جاتے تھے اور دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکتے جاتے تھے۔ انہوں نے ایک چال یہ چلی کہ اسفنج کے ٹکڑے سپاہیوں میں بانٹ دیئے اور یہ خیال دل میں بٹھلا دیا کہ جس کے پاس یہ ٹکڑا ہو گا وہ دشمن کی تلوار کا ہدف نہیں بنے گا یا کم از کم بہت زبردست مزاحمت کے بعد مارا جائے گا۔ جنگ زور و شور سے شروع ہوئی تو مسلمانوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ بڑی بے جگری سے لڑے اور دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس جوش میں امیر سمح لڑتے لڑتے دشمن کی فوج کے بیچ میں گھس گئے اور نرغے میں گھر گئے۔ کسی نے پیچھے سے ان کے نیزہ مار دیا اور وہ شہید ہو گئے۔ دشمن جن کے پیر اکھڑنے والے تھے جم گئے۔ اور مسلمانوں کے حوصلے سرد ہو گئے۔ شکست سامنے دیکھ کر وہ بھاگے۔ مگر عبدالرحمٰن الغافقی جم گئے اور مقابلہ کیا۔ پھر دھیرے دھیرے فوج کو واپس نکال لائے اس میں مسلمانوں کا بہت بڑا حصہ تباہ ہوا۔ اور تقریباً دو تہائی سپاہی مارے گئے۔ عارضی طور پر عبدالرحمٰن کو امیر چن لیا گیا۔

اس نئے امیر نے مسلمانوں کی ہمت کو پھر زندگی بخشی۔ باقی ماندہ فوجوں کو لے کر وہ ناربون آئے جہاں پر تنظیم کرنے کے بعد انھوں نے پوری مدافعت کی تیاریاں کریں۔ ان پر کئی حملے ہوئے مگر وہ سب انھوں نے آگے بھی قدم بڑھایا اور سرحدی علاقوں پر حملے کر کے بہت کچھ مال و متاع حاصل کیا۔ حصہ خمس خلیفہ کے لئے علیحدہ کر کے جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ سپاہیوں میں بانٹ دیا جس سے ان کے دل بڑھ گئے۔ ان کی طبیعتیں خوش ہو گئیں اور اپنے اس نئے امیر کو عزیز رکھنے لگے۔

مسلمانوں کی یہ پسپائی ان کے حق میں بہت مضر ثابت ہوئی۔ ان کا جو کچھ رعب دوسری اقوام پر قائم ہوا تھا وہ ایک دم سے جاتا رہا۔ اور اہلیانِ فرانس کو یہ حوصلہ ہوا کہ نہ صرف وہ اپنے ملک کے جنوبی حصہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکال لیں۔ بلکہ اسپین کو بھی جیت لینے کے خواب دیکھنے لگے۔ جب مسلمانوں کی فوجیں تولوس سے واپس ہو رہی تھیں اور ان کی شکست کی خبر ادھر اُدھر پھیل گئی تھی تو دہقانیوں اور لٹیروں کو بھی یہ ہمت ہوئی کہ وہ ان کا راستہ روکیں اور ان میں دہشت اور ابتری پھیلا کر کچھ قتل و غارت گری کر کے تھوڑا بہت سامان ہتھیالیں مگر مسلمان ایسے مٹی کے بنے ہوئے نہیں تھے۔ وہ مزا چکھایا ان بدتمیزوں کو کہ ساری چوکڑی بھول گئے۔ اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ خیر یہ تو جو کچھ بھی ہو۔ اس مہم سے جو بھی حاصل ہوا تھا وہ ہاتھ سے نکل گیا اور جلالت میں الگ

Marfat.com

کمی واقع ہو گئی۔

آپس کی دشمنی اور عناد نے عبد الرحمٰن کو بھی زیادہ دن امیر نہ رہنے دیا۔ ان کے خلاف سازشش کا ایک جال بنا گیا اور پھر شکایات کر کے انہیں اس منصب سے ہٹا دیا گیا۔ اب ان کی جگہ عقبہ بن سحیم الکلبی کا تقرر ہوا۔

باب ۱۱

عتبہ بن سحیم الکلبی

امیر سمح جب فرانس کی جانب روانہ ہوئے تھے تو اسپین میں اپنا نائب عتبہ بن سحیم الکلبی کو بنا گئے تھے۔ عتبہ کو جیسے ہی یہ خبر لگی کہ امیر سمح مارے گئے اور مسلمانوں نے سپٹی مینا میں شکست کھائی تو فوراً وہ ایک لشکر جرار لے کر شمال کی طرف بڑھے۔ پھر ان کو خبر لگی کہ فوج کے بقیہ حصہ نے عبدالرحمٰن کو امیر تجویز کر لیا ہے اور اس کی ذہانت اور ہوشیاری کی وجہ سے فوج صحیح سلامت ٹولوس سے نکل آئی اور اپنی حالت درست کرنے کے بعد تمام گوتھک گال اور الیٹریاس کے باشندوں کو وہ مزا چکھایا کہ سارا اترانا بھول گئے اور اپنی اس فتح پر جو پھولے ہوئے تھے تو ساری اکڑ نکل گئی۔ وہ لوگ پائرنیس کی طرف ایک فوج لے کر بڑھے مگر اسے کچل دیا گیا۔ اور جو خراج انہوں نے روک لیا تھا اسے زبردستی وصول کیا۔ بلکہ مزید ٹیکس کا اضافہ کر دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کی برتری کے قائل ہو جائیں مگر جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ عبدالرحمٰن نے فوج کے ساتھ اس قدر نرمی اور عنایت برتی کہ بیان سے باہر جو کچھ روپیہ پیسہ مال و متاع فوجی مہمات سے حاصل ہوا وہ سب کا سب حصہ خمس نکال کر سپاہیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس چیز سے سپاہیوں میں تعیش اور آرام کا جذبہ بڑھتا گیا جو ایک منظم فوج کے لئے نقصان دہ ہے۔ بشر ابن حنظلہ والیٔ افریقہ کو تمام حالات سے مطلع کیا گیا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کو معطل کر کے عتبہ کو حاکم بنا دیا۔ مگر انھیں مشرقی اندلس کا گورنر باقی رہنے دیا۔

عتبہ اس میں کوئی شک نہیں بڑے دل گردہ کے آدمی تھے۔ اسی لئے سمح نے ان کا انتخاب اپنے نائب کی حیثیت سے کیا تھا۔ سب سے پہلے ملکی حالات کو استوار کیا کہ جو اس دوران

Marfat.com

ہیں رخنہ پذیر ہو چکے تھے۔ مالی حیثیت میں اضافہ کیا کہ اس کے بغیر مضبوط گورنمنٹ کا قیام ناممکن ہے بہت کچھ درستگی کرنے کے بعد انہوں نے خزانہ کی حالت سنواری۔ رقمیں وصول کرنے میں ذرا سختی برتی مگر زیادتی کی حد تک نہیں۔ حتّٰی کہ اس کا بھی خیال رکھا کہ عیسائیوں اور ذمیوں کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہ ہونے پائے۔ امیر سمح کی مردم شماری سے یہ بات واضح ہو گئی کہ عیسائیوں کی تعداد ملک میں نہ صرف دو چند یا سہ چند ہے بلکہ اس سے بھی زائد ہے۔ بہت سے مسلمانوں کو افریقہ اور ممالک مشرقیہ سے بلایا گیا اور بہت سی اراضیاں خصوصاً سرحدی حصوں پر ان کو دے کر بسایا گیا۔ ان کو اور بہت سی سہولتیں دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اپنے اور عزیزوں اور دوستوں کو بھی اسپین میں بسنے کی ترغیب دیں۔ بربری قبائل پر زور ڈالا گیا کہ وہ اپنی جبلت سے منحرف ہو کر عنایت کردہ زمینوں پر مستقل رہائش اختیار کریں۔

اسی دوران میں اتفاق سے صوبہ ٹرکونہ **Taracona** کے باشندوں نے سرکشی پر کمر باندھی۔ علقمہ فوراً ایک فوج لے کر ان کے سروں پر جا پہنچے۔ ان کے قلعوں کو کھدوا کر پھنکوا دیا۔ جتنے سرغنہ تھے ان کو سخت سزائیں دیں۔ بہتوں کو سولی پر لٹکوا دیا۔ باشندوں پر ان کی اعانت کا الزام لگا کر بطور جرمانہ ٹیکس بڑھا دیا اور اس کی وصولیابی میں سختی برتی سارے مزاج ٹھکانے آ گئے۔ اس سے فراغت حاصل کر کے مختلف فوجیں سپٹی مینا کی طرف بھیجیں کہ وہاں کے عیسائیوں کو سرکشی کی ہمت نہ ہو۔ ان فوجوں نے پہلے وادی رہوں میں بڑے معرکے سر کئے پھر **Lyons** پر اندھا دھند چلے گئے۔ شہر کارکسون فتح کر لیا اس کی جیت نے پورے سپٹی مینا میں ایک ہل چل مچا دی اور وہ لوگ بغیر چون وچرا کے مسلمانوں کے باجگزار بن گئے۔ بہت سے مفسد پرداز بحیثیت یرغمال قید کر لئے گئے۔ جزیہ کی وصولیابی میں ہر ممکن سختی برتی گئی۔ پھر وادی رہون سے یہ رُخ پلٹ کر یہ فوج اندرون ملک میں گھس گئی۔ فرانس کا مشہور شہر بیانس جو اپنی خوشنما عمارات۔ کتب خانے کی وجہ سے کافی شہرت رکھتا ہے قبضہ میں کر لیا۔ وہاں سے بڑھ کر یہ فوجیں برگنڈی پر چھا گئیں۔ یہ بھی فرانس کا ایک قدیم صوبہ ہے۔ پہلے یہاں جرمنی نسل کے لوگ آباد تھے۔ اس صوبے کے شہر اوٹن **Autun** کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ عیسائیوں اور جرمنوں پر ایک زلزلہ سا آ گیا۔ وہ تو سمجھتے تھے کہ اب مسلمانوں کو یکسر اپنے علاقے سے نکال دیا اور وہ ہزیمت دی کہ پھر ان کے قدم کبھی اس طرف نہ بڑھیں گے یا ایک دم یہ پھر آندھی طوفان کی طرح ان کے ملک کو تباہ کرنے لگے۔ بڑے بڑے سردار ایک جگہ جمع ہوئے۔ صلاح ومشورے ہوئے۔ ایک اعلیٰ فوج تیار کی گئی۔ جو علقمہ کی فوج پر حملہ

اور ہوئی۔ یہ حملہ بہت ہی سخت تھا مسلمانوں کے لئے سخت پریشان کن۔ دونوں پہلے ہی مال غنیمت کی زیادتی اور قیدیوں کی بھرمار سے تنگ تھے۔ اگر اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ تو عیسائی فوجیں انہیں پسپا کئے دیتی ہے اور ان کو ہاتھ سے گنواتے ہیں تو اپنے سپاہی بددل ہو جاتے ہیں۔ آخر کار عنبسہ نے طے کیا کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے مدافعت کریں گے۔ ایک جنگ میں وہ اپنے بڑھے ہوئے حوصلوں کی وجہ سے شدید زخمی ہوئے جو جان لیوا ثابت ہوئے۔ فوج ایک بار پھر بے یار و مددگار ہو گئی۔ ان کے بعد کسی میں اتنا حوصلہ نہ تھا جو ان کے مشن کو کامیابی سے چلاتے رہتے۔

نزاکت وقت کو دیکھتے ہوئے فوراً عزرہ بن عبد اللہ یا عذرہ بن عبد اللہ الفہری بحیثیت امیر کے روانہ کیا گیا۔ مگر ملکی افسران ان سے اس قدر بددل تھے کہ کسی طرح سے اپنا حاکم دیکھنا پسند نہ کرتے تھے۔ ان لوگوں نے جب بہت شکایات کیں تو وائسرائے افریقہ نے یحیٰی بن سلمہ کو امیر اندلس مقرر کر دیا۔ یہ بھی ایک اچھا انتخاب نہ تھا۔ یہ شروع ہی سے اپنی سخت گیری ہٹ دھرمی معاملات ملکی میں بے انتہا محتاط ہونے کی وجہ سے بدنام تھے۔ فوج جس کے سہارے اس وقت سارا نظام چل رہا تھا امیر نے سختیاں شروع کر دیں۔ لوگ تو بددل تھے ہی اب اور زیادہ بددل ہو گئے۔ سوائے ویلا کی۔ افریقہ سے پروانہ امارت دو ماہ یا بقول ابن خلدون پانچ ماہ کے اندر ہی اندر عثمان بن ابی نسعۃ الخثعمی کے نام آ گیا۔ مگر یہ بھی کچھ زیادہ عرصہ نہ چل سکے اور اب حذیفہ بن الاحوص القیسی امیر اندلس مقرر کئے گئے۔ مگر یہ بھی معزول کئے گئے اور اب خلیفۃ المسلمین نے خود اپنا آدمی ہثیم بن عبید الکلابی کو اس جلیل عہدے پر تقرر کیا۔ ان پیہم بہ پیہم تغیرات سے اندلس کے اندرونی معاشی و سیاسی نظام میں بڑے رخنے پڑ گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سمح کے بعد اگر کوئی قابل شخص تخت امارت پر بیٹھا تھا تو وہ عنبسہ تھے کہ جنہوں نے عدالتوں کی حالت بھی درست کی مسافروں کی سہولت کے واسطے بہت سی سڑکیں اور سرائیں بھی بنوائیں۔ تجارت کو بھی ترقی دلوائی اور یوں اقتصادی حالت سنوار لی۔ انہوں نے خیراتی کاموں میں بھی دل کھول کر حصہ لیا اور ان کی دیکھا دیکھی دوسرے امیروں اور وزیروں نے بھی۔ جرائم پیشہ لوگ ان کے عدل و انصاف کی وجہ سے تھرانے لگے۔ ان کو اتنی کڑی کڑی سزائیں دیں کہ وہ ساری چوکڑی بھول گئے۔ یہودیوں کو بہت زیادہ مالی منفعت تجارت میں فروغ کی وجہ سے ہوئی۔ ان کی سیاسی زندگی بھی سدھر ہو گئی۔ اور شہریت کے بھی حقوق حاصل ہو گئے عرب تجارت کی طرف زیادہ مائل نہ تھے۔ اس لئے یہ شعبہ پورا کا پورا ان کے ہاتھ میں رہا۔ جس سے انہوں نے اتنی دولت حاصل کرلی جو کبھی نہ کی تھی دولت نے ان کے دماغ میں نئے سودے

Marfat.com

پیدا کر دیئے۔ دنیاوی وجاہت کے ساتھ ساتھ انہوں نے سوچا کہ دینی عظمت بھی حاصل کی جائے۔ ایک دم سے یہ مشہور کر دیا کہ ان میں وہ نبی پیدا ہو گیا ہے۔ جس کے وہ عرصہ سے منتظر تھے۔ یہ غلغلہ اندلس کے مشرقی حصہ سے بلند ہوا۔ وہاں اس قسم کی بدعات کے ترقی کرنے کے مواقع تھے۔ زیزہ نامی یہودی یہ دعوی کر بیٹھا کہ وہ مسیح موعود ہے۔ یہودی ہر طرف سے سمٹ کر اس کے پاس آگئے اور اسے واقعی نبی وقت ماننے لگے۔ انہوں نے اس کی تصدیق بھی نہ کرنی چاہی کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا جھوٹ ہے نشہ مذہب سے چور ہو کر گھر بار چھوڑ کر جائداد املاک بیچ کر وہ لوگ اپنے اس نئے نبی کی زیارت کو چل کھڑے ہوئے۔ امیر عقبہ نے ان کے خالی مکانوں۔ دوکانوں۔ بنگلوں۔ تجارت گاہوں پر قبضہ کر لیا۔ اور سزا کے طور پر ان سے چھین کر انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ گال کے یہودی بھی اندلس کے یہودیوں کے ساتھ اس مذہبی عقیدے میں شامل ہو گئے۔ وہ لوگ بھی بہت کچھ اپنی جائدادوں سے محروم ہوئے۔ جب یہ نبی سے ملے تو پتہ چلا کہ وہ محض ڈھونگ تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

امیر عقبہ کی شہادت کے بعد ایک دم سے اندلس میں معاشی تعطل پیدا ہو گیا۔ ان کے تمام جانشین انتہائی ناکارہ اور نااہل تھے۔ نہ عذرہ قابل آدمی تھے نہ یحیٰ۔ نہ عثمان نہ حذیفہ۔ یہ تو بس وہاں کی رقابتوں کا قلع قمع کرنے وہاں کی زر و مال سے وابستگی رکھنے پہنچے تھے۔ رعایا کی بہبودی کا کچھ بھی خیال نہ تھا۔ بد انتظامی کی وجہ سے پورا ڈھانچہ بگڑ کر رہ گیا۔ بیچارہ غریب تو پس کر رہ گیا البتہ بدخو سرداروں کی بن آئی۔ انہوں نے خوب خوب کسانوں اور مزدوروں کو لوٹا۔

اب ہیثم بن عبید والی اندلس ہو کر آئے۔ یہ حقیقتاً شامی تھے اور قبیلہ بنو امیہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے اموی خصوصیات سب ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ یہ متکبر بھی تھے۔ خود سر بھی۔ زر دوست بھی متعصب بھی۔ حجازیوں۔ عربوں اور مدنیوں کے تو یہ سخت خلاف تھے۔ ایک طرف تو انہوں نے شامی النسل کے لوگوں کو خوب خوب نوازا۔ ان کو دولت۔ ثروت اور جاگیروں سے مالا مال کیا۔ دوسری طرف حجازی عربوں پر اپنی کینہ جوئی۔ خونخواری اور گندہ ذہنی کا اس حد تک ثبوت دیا کہ خدا کی پناہ ان کو تمام اچھے اچھے عہدوں سے معزول کر دیا۔ ان کے گھر بار کو لوٹ لیا بہتوں کو چن چن کر قتل کر دیا۔ ان کی عورتوں۔ بہوؤں، بیٹیوں کی عزتیں اس طرح برباد کیں کہ جیسے وہ مسلمانوں کی خواتین نہ ہوں۔ وہ انسانوں کی بہو بیٹیاں نہ ہوں بلکہ گائے بھینس ہوں۔ پھر ان کو سر بازار نیلام کروا دیا۔ ان کے اس ظلم و ستم سے عیسائی اور نومسلم بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ ان کے ساتھ بھی یہ

Marfat.com

سلوک کیا گیا۔ اور خواہ مخواہ اپنا جلال و مرتبہ جمانے کے لیے انہیں قید خانوں میں ڈال دیا قتل کروایا عزت و آبرو کو لوٹ لیا۔ یہ کشتۂ ستم۔ یہ ہدف ظلم و استبداد بارگاہِ خلیفہ میں پہنچے اور اپنی رنج سے بھرپور داستان امیرالمومنین کو سنائی۔ مکمل تحقیقات کے لیے محمد ابن عبداللہ الاشجعی کو متعین کیا گیا۔ اس نے جو آکر معلومات فراہم کیں تو پتہ چلا کہ سب کچھ وہ صحیح ہے جو خلیفہ کے گوش گزار کیا گیا۔ بلکہ ابن عبید کی جارحانہ پالیسی اور غیر منصفانہ حرکات کی وجہ سے اندلس کا سارا نظام ہی تعطل میں پڑ گیا ہے۔ خلیفہ کے یہ آدمی شہر بہ شہر بھیس بدل کر پھرے۔ سب جگہ سے ثبوت مہیا کئے۔ سب جگہ سے شہادتیں حاصل کیں اور جب ہشیم کو واقعی مجرم اور ظالم پایا تو اس کو نہ صرف معزول کیا بلکہ اس کا سر منڈوا دیا پھر منہ کالا کر کے گدھے پر سوار اور قرطبہ کی سڑکوں پر تشہیر کے لئے گھمایا۔ اب مظلوموں کی باری تھی۔ انہوں نے جو اس ظالم ناہنجار کو گدھے پر سوار بر ایں ہئیت دیکھا تو خوب خوب تالیاں پیٹیں۔ خوب خوب مذاق اڑایا۔ خوب ہی پھبتیاں کسیں ہشیم کی ساری جائداد ضبط کر کے نیلام کر دی گئی۔ اور حاصل کردہ رقم سے مظلومین اور مجروحین کی اشک شوئی کی گئی۔ ہشیم کو جیل خانے بھیج دیا گیا۔ اور پھر اس کے بعد افریقہ۔ اس نئے حاکم نے فوراً اندلس کی معاشی حالت کو سدھارنے کا ذمہ لیا۔ تمام فصلوں پر قرضے دیئے گئے۔ رعایا کو آسانیاں بہم کی گئیں۔ جا و بے جا شکایات کو دور کیا گیا۔ خواہ مخواہ جن کو قید کر دیا گیا تھا۔ انہیں آزادی بھی دلوائی گئی۔ اور معاوضہ بھی۔ ان کے مکانات کو انھیں واپس دلایا گیا۔ ضبط شدہ املاک کو ان کے صحیح وارثین کے سپرد کیا گیا۔ شامی اور اموی جن جن محلوں پر قابض ہو گئے تھے وہ ان سے خالی کروائے گئے۔ جن کو بربنائے تعصب تکلیفیں پہنچائی گئی تھیں ان کو گرانقدر رقمیں دے کر دل پر مرہم رکھ دیا گیا۔ اور عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی کو امیر مقرر کیا گیا۔

Marfat.com

باب (۱۲)

عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی

عبدالرحمٰن قدرت کی طرف سے عجیب و غریب صلاحیتیں لے کر آئے تھے۔ یہ انہیں کا دم تھا کہ جب ٹولوس میں شاہ ایکوٹین کی فوجوں نے مسلمانوں کو نرغے میں لے لیا تھا اور امیر سمح اپنے حد سے بڑھے ہوئے جوش کی وجہ سے مارے گئے تھے تو انھوں نے فوج کے باقی حصہ کو بخیر و خوبی اس مصیبت سے نکال لیا تھا۔ پھر انہوں نے ملک کی ابتر حالت کو سنوارا تھا۔ اور جب ان کی صلاحیتوں کو پرکھنے کے باوجود عنبسہ کو امیر اندلس بنایا گیا تو ایک سچے خادم۔ ایک وفادار کی حیثیت سے انہوں نے عنبسہ کو مبارکباد دی تھی اور کبھی مطلق العنانی کے مزے اُٹھانے کے باوجود اس کا ماتحت رہنا گوارا کر لیا تھا۔ یہ ایک بار پھر سریر آرائے مسندِ امارت ہوئے۔ اور ایک بار پھر اپنے جوہر کا مظاہر کرنے لگے۔

سب سے پہلے انہوں نے پورے ملک کا ایک دورہ کیا اور جن جن لوگوں پر کچھ بھی زیادتیاں ہوئی تھیں یا مظالم ٹوٹے تھے ان کا ازالہ کیا۔ دیہاتوں کا دورہ کرکے کھیتوں اور فصلوں کی حالت کو دیکھا۔ جہاں کہیں کاشتکاروں کو تباہ حال دیکھا۔ ان کی مدد فرمائی جہاں کہیں انتظام میں خرابیاں دیکھیں وہاں طرزِ انتظام ہی بدل دیا۔ تاجروں اور پیشہ وروں سے خود ملے اور ان کی حالت اور کیفیت سے آگاہی حاصل کی۔ ان کی ترقی اور بہبودی کے لئے جو ذرائع بھی ممکن ہو سکتے تھے بہم کئے۔ جو لوگ ملک کی ترقی میں روڑا تھے ان کو ملک بدر کیا۔ جو لوگ ظلم و تشدد پر آمادہ نظر آئے ان کو قید خانے کی لذت سے آگاہ کیا۔ جو عہدِ ماضی میں ناروا حرکات کے مرتکب ہوئے تھے۔ انہیں کڑی سزائیں دیں۔ ڈاکوؤں اور قزاقوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے بہت سے گھنے جنگل

Marfat.com

صاف کروائے۔ سڑکیں صاف اور کشادہ کروائیں۔ رہزنوں کو تلاش کر کر کے خوفناک سزائیں دیں۔ پھر لوگوں میں شعور اور قابلیت پیدا کرنے کے لئے مدرسے اور مکتب قائم کئے۔ لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے لئے تجارت کے نئے نئے مرکز قائم کئے۔ عبدالرحمٰن کی خصوصیت یہ تھی کہ بیک وقت وہ ایک اچھے ناظم بھی تھے اور ایک اچھے سپہ سالار بھی۔ امیر عقبہ کے زمانے میں بھی فوجی جس قدر ان کی قدر کرتے تھے اور ان کو عزیز اور محبوب رکھتے تھے اتنا خود امیر کو بھی نہیں۔ انہوں نے درس قرآنی حدیث اور فقہ کا بھی مطالعہ کیا تھا اور اس سلسلہ میں کافی اسباق امیرالمومنین کے ایک صاحبزادے سے لئے تھے۔ مذہب دوستی نے ان کو عیسائیوں اور نو مسلموں سے متنفر بنا دیا۔ وہ یہ خیال کرتے تھے کہ عیسائی اپنے پرانے مذہب کو چھوڑ کر اسلام محض اس وجہ سے اختیار کر رہے ہیں کہ حاکمانِ وقت سے رعایت حاصل کریں اور دنیاوی جاہ و حشمت بھی۔ سپاہیوں سے وہ اب بھی اتنی ہی محبت کرتے تھے اور ان کی داد و دہش کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا۔ البتہ ان حاکموں کو وہ پنپنے نہ دیتے جو رشوت یا بالائی آمدنی کے عادی ہو چکے تھے بلکہ جب کبھی کسی ایسے عامل کو پکڑ پاتے تو سزا کا مستوجب ٹھیرا لیتے اور ان کا کوئی عذر قبول نہ کرتے۔ وہ لوگ زیادہ تر شامی تھے اور اپنے ہی قبیلے والوں کو فائدہ پہنچاتے اور انہیں کی حمایت کرتے۔ اس نے اس انداز کی سخت مذمت کی اور ان سے باز پرس کر کر کے اس عادت بد سے نجات دلائی۔ عیسائیوں کی وہ تمام معبد گاہیں جو خلاف معاہدہ چھین لی گئی تھیں۔ انہیں واپس دلوایا۔ غیر مسلموں کو مذہبی رسوم کی ادائیگی میں بھی پوری رعایت برتی۔ البتہ نئے کلیساؤں کی بنانے کی ممانعت کر دی ایک بار پھر اندلس میں خوش حالی کا دور دورہ ہو گیا۔ ہر جگہ کھیت لہلہانے لگے۔ سوکھی کھیتیاں ہری ہو گئیں۔ رعایا مطمئن اور چین سے ہو گئی۔ اب عبدالرحمٰن کی طبع بلند نے پھر مسلمانوں کی عظمت کو اجاگر کرنے کے خواب دیکھنا شروع کئے۔ انھوں نے پھر پچھلی ہزیمتوں کا بدلہ لینے کی ٹھانی۔ اور فرانس پر چڑھائی کے لئے تیاریاں مکمل کرنا شروع کر دیں۔

فوجی مہم فرانس پر اس سے پہلے بھی چڑھائیاں ہو چکی تھیں اور خود عبدالرحمٰن اس نوع کی کئی مہموں میں حصہ لے چکے تھے وہ وہاں کی نزاکتوں اور ضرورتوں سے پوری طرح واقف تھے۔ ہر چہار طرف اپنے ہرکارے دوڑائے کہ لوگوں میں جذبہ جہاد پیدا کیا جائے اور فرانس میں کفار سے لڑنے کی ہمت دلائی جائے۔ مسجدوں سے منبروں سے مستقل یہ اعلانات کئے گئے کہ مسلمانوں کی لاشیں۔ شہدا کی روحیں جو سپٹی مینا۔ لوٹوس اور ناربون کے میدانوں میں کھیت رہے

Marfat.com

اپنے خون کا انتقام طلب کر رہی ہیں۔ بڑے بڑے جذبات انگیز خطبات دیئے گئے تقریریں کی گئیں اور لوگوں میں ایک جوش ایک خروش پیدا کر دیا گیا۔ مشرق و مغرب۔ شمال و جنوب سے لوگ سمٹ سمٹ کر قرطبہ پہنچنے لگے اور امیر کے رفیقوں میں اپنا نام درج کرانے لگے۔ حاکموں نے بہت کچھ زر و مال بھی فوج کی اور دیگر ضروریات کی تکمیل کے لئے روانہ کیا۔ اسلحہ جات جنگ اور ہتھیار بھی مہیا کئے گئے۔ تاجروں نے دولت اور عورتوں کے زیور تک نثار کر دیئے۔ غربا نے بقدر حوصلہ جو کچھ دے سکتے تھے دیا۔ مگر ان سب سے زیادہ مسلمانوں کی فتح کی دعائیں خلوص قلب سے مانگیں تھوڑے ہی دنوں میں بربری۔ شامی۔ حجازی۔ مصری۔ افریقی اور ان کے علاوہ ماریشیا کے خوفناک اور وحشی باشندوں سے فوج کا یلغار جمع ہو گیا۔ اور یہ تعداد ہوتے ہوتے ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس لشکر گراں۔ اس جوش فراواں کو دیکھ کر عبدالرحمٰن نے یہ طے کیا کہ اس بار مہم کا مقصد محض لوٹ مار نہ ہوگا بلکہ ان علاقوں پر جو کوہستان پائرنیس سے لے کر جرمنی تک اور کوہ آلپس رہیٹن **Rhetian** سے لے کر بحر اٹلانٹک تک پھیلے ہوئے ہیں مستقل قبضہ کر لیا جائے گا۔

اس سے پہلے کہ عبدالرحمٰن اپنی ایک لاکھ سپاہ کے ساتھ مرکز سے روانہ ہوں انہوں نے تمام صوبوں کے گورنروں کو یہ ہدایت بھجوا دی کہ وہ اپنی مزید فوجوں کے ساتھ ان میں شامل ہوتے جائیں۔ ان گورنروں میں عثمان بن ابو نسعۃ الخثعمی بھی تھے جو کبھی امیر اندلس رہ چکے تھے۔ مگر اپنی نااہلی اور نکمے پن کی وجہ سے معزول کر دیئے گئے تھے اور پھر درہائے پائرنس اور اس سے متعلق تمام قلعوں کے گورنر بنا دیئے گئے تھے۔ امارت کے عہدے سے دستبردار ہونے کے بعد ان کو بوجہ بغض و حسد عبدالرحمٰن سے ایک خاص کد پیدا ہو گئی تھی اور اس کدورت میں عبدالرحمٰن کی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ جب ان کو یہ احکامات ملے کہ وہ اپنی سپاہ کے ساتھ بھی امیر سے ملیں تو نہ صرف وہ ٹال مٹول کرنے لگے۔ بلکہ ان کے خلاف سازش کرنے لگے۔ اور مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہو گئے۔ یہ قبیلہ بربری سے متعلق تھے اور وادی ایبرو میں بسنے والے تمام بربریوں سے ساز باز اور اپنا اقتدار جمائے رکھتے تھے۔ اس اقتدار اور معاونت کا سہارا لے کر انہوں نے یوڈیس ڈیوک آف ایکیوٹین سے دوستانہ مراسم پیدا کرنا شروع کئے۔ یوڈیس فرانسیسیوں سے مستقل نبرد آزما رہنے کی وجہ سے سخت پریشان اور نالاں تھے۔ فرانسیسی طاقت سے ٹکر لینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ کہ اگر یہ سلسلہ کچھ دنوں اور یونہی جاری رہا تو انہیں حکومت فرانس کا باجگزار بننا پڑے گا۔ مسلمانوں کے حملہ کی خبر نے ان کو اور بھی اس با

کر دیا۔ اور وہ اب اپنے کو مستقل دشمنوں کے نرغہ میں گھرا محسوس کرنے لگے۔ مسلمانوں کے خلاف ان کو فرانسیسیوں سے کچھ مدد ملنے کی امید تو تھی مگر اتنی نہیں کہ وہ ان کے ملک کی حفاظت اور ان کی آزادی کو قائم رکھ سکے۔ اسی دوران میں عثمان کی طرف سے دوستانہ پیغام ان کے لئے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا ان کو اپنی عافیت اسی میں نظر آئی کہ اس سرحدی گورنر سے جس انداز میں بھی صلح ہو سکے قبول کر لی جائے۔ عثمان نے یہ شرط پیش کی کہ یوڈیس اپنی صاحبزادی کو اس کے عقد میں دے کہ دوستی کی بنیادیں زیادہ مستحکم اور پائیدار ہو سکیں یوڈیس نے یہ شرط بھی منظور کرلی۔ ایک تحریری عہد نامہ تیار ہوا۔ شرائط صلح سب معرض تحریر میں آئیں۔ ڈیوک کی بیٹی جو اپنے حسن و شباب کی وجہ سے کافی شہرت رکھتی تھی۔ عثمان کی حرم سرا میں پہنچ گئی۔ یوڈیس کی دامادی قبول کرنے کے بعد عثمان نے اس کو اپنا فرض اولین جانا کہ اس کے حریف عبدالرحمٰن کو زک پہنچائی جائے اور اسے مزید آگے بڑھنے سے روک دیا جائے۔ اگر کچھ اور نہ ہی تو اپنی ہی فوج کو امیر کی فوج سے ٹکرا دے۔ اس لئے جب عبدالرحمٰن کا یہ پیغام اس تک پہنچا کہ وہ اس سے معہ اپنی سپاہ کے آکر ملے تو وہ گول کر گیا۔ اور مسلمانوں سے ٹکرانے کی ترکیبیں سوچنے لگا۔

عبدالرحمٰن کو بھی عثمان کی ٹال مٹول میں سازش کی بو نظر آئی۔ انہوں نے اپنے ایک اعلیٰ افسر ابن زیان افریقی کو ایک آزمودہ کار دستے کے ساتھ ان اطراف کی جانب روانہ کیا۔ اور یہ ہدایت کی کہ عثمان کو جس طرح بھی ممکن ہو گرفتار کریں اور فوج کو امیر کے پاس لے آئیں۔ عثمان اس وقت اتفاق سے اسپین کے ایک بہت ہی قدیمی شہر کے جس کے آثار اب نہیں پائے جاتے کیسٹرم لیویا (Castreenlivia) میں مقیم تھے۔ اور امیر عبدالرحمٰن کے ان اقدامات سے قطعی ناواقف تھے۔ ابن زیان جب ان تک پہنچے تو ہوش آیا۔ مگر وہ اب کر بھی کیا سکتے تھے۔ مرکز سے دور تھے کسی حفاظتی قلعے میں پناہ نہ لے سکتے تھے۔ فوجی ان کے ہمراہ نہ تھے۔ اپنی نئی دلہن کو جو ہنوز مذہب عیسوی پر قائم تھی لے کر تنگ دروں میں پناہ لی۔ ابن زیان بھلا ان کا پیچھا کہاں چھوڑنے والے تھے۔ جہاں جہاں یہ بھاگ کر پہنچے وہ ان کے پیچھے وارد۔ ایک دن عثمان تھک کر اپنے مختصر سے ساتھیوں کے ساتھ ایک چشمے کے کنارے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ زیان وہاں پہنچ گئے عثمان اور ان کے بہتیرے ساتھی مارے گئے۔ ان کی دلہن گرفتار ہوئی۔ اور جب اس کا جمال دیکھا تو ان لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اسے دمشق کے خلیفہ کے محل کی زینت کے لئے بھیج دیا گیا۔

Marfat.com

اس مہم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اب کوئی دشواری سامنے نہ تھی۔ عبدالرحمن بہ اطمینان خاص سرحد کو عبور کرتے ہوئے فرانس میں داخل ہوگئے اور ساری سرزمین پر اس طرح چھا گئے جیسے موسم برسات میں کالی گھٹائیں۔ عیسائی اپنی جگہ دم بخود ہوکر رہ گئے۔ ان کو وہ زمانہ یاد آنے لگا جب رومیوں۔ گاتھکوں اور ہنسوں نے ان پر حملہ کرکے قتل وخون اور تباہی کا وہ سماں پیش کیا تھا کہ جو نہ اس سے پہلے سننے میں آیا نہ دیکھنے میں۔ حالانکہ خود مسلمانوں کو اس اجنبی ملک میں سینکڑوں دقتوں کا سامنا تھا۔ اول تو پوری فوج مختلف النوع طبائع۔ سرشت اور قبیلوں کی حامل تھی۔ بہت سے ان میں مصروشام۔ افریقہ سے محض مالی فائدہ حاصل کرنے کے لئے جمع ہوئے تھے۔ انہیں ملک گیری سے مطلق لگاؤ نہ تھا۔ یہ لوگ خود اپنی جگہ پر انتہائی سرکش۔ خونخوار اور درندہ صفت تھے کسی کو خاطر میں لاتے ہی نہ تھے۔ اور کسی کا اقتدار قبول کرنے پر آمادہ ہی نہ ہوتے تھے۔ یہ تو عبدالرحمن کا ہی دم تھا۔ کبھی اگر وہ من مانی کرنا چاہیے تو یہ ڈھیل دے جاتے۔ کبھی اگر یہ اپنا حکم منوانا چاہتے تو ظاہری وجاہت سے اُن کو دبا لیتے۔ یہ لشکر ایک آندھی طوفان کی طرح بڑھا اور تمام جنوبی فرانس پر ٹڈی دل کی طرح چھا گیا۔ جس قلعہ دار نے مزاحمت کی ان کو وہ مزا چکھایا کہ پشتوں تک نہ بھولے۔ جو راستے میں روڑا بنا اس کو ٹھوکر سے اُڑا کر رکھ دیا۔ جو شہر خود ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ ہوا اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہزاروں کو قید کیا۔ ان کے جانوروں کو رسد میں کام لائے۔ چراگاہوں میں اپنے گھوڑے چھوڑ دیئے۔ پوری وادی گیرون پر اب مسلمانوں کا تسلط تھا۔ آگے بڑھ کر ایکیوٹین کے مرکز بورڈیو جو فرانس کا اب تک مشہور بندرگاہ ہے۔ ایک سخت حملہ کیا گیا۔ وہاں کے لوگوں کو ناکوں چنے چبوادیئے۔ نہ صرف شہر کو فتح کیا بلکہ تمام جنس وغلہ کو قابو میں لے لیا۔ خزانوں کو لوٹ لیا۔ شہریوں کو تہ تیغ کردیا۔ بہت سے باغیوں کے مکانوں کو آگ لگادی۔ وہاں سے بڑھے تو دریائے ڈارڈون تک جا پہنچے۔ یہاں پر ڈیوک آف ایکیوٹین کی فوجوں سے مقابلہ ہوا۔ بڑے گھمسان کا رن پڑا۔ ایک ایک عیسائی کو چن چن کر قتل کردیا گیا۔ یہاں سے فتح وکامرانی کے نغمے گاتے ہوئے نکلے تو پائیٹرس Poitiers جا پہنچے جو فرانس کے ایک پرانے شہروں میں سے ہے یہ ٹورس سے کوئی ۶۲-۶۳ میل پر بسا ہوا ہے۔ کسی زمانے میں وہاں ایک بڑی درسگاہ بھی تھی۔ اور سینٹ ہلاری Hilary کا کلیسا تھا۔ جو پائی ٹیرس کا سب سے بڑا اسقف تھا۔ پہلے مسیحیت کے خلاف تھا اور ایریس کے خلاف متعدد کتابیں لکھی تھیں۔ اسی لئے قید بھی ہوا۔ آخر کار رومن کیتھولک مذہب کا پیرو ہوا اور وہ بھی شدید طور پر۔ اس کے مرنے کے

بعد لوگ اس کی قبر کی زیارت کو آنے لگے رفتہ رفتہ ایک بڑا گرجا وہاں قائم ہوگیا۔ اس کلیسا کو مکمل طور پر تباہ کردیا گیا۔ اور اس کی تباہ شدہ عمارت پر سبز پرچم لہرا دیا گیا۔

یہاں کے باشندے سخت انتشار اور افتراق میں مبتلا تھے اور یہیں کے باشندوں پر کیا موقوف اس وقت پورے فرانس کا یہی عالم تھا۔ شارلیمین نے وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ان تمام عناصر کو ایک مرکز پر جمع کیا کہ ایک منزل پرلے آئے۔ سپٹی مینا کا پورا علاقہ گوتھک کا ہر نواب ایون کے خاتمے کے بعد اپنے آپ کو مختار کل سمجھتا تھا۔ ایکیوٹین کا علاقہ بھی بٹا ہوا تھا۔ کہیں پر یوڈیس کی حکمرانی تھی تو کہیں پر کسی دوسرے نواب کی آسٹریشیا Ostrasia کی نہ نیوسٹریا سے بنتی تھی نہ برگنڈی سے اور نہ ہی فرانس سے دریائے ڈینیوب Danube کے علاقے میں پھیلی ہوئی ریاست کبھی ڈیگوبرٹ Dagobarth جیسے اولوالعزم بادشاہ کے جھنڈے تلے تھی۔ اس کے مرنے کے بعد منتشر ہوگئی تھی اور یہی نہیں بلکہ میروون[1] جین خاندان کا بھی سارا اقتدار ملیامیٹ ہوچکا تھا۔ اس اقتدار کے مٹنے سے اس پوری ریاست کو وہ عظیم دھکا پہنچا کہ جس کا بدل نہیں۔ زمامِ حکومت معمولی لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ جو وزیر بھی تھے۔ سپہ سالار بھی۔ جاگیردار بھی۔ اور اصلی معنوں میں بادشاہ بھی۔ خود بادشاہ ایک کٹھ پتلی سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ ان نوابین اور جاگیرداروں Feudallords نے اس قدر طاقت جمع کرلی تھی کہ انہیں کا حکم مانا جاتا تھا۔ انہیں کی بات اہمیت رکھتی تھی۔ بادشاہوں کے لئے یہی بہت تھا کہ یہ امراء ان کو تعظیم دیا کرتے تھے اور اپنا شہنشاہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ ان امراء کی دیکھا دیکھی مذہب کے خداوندان نے بھی اپنی عظمت اور حشمت بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رہنے دیا۔ دین کے نام پر اپنی

---

[1] میروون جین Meronvingian فرانسیسی خاندان کا اولین بادشاہ تھا جس کا شمار شاہان گال میں ہوتا ہے۔ اس کا دورِ حکومت پانچویں صدی میں تھا بڑے شاہانہ وقار سے اس نے حکومت کی اور اپنی عظمت کی دھاک بٹھا دی۔ اس کے پوتے نے تو اور بھی اس عظمت کو چار چاند لگائے اور مختلف قبیلوں اور گروہوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطنت کو بڑا عروج دیا۔ مگر اس کے مرنے کے بعد یہ اس کے چار بیٹوں میں تقسیم ہوئی۔ جس سے وہ جاہ و حشمت باقی نہ رہی۔ ۶۱۳ء میں ایک بیٹے نے کچھ طاقت جمع کی مگر اس کے مرنے کے بعد ۶۳۸ء میں یہ پھر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ جن میں خاص خاص ایکیوٹین۔ برگنڈی نیوسٹریا اور آسٹریشیا تھے ۶۸۷ء میں نیوسٹریا اور آسٹریشیا میں اتحاد ہوا۔ مگر میروون جین کا اقتدار بالکل ختم ہوگیا۔

Marfat.com

خواہشات کی تکمیل کرتے۔ مذہب کے نام پر خوب خوب روپیہ بٹورتے۔ اور خانقاہوں کے اوپری کمروں پر اندر سبھا کی محفلیں گرم کرتے۔ اندرونی کمروں میں دولت دفن کرتے سینٹ ہلاری کے گرجا میں بھی جہاں ایک طرف دولت کے انبار تھے دوسری طرف مہ جبیناؤں اور پری وشوں کے جمگھٹ تھے سائر عبدالرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کی آنکھیں یہ سب کچھ دیکھ کر کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اور ایک سینٹ ہلاری کی خانقاہوں پر کیا موقوف جب یہ ٹورس Tours کے گرجا سینٹ مارٹن میں پہنچے تو وہاں اس سے بھی زائد خزینے دفینے تھے۔ اور حسینوں کی ٹولیاں تھیں جب ان پر چاند اور ہلال لہرایا تو آسمانی باپوں کی بڑائی دھری کی دھری رہ گئی۔ ان کا سارا جاہ وجلال ہسپا ہو کر رہ گیا۔ وہ دعائیں جو عود وعنبر سلگا سلگا کر مانگی جا رہی تھیں۔ آسمانوں تک پہنچ بھی نہ پائیں کہ ان کی تلواروں کی تیزی اور بازوؤں کی سختی سے ان کی شجاعت اور مردانگی کی دھجیاں اڑا دیں۔ ان فرانسیسیوں کو اپنی بساط اور اپنی ہمت پر بڑا ناز تھا۔ سر سے پا تک آہنی خود وزرہ بکتر چمکیلے جوشن اور بازو بند۔ پیروں میں فولادی موزے پہن کر جب یہ میدان جنگ میں اترتے تو معلوم ہوتا کہ آہن و فولاد کی دیواریں چن دی گئی ہیں۔ اور یہی فولادی دیواریں مسلمانوں کی ضرب تلوار سے اس طرح ٹکڑے ٹکڑے ہوتیں جیسے وہ شیشے کی بنی ہوں۔ ان کا بادشاہ اس وقت تھیسری IV

Theiri چہارم تھا جو خود تو کسی خاص اہلیت کا مالک نہ تھا مگر اس کا وزیر اور سپہ سالار چارلس مارٹل بڑے کام کا آدمی تھا۔ اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ پے پن ڈی ہیرسٹال Papinde Herstall. ڈیوک آف ایسٹریا کی ناجائز اولاد تھا۔ وہ ہونے کو کچھ ہو مگر تھا بہت بہادر اور ہمت والا۔ اس کی بنا پر خود پے پن کو کوئی بار اپنی رعایا اور دیندار حضرات کی ملامت کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ لیمبرٹ Lambert نامی سخت مزاج مگر صاف گو پادری نے تو برملا ڈیوک پر بھرے مجمع میں لعن طعن کی وہ بھی چارلس کی ماں اسپائیڈ Spadie سے حرام کارانہ تعلقات رکھنے کی بنا پر معتوب ہوا تھا اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ اس عورت کا چال چلن اتنا خراب تھا کہ طوائف زادیوں کو بھی مات کرتی تھی لیمبرٹ کے اس رویہ سے تپ کر چارلس کے حامیوں نے اس کو مروا ڈالا جو مذہب مسیحی کے نگاہ میں سب سے بڑا جرم تھا۔ کسی پادری یا راہب یا گرجا کے اہلکار کو ستانا خدا کی تمام لعنتوں کو دعوت دینا تھا۔ رومن کیتھولک کے مقلدین نے اس شخص کو کبھی اچھے نام سے نہ یاد کیا۔ اور ہمیشہ اسے اور چارلس کو ملعون اور ذلیل کہہ کر پکارا خود چارلس اپنی ماں

Marfat.com

کی طرح گری ہوئی طبیعت کا مالک تھا۔ اپنے بھائی گریموآلڈ کو محض اس وجہ سے قتل کرادیا کہ وہ بھی اس کی جائداد اور جاگیر میں حصہ دار بننا چاہتا تھا۔ پپے ین اپنے اس ولدالحرام کی حرکت ناشائستہ پر بہت برہم ہوئے مگر اس نے جو اقتدار فرانسیسی حکومت میں حاصل کرلیا تھا۔ اس کی وجہ سے خاموش ہوگئے۔ چارلس میں نہیاں بداطواری۔ بدکرداری اور چھچھورپن کی علامات تھیں وہاں بہادری بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ یہ اسی کا دم خم تھا کہ حکومت کو جرمنی اور خونخوار دہقانیوں اور کوہستانیوں کے حملے سے مستقل بچائے رکھا۔ اور ایسی تابڑ توڑ شکستیں ان لوگوں کو دیں کہ دانت کھٹے کردیئے۔

اب جو فرانسیسیوں کو مستقل ہزیمتیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے اٹھانا پڑیں تو نہ صرف وہ خوف زدہ ہوگئے بلکہ چوکنا بھی۔ ان کو اپنا انجام اسپین کی سلطنت کی طرح نظر آنے لگا۔ اور یہ خطرہ تیزی سے منڈلانے لگا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو گوتھک سلطنت کی طرح یہ مملکت بھی ان کے ہاتھ سے نکل کر مسلمانوں کے قبضہ میں چلی جائے گی۔ یوڈیس شاہ ایکیوٹین جو چارلس مارٹل سے سخت نالاں تھا اپنی مصیبت دیکھ کر گھبرا گیا۔ اور اسی کی خدمت میں نہ صرف اپنے بچاؤ بلکہ پورے مذہب مسیح کی حفاظت کی عرضداشت لے کر پہنچا۔ چارلس کو بھی اپنی شجاعت اور جرأت دکھانے کے ماسوا پادریوں اور مذہب کے پروردگاروں کو منانے کا صحیح موقع ہاتھ آگیا۔ ورنہ یہ لوگ تو اس سے اس قدر بددل اور نالاں تھے کہ الامان۔ اور سچ پوچھیے تو چارلس کی حرکات تھیں بھی ایسی کہ ان لوگوں کو دل گرفتہ ہوجانا چاہیے اس نے اپنے نام کے آگے مارٹل کا خطاب خودساختہ لگایا کہ جس کا مطلب مُبت کا ہتوڑا تھا۔ جو اسکینڈے نیویا کے مارٹل تور کے بت کی علامت تھی۔ اور اس کو وہی متبرکانہ حیثیت قوم ٹیوٹن میں حاصل تھی۔ جو عیسائیوں میں صلیب کو۔ اور اسی پر بس نہیں چارلس نے احترام کلیسا تو ایک طرف کلیسا کی کتنی ہی جائدادیں ہڑپ کرڈالیں۔ کتنے ہی بطریقوں کو معزول کرکے اپنے فوجی سرداروں کو کہ جن کو مذہب سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ بطریق کے عہدے پر فائز کردیا تھا محض اس وجہ سے کہ ان بطریقوں کی جائدادیں اس کے قبضہ میں آجائیں گی۔ کلیساؤں کے بہت سے ایسے قیمتی ذخیرے جو پاک اور متبرک سمجھے جاتے تھے۔ اپنی ملکیت میں لے لئے۔ اور مذہب کے رکھوالے یہی کہتے رہے کہ اس کو اس بے ادبی کی سزا جلد ملے گی۔ اس کے اوپر عذاب الٰہی جلد نازل ہوگا۔ اور اب اس کو کیا کہیے کہ عذاب الٰہی نازل ہونے کے بجائے وہ سب لوگ خود اپنے مذہب کا محافظ اپنی جانوں کا رکھوالا بنانے لگے۔ چارلس بھلا اس موقع کو کیسے ہاتھ سے جانے دے سکتا تھا۔

Marfat.com

جبکہ اس کو اپنے پرانے حریفوں کی نہ صرف دوستی بلکہ دعاؤں۔ عنایتوں اور مقدس رہنما ہونے کا مرتبہ مل رہا تھا۔ جب اس کو تمام عیسائی ریاستوں اور ان کے والیوں پر فوقیت حاصل ہونے کا موقع نصیب ہو رہا تھا۔ جب سب اس کے سامنے گھٹنے ٹیکے امداد کے لئے التجا کر رہے تھے۔

اعلانِ جنگ پورے جوش وخروش کے ساتھ کر دیا گیا۔ ہر کیمپ ہر طرف ہر سمت ہتھیار جنگ بجنے لگے۔ تلواروں پر جلا ہونے لگی۔ خود وزرہ بکتر جسموں پر سجائے جانے لگے۔ ایک لشکر عظیم حب الوطنی اور مذہب دوستی کی خاطر جمع ہو گیا۔ نارامن پادری اپنی تمام رحمتوں اور عنایتوں کے ساتھ اس کے پیچھے میں جمع ہونے لگے اور روح القدس۔ حضرت مریمؑ حضرت عیسٰیؑ کی فیوض وبرکات کا یقین دلانے لگے۔ کھانڈو سے کھانڈا بجا۔ قرنہ پھونکا گیا۔ طبل پر چوٹ پڑی اور یہ عیسائی فوج چارلس مارٹل کی سرکردگی میں تیز وتند سمندر کی موجوں کی طرح سے ابلتی۔ ابھرتی۔ بل کھاتی چلی۔ مسلمان اس وقت بورڈیو کے محاصرہ پر اپنا زیادہ وقت ضائع نہ کرنے کے ارادے سے سینٹ مارٹن کے کلیسا کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ ٹورس کے قریب ایک لق ودق میدان ناف میں اس عیسائی فوج کا سامنا ہو گیا۔ جو تعداد میں مسلمانوں سے کسی طرح کم نہ تھی۔ البتہ ہلکے پھلکے تھی جبکہ مسلمانوں کے ساتھ اس قدر مال غنیمت۔ غلامان اور کنیزان کی تعداد تھی کہ وہ اس بوجھ کے نیچے دبے جا رہے تھے۔

یہ میدان جنگ وجدل کے لئے نہایت موزوں تھا۔ اس سے قبل بھی کئی سو سال پہلے گوتھک نوابین اور اہلیان برگنڈی کے درمیان زبردست لڑائی وہاں ہوئی تھی جس میں گوتھک کو فتح ہوئی تھی۔ اس لئے عیسائی اس میدان کو اپنے لئے متبرک سمجھتے تھے۔ سات دان تک یہ مسلمان اور عیسائی بس ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔ جنگ شروع کرنے کی ہمت دونوں میں سے کسی فریق کو نہ ہوئی بمجبور ہو کر آٹھویں دن عبدالرحمٰن نے تین بار نعرۂ تکبیر کہہ کر اپنی فوج کو حرکت میں لانے کا اذن دیا۔ سفید عماموں میں ملبوس یہ پرستارانِ توحید لوہے کی دیواروں سے ٹکرا گئے۔ تلواروں نے ایک دوسرے کو کاٹنا شروع کر دیا۔ صبح سے شام ہو گئی۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ رات کو دونوں فوجیں سستانے لگیں۔ دوسری صبح پھر وہی گھمسان کا رن پڑا۔ دیو پیکر عیسائی اپنی تیغوں کے جوہر دکھلانے لگے۔ مسلمان اپنی بے پناہ ہمتوں اور جراتوں کی سورج ڈھلا تو نواب ایکیوٹین نے یہ ترکیب کی کہ اپنے رسالہ کو لے کر مسلمانوں کیمپ کے اس حصہ کی طرف جہاں بے انتہا مال غنیمت رکھا ہوا تھا حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کو جب اس کی خبر لگی تو وہ میدان چھوڑ چھوڑ کر اس مال کی حفاظت کے لئے کہ جس کو انہوں نے اتنی محنت۔ کاوش اور عرق ریزی کے بعد جمع

Marfat.com

کیا تھا بچانے پہنچ گئے۔ نظم فوج درہم برہم ہو گیا۔ ایک عجیب قسم کی ابتری۔ سراسیمگی پھیل گئی چاروں طرف چارلس نے جو یہ عالم دیکھا تو ان حصوں پر اپنی فوج کا دباؤ زیادہ کر دیا۔ جہاں ترتیب میں رخنہ پڑ گیا تھا۔ مسلمانوں کی ہمتوں نے جواب دینا شروع کیا۔ عبدالرحمٰن نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ایک پُرجوش تقریر کی اور ڈوبتے ہوئے حوصلوں کو ابھارا مگر اسی اثنا میں دشمنوں نے ان پر یورش کر دی۔ مدافعت میں انہوں نے بہت سے زخم کھائے آخر شہید ہوئے اب تو فوج کے پاؤں جم ہی نہ سکتے تھے۔ ان کو بھاگتے ہی میں مصلحت نظر آئی۔ اتنے میں اندھیرا بھی ہو گیا۔ یہ موقع غنیمت جانتے ہوئے وہ اپنا مال و اسباب لے کر میدان کو خالی کر گئے۔ پھر بھی جب صبح نے اپنا دامن چاک کیا تو چارلس کے سپاہیوں کو بے انتہا مال و اسباب ہاتھ لگا۔ مسلمانوں کے خیمے سونے پڑے تھے۔ ان کی لاشوں کو کوئی دفنانے والا بھی نہ تھا۔ ان کے مرحومین پر کوئی آہ و بکا کرنے والا بھی نہیں۔ غنیمت یہ ہوا کہ چارلس مارٹل اور اس کی سپاہ اتنا بہت سا غنیمت مال دیکھ کر اور ایسی زبردست فتح کو حاصل کر کے کچھ ایسی خوش ہوئی کہ بھاگتے ہوؤں کا تعاقب بھی نہ کیا اور وہ لوگ صحیح سلامت نکل گئے۔

مسلمان مورخین نے جہاں اس جنگ اور پسپائی کو چنداں اہمیت نہیں دی وہاں عیسائی مورخوں نے اپنے بھائیوں کے اس کارنامے کو خوب نمک مرچ لگا کر بیان کیا۔ ان کے خیال میں مسلمان مقتولین کی تعداد کسی طرح تین لاکھ پچھتر ہزار سے کم نہ تھی۔ حالانکہ اس کے ایک تہائی بھی جنگ میں شریک نہ تھے۔ اور زیادہ تعداد تو صحیح و سالم بچ کر نکل گئی تھی۔ راہبوں نے اس نصرت کے متعلق ایسے بڑھ چڑھ کے افسانے لکھے کہ خدا کی پناہ زیادہ تر معلومات بھی ہم کو انہیں کے توسط سے ملتی ہے۔ اور اس میں اس قدر مبالغہ آمیزی ہے کہ بیان سے باہر۔ ان کے خیال میں تمام سینٹ اور عیسیٰ مسیح خود ان کی اعانت کو میدانِ جنگ میں اتر آئے تھے۔ عیسائیوں نے اس بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیا کہ رہتی دنیا تک ان کا نام اور اس کارنامہ کا ذکر سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا۔ چارلس مارٹل کو تو انہوں نے وسیع و زبردست مقدس ہستی بنا دیا۔ اور دیوتا کی حیثیت دے دی۔ اس جنگ کو دنیا کی فیصلہ کن جنگوں میں شمار کر لیا۔ کہ جس نے فرانسیسوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے تسلط سے بچا لیا۔ اس کے برخلاف عرب تاریخ نویس جو ہر واقعہ کو پوری جزئیات سے لکھتے ہیں۔ صرف یہ لکھ کر رہ گئے کہ آدمیوں کی زیادہ تعداد اور مختلف قسم کے قبیلوں کی شمولیت کی وجہ سے نظام رکھنا دشوار ہو گیا۔ خود ان کی فرقہ بندی اور گروہ بندی ان کے

حق میں مضر ثابت ہوئی۔ ان میں زیادہ تر مال کی لالچ میں چلے آئے تھے۔ جب اس کو لٹتے دیکھا تو اپنی جانوں کی پرواہ نہ رہی۔ مسلمانوں کی عزت وحرمت کا خیال نہ رہا۔ اسی کو بچانے پر تل گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی ہاتھ سے گیا اور جانیں بھی گنوائیں۔ رسوائی بھی ہوئی۔

اس شکست کی خبر جب افریقہ پہنچی تو صف ماتم بچھ گئی۔ دل ملول ہو گئے۔ آنکھیں نم۔ ایک آزمودہ کار فوجی افسر عبدالملک بن قطن جو قبیلہ فہر سے تعلق رکھتے تھے امیر اندلس بنا کر بھیجے گئے۔ یہ اپنی عمر کی نوے بہاریں دیکھ چکے تھے۔ مگر ابھی تک خون میں سردی آئی تھی نہ قویٰ میں اضمحلال۔ ان کو یہ بھی سختی سے تاکید کی گئی کہ جس طرح سے ہو جلد سے جلد اس کلنک کے داغ کو مٹایا جائے۔

Marfat.com

باب ۱۳

عبدالملک بن قطن الفہری

عبدالرحمٰن کے اتنے عرصہ تک اندلس سے غائب رہنے کی وجہ سے خود یہاں کے داخلی نظام میں بڑی ابتری پیدا ہو گئی تھی۔ پہلے انھوں نے توجہ اسی طرف دی۔ دفتروں کے حالات کی جانچ پڑتال کی اور وہاں جو بے ہودگیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کا اخراج کیا۔ ان محکموں میں جہاں رشوت ستانی کا بازار گرم تھا اس کی روک تھام کی۔ محاصلین کی وصولیابی میں سختی برتی اور جب خزانے بھرپور ہو گئے اقتصادیات کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو عبدالملک کو اپنے اس چھپے ہوئے جذبہ کے دکھانے کا موقع نصیب ہوا۔ جو بت پرستان اور نصاریٰ کے خلاف لڑنے کا پنہاں تھا۔ پائرنیس سے جو مسلمان بھاگ آئے ان کو جمع کیا بجائے لعنت ملامت سے ان کے مردہ دلوں میں نئی روح پھونکی۔ سرد جذبات میں اپنی گرمیٔ تقریر سے شعلے بھر دیئے وہ لوگ نادم اور پشیمان خود ہو رہے تھے۔ بخوشی عبدالملک کے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی فوج جمع کی گئی اور جب اچھا خاصہ لشکر تیار ہو گیا تو وہ پائرنیس پھلانگنے کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ مگر جس موسم میں چلے تھے وہ سخت غیر موزوں تھا۔ برسات کا زمانہ۔ ندی نالے پانی سے بھرے ہوئے۔ درخت اور گھنے ہو گئے تھے۔ جنگل میں ہر طرف نکیلی خاردار جھاڑیاں اور پودے نظر آتے تھے۔ راستہ چلنا دشوار تھا۔ عیسائی بھی باخبر ہو کر مزاحمت کے لئے نکل آئے۔ کچھ تو دشمنوں سے لڑنا کچھ قدرتی رکاوٹوں کی وجہ سے مہم کچھ کامیاب نہ ہو سکی۔ بڑی مشکل لبقیۃ السیف بچکر قرطبہ پہنچا۔ والیٔ افریقہ عبیداللہ عبدالملک کی اس غیر دانشمندانہ حرکت سے سخت برافروختہ ہوئے اور انہیں اس عہدے سے ہٹا کر عقبہ بن الحجاج السلولی کو نیا امیر مقرر کیا۔

Marfat.com

باب ۱۴

عقبہ بن الحجاج السلولی

عقبہ بفضلِ تعالیٰ بڑی صلاحیتوں کے آدمی تھے۔ طبیعت میں تھوڑا بہت غصّہ تو ضرور تھا۔ مگر ضبط و نظم قائم رکھنے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ سب سے پہلے تو انھوں نے ان تمام افسران کو نکال باہر کیا۔ جو امانت میں خیانت کرنے میں اپنے بے جا اخراجات کا بار غریب رعایا پر ڈالتے تھے۔ رشوت اور ناجائز رقمیں کاٹنے میں پیش پیش تھے۔ سابق امیر نے ان کی خوئے بدکی وجہ سے علیحدہ نہ کیا تھا۔ عقبہ نے ان کی کسی خوبی کی ذرہ برابر بھی پروانہ کی اور جسے بے ایمان اور ظالم پایا الگ کر دیا۔ جو لوگ امن دشمن تھے یا باہمی مناقشت کی بنا پر دنگا فساد کیا کرتے تھے ان کی وہ جوتے کاری کی کہ ساری ہیکڑی بھول گئے۔ جو لوگ خلیفہ کی برائیاں کرتے تھے ان کی سخت گوشمالی کی۔ رعایا کے مال کی حفاظت کے لئے۔ شہر میں امن قائم کرنے کی خاطر انہوں نے سب سے پہلے ایک محکمہ قائم کیا جسے پولیس کہتے تھے۔ اس میں محافظین بھرتی کئے گئے۔ کچھ سوار بھی تھے۔ جو سڑکوں پر گشت لگاتے۔ راستوں کی دیکھ بھال کرتے اور اس وجہ سے کاشف کہلاتے۔ ان کی مثال سوک، کارڈس (cigueuaur) سے دی جا سکتی ہے۔ ان میں پیدل بھی تھے جو شہر کے اندر ناکہ بندی کیا کرتے تھے جب کسی کو چوری ڈاکہ لوٹ مار کرتے دیکھتے جیل میں ٹھونس دیتے۔ وہ تمام عرب سردار جو ایسے شرارت پسندوں کے سرغنہ تھے اور کچھ فوجی طاقت بھی رکھتے تھے۔ ان کے مزاج ٹھکانے لگا دیئے۔ اور ان کے سارے کس بل ڈھیلے کر دیئے۔ اس کے بعد ہر قصبہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں عدالتیں قائم کیں۔ جس میں رعایا کو اختیار دیا کہ بے دھڑک اپنی شکایات پیش کریں۔

منصفوں اور قاضیوں کو یہ ہدایات کیں کہ مقدمات کے فیصلے جلد ہوں اور غریب رعایا کو خواہ

Marfat.com

دوسری بڑی عدالتوں کے دروازے کھٹکھٹانے کے لئے سفر کی تشکیلیں نہ اٹھانا پڑے معاشرے میں مسلم اور غیر مسلم کی ایک حیثیت کر دی۔ سماجی زندگی میں مذہب کی بنا پر امتیازات کو ختم کر دیا۔ ایسے احکامات جاری کئے جن کی رو سے عیسائیوں اور یہودیوں کو اپنے صنم خانوں اور معبد گاہوں میں پوری آزادی کے ساتھ رسوم مذہبی کی ادائگی کی اجازت دی۔ گرجوں کی مرمت یا تعمیر پر جو پابندیاں تھیں اٹھالیں۔ ہر فرقہ اور ہر مذہب کے لوگوں کے لئے علیحدہ علیحدہ اسکول قایم کئے جن میں تعلیم کی مکمل سہولتوں کے ساتھ ساتھ اسٹینڈرڈ بھی اعلیٰ رکھا۔ ان اسکولوں کے اخراجات کا بار انہیں فرقوں کے لوگوں پر ایک معمولی سا ٹیکس لگا کر ڈال دیا۔ اس کے علاوہ اسلامیات اور دینیات کی تعلیم کے لئے بھی مختلف جگہوں پر مدرسے کھولے مسجدیں کثرت سے تعمیر کروائیں اور ہر مسجد سے متعلق ایک چھوٹا موٹا مکتب ضرور قائم کیا کہ جاہل اور الھڑ مسلمان قرآنی تعلیم اور شریعت کے ابتدائی اصول سے ضرور واقفیت حاصل کر لیں۔ مسلمانوں میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ وہ اپنے دوسرے ہمسایوں کے ساتھ بھی مساویانہ سلوک کریں۔ اور کسی شخص کو محض مذہب کے اختلاف کی وجہ سے کمتر ذلیل وخوار نہ سمجھیں۔ حکام کو یہ فرمان بھیجے کہ وہ ذمیوں کے ساتھ اور مشفقانہ رویہ اختیار کریں۔ اور ان کے ساتھ رواداری برتیں۔ خانقاہوں اور گرجوں کے نام جو جائدادیں وقف تھیں ان کو بحال کر دیا اور ان کی آمدنی کلیتاً انہیں کے لئے وقف کر دی مریضوں کی دیکھ بھال کے لئے اچھے اچھے ہسپتال قائم کئے اور ان میں قابل طبیب اور جراح ملازم رکھے۔ مذہبی درسگاہوں اور عبادت خانوں سے متعلق حضرات کو مفت دوائیں دینے کی ہدایت کی اور ان کے علاج پر بھی خاص توجہ رکھنے کے لئے کہا۔ راہبوں اور ننوں کو جو اپنی معبد گاہوں سے باہر نہ نکلتے تھے ان کے علاج معالجے کے لئے وہیں اندر انتظام کیا۔

کسانوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے واجب الادا رقمیں معاف کر دیں اور ضرورتمندوں کو تقاویاں بانٹیں۔ تاجروں پر سے بہت سے ٹیکس معاف کر دیئے۔ اور تجارت کی بہتری کے لئے ان لوگوں کی ہر قسم کی ہمت افزائی کی۔ مزدوروں کے لئے نہ صرف مناسب طبی امداد کا انتظام کیا بلکہ ان کے کام کے اوقات بھی مقرر کئے۔ ان کی مزدوری بھی مقرر کی۔ اور ان کو رہائشی سہولتیں بھی بہم کروائیں۔ محنت کے لحاظ سے اچھی اور طاقتور غذا کے استعمال کی بھی تلقین کی۔ پھر انہوں نے فصل کے حصے مقرر کر دیئے۔

Marfat.com

ایک حصہ زمیندار کا ایک سرکار کا اور ایک کاشتکار کا۔ لگان کی رقم یا فصل کا حصہ مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے لئے یکساں کر دیا۔ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے قوانین وضع کئے۔ ان پر کسی قسم کا مزید تاوان نہیں لگایا۔ البتہ جزیہ کی وصولیابی میں پوری احتیاط برتی۔ قرطبہ کی طرح تمام شہروں میں نگران پولیس مقرر کی جو شہر کے اندر اور باہر دورہ کر کے غیر صالح عناصر کی نہ صرف نگرانی کرتی بلکہ ان کا قلع قمع بھی کرتی۔ یہ لوگ گھوم گھوم کر ظالموں کی بیخ کنی اور مظلومین کی فریاد رسی کرتے۔ ان کو کھلی ہوئی عدالتوں میں لے جاتے اور شکایات رفع ہونے کے انتظامات کرتے۔

رفاہ عام کے کاموں میں بھی عقبہ نے دل کھول کر حصہ لیا۔ سڑکیں تو بنوائی تھیں ہی پل بھی تعمیر کئے۔ مسافر خانے بنوائے۔ تجارت کی منڈیاں قائم کیں۔ لین دین کے اصول وضع کئے۔ غربا و محتاج کی روزی رسانی کے انتظامات کئے۔ مذہب کی تبلیغ کے لئے علماء کے گروہ در گروہ ملازم تھے اور ان کو قریہ قریہ بستی بستی بھیج کر اسلام کی خصوصیات کو مروج کیا۔ لوگوں میں مذہب کا احترام اور اس سے دلچسپی رکھنے کا جذبہ پیدا کیا۔ جو لوگ عوام الناس پر زیادتی کرتے ان پر ہر قسم کی زیادتی روا تھی۔ جو لوگ ٹیکس کی وصولی میں سختی برتتے

ان پر ہر قسم کی سختی جائز تھی۔ شامی اور عربی جو اپنی اونچی ذات کی وجہ سے کسی کو خاطر ہی میں نہ لاتے۔ ان کی گردنیں کٹوادیں۔ ہاتھ پیر تڑوا دیئے۔ ان کی تلواروں کو زنگ آلودہ کر دیا۔

یہ سب اصلاحیں تو خیر اپنی جگہ پر تھیں۔ بربری جن کی عادت ہی جنگ و جدل کی تھی عربی و شامی جو باہمی منافرت اور مناقشت کو اپنی فطرت کا لازمہ سمجھتے تھے ان کی تو خوب ہی درگت عقبہ نے بنوائی جس نے ذرا سا سر بلند کیا اس کا سر قلم کروا دیا۔ جس نے دشمنی کی اسے سولی پر لٹکوا دیا۔ عقبہ کا یہ طریقہ دیکھ کر عبیداللہ نے جو خود بربریوں پر قابو نہ رکھ پا رہا تھا۔ عقبہ کو بلوایا۔ وہ ایک جنگجو دستہ لے کر افریقہ پہنچے اور وہاں وہ کشت کاری کی کہ ان مفسدین کے چہروں کے رنگ بدل گئے۔ والی افریقہ نے کچھ دنوں کے لئے ان کو اپنے ہی پاس رکھ لیا کہ بدنظمی کو دور کر دیں۔ موقع بے موقع مشورہ دیتے رہیں۔ وہ جو اندلس سے غائب رہے تو ساری بدنظمیاں اور خرابیاں پھر عود کر آئیں۔ وہ ساری اصلاحیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ وہی زیادتیاں۔ وہی کینہ پروریاں۔ وہی رشوت ستانیاں پھر جاری و ساری ہو گئیں۔

چارلس مارٹل جو پورے جنوبی فرانس پر قابض تھے وہ نارواانظالم وہاں کی رعایا پر برقرار کئے ہوئے تھے۔ کہ وہ لوگ بار بار مسلمانوں کا دور یاد کرتے ان کی نیکیوں اور مجتنانہ سلوک کا تذکرہ کرتے

اور خدا سے بھی دعا کرتے کہ کسی طرح اس بدباطن شخص سے رہائی دلائے اور مسلمانوں کو پھر وہاں مسلط کر دے۔ عقبہ ایک فوج لے کر حدود فرانس کی طرف بڑھے ہی تھے کہ افریقہ میں حالات کی خرابی پیدا ہو جانے کی وجہ سے پلٹ پڑے اور پھر وہاں کے انتظامات پر مامور ہو گئے۔ اسی دوران میں چارلس مارٹل نے ایک اور ستم یہ توڑا کہ موروں شی الیس MORONSIES ڈیوک آف مارسیلز MARSEILLES کی ریاست میں چڑھ گیا اور ایک تہلکہ مچا دیا۔ اسی درمیان میں جرمنی قوم سیکسن SAXON نے بھی غدر مچا دیا۔ اس لئے مجبور ہو کر ڈیوک چارلس کے سامنے جھک گئے اور ان کے مظالم کا بدلہ نہ لے سکے۔ چارلس کی واپسی کے بعد ان کو پھر یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں وہ پھر واپس نہ آجائیں تو انہوں نے حفاظت کے انتظامات کرنے شروع کئے۔ سرحدی علاقے کے مسلمان گورنر یوسف بن عبدالرحمٰن فہری سے مدد کے خواستگار ہوئے۔ اور ایک تحریری معاہدہ کی رو سے موروں شی الیس نے مسلمانوں کا باجگزار بننا منظور کر لیا۔ اور اپنی ریاست کے کئی اچھے شہر اور ان کی کل آمدنی بھی مسلمانوں کو پیش کر دی۔ یوسف نے اس کے بدلے میں اپنی فوج کے دستے ہر ناکہ پر مقرر کر دیئے کہ کوئی حملہ آور فوج بغیر ان سے جھڑپ کئے گزر نہ سکے۔ عقبہ نے بھی یہ ارادہ کیا کہ ڈیوک آف مارسیلز کی دوستی سے پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ مگر برا ہو افریقہ کے وحشی نژاد بربریوں کا کہ ان کے ارادوں کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا۔

سیکسن کے غدر سے نجات حاصل کر کے چارلس نے پائرنیس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ عربوں کو انہوں نے لیانس LYONS سے نکال باہر کیا۔ پھر بڑھتے بڑھتے وہ اویگنان AUGNON تک آپہونچے۔ اس شہر کی مضبوطی اور اہمیت کا اندازہ ہر دو فریق کو تھا۔ یہ شہر بھی عیسائیوں نے چھین لیا۔ جتنے مسلمان آباد تھے انہیں اذیتیں دے دیکر مار ڈالا۔ اور پھر پورے شہر کو آگ لگا دی۔ پھر آرلیس شہر سے گزرتے اور قبضہ جماتے وہ ناربون پہنچ گئے۔ یہ توسیٹی مینیا کا دارالسلطنت تھا اور ہر لحاظ سے بہت ہی اہم شہر تھا۔ مسلمانوں نے ان کو اپنے ہاتھ سے نہ نکل جانے کے سب جتن کر ڈالے۔ ایک کمکی فوج بھی آئی جسے چارلس کے ایک دستے نے راستے ہی میں روک دیا۔ اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ بچے کھچے لوگ کسی نہ کسی طرح شہر کے اندر گھس گئے۔ محصورین کی اس سے کچھ ہمت بڑھ گئی۔ چارلس زیادہ انتظار کی شدت نہ برداشت کر کے آگے بڑھ لیا۔ گرد و نواح کے تمام مقامات کو خوب لوٹا۔ جگہ جگہ آگ لگائی۔ لوگوں کو قتل کیا۔ قید کیا۔ پروونس اور لینگوڈاک کی تمام عمارتوں کو سخت صدمہ پہنچایا۔ یہی حال وہاں کے باشندگان کا کیا۔ اگڈے AGDE میگولان اور بیشر پرس جیسے مشہور و معروف

شہر قتل و غارتگری کا نشانہ بنے شہر نیمس NIMES جہاں بہت سے قدیمی تبرکات جمع تھے تباہ کر دیئے گئے۔ قلعہ کی فصیل کو ڈھا دیا گیا۔ لوگوں کی تمام جائدادیں اور سامان لوٹ لیا گیا۔ پھر انہیں غلام بنا لیا گیا۔ پرانی رومی تماشا گاہ اپنی مضبوطی کی وجہ سے گرائی تو نہ جا سکی البتہ اس کی دیواریں اپنی تباہی سے آج تک یہ پتہ دیتی ہیں کہ کبھی انہیں نذر آتش کیا گیا تھا۔ اس پورے حملہ میں قزاقانہ پہلو زیادہ تھا۔ فاتحانہ کم۔ خصوصاً مسلمانوں کو تو اس سے بہت ہی کم نقصان پہنچا اور مقامی باشندے تباہی اور ظلم کا شکار ہوئے۔ الیان کلیسا کی بے حرمتی کی گئی وہاں کی کنواری ننوں پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ ان کے مقدس چیزیں لوٹی گئیں۔ اور یہ ساری لوٹ مار کر کے چارلس اپنی فوج کو کامرانی کے ترانے گاتے ہوئے واپس لے گئے۔

ان کے واپس جانے کے بعد ڈیوک آف مارسیلز چونکے اور امیر آرلیس کی مدد سے ایوگنان AVIGNON اور اس سے ملحق شہروں پر اپنا قبضہ جما لیا۔ مگر اس کی خبر ملتے ہی چارلس دوسرے سال پھر پلٹے اس بار ان کے ساتھ لیوٹ برانڈ LUTEBRAND شاہ لومبارڈس کی بھی فوجیں تھیں۔ جو علاقہ ڈیوک نے چھین لیا تھا واپس لے لیا آرلیس پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔

مسلمان ان پوری مہمات میں ایک نظریں کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے دونوں فریق میں سے نہ کسی کا ساتھ دیا نہ ہوئے۔ ادھر خود اندلس میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔ اس لئے معاملہ ذرا دوسرے رنگ کا ہو گیا افریقہ میں بربریوں پر جو مظالم والی افریقہ کی طرف سے ہوئے تھے اس کے احتجاج میں یہ لوگ شمشیر بکف ہو گئے۔ اور جب امیر المومنین کی طرف سے ستر ہزار کا ایک لشکر بلج بن بشر کی ماتحتی میں بھیجا گیا۔ تو اسے شکست بھی دیدی۔ اس چیز پر نازاں ہو کر اندلس کے بربری بھی بغاوت پر آمادہ ہو گئے خصوصاً جبکہ امیر افریقہ وہاں کی بغاوت کو دبانے گئے ہوئے تھے۔ عقبہ اندلس پہنچے تو معاملہ دگرگوں تھا۔ وہ خود بیمار تھے۔ عبدالملک بن قطن جو اس وقت سرحد کے گورنر تھے اور ثابت امیر تھے۔ ان کو امیر مقرر کر کے عقبہ نے کارکسون کے مقام پر بوجہ علالت رحلت فرمائی۔

لہ ایک جنگجو قوم جو محض لمبی ڈاڑھیاں رکھنے کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہوئی ان کی تعداد کچھ ایسی زیادہ نہ تھی مگر جرمنی میں اپنی بہادری کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے تھے۔ جب کبھی جوش میں آتے تو سارے یورپ میں ہلچل مچا دیتے اور اکثر دریائے ڈینوب تک دھاوا مارتے، لوٹ مار کرتے۔ مذہب عیسوی قبول کرنے کے بعد چھٹی ساتویں صدی تک ان کا بہت زور رہا۔ پھر انحطاط پذیر ہو گیا۔

Marfat.com

باب ۱۵

عبدالملک بن قطن الفہری

عبدالملک عقبہ سے پہلے بھی والی اندلس رہ چکے تھے مگر فرانس پر بھیجی ہوئی مہم کی ناکامی کی وجہ سے معتوب ہوئے تھے اور پھر معزول کر کے سرحدی علاقوں کی گورنری کے فرائض انجام دے رہے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بخوبی انجام دے رہے تھے۔ اس بار بھی اندلس کی امارت ان کے لیے ایسے وقت میں ہاتھ آئی کہ ہر طرف بغاوت، خانہ جنگی اور سول وار کے آثار تھے۔ ارغون (ARAGON.) جلیقہ (GALICIA) اور ایسٹرے میدورا (ESTREMEDORA) کے بربری طاقت وقت سے جنگ کرنے کے لئے بپھر گئے تھے۔ افریقہ سے بھی ان کو کچھ مشورہ پشت لوگوں کی مدد حاصل ہو گئی۔ انہوں نے اپنی فوج کو تین حصوں میں بانٹ کر ایک کو قرطبہ بھیجا۔ دوسرے کو طلیطلہ کو اور تیسرے کو الجزیرہ ان لوگوں کو حکم دیا کہ جہازوں پر قبضہ کرنے پہنچیں اور وہاں عربوں اور شامیوں کا کشت و خون بہانے لگیں۔ اور وہاں سے جبل الطارق تک شامیوں کا ناطقہ بند کر دیں۔

عبدالملک نے عنان امارت ہاتھ میں لیتے ہی پہلے حالات کا پوری طرح جائزہ لیا پھر بربروں کے خلاف طاقت جمع کرنا شروع کی کہ اس باہمی خانہ جنگی سے نجات ملے۔ وہ خود سرغوسہ میں جمع رہے، اور اپنے بیٹے امیہ بن عبدالملک کو طلیطلہ کا گورنر مقرر کر کے ادھر روانہ کیا اور عقبہ کے بیٹے عبدالرحمٰن کو قرطبہ کے معاملات کو سلجھانے کے لئے بھیجا۔ مگر ان دونوں کے چلائے گورنری نہ چل سکی۔ ہر طرف ہتھیاروں کے بجنے کی آوازیں آنے لگیں عبدالملک خود ساٹھ پاٹھے میں تھے مگر عزم و ہمت کے لحاظ سے جوانوں سے بڑھ کر۔ جن جوانوں پر بھروسہ

کرکے طلیطلہ اور قرطبہ کے معاملات ان کے سپرد کئے ان کے بنائے کچھ بھی نہ بن سکی۔ اس رقابت اور مناقشت نے جب بہت زور پکڑا تو عبدالملک کو اپنی پوزیشن کی نزاکت کا احساس ہوا۔ اس شورش پسند عنصر کو دبانے کے لئے انہوں نے بھی مناسب سمجھا کہ باہر سے کچھ مدد منگوائی جائے۔ افریقہ کے شامیوں سے کمک روانہ کرنے کی درخواست کی گئی۔ یہ وقت کچھ ایسا تھا کہ بربری اور شامی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ ایک معاہدہ کی رو سے شامیوں کو اپنی فوجی طاقت کے ساتھ اندلس میں آنے کی اجازت دی گئی۔ مگر یہ طے پایا کہ باغیوں کی سرکوبی کے بعد یہ اپنے دیس واپس چلے جائیں گے۔ شامی جو اس وقت بہت خستہ حال ہو رہے تھے۔ اندلس پہنچتے ہی عبدالملک کی اعانت سے پھلنے پھولنے لگے۔ انہوں نے کئی معرکوں میں امیر کا ساتھ بھی دیا اور بربریوں کو شکستوں پر شکستیں دیں اور ان کا بہت کچھ ساز و سامان چھین کر عبدالملک کے حوالے کر دیا۔ رفتہ رفتہ سول وار ختم ہو گئی۔ خانہ جنگی رک گئی۔ اور فتنہ دب کر رہ گیا۔ امیر کو اب ان شامیوں کو اندلس سے نکالنے کی فکر ہوئی جو ثعلبہ بن سلامتہ کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے تھے۔ جو اطمینان اور مراتب ان شامیوں کو یہاں ملے تھے اس کا تصور بھی وہ افریقہ جیسے ریگستانی علاقہ میں نہیں کر سکتے تھے۔ یوں آسانی سے وہ ٹل جاتے ممکن نہ تھا۔ جب معاہدہ کی شرائط دکھائی گئیں تو اس کو انہوں نے ردی کاغذ کی طرح اٹھا کر پھینک دیا۔ عبدالملک کو بھی غصہ آیا انہوں نے ان لوگوں کو محل سے نکلوا دیا۔ ان لوگوں نے اپنے سردار بلج بن بشیر کو سارا واقعہ لکھ بھیجا۔ وہ فوراً الجزیرہ سے روانہ ہوا۔ بربریوں نے جو دیکھا کہ انہیں لوگوں میں سرکشی شروع ہو گئی ہے۔ تو وہ بھی ہتھیار اٹھا ان کے خلاف جنگ کرنے پر تل گئے۔ اپنی فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک نے طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ دوسری نے قرطبہ کا۔ مگر وہاں آمیہ بن عبدالملک اور عبدالرحمن بن عقبہ نے ان کی دال نہ گلنے دی یہ لوگ بھاگ کر بلج اور ثعلبہ سے مل گئے۔ عبدالرحمن ان کا تعاقب کرتے وہاں پہنچ گئے۔ جہاں یہ چاروں فوجیں ایک جگہ مل چکی تھیں ان کو اس اتحاد کا علم نہ تھا۔ مگر اب چارہ بھی کیا تھا۔ چند ہزار نفوس سے اس لشکر عظیم کا مقابلہ کیا۔ ہزیمت اٹھائی اور باغیوں کا لشکر عبدالملک کے خلاف بڑھا۔ جو خود اپنے بیٹے کی مدد کے لئے طلیطلہ کی طرف جا رہے تھے۔ مرطولہ کے مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہو گیا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ مگر عبدالملک کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ مجبوراً وہ بھی مع سپاہ بھاگ گئے۔ فاتحین پیچھے پیچھے لگے رہے۔ عبدالملک قرطبہ پہنچے۔ بلج نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ قرطبہ والوں

Marfat.com

نے نمک حرامی کی، شہر پناہ کے دروازے کھول دیئے۔ بربری اور شامی دارالامارت میں گھس گئے اور عبدالملک کو کھینچتے ہوئے گھسیٹتے ہوئے سڑک پر لے آئے۔ پھر قرطبہ کے پل کے پاس ایک گھناؤنے کتے اور حرام سور کے درمیان کھڑا کر کے سولی پر لٹکا دیا سر تن سے بعد میں جدا کر دیا۔ محل پر قابض ہو گئے اور اب بلج بزعم خود امیر اندلس بن گئے۔

بلج بن بشیر

بلج نے بہانے کو تو عبدالملک کا خون بہا دیا۔ مگر خود ان کے خون کے پیاسے شامی اور بربری دونوں ہو رہے تھے۔ شامی جواب بھی بہت بڑی تعداد میں ثعلبہ کے ساتھ تھے کسی طرح یہ تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے کہ بلج ان کا حاکم بن جائے۔ جبکہ عبدالملک کو تخت سے اتارنے اور اس کو قتل کرنے میں ان لوگوں کا بھی برابر کا ہاتھ تھا۔ اور بربر تو ہمیشہ سے ان عربوں اور شامیوں سے نالاں تھے۔ بلکہ ان کے جانی دشمن تھے۔ کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر ان سے وقتی طور پر مل گئے تھے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ وہ اتحاد مستقل اور دیرپا تھا۔ پھر ابھی عبدالملک کے بیٹے زندہ تھے جو اپنے باپ کا انتقام لینے پر سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار تھے۔ بربری بھی اس کے ساتھ ہو گئے۔

ادھر ثعلبہ اور بلج میں اختلافات بڑھتے ہی جاتے تھے۔ جب کسی مصالحت کی صورت نظر نہ آئی۔ تو ثعلبہ اپنے حامیوں کے ساتھ قرطبہ چھوڑ کر چل دیا۔ بلج کے پاس ایک مختصر سی فوج رہ گئی۔ جس میں گنتی کے بارہ ہزار آدمی بھی نہ تھے۔ امیہ بن عبدالملک۔ عبدالرحمٰن بن عقبہ اور اس کے حمایتی بربری مل جل کر قرطبہ کی طرف بیس ہزار سپاہ کے ساتھ چلے۔ بلج جو نزاکت وقت پر ابھی تک قابو نہ حاصل کر پایا تھا۔ ہراساں ہو گیا۔ خود اس کے پاس فوج بہت کم تھی ثعلبہ سے کوئی امید نہ تھی۔ بربری پہلے ہی اس سے ناطہ توڑ کر حریفوں سے جا ملے تھے۔ جیسے تیسے وہ قرطبہ سے فوج لے کر نکلا اور قلعہ رہبہ کے پاس ان متحدہ فوجوں کا مقابلہ کیا۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ لاشوں کے انبار لگ گئے۔ لڑائی تھی کہ ابھی تک بے نتیجہ چلی جا رہی تھی۔ جب اس نے طول کھینچا تو بلج نے

Marfat.com

عبدالرحمن کو للکارا کہ خواہ مخواہ مسلمانوں کا خون بہانے سے کیا فائدہ آؤ ہم تم نپٹ لیں۔ جو جیت جائے فتح اسی کی ہے۔ دونوں شمشیر براں لے کر ایک دوسرے پر لپکے۔ اور پینترے بدل بدل کر وہ وہ وار کئے کہ دیکھنے والے عش عش کر اٹھے۔ لڑتے لڑتے جب تھک گئے تو تلواریں پھینک دیں۔ اور نیزے لے کر میدان میں اتر آئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عبدالرحمن جو نیزہ لے کر جھٹے تو اس کی انی بلج کے سینہ کے پار تھی۔ وہ ہائے کر کے گھوڑے سے گرا۔ عبدالرحمن نے اس کا سر دھڑ سے جدا کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے جو رنگ دیکھا تو ایسے بھاگے کہ رسید تک بھی نہ دی۔ بھگوڑے ثعلبہ اور ایک دوسرے شامی سردار ابن حبیب سے جا ملے۔ فتح کا سہرا عبدالرحمن کے سر بندھا۔ مگر اختلافات یہاں بھی عود کر آئے۔ ایک طرف تو امیہ اپنا حق اندلس پر سمجھتے تھے کہ وہ سابق امیر کے بیٹے تھے اور انہیں کی کوششوں سے اتنی ساری فوج جمع ہوئی تھی جس نے بلج کو شکست دی۔
عبدالرحمن کہتے تھے کہ بلج کو انہوں نے قتل کر کے جنگ کو فیصلہ کن بنا دیا۔ اس لئے حق امارت ان کے لئے محفوظ ہونا چاہیئے۔ اور پھر وہ بھی نہ صرف سابق امیر کے بیٹے تھے بلکہ امیہ کے والد کے حاکم کے بیٹے تھے۔ ان دونوں کے علاوہ ان کا زبردست حریف ثعلبہ ابھی تک میدان میں موجود تھا اور روز بروز طاقتور ہوتا جاتا تھا۔ مناسب یہی معلوم ہوا کہ گھریلو جھگڑوں کو بالائے طاق رکھ کر پہلے اس فتنے سے نپٹ لیا جائے۔ ثعلبہ نے اپنی فوجوں کے دو حصے کئے۔ ایک کو مریدا کی طرف روانہ کیا۔ دوسرے کو قرطبہ۔ یہ دونوں فوجیں چیدہ چیدہ سپاہیوں پر مشتمل تھیں اور انہوں نے وہ زورِ شمشیر اور قوت بازو کا مظاہرہ کیا کہ دشمن کو ڈھونڈے پناہ بھی نہ ملی۔ اور بلا شرکتِ غیرے اندلس کے مالک تھے۔ انہوں نے اپنی امارت کا اعلان بھی کر دیا۔ اور دمشق سے اس کی اجازت بھی منگوالی۔

Marfat.com

ثعلبہ بن سلامۃ العاملی

ثعلبہ اموی بھی تھے۔ شامی بھی۔ ان کے حلیف بھی قبیلہ بربر سے تعلق رکھنے والے تھے۔ اور یہ دونوں گروہ اپنی پچھلی دشمنی اور کینہ پروری کی وجہ سے حجازیوں اور عربوں کے جانی دشمن تھے۔ حالانکہ ان میں سے زیادہ تر وہ لوگ تھے۔ جو صحابہ رسول کی اولادیں سے تھے۔ جنہوں نے کتنی ہی بار زیارت حرمین شریف کی تھی۔ جنہوں نے بار بار مسجد نبوی میں نمازیں ادا کی تھیں اور جنہوں نے متعدد مرتبہ اپنی آنکھوں کو روضۂ نبی کے دیدار سے مشرف کیا تھا۔ ان میں صلحا بھی تھے شرفا بھی۔ مگر شامیوں کے نزدیک یہی سب سے زیادہ قابل مذمت لائق نفرت بات تھی محض اپنی ذاتی دشمنی کی وجہ سے انہوں نے اتنے آدمیوں کا خون بہایا کہ ملک کانپ اٹھا۔ یہ خون معصوموں کا تھا بے گناہوں کا تھا جو رنگ لاکر رہا۔ خون بہانے سے بھی جب تسکین نہ ہوتی تو ثعلبہ نے ان کی عورتوں اور خواتین کی برسرِ عام بے حرمتی کی۔ ان کو کتوں بلیوں کی طرح بازار میں فروخت کروا دیا۔ مخالفین کو چن چن کر نیلام کروایا۔ اور لطف یہ کہ ان کی بے عزتی کا یہ طریقہ نکالا کہ جو سب سے کم قیمت لگاتا اسی کے ہاتھ نیلام کی بولی چھوٹتی۔ بلکہ بعض اوقات تو جانوروں سے بھی کم قیمت پر ان کو دوسروں کی غلامی میں دیدیا گیا۔ یہ بعزتی بھی اپنا انتقام لے کر رہی۔ شرفاء اندلس کا ایک وفد افریقہ پہنچا۔ حالات سے آگاہی دی اور اس ظلم کا سد باب چاہا۔ بہ یک جنبش قلم ثعلبہ موقوف ہوئے اور ان کی جگہ پروانہ امارت ابوالخطار حسام ابن ضرار الکلبی کو عنایت ہوا۔ وہ جس وقت اندلس پہنچے تو شورہ پشت ثعلبہ اور اس کے رفیق ابن حبیب کی بھی کچھ نہ بن سکی۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب یہ لوگ ہزارہا بربریوں کو ایک قطار میں کھڑا کر کے قتل کرنے جا رہے تھے۔ ان سب کو رہائی دلوائی گئی۔ ثعلبہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس کو قید کی تکلیفوں سے دوچار کرنے کے بعد بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پہنا کر افریقہ خانماں برباد چھڑوا دیا گیا۔ اور یوں اس ظالم کے ہاتھوں سے اندلسیوں کو نجات ملی۔

Marfat.com

ابوالخطار بن ضرار الکلبی

ابوالخطار اندلس کیا آئے لوگوں کو محسوس ہوا خدا کی عنایتیں اور بخششیں آگئیں۔ سب سے پہلے تو انہوں نے یہ اعلان کرا دیا کہ اب جس کی لاٹھی اس کی بھینس اس سے کام نہ چلے گا۔ آئندہ اب کوئی زبردست زیردست پر ہاتھ نہ اٹھا سکے گا۔ جتنے سرکش اور مفاد پرست تھے۔ ان کی وہ مرمت کی کہ ساری شرارت بھول گئے۔ باغیوں کو اندلس ہی سے نکال باہر کیا۔ جو لوگ شرارت سے باز آ گئے انہیں معاف کر دیا۔ جو ظالم رہے ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ سر قلم کروا دیا۔ لوگوں کو آباد ہونے پر پوری مدد دی۔ جن کو زیادہ غریب پایا ان کے جیب خاص سے مصارف ادا کئے۔ جن میں خود کچھ استطاعت تھی انہیں بیت المال سے جزوی امداد دی۔ البتہ آباد کاری میں اس کا لحاظ رکھا کہ جس طبیعت اور جس قبیلے کے لوگ ہوں وہیں بسائے جائیں۔ جہاں اس قبیلے کے لوگ پہلے سے رہ رہے ہوں۔ اس طرح سے انہوں نے رنجشوں اور باہمی رنجشوں اور باہمی تفرقوں سے نجات پائی۔ ہر قبیلے کے لئے ایک علاقہ مخصوص ہو گیا اہلیان مصر کو زیادہ تر بیجہ کے اطراف و جوانب میں رکھا حجازیوں کو تدمیر میں حمص والوں کو نبلہ میں۔ اہل فلسطین کو میڈونہ اور جیراس میں۔ دمشق والوں کو البیرہ میں۔ اس طرح سے تقسیم اضلاع کر کے ایک بہت بڑے آئے دن کے جھگڑے سے نجات پائی۔

ابوالخطار جانتے تھے کہ روز روز کے جھگڑے بعض گورنروں کی نااہلیت بعض کے جانبدارانہ رویہ کی وجہ سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایک کانفرنس منعقد کر کے انہوں نے تمام گورنروں کو قرطبہ طلب کیا۔ خود ان کے خلاف تمام تحقیقات کی۔ جو لوگ مجرم اور غیر قانونی حرکات کے مرتکب نکلے۔ انہیں سزائیں دیں۔ باقیوں کو صحیح معنوں میں حکومت کرنے کی تلقین کی۔ مگر یہ کانفرنس خود امیر کے حق میں مناسب ثابت نہ ہوئی جن لوگوں کو سزائیں ملیں یا معزول کئے گئے۔ وہ سب کے سب ان کے خلاف ہو گئے۔ انہیں میں سے ایک شخص صمیل بن حاتم تھا۔ جو ہر چند امیر کے قبیلہ کلب سے ہی تعلق اور جس کا شجرہ شمر ذی الجوشن سے ملتا ہے کہ جو قاتلان امام حسین میں سے تھا۔ اس نے سرقسطہ کی گورنری پر اپنا حق جتایا۔ مگر یہ حق ناحق کر دیا گیا۔ اس نے بہت سے مفاد پرستوں اور فتنہ پرست لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ بنی جذام۔ بنی لخم۔ بنی خثعم کے تمام افراد کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ جو معزول گورنر تھے وہ بھی اس کے ساتھ آ ملے۔ ایک اور سردار ثوابہ یا ثوابت بن سلامۃ الجذا

Marfat.com

بھی اس کا شریک کار ہوگیا۔

ادھر خود امیر ابوالخطار سے کچھ ایسی فروگذاشتیں ہوئیں کہ لوگوں کو ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا بہانہ مل گیا۔ ابوالخطار اپنے ہمدردوں اور رفیقوں خصوصاً عزیزوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور جا و بے جا ان کی حمایت اور خدمت کرتے۔ ان کے غلط سلط مطالبات کو بھی رد نہ کرتے تھے۔ کسی مقدمے میں ان کے ایک عزیز پھنسے ہوئے تھے۔ عدالت نے ان کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ ابوالخطار نے فیصلہ پلٹوا کر ان کے حق میں کروا دیا۔ لوگ بھڑک اٹھے۔ پہلے تو منصف کی خوب لے دے کی۔ پھر تلواریں سونت کر امیر کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ خون ریزی کا بازار گرم ہوگیا۔

اور اندلس میں ایسا بازار گرم ہوتے دیر بھی کیا لگتی ہے۔ مسلمانوں کا گرم خون جلد کھول اٹھتا ہے۔ اور جب اس خون کو تاؤ دینے والے صمیل اور ثوابہ جیسے شریر انسان ہوں تو ابال آتے کیا دیر لگے گی۔ یہ لوگ اپنے بدمعاش اور آوارہ ساتھیوں کے ساتھ شہروں کو اجاڑنے بستیوں کو لوٹنے پر تل گئے۔ یہ جہاں جہاں بھی پہنچے اپنے ساتھ آندھی طوفان یلغار۔ آگ خون۔ موت لے جاتے۔ ان کی روک تھام لازمی تھی۔ ابوالخطار اس وقت بیجہ میں تھے۔ ان کے ساتھ بہت کم سپاہ تھی کچھ سو جاں نثار تھے۔ جو نہ ہونے کے برابر کہلاتے ہیں پھر بھی وہ اب صمیل یا ثوابت کی لگام کو ڈھیلی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ انھیں ساتھیوں کے ساتھ بڑھے۔ مگر صمیل جسے ان کے روانہ ہونے کی خبر مل چکی تھی۔ اور وہ مستقل چوکنا تھا۔ ایک تنگ درہ میں ان کی فوج کو گھیر لیا۔ سپاہی جان سے گئے۔ ابوالخطار قرطبہ کے ایک قلعہ میں قید کر دیئے گئے۔ ثوابت اپنی طاقت کے بل بوتے پر امیر اندلس بن بیٹھا۔

Marfat.com

ثوابت بن سلامتہ الجذامی

اندلس میں اس وقت ہر طرف انتشار اور بے اطمینانی کا دور تھا اور اسی انتشار سے فائدہ اٹھا کر ثوابت نے اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا۔ ابھی عبدالرحمٰن بن عقبہ اور امیہ بن عبدالملک زندہ تھے اور مشرقی علاقوں میں نائب کی حیثیت سے حکومت کی خدمت کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے چوری چھپے کچھ آدمی قرطبہ روانہ کئے کہ ذرا حالات کا عینی مشاہدہ کریں انہوں نے واپس جا کر اس انتشار اور اضطراب کی تصویر کھینچ کر رکھ دی۔ ابن قطعن ابو الخطار کو چھڑانے کی غرض سے بھیس بدل کر قرطبہ پہنچا اور اپنے دوست عبدالرحمٰن بن حسن سے اس معاملہ میں مدد چاہی۔ عبدالرحمٰن قرطبہ کے معزز لوگوں میں سے تھے۔ فوجیوں پر بھی اثر تھا خود بہادر جرنل تھے ایک رات جب اتفاق سے بادل کی وجہ سے ہر چہار طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ابن قطعن تیس منتخب سپاہیوں کے ساتھ اس برج پر حملہ آور ہوا جہاں وہ قید تھا۔ پہرہ داروں کو قتل کر کے ابو الخطار کو آزاد کرا لیا۔ اور دوسرے دن ان کی آزادی کی خبر بھی مشتہر کر دی۔ لوگ جو ثوابت سے بددل اور نالاں تھے یہ سنتے ہی خوش ہو گئے۔ ابو الخطار کو مبارکباد پیش کرنے لگے اور پروانوں کی طرح منڈلانے لگے۔ ثوابت اور صمیل کے حاکموں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ شہر پر پھر امیر کا قبضہ ہو گیا۔

ثوابہ کو جو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو اس نے فوری کاروائی ضروری سمجھتے ہوئے صمیل کے ساتھ ایک بڑی فوج قرطبہ روانہ کی جس نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ ابن قطعن ایک دن چپکے سے نکل کر طلیطلہ روانہ ہو گیا۔ محاصرہ نے جب طوالت کھینچی تو لوگوں نے خیال کرنا شروع کیا ابو الخطار کسی کھلے میدان میں جنگ کرنے سے گریز کرنا چاہتے ہیں۔ ان خبروں سے متاثر ہو کر وہ ایک دن کچھ ساتھیوں کو لے کر دشمنوں پر پوری جرأت کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ مگر شام تک جنگ کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہ پہنچی۔ تو دوسرے دن اسی طرح سے لڑائی کا آغاز ہوا۔ بلکہ کئی دن تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ آخر کار ایک دن جب وہ بڑی دلیری اور ہمت سے برسر پیکار تھے۔ کسی موذی کے نیزے کا شکار ہوئے جان سے گئے۔ قرطبہ پھر ثوابہ یا ثوابت کے قبضہ میں آ گیا صمیل بن حاتم پھر ان کے مشیر اور وزیر ہو گئے۔

قرطبہ کے شہریوں نے جس محبت اور مروت کا ثبوت اپنے سابق حاکم کے ساتھ دیا تھا۔ اس

Marfat.com

کا بدلہ تو لینا ہی تھا۔ خوب لوگ چن چن کر قتل کئے گئے بہتوں کے گھر بار لٹے۔ بہتوں کی جائدادیں بکیں۔ بہتوں کی ضبط ہوئیں۔ اور اس کے بعد پھر ایک بار بے چینی اور بے اطمینانی کا دور شروع ہوا۔ ڈاکوؤں۔ لیٹروں۔ چور اچکوں کی بن آئی۔ ذلیل اور بدخو حاکموں کا عروج ہوا۔ رشوت ستانی اور تشدد پسندی کا بازار گرم ہوا۔ عیش و عشرت کا غلبہ ہوا۔ علم و ادب کا چراغ گل۔ مسجدیں ویران۔ درسگاہیں سونی۔ تجارتی منڈیاں اُجڑی اُجڑی۔ عوام کی مٹی پلید۔ رعایا کی حالت زبوں۔ اس کیفیت کو کہاں تک برداشت کیا جاتا۔ اس ظلم و تشدد کو کیوں کر گوارا کیا جا سکتا کچھ صاحب حیثیت اور سمجھدار لوگ ایک جگہ سر جوڑ کر بیٹھے حالات کا جائزہ لیا۔ اور یہ طے کر لیا کہ ان سے نجات حاصل کی جائے اور کسی دوسرے کو امیر مقرر کیا جائے۔ یمنی۔ شامی۔ مصری جذامی۔ لخمی۔ ابھی آپس میں نئی آئی ہوئی دولت کے لئے لڑ ہی رہے تھے کہ شرفا کی مجلس شوریٰ نے یوسف بن عبد الرحمٰن انصاری کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ ثواب معزول ہوئے اور پھر گمنامی کی زندگی میں بقیہ دن گزارے۔

Marfat.com

یوسف بن عبد الرحمٰن الفہری

نئے امیر یوسف کے متعلق لوگ شروع ہی سے اچھی رائے رکھتے تھے انہوں نے پائرنیس (PYRENES) میں بڑی اچھی خدمات انجام دی تھیں۔ سرحدی علاقوں کی بڑی تن دہی کے ساتھ حفاظت کی تھی۔ فرانس کی اکثر مہموں میں یہ شریک رہے تھے۔ اور ڈیوک آف مارسیلز نے جو مسلمانوں سے معاہدہ کیا تھا وہ یوسف ہی سے ہوا تھا۔ وہ خود کسی گروپ کے آدمی نہ تھے۔ بلکہ ہر امیر کی ماتحتی میں خلوص نیتی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہتے تھے۔ ان کو نہ پایۂ تخت میں ہونے والی سازشوں سے سروکار تھا نہ آئے دن کی تبدیلیوں سے۔ اپنے کام سے کام۔ اپنے فرائض سے دلچسپی یہ خود بڑے حوصلے اور جری سپہ سالاروں میں سے تھے۔ نوجیوں کے علاوہ امراء کو بھی ان پر اعتبار تھا اور وہ ان کی خاندانی شرافت۔ نجابت اور وجاہت سے بھی واقف تھے۔ انہیں کے دادا عقبہ بن نافع فہری نے افریقہ فتح کیا تھا۔ اور وہاں کی امارت پر متمکن رہے تھے۔

لوگوں کو اگر یقین تھا تو یہی کہ یوسف ہی اس وقت اندلس کو ابتری اور انتشار سے بچا سکتے ہیں۔ ان کی دیانتداری اور فرض شناسی میں کوئی شبہ ہی نہ کیا جا سکتا۔ چارلس مارٹل کے خونخوارانہ حملے کے وقت ناربون کی حفاظت دل وجان سے انہوں نے ہی کی تھی۔ جب ان کو بہت سا لالچ دے دلاکر چارلس نے اپنی طرف ملانا چاہا تو انہوں نے ایسی مفاہمت کو دھتکار دیا تھا۔ ان کی غیر جانبدارانہ پالیسی کی وجہ سے شامی۔ یمنی۔ مصری اور حجازی سب اپنی اپنی جگہ خاموش ہو گئے۔ اور نئی صبح کا جب صرف چین واطمینان اور مسرت کا دور دورہ ہوا انتظار کرنے لگے۔ بربری بھی ایک کونے میں دبک کر بیٹھ گئے۔ جذامی بھی لخمی بھی۔ ان کے چہرے پر بھی کچھ ایسی تب وتاب اور رونق ٹپکتی تھی کہ لوگ مرعوب ہو جاتے تھے۔ مگر نہیں مرعوب وخوش تھے تو صمیل بن حاتم اور دوسرے سردار احمد بن عمرو۔ یوسف نے سوچا ابھی ان کتوں کو اگر تر لقمہ دے دیا جائے تو مصالحت کی امید ہو سکتی ہے۔

صمیل کو انہوں نے طلیطلہ کا حاکم بنا دیا۔ ان کے بیٹے کو سرقسطہ کا اور احمد بن عمرو کو اشبیلیہ کا۔ یہ سب اہم مقامات تھے۔ اور ان کی گورنری بڑے مرتبے اور منصب کے مترادف سمجھی جاتی تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اس سے مطمئن ہو کر یوسف کی معاونت کرتے اور اس کی دوستی کا دم بھرتے۔

Marfat.com

مگر خود غرض انسان میں شرافت کہاں ۔ ابن عمرو کو جو امیر البحری سے گورنری ملی تو وہ امارت کے خواب دیکھنے لگا۔ سپٹی مینا میں بغاوت ہو گئی جس کی تہ میں ابن عمرو کا ہاتھ تھا۔

ابن عمرو کو بھی اپنی خاندانی بزرگی اور وجاہت پر بڑا ناز تھا۔ آپ کے داد احضرت صعب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابی تھے اور اصحاب بدر میں نہ صرف شمار کئے جاتے تھے۔ بلکہ علمبردار بھی اس غزوہ میں رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے جس طرح یوسف اپنے خاندان کی بڑائی کی وجہ سے امیر بن بیٹھے۔ اسی طرح وہ بھی بن سکتے تھے۔ اور وہ تو اس لحاظ سے اونچا درجہ رکھتے ہیں۔ اس وقت دمشق میں عجیب کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ بنو امیہ کی خلافت دم توڑ رہی تھی۔ اور ان کی جگہ سفاح بنو عباس کی خلافت کے سب سے پہلے علمبردار بغداد میں اپنی حکومت کے ساتھ ساتھ نیا دار الخلافہ بھی بنا رہے تھے۔ ابن عمرو نے یہ مشہور کر دیا کہ سفاح نے ان کو عہدہ امارت پر مامور کیا ہے۔ ایسٹریاس کے باشندے سپٹی مینا کے لوگ ان کے ساتھ شامل ہو گئے ۔ ایک عجیب افراتفری سرحدی علاقوں میں مچ گئی۔ عیسائی تاجداروں کی سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ وہ خراج ابن عمرو کو دیں یا ابن عبد الرحمٰن کو۔ یہ دونوں ان سے خراج وصول کر لیتے۔ کبھی ان کے مویشی ہنکا لیجاتے کبھی ان کے کھیتوں کو ویران کر دیتے۔ کبھی ان کا مال اسباب لوٹ لیتے لوگ چیختے۔ چلاتے۔ شور مچاتے۔ واویلا کرتے۔ مگر کون سنتا ہے فغان درویش۔ رہزن اور لیٹرے تو بڑی تعداد میں پیدا ہو گئے۔ ایسی بدنظمی تو کبھی دیکھنے میں نہ آئی۔ ایسی رہزنی تو کبھی نہ پھیلی۔ لوگوں کے سینے تھے کہ چھلنی ہوئے جا رہے تھے۔ مگر ان پر کوئی ہاتھ دھرنے والا نہ تھا۔ زخم تھے کہ ناسور بنے جا رہے تھے۔ اور ان پر کوئی مرہم رکھنے والا نہ تھا۔ آنسو تھے کہ تھمتے ہی نہ تھے اور ایسا کوئی دامن نہ پھیلتا کہ انہیں جذب کر لیتا۔

مگر امیر یوسف ان حالات کو زیادہ عرصہ قائم نہیں رہنے دے سکتے تھے وہ چارہ سازی اور التفات نوازی پر دل وجان سے آمادہ ہو گئے ۔ سب سے پہلے انہوں نے ملک کے اہم مقامات کا دورہ کیا۔ رعایا کی زبوں حالی کو دیکھ کر ان کا دل تڑپ اٹھا۔ تمام محکموں کو یہ ہدایات بھیجیں کہ جلد از جلد ان کی دلجوئی اور دلجمعی کے سامان بہم کریں ان کی تمام شکایات کو رفع کریں ان کی پریشان حالی کا خاتمہ کریں۔ جن حاکموں کو ذرا سا بھی فرائض سے تغافل برتتے پایا یا ظلم وتشدد کا ہنوا دیکھا ان کو سزائیں دے کر ہٹا یا۔ لائق ۔ کردہ کار ۔ منصف مزاج لوگوں کو ان کی جگہ پر مقرر کیا۔ وہ مسجدیں جو ویران ہو گئی تھیں۔ ان کی رونق پھر سے دوبالا کی۔ جو مدرسے اجڑ گئے تھے۔ ان میں پھر سے درس وتدریس کا انتظام کیا۔ جو معبد گاہیں بنی

Marfat.com

ہو گئی تھیں ان میں ایک بار پھر آب و تاب پیدا کر دی۔ محتاج خانے کھولے گئے۔ یتیم خانے قائم ہوئے غربا اور لاچاروں کی روزی کا انتظام ہوا۔ سرائیں بنیں۔ سڑکیں بنیں۔ مسافر خانے بنے۔ ڈاک کی چوکیاں بنیں۔ تجارت کی منڈیاں کھلیں۔ علم و ادب کا چرچا ہوا۔ صنعت و حرفت کی شہرت مذہب و شریعت کا غلغلہ۔ جگہ بہ جگہ چھوٹے چھوٹے قلعے تعمیر ہوئے۔ اہم مقامات پر فوجی چوکیاں قائم کی گئیں طلیطلہ۔ اشبلیہ۔ مریدا۔ بیجا۔ لزبن۔ سرقسط۔ طرکونہ۔ استورگہ۔ وغیرہ کے علاقوں میں فوجی دستے رکھے گئے کہ وہاں کی دیکھ بھال کریں۔ قومی فلاح و بہبود کے کاموں کے لئے ہر صوبے بلکہ ہر شہر کی آمدنی کا تیسرا حصہ وقف کر دیا۔

ایک بار اس امیر نے پھر مردم شماری کرا کر مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کی صحیح تعداد معلوم کروائی۔ ذمیوں کے حقوق علیحدہ منضبط ہوئے۔ پیشہ وروں کے قوانین الگ بنائے گئے۔ ملک کو پانچ خاص خاص صوبوں میں تقسیم کر کے انتظامات کی تمام سہولتیں تہیا کر دیں۔ یہ صوبے۔ اندلشیا جس میں دارالامارات قرطبہ بھی شامل تھا۔ طلیطلہ۔ مریدا۔ سرغوسہ۔ اور ناربوں۔ دوسرے چار صوبے تھے۔ سرحدی حدود پر اپنے بیٹے۔ عبدالرحمٰن کو مقرر کیا اور صمیل کے بیٹے کو بھی اس کا مشیر کار بنا دیا۔ اس سے فراغت پائی تو ابن عمرو کی طرف توجہ دی۔

ابن عمرو نے ایک خط خلیفہ کی خدمت میں روانہ کیا جس میں اپنی اہلیت۔ عظمت۔ بزرگی اور حقوق کو جتلانے کے بعد یوسف بن عبدالرحمٰن اور صمیل بن حاتم اور ان کے بیٹوں کی برائیوں کا رونا رویا۔ اس خط کا پہنچانے والا ایک شامی تھا۔ اس نے خط کو امیر یوسف کو دیدیا۔ اور خود گرانقدر انعام پر اکتفا کیا۔ اس کے مضمون سے آگاہ ہوتے ہی یوسف اور صمیل دونوں سلگ اٹھے۔

. . . . . اور مل جل کر اس کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ صمیل نے ابن عمرو کو سازش کر کے قرطبہ قید کرنا چاہا۔ مگر وہ اس کی دسترس سے نکل گیا۔ اس کا بدلہ لینے کی غرض سے اس نے اپنے یمنی اور قحطامی ساتھیوں کے ساتھ سرقسط پر حملہ کر دیا۔ جہاں صمیل کا بیٹا حکمران تھا۔ اس کو شکست دے کر سرقط پر خود قابض ہو گیا۔ وہاں حبیب ابن احمد ابن عمرو کو مقرر کر کے خود صمیل اور اس کے بیٹے سے نپٹنے کے لئے آگے بڑھا۔

صمیل نے امیر یوسف کو اس خط سے آگاہ کیا اور جلد از جلد اس کے سد باب پر زور دیا۔ ابن عمرو اس وقت پورے مشرقی اندلس پر قابض تھا اور اس کے زیر نگین نہ صرف ملک کا بڑا حصہ تھا بلکہ جاں نثاروں اور وفاداروں کا ہجوم بھی تھا۔ امیر یوسف کے وزیر بھی تھے اور معتمد بھی

Marfat.com

وہ یوسف کے ساتھ دل سے تو نہ تھے مگر ابن عمرو جوان کی نگاہ میں کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا اس کی بیخ کنی جلد چاہتے تھے۔

اور یہی وہ زمانہ تھا جب شام میں ایک خونیں ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔ جب بنو امیہ چن چن کے قتل کئے جا رہے تھے۔ جب بنو عباس کی تلواریں امویوں کے خون سے اپنی تشنگی بجھا رہی تھیں۔ جب ایک بے خانماں بے سر و سامان اموی شہزادہ شام سے بھاگ کر افریقہ میں پناہ گزیں تھا۔ اور وہاں سے اندلس کی سرزمین میں اپنی قسمت آزمانے کی ترکیبیں کر رہا تھا۔ ادھر امیر یوسف ابن عمرو کو مزہ چکھانے کے لئے قرطبہ سے سرقسطہ روانہ ہوئے۔ ادھر شہزادہ عبدالرحمٰن ساحل پر لنگر انداز ہوا تفصیل آگے موجود ہے۔

Marfat.com

سلاطین بنی امیّہ

Marfat.com

Marfat.com

باب (۱۶)

عبدالرحمن الداخل

شام میں ایک نیا انقلاب رونما ہو رہا تھا۔ کل کا ذکر ہے کہ شہادت عثمانؓ کا سہارا لے کر حضرت نائلہ زوجہ عثمانؓ نے کٹی ہوئی انگلیاں دکھا کر خون سے لتھڑا ہوا حضرت عثمان کے کرتہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے امیر معاویہ خلیفۃ الوقت حضرت علی ابن ابی طالب کے خلاف میدان جنگ میں اتر رہے تھے۔ قصاص خون عثمانؓ ان کا دلی مقصد تھا یا اقتدار حاصل کرنے کا محض ایک ڈھونگ یہ تو خدا بہتر جانتا ہے۔ مگر ان کی سیاسی چالیں ان ڈپلومیسی ان کے خلوص قلب کی ضمانت نہیں دے پاتی۔ وہ حضرت علیؓ کے وقت میں ایک مخصوص علاقے کے آزاد حاکم تسلیم کر لئے گئے تھے۔ جب حضرت امام حسن تخت خلافت پر بیٹھے تو ان کی کمزوری۔ رحمدلی اور نرم مزاجی کا فائدہ اٹھا کر معاویہ ایک بار پھر ان سے نبرد آزما ہوئے اور حضرت امام حسن کی دستبرداری کے بعد خلیفۃ المسلمین بن بیٹھے۔ اور اب شقاوت یزید بن معاویہ اور شہادت حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب اور دیگر معصوموں پہ ناروا مظالم کا آسرا لے کر بنو عباس مقابلے پر آ گئے۔ اپنے ارادوں میں نہ بنی امیہ مخلص تھے نہ بنی عباس۔ یہ سب حکومت اور اقتدار حاصل کرنے کے سہارے تھے۔ یہ صرف عوام کے دل موہ لینے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کر لینے کی چالیں تھیں۔ بنو عباس کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ ان کے حامیان کی تعداد افزوں ہوتی گئی۔ سیاہ لباس۔ سیاہ علم جو ماتمی نشان سمجھا جاتا ہے۔ ان کی تحریک کا بھی خاص نشان بنا۔ ابومسلم خراسانی۔ نصر بن سیار اور شیبان بن سلمانی کی کوششوں سے دعوت عباسیہ مقبول ہوتی گئی۔ ابوالعباس سفاح پہلے خلیفہ بنی عباس کے چچا عبداللہ بن علی نے مروان بن محمد آخری خلیفہ بنو امیہ کو مع ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے حلوان سے آگے بڑھ کر نہر فرات

Marfat.com

کے کنارے شکست دی۔ ۲ جمادی الآخر ۱۳۲ھ کے اس معرکہ میں نہ صرف مروان کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ بلکہ دولت بنی امیہ کا شیرازہ بھی بکھر کر رہ گیا۔

بنی امیہ کا زوال بنی عباس کا عروج تھا۔ اور بنی عباس کا اقتدار بنی امیہ کی موت تھی۔ خاندان اموی کے لوگ چن چن کر قتل کئے جانے لگے۔ شاہی نسل کے افراد ڈھونڈ ڈھونڈ کر لقمۂ اجل بنائے جانے لگے۔ قتل و غارتگری کا ایک سیلاب اُمنڈ آیا۔ کل کے حاکم آج سر چھپانے کی جگہ تلاش کر رہے تھے اور جگہ ان سے خود دور بھاگ رہی تھی۔ موت سے وہ لرزاں ترساں تھے اور موت سایہ کی طرح ان سے چمٹی چلی آ رہی تھی۔ خاندان شاہی کے لوگ یہ بتلانے سے گریز کر رہے تھے کہ ان کی رگوں میں کون سا خون دوڑ رہا ہے اور خون تھا کہ خود نمایاں ہو کر ان کی چغلی کھا رہا تھا۔ کوفے پر عباسی علم لہرایا۔ امیوں کے چراغ یکسر گل ہو گئے۔ ربیع الاول ۱۳۲ھ میں ابوالعباس عبداللہ ابن سفاح کے ہاتھ پر بیعت لی گئی۔ امیوں کی بیعت کیا گلشن کا شیرازہ پراگندہ ہو کر رہ گیا۔ ادھر خلافت بنو عباس کا اعلان ہوا۔ ادھر افراد بنو امیہ کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔

مگر قدرت جن کا ساتھ دے۔ موت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ خدا جس کی حمایت پر آمادہ ہو جائے دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتی۔ کسے خبر تھی کہ تائید ایزدی معاویہ بن ہشام کے باحوصلہ اور باہمت نوجوان بیٹے عبدالرحمٰن کو اپنے دامن عافیت میں پناہ دے گی اور ہر مشکل۔ ہر دشواری۔ ہر مصیبت سے اس کو صحیح سالم بچا لے کر اندلس کی تقدیر کا والی وارث بنا دے گی۔

عباسیوں کی تلوار جب امیوں کے ایک ایک فرد کا خون چاٹ رہی تھی۔ ایسے میں عبدالرحمٰن کا زندہ سلامت رہ جانا تعجب سے خالی نہیں۔ خود بنو عباس کو بھی ان کی زندگی کسی قیمت پر گوارا نہ تھی۔ اور اسی لئے ان کے سر کے واسطے ایک ہزار اشرفی کا انعام مشتہر کیا گیا۔

عبدالرحمٰن خصوصیت سے اس توجہ کا باعث اس لئے بنے کہ وہ دربار امیہ کے خاص الخاص رکن تھے۔ وہ ان تمام خوبیوں کے مالک تھے جو ایک شاہی فرد میں بہ یک وقت ایک جگہ جمع ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ مختلف مقامات پر گھومنے اور سفر کرنے کی وجہ سے اپنے تجربات میں بے پناہ اضافہ کیا تھا۔ دور دور جا کر انہوں نے عالموں، فاضلوں اور بزرگوں کی صحبت سے فیضانِ علم اور تحصیل ادب کیا تھا۔ علمی معلومات اور دینی علوم میں تبحر حاصل کیا تھا عمائدین دولت اور ارکانِ سلطنت کی صحبت میں رہ کر حکومت کے نکات۔ انتظامی معاملات کی پیچیدگیاں۔ ان کی نزاکتوں سے بخوبی واقفیت حاصل کی تھی۔ ملکی سیاست کی باریکیوں پر عبور

حاصل کیا تھا۔ اور یہ تو تھیں محل کے اندر کی باتیں۔ انہوں نے کھلے میدانوں میں سپاہ گری کے فنون بھی سیکھے تھے۔ اعلیٰ شاہسوار تھے۔ بہترین تلوار باز۔ جنگ کی دشواریاں ان کے نزدیک کھیل تھیں۔ ہتھیاروں کا استعمال مذاق۔ اسلحہ جات سے دلچسپی رکھنا ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ مصیبتوں میں گھبرانا وہ نہ جانتے تھے۔ دشواریوں سے پریشان ہونا انہوں نے سیکھا نہ تھا۔ مصائب سے پسپائی ان کے نزدیک بزدلی تھی۔ پریشانیوں سے گھبرانا نکماپن۔ وہ حوصلے والے تھے۔ حوصلہ ہارنا جانتے ہی نہ تھے۔ وہ بلند ہمت کے مالک تھے اور اس ملکیت سے کیوں کر فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ اس سے پوری طرح واقف۔ وہ عزم صمم اور ارادہ مستحکم کے حامل تھے۔ اور اس سے کام لینا جانتے تھے۔ ان کا قد لمبا تھا۔ پیشانی کشادہ اور اس پر عظمت کی علامات نمایاں تھیں۔ رنگ صاف تھا۔ جو ان کی خوبصورتی میں اور بھی اضافہ کرتا تھا۔ آنکھیں بڑی بڑی اور ان میں مسحور کر لینے کی قوت تھی بال سیاہ اور گھونگھر والے تھے۔ سینہ چوڑا چکلا اور گوشت سے بھرا ہوا تھا۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں ہر وقت تڑپتے مچلتے اور حرکت کرنے پر بے چین رہتی تھیں۔ قدرت نے عبدالرحمٰن کے ساتھ خاص فیاضی کا ثبوت دیا تھا۔ ان پر اپنی مخصوص نوازشات کی بارش کی تھی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ دربدر ٹھوکریں کھاتے اور مصیبتیں جھیلتے ہوئے اپنی بلند ہمتی اور عزم صمم کی بنا پر ایک زبردست عظیم الشان سلطنت کے بانی اور حاکم بن گئے۔ ہرچند کہ یہ سلطنت اسی سرزمین پر قائم ہوئی تھی۔ ..س کو ان کے آباؤ اجداد کے جرنلوں نے فتح کیا تھا۔

جب سلطنت اُمیہ کی بنیادیں اکھڑیں اور مروان کے بوصیر میں جو مصر کا ایک گاؤں ہے قتل کے بعد عباسیوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اس وقت عبدالرحمٰن حسن اتفاق سے دمشق سے باہر اپنی جاگیر جو حدود فارس میں دریائے فرات کے کنارے تھی گیا ہوا تھا۔ دمشق میں جب قتل شروع ہوا تو بچے کھچے اموی اور ان کے بعض عزیز بھی وہیں پہنچ گئے۔ عباسیوں کا تعاقب جاری تھا۔ عبدالرحمٰن اور ان کے بھائی کو ان کی جاگیر کے اندر انہیں کے محل میں گھیر لیا۔

یہ ۷۵۰ء مطابق ۱۳۲ھ تھا۔ جب عبدالرحمٰن کی مصیبتوں کا آغاز ہوا سارے گاؤں پر سیاہ پرچم لہرا رہے تھے۔ محل عباسیوں نے گھیرا ہوا تھا۔ بچاؤ کا کوئی راستہ۔ حفاظت کی ..ئی سبیل نہ تھی۔ یہ گھڑی عبدالرحمٰن اور اس کے بھائی یحییٰ پر بڑی نازک تھی۔ مگر عبدالرحمٰن ..ی ہمتوں نے ابھی تک جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ سپاہی محل میں داخل ہوں وہ نکل ..ھاگا۔ اور چھپتا چھپاتا۔ جان بچا لے جانے میں کامیاب ہوا۔ یحییٰ عباسیوں کی شقاوت قلبی

Marfat.com

گامزن ہوا۔ شب کی تاریکی میں سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا۔ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھاتا ہوا بہ حال تباہ عبدالرحمٰن آخر کار اپنی دو بہنوں کے پاس جا پہنچا۔ جہاں اس کا چار سالہ بچہ سلیمان بھی۔ اور کچھ اور افراد بھی آ پہونچے۔ عبدالرحمٰن کا یہاں بھی قیام زیادہ عرصہ تک مصلحت آمیز نہ تھا۔ وہ دوراور ستی حالات کا انتظار کر رہا تھا اور اتنی مدت اور ٹھیرنا چاہتا تھا کہ طویل سفر جس کی منزل کا اسے خود بھی اندازہ نہ تھا اہل ہو سکے مگر خطرہ تھا کہ ہر وقت لاحق تھا۔ اور مصیبت تھی کہ چھٹکارا پانے ہی نہ دیتی تھی۔ ایک دن اس کا بچہ سلیمان گھبرایا گھبرایا۔ منہ بسورتا۔ روتا دھوتا اس کے پاس پہنچا۔ یہ لمحہ بھی کچھ کم پریشان کن نہ تھا۔ عبدالرحمٰن کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی حالت متغیر کیوں ہے۔ مگر جب ننھی انگلی دروازے کی طرف اٹھی تو ہر بات خود بخود سمجھ میں آ گئی۔ سیاہ جھنڈے تعاقب کرتے کرتے وہاں بھی پہنچ گئے۔ موت تھی کہ وہاں بھی سر پر منڈلانے آ گئی تھی۔ کیا وقت تھا۔ کیا نزاکت تھی کیا پریشانی کا عالم تھا۔ عبدالرحمٰن نے اپنی بہنوں کو بس اتنی ہدایت دی کہ وہ جلد از جلد فلاں فلاں مقام پر بشرطیکہ وہ صحیح سلامت وہاں پہنچ گیا۔ اس کے غلام بدر کو روانہ کردیں اور اس کے ساتھ جو کچھ بھی اثاثہ ممکن ہو سکے بچہ کو وہیں چھوڑ وہ اپنے دوسرے تیرہ سالہ بھائی کے ساتھ بہن کے گھر سے بھاگا مگر بھاگ کر جائے تو کہاں جائے۔ سامنے ٹھاٹھیں مارتا ہوتا ہوا دریائے فرات تھا۔ پیچھے عباسیہ کی خون آشام شمشیریں۔ موت ادھر سے بھی نرغہ کئے ہوئے تھی۔ ادھر سے بھی۔ اب چارہ ہی کیا باقی رہ گیا تھا۔ بجز اس کے کہ قتل سے بچنے کے لئے موجوں کا لقمہ بنا جائے۔ یہی گوارا تھا یہی مناسب سوچنے سمجھنے کے لئے نہ موقع تھا نہ غور و فکر کے لئے وقت۔ عبدالرحمٰن اور اس کا بھائی دونوں دریائے فرات میں دہم سے کود پڑے۔ عباسی سوار جو گھوڑے دوڑاتے دوڑاتے کنارے تک پہنچ چکے تھے یوں شکار کو اپنے ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر بے ساختہ چلائے کہ خدا کے واسطے اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ واپس آ جاؤ تمہیں کوئی بھی گزند نہ پہنچایا جائے گا۔ عبدالرحمٰن ان مکارانہ عیارانہ الفاظ کا مطلب خوب جانتا تھا وہ ان کی ان چالوں سے خوب واقف تھا۔ ایک لمحہ کو وہ بیچ دھارے میں رکا۔ اپنے بھائی کی جو اس سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ڈھارس بندھائی اور پیچھے پیچھے تیرانے کے لئے حوصلہ بڑھا دیا۔ مگر اس کا حوصلہ ٹوٹ چکا تھا۔ اس کی ہمتیں جواب دے چکی تھیں۔ تیرہ سال کی عمر۔ عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ نہ ہاتھ پیروں میں اتنا دم کہ تند و تیز موجوں کا مقابلہ کر سکیں۔ نہ اتنی قوت کہ شدید دھاروں کا رُخ موڑ سکیں اس نے سپاہیوں کی بات کا اعتبار کیا۔ ڈوب جانے سے بہتر یہی سمجھا کہ وہ اپنے کو ان سواروں کے

سپرد کر دے۔ شاید وہ اپنی زبان کا پاس کریں اپنے وعدے کی لاج رکھیں اور اس کی جان بچ جائے۔ مگر عبدالرحمٰن جب جان بچا کر دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ تو وہیں سے اپنے بھائی کی گردن پر تلوار کا وار ہوتے دیکھا۔

پھٹے کپڑوں۔ برے حال پا پیادہ وہ فلسطین پہنچا اور یہیں بدر کی آمد کا انتظار کرنے لگا تھوڑے دنوں بعد یہ آزاد کردہ غلام بدر اور اس کے ساتھ اس کی رحمٰن بہن کا بھیجا ہوا روپیہ مال زیورات اور کچھ جواہرات بھی لائے تھے۔ عسرت میں بدل گئی۔ اور یہ قافلہ اب افریقہ میں اپنی قسمت آزمائی کے لئے روانہ ہوا۔

افریقہ کا والی اس وقت قبیلہ فہر کا ایک جوان اور یوسف فہری امیر اندلس کا رشتہ دار عبدالرحمٰن بن حبیب تھا۔ اس نے ابھی تک عباسیوں کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا تھا۔ اور ایک آزاد حکومت کی بنیاد افریقہ میں ڈالنے کے خواب دیکھ رہا تھا جس کا تعلق اگر قائم رہے تو امارت اندلس سے اس کو اموی شہزادے عبدالرحمٰن کی آمد افریقہ میں کچھ بھلی نہ لگی اور عبدالرحمٰن کو یہ اس غلطی کہ ابن حبیب نے ابھی تک خلیفہ عباسیہ کی اطاعت قبول نہیں کی ہے۔ شاید اس کی حمایت اور ہمدردی پر آمادہ ہو جائے۔ مگر کیا ہونے والا تھا۔ اس کا علم صرف خدائے بزرگ و برتر کو تھا۔

کہتے ہیں کہ شہزادہ عبدالرحمٰن کے متعلق ایک پیشنگوئی اس کے چچا مسلم بن عبدالملک نے بچپنے ہی میں کر دی تھی۔ جب وہ دس سال کا تھا کہ اس کے بشرے چہرے اور گردن کی ساخت سے بہت ہی بڑے آدمی بننے کے آثار نمایاں ہیں۔ وہ خلیفہ ہشام کا زمانہ تھا۔ جب قنسرین کے محل رصافہ میں جو مستقل رہائش گاہ تھا۔ معاویہ کے مر جانے کے بعد عبدالرحمٰن کو وہاں بھیجا گیا تھا مسلمہ بن عبدالملک جو اس وقت محل کے دروازے سے نکل کر گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا۔ پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے۔ یہ معلوم ہونے پر کہ مرحوم معاویہ کی اولاد ہے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور بے چارہ یتیم بچہ بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا۔ شہزادے کو گود میں اٹھا لیا اور اس کی پیشانی اور گردن پر بوسہ دیا۔ اسی وقت اس کے علم نے عبدالرحمٰن کے شاندار مستقبل سے اس کو آگاہ کر دیا جب خلیفہ ہشام باہر نکل کر آیا اور بچے کے متعلق معلومات کیں تو مسلمہ ہی نے یہ اطلاع پہنچائی یہ معاویہ بن یزید ثانی کا بیٹا ہے۔ جس کے ماتھے پر جلالت اور عظمت کے آثار نمایاں ہیں جس وقت سلطنت امیہ کا زوال ہو گا۔ ان کی سطوت کا چراغ گل ہو گا۔ اس وقت یہی بچہ بڑا ہو کر خاندان امیہ کی لاج اور آبرو رکھے گا۔ عبدالرحمٰن کو یہ یاد تھا کہ اس کے بعد ... اس کے دادا

Marfat.com

ہشام نے ہمیشہ اس پر نظر التفات رکھی اور اکثر و بیشتر تحفہ و تحائف بھجوائے۔ مگر مسلمہ کی باتوں کا کیا مطلب تھا۔ اس کو سمجھنے میں اس کے شعور نے اس وقت مدد نہ دی۔ اب جبکہ واقعی سلطنت اموی پرخچے پرخچے ہو چکی تھی۔ مسلمہ کی پیشین گوئی کا ایک حصہ پورا ہو چکا تھا۔ دوسرے حصے کی تکمیل میں عبدالرحمٰن خود کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھنا چاہتے تھے

اور اس پیشین گوئی، اس حقیقت کا علم ایک یہودی نجومی کی زبانی عبدالرحمٰن ابن حبیب کو بھی ہو چکا تھا کہ ایک دراز قد گھونگریالے بالوں والا نوجوان عبدالرحمٰن نامی جلد ہی ایک خودمختار سلطنت کا مالک بنے گا۔ اور خود افریقہ کا علاقہ اسی کے زیرنگیں ہوگا۔ ابن حبیب نے اپنے بالوں میں گھونگھر پیدا کر کے نجومی سے کہا کہ وہ علامتیں تو مجھ میں بھی موجود ہیں۔ اور میرا نام بھی عبدالرحمٰن ہے۔ اس سلطنت کا بانی شاید میں ہی تو نہیں ہوں۔ یہودی نے کہا کہ یہ بالوں کا خم مصنوعی ہے۔ تمہارے خون میں شاہی خون شامل نہیں۔ مگر جب شہزادہ عبدالرحمٰن دربار قیروان میں پہنچا تو اس کی دوربین نظریں بھانپ گئیں کہ قدرت اسی شخص پر اکرامات الٰہی کی بارش کرنے والی ہے۔ ابن حبیب بھی یہ تاڑ گیا کہ اس کا رقیب اس کا مقابل اس پر زوال لانے والا آپہنچا ہے۔ اب رقیب کی موت ہی اس کو تباہی سے چھٹکارا دے سکتی ہے۔ دل کی بات زبان تک آگئی اور نجومی کے کانوں میں بھی پہنچ گئی۔

ابھی عبدالرحمٰن نے افریقہ میں اطمینان کا سانس بھی نہ لیا تھا۔ سفر کی تکان بھی دور نہ کی تھی۔ گرد راہ بھی نہ جھاڑ پایا تھا کہ مصیبتوں کا آغاز ہونے لگا۔ پریشانیوں کا تانتا بندھنے لگا۔ اس پیشین گوئی کی بنا پر ابن حبیب نہ صرف عبدالرحمٰن کا دشمن بن گیا بلکہ شاہی خاندان کے جو اور اموی افراد موجود تھے ان کی طرف سے بھی مشکوک ہو گیا۔ ان میں سابق خلیفہ ولید کے دو بیٹے بھی تھے۔ جو سیاست اور ملک گیری کی ہوس سے بے نیاز رنگینیوں اور دلفریبیوں میں زندگی گزار رہے تھے۔ ابن حبیب کے فاسدانہ ارادوں کی بھنک ان کے کان میں پڑی اور انہوں نے سر پر پیر رکھ کر بھاگنے ہی میں بہتر دیکھی۔ مگر ابن حبیب جو ان کی ذرا ذرا سی حرکت پر نظر رکھتا تھا۔ اس فرار سے بھی غافل نہ رہا۔ اور فوراً تعاقب میں سوار دوڑا دیئے جو کہ نہ صرف ان کو گرفتار کر لائے بلکہ موت کی لذت سے بھی آشنا کر دیا۔ عبدالرحمٰن کو بھی جب اپنے میزبان کی طرف سے جان کا اندیشہ ہو گیا تو راہ فرار اختیار کی اور بھیس تبدیل کر لیا۔ پیادے اس کی تلاش میں بھی دوڑائے گئے۔ انعامات بھی مشتہر ہوئے۔ مگر جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے۔ عبدالرحمٰن ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری

Marfat.com

جگہ سے تیسری جگہ جان بچائے بھاگتے ہی رہے۔ ان کے پاؤں میں ورم آگیا ان کا لباس چیتھڑے چیتھڑے ہوگیا۔ ان کے چہرہ بلکہ جسم بھر پر ریت ہی ریت گرد ہی گرد جم گئی تھی۔ کبھی انہوں نے برقہ میں قیام کیا تو کبھی قبیلہ بنی رستم کے یہاں پناہ لی۔ کبھی امیر تاہورت کے یہاں ٹھیر گئے تو کبھی بربری قبیلہ میکینہ کے یہاں قیام کرلیا۔ اس تگ ودو۔ اس بھاگ دوڑ اس سر چھپانے اور سر بچانے میں پانچ سال گزر گئے جس میں انہوں نے نہ چین کا منہ دیکھا۔ نہ اطمینان کا سانس لیا۔ میکینہ سے بھاگے تو سبتہ کے علاقے میں ایک قبیلہ بنو نفوسہ کے یہاں مہمان ہوئے۔ اس قبیلہ سے متعلق ان کی ماں تھی چنانچہ اس طرح سے وہ لوگ اس کے ننہالی رشتہ دار ہوتے تھے ان کو جب خبر ملی کہ اموی شہزادہ۔ ان کا عزیز ان کے یہاں پناہ گزیں ہوا ہے۔ تو ہر خطرے کو مول لے کر، ہر مصیبت کا مقابلہ کرکے انہوں نے خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ یہ پہلی جگہ تھی۔ جہاں شہزادے نے یہ سوچا کہ وہ واقعی کسی امن کی جگہ آگیا ہے۔ انہوں میں آٹھیرا ہے بنو نفوسہ قبیلہ بنو زناتہ کی ایک شاخ تھی۔ یہ لوگ بہت جنگجو۔ خونخوار۔ دلیر اور جری تھے۔ انہوں نے عبدالرحمٰن کی حفاظت کی پوری ذمہ داری اپنے سر لی۔ سبتہ ہی وہ علاقہ ہے۔ جہاں کبھی جولین کی عملداری تھی۔ جہاں سے کبھی مسلمانوں کی فوجیں جولین کے جہازوں پر سوار ہوکر اندلس میں بڑے کارناموں اور معرکوں کا باعث ہوئی تھیں۔ یہیں پر عبدالرحمٰن نے بھی افریقہ کی طرف سے بالکل مایوس ہوکر آبنائے کے اس طرف نگاہ دوڑائی اور اپنی قسمت آزمائی کا مرکز اسے ٹھیرایا۔ اطمینان نصیب ہوا تو امیدوں نے آس بندھائی۔ حوصلوں نے ہمت بڑھائی اور اب ایک بے یار و مددگار بے گھر و بار۔ بے سر و سامان انسان پھر ایک نئی مملکت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ اور یہ خواب جلد ہی شرمندہ تعبیر بھی ہوگیا۔

اندلس کے اندرونی حالات

اندلس اس وقت خانہ جنگیوں۔ اندرونی انتشار داخلی خلفشار اور باہمی کشمکش میں پھنسا ہوا تھا۔ تخت امارت پر یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری جلوہ گر تھا صمیل بن حاتم اس کا وزیر بھی تھا مشورہ کار بھی اور دست راست بھی قرطبہ اب بھی حکومت کا مرکز تھا۔ دارالسلطنت تھا مگر دور دراز کے علاقوں میں حاکم اپنی من مانی کر رہے تھے۔ خود مختاری کا اعلان کئے ہوئے تھے۔ اور فہر خاندان کے اس فرد کو جس کا نسل شاہی سے تعلق نہ تھا بلا شرکت غیرے اپنا بادشاہ ماننے کے لئے قطعاً تیار نہ تھے۔ سرقسطہ جو صوبہ ارغون ARAGON کا مرکزی مقام تھا بنو احمر کے قبضہ میں تھا۔ قرطبہ سے دور سمجھتے ہوئے

Marfat.com

اور راستہ دشوار گزار جانتے ہوئے وہ اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر چکے تھے۔ امیر یوسف ایک لشکر عظیم لے کر اس کے حاکم ابوعمرو کی سرکوبی کو روانہ ہونے والے ہی تھے کہ حالات نے ذرا سا پلٹا کھایا عبدالرحمٰن کو بہت کچھ امیدیں اسپین سے بندھیں۔ یہی وہ علاقہ تھا جس کو ان کے آبا و اجداد کی ایما پر فتح کیا گیا تھا۔ اموی خلیفاؤں کے نامزد کردہ امیر عرصہ تک حکومت کرتے رہے تھے۔ جہاں بنی امیہ کے بہت سے نمک خوار اطاعت شعار سپاس گزار اب بھی بسے ہوئے تھے شہزادے کی مصیبتوں میں اگر کسی نے پوری وفاداری سے ساتھ دیا تھا تو وہ اس کا غلام بدر تھا۔ سلیم بھی گھبرا کر ایک دن اس کی بہن کے پاس روانہ ہو چکا تھا۔ حالات ذہن نشین کرا کر عبدالرحمٰن نے اپنے ایک خط کے ساتھ بدر کو جزیرۃ الخضرا پر اترنے کے لئے آمادہ کیا۔ اور وہاں اموی امراء سے ساز باز اور ان کا ایما، حاصل کرنے کی تلقین کی۔ یہ لوگ زیادہ تر جین JAEN اور البیرا ELUIRA کے علاقوں میں آباد تھے۔ بدر کو بھی وہیں جانے کی ہدایت تھی اور وہ وہیں پہنچا۔ خط کو دمشق کے دو سربرآوردہ سرداروں کے جو وہاں بھی بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ حوالے کیا۔ (عبیداللہ اور ابن خالد) انہوں نے جب خط پڑھا تو ان کے ذہن میں نئی نئی تدبیریں چکر لگانے لگیں۔ امیر یوسف سے تو یہ لوگ بد دل تھے ہی اب ان پر نئی امیدوں کے دروازے کھل گئے۔ اس خط کے ساتھ وہ لوگ یوسف ابن بوخت سے ملے جس کا اثر قنسرین کے امیوں پر تھا۔ پھر انہوں نے اور قبیلے والوں سے مل کر بھی اپنی ہی نسل اپنے ہی خلیفہ کے پوتے کے ارادوں کا اظہار کیا۔ اور ان کی رائے طلب کی۔ رائے اور مشورہ کے بعد یہی طے ہوا کہ عبدالرحمٰن کی ہر خدمت ان کا فرض اور اس کو ہر مدد بہم کرنا ان کا اولین مقصد ہے۔ اس وقت اس درماندہ مسافر سے بے اعتنائی برتنا اپنے آقاؤں سے غداری کرنا ہے۔ وہ متحد ہو کر دل و جان سے عبدالرحمٰن کی امداد پر آمادہ ہو گئے۔ مگر سیاست کا تقاضہ تھا کہ زائد سے زائد مددگار اور حمایتی حاصل کئے جائیں۔ اس لئے مع بدر تقریباً ۳۰ اموی سردار وزیر صمیل سے بھی اس مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے روانہ ہوئے صمیل کے خیمے پر پہنچ کر انہوں نے خلوت میں ملنے کی اجازت چاہی جو مل گئی۔ انہوں نے سرگوشی کے انداز میں اس کو اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔ بدر کی آمد کی اطلاع دی۔ اور عبدالرحمٰن کا خط بھی دکھلایا۔ یہ سب کچھ بتلانے کے بعد وہ ملتجی ہوئے کہ ان کو کیا قدم اٹھانا چاہیئے۔ اور اس مسئلہ پر جو ایک دم سے کھڑا ہو گیا تھا کیا کرنا چاہئے۔ صمیل نے کوئی خاطر خواہ جواب نہ دیا بلکہ بات کو یونہی ٹال دیا کہ فی الحال کوئی جواب بغیر سوچے سمجھے نہیں دیا جا سکتا ہے اور جب

Marfat.com

بدر کو اس کے سامنے پیش کیا گیا تو کچھ تحفے تحائف دے کر اس کو رخصت کر دیا۔ اور کسی دوسرے موقع پر کوئی فیصلہ کن جواب دینے کا وعدہ کیا۔

صمیل ان سرداروں سے چھٹکارا پا کر جب قرطبہ پہنچا تو وہاں اس نے امیر یوسف کو نواحِ سرقسطہ میں جنگ کرنے کی تیاریوں میں مصروف پایا۔ وہ خود بھی انہیں سرگرمیوں میں اس کا شریک ہو گیا اور اموی شہزادہ کی بات بھی اس کے ذہن سے نکل گئی۔ مئی ۷۵۵ء میں امیر یوسف نے جین اور ایلوار کے متعدد سرداروں کو اپنی حمایت کے لئے طلب کیا اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے ان کی امداد چاہی اور سرداروں میں عبیداللہ اور ابن خالد بھی شامل تھے۔ امیر یوسف نے ان لوگوں سے معہ اپنی سپاہ کے اس معرکہ میں ہمراہ چلنے کے لئے کہا۔

ان لوگوں کے ذہنوں میں تو دوسری ہی کھچڑی پک رہی تھی۔ انہوں نے یہ عذر پیش کیا کہ اس وقت فصلیں تیار ہیں۔ ان کے کٹنے کا وقت ہے جو شریک جنگ ہو سکتے ہیں۔ وہ مصروف زراعت ہیں اور فوری طور پر ان کو ساتھ لے چلنے کے معنی خزانہ شاہی کو صدمہ پہنچانا ہے پھر بیکار بیٹھے بیٹھے ان کے ہتھیار بھی زنگ آلود ہو چکے ہیں۔ ان کے قوئ بھی مضمحل۔ یوسف ان کی باتوں میں آ گیا۔ اور سازش کی اس تہہ تک نہ پہنچ سکا جو اندر ہی اندر تیار ہو رہی تھی۔ ایک ہزار اشرفیاں ان کو جنگ کی تیاری کے لئے دی گئیں اور بہ سرعت خاص طلیطلہ میں ملنے کی ہدایت کی گئی۔ یوسف تھوڑی بہت فوج کے ساتھ جین JAEN سے ہوتا ہوا قلعہ فتح میں ٹھہرتا ہوا طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا۔ عبیداللہ اور ابن خالد ایک بار پھر صمیل سے ملے صمیل کو خطرہ بغاوت کا ان کی جانب سے ہوا۔ مگر جب ان لوگوں نے یقین دلایا کہ وہ امیر یوسف کے طلب کرنے پر وہاں حاضر ہوئے تھے اور جلد ہی اپنے اپنے قبیلوں کے ساتھ سرقسطہ کی جنگ میں شامل ہونے کے لئے پہنچنے والے ہیں۔ تو اس کو اطمینان ہوا۔ مگر اپنے پاس آنے کی وجہ دریافت کی۔ وجہ بیان کر دی گئی۔ مورخوں کا اس بارہ میں اختلاف ہے کہ صمیل نے عبدالرحمٰن سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اپنی مدد کا وعدہ فرمایا۔ مگر ڈوزی کا خیال ہے کہ صمیل ہی نے ان سرداروں کے بھی حوصلے بڑھا کر اموی شہزادہ کو اسپین آنے کی دعوت دی حقیقت کچھ بھی ہو۔ انہیں سرداروں کی کوششوں سے یمنیوں کی حمایت بھی حاصل کی گئی۔ اور بدر کو بڑی بڑی امیدوں حوصلوں اور روپیوں کے ساتھ سبتہ واپس بھیجا گیا۔ اور عبدالرحمٰن کی ہر ممکن اور ہر ممکن مدد کا حتمی وعدہ کیا گیا۔ کہتے ہیں ان روپیوں میں وہ ایک ہزار یا اس کے نصف بھی شامل تھے۔ جو امیر یوسف کی جانب سے جنگی تیاریوں کے لئے

دیئے گئے تھے۔ یہی نہیں فوجوں کے پہنچنے کے لئے ایک جہاز کا بھی انتظام کیا گیا۔ ان امید افزا حالات کے ساتھ بدر افریقہ روانہ ہوا۔

ادھر عبد الرحمٰن بدر کو رخصت کرنے کے بعد دن بڑی بے چینی سے گزار رہا تھا۔ جیسے جیسے بدر کی واپسی میں دیر ہو رہی تھی اس کی تشویش اور پریشانی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ اس پر ایک امید و بیم۔ ایک کشمکش کا عالم طاری تھا۔ اس کی ساری قسمت کا فیصلہ بدر کے جواب پر تھا۔ اگر شامی اور اموی بھی انکار کر بیٹھتے۔ اگر وہاں بھی حالات سازگار نہ ہوتے تو بجز موت کے کوئی اور امید باقی نہ رہی تھی۔ مگر قدرت کو ابھی بہت کچھ منظور تھا۔

تنگ آ کر عبد الرحمٰن نے بنو نفوسہ کے بجائے قبیلہ مغیلہ میں قیام کیا جو ساحل کے بالکل نزدیک تھا۔ وہاں روز کھڑے ہو کر وہ دور حد نظر سے بھی دور بدر کی آمد کا انتظار کیا کرتا تھا۔ اور دل ہی دل میں بارگاہِ خداوندی میں دعائیں کیا کرتا تھا۔ دعائیں آخر کار اثر لا کر ہی رہیں۔ ایک شام عبد الرحمٰن نماز سے فارغ ہو کر حسب عادت ساحل پر کھڑا افق کے پار کسی بادبان کی حرکت کا منتظر تھا کہ ناگہاں ایک کشتی اس طرف آتی نظر پڑی ہو نہ ہو یہ بدر کا جہاز ہے۔ اس کے منہ سے بے ساختہ خوشی کی چیخ نکل گئی کشتی ساحل سے لگی۔ عبد الرحمٰن کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئیں نبض سرعت سے چلنے لگی۔ پہلے بدر اترا اور آقا سے لپٹ گیا۔ اور پھر دھیرے دھیرے سارا قصہ سنایا اپنے ساتھ آئے ہوئے سرداروں میں ابو غالب تمام کو پیش کیا جو فال نیک سمجھا گیا کہ تمناؤں کی تکمیل کا وقت آ گیا تھا۔ اب آرزوؤں کے پورا ہونے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

روانگی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

Marfat.com

باب ۱۵

اندلس میں داخلہ

سبتہ میں یہ خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ بنی نفوسہ کے افراد جو عبدالرحمٰن کو واقعی اپنے بچے کی طرح چاہتے تھے، گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس کی مدد کو آپہنچے۔ یہ تعداد میں پانچ سو شہسوار تھے۔ انہیں پر کیا بس دوسرے قبیلے والے بھی کچھ حرص و آز اور مال و متاع کی خواہش سے مغلوب ہو کر کچھ جذبہ آقا نوازی سے سرشار ہو کر مدد کو آپہنچے۔ کہیں سے پچاس سوار آشامل ہوئے تو دوسری طرف سے دو صد جوان فنون سپاہگری سے واقف ہتھیار بجاتے ہوئے آملے۔ ڈیڑھ سو سوار ایک اور قبیلے کے آکر شامل ہو گئے یا تو ابھی عبدالرحمٰن تن تنہا تھے۔ یا چشم زدن میں یہ تعداد ہمراہیوں کی ایک ہزار پہنچ گئی۔ مگر خود قبیلہ مغید کے بربر بڑی بے اعتنائی سے پیش آئے۔ انہوں نے جب سنا کہ اندلس سے ایک سفارت بھی آئی ہے۔ اور اپنے ساتھ مال و دولت بھی لائی ہے۔ تو حق مہمان نوازی طلب کرنے لگے۔ ابو غالب تمام نے چھٹکارا پانے میں مصلحت سمجھی اور تھیلیوں کے منہ کھول دیئے۔ جلد ہی روانگی مناسب سمجھی گئی۔ اور اسی جہاز پر عبدالرحمٰن۔ بدر۔ اور ایک ہزار سجیلے چھبیلے سوار و پیادہ لدے پھندے ساحل اندلس پر المیونیکار کے مقام پر لنگر انداز ہوئے۔ یہاں شامی رئیس اموی امراء پہلے ہی سے منتظر اپنے بادشاہ کے لئے کھڑے تھے۔ وہ زرق برق لباس پہنے ہاتھوں میں جھنڈیاں لئے سر اطاعت جھکائے خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔ ستمبر ۷۵۵ء میں جیسے ہی یہ جہاز کنارے پر لگا۔ انہوں نے عبدالرحمٰن زندہ باد کے نعرے لگائے بے تحاشہ مسرت کا اظہار کیا۔ ایرول میں پیش پیش وہی عبید اللہ اور ابن خالد تھے اور وہی اس وقت میزبان بنے۔ کچھ دن الفانتین ALFONTON میں جو ابن خالد کا رہائشی محل تھا۔ قیام کے بعد البیرہ اور ارشذونہ کے درمیان

Marfat.com

لوجا نامی قلعے میں یہ شاہی سواری ٹھہری۔ حاکم لوجا بھی اموی تھا اور خاندان اموی کا سپاس گزار۔ اس نے عبدالرحمٰن کا استقبال بالکل بادشاہوں جیسا کیا۔ اس کے سامنے نذریں پیش کیں۔ خزانے کی کنجیاں حوالے کردیں۔ سپاہیوں کے دستے ہمراہ کر دیئے۔ یہاں سے کچھ آگے چل کر عبدالرحمٰن نے ٹوریکس کے قلعہ میں جو عبیداللہ کے قبضہ میں تھا۔ اور تھوڑا سا مغرب کی جانب اسنیجار اور لوجا کے درمیان واقع تھا۔ قیام کیا۔ اور اب عبیداللہ بھی کلیتاً اپنے شہزادے کا میزبان تھا۔

ادھر یہ تغیرات رونما ہو رہے تھے اُدھر یوسف الفہری سرقسط کا محاصرہ کئے پڑے تھے بنی احمر اپنی شجاعت اور دلیری میں جواب نہیں رکھتے ہیں مگر رسد کی کمی۔ وسائل کی کیا بی سے اہلیان شہر اور رعایا کی جان و مال سلامت رہے گی۔ شرط صلح منظور کر لی۔ حاکم قلعہ ابوعمرو اور اس کے بیٹے وہب اور حباب کو پابزنجیر خیمہ یوسف میں پہنچا دیا گیا۔ قلعہ کے دروازے کھول دیئے گئے۔ شہر اتنی آسانی سے فتح ہو جائے گا۔ بنو احمریوں قابو میں آجائیں گے۔ امیر یوسف کو بھی اس کا یقین نہ تھا۔ باغیوں کے ساتھ کیا۔ رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اس کے لئے فوراً ایک مشاورتی کونسل طلب کر لی گئی۔ سمیل جس کو قریش النسل کبھی ایک آنکھ نہ بھائے۔ ان کے قتل کے حق میں تھا مگر کعب ابن امیر ابن شہاب حسین اور دیگر امراء جو قریشیوں کی عظمت اور مرتبے سے واقف تھے اس کے سخت خلاف تھے۔ قتل کا فیصلہ مسترد ہوا۔ مگر تینوں باغیوں کو پابجولاں قیدیوں کی حیثیت سے ساتھ رکھا گیا۔ امیر یوسف فاتح کی طرح سرقسط میں داخل ہوا۔ رعایا نے گردنیں جھکا دیں عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ اب یہاں زیادہ رکنا فضول تھا امیر یوسف نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو سرحد کا گورنر مقرر کر کے قرطبہ کی طرف کوچ کیا۔ ابھی وہ وادی الرمل تک پہنچے تھے کہ جراما (JARAMA) کے پاس مخبر نے خبر دی کہ پمپلونہ کے پہاڑوں سے قوم باسکس (BAS QUCS) گلیشیا کے خونخواروں کے ساتھ ابل پڑی ہے اور مسلم علاقوں میں تحس نحس کر رہی ہے۔ یہ ایک منحوس خبر تھی مگر سمیل کو اپنے دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کا ایک سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔ اسیران سرقسط کی قتل کی رائے میں کعب۔ ابن شہاب اور حسین وغیرہ کیونکہ اس کے ہمنوا نہ ہوئے تھے۔ اس لئے سمیل کے دل میں ان کی جانب سے بغض و کینہ کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ امیر یوسف کو جو اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتا تھا یہ مشورہ دیا کہ شہاب اور حسین کی قیادت میں کچھ فوجی دستے ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کر دیئے جائیں۔ رائے مان لی گئی۔ دستے روانہ کر دیئے گئے۔ باشکس جیسی خونخوار۔ درندہ صفت قوم کے سامنے ان چند دستوں کا کیا حشر ہونے والا تھا۔ یہ ظاہر تھا۔

Marfat.com

راستہ جس قدر دشوار۔ پتھریلا کنکریلا۔ غیر ہموار۔ ناشائستہ تھا۔ یہ بھی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ امیر یوسف ابھی زیادہ فاصلہ نہ طے کر پائے تھے کہ ان کو خبر ملی کہ مسلمان گاجر مولی کی طرح قتل کر دیئے گئے۔ ابن شہاب جنگ میں کام آیا حسین چند نفوس کے ساتھ بمشکل تمام جان بچا کر سرقسطہ پہنچا ہے۔ اور مسلمانوں کی اس تباہی پر گریہ کناں ہوا۔ یہ اذیت ناک حادثہ تھا صمیل ایک بار پھر یوسف کے کان بھرے کہ یہ انھیں تین باغیوں کی منحوسیت ہے۔ جو طوق وسلاسل میں جکڑے خواہ مخواہ بوجھ بنے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔ ان سے چھٹکارا مزید تباہی سے نجات حاصل کرنا ہے۔ اور مزید تباہی سے نجات حاصل کر لی گئی۔

قریشیوں کا یہ بلا قصور بلاوجہ قتل بے رحمی کا مظاہرہ تھا۔ یہ قتل ہزاروں کی ناراضگی کا سبب بنا۔ بہتوں کی ناخوشی کا باعث خود یوسف کا چین وقرار چھن گیا۔ اور اس کو کچھ ایسا نظر آنے لگا کہ یہ خون کچھ رنگ لا کر رہے گا۔ اس کا دل بول اٹھا کہ اب اس کی تباہی کے لیے کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا ہی ہونے والا ہے۔ فتنہ تو پہلے ہی جنوب میں کھڑا ہو چکا تھا اور اس وقت لوجا اور ٹورکس کے قلعوں میں یوسف کی تباہی کے انتظامات میں مصروف تھا۔

قریشیوں کا خون بہے ابھی چند گھنٹے بھی نہ گزرے تھے کہ خیمہ شاہی کے پردے کے پاس نقیب نے قرطبہ سے قاصد کے آنے کی صدا لگائی یوسف کی بے چینی تو پہلے ہی سے بڑھی ہوئی تھی اور کچھ دیر ذرا سکون قلب اپنی دونوں صاحبزادیوں کی صحبت میں خلوت خاص میں حاصل کرنا چاہتے تھے کہ ام عثمان کے خچر پر آیا ہوا سوار اذن باریابی طلب کرنے لگا۔

اذن باریابی بخشا گیا۔ قاصد نے یوسف کی بیوی ام عثمان کا خط امیر کے ہاتھوں میں رکھ دیا۔ یہ خط نہ تھا ایک بڑا نشتر تھا۔ ایک تازیانہ۔ ایک بارود کا گولہ۔ خلیفہ ہشام کے پوتے عبدالرحمٰن کی صرف آمد کی ہی خبر نہ تھی۔ بلکہ عبیداللہ بن عثمان کی غداری اور بے وفائی کا بھی تذکرہ تھا۔ اسی کے قلعہ ٹورکس میں قیام کی بھی تفصیل تھی۔ اور ایلبویرا کے مقام پر امیر کے حفاظتی دستوں کی شکست کی بھی جانکاہ خبر مندرج تھی۔ ام عثمان نے یہ بھی تاکید کی تھی کہ جلد از جلد قرطبہ پہنچ کر حفاظتی اقدامات کیے جائیں۔ اور مقابلہ کی تیاری شروع کی جائے۔ شامی۔ اموی۔ حمصی۔ سب نئے وارد کی میزبانی اور حمایت میں تن من دھن کی بازی لگانے کو تیار ہیں۔ تاخیر اور بے توجہی تباہی کا موجب ہوگی۔

صمیل کو فوراً خیمہ خاص میں مشورے کے لئے طلب کیا گیا۔ یوسف کے نائب اور سکرٹری

Marfat.com

خالد نے خط کا مضمون پڑھ کر سنایا۔ باہمی صلاح مشورے شروع ہو گئے۔ خطرے کی اہمیت کا اندازہ کرتے ہوئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ دشمن کی طاقت کو بڑھنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو تقویت پہنچانے سے پیشتر اس کے سر پر جا پہنچا جائے۔ اور جو کچھ بھی فوج اس وقت موجود ہے۔ اسی کے ساتھ اذن کوچ کیا جائے۔ رائے معقول تھی۔ قابل عمل سمجھی گئی۔

بجلی سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ یہ خبر سپاہیوں کے درمیان پھیل گئی۔ قریشی النسل کے خون ابھی تازہ تھے۔ اس کے اثرات زائل نہ ہوئے تھے۔ لوگوں کی ناراضگی ابھی دور نہ ہوئی تھی۔ بہتوں نے یہ موقع غنیمت دیکھا اور رات ہی رات بہت سے سپاہی امیر یوسف کے ساتھ کے بجائے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔ اور خود یوسف کے حامیوں میں یا تو قبیلہ بنی فہر کے لوگ رہ گئے یا صمیل بن حاتم کے خیر خواہ قبیلہ قیلسیہ کے افراد بلکہ ان میں سے بھی جو صمیل سے ناخوش تھے۔ اس نوجوان اموی شہزادے سے جا ملے۔ ان میں سے جابر بن شہاب کیونکہ اس کا باپ قوم بشنکس کے مقابلہ میں صمیل ہی کے ایماء پر بھیجا گیا تھا۔ اور جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ دوسرا حسین ابن شہاب کا ساتھی جو ہر چند اس معرکے سے جان بچا لایا تھا مگر زندہ بدست مردہ تھا۔ اور ابو بکر بن ہلال جس کے باپ کو صمیل نے ایک بار گزند پہنچائی تھی۔ برایں اسباب خاص دشمنی رکھتے تھے مگر حمایتی بھی علانیہ میں کوئی معرکہ آرائی پر آمادہ نہ تھے۔ اس وجہ سے نہیں کہ ان کے دل بھی امیر اندلس یا اس کے وزیر سے کھٹے ہو چکے تھے بلکہ وہ جانتے تھے کہ علاقہ یہ جہاں ان کا پڑاؤ تھا جاڑے کے زمانے میں جنگ وجدل کرنا آسان کام نہ تھا۔ ساحلی علاقہ۔ سردی کی شدت۔ طول طویل سفر کے تکان کچھ اچھے رنگ نہ لائے گی۔ اس لئے وہ بضد تھے کہ جنگ کسی نہ کسی صورت سے موسم گرما کے آنے تک ملتوی کر دی جائے۔ اور پھر اس وقت پوری تیاری کے ساتھ مناسب قدم اٹھایا جائے۔ مگر صمیل اس بات پر بضد تھا کہ جو کچھ کرنا ہے۔ اسی وقت کر لیا جائے۔ اگر دشمن کو پوری تیاری کا وقت مل گیا تو گرمی بھی کچھ مدد نہ کر سکے گی۔ یوسف جوان پیہم بپیہم واقعات سے کافی ہراساں۔ پریشان اور بددل تھا۔ خود ان حالات میں تلوار اٹھانے پر آمادہ نہ تھا۔ فوجوں کے رخ بجائے تورکس قرطبہ کی سمت موڑ دیئے گئے راستے میں صمیل نے یوسف کو یہ بھی پٹی پڑھا دی کہ اگر وہ اپنی حسین وجمیل لڑکی کا ہاتھ اور کسی اچھے علاقے کی حکومت عبدالرحمٰن کے حوالے کر دے تو شاید وہ مصیبت زدہ اور پریشان حال اس پر قناعت کر جائے اور بات یہاں تک بڑھے ہی نہیں کہ جنگ کی نوبت آئے۔ جب دماغ کام نہ کرتا ہو تو دوسروں کا غلط صحیح مشورہ سب بھلا لگتا ہے۔ یہی حال اسوقت یوسف کا تھا۔

Marfat.com

ادھر تو یہ رنگ تھا۔ ادھر نوجوانی اپنے اندر بڑے بڑے عزم بڑی بڑی اُمیدوں کو جگہ دے رہی تھی۔ یہ نوجوانی اندلس میں رنگ رلیاں منانے شادی رچانے یا مختصر علاقے پر گورنری کرنے کے لئے نہیں آئی تھی بلکہ خلافت اُمیہ کی اکھڑی اور شکستہ بنیادوں کو ایک بار پھر اس سرزمین پر جمانے آئی تھی۔ ۱۳۸ھ میں وہ المنک یا الیونیکار کے ساحل پر اترے اور جب سے تگ و دو میں مصروف ہی رہے۔ اشبیلیہ اور مختلف علاقوں کے لوگ جوق در جوق آکر ان کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ علاقہ ریہ کا حاکم عیسٰی بن مسادر پہلے ہی اطاعت قبول کرچکا تھا۔ شدونہ میں اس وقت عتاب بن علقمہ اللخمی حاکم وقت تھا وہ بھی بیعت کر چکا تھا حصن مدور کا گورنر ابن صباح بھی شکست قبول کر چکا تھا۔ قیام اب بھی ٹورکس میں تھا اور ایک بہت ہی بڑی مہم کی تیاریاں درپیش تھیں کہ دارالخلافہ قرطبہ سے ایک سفارت آپہنچی۔

یہ مصالحت کی پہلی کوشش امیر یوسف کی طرف سے تھی۔ اس سفارت میں قبیلہ قیسیہ کا ایک جوان عبید۔ یوسف کا سکرٹری خالد اور عامل نوج عیسٰی شامل تھے۔ ان کے ساتھ انواع واقسام کے تحفہ جات روانہ کئے گئے تھے۔ جس میں قابل ذکر اشیاء مثلاً ایک ہزار اشرفیاں نفیس اور قیمتی لباس۔ دو غلام۔ دو کنیزیں۔ دو گھوڑے اور دو خچر شامل تھیں۔ یہ تینوں لدے پھندے پند و ہدایات کے ساتھ جب مقام اورچ (ORCH) پہنچے تو ان کی نیتوں میں فتور آگیا۔ عیسٰی جو خود اموی تھا مگر بباطن یوسف کا بہی خواہ تھا اپنے دونوں ساتھیوں سے بولا۔ کہ تمہارے خیال کے مطابق اگر عبدالرحمٰن نے شرائط صلح نہ مان لیں تو ان قیمتی تحائف کو بھی واپس لوٹا دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ میں خود ان بیش بہا چیزوں کے ساتھ یہیں ٹھیر جاؤں۔ اگر صلح کی بات چیت موافق ہو تو مجھے اطلاع دینا میں ان کو نذر کرنے کے لئے وہیں پہونچ جاؤں گا۔ ورنہ پھر موقع محل دیکھ کر قدم اُٹھائیں گے۔ رائے مان لی گئی۔ عیسٰی وہیں رک گیا۔ باقی جب ٹورکس میں داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ تو سمجھ رہے تھے ایک مصیبت زدہ۔ لٹا پھٹا آوارہ گرد بہ حال تباہ وہاں مقیم ہوگا۔ اور اس سفارت پر خوش ہو جائے گا۔ بغیر چون وچرا شرطیں قبول کرے گا۔ مگر یہاں عالم ہی دوسرا تھا۔ ہر طرف سپاہیوں کے سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ ہر طرف جوش وخروش اور جذبہ سرفروشی کارفرما تھا۔ ہر طرف ہتھیاروں کی نمائش تھی ہر سمت تلواروں کی دھاروں پر سان رکھنے کی ترکیبیں تھیں۔ قلعہ کے چھوٹے سے کمرے میں سفیر بلائے گئے اور ہر ممکن عزت دی گئی۔ عبید نے جو علم مجلس اور چرب زبانی سے خوب واقف تھا۔ اپنی آمد کی

Marfat.com

وجہ بتائی۔ امیر یوسف کی صلح کل پالیسی پیش کی۔ ہر قسم کے تردد کو دور کرنے کی درخواست کی۔ جنگ و جدل سے انحراف برتنے کی خواہش کی۔ اس نے بیان کیا کہ خلفائے امیہ نے عنایات خسروانہ ان کے خاندان والوں کے ساتھ کی ہیں خصوصاً عقبہ بن نافع الفہری کے ساتھ وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اسی بارِ احسان سے جھکتے ہوئے۔ امیر کی خواہش تھی کہ امارت کے حق سے دستبردار ہوتے ہوئے آپ قرطبہ میں قدم رنجہ فرمائیں۔ جہاں تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے گی۔ شہزادی جس کے حسن و جمال کا شہرہ دور دور ہے آپ کی کنیزیت میں دیدی جائے گی۔ وہ تمام علاقہ جو آپ کے دادا خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے عہد میں فتح ہو چکا تھا۔ وہ آپ کی تحویل میں دیدیا جائے گا۔ مختلف النوع تحائف جو دار الخلافہ سے روانہ ہو چکے ہیں۔ آپ کی نذر کر دیئے جائیں گے۔ یہ سب لایعنی فضول تھا۔ یہ سب شرطیں بیکار۔ انکار پر خالد نے ایک خط پیش کیا جو امیر یوسف کی جانب سے روانہ کیا گیا تھا۔ اور جس میں ان شرائط کی تصدیق تھی۔ ممکن تھا کہ عبد الرحمٰن اور اس کے حواری عبد اللہ وغیرہ طوعاً و کرہاً ان نوازشات کو سر آنکھوں پر لیتے کہ خالد کی بے محل گفتگو اور کج خلقی[1] نے معاملہ کی نوعیت ہی کو کچھ پلٹ دیا۔ خالد قید کر لیا گیا۔ عبید کو ٹکا سا جواب دیدیا گیا۔ جنگ کی تیاریاں اور زور و شور سے ہونے لگیں۔

---

[1] یہ خالد کی کج اخلاقی اور بے محل گفتگو کا قصہ دلچسپ بھی ہے اور عجیب بھی۔ خالد حقیقتاً عربی النسل نہ تھا۔ بلکہ اسپین کا قدیم باشندہ تھا۔ اور مذہب عیسوی سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے باپ نے اسلام قبول کیا اور زید کے نام سے موسوم ہوا۔ ہر چند کہ غلام تھا مگر امیر یوسف کا مقرب بنا رہا اور اس کی ناک کا بال بھی۔ محل اور شاہانہ ماحول میں اس کے بیٹے خالد کی پرورش ہوئی۔ جو اپنے باپ کی طرح یوسف کا سکرٹری اور نائب بنا۔ شخص انتہائی دانا سمجھ دار۔ فہیم اور ذکی تھا۔ تعلیم اور خصوصاً عربی ادب سے شغف خاص تھا۔ بہت ہی جلد فنون علم و ادب پر حاوی ہو گیا۔ اس کو اپنی زبان دانی۔ معلومات لسانی۔ شعر فہمی پر ناز تھا۔ اسی بنا پر اچھے عہدے پر تقرر ہوا جو اس کے لئے باعث تکبر بنا۔ عربوں سے اس کو ایک بغض خاص تھا۔ اور ان کی جانب سے جذبۂ تنفر ہمیشہ اس کے دل میں بلنا رہا۔ جب عبد الرحمٰن نے امیر یوسف کا خط عبید اللہ بن عثمان کے حوالہ کیا اور اسی کو جواب لکھنے پر مامور کیا تو خالد کو یہ بہت سخت ناگوار گزرا اور اس نے وہیں عبید اللہ کے منہ پر یہ کہہ دیا کہ اس قدر نازک اور قابلیت کے کام کے لئے عبید اللہ جیسے گنوار اور جاہل انسان کا انتخاب کچھ موزوں نہیں ہے۔ عبید اللہ کو یہ بات نہ صرف ناگوار ہی نہ گزری بلکہ وہ خالد کے درپے ہو گیا اور اسیوقت اسکو قید کر لیا۔ اور خط کا مضمون جو کچھ ہونیوالا تھا اب کچھ اور ہو گیا۔ بات بنتے بنتے بگڑ گئی۔ مصالحت ہوتے ہوتے رہ گئی۔

باب (۱۶)

جنگ موسورا

جنگ کی تیاریوں کی خبریں ہر طرف پہنچ رہی تھیں۔ افریقہ کے بربر قبیلہ زناتہ۔ مکیننہ۔ مغیلہ۔ ملیلہ کے بربر بھلا ان موقعوں کو کہاں ہاتھ سے جانے دے سکتے تھے۔ وہ سب کے سب عبدالرحمن کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اندلس کے شامی۔ یمنی۔ اموی۔ دمشقی۔ بعض عربی۔ مصری۔ قیسی غرض اپنی اپنی امیدیں لے کر وہیں مجتمع ہوتے گئے۔ اور یوں قافلہ نشینوں کا یہ گروہ بیس ہزار کے ایک لشکر گراں میں تبدیل ہو گیا۔ ابھر آغاز موسم بہار ہوا۔ ادھر عبدالرحمن بڑی آن بان کے ساتھ قرطبہ کی سمت بڑھے۔ شامی۔ مصری۔ یمنی زیادہ تر مغربی اور جنوبی اطراف میں بسے ہوئے تھے۔ وہی راستہ اختیار کیا گیا۔ تاکہ حامیوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ شریک ہو سکے۔ پہلے ان کے قدم مالقہ پہنچے جو ان کی اطاعت میں آ گیا۔ پھر وہ برندہ آئے۔ اور اس کے بعد شریش۔ یہ شہر بھی مخالفت کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد وہ آرشدونہ (ARchidONA) کی طرف بڑھے اور ۸ مارچ ۷۵۶ء میں داخل ہوئے۔ وہاں کے حاکم جیدار (CIdAR) نے ان کا شاہانہ استقبال کیا۔ ان کے نام کا خطبہ پڑھوایا خطیب سے ہزار ہزار سلامتیاں بھجوائیں۔ اسی دوران میں افریقہ سے بنی خلی (BENi KHALi) بربری قبیلہ کے چار سو سوار اور پہنچ گئے۔ یہاں سے وہ میڈونہ سڈونہ پہنچے اور پھر سیرانا ڈی رونڈا (SiERRAMADE) RONdA کے علاقوں سے ہوتے ہوئے اور مدد حاصل کرتے ہوئے ایک چھوٹے سے شہر کنانہ آئے۔ جو پہلے ہی تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ مزید امداد اور حمایت کا سہارا لیتے ہوئے وہ اسبیلیہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔ جہاں قبیلہ یقیب YAKIB اور حضرت موت کے جو کہ دونوں یمن سے متعلق میں دو حاکم ابو صباح اور حیات بن ملمس ان کے استقبال کو بڑھے۔ اور ان کو ہاتھوں

Marfat.com

ہاتھ لیا شہر میں چراغاں کیا گیا۔ یہ استقبال کسی بوریہ نشین کا استقبال نہ تھا بلکہ واقعی ایک بادشاہ کا تھا۔ عبدالرحمٰن کا ستارہ عروج پر تھا۔

مگر امیر یوسف کا ستارہ ان تیاریوں کو دیکھ کر لرز رہا تھا۔ جاسوس دھڑا دھڑ ساری خبریں قرطبہ پہنچا رہے تھے۔ جہاں اُمیدوں کی جگہ مایوسی نے لے لی تھی۔ پھر بھی مقابلہ کی تیاریاں جاری تھیں۔ یوسف نے طلیطلہ میں چھاؤنی ڈال رکھی تھی۔ اور وہیں بھرتی کر رہے تھے۔ ان کے دو بیٹے بلنسیہ اور تدمیر میں یہی کام زور شور سے کر رہے تھے۔ ایک بیٹا قرطبہ میں پوری تیاریوں میں مصروف تھا۔ عبدالرحمٰن کی توجہ بھی قرطبہ کی جانب مبذول ہوئی۔ ان کی راہ امیر یوسف کے بیٹے نے روک لی۔ مگر یہ مقابلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہا۔ عبدالرحمٰن پھر قرطبہ کی طرف بڑھے۔ مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ جنگ موسارا سے پہلے بھی کوئی جنگ امیر یوسف کے بیٹے سے لڑی گئی۔ جس کو شکست دے کر عبدالرحمٰن دارالخلافہ کی طرف بڑھے۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے یوسف نے پھر صمیل بن حاتم سے مشورہ کیا۔ اور وسط اندلس سے دو ایک بڑی فوج لے کر قرطبہ کی حفاظت کے لئے بڑھے ان کی پیش قدمی کی اطلاع عبدالرحمٰن کو بھی مل گئی۔ فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ آدھی فوج کی قیادت تمیم بن علقمہ کے سپرد کر کے خود یوسف سے دو دو ہاتھ کرنے بڑھے۔ مخالف سمتوں سے بڑھتی ہوئی دونوں فوجیں آمنے سامنے آپہنچیں۔ بیچ میں دریائے گاڈلی کیویر GUADLIQUIVIR (وادی الکبیر) حائل تھا۔ جو اس وقت خوب چڑھا ہوا تھا۔ یوسف جو دشمن سے نپٹنے کے لئے بے چین تھے۔ دریا کی طغیانی کو دیکھ کر سہم گئے تھے۔ عبدالرحمٰن نے سوچا لاؤ چپکے سے قرطبہ کی سمت بڑھ چلو۔ یوسف تو دریا اترنے کا ہی انتظار کرتے رہیں گے۔ شب کو ہر طرف آگ روشن کر کے گویا ان کی سپاہ کا پڑاؤ وہیں ہے۔ وہ چپکے سے قرطبہ کی جانب چل نکلے۔ مگر ابھی مشکل سے ایک میل ہی کا فاصلہ طے کر پائے تھے کہ بھنک یوسف کے کان میں بھی پڑ گئی۔ اور وہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ عبدالرحمٰن کو اپنی ترکیب کی ناکامی کا بڑا دکھ تھا۔ کچھ فاصلے کر کے وہ رُک گئے۔ یوسف کی فوجیں بھی تھم گئیں۔ ان کا دانہ ہونا تھا کہ تھمی فوجیں بھی چل پڑیں۔ عبدالرحمٰن کی یہ چال ہی ناکارہ نہ ہوئی تھی۔ بلکہ سامانِ رسد کی کمی کے بھی آثار نمایاں ہونے لگے۔ اشیاء خوردنی کی تنگی بھی محسوس ہونے لگی۔

جمعرات ۱۳ مئی ۷۵۶ء کو عبدالرحمٰن نے اپنی ساری فوج کو جمع کیا اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ جنگ یا صلح دونوں میں کسی ایک صورت کو فوراً اختیار کرنا واجب تھا۔ ورنہ سپاہی یونہی بھوکے

Marfat.com

جان تلف کرنے لگے۔ یمنیوں نے جنگ کا نعرہ بلند کیا امویوں نے ان کی صدا کو لبیک کہا۔ گو اندرونی طور پر وہ بھی مصلح ہی کے حامی تھے۔ دوسری صبح جو جمعہ کی تھی حملہ کرنے کی مقرر کر لی گئی۔ ساتھ ہی ساتھ فوج میں یہ افواہ بھی گرم کر دی گئی کہ وہ روز سعید تھا اس لئے کہ عید الضحیٰ کے موقع پر بروز جمعہ جنگ مرج راہت میں ایک فہری پر ان کے پردادا نے بھی فتح پائی تھی۔ اور اس فہری کا وزیر بھی قبیلہ قیس سے تعلق رکھتا تھا جس سے صمیل رکھتا ہے۔ اس شگون کا اچھا اثر ہوا۔ فوجیوں کے دل بڑھ گئے۔ سپاہیوں کی ہمتیں بلند ہو گئیں۔ اسی پر بس نہیں۔ عبدالرحمٰن نے حیلہ سازی سے بھی کام لیا۔ امیر یوسف کو پیغام بھیجا کہ صلح کی جو گفتگو خالد کی بدتمیزی کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی وہ پھر سے شروع کی جا سکتی ہے۔ اور وہ شرائط جو یوسف کی طرف سے پیش کی گئی تھیں قابل تسلیم ہیں۔ یوسف جو ضعیف العمری اور کم عقلی کی وجہ سے کسی بات کی تہ تک پہنچنے کا مادہ نہ رکھتا تھا۔ آسانی سے اس چال میں آ گیا۔ اور دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر آمادہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کی فوجوں کو دریا پار کرنے کی بھی اجازت دیدی گئی۔ بلکہ جب تنگیٔ رسد کی خبر لگی تو بہت سے جانور بھی بھجوا دیئے گئے۔ جمعہ کی صبح جب عبدالرحمٰن کی فوجیں اس کنارے اتر گئیں تو یوسف کو پتہ چلا کہ وہ کس قدر گہری سازش کا شکار ہو چکا ہے۔ مگر اب بنائے کیا بنتا تھا۔ بدرجہ مجبوری طبل جنگ بجوا دیا گیا۔ اس پیشین گوئی کی افوائیں یوسف کی فوج میں بھی پہونچ چکی تھیں اور ان پر مایوسی اور حرمان نصیبی کا جذبہ طاری کر چکی تھیں۔

قرطبہ سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر موسارا کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں۔ عید الضحیٰ کی دس تاریخ تھی۔ قربانی کا دن تھا مگر بجائے جانوروں کے انسانوں کے گلے کٹنے لگے۔ عبدالرحمٰن جس گھوڑے سوار تھا۔ وہ بہت بلند۔ تندرست اور توانا تھا۔ یمنیوں کو یہ گمان پیدا ہوا کہ اگر کہیں شکست کے آثار نمودار ہوئے تو عبدالرحمٰن اس گھوڑے کے سہارے راہ فرار نہ اختیار کریں۔ رفتہ رفتہ یہ بات رحمٰن کے کانوں میں بھی پہنچ گئی۔ اور اس نے فوراً ابوصباح سے اس کا خچر طلب کیا۔ ابوصباح کو اندازہ ہو گیا کہ شہزادے کو بھی ان کی بدگمانی کا علم ہو گیا۔ بعد شرمندگی اس نے اپنا خچر خالی کر دیا جو کہتے ہیں لنگڑا بھی تھا۔ عبدالرحمٰن اس پر سوار ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کا علم بھی ابوصباح کا عمامہ تھا۔ جو اس نے شاہی نیزے کے گرد لپیٹ دیا تھا۔ جنگ ابھی صحیح طور پر شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ شکست و فتح کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔ پہلے صمیل اور ابوالعکاس میں دو دو چوٹیں ہوئیں۔ پھر عام اعلان جنگ ہو گیا۔ بربری اس زور شور اور تن دہی سے لڑے کہ

Marfat.com

قیسیوں اور فہریوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ بائیں بازو نے پہلے ہمت ہاری پھر قلب جی توڑ بیٹھا۔ اور آخر ایک بازو کہاں تک روک تھام کرتا۔ دن ڈھلنے بھی نہ پایا تھا کہ لوگ جان بچانے کی سوچنے لگے۔ یوسف اپنے گھوڑے پر سوار مریدا کی طرف بھاگا تو صمیل جین کی سمت اور یوں جنگ موسارا نے ایک ہی تہذیب و تمدن کے مالک مگر جداگانہ ہمت اور جرأت کے والیوں کا خاتمہ کر دیا۔ یمنیوں کو سوجھی بھی تو لوٹ مار کی۔ بھاگتے سپاہیوں کی قتل و غارت گری کو وہ بالکل بھول گئے اور اپنی اس لالچ کی وجہ سے بہت سے سپاہیوں کو جان بچا لے جانے دیا۔ عبدالرحمٰن کی طرف سے لوٹ مار کی ممانعت تھی۔ جو یمنی کے لئے ناقابلِ قبول تھا۔ ان کے سرکردہ ابو الصباح نہ صرف حکم عدولی پر آمادہ ہوئے بلکہ عبدالرحمٰن کے قتل ہی کی سازش کرنے لگے۔ یہ خبر رحمٰن کو بھی مل گئی۔ حفاظتی ترکیبیں مکمل کر لی گئیں۔ فریق یمنی نے جب دیکھا کہ ان کی سازش کی اطلاع شہزادے کو بھی مل چکی ہے۔ تو وہ اظہار ندامت کرنے لگے۔ اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ اس وقت سیاست کا تقاضا تھا کہ معافی دیدی جائے سو دیدی گئی۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد ابو الصباح کو اپنی سازش کا بدلہ اپنی موت سے مل گیا۔ مگر اس عرصہ میں فاتح بہت کچھ لوٹ مار کر چکے تھے۔ فوجی خیموں میں تو ان کو زیادہ مال و دولت ہاتھ نہ لگا۔ البتہ پکا پکایا کھانا اور کچا اناج بہت کچھ ہاتھ لگ گیا۔ مگر وہ لوگ بڑھتے بڑھتے صمیل کے خیموں تک جا پہنچے اور لوٹنے کھسوٹنے لگے۔ یوسف کے ہمراہ اس کی بیوی ام عثمان اور ان کی دونوں لڑکیاں بھی آئی تھیں۔ یعنی ان کی بھی بے عزتی کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ کہ عبدالرحمٰن نے عین وقت پر پہنچ کے ان کی گلو خلاصی کرائی۔ اور صاحب سلات (امام اعظم مسجد) کو بلا کر خواتین کو ان کے سپرد کر دیا۔ اس عنایت اور مروت کے صلے میں یوسف کی ایک لڑکی نے ایک بہت خوبصورت اور خوش جمال کنیز حلال بطور عطیہ نذر کی۔ یہی کنیز بعد میں ولیعہد سلطنت اور آئندہ سلطان اندلس ہشام کی ماں بنی۔ مال غنیمت کی لالچ میں یہ لوگ صمیل کے محل جو پل کے دوسری طرف سکندہ میں تھا پہنچ گئے اور وہاں ان کو ایک آبنوسی صندوقچی میں دس ہزار اشرفیاں ماسوا دیگر قیمتی اشیاء ملیں۔ جو لوگ وہاں تک پہنچے تھے وہ قبیلہ طے کے لوگ تھے۔ اسی لئے صمیل نے اس قبیلہ پر بڑی لعنتیں بھیجی ہیں۔ اس جنگ نے جنگ گاڈلیت کی طرح فریقین کی قسمتوں کا فیصلہ کر دیا۔ یہ جنگ ہر چند دو تہذیبوں اور دو مذہبوں کے درمیان میں نہ تھی مگر دو ایسے فرقوں، قبیلوں اور فرقوں کے درمیان تھی جو کبھی باہم اتفاق اور میل جول سے نہ رہ سکتے تھے۔ عبدالرحمٰن کا ستارہ بڑی آب و تاب سے چمکا۔ اموی

Marfat.com

سلطنت نے ایک دوسری جگہ جڑیں پکڑیں۔ ایک نئی طاقت نے پھر سے عروج پایا۔ یوسف کی قسمت نے ایسا پلٹا کھایا کہ پھر نہ سنبھلی۔

موسارا کی فتح کے بعد عبدالرحمٰن قرطبہ کی سمت بڑھے۔ جہاں امیر یوسف کا بیٹا ابوزید ابھی تک اس کی حفاظت پر مامور تھا۔ مگر اب اس کی حفاظت فضول تھی خود اہالی شہر اپنے کو عبدالرحمٰن کے سپرد کر دینا چاہتے تھے۔ اور انہوں نے ایک وفد کی صورت میں شہزادے سے مل کر وفاداری کا عہد اور شہر حوالے کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ابوزید ایک دروازے سے اپنی فوج لے کر بھاگا۔ دوسرے سے عبدالرحمٰن کامیاب و کامران داخل ہوئے شہریوں نے ان کا شاندار استقبال کیا۔ مسرت وانبساط کا اظہار کیا۔ شب بھر چراغاں ہوا۔ یہ سب کچھ تھا مگر دشمن ابھی تک گھات میں لگا ہوا تھا اور اپنی منتشر طاقت کو مجتمع کرنے میں مصروف تھا۔ یوسف اور صمیل پھر ایک بار جین میں جمع ہو گئے تھے۔ اور چھنی ہوئی سلطنت کے حاصل کرنے کی فکر میں تھے۔ یوسف کے ساتھ سرقسطہ اور طلیطلہ کی فوجوں کی حمایت تھی۔ صمیل کے ساتھ بنی فہری اور بنی قیسیہ کے افراد۔ انہوں نے سب سے پہلے پاس پڑوس کے علاقوں پر ہی ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔ گورنر جین کو محصور کر لیا۔ پھر اس کو وہاں سے بھاگ کر مینٹیسیا MENTESiA میں پناہ لینے پر مجبور کیا۔ اور حاکم ایلیویرا کو بھی اپنا علاقہ خالی کر دینے پر مجبور کیا۔ وہ پہاڑیوں میں جا چھپا۔ عبدالرحمٰن کو بھی یہ اطلاعات پہنچ رہی تھیں وہ ایک بار پھر ایک لشکر جرار لے کر ان کی سرکوبی کے لئے نکلا مگر یوسف کی ایک شاطرانہ چال نے معاملہ کا رخ پلٹ دیا۔ ابوزید کو پھر قرطبہ پر اچانک حملہ کرنے کی تاکید کی گئی۔ بسرعت تمام ابوزید قرطبہ کے دروازوں پر جا پہنچا شہر میں فوجی دستے بہت کم رہ گئے تھے۔ ان کو اندر داخل ہونے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ عبیداللہ حاکم قرطبہ اس کے ہاتھوں میں قید ہوا۔ عبدالرحمٰن ابوزید کے اس اچانک حملے سے قطعاً پریشان نہ ہوا۔ آگے بڑھتے بڑھتے پیچھے پلٹ پڑا۔ ابوزید کو جو اس خطرے کا علم ہوا تو وہ عبیداللہ اور محلسرا کی دو مہ جبینوں کو لے کر قرطبہ سے چل پڑا۔ راستے میں اسی کے معتمد اس پر لعن طعن کرنے لگے۔ کہ جب موسارا کے میدان میں عبدالرحمٰن کے ہاتھوں میں تمہاری بہنیں اور ماں پڑ گئیں تھیں تو اس نے ان کے ساتھ انتہائی محتاط اور شریفانہ سلوک کیا تھا اور تم اس کی دو حسین کنیزوں کو بھگا کے لے جا رہے ہو۔ بات دل لگتی تھی۔ ابھی یہ ایک ہی فرسنگ آگے بڑھے ہوں گے۔ کہ رک گئے۔ ایک خیمہ نصب کرایا گیا اور اس میں ان دونوں کنیزوں کو دیگر ضروریات زندگی کے ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ البتہ عبیداللہ کو زنجیر لئے ہوئے ابوزید اپنے باپ سے

Marfat.com

ملنے ایلویرا کی طرف روانہ ہوا۔ عبدالرحمٰن کو جو اطلاع ملی کہ معاملہ خود بخود سلجھ گیا ہے۔ تو گھوڑوں کی باگیں پھر ایلویرا ہی کی طرف موڑ دی گئیں۔ یہ آندھی طوفان کی طرح جین کی سمت بڑھ رہے تھے۔ ادھر ہمتیں جواب دیئے جا رہی تھیں جیسے جیسے اس کی آمد کی خبر پہنچتی جاتی تھی وہاں ہاتھ پیر پھولتے جا رہے تھے آخر کار مصلحت اسی میں دیکھی گئی کہ مصالحت کرنی چاہئے۔ صلح کا پیغام بھیجا گیا جو قبول ہوا۔ عبدالرحمٰن کو امیر اندلس تسلیم کر لیا گیا۔ یوسف اور صمیل کی جاگیریں بحال کر دی گئیں۔ قلعوں کی کنجیاں عبدالرحمٰن کے سپرد کر دی گئیں۔ یوسف کا مستقل قیام قرطبہ میں لازمی قرار پایا۔ اور اس کے دو بیٹوں ابوزید اور ابوالاسود کو یرغمال کے طور پر رکھ لیا گیا۔ عبید اللہ کو خالد کے عیوض رہا کر دیا گیا۔ اور اس طرح سے یہ معاملہ وقتی طور پر بغیر لڑے ختم ہو گیا۔

Marfat.com

باب (۱۹)

صلح کے بعد

صلح ہو جانے کے بعد عبدالرحمٰن مریدا میں داخل ہوئے۔ یہ شہر اپنی بناوٹ خوبصورتی حسن اور دلکشی کے لحاظ سے بہترین تھا۔ کچھ دن یہاں قیام کیا گیا۔ پھر نظم ونسق کی سوجھی تو پورے صوبے کی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ ان پر چھوٹے چھوٹے قلعے اور چوکیاں بنوائیں۔ اندرون ضلع جات حاکم مقرر کئے گئے۔ رعایا پر رحمدلی اور انصاف سے حکومت کرنے کی تلقین کی گئی۔ ابھی وہ ان انتظامات میں مصروف ہی تھے کہ یہ اطلاع ملی کہ ان کی بیگم کے ولادت کے دن پورے کر چکی ہیں۔ قرطبہ کی جانب مڑ گئے۔ مگر اس بار کروفر ہی اور تھا۔ شان وشوکت ہی عجب تھی۔ فتح کے شادیانے بجاتے۔ خوشی کے ترانے گاتے عبدالرحمٰن جولائی ۷۵۷ء میں اس انداز سے چلے کہ اس کے دائیں جانب سابق امیر اندلس یوسف بن عبدالرحمٰن تھے اور بائیں طرف صمیل بن حاتم جیسی کی گھڑیاں آگئیں تھیں۔ پریشانی اور مصیبتوں کا دور ختم ہو گیا تھا۔

صمیل نے اخلاص اور خدمت میں کوئی کمی نہیں کی۔ شاہانہ مراتب کا خیال کیا۔ تو خسروانہ عنایات کا مستحق ٹھہرا۔ اس کے لئے یہ تبدیلی کوئی بڑی تبدیلی نہ تھی۔ خدمت وہ پہلے بھی کرتا تھا سوا ب بھی۔ صرف حاکم بدل گئے تھے۔ وقتاً فوقتاً اہم معاملات میں ان سے مشورہ بھی لیا جاتا تھا۔ اور ان کی تکریم میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جاتی تھی۔ مگر یوسف کو یہ تبدیلی بہت کھٹکتی تھی۔ انقلاب زمانہ نے اس کو ایک دم حاکم سے محکوم اور امیر سے فقیر بنا دیا تھا۔ یہ بات اس کو اتنی گراں نہ گزرتی تھی جتنا کہ اس کے قبیلے والوں کو جن میں قریش بھی تھے۔ فہری بھی۔ ہاشمی بھی۔ یہ لوگ کل تک بڑے بڑے عہدوں پر فائض تھے۔ اور بڑی وجاہت اور حشمت کے مالک تھے۔ قسمت نے جو پانسہ پلٹا تو اب

Marfat.com

یہ کہیں کے بھی نہ رہے تھے۔ وہ یہ بھی برداشت نہ کر سکتے تھے عبدالرحمٰن کے ہاتھوں وہی لوگ پنپیں جو کل تک اس کے دست نگر تھے۔ عہدے ملتے تو نئے امیر کے ساتھیوں اور دوستوں کو۔ عزت ملتی تو انہیں کے اور دوں کو حاکم بنائے جاتے تو وہی لوگ۔ انہیں اپنی کس مپرسی پر اتنا تاؤ نہ آتا تھا۔ جتنا کہ یوسف کی بزدلی پر اس کو مستقل بھڑکایا کرتے اور اشتعال دلایا کرتے ذرا ذرا سی بات کا بتنگڑ بنانے۔ معمولی معمولی باتوں کو عجیب و غریب معنے پہناتے۔ الغرض ہر ممکن طرح سے یوسف کے کانوں میں زہر اگلتے۔ یوسف بھڑکانے میں آگئے۔ فرار کی ترکیبیں سوچنے لگے۔ ایک بار پھر معرکہ آرائی کے خاکے بنانے لگے۔ انہوں نے اپنے سابق معتمد الصمیل سے مشورہ کیا اور اس کو اپنا شریک بنانا چاہا۔ وہاں سے صاف جواب مل گیا۔ مگر غیر شامی عربوں نے اس کی ہمت بڑھائی۔ اہلیان لیکانت [illegible] مریدہ اور طلیطلہ نے امداد کا وعدہ کیا اور اسی وعدے کے سہارے یوسف نے ایک دن راہ فرار اختیار کی۔ تعاقب لاحاصل ہوا۔ مگر نزلہ صمیل اور یوسف کے دونوں بیٹوں پر گرا۔ ہر ایک سے جواب طلب ہوا۔ اور جواب ناقابلِ یقین ہونے کی وجہ سے صمیل کو حوالۂ زندان کر دیا گیا۔ یہی حشر ابوزید کا ابوالاسود کا بھی ہوا۔

یوسف بھاگتے بھاگتے مریدا پہنچے۔ یہ ۱۴۱ھ تھی۔ شرارت پسند اور ابن الوقت جوق در جوق اس کے اردگرد جمع ہونے لگے۔ یہاں سے وہ لیکانت پہنچے جہاں شہر اور بیرون شہر سے ہزاروں آدمی پروانوں کی طرح جاں نثاری کا دم بھرتے آملے۔ یہ قیدی چشم زدن میں تین ہزار سپاہیوں کا سپہ سالار ہو گیا۔ اشبیلیہ پر حملے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

اس وقت اشبیلیہ کا حاکم عبدالرحمٰن کا ایک عزیز عبدالملک بن عمر تھا جو ۱۴۰ھ میں اپنے دو بیٹوں کے ساتھ اندلس پہنچا اور اس جلیل القدر عہدے پر فائز ہوا تھا۔ اشبیلیہ کو خطرے کی زد میں نہ دیکھتے ہوئے وہاں زیادہ فوجیں مقیم نہ تھیں۔ یوسف نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ اس سے قبل کہ امدادی دستے قرطبہ سے اشبیلیہ پہنچ سکیں اس نے فصیل کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی سوچی۔ مگر اس کی یہ ترکیب کچھ زیادہ کارگر نہ ہوئی۔ عبدالملک کے بیٹے عبداللہ کو جب یہ اطلاع ملی کہ اشبیلیہ کے پھاٹک پر دشمنوں کی فوجیں یلغار کر رہی ہیں تو فوراً مورون [illegible] کے اضلاع کے سپاہی لے کر جہاں وہ خود گورنر تھا۔ باپ کی مدد کو آ پہنچا۔ ان دونوں نے مل کر یوسف کو راستہ ہی میں جا لینے کی ٹھانی۔ یوسف نے اب رائے بدل کر قرطبہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ ابھی کچھ زیادہ آگے نہ بڑھ پائے تھے کہ عقب سے ان کی فوج پر عبدالملک اور اس کے بیٹے نے حملہ کیا۔ کئی جھڑپیں ہوئیں۔

Marfat.com

مگرز Menguch کے مقام پر لڑائی فیصلہ کن تھی۔ یوسف اور اس کے ساتھی بد دل ہو کر بھاگے۔ بہتیرے جان سے مارے گئے۔ بہت سے قید ہوئے یوسف اپنے ایک غلام اور ایک دوست سابق تمیمی (Tamimi) کے ساتھ طلیطلہ کی جانب بھاگا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس کی قضا کا وقت آپہنچا تھا۔ وہ ابھی کلاٹرادا calatrada سے بھی آگے نکل پایا تھا کہ چند یمنی فریقوں نے جن میں عبداللہ ابن عمر بھی تھا۔ اس کو پہچان لیا اور تازہ دم گھوڑے لے کر تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ نواح طلیطلہ میں چار میل کے فاصلے پر مفرورین اور تعاقب کرنے والوں میں تلواریں کھنچ گئیں غلام بچ رہا۔ یوسف اور سابق مارے گئے۔ یوسف کا سر کاٹ کے قرطبہ بھیج دیا گیا۔ اور یوں ایک زبردست حریف اور ذی وقار امیر کا خاتمہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کے دل سے ایک بڑا کانٹا نکل گیا۔ ایک بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ دوسرے حریفوں کا صفایا ہونا بھی لازمی تھا۔ ابوالاسود کو ان کی جوانی کے بنا پر اور خوبصورتی پر رحم کھا کر عمر قید کی سزا دی گئی۔ ابوزید تہ تیغ کیے گئے صمیل ایک صبح قید خانے ہی میں مردہ پائے گئے۔ خبر اڑی کہ وہ زیادہ شراب نوشی برداشت نہ کر سکے مگر یہ موت ان کی فطری تھی۔ بہت کم لوگوں کو اس کا یقین آیا۔

امیر یوسف کا تیسرا بیٹا قاسم ابھی تک آزاد تھا۔ اور وہ باپ کی ان بیے عزتیوں اور بھائی کے قتل کا بدلہ لینے کی ترکیبیں سوچ رہا تھا۔ مریدا سے بھاگ کر اس نے عزیرہ الحدرہ میں ابن نعمان سردار عزیرہ کے یہاں پناہ لی اور اس کو ہمنوا بنایا۔ سپاہیوں کی بھرتی شروع ہو گئی۔ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں مختصر سے انتظامات جب مکمل ہو گئے تو قاسم اشبیلیہ کی جانب بڑھا اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ عبدالرحمٰن جو کسی قسم کے اختلاف کو گوارا کرنے پر آمادہ نہ تھا ہوا کے دوش پر گھوڑے کی پشت پر سوار سیدھا اشبیلیہ پہنچا۔ اس کی آمد کی خبر ہی نے دشمنوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ اور لڑائی کے خیال سے تو چھکے ہی چھوٹ گئے۔ مگر لڑائی ناگزیر تھی۔ قاسم اور ابن نعمان نے مل کر بڑی ہمت اور بہادری سے مقابلہ کیا مگر آخر الذکر کے قتل ہوتے ہی قاسم نے بھی راہ فرار اختیار کی اور عزیرہ الحدرہ میں دوبارہ پناہ لی مگر قید کر کے طلیطلہ کے تہ خانے میں بھیج دیا گیا۔

Marfat.com

باب (۲۰)

نئی مصیبتیں عبدالرحمٰن الداخل

عبدالرحمٰن اب اندلس کے بلا شرکت غیرے امیر تھے۔ بظاہر ان کو سب کچھ حاصل ہو گیا جس کی ان کو تمنا تھی۔ اور جو ان کی خواہش دیرینہ تھی۔ وہ خانہ بدوشی سے تخت نشین ہوئے تھے۔ وہ انسانوں سے نہیں مصیبتوں سے برد آزما ہوئے تھے مگر مصیبتیں ابھی ان کا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہ تھیں ان کا ۳۲ سال کا عہد حکومت مختلف النوع پریشانیوں اور دشواریوں ہی میں گزرا۔ کبھی وہ ایک فتنہ دباتے تو دوسرا کھڑا ہو جاتا۔ اور ابھی دوسرا دب بھی نہ پاتا کہ تیسرا تقویت پا جاتا۔ اندلس کی حکومت ان کے لئے پھولوں کا بچھونا نہ تھی جس پر چین سے سو سکیں بلکہ کانٹوں اور خارزاروں کا بستر تھی۔ کہ جو آرام و اطمینان کی نیند کہاں جسم ہی چھلنی کئے دے رہی تھی۔

صمیل۔ ابوزید اور بعض فہریوں کا قتل کم سے کم ان کی طاقت کو کم کرنے اور ان کے حوصلوں کو پست کر دینے کے لئے کافی تھا۔ مگر جو قوم خون دیکھ کر بھڑک اٹھتی ہو۔ لاشیں دیکھ کر مشتعل ہو جاتی ہو وہ بھلا اس کشت و خون سے کہاں دبنے والی تھی۔ بلکہ دلوں میں دبی ہوئی چنگاری سلگنے لگتی اور انتقام کی آگ بھڑکنے لگتی۔ اور آخر کار انتقام کی آگ بھڑک ہی اٹھی ہشام ابن عذرا الفہری امیر یوسف کے عہد میں حاکم اعلیٰ تھا اور قبیلہ فہر کا ذی اقتدار اور باحوصلہ انسان تھا۔ سابق امیر سے ان کی رشتہ داری بھی تھی اور وہ ان سب کا بہی خواہ بھی تھا۔ فہریوں کے ہاتھ سے یوں سلطنت چھن جانے اور اتنی بڑی حکومت نکل جانے کا افسوس تو خیر اس کو تھا ہی مگر یوسف اور اس کی اولاد کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا اس کا اس کو بے انتہا صدمہ تھا۔ وہ اس مناسب گھڑی کا انتظار کر رہا تھا جب ان تمام ذلتوں کا انتقام لے سکے۔ ابن عذرا کے

Marfat.com

پاس خود بھی کافی دولت تھی۔ وراثت میں بھی اس کو بہت کچھ ہتھے لگی تھی۔ دوسرے پھر امیر یوسف کی بیوگان اور دیگر رشتہ داروں نے اس کے ارادوں سے باخبر ہو کر اس کی کافی حوصلہ افزائی کی اور زر و مال۔ جان و تن سے مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اس قدر تقویت بہت کافی تھی ۱۶۱ھ میں شمالی علاقے میں بغاوت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ فتنہ و فساد کے حامی شرارت پسند لوگ فوراً اس کے جھنڈے تلے آ گئے جلدی ہی یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ اب اسکیم کو عمل میں لانے کا وقت آیا۔ یہ سپاہی ابن عذرا کی سرکردگی میں طلیطلہ کی طرف بڑھے اور شہر پر قبضہ کر لیا۔ قاسم بن یوسف کو قید خانے سے نکال لیا گیا۔ اور اس کی قیادت قبول کر لی گئی۔ اس فتنہ کا آغاز ہی ہوا تھا اور اس کی وحشتناک خبریں عبدالرحمن کے کانوں تک پہنچی ہی تھیں کہ اسی مانے میں ۱۶۳ھ میں ایک دوسرا ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ جو اس سے کہیں زیادہ اہم۔ کہیں زیادہ خطرناک تھا۔ اور ایک وقت تو واقعی اس نے عبدالرحمن کو بھی لرزہ براندام کر دیا۔ اور اس کی سٹی بھی گم کر دی یہ تھا علاء ابن مغیث والسرائے افریقہ کا اندلس پر حملہ۔ بنو عباس جو مغرب میں مستقل عبدالرحمن کی کامیابیو اور قسمت آوریوں کی خبریں سن رہے تھے یہ کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے کہ ان کے عہدِ خلافت میں بنی امیہ کا نام و نشان کہیں بھی باقی رہ جائے۔ ان کو عبدالرحمن کا ہاتھ سے نکل جانا ہی سخت ناگوار تھا نہ کہ اس کا اتنی بڑی سلطنت کا امیر بن جانا۔ انہوں نے اپنے افریقہ کے حاکم اعلیٰ ابن مغیث کو فوراً یہ حکم دیا کہ اس نئی طاقت کا فوراً قلع قمع کریں۔ اور عبدالرحمن کو موت کی نیند سلا کر پرچم عباسی اندلس پر لہرا دیں۔ پھر سیاہ علم جو نشان بنو عباس تھا وہ اس کو بھیج بھی دیا گیا۔ کہ اس کی تقدیس اور موجودگی سے فتح لازمی تھی۔ علاء صوبۂ بیجا میں اترے اور سیاہ علم نصب کر دیا۔ اس سے زیادہ مقبول اس سے زیادہ ذی وقار کوئی دوسرا جھنڈا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ یہ کسی قبیلہ۔ کسی جماعت یا کسی انفرادی حاکم کا پرچم نہ تھا۔ بلکہ اس قوت کا نشان تھا جو اس وقت کی سب سے بڑی طاقت تھی۔ یہ ان کا علم تھا جن کی خلافت تمام ممالک اسلامیہ میں تسلیم کی جا چکی تھی۔ یہ ان کا پرچم تھا جن کی تعریف ہر منبر ہر مسجد سے ہر خطبہ میں ہوتی تھی۔ خلیفۃ الوقت ابو جعفر المنصور نے یہ نشان عباسی نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ مقناطیس کے ایک بہت بڑے پتھر کو روانہ کر دیا تھا۔ جس کے ارد گرد ہزاروں اقتدار پسند اور امن دشمن جمع ہو گئے۔ بیجا میں علاء بن مغیث کا استقبال اسی طرح سے کیا گیا جیسا کہ عبدالرحمن الداخل کا۔ جب وہ پہلے پہل اندلس کے ساحلوں پر پہنچے تھے۔ یہ ہنگامہ کوئی معمولی ہنگامہ نہ تھا۔ یہ فتنہ کوئی چھوٹا نہ تھا۔ یمنی فریق ہمیشہ ناقابلِ اعتماد رہے۔

Marfat.com

وہ لوگ جوق درجوق علاء کی سمت روانہ ہونے لگے۔ فہری تو خار کھائے بیٹھے ہی تھے۔ وہ بھلا اس موقع سے کب چوکنے والے تھے وہ بھی اس عباسی فرستادہ کے ساتھ ہو گئے۔ طلیطلہ میں بغاوت ہو ہی چکی تھی اور اس کو فرو کرنے کے لئے جو فوج روانہ کی گئی تھی اس کو بدرجہ مجبوری دبانے کا کام انجام دیئے بغیر واپس ہی بلانا پڑا تھا۔ بنو عباس کی فوج بیجا سے بڑھ کر دارالخلافہ تک پہنچی۔ اور اس کو روندتی ہوئی قرمونہ کی طرف بڑھی۔ جہاں عبدالرحمٰن اپنی منتشر طاقت جمع کر رہا تھا۔ شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اموی امیر کے لئے مصیبت کی گھڑی آگئی۔ محاصرہ نے طول کھینچا تو یمنی اور فہری کچھ بددل ہونے لگے۔ سپاہیوں میں سستی آگئی۔ فوجیوں میں تساہل بڑھ گئی۔ عبدالرحمٰن گھڑی گھڑی کی خبریں منگوا رہا تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانا اس نے مصلحتِ وقت سمجھا۔ ایک شب اس نے قلعہ میں آگ جلوائی اور اپنے سات سو جان بازوں کو جمع کر کے اس بات پر آمادہ کیا کہ مستقل طور پر اس عذاب سے نجات پانے کی یہی ایک صورت ہے کہ وہ جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر آگ و خون میں کود پڑیں۔ اور جب تک موت یا کامیابی کا منہ نہ دیکھ لیں جنگ سے باز نہ آئیں۔ موت سے مفر ممکن نہیں۔ عزت کی موت ذلت کی صدہا سال کی زندگی سے بہتر ہے۔ اس لئے میانوں کو نذر آتش کیا جائے اور تلواریں سونت کر سر سے کفن باندھ کر دشمنوں پر حملہ کر دیا جائے ایسا ہی کیا گیا۔ حملہ آوروں کے لئے یہ آفت ناگہانی تھی۔ اندھیری رات میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ان کی کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ سوجھی تو بس بھاگنے کی۔ اور اس میں سات ہزار نے جان گنوائی۔ جو جانیں بچا لے گئے وہ بچا لے گئے باقی قید کئے گئے۔ مقتولین میں علاء ابن مغیث اور ان کے علاوہ بہت بڑے بڑے سردار تھے۔ جو اپنی طاقت اور دلیری کا مظاہرہ کئے بغیر ہی موت کی آغوش میں جا پہنچے تھے۔ ان کے سر تن سے جدا کئے گئے۔ ان کو دھو کر صاف کر کے ان پر نمک اور کافور لگا کر ہر سر سے ایک پرچہ باندھ دیا گیا۔ جس پر مقتول کا نام اور اس کا عہدہ تحریر تھا۔ اور پھر ان کو بوریوں میں بند کر کے ایک تاجر کے ہاتھ جو قیروان جا رہا تھا بھیجدیا گیا۔ قیروان کے بازار میں وہ سر چپکے سے شب کی تاریکی میں رکھ دیئے گئے۔ کچھ دنوں بعد جب المنصور کو اپنی بھیجی ہوئی سپاہ کے اس ہولناک انجام کا پتہ چلا تو وہ چیخ اٹھا کہ خدا کا شکر ہے کہ میرے اور اس خطرناک دشمن کے درمیان سمندر کا پانی حائل ہے۔

طلیطلہ میں ہنگامہ ابھی بدستور قائم تھا۔ وہاں کا فتنہ ابھی سرد نہ ہوا تھا بغاوت کی آگ

Marfat.com

ابھی نہیں بجھی تھی۔ سال آئندہ یعنی ۷۶۴ء میں عبدالرحمٰن نے اپنی توجہ اس جانب مبذول کی۔ بدر اور تمیم بن علقمہ جو طلیطلہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ سخت گیری پر آمادہ ہوگئے۔

باہر سے ہر چیز کی پہنچ اندر بند کر دی گئی جہاں اب انتشاری کیفیت تھی۔ رہزن ادھر لوٹ کرتے پھر رہے تھے۔ علقمہ نے دیکھا کہ رعایا سخت پریشان ہے۔ فوراً امن کا پیغام بھیجا۔ بشرطیکہ باغیوں کو ان کے سپرد کر دیا جائے۔ یہ بہت ہی دل پسند پیش کش تھی۔ اہلیان طلیطلہ نے فوراً قبول کر لی۔ اور سرکردہ لوگوں کو حوالے کر دیا گیا۔ شہر پناہ کے پھاٹک کھول دیئے گئے۔ باغیوں کو قرطبہ روانہ کر دیا گیا۔ جہاں کہتے ہیں ان لوگوں کو داخل ہونے سے پہلے ایک درزی ایک نائی اور ٹوکرا بننے والا ملا۔ پہلے نائی نے باغیوں کے سر منڈے درزی نے ٹاٹ کا ایک لمبا عمامہ سی دیا۔ ٹوکرے والے نے پیر سے کمر تک ٹوکرا بن دیا۔ اس ہئیت میں یہ لوگ قرطبہ میں داخل ہوئے۔ جہاں گلیوں گلیوں سڑکوں سڑکوں گھمائے گئے اور بعد میں سب کو قتل کر دیا گیا۔

مصیبتیں عبدالرحمٰن کا پنڈ چھوڑنے کو تیار نہیں تھیں۔ ایک ہنگامہ فرو ہوتا تو دوسرا کھڑا ہو جاتا ایک بغاوت دبائی جاتی دوسری ابھر آتی۔ ان بغاوتوں سے نجات کو ابھی پورے دو سال بھی نہ گزرے تھے کہ نبلہ کا ایک یمنی سردار سعید مطری عبدالرحمٰن کے خلاف کمربستہ ہو گیا۔ یہ بغاوت ۷۶۶ء میں خواہ مخواہ ہی کھڑی ہوگئی۔ مطری کو شراب نوشی کی عادت بہت تھی۔ ایک شب جب وہ نشے میں دھت تھا تو اس کے ہم مشربوں نے کہیں عربوں اور یمنیوں کے قتل کی داستان و علاء بن مغیث کے فتنہ سے وابستہ تھی چھیڑ دی۔ مطری کو اپنے قبیلے والوں کی اس سخت خونریزی پر بہت تاؤ آیا اور اسی وقت عہد کیا کہ جب تک اس کا بدلہ نہ لے گا چین سے نہ بیٹھے گا۔ اسی بدمستی کے عالم میں اس نے اپنے نیزے سے ایک سیاہ کپڑے کا ٹکڑا بھی باندھ لیا۔ اور اس کو بلند کر دیا۔ یہ سب نشے کی باتیں تھیں۔ صبح ہوئی نشہ اترا تو مطری کے ذہن میں کچھ بھی محفوظ نہ تھا۔ اتفاقاً اس کی نظر نیزے پر پڑی۔ پوچھا کہ یہ کپڑا اس میں کیوں باندھا ہوا ہے۔ بتلایا گیا کہ شب گزشتہ یہ عہد کیا تھا کہ عبدالرحمٰن سے اس قتل و خون کا بدلہ لے گا جو عربوں اور خصوصاً یمنیوں کا اس نے بہایا ہے۔ جب وہ ابن مغیث کے جھنڈے تلے جمع ہوئے تھے۔ مطری سہم کر رہ گیا کہا کہ فوراً اس کپڑے کو نوچ کر پھینک دو مبادا کہیں باہر اس کی خبر پھیل جائے اور اس کا شمار بھی باغیوں میں ہونے لگے۔ جب حکم کی

Marfat.com

تعمیل ہونے لگی۔ تو اُس کے پندار۔ اس کی غیرت نے کروٹ لی۔ اور رُک جانے کا حکم دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنے قبیلہ والوں سے صف آرا ہونے کی درخواست کی۔ عہد جو ایک بار کر لیا گیا سو کر لیا گیا چاہے وہ کسی بھی عالم میں کیوں نہ کیا جائے۔ تلواریں کھنچ گئیں۔ علمِ بغاوت بلند کر دیا گیا۔ بڑی ہمت اور جوانمردی سے عبدالرحمٰن کی بھیجی ہوئی نوجوں کا مقابلہ کیا گیا۔ اور جب تک جان نہ دیدی تلوار ہاتھ سے نہ چھوڑی۔ اِس کی جوانمردی کو دیکھ کر اس کے ساتھی بھی جان کی بازی لگانے پر آمادہ ہو گئے۔ اور اس کی موت کے بعد بھی اس وقت تک لڑائی بند نہ کی۔ جب تک سب کو سلامتی اور امان نہیں دیدی گئی۔

اس فتنے کے دبتے ہی ابوالصباح جو اس وقت شبیلہ کا گورنر تھا بغاوت پر کمربستہ ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کو اس شخص پر کبھی بھی اعتماد نہ رہا تھا اور خصوصاً اس وقت سے جبکہ جنگ موسارا کے خاتمے کے بعد اس نے عبدالرحمٰن کے قتل کی سازش کی تھی۔ وقت کی نزاکت کا تقاضہ یہ تھا کہ معاملہ کو درگزر کر دیا جائے اور اس حرکت ناشائستہ پر چشم پوشی کی جائے۔ چشم پوشی کی گئی۔ اور ابوالصباح کو اشبیلہ کی حکومت سونپ دی گئی۔ ۷۶۶ء میں جب عبدالرحمٰن اور جھمیلوں سے نجات پا گیا تو اُس نے ابوالصباح کی سرزنش لازمی سمجھی۔ بعض انتظامی خامیوں کی وجہ سے اس کو سب سے پہلے معزول کر دیا گیا اس کے خلاف کسی قدم اُٹھانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ یہ معزولی بھی ابوالصباح کو بہت گراں گزری اور وہ مخالفت پر تل گیا۔ یمنیوں سے ایک بار پھر عبدالرحمٰن کے خلاف صف بستہ ہونے کی درخواست کی گئی اور وہ بہت ہی رغبت سے سُنی گئی۔ اب امیر کو یہ اندازہ ہوا کہ اس کا یہ دشمن کسی معمولی طاقت کا مالک نہیں ہے۔ یہ مصیبت کا ازالہ محض جنگ ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ دانشمندی اور حیلہ سازی سے بھی' اس کا اندازہ عبدالرحمٰن کو بخوبی تھا۔ اس نے اپنے خاص معتمد ابن خالد کو ابوالصباح کے پاس صلح کا پیغام لے کر بھیجا۔ جب گفتگو کسی فیصلہ کن نتیجہ پر نہیں پہنچی تو اس کو امیر کے حضور آنے کی دعوت دی گئی۔ ابوالصباح تمام حفاظتی ترکیبوں کو مدنظر رکھتے ہوئے چار سو جانبازوں کے ساتھ امیر عبدالرحمٰن سے ملنے اس کے محل اندر پہنچا جہاں اس کی بہت خاطر مدارات کی گئی مگر جب گفتگو مسئلہ خاص تک پہنچی تو تلخی اور کشیدگی بڑھی۔ ابوالصباح کو یہ یقین تھا ہی کہ چار سو سرفروش محل کے دروازے پر کھڑے ہوئے اس کے ایک اشارے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس لئے دب کر وہ بات کرنے پر تیار نہیں تھا۔ عبدالرحمٰن کو گفتگو کی تلخی ناگوار تھی۔ لہٰذا بنوک شمشیر اس نے ابوالصباح کی زبان بند کرنا چاہی۔ ابوالصباح بھی تلوار کھینچ لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ معاملہ کی نزاکت سمجھتے ہوئے

Marfat.com

عبدالرحمٰن کے حفاظتی دستے جو وہیں موجود تھے بیچ میں کود پڑے اور ابوالصباح کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کر دی۔ تھوڑے وقفے بعد عبدالرحمٰن نے خون کے تمام نشانات مٹا ڈالے اور لاش پر ایک دبیز چادر ڈال کر اپنے وزیروں کو طلب کیا اور ان سے یہ جتلا کر کہ ابوالصباح جو اس کی قید میں ہے۔ یہ مشورہ طلب کیا کہ اسے محض قیدی ہی رکھا جائے یا ختم کر دیا جائے۔ سب وزیر جو ابوالصباح کی طاقت اور مقبولیت سے واقف تھے یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے شہسوار محل کے دروازے ہی پر موجود ہیں جبکہ بادشاہ کی فوجیں دور ہیں مناسب یہی سمجھا کہ فی الوقت قتل سے درگزر کیا جائے اور محض قید پر اکتفا کی جائے۔ صرف ایک وزیر جو عبدالرحمٰن کا عزیز تھا اس رائے کے خلاف تھا اور ابوالصباح کے قتل کا حامی تھا۔ یہ مشورہ یونہی برائے نام طلب کیا گیا تھا۔ چادر ہٹا کر ان سب کو ابوالصباح کی لاش دکھلا دی گئی۔ ان کا وہ گمان کہ باہر کھڑے ہوئے چار سو سوار جان دینے لینے پر تل جائیں گے بے بنیاد ثابت ہوا ان کو جب اطلاع ملی کہ ان کا سردار موت کی نیند سلا دیا گیا ہے تو وہ بھی خاموشی سے جس سمت سے آئے تھے ادھر ہی روانہ ہو گئے۔

اس کے بعد ایک اور مصیبت کھڑی ہو گئی۔ اس کا بانی ایک اسکول کا معمولی ماسٹر شاکیہ تھا۔ جو بچوں کو قرآن مجید پڑھایا کرتا تھا۔ یہ قبیلہ میکناسہ بربری سے تعلق تھا۔ جو عبدالرحمٰن کے ہمنوا تھے اور امن و آشتی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ افریقہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے اور اسلام سے دلچسپی بھی نئی نئی ہونے کے سبب ان میں توہم پرستی بہت تھی۔ جہالت نے اس پر اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا۔ قرآن کا مطالعہ گہری نظر سے کرنے کی وجہ سے علم احادیث اور تھوڑا بہت فقہ اور شریعت سے واقفیت کی بنا پر یہ اپنے قبیلہ میں عالم مشہور ہو گیا اس شہرت نے اس کے نیم پختہ شعور پر غلط اثر ڈالا اور اس نے اپنے آپ کو مہدی آخرالزماں مشہور کر دیا۔ تاویلات یہ پیش کیں کہ وہ بنو فاطمہ میں سے ہے اور حضرت علیؓ اور ان کی بیوی فاطمہ رضؓ کی تمام کرامت اور بزرگی اس کو ورثہ میں ملی ہے۔ خود اس کی اپنی ماں کا نام بھی فاطمہ تھا۔ اب اپنا نام اس نے عبداللہ ابن محمد رکھ لیا۔ اور وعظ و پند اور تبلیغ کرنے لگا۔ بہت ہی جلد اس کے معتقدین کا حلقہ بڑھنے لگا۔ دور دور سے برابر آ آ کر اس سے برکتیں حاصل کرنے لگے۔ اور حلقہ بگوشوں میں شامل ہونے لگے۔ جب معاملہ نے اتنا طول کھینچا تو شاکیہ کے سر میں دوسرا ہی سودا سمایا۔ اس نے اپنا جھنڈا بلند کر دیا اور لوگوں کو اس کے نیچے جمع ہونے کی تلقین کرنے لگا۔ لوگ دھڑا دھڑ بیعت کرنے لگے اور بڑی سے بڑی قربانی کے لیے بھی آمادہ نظر آنے لگے۔ شاکیہ انبوہ

Marfat.com

درا انبوہ لے کر مشرقی اندلس سے جہاں اس کا مرکز تھا روانہ ہوا اور بہت ہی جلد شاکیہ بریہ۔ مریدا۔ کوریا۔ اور مدلین پر قابو حاصل کر بیٹھا۔ عبدالرحمٰن کو جو یہ خبریں ملیں تو اُس کی بے چینی بڑھی۔ گورنر طلیطلہ کو حکم دیا گیا کہ وہ اس فتنے کا سدباب کرے۔ شاکیہ نے اس کو زبردست شکست دی۔ اور دوسرے بربریوں کے ساتھ جو اپنا خلوص اموی سردار عبیدار کے ساتھ بھی بناہ چکے تھے۔ شاکیہ نے آگے بڑھ کر ایک اور دوسری فوج کو بھی ہزیمت دی۔ چھ سال تک متواتر فوجیں اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے روانہ کی جاتی رہیں اور ہمیشہ شکست سے دوچار ہوتی رہیں۔ آخر کار عبدالرحمٰن کو ایک بار پھر طاقت کے بجائے حیلہ سازی کا سہارا لینا پڑا۔ ایک دوسرے بربر سردار کو شاکیہ کے خلاف بھڑکایا گیا۔ اس میں شاکیہ کی اس قوت کے خلاف رشک و حسد پیدا کیا گیا۔ اور پھر اس بات کا وعدہ کیا گیا کہ اگر اس نے کسی طریقہ سے شاکیہ کو راستے سے ہٹا دیا تو اس کی عزت اور منصب میں اضافہ کیا جائے گا یہ ترکیب کام آئی۔ اب جو جنگ شروع ہوئی تو خود بربریوں میں پھوٹ تھی۔ شاکیہ مکر و حیلہ سے قتل کر دیا گیا۔ پھر اُس کے ساتھیوں پر اس نے اس بری طرح سے حملہ کیا۔ کہ ان کو جان بچانا مشکل ہو گیا اور تقریباً تیس ہزار آدمی اپنی جان گنوا بیٹھے۔ پھر بھی شاکیہ کے معتقد بددل نہ ہوئے اور برابر مخالفت پر آمادہ رہے اور آئندہ چار سالوں تک وسط اندلس میں اودھم مچاتے رہے۔

اس مصیبت کا پوری طرح سے خاتمہ نہ ہوا تھا کہ ایک اور نئی مصیبت کھڑی ہو گئی۔ اس کے بانی مبانی ابوالصباح کے حمایتی اور اس کے ہمدرد تھے۔ ان کو ابوالصباح کی اس بے دردانہ موت پر بہت قلق تھا اور وہ کسی مناسب موقع کا انتظار کر رہے تھے کہ جب عبدالرحمٰن کی اس جعلسازی کا بدلہ لے سکیں۔ گورنر لبلہ اور بیجا جو اس سازش کے اہم کردار تھے عبدالرحمٰن کو مرکز سے دور دیکھ کر جب وہ شاکیہ کے فتنہ دبانے میں مصروف تھا اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ قرطبہ پر خاموشی سے قبضہ کرنے کی سوچی گئی۔ عبدالرحمٰن کو جیسے ہی ان کے ان بد ارادوں کی خبر لگی وہ فوراً دارالخلافہ پہنچا اور محل کے اندر ایک دن بھی آرام کئے بغیر خود فوجوں کو مجتمع کر کے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ دونوں کا مقابلہ وادی الفیر River Bembezar کے کنارے ہوا۔ معمولی جھڑپوں کے بعد عبدالرحمٰن نے پھر چالاکی سے کام لینے میں مصلحت سمجھی اور اپنے بربر ہمنوا جو قبیلہ الخیلی سے متعلق تھے دشمنوں کی فوجوں میں ابتری اور انتشار پھیلانے پر تیار کیا۔ انہی کی کوششوں سے یمنیوں اور بربریوں میں تفرقہ بھی پیدا کر دی اور بربریوں کو نہ صرف امن بلکہ انعام کا یقین دلا کر ان کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ دوسرے

Marfat.com

دن جب جنگ کے لئے فوجیں صف آرا ہونے لگیں تو بربریوں نے یمنی سرداروں سے کہا کہ ہم لوگ زیادہ بہتر طریقہ سے جنگ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر کر سکتے ہیں۔ جبکہ تم لوگ پاپیادہ بھی لڑنے میں ماہر ہو۔ یمنیوں کو اس کی بالکل اطلاع نہ تھی کہ اندر ہی اندر کیا گھٹ رہی ہے۔ بغیر کسی شبہ کے انہوں نے اپنے گھوڑے بربریوں کے حوالے کر دیئے جنگ ٹھیک سے شروع بھی نہ ہونے پائی تھی کہ بربری گھوڑے دوڑاتے ہوئے عبدالرحمٰن کی فوجوں سے جا ملے۔ اور پھر مل کر یمنیوں پر حملہ کر دیا۔ ہر چہار طرف سے گھر کر یمنی بری طرح پسپا ہوئے۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مقتولین میں یمنی بھی شامل تھے اور وہ بربر بھی جو ان کے ہمدرد رہے تھے۔ نعشوں کی تعداد ان گنت تھی۔ ان کو وہیں کھڈوں میں دفن کر دیا گیا۔

باب (۲۱)

ایک گہری سازش (عبدالرحمٰن الثانی)

اب تک جتنے فتنے، ہنگامے، بغاوتیں عبدالرحمٰن کے خلاف بلند ہو چکی تھیں یہ سب اس گہری سازش کے سامنے ہیچ تھیں۔ جس کا خاکہ بڑی بڑی طاقتوں نے مل کر تیار کیا۔ اور جس کی کامیابی کے بعد عبدالرحمٰن کی طاقت اور عظمت بالکل ختم ہو جانے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہ جاتا۔ یہ طاقتیں اس عہد کی مانی ہوئی تھیں۔ ان میں شہنشاہ فرانس شارلیمین جس کی بڑائی اور شوکت کے ترانے آجتک گائے جاتے ہیں۔ خلیفۃ المسلمین مہدی یا ہارون الرشید جس کی عظمت اور حشمت کی داستانوں سے نہ صرف صفحات تاریخ پر ہیں۔ بلکہ قصوں اور افسانوں میں بھی تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سابق امیر یوسف کے بیٹے ابوالاسود جو عمر قید کی سزا بھگت رہے تھے ان کے داماد عبدالرحمٰن ابن حبیب گورنر افریقیہ اور سلیمان بن تعطان الغربی قبیلہ کلبیہ کا سردار اور حاکم برشلونہ۔ شامل تھے۔ ماسوا ان کے کچھ چھوٹی چھوٹی طاقتوں کی بھی حمایت حاصل تھی۔ ان میں صوبہ دشقہ کا حاکم ابوثور۔ اور سرطانیہ کا عیسائی سردار تھا مس مگند تھے۔ یہ سب مل کر ایک ایسی قوت بن گئے تھے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہ کر سکتی تھی۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

ابوالاسود مرحوم یوسف کا سب سے چھوٹا بیٹا اپنے باپ کے باغیانہ خیالات اور ان پر عمل درآمد کرنے کی وجہ سے موت کی سزا کا مستحق تو اس وجہ سے قرار نہیں دیا گیا کہ بہت کم عمر تھا خوبرو اور نیک تھا مگر قید تاحیات کی شکلوں سے ضرور دوچار تھا۔ آدمی ذہین اور ہوشیار تھا۔ کچھ دنوں بعد سے اس نے بصارت سے محروم ہونے کا بہانہ کیا اور ہر آزمائشی امتحان جو اس کی

بینائی کو جانچنے کے لئے کیا گیا۔ برداشت کیا اور آخر کار ثابت کر کے رہا کہ وہ قدرت کی اس نعمت سے واقعی محروم ہو چکا ہے۔ برسوں اندھا بنا رہا اور اس طرح سے وہ اپنے نگہبانوں کی توجہ سے رفتہ رفتہ بے نیاز ہوتا رہا جس مکان میں وہ نظر بند تھا وہ لب دریا تھا اور اس کا دروازہ ایک دریا کی جانب بھی کھلتا تھا۔ مقربوں میں سے صرف ایک آدمی کو وقتاً فوقتاً اس سے ملنے اور حالت دریافت کرنے کی اجازت تھی اسی آدمی کے ساتھ کھچڑی پکنے لگی۔ اور اسی نے ابو الاسود کو یقین دلایا کہ اگر کسی طرح وہ یہاں سے نجات حاصل کرے تو طلیطلہ کے بربری اور دوسرے فریق اب بھی اس کی حمایت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہیں۔ ایک شام جب جیلروں کی توجہ کسی دوسری طرف بٹی ہوئی تھی وہ وضو کرنے کے بہانے سے دریا کے کنارے پہنچا اور پھر گرداب سے غوطہ لگا کر دریا کے اندر تیرتا ہوا دوسرے کنارے جا نکلا۔ جہاں نہ معلوم کتنے عرصے سے ایک گھوڑا ہتھیار اور لباس ایک آدمی لئے کھڑا رہتا اور اس وقت کا منتظر رہتا۔ جب شہزادہ صحیح سلامت اس کنارے پہنچ جائیگا دریا میں جب چھپا کا ہوا تو جیلروں نے اپنا رُخ تو ادھر موڑا مگر ان کے گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ ان کا اندھا قیدی دریا میں تیر جانے کا اہل ہوگا جب ان کو علم ہوا تو ابو الاسود گھوڑے کی پیٹ پر سوار سرپٹ دوڑاتا ہوا طلیطلہ کی جانب نہ جانے کتنی دور پہنچ چکا تھا۔ اور اس کی دسترس سے باہر تھا۔

خلیفہ بغداد اور شاہ فرانس کے درمیان نہ معلوم کب سے یہ معاہدہ ہو چکا تھا کہ اگر شارلیمین عبدالرحمن پر فوقیت حاصل کرے تو اسپین کا علاقہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ یہ معاہدہ بڑی نا عاقبت اندیشی کا نتیجہ تھا اور مسلمانوں کی اتنی عظیم الشان سلطنت کا سودا کفار کے ساتھ تھا۔ مگر ذاتی مفاد اور خود غرضی ان تمام چیزوں کو سوچنے سمجھنے اور ان نظریات کا صحیح جائزہ لینے سے ہمیشہ سے قاصر رہی ہے۔ اسی دوستانہ معاہدہ کا نتیجہ تھا کہ خلیفۃ المسلمین نے کئی بیش قیمت تحفہ جات شاہ افرنجہ کی خدمت میں گزارے تھے۔ جن میں وہ محیر العقول گھڑی بھی تھی جو صحیح وقت بتاتی تھی۔ جو آج ایک عام ضروریات کی اشیا میں سے ہے۔ کل مسلمانوں کی یہ ایجاد یورپ میں جادو کا کھیل سمجھی جاتی تھی۔

سازش کے سرکردہ شارلیمین سے پیدربورن Pader Born کے مقام پر ۷۷۷ء میں ملے جبکہ وہ اہل سیکسن کو ایک زبردست شکست دے کر اپنی فتح کی خوشیاں منا رہا تھا سلطان اسپین کے خلاف سازشی گفتگو کا آغاز ہوا اور شارلیمین نے اتنی بڑی سلطنت کو یوں

Marfat.com

قابو میں آتے دیکھ کر فوراً اپنی ہمدردی ۔ دوستی اور امداد کا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس کے لئے یہ موقع انتہائی خوش بختی کا تھا کہ اس کا ایک بہت بڑا دشمن پہلے ہی اس کے ہاتھوں ہزیمت اٹھا چکا تھا۔ اور وہ ہزاروں کی تعداد میں قید یا موت کے گھاٹ اتارے جا رہے تھے یا عیسائی بننے پر مجبور کئے جا رہے تھے۔ اس کا دوسرا دشمن وٹیکند (Widukind) پہلے بھی شکست خوردہ ہو کر ڈنمارک بھاگ چکا تھا۔ اور اب ایسی گھڑی میں مسلمانوں کی طرف سے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی پیشکش بھلا اس سے بہتر کیا چیز ہو سکتی تھی۔ معاہدہ کے جزئیات طے ہونے لگیں۔

مشورہ ہوا کہ شارلیمن ایک تازہ دم لشکر گراں کے ساتھ کوہ البرتات Pyrenees کو طے کرتا ہوا اندلس کی شمالی حدود میں داخل ہو گا۔ جہاں العربی وادی ایبرو کے پاس اس کا استقبال کرے گا۔ اور مسلح افواج کے ساتھ اس کی اعانت کرے گا۔ ابن حبیب جنوب میں تدمیر کے علاقہ میں عباسی جھنڈا بلند کرے گا۔ اور شورش پیدا کر کے عبدالرحمٰن کی توجہ کو ادھر بھی مبذول ہونے پر مجبور کرے گا۔ مگر قدرت ان تجاویز پر مسکرا رہی تھی۔

عبدالرحمٰن ابن حبیب طے شدہ امر کے مطابق ساحل تدمیر پر اترے اور اندرون صوبے میں داخل ہو کر شورش بپا کرنے پر تل گئے۔ العربی کو وعدہ کے مطابق مدد بھیجنے کے لئے لکھا۔ ابن حبیب کی یہ آمد کچھ قبل از وقت تھی۔ العربی کا جواب آیا کہ وہ تو شمال میں عیسائی فوجوں کا انتظار کر رہا ہے پھر دونوں مل کر سارے علاقے کو روندتے کچلتے اور پامال کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچیں گے۔ ابن حبیب کو اس کی دیانت پر شبہ ہو گیا۔ اور بجائے عبدالرحمٰن سے تعرض کرنے کے وہ العربی سے دست و گریبان ہونے پر آمادہ ہو گیا۔ مگر تدبیر کچھ کام نہ آئی۔ ناکامیابی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جان لے کر بھاگا تو ایک بربری سردار قبیلہ اورتیم (Oretum) سے متعلق اس کی جان لینے پر تل گیا۔ ابن حبیب کو اس پر بڑا اعتماد تھا حالانکہ وہ عبدالرحمٰن کا ایجنٹ تھا۔ اعتماد کی خاطر جان کھوئی اور ساری اسکیم بھی یونہی دھری کی دھری رہ گئی۔

اب شارلیمن ۱۶۲ھ؁ ۷۷۸ء؁ کے آخر میں اسپین کو اپنی ملکیت میں شامل کرنے کے ارادے سے چلا۔ اس کا ایک حلیف ابن حبیب پہلے ہی موت کی نیند سو چکا تھا۔ ابو الاسود اس وقت تک کوئی طاقت مجتمع بھی نہ کر پایا تھا۔ اور اس کی امداد کا اہل نہ تھا۔ البتہ العربی ابن حبیب کو شکست دے کر اور بھی فخر و تکبر کے ساتھ شاہ فرانس کی اعانت پر آمادہ تھا۔ اپنے ایک معتمد اور حلیف حسین بن یحیٰی کے ساتھ وہ حدود سرقسطہ میں داخل ہو کر انتشار اور افتراق پھیلا کر اس پر قابض ہو چکا تھا۔ مگر جب

Marfat.com

شارلیمین سرقسط کے دروازے پر پہنچا تو العربی کی فوج میں باغیانہ خیالات موجزن ہو چکے تھے اور وہ اپنے ہی مذہب والوں کے خلاف عیسائیوں کے حلیف بننے پر بالکل تیار نہ تھے۔

حسین ابن یحییٰ اب شارلیمین کی رفاقت پر آمادہ نہ تھا۔ سرقسط کے دروازے بند کر دیئے گئے اور عیسائی فوج کو داخل ہونے سے روک دیا گیا۔ العربی اس خوف سے کہ کہیں عیسائیوں کو آخر میں فتح نہ ہو اور پھر وہ کسی سخت ترین سزا کا مستحق ٹھہرایا جائے۔ چپکے سے شارلیمین کے پاس سرک گیا اور محاصرے کی تیاریوں میں مدد دینے لگا۔

ابھی جنگ کی نوبت بھی نہ آئی تھی اور محصورین کی جانب سے ایک آدمی کو بھی تلوار اٹھانے کی ضرورت نہ محسوس ہوئی تھی کہ قدرت نے اپنی اعانت کے دروازے ان پر کھول دیئے۔ فرانس سے ایک وحشت ناک خبر آئی کہ ڈیٹکنڈ Witikind ڈنمارک سے واپس آکر پھر اہلیان سیکس کی مدد سے بغاوت پر آمادہ ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ باغیوں نے دریائے رائن تک تمام علاقہ بزورِ شمشیر فتح کر لیا ہے۔ آگ اور تلوار کا یہ طوفان ڈوDuetz فتح کر کے کولون Colone کے روبرو پہنچ چکا ہے۔ اور اس کے بعد دار السلطنت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے شارلیمین یہ سن کر گھبرا گیا اور مسلمانوں سے جنگ کے ارادے کو ملتوی کر کے فوراً فرانس کی طرف چل پڑا۔ پہلے پمپلونہ پہنچے تو اس کو خوب لوٹا اور فصیل کی دیواریں گرا دیں۔ اور پھر وادی ردن سس ویلے Ronces valley کے دشوار گذار تنگ درّے سے گزر کر اپنے ملک کی طرف بڑھے۔ مگر ایک اور مصیبت جو اُن پر پڑنے والی تھی اس سے ناواقف تھے۔ کوہستان کی خوفناک قوم تشنگس ہمیشہ سے فرانسیسیوں اور عیسائیوں کی دشمن رہی ہے۔ اس نے جو شارلیمین کی فوجوں کو اس تنگ وادی سے گزرتے دیکھا تو گھات میں بیٹھ گئی۔ تنگ درہ ہونے کی وجہ سے پوری فوج ایک ساتھ نہیں گزر سکتی تھی۔ جب طلایہ یعنی آگے کا حصہ نکل گیا تو پچھلے حصہ پر یہ باز اور چیل کی طرح ٹوٹ پڑے ایک ایک آدمی کو چن چن کر قتل کر دیا۔ سارا مال اسباب لوٹ لیا عقبی فوج پوری تباہ ہو گئی۔ سارے افسر کام آ گئے۔ انہیں میں مشہور و معروف رولینڈ پری فیکٹ آف مارچ آف برٹینی Roland Prefect of march of Britanny بھی تھے۔ اس مہم کا یہ عبرتناک اور ہیبت ناک انجام ہو گا۔ شارلین نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ جو یہ آفت ٹوٹی تو اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اور آیندہ کسی لشکر کشی کے ارادے سے باز آیا۔

امیر عبدالرحمٰن جو ان پریشانیوں کو محسوس کر رہے تھے۔ اور خاموشی سے حالات کا جائزہ

Marfat.com

لے رہے تھے۔ یہ سوچ کر کہ عیسائیوں کی تباہی ان کے لئے فال نیک ہے اور یہی موقعہ ہے جو باقیماندہ دشمنوں سے بدلہ لیا جائے۔ ایک فوج لے کر سرقسطہ کے دروازے پر جا پہنچے۔ العربی جس نے اپنی وفاداری بڑی حد تک شارلمین سے دکھلائی تھی اب پچھتا رہا تھا۔ مگر اب پچھتانے سے ہوتا بھی کیا تھا۔ مسلمان خود اس کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ چنانچہ کبھی جو اس کا دست راست تھا حسین بن یحییٰ وہی اس کا سب سے بڑا دشمن بن کر ایک دن جب وہ نماز پڑھنے مسجد گیا ہوا تھا قتل کر دیا۔ حسین بن یحییٰ عبدالرحمٰن کے مقابلے پر آیا مگر منہ کی کھائی۔ اس کی سپاہ نے خود اس کو امیر کے سپرد کر دیا۔ جہاں اس کو تکلیف اور سزائیں دے دیکر مار ڈالا گیا۔ سرقسطہ پر قابو حاصل کر کے امیر قوم بشنکس کے سردار کاونٹ لاسارڈین کی طرف رجوع ہوئے اور اس کو ہزیمت دے کر اپنا خراج گذار بنا لیا۔ ان تمام دشمنوں میں اب صرف ابوالاسود ہی بچا تھا۔ وہ جین اور البیرا کی پہاڑیوں میں اپنی فوج کی تعداد مستقل بڑھا رہا تھا۔ بہت سے لوگ جو امیر اندلس سے ناخوش تھے۔ وہ سابق امیر کے بیٹے سے آملے۔ اور ان کی تعداد چار ہزار تک پہونچ گئی۔ وہ لوگ اب سیغور Segurea تک کے علاقوں میں چھاپہ مارنے لگے۔

امیر اس کی سرزنش کے لئے نکلے۔ مریدا اور دوسرے علاقوں کے حاکموں کو بھی لکھا کہ اس کی مدد کو پہنچیں۔ ابوالاسود اور اس کے ساتھیوں کو جب امیر عبدالرحمٰن کی پیش قدمی کی خبر ملی تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ وہ لوگ پہاڑوں میں کوہوں میں دروں میں جا کر چھپ گئے۔ امیر کی فوج جتنا ہی آگے بڑھتی یہ لوگ اتنا ہی پیچھے ہٹ جاتے۔ اور کھلے میدان میں مقابلہ کرنے سے گریز کرتے۔ مجبوراً امیر نے اپنی فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ اور ہر چہار طرف ان کو پھیلا دیا۔ دشمن ان حدود سے بھاگ کر قشلانہ Catalona پہونچ گئے۔ تعاقب جاری رہا۔ انجام کار وادی العما Guadlamar میں مقابلہ ہوا۔ ابوالاسود کو شکست ہوئی۔ اور اس کے چار ہزار سپاہی مارے گئے۔ تین چار ہزار جو اور اس درمیان میں اس سے آملے تھے۔ وہ دریائے عمار میں کود کے کچھ جان بچا لے گئے کچھ غرق دریا ہو گئے۔ ابوالاسود بھیس بدل کر بھاگا۔ مگر کہیں سر چھپانے کی جگہ نہ مل سکی اور موت ہی نے اس کی دشواریوں کا خاتمہ کیا۔

ابھی ابوالاسود کا ایک بھائی اور قاسم باقی تھا۔ اس نے قبیلہ مغیلہ کے ایک سردار سے مل کر علم بغاوت بلند کیا۔ مگر کچھ بن نہ آئی گورنر تدمیر نے ایک فوج روانہ کی جس نے قاسم اور اس کے

Marfat.com

ہمراہیوں کو شکست بھی دی اور قید بھی کر لیا۔ قاسم کو پابجولاں حضور سلطان پیش کر دیا گیا۔ جہاں اس کے گڑگڑانے اور معافی مانگنے پر بخش دیا گیا۔ اور اشبیلیہ کے پاس ایک جاگیر بھی عطا کر دی۔

سنہ ۱۶۱ھ تک ان تمام دشمنوں سے امیر کو نجات مل گئی مگر رفتہ رفتہ اب اس کے اقرباء اور وفادار خدام ہی اس کے خلاف سر اٹھانے کی ہمت کرنے لگے تھے۔ یہ سب وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے بلاشبہ ایک بار اپنا خون پسینہ ایک کر کے عبد الرحمن کو فقیر سے امیر۔ گدا سے گدی نشین اور خستہ حالت سے نکال کر تخت اندلس کا مالک بنا دیا تھا۔ مگر اس کے عیوض امیر نے بھی ان کی خدمات کا صلہ اور معاوضہ دینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ ان کی دلجوئی اور دلجمعی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا تھا ان کو جاگیریں بخشی تھیں۔ عطیہ دیئے تھے۔ حکومتیں دی تھیں۔ مگر اب طاقت اور دولت کے نشہ سے سرشار ہو کر وہی لوگ شوخیاں کر رہے تھے۔ شوخیوں کی سزا تو بہر حال ملتی ہی ہے۔ عبید اللہ وہ شامی سردار جس نے سب سے پہلے عبد الرحمن کو اندلس آنے کی دعوت دی تھی۔ ایک ہزار اشرفیاں اور جہاز بھی مہیا کیا تھا۔ ہر مہم میں ساتھ ساتھ بھی رہا تھا۔ اپنے بھتیجہ کی وجہ سے بادشاہ کے غیض و غضب کا شکار رہا۔ یہ بھتیجہ وجیح نامی کسی وقت میں شاکیہ کا ہمنوا رہ چکا تھا اس لئے راندۂ درگاہ تھا۔ اور موقع ملتے ہی قتل کا واجب ٹھہرایا گیا قتل کر دیا گیا۔ عبید اللہ نے اس کی بہت سفارش کی مگر بیکار ثابت ہوئی۔ یہ بات عبید اللہ کو بہت ناگوار معلوم ہوئی اور وہ دل ہی دل میں اس کا دشمن بن بیٹھا۔ کسی دوسرے موقع پر جب عبد الرحمن کے خلاف کوئی سازش کی گئی تو اس میں عبید اللہ کا نام بھی سازش کنندہ میں شامل تھا۔ ہر چند کہ ثبوت مکمل نہ تھا مگر پھر بھی اس کو سزائے موت دی گئی۔

جان نثار غلام بدر کا بھی یہی حشر ہوا۔ معمولی سی ناراضگی پر اس کی جاگیر ضبط کر لی گئی اور دور دراز کے علاقہ میں جلا وطن کر دیا گیا۔ اور پھر قید کر دیا گیا۔ باقی زندگی اس نے تنگدستی اور جیل ہی میں کاٹی۔

یہی نہیں شاہی خاندان کے افراد نے بھی بادشاہ کی جان لینے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سب سے پہلے دو شہزادگان نے تین اور دیگر امراء سے مل کر سازش کا باب کھول دیا۔ مگر بھانڈا پہلے ہی پھوٹ گیا۔ پانچوں پہلے قید کئے گئے پھر ثبوت مہیا ہونے پر قتل کر دیئے گئے۔ مغیرہ امیر کے بھتیجے نے بھی ہذیل۔ جمیل بن حاتم کے بیٹے سے مل کر جان لینے کی ٹھانی مگر جس کو

Marfat.com

خدا رکھے اس کو کون چکھے۔ یہ اسکیم بھی کامیاب نہ ہو سکی۔ اور سازشی موت کی لذت سے آگاہ کردیئے گئے۔ مغیرہ کا باپ ولید ہرچند کہ شاہ کا بھائی ہوتا تھا۔
مگر بیٹے کی غیر وفاداری کے بعد مراعات کا مستحق نہ تھا۔ پھر بھی عبدالرحمٰن نے اس پر کوئی ستم روا نہ رکھا بلکہ پانچ سو درہم دے کر یہ گذارش کی کہ افریقہ میں کہیں مستقل سکونت اختیار کریں۔

ان پیہم بہ پیہم تجربات کا تقاضا یہ تھا کہ امیر اپنے بعد کسی جانشین کو نامزد کرتے جائیں ورنہ بعد میں پھر کشت وخون کا بازار گرم ہوگا۔ ان کی نظر میں مناسب ترین فرد ہشام تھا جو ہرچند ان کا بڑا بیٹا نہ تھا مگر زیور عدل وحکومت سے آراستہ تھا۔ یہ کنیز حلال کا جسے امیر یوسف کی بیٹی نے نذر کیا تھا۔ بیٹا تھا۔ ان کے دونوں بڑے بھائیوں سلیمان اور عبداللہ نے اس کے حق میں تخت سے دستبرداری کرلی۔ اس ولیعہدی کی تشہیر ۱۷۱ھ میں ہوئی۔ تمام امراء وحکام سے بیعت لی گئی۔ پھر امیر مریدا چلے آئے۔ یہیں وہ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور ۵۸ یا ۵۹ سال کی عمر میں ۲۲ ربیع الاول ۱۷۱ھ میں مریدا ہی میں انتقال کیا۔ اور بقول بعض ۱۷۲ھ میں۔

Marfat.com

باب ۲۲

عبدالرحمٰن کے کردار پر ایک نظر

اَن گنت مصائب۔ اَن تھک پریشانیاں مصیبتیں۔ دشواریاں مشکلیں جس قدر عبدالرحمٰن پر پڑیں اتنی کم ہی لوگوں پر پڑیں ہوں گی۔ اور یہ اسی کا دل جگر تھا کہ ان سب کو خندہ پیشانی سے برداشت کر گیا۔ اور قوت برداشت کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ ایک خانہ بدوش ایک بے سروسامان سے ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک بن گیا۔ اس کے حوصلے۔ اس کی جرأتیں اس کی امیدیں کبھی ناامیدی کے گوشوں میں دفن نہیں ہوئیں۔ اس کی تمناؤں نے کبھی حوصلہ نہیں ہارا۔ پیہم بہ پیہم مشکلات میں بھی اس نے ہمت کے دامن کو تار تار نہیں کیا۔ ہر مہم کو اس خوبی اور دلجمعی سے انجام دیا کہ اس کے عقل و فہم و دانش کی داد اس کے دشمن بھی دے بیٹھے خلیفہ المنصور کے دربار میں ایک بار ذکر یہ چھڑا کہ قریش کا شاہین لقب کون پا سکتا ہے خلیفہ کو امید تھی کہ لوگوں کے منہ سے بے ساختہ اس کا نام نکل جائے گا مگر کہنے والوں نے ایمانداری سے یہی کہا کہ اگر کوئی اس کا مستحق ہے تو عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام کہ جس نے صحراؤں کی خاک چھانی ریگ زاروں کی گرد پھانکی۔ دشت دشت جبل جبل مارا مارا پھرا۔ تنگ دستی اور سخت پریشانی میں دن گزارے مگر اولوالعزمی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جس کے پاس نہ خزانے تھے۔ نہ زر و جواہر۔ نہ مال و دولت۔ نہ جاہ و حشم۔ نہ فوج و سپاہ نہ آلات سپاہگری نہ دوست احباب۔ نہ اعزا اقربا۔ نہ حامی نہ مددگار۔ پھر بھی وہ ایک خیال ایک نظریہ۔ ایک مطمح نظر کا سختی سے پابند رہا۔ اور آخر کار حکومت اندلس پر قابض ہو کر رہا۔

عبدالرحمٰن ۱۱۳ھ میں دمشق کے پاس دیر حنا St. hinadain میں پیدا ہوئے تھے اور

Marfat.com

اسی وقت سے پریشانیوں نے ان کو اپنا تختۂ مشق بنالیا تھا۔ ان کے والد کا انتقال ان کے دادا ہشام کے ہی زمانہ میں ہوگیا۔ اس لئے وہ ولیعہد ہونے کے بجائے ایک معمولی جاگیردار کی حیثیت سے پرورش پانے لگے۔ ان کی والدہ کا نام راح تھا۔ جو بربری قبیلہ بنو زناتہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ انھیں کے سایۂ عاطفیت میں انھوں نے پرورش پائی۔ عہدِ طفولیت میں انھوں نے پوری جانفشانی سے علوم وفنون کی تحصیل کی اور جنگ وجدل کے معاملات سے بھی کماحقہ واقفیت حاصل کی۔ اندلس میں ان کو روزانہ ہی ایک نہ ایک پریشانی سے دوچار ہونا پڑا۔ مگر ان کی اعلیٰ تعلیم اور تربیت ہمیشہ ان کے آڑے آئی۔ یہیں انہوں نے بنو امیہ کی گرتی شان وشوکت کو سنبھالا دیا اور ان کے رعب ودبدبہ کو ایک بار پھر تروتازہ کیا۔ یہیں انہوں نے ایک مضبوط اور مستحکم سلطنت کی بنیاد رکھی اور اس کو اپنے خون وپسینے سے سینچا۔

۳۳ برس چار مہینے ان کی مدت حکومت تھی۔ جس میں ایک لمحہ کو بھی وہ اپنی پچھلی رفعت وعظمت کو نہیں بھولے بلکہ اس کا ازالہ کرنے کے لئے ہر ممکن جد وجہد کرتے رہے۔ انھوں نے اموی خلیفہ ہشام کے محل رصافہ جو قنسرین میں تھا کے طرز پر قرطبہ کے پاس ہی رصافہ کی تعمیر شروع کی۔ پہلی بار انھوں نے اس سرزمین پر کھجور کا درخت لگایا۔ اور اس کی شان میں شعر[۱] لکھے رصافہ کے ایک برج میں بیٹھ کر وہ ان درختوں کا نظارہ کیا کرتے تھے اور مشرق کی نیرنگیوں کو جنھیں وہ دور بہت دور چھوڑ آئے تھے یاد کیا کرتے تھے۔

انھیں جب بھی لڑائیوں۔ جنگوں۔ سازشوں سے وقت ملتا وہ رفاہِ عام کے کاموں میں مصروف ہوجاتے۔ وہ امن کے خواہاں تھے مگر امن ان کو نصیب ہی نہ ہو پاتا تھا۔ پھر بھی جب کبھی یہ لمحات آجاتے تو وہ امن کی فیوض وبرکات سے اپنی محبوب رعایا کو نوازنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔

---

۱ عبدالرحمٰن الداخل کو خود شعر گوئی میں ملکہ حاصل تھا جس زمانے میں وہ شام سے کھجور کے درخت منگوا کر اندلس میں لگانا چاہتے تھے۔ تو انہوں نے رصافہ میں چند پیڑ لگانے کے انتظامات کئے اور جب ایک دن ان کو اپنا ہی لگایا ہوا درخت پھلتا پھولتا نظر آیا تو یہ شعر کہے جو بہت ہی مشہور ہیں ؎

۱۔ تبدت لنا وسطہ الرصافۃ نخلۃ	تناءت بارض الغرب عن بلد النخل
۲۔ فقلت شبیہی فی التغرب والنوی	وطول اکتسابی عن مبنی وعن اھلی
۳۔ نشات بارض انت فیھا غریبۃ	فمثلک فی الاقصاء والمنتائی مثلی
۴۔ سقتک غوادی المزن فی المنتأ الذی	یصح ویستمری السماکین بالوبل

Marfat.com

ہر بڑے شہر میں انہوں نے اعلیٰ تعلیم کا انتظام کیا۔ مدرسے کھولے۔ جن میں زیادہ تر مفت تعلیم کا انتظام کیا۔ درسگاہوں کے وظیفے مقرر کئے اور متعلمین کو ہر سہولت بہم پہنچانے کے خاطر خواہ مواقع مہیا کئے۔ درس و تدریس کا مناسب انتظام کیا اور علم کی روشنی کو دور دور تک پھیلانے کی کوشش کی۔

مسجد قرطبہ کی تعمیر کا پہلا نقش انہیں کے ذہن میں اُبھرا۔ اور اس کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے محل کے قریب ہی ایک مناسب جگہ کا انتخاب کیا گیا۔ اور پھر خلوص نیتی سے مسجد کی بنیاد رکھی گئی۔ کہتے ہیں کہ اس مسجد کا نقشہ امیر نے خود تیار کیا تھا۔ اور بنیاد میں پہلی اینٹ بھی بہ نفس نفیس خود ہی رکھی۔ تعمیر مسجد کی نگہداشت وہ بلا ناغہ کرتے۔ اور مزدوروں معماروں کے ساتھ مل کر اس نیک کام میں حصہ لینے میں ہمیشہ فخر محسوس کرتے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ مسجد بھی جامع مسجد دمشق یا بغداد کے مقابلے کی ہو جائے۔ یا مسجد اقصےٰ کے مثل ہو جائے۔ اس کی خوبصورتی کے لئے انھوں نے جگہ جگہ سے جواہرات اکٹھے کئے۔ سنگ مرمر کی سلیں منگوائیں چھت میں نقش و نگار بنوائے۔ دیواروں کو مزین کیا۔ ستونوں کو آراستہ و پیراستہ کیا۔ لمبے لمبے۔ چوڑے چوڑے آبنوس دروازے لگوائے۔ اور اس کی دوگنی خوشنما اور خوش شکل محرابیں بنوائیں سارا فرش سنگ مرمر کا رکھا کہ نمازیوں کے پیر تمازت سورج کی وجہ سے جلنے نہ لگیں۔ صناعوں اور نقش بنانے والے دور دور سے بلوائے گئے۔ اور ان کو یہ احکامات صادر کئے گئے کہ بلا وجہ اس کی خوبصورتی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا جائے۔ اس کی تعمیر میں ایک لاکھ سے زیادہ دینار خرچ ہوئے۔ پھر بھی عبدالرحمٰن کی زندگی میں اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ مگر اس کے اِرد گرد مدرسے ہسپتال۔ سرائوں کا ایک خاکہ تیار کر گئے جس کا تکملہ ان کے بعد ہوتا رہا۔ پھر بھی نقش اوّل انہیں کے کاوش فکر کا نتیجہ تھا اور نقوش ثانی دراصل اسی کا تتبع تھا۔ اسی مسجد میں شامیانہ لگا کر انہوں نے پہلا خطبہ پڑھا اور اسی مسجد میں ۱۷۱ھ یا بقول بعض ۱۷۲ھ میں ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔

ایک مسجد ہی پر کیا موقوف قرطبہ کی خوبصورتی اور اس کی شان و شوکت بڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حسین حسین عمارتیں تیار کروائی گئیں۔ محل دلفریب اور دلربا۔ باغات پُر فضا مضافات بلدیہ کو ہر طرح سے سجایا گیا۔ ہرے بھرے بغیچے سرسبز و شاداب درخت ہری بھری بیلیں لگوائی گئیں۔ صاف ستھری سڑکیں۔ آرام دہ سرائیں۔ مسافروں کو سہولت پہنچانے کے مکمل انتظامات۔ اسی دارالخلافہ میں انہوں نے ٹکسال قائم کی جہاں اشرفیاں۔ درہم و

دینار اور چھوٹے چھوٹے سکے ڈھلتے تھے۔ سکوں پر انہوں نے اپنا نام بحیثیت خلیفہ کندہ نہیں کرایا مگر خلافت بغداد کو بھی مسلم نہیں ہونے دیا۔ قرطبہ کی سجاوٹ میں جب یہ اہتمام کیا تو اس کا شہرہ سن سن کر دور دراز کے علاقوں سے صناع۔ ماہر فن علماء۔ فضلاء۔ حکماء۔ ادباء۔ شعراء۔ علمی تحقیقات کرنے والے۔ ادب میں تجسس کرنے والے۔ تعمیرات اور دیگر فنون میں دلچسپی رکھنے والے جمع ہو گئے۔ اور قرطبہ علم و ادب اور فن کا ایک زبردست گہوارہ بن گیا۔ ہر طرف شعر و سخن کے چرچے تھے۔ تاریخ و نجوم کے تذکرے۔ خود بادشاہ کے محل میں سخنور۔ سخندان۔ ادیب۔ مشاہیر علوم جمع رہتے تھے۔ بحث و مباحثہ کا بازار گرم رہتا۔ عبدالرحمن اپنے شہزادوں کی تعلیم کی طرف سے بھی بے نیاز نہ تھے بلکہ ان کو بھی اسی ماحول میں رنگ کر علوم و فنون کا شیدائی بنا دینا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ شاہی دفتر۔ عدالتیں۔ خزانے اور دیگر سرکاری معاملات میں بھی ان کی دلچسپی زبردستی بڑھائی جاتی۔

عبدالرحمن ہر چند ایک شخصی حکومت کے بانی تھے مگر کوئی بھی اہم کام بغیر صلاح و مشورہ نہ کرتے تھے۔ عوام کی فلاح و بہبود کو مطمح نظر سمجھتے اور رعایا کی خبر گیری۔ اس کی بہتری اور خیر خواہی میں ہر دم بے چین نظر آتے تھے۔ مزاج میں سخاوت اور فیاضی بے انتہا تھی اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے مشرق اور دیگر دور دراز کے علاقوں سے جہاں جہاں اموی خاندان کے افراد موجود تھے۔ زاد راہ اور دیگر سہولتیں بہم کر کے اسپین بلواتے اور ان کو جاگیریں۔ منصب۔ اور عطیات پیش کر کے ان کی زندگی کو آرام و آسائش سے پر کر دیتے۔ وہ بھیس بدل کر اکثر راتوں کو اپنے علاقہ کا دورہ کرتے اور رعایا کے حال سے واقفیت حاصل کرتے۔ بعض سازشوں کی بنا پر ان کو اپنی حفاظت کا خیال بھی ستانے لگا تھا۔ اور چالیس ہزار زنگی اور بربری غلام محض حفاظت اور رعب و ادب کی خاطر ملازم رکھے گئے تھے۔ سیر و سیاحت کے دلدادہ تھے شکار سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ حفظ مراتب کا بڑا خیال رکھتے تھے اور اہل علم حضرات کو ان کی صلاحیت کے مطابق عہدے اور منصب عطا کرتے۔ مردم شناس غضب کے تھے اور ایک نظر میں انسان کی فطرت اور جبلت کو بھانپ جاتے۔ عدل و انصاف کے خواہاں تھے ظلم و استبداد کی بیخ کنی پر ہمیشہ آمادہ۔ مظلوموں کی فریاد خود سنتے ان کو پاس بٹھاتے تسلی تشفی دیتے۔ پھر ہر ممکن کوشش ان کی شکایتوں کو رفع کرنے کی کرتے۔ ہر فریادی ان کے پاس بآسانی پہنچ سکتا تھا اور اپنی فریاد کو پیش کر کے انصاف کا طالب ہو سکتا تھا۔ غریب اور ضعیف

Marfat.com

لوگوں کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے اور ان کی شکایات کے ازالہ کو مقدم سمجھتے تھے دل کے حاتم تھے۔ دسترخوان ہمیشہ وسیع رکھتے تھے۔ کھانے کے اوقات میں جتنے لوگ بھی موجود ہوتے سب کو شریک کر لیتے۔

عبدالرحمٰن صورت سے بہت وجیہ اور بارعب تھے۔ ان کے بال گھونگروالے اور سنہری تھے۔ جو ان کے ماتھے کا احاطہ کئے رہتے تھے گال غموں اور پریشانیوں کی وجہ سے اندر دب گئے تھے مگر اس سے چہرے کی آب و تاب اور جلالت و شوکت میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ چہرہ پر ایک تل تھا جو ان کے حسن میں اور اضافہ کرتا رہتا۔ قد لمبا تھا۔ اور جسم گوشت سے بھرا ہوا۔ ناک چپٹی تھی۔ اور بقول حجازی ان کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔ عمر کے آخری حصہ میں ضعف بڑھ گیا تھا۔ اور اسی بنا پر جب شاہ افرنجہ شارلیمین نے اپنی لڑکی ان کی زوجیت میں دینا چاہی تھی۔ تو انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ مگر قویٰ میں اضمحلال یا دل میں افسردگی کو انہوں نے کبھی بھی جگہ نہ دی۔ بلند حوصلگی اور اولوالعزمی ان کے کردار کا خاص جزو بن گئی تھی۔

دور مصائب میں ان کے ساتھ جس کسی نے بھی ذرا سی مدد کی تھی اس کو انہوں نے کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ کہتے ہیں جب وہ قبیلہ مغیلہ میں والنسوس [illegible] کے مکان پر ٹھہرے۔ دشمنوں کو ان کی موجودگی کا علم وہاں پر بھی ہو گیا۔ اور ان کی تلاش میں پہونچ گئے۔ ابوقرہ والنسوس کی بیوی تکفات البربریہ نے اپنے میلے کپڑے ان پر ڈال کر ایک کونے میں چھپا دیا۔ جب عبدالرحمٰن کے اچھے دن آئے تو میاں بیوی دونوں اندلس ان کے پاس پہنچے۔ عبدالرحمٰن ان کے ساتھ نہایت خاطر مدارات سے پیش آیا۔ ایک دن تفریحاً امیر نے تکفات سے کہا کہ وہ مجھے دن کبھی بھول نہیں سکتا۔ جب دشمن میری جان لینے پر آمادہ تیرے گھر تک پہنچ گیا تھا۔ پھر تو نے کمال دانشمندی سے مجھے ان کی نظروں سے اوجھل کر دیا تھا مگر مجھے وہ بدبو بھی نہ بھولے گی جو تیرے کپڑوں سے آرہی تھی جن کے نیچے میں چھپا ہوا تھا۔ تکفات بولی کہ اے امیر وہ تیرے ہی کپڑوں اور بغل کی بو تھی جسے تو نے بوجہ پریشانی میرے کپڑوں کی بدبو سمجھا۔ عبدالرحمٰن کو اس کی یہ حاضر جوابی بہت بھلی معلوم ہوئی۔

مگر ہمیں عبدالرحمٰن کے کردار کا اصلی جوہر اس وقت نظر آتا ہے جب ان پر

Marfat.com

پریشانیوں اور تکالیف کی ہر طرف سے بارش ہو رہی تھی۔ مصائب اور دشواریوں کی یورش ہر سمت سے ہو رہی تھی۔ ان پر جلا وطنی کا بھی سخت دور گزرا۔ موت سے بھی بار ہا ٹکر لی۔ مہمات میں بھی نازک گھڑیاں بھی آئیں مگر ذہانت اور دانائی۔ ہمت اور استقلال نے ان کا ساتھ کہیں نہیں چھوڑا ان حالات نے اس کو بڑی حد تک محتاط اور تجربہ کار بنا دیا تھا۔ بعد میں اعزا کی خود غرضیوں۔ احباب کی دغا بازیوں نے ان کو چڑچڑا اور تلخ مزاج بنا دیا تھا۔ مگر پھر بھی لطافت اور مزاح کا پہلو گفتگو سے کبھی خارج نہیں ہوا۔ بچپن اور عنفوانِ شباب عیش و عشرت اور دلچسپیوں میں گزرا تھا مگر جب مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تو ان کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اپنے مقدر سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ مستقبل سے ہراساں۔ انہوں نے سازشوں کا بھی قلع قمع کیا۔ دشمنوں کو بھی نیست و نابود کر دیا حملہ آوروں کو بھی شکست کے مزے سے آشنا کر دیا۔ ان لڑائیوں اور جنگوں سے جب بھی فرصت ملی تو ملکی انتظام اور سلطنت کے امور پر توجہ مبذول کی۔ وہ تمام سڑکیں جو خستہ حال اور خراب ہو رہی تھیں ان کی مرمت کرائی۔ بعض نئی سڑکیں بنوائیں۔ ڈاک کا بہت ہی مناسب انتظام کیا۔ چوکیاں قائم کیں اور ہر چوکی پر تازہ دم گھوڑے رکھے۔ ضروری خط و کتابت کے لئے ایلچی اور تیز رو سوار مقرر کئے۔ بہت سے جنگلوں کو صاف کیا۔ رہزن ڈاکو۔ لوٹ مار کرنے والے جو ان جنگلوں میں چھپے رہتے اور اپنی کمین گاہ بنائے رکھتے ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کروایا۔ اور سخت سے سخت سزائیں دیکر ان کا خانہ خراب کیا۔ وہ وحشی۔ خونخوار۔ جنگجو بربری۔ قزاق جو کسی طاقت سے بھی زیر نہ ہوتے تھے۔ ان کو بنوک شمشیر وہ سبق سکھایا کہ ساری لن ترانیاں بھول کر سر اطاعت جھکا دیا۔ اور اپنی حرکتوں سے باز آ گئے۔ تمام رعایا کو مرفہ حال اور خوشحال کرنے کے لئے قوانین وضع کئے۔ عدالتوں میں انصاف کی ہدایت کی۔ شریعت اسلامی کے ساتھ ساتھ بہت سے پچھلے قانون بھی ویسے ہی جاری رکھے۔ ہر جگہ کا دورہ کر کے قوانین کا نفاذ کیا اور ان پر عمل درآمد ہوتے ہوئے خود دیکھا۔

قواعد اور احکامات کی پابندی اولین فرض حکام کے لئے قرار دیا۔ لوگوں کے چال چلن سیرت اور کردار پر خاص نظر رکھنے کی ہدایت کی محتاجوں۔ غریبوں۔ بیواؤں۔ یتیموں کی امداد کا خاطر خواہ انتظام کیا۔ اصلاح اور رفاہ کی مختلف النوع صورتیں پیدا کیں۔ یہ سب کام صرف ایک بیدار مغز ایک اعلیٰ دماغ ہی کر سکتا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک اعلیٰ دماغ کے مالک ایک بڑے حوصلے کے حامل تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وہ ایک بہت بڑی سلطنت کے بانی ہوئے۔ اور

Marfat.com

ایک پامال خاندان کو ابھارا۔

مورخین نے ان کے نام سے بہت سی سختیاں بنظالم ظلم وستم۔ اور بے رحمیاں بھی منسوب کی ہیں مگر وہ سب حالات کی مقتضی تھیں۔ ضرورتِ وقت کا تقاضہ۔ اگر وہ بعض اشخاص کا خون بہانے پر مجبور نہ ہو جاتے۔ اگر وہ بعض گردنوں کو قلم نہ کروا دیتے تو خود ان کی حکومت میں خلل۔ ان کے انتظامات میں رخنے پڑ جاتے۔ اور جس خوش اسلوبی سے اپنے امور ملکی پر قابو حاصل کیا۔ وہ ہرگز نہ کر پاتے۔ انہوں نے اپنے دشمنوں کو سنبھلنے۔ بدلنے اور معافی مانگنے کے بہت سے مواقع بہم کئے۔ مگر جب انہیں لوگوں نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو وہ خود سخت اقدامات اٹھانے پر مجبور ہوگئے۔ یہ بہت سے مفسد پردازوں کی خباثت تھی۔ شرارت پسندوں کی لعنت کہ ان کے دامن پر بھی کئی خون کے دھبے آ گئے۔

عبدالرحمٰن الداخل کے ہی وقت سے مغرب میں ایک نئی خلافت نے جنم لیا۔ مگر اس کی داغ بیل صحیح معنوں میں اس کے جانشین اور ہمنام عبدالرحمٰن ثالث کے وقت میں پڑی۔ اس وقت یہ بادشاہ بھی گو خود مختار تھے۔ بااختیار تھے۔ آزاد تھے۔ مگر خلیفہ کے بجائے امیر ہی کا لقب استعمال کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن اول کا یہ ارادہ قوی تھا کہ وہ خلیفہ المنصور کو اس کی شرارت کا مزا چکھائیں اور جلد از جلد مشرق پر حملہ کر کے اس کو بھی اپنے احاطہ سلطنت میں شامل کرلیں۔ مگر اندرونی خلفشار اور ذاتی بغض وعناد نے ان کو اتنی مہلت ہی نہ دی۔ اسی کا اثر کوہستان البسریاس میں بھی نمودار ہوا اور وہاں ایک نئی عیسائی سلطنت قیام پذیر ہوگئی۔ فرانس میں مسلمانوں کے جتنے بھی مقبوضہ جات تھے وہ بھی چھن گئے۔ جب تخت فرانس پر پپین Papin بیٹھا تو اس نے مسلمانوں کو جو لینگیڈاگ (Linguedoc) اور پرووینس (Provence) میں بسے ہوئے تھے پریشان کرنا اور نکالنا شروع کر دیا۔ داخلی مجبوریوں کی وجہ سے عبدالرحمٰن اس کا کچھ بھی ازالہ نہ کر پائے۔ وہ مجبور تھے۔ بے بس تھے۔ اسی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صوبہ سپٹی مینا Septimania کے بہت سے شہر بشمول ناربون Narbonne شاہ فرانس کے سپرد کر دیئے گئے۔ مسلمانوں کو چھ سال تک محاصرے کی مصیبتوں سے دوچار رکھا۔ اور پھر بدقت تمام ان کو خلاصی حاصل ہوئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود اندلس کی تاریخ میں ایک درخشاں باب کا اضافہ عبدالرحمٰن کے زمانہ میں ہوا۔ اور اس ملک کی قسمت نے اپنے افق پر ایک نیا ستارہ چمکتے ہوئے دیکھا۔

باب ۲۳

ہشام الرضی

۷۸۸ء تا ۷۹۶ء

عبدالرحمٰن اوّل نے اپنی حیات ہی میں اپنے تیسرے بیٹے ہشام الرضی کو حاکم مریدہ بنا دیا تھا۔ وہ اپنے اس بچے سے اس قدر محبت کرتے تھے کہ جب ان کو یہ محسوس ہوا کہ ان کا آخر وقت آپہنچا ہے تو اپنے بیٹے کی قربت حاصل کرنے کے لئے مریدہ ہی کا رُخ کیا۔ اور وہیں ۱۷۱ھ میں وفات پائی۔ ان کی تجہیز و تکفین کے بعد ہشام وہیں تختِ حکومت پر بیٹھے۔ وہ رعایا کے بھی اس قدر چہیتے تھے کہ گھر گھر خوشیوں کے شادیانے بجائے گئے۔ ہر طرف چراغاں ہوا۔ گلی۔ کوچے۔ بازار۔ سب سجائے گئے۔ مسرت و انبساط کے جشن منائے گئے اور ایک شاندار جلوس نکالا گیا جس میں ہشام بھی شریک تھے۔

ہشام کا انتخاب اس وجہ سے نہیں ہوا تھا کہ وہ عبدالرحمٰن کی سب سے محبوب بیوی حلال کے بیٹے تھے یا اسپین ہی میں پیدا ہوئے تھے بلکہ ان کی ذاتی قابلیت۔ ان کی اعلیٰ صلاحیت ان کی بہترین تربیت۔ علم و ادب سے واقفیت۔ علوم و فنون سے رغبت کی وجہ سے ہوا تھا۔ شروع ہی سے بڑے بڑے علماء کی صحبت میں بیٹھتے تھے۔ اور ان سے حتی الوسع استفادہ کرتے تھے۔ شعراء و ادباء کا قرب ان کو ہمیشہ پسند ہوتا تھا۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے شعر و سخن میں مہارت خاص حاصل کی تھی۔ ان کا رُجحان ابتدا ہی سے تحصیل علم کی طرف تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے حصول میں انہوں نے کوئی کسر بھی اٹھا نہیں رکھی۔ وقت کے بڑے بڑے عالم۔ فاضل ان کو درس و تدریس دیتے اور جس کو وہ انتہائی توجہ اور خلوص سے سمجھنے اور حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

Marfat.com

کی صحبت نے ان کو پابند دین اور شریعت بھی بنا دیا تھا صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ روزے نماز کے گرویدہ۔ مراسم دینی سے شغف حاصل تھا۔ اس ذوق نے ان کے عادات واطوار بڑی حد تک سنوار دیئے تھے وہ پاکیزگی کو پسند کرتے تھے۔ بلند اخلاق اور بلند کردار کے مالک تھے اور ایسے ہی لوگوں کو چاہتے تھے۔ لہو ولعب یا غیر شرعی دلچسپیوں سے کبھی بھی لگاؤ نہ رکھتے تھے۔ رنگینیوں اور دلفریبیوں سے کوئی رغبت نہ تھی۔ ان کے اعلیٰ صفات۔ ان کی بیدار مغزی۔ روشن دماغی۔ اخلاق کی پاکیزگی جلدی ہی لوگوں پر عیاں ہو گئی اور وہ ہر ملنے جلنے والے کے چہیتے بن گئے۔

عبد الرحمٰن جو مردم شناسی میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے ہشام کی ان عادت وخصائل کی وجہ سے فوراً سمجھ گئے کہ اگر اس وسیع سلطنت کو ان کے بعد کوئی سنبھال سکتا ہے تو یہی ہشام۔ اکثر اوقات انہوں نے آزمائش بھی کی اور اپنے بڑے بیٹوں سلیمان اور عبد اللہ سے مقابلہ بھی مگر ہمیشہ جیت ہشام ہی کی ہوئی کہتے ہیں۔ ایک روز عبد الرحمٰن نے چند اشعار[1] ہشام کے سامنے پڑھے اور پوچھا یہ کس کے ہیں۔ بیٹے نے جواب دیا کہ یہ امراء القیس شاہ کندہ کے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے غائبانہ طور پر یہ اشعار آپ ہی کی شان میں لکھے گئے ہیں۔ عبد الرحمٰن نے ان کو گلے سے لگالیا اور انعام واکرام بھی دیا۔ مگر جب کسی دوسرے وقت وہی شعر سلیمان کے سامنے پڑھے اور وہی سوال کیا۔ تو جواب ملا کہ کیا پتہ کس نے یہ شعر لکھے ہیں۔ مگر جس کسی نے بھی لکھے ہیں تنگ ظرف معلوم ہوتا ہے۔ اور سلیقہ شعر کہنے کا نہیں رکھتا جب عبد الرحمٰن نے کہا کہ بیٹے ایسا نہیں ہے۔ تو سلیمان نے ناک بھوں چڑھا کر کہا کہ ممکن نہ ہو مجھے ایسے فضول شعر اور اس کے خالق کا نام یاد

---

[1] جو شعر کہ عبد الرحمٰن نے پڑھے تھے۔ اور اپنے دونوں بیٹوں سے ان کے خالق کا نام پوچھا تھا وہ یہ تھے ۔

(۱) وتعرف من ابیہ شمائلاً

من خالہ او من یزید ومن حجر

(۲) سماحتہ ذا مع بِرّ ذا ووفا ذا

ونائل ذا اذا صحا واذا سکر

ترجمہ اشعار:۔ اس کے باپ و ماموں کی بایزید و حجر کی صورت سے تو اس کو معلوم کر سکتا ہے۔ کہ وہ صاحب بخشش اور نیکی ہے۔ اور صاحب وفا ہر دیا صحت یا نشہ کی حالت میں ہے۔

Marfat.com

رکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ میرے لئے اور بہت سے کام کرنے کو ہیں۔ عبدالرحمن نے من کر سر جھکا لیا مگر یہ اندازہ لگا لیا کہ کون گدی کا مستحق ہے کون نہیں۔

علامہ مقری فرماتے ہیں کہ ہشام ذکاوت۔ ذہانت۔ دانش مندی اور نزاکت معاملہ کو سمجھنے میں قابلیت خاص رکھتے تھے اور ان کے بھائی ان خصوصیات میں ان کی گرد بھی نہیں پا سکتے تھے یہ سب صلاحیتیں کچھ تو بخشش خداوندی تھیں کچھ ان کی محنت کا نتیجہ۔ فقہاء و مشائخین کے ساتھ زد اکثر بیشتر وقت گزارا کرتے تھے۔ بحث ومباحثہ کرتے رہتے تھے اور جو کچھ سنتے تھے ذہن میں محفوظ کر لیتے تھے۔ وہ صرف مجلس ہی کے آدمی نہیں تھے۔ صرف بزم ہی میں اپنی صلاحیتوں کو نمایاں نہیں کرتے تھے بلکہ رزم میں بھی جنگ وجدل میں بھی ان کی قابلیت مسلم تھی۔ اصول جنگ اور فنون سپہ گری میں بھی انہوں نے بدرجہ اتم قابلیت حاصل کی تھی۔ استقلال اور ہمت غضب کا ان میں موجود تھا۔ فہم و فراست میں ان کا جواب نہ تھا۔ حلم و تواضع۔ اخلاق و مروت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اتقاء اور پرہیزگاری عبادت و دین داری میں وہ انتہائی با اصول اور پابند تھے۔ ادھر وہ تخت پر بیٹھے ادھر ان کے جوہر کھلنا شروع ہو گئے۔

بھائیوں کی بغاوت

سب سے پہلے ان کے بھائی جو بہ باطن تخت پر اپنا حق سمجھتے تھے اور ہشام کی تخت نشینی کو اپنی حق تلفی گردانتے تھے۔ ان کے خلاف کھڑے ہوئے۔ ہر چند کہ اسلام میں تخت کے متعلق قانونِ وراثت عائد نہیں ہوتا ہے مگر یہ ایک طرح کی روایت اور رسم بن گئی تھی کہ شخصی حکومت میں باپ کے مرنے کے بعد حق وراثت سب سے بڑے بیٹے کو پہنچتا تھا اور عموماً اسی کی جانشینی مشتہر کی جاتی اور اسی کے ہاتھ پر بیعت لی جاتی۔ اسی رسم اور عادت کی بنا پر ہشام کے بھائیوں نے بھی ان کے خلاف اپنے حقوق کے لئے لڑنا اور ان سے مخالفت مول لینا طرز صحیح جانا۔ اور اس طرح خانگی عناد۔ بغض اور اختصام کا جھگڑے اور جنگ کی بنیاد پڑی۔ رقابت اور وراثت کا کوئی مستقل قانون نہ ہونے کی وجہ سے سلیمان جو اس وقت مرکز حکومت قرطبہ میں تھا دعویدار سلطنت بن بیٹھا۔ اپنے گھر سے نکل کر القصر پر قبضہ کر لیا اور لوگوں کو اپنی جانب ترغیب دینے لگا مگر رعایا جو ہشام کی گرویدہ تھی سلیمان کو سخت ناپسند کر لی تھی۔ فوراً اس دعویدار کے پیچھے پڑ گئی شاہی محل کو گھیر لیا۔ اور سلیمان کو مجبور کیا کہ وہ اسے خالی کر دے۔ طوعاً و کرہاً سلیمان قرطبہ سے نکلے اور اپنے بھائی عبداللہ کے پاس جو والی طلیطلہ تھے چلے گئے۔ اور اب دونوں ملکر ساری

اسکیم بنانے لگے۔

ہشام فوراً مریدہ سے قرطبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ بصد شان وشوکت ان کی سواری دار الخلافہ میں داخل ہوئی تو رعایا نے بے حد خوشی کا اظہار کیا۔ امراء۔ رؤساء۔ وزراء سب حاضر خدمت ہوئے۔ نذریں گزاریں۔ تحائف پیش کئے اور سر عقیدت جھکا دیئے۔ ہشام نے ان کے خلوص کو سراہا۔ ان کو اعزاز و اکرام بخشا۔ دربارِ عام منعقد کیا۔ اس میں خلعتیں اور جاگیریں عطا کیں ابن عبد کو اپنا مشیر خاص اور وزیر اعلیٰ مقرر کیا اور رعایا کی مفلسی اور بدحالی دور کرنے کے لئے بہت سے ٹیکس معاف کر دیئے۔ ان سب حالات نے یہ واضح کر دیا کہ عوام اپنے نئے بادشاہ کو جان سے بھی زیادہ چاہتے ہیں۔

سلیمان اور عبداللہ کو ان کی یہ مقبولیت بھی ناگوار گزری۔ انتشار پھیلانے کی بھی سوجھی اور فوراً تخت حاصل کرنے کی بھی۔ اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا۔ اور جو جی میں آیا کرنے لگے۔ طلیطلہ کے وزیر مختار غالب تمیمی نے ان کو ان اقدامات سے روکا اور ایسی حرکتیں کرنے پر منع کیا۔ وہ بھلا کب کسی کی بات ماننے والے تھے غالب کو اس کے عہدے سے دستبردار کر دیا۔ اور قید خانے میں بھی ڈال دیا۔ ہشام کو جو ان واقعات کی اطلاع ملی تو ایک ایلچی بھیج کر غالب کی رہائی کا مطالبہ کیا اور خود مختاری کی حرکات سے باز رہنے کی بھی تاکید کی۔ مگر وہ دونوں تو مخالفت اور بغاوت ہی پر آمادہ تھے۔ اس ایلچی کے سامنے ہی غالب کو قید خانے سے نکلوا کر قتل کرا دیا اور کہلا دیا کہ تمہارے پیغام کا یہی جواب ہے۔ یہ کھلا ہوا اعلانِ جنگ تھا۔ ہشام نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں بھائیوں کے باغی ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ تمام حکام اور صوبوں کے گورنروں کو لکھ دیا گیا کہ وہ امیر کی کمک اور مدد کو پہونچیں۔ یہ امداد جلد ہی پہنچ گئی۔ ہشام بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ قرطبہ سے نکلے۔ اور نمک حراموں کو نمک حرامی کی سزا دینے کے لئے طلیطلہ کی جانب روانہ ہوئے۔ ہشام سے معرکہ آرائی ہونے سے قبل ہی بلنسیہ کا حاکم موسیٰ ایک فوج لے کر آگے بڑھا مگر طرطوسہ کے والی سعید نے اس کا راستہ روکا اور ایک زبردست جنگ میں اُسے شکست دی۔ خود موسیٰ مقتول ہوا۔ اس لڑائی نے باغیوں کے دل بہت بڑھا دیئے۔ اور حامیانِ ہشام پر برا اثر پڑا جب یہ اطلاع دار السلطنت پہونچی تو ہشام نے فوراً والیانِ غرناطہ اور مرسیہ کو حکم دیا کہ بلنسیہ پہونچ کر اس شکست کا بدلہ لیں خود ہشام کی فوجیں سازشیوں کو سزا دینے کے لئے تیزی سے کوچ کرنے لگیں۔ قلعہ بولک تک ہشام پہنچے تھے کہ سلیمان کی سپہ سالاری میں غنیموں

کا لشکر بھی آموجود ہوا۔ نور کے تڑکے لڑائی شروع ہوئی۔ سورج ڈھلتے ڈھلتے فیصلہ بھی ہو گیا۔ سلیمان اور اس کے ساتھی فرار ہوئے۔ فوجوں کے دل ٹوٹ گئے۔ بھاگنے والوں کا تعاقب کیا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں تہ تیغ کئے گئے۔

دو چار روز آرام کر لینے کے بعد ہشام طلیطلہ کی طرف بڑھے عبد اللہ جس کو سلیمان کی شکست کی اطلاع مل چکی تھی فوراً قلعہ بند ہو بیٹھا۔ اور سامان رسد کافی مقدار میں جمع کر لیا۔ شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ سلیمان نے ہشام کو جو طلیطلہ کے محاصرے میں مصروف دیکھا تو بچی کھچی جمعیت لے پہاڑوں سے نکل کر قرطبہ کی طرف چل پڑا۔ مگر گورنر قرطبہ جو عبد الملک بن مروان حالات کا مستعدی سے مشاہدہ کر رہا تھا۔ فوراً ایک فوج لے کر آگے بڑھا اور سفینڈا Saifenda کے مقام پر باغی سلیمان اور اس کے ساتھیوں کو زبردست شکست دی۔ سلیمان ایک بار پھر بھاگا مگر اس کا پیچھا کیا گیا۔ علاقہ تدمیر سے ہوتا ہوا صوبہ مرسیہ پہنچا۔ اور چندے وہیں پناہ لی۔

ادھر محاصرہ کی طوالت نے عبد اللہ کے ساتھیوں کو جلد تھکا دیا۔ اور وہ مایوسی سے دوچار ہونے لگے۔ باہر سے کسی کمک کے پہنچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔ سلیمان کی فوج خود تتر بتر ہو گئی تھی اور وہ اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ ہشام بغیر کسی فیصلہ کے محاصرہ اُٹھانے کے لئے تیار نہ تھا قلعہ کے اندر نہ صرف رسد کی کمی شروع ہو گئی تھی بلکہ ہمتوں کی بھی۔ عبد اللہ نے مزید طاقت مقابلہ نہ دیکھ کر صلح کی کوشش کی۔ مگر اس وقت ہشام قرطبہ چلے گئے تھے۔ پیغامبر کو دار الخلافہ تک جانا پڑا۔ کچھ دن کی مہلت اور مل گئی۔ دو تین دن بعد عبد اللہ اپنے وزیر کے ساتھ بھیس بدل کر نکلا۔ مصالحت کی گفتگو شروع ہو جانے کی وجہ سے پہرے کی سختی نہ تھی۔ دونوں نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اِدھر اُدھر فوج بھرتی کرنے کی کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہ حاصل ہوا۔ ہر طرف سے ناکام اور مایوس ہو کر عبد اللہ نے اپنے کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دینے ہی میں مصلحت سمجھی اور قرطبہ جا کر بھائی کے قدموں میں جا گرا۔ ہشام جیسے وسیع القلب کے لئے یہ موقع کوئی نازک یا غور کرنے کا نہیں تھا۔ معافی طلب کرنے والے بھائی کو معاف کر دیا گیا۔ اور پھر دونوں بھائی طلیطلہ کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے عبد اللہ شہر میں داخل ہوئے۔ وہاں استقبال کی تیاریاں مکمل کیں۔ پھر شہر کے پھاٹک کھول دیئے گئے۔ ہشام مع فوج اندر داخل ہوئے۔ فوجیوں نے سلامی دی۔ سپاہیوں نے دورویہ کھڑے ہو کر استقبال کیا۔ رعایا نے پھول نچھاور کئے۔ لوگوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے۔ عبد اللہ کے

Marfat.com

ساتھ ان کے رفیقوں کو بھی معاف کر دیا گیا اور سب کو عطیات شاہانہ سے نوازا گیا۔ خود عبداللہ کو ایک بڑی جاگیر شہر سے ملحق عطا ہوئی۔ اور شاہی محل میں رہنے کی اجازت بدستور برقرار رہی۔

باغی بھائی کے ساتھ ہشام کا یہ محبتانہ اور روادارانہ سلوک دیکھ کر چاہیئے تو یہ تھا کہ سلیمان بھی شرارت سے باز آجاتا اور اس کے ساتھ جاگیرداری کے لطف اٹھاتا مگر اس کی فتنہ جو طبیعت ابھی اور ہی گل کھلانے پر آمادہ تھی۔ تدمیر اور مرسیہ کے علاقے میں ایسے بہت سے مفت خورے بیکار قسمت آزما پڑے تھے جن کا کام ہی لوٹ مار، فتنہ و فساد، جنگ و جدال تھا۔ سلیمان کو ان کا سہارا بڑی آسانی سے مل گیا۔ سپاہیوں کی بھرتی شروع ہو گئی۔ لشکر تیار ہونے لگا۔ ہشام نے اپنے کمسن بیٹے حکم کی سرکردگی میں ایک فوج سلیمان کو راہ راست پر لانے کے لئے بھیجی۔ لورقہ کے میدان میں چچا بھتیجے کا مقابلہ ہوا۔ حکم کی فوج کم تھی مگر منظم تھی تربیت یافتہ تھی۔ خود شاہزادہ بھی جنگی صلاحیتوں میں اپنی کم عمری کے باوجود کم ماہر نہ تھا۔ شاہی فوج نے اس زور و شور کے ساتھ حملہ کیا کہ باغیوں کو بھاگتے ہی بن پڑی۔ سلیمان نے اس قدر ہزیمت اپنے نوعمر بھتیجے کے ہاتھ اٹھائی جو اس سے پہلے نہ اٹھائی تھی۔ جب ہشام لورقہ پہونچے تو وہاں لاتعداد لاشوں کے ڈھیر کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ جن پر چیل کوے اور گدھ منڈلا رہے تھے۔ حکم کو سینے سے لگالیا۔ پیشانی اور آنکھیں چومیں اور بڑی بڑی دعائیں دیں۔

اب سلیمان کے حوصلے بالکل جواب دے چکے تھے۔ اس نے بھی عبداللہ کے نقش قدم پر چلنا مناسب سمجھا۔ بھائی سے معافی طلب کی جو مل گئی مگر اس شرط پر کہ اب قیام اندلس میں نہ رہے گا۔ اس کی جاگیر خود ہشام نے بالعوض ستر ہزار درہم سونے کے خرید لی۔ اور اس کو اس رقم کے ساتھ افریقہ جانے کی اجازت دیدی جہاں وہ تنجیر Tanger میں اقامت گزیں ہوئے اور بذریعہ خط و کتابت دوسروں کو ہشام کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ اس طرح سے اپنی خوئے نمک حرامی کا مظاہرہ جاری رکھا۔ یہ سب کچھ ۱۷۴ھ میں وقوع پذیر ہوا۔

مزید بغاوتیں ہشام ابھی تک سعید بن حسین والئی طرطولہ کے اس رویہ کو نہیں بھولے تھے جو اس نے موسیٰ اور بلنسیہ کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ بھائیوں سے فراغت حاصل کرتے ہی وہ اس کی جانب رجوع ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے شخص کو طرطوسہ کا حاکم مقرر کر کے ایک فوج کے ہمراہ روانہ کیا۔ سعید انتہائی مکار شخص تھا۔ اس نے شاہی فوج کو تنگ دروں میں

Marfat.com

جب وہ ان سے گزر رہی تھا گھیر لیا۔ بلنسیہ کے والی مارے گئے۔ فوج کھیت رہی۔ اس فتح سے ضعیف سعید بلکہ قرب وجوار کے حاکموں کے بھی حوصلے بلند ہو گئے اور وہ بغاوت پر آمادہ ہو گئے ان میں والیانِ برسلونہ Barcelona ہوسقہ Huesca طرکونہ Taracona سرقسطہ Saragoza شامل تھے اور ان کے سرغنہ بہلول بن مکلوک اور مطرف تھے۔ سب سے پہلے سرقسطہ پر قبضہ کیا گیا۔ پھر دیگر مقامات پر چڑھائی کی گئی ہشام کے لئے یہ موقع بہت ہی نازک تھا۔ مگر جو ہمت استقلال اور جرأت اس کو اپنے باپ سے ورثہ میں ملی تھی وہ کبھی ہراساں نہ ہونے دیتی تھی۔ بلنسیہ میں فوراً نئے حاکم ابوعثمان کا تقرر ہوا جو اپنے پیش رو کے مقابلہ میں بہت ہی باہمت۔ جوشیلے اور مجدار تھے۔ اس نے بلنسیہ پہونچتے ہی زبردست تیاریاں شروع کر دیں اور لشکر جرار کے ساتھ بغاوت کو فرو کرنے نکلا اور پہلی ہی جنگ میں باغیوں کی متحدہ جماعت کو ایک ہولناک پسپائی سے دوچار کیا۔ سرغناؤں کے سر قلم کر دیئے اور بھاگنے والوں کو تلوار کی دھار پر دھر لیا۔ کٹے سر قرطبہ روانہ کر دیئے گئے۔ بغاوت کو ختم کر دیا گیا۔

ایک بڑی مہم کی تیاریاں

ان پیہم بہ پیہم فتوحات نے ہشام الرضی کے حوصلے بڑھا دیئے۔ اب تک ساری لڑائیاں رشتہ داروں یا باغی سرداروں سے لڑی گئی تھیں۔ ان میں ہشام کو کوئی مزا نہیں آیا۔ نہ ان میں جذبہ غازیت شامل تھا نہ جوش جہاد۔ نہ اس سے کوئی حدود سلطنت میں اضافہ ہوا۔ نہ مال خمس میں نہ غنیمت میں۔ نہ اس سے جوشیلے سپاہیوں کو اپنی قوت اور بہادری دکھلانے کا موقع ملا نہ رعایا کی بہبودی کی خاطر کچھ منفعت حاصل ہو سکی۔ ان خانگی جھگڑوں اور فسادات سے فرصت پاکر اس اولوالعزم بادشاہ نے نئی فتوحات اور تکمیل جوشِ جہاد کے ارادے کئے اور ان ارادوں کے تکملہ کی خاطر جدوجہد بھی شروع کر دی۔ مسجد میں بعد نماز جمعہ اعلان جہاد کر دیا گیا۔ اس کی اطلاعات دور دور گورنروں، حاکموں اور والیوں کو بھیج دی گئی۔ یہ اعلانِ جہاد مقتضائے حالات تھا۔ فتنوں اور سازشوں کو دبانے کے بعد ملک میں امن وسکون تھا۔ ہر طرف صلح وآشتی تھی۔ تجارت وحرفت میں فروغ ہو رہا تھا۔ صنعت و زراعت ترقی پذیر تھی۔ ٹیکس بہت سے معاف کر دیئے گئے جو باقی رہ گئے وہ ناگوار نہ تھے۔ اس لئے ان بربری ودیگر جنگجو قبیلوں کے افراد کو کسی نہ کسی طرح مصروف رکھنا لازمی تھا۔ ورنہ وہ اندرونی طور پر کسی فتنے یا فساد کے بانی ہوتے۔ ان کی توجہات تو ہمیشہ جنگ ہی کی طرف مبذول رہنا چاہیئے۔ پھر کفار سے۔ عیسائیوں اور یہودیوں سے بڑھ کر

ہونا فریضہ دین بھی سمجھا جاتا تھا۔ جس میں دہرا فائدہ تھا .... مملکت میں بھی اضافہ ہوتا۔ مال ومتاع بھی حاصل ہوتا تھا۔ اور ان سب سے بڑھ کر رجحانات منقسم رہتے تھے۔ جیسے ہی ہر منبر ہر خطبہ میں اعلان جہاد ہوا لوگ بستی بستی شہر شہر سے چل کر اس فریضہ مذہب میں حصہ لینے کے لئے مختلف جھنڈوں کے نیچے جمع ہونے لگے۔ سب سے پہلے ۱۷۵ھ میں یوسف بن بخیہ کے تحت چالیس ہزار سپاہی حدود جلیقیہ کی طرف روانہ کئے گئے۔ یوسف نے دشوار گذار راہوں کو طے کر کے مشکلات پر عبور حاصل کر کے جلیقیہ galicia اور ایشر یاس (Asturias) کے علاقوں میں زبردست فتح حاصل کی شاہ ابن مندہ یا برمیوڈ شاہ ایشر یاس کو اسی یوسف کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ مسلمانوں نے ان مہمات میں بہت سا مالِ غنیمت حاصل کیا اور سینکڑوں قیدیوں کے ساتھ لدے پھندے یہ لوگ واپس ہوئے۔

اگلے سال ۱۷۶ھ میں ایک دوسری فوج عبد الملک بن عبد الواحد بن مغیث کی سرکردگی میں سیپٹی مینیا (Septimania) اور البہ کی سمت بھیجی گئی۔ سیپٹی مینیا کا علاقہ خود مختار ہو چکا تھا۔ اور اس کا مرکز ناربون (Narbonne) بہت عرصہ تک جنوبی فرانس کا مرکز رہ چکا تھا۔ اور اب لگ بھگ ۳۰-۳۲ سال سے فرانسیسیوں ہی کے قبضہ میں چلا آ رہا تھا۔ اب جو مسلمان فوجیں ان علاقوں میں پہونچیں تو ان کے چھکے چھوٹ گئے۔ سب سے پہلے قلعہ البہ پر حملہ کیا گیا اور اس پر قبضہ کر کے تخت و تاراج کیا۔ پھر ۱۷۷ھ میں گیرونا پر جو ابھی تازہ تازہ فرانسیسیوں نے چھینا تھا حملہ کر دیا گیا اس میں طاقت مدافعت نہ تھی اس لئے آسانی سے مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس فتح نے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے۔ گیرونا بھی بہت اہم مقام تھا اور مختلف سمتوں کو راہیں وہیں سے کٹتی تھیں اس کے سامنے وادی راہوں کا راستہ صاف تھا اور سب سے پہلے یہ فتح مند فوجیں اسی جانب کوچ کرنے لگیں۔ قدرت بھی ان فاتح کے ساتھ تھی۔ شارلیمین (Charlemagne) کہیں دور جرمنوں کی سرکوبی میں مصروف تھا۔ لوئی شاہ ایکیٹین (Aquitaine) اتفاقاً روم میں تھا اور اپنے بھائی پے پن (Pepin) کے حالات کی درستگی میں مدد دے رہا تھا۔ یہ سارا علاقہ کسی سردار کے نہ ہونے کی وجہ سے نکما ہو رہا تھا۔ سپاہی عرصہ دراز سے بیکار تھے اور جنگ وجدال سے مدتوں سے ان کو سابقہ ہی نہ پڑا تھا۔ ان کی تلواریں زنگ آلود ہو گئی تھیں۔ ان کے اعضا مضمحل۔ کچھ زیادہ لڑنا بھڑنا بھی نہ پڑا۔ کامرانی کامیابی مسلمانوں کے قدم چومتی گئی۔ ناربون پر تو قبضہ نہ ہو سکا مگر باقیماندہ علاقہ تلوار کی نوک سے

Marfat.com

فتح ہو گیا۔

کہتے ہیں کہ سپٹیمینیا اور ان علاقوں سے بے انتہا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا سونا چاندی۔ اور زیورات کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ اس کے علاوہ قیمتی پتھر جیسے ہیرے۔ زمرد۔ نیلم یاقوت۔ لباس فاخرہ۔ دیبا وحریر غرض قسم قسم کی اشیاء ہاتھ لگیں۔ حصہ خمس جو امیر وقت کا ہوتا ہے۔ وہی صرف ۴۵ ہزار اشرفیوں کے لگ بھگ تھا۔ اس کے علاوہ لاتعداد قیدی جن کے کاندھوں پر ناربون کی فصیل کے بیش قیمت پتھر۔ لمبی لمبی سلیں جو بڑی خوبصورتی سے تراشی گئی تھیں لدی ہوئی تھیں۔ یہ پتھر اور ان کی سلیں بہت قدیم تھیں اور رومن شہنشاہ آگسٹس کے وقت سے ان فصیلوں پر جڑی چلی آ رہی تھیں۔ ان کو شاید متبرک سمجھا گیا۔ اور اسی لئے جامع مسجد میں جس کی بنیادیں عبدالرحمٰن کے زمانے میں پڑ چکی تھیں لگائی گئیں۔ مسجد کا پوربی حصہ کہا جاتا ہے۔ کہ انھیں پتھروں کا مرہون منت تھا۔

عبدالملک کی یہ شاندار کامیابی گو غیر متوقع نہ تھی باعث حوصلہ افزائی ضرور تھی۔ ان کے قدم اور آگے بڑھے انہوں نے اربونہ کا محاصرہ کیا۔ اور اسے فتح کر کے چھوڑا۔ اس کے بعد جریدہ کی طرف بڑھے اور اسے بھی تخت و تاراج کر کے چھوڑا۔ اب دریائے اوربو سلاطین درمیان میں تھا مگر جو فوجیں اس قدر دشوار گزار اور مشکل راستوں اور خطروں کو نگاہ میں نہ لائی تھیں وہ اس دریا کا پاٹ دیکھ کر بھلا کیا گھبراتیں اسے عبور کر لیا گیا اور راکسون کی سمت یہ فتح و ظفر کی موجیں بڑھنے لگیں۔ فرانسیسوں کی ایک فوج جو بڑی حد تک غیر منظم اور غیر تربیت یافتہ تھی۔ ولیم۔ ڈیوک آف ٹولس (William Duke of Toulose) کی سرکردگی میں مقابلہ کرنے کے لئے نکلی۔ مگر مسلمانوں کے دست و بازو کے سامنے ان کی بھی کچھ نہ چلی۔ ولیم نے شکست کھائی اور راہ فرار اختیار کی۔ اور نصاریٰ کا یہ حربہ بھی کارگر نہ ہو سکا۔ ولیم کی یہ ہار ایک بہت بڑے ہیرو کی ہار تھی۔ جس کو عیسائی پادریوں نے فرشتہ کا سا درجہ عطا کر دیا تھا اور جس کی شجاعت اور بہادری کے کارناموں کو سراہنے کے لئے سینکڑوں نظمیں اور ترانے لکھے تھے۔ مگر یہ ساری بہادری اور شجاعت دھری کی دھری رہ گئی۔ مسلمانوں کا عرصہ دراز تک فرانس کے جنوبی علاقہ پر غلبہ رہا اور ہر چند یہ علاقہ حدود سلطنت میں تو نہیں شامل کیا گیا مگر اس کا خراج قرطبہ ہی کے خزانہ میں جمع ہوتا رہا۔ اور تعلق بھی دربار قرطبہ سے ہی قائم رہا۔

جیسے جیسے ان فتوحات کی خبریں دارالخلافہ پہونچ رہی تھیں ہشام کا دل مارے خوشی کے

Marfat.com

رقص کر رہا تھا۔ وہ ہر خوشی کی اطلاع پر سجدہ شکر بجا لاتے اور مسلمانوں کی نصرت و ظفر کی دعائیں خلوصِ قلب سے مانگتے۔ عبد الملک کے بھائی عبد الکریم کو بھی ایک مہم کی سرکردگی کے لئے آمادہ کیا۔ اور وہ بھی جوشِ جہاد سے سرشار بخوشی راضی ہو گئے۔ ۳۸۷ھ میں جلیقیہ۔ ایسٹریاس اور قلاع کی جانب ایک دوسری فوج ان کی سپہ سالاری میں بھیجی گئی۔

یہ درمیان کے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے استرقہ تک پہنچ گئے اور اس پر بھی قبضہ حاصل کیا۔ ایک دستہ کو پائیرنیس کی طرف روانہ کیا۔ اور اس نے بھی بعض دروں سے ملحق علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ قوم بشکنس جس نے مسلمانوں کا ہمیشہ [illegible] کیا۔ اور مختلف وقتوں میں گزند پہنچائی ان کو بھی سزا دینے کے لئے عبد الکریم نے فوجوں کو ادھر ادھر پھیلا دیا۔ مگر ان کا کچھ بھی بس نہ چلا اور وہ لوگ اس جنگ سے علیحدہ ہی رہے۔ جب عبد الکریم مال غنیمت لئے۔ قیدیوں کو جکڑے واپس ہو رہے تھے تو تنگ دروں اور کمین گاہوں میں پھنس گئے۔ اور اس وقت گلیشا کے اسپینی اور دیگر قبیلہ والے کمین گاہوں سے نکل کر مسلمانوں پر پل پڑے۔ اب جائے رفتن تھی نہ پائے ماندن۔ ان تنگ و تاریک کوہوں۔ دروں میں مقابلہ ممکن ہی نہ تھا۔ بہت سے مسلمان کام آئے۔ مال مفروتہ بھی چھن گیا۔ اور قیدی بھی ہاتھ سے نکل گئے۔ مگر سب سے بڑی خرابی یہ ہوئی کہ مسلمانوں کی ساکھ جو ماضی قریب کی شاندار فتوحات کی وجہ سے جم گئی تھی۔ اکھڑ گئی۔ اور عیسائیوں کو ایک بار پھر اپنی منتشر طاقت جمع کرنے کا موقع مل گیا۔ پھر بھی جو کچھ حاصل ہوا تھا اور دینِ الٰہی کے پیروؤں کو جو کچھ ہاتھ لگا تھا۔ وہ اس نقصان کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا۔

عیسائیوں اور فتنہ بازوں نے ہشام کے زمانے میں پھر سر اٹھانے کی جرأت نہیں کی۔ ان مفتوحہ علاقوں کو واپس لینے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ وہ اس جلیل القدر بادشاہ کا نام ہی سن کر تھرا اٹھتے اور اپنی پرانی خصلت اور عادت کو دبانے ہی میں نجات ابدی سمجھتے۔

باب (۲۴)

امام مالک بن انس سے رغبت

مشائخین اور علمائے دین کی صحبت ہشام کا ہمیشہ سے محبوب مشغلہ تھا۔ اور سلطنت سے نجات حاصل کرنے کے بعد جو وقت بھی ملتا تھا۔ وہ انہیں علماء، فضلاء اور فقہاء کی صحبت میں گزارنا پسند کرتے تھے۔ ہر وہ چیز جس کا تعلق مذہب سے ہوتا۔ ان کے نزدیک انتہائی قابل توجہ ہوتی تھی۔ اخلاقِ حسنہ اور کردار اعلیٰ ان کے قریب سب دین سے تعلق رکھنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتے تھے۔ اسی زمانے میں مدینے میں ایک دیندار عالم ایک شیخ الشیوخ حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ جو ۷۱۵ء میں پیدا ہوئے تھے۔ کا بہت چرچا ہوا۔ یہ اپنے وقت کے زبردست عالموں اور فقہائے دین میں سے تھے۔ مدینہ میں ان کی حیثیت مجتہد العصر کی سی تھی۔ وہاں درس قرآنی اور تدریس احادیث سبحانی کا سلسلہ جاری تھا۔ امام مالک اپنے زہد و تقویٰ اور دین کے اس قدر پابند تھے کہ کسی دوسری طاقت کو، بجز خدا کے خاطر میں نہ لاتے تھے۔ یہی چیز خلیفہ بنو عباس کی ناراضگی کا سبب بنی۔ کئی دفعہ قاضی القضات اور دیگر علماء سے ان کے مناظرے ہوئے جن میں ان کو منہ کی کھانا پڑی۔ اور حضرت امام مالک کی بزرگی اور افضلیت اور بھی بڑھ گئی۔ ان لوگوں نے حسد میں خلیفہ کے کان بھرے کہ امام مالک شیعت کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں اور خلافت بنو عباس سے نکال کر حامیانِ اولادِ علی کو دلانا چاہتے ہیں۔ خلیفہ نے ان کو جواب طلبی کی غرض سے بغداد بلوانا چاہا۔ مگر انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ یہ امر اور بھی باعثِ ناراضگی بنا اور امام مالکؒ سخت سزاؤں کے مستحق ٹھیرائے گئے۔ اور کہتے ہیں کہ ان کا ایک ہاتھ بھی اکھڑوا دیا گیا۔ مگر انہوں نے

Marfat.com

اف نہ کی اور راہ خدا میں ہر اذیت کو برداشت کیا۔ اب اس کے چرچے دربار قرطبہ میں ہوئے۔ تو ہشام ان سے ملنے کے لئے بے چین ہو گئے۔ کئی قاصد اور زر و مال روانہ کئے کہ امام اسپین کی طرف توجہ فرمائیں مگرانہوں نے ہمیشہ انکار کر دیا۔ جب ہشام کے حالات کا علم حضرت ابن انسؓ کو ہوا تو انہوں نے یہ ضرور فرمایا کہ "خدا کرے ایسے لوگوں سے ہمیں زینت ہو" اس کے علاوہ یوں بھی وقتاً فوقتاً جیسے جیسے ہشام کے حالات سے باخبر ہوتے گئے اس کی مدح و ثنا کرتے رہے۔ یہ چیز خلیفہ عباسیہ کو اور بھی کھٹکی مگر وہ ان جیسے باعظمت اور باکردار بزرگ کا بگاڑ ہی کیا کر سکتے تھے۔ سزائے تازیانہ ضرور دی اور لگانے والوں نے اس زور سے کوڑے لگائے کہ دیکھنے والے کانپ گئے۔ مگر اللہ رے صبر و رضا امام مالکؒ کہ ہر سختی کو بہ لطف و عنایت سہہ گئے۔ امیر ہشام کو جب امام کی گرویدگی کی یہ اطلاع ملی اور ساتھ ہی ساتھ ان سختیوں کی بھی جو محض ان کی تعریف کرنے یا مدینہ میں ان کی خصوصیات بیان کرنے پر ان کو اٹھانا پڑی تو امام کی عزت انکی نگاہ میں ہزار گنا زیادہ بڑھ گئی۔ انہوں نے اپنے ملک سے کئی صاحبِ علم اور طالبِ دین مثلاً یحییٰ ابن یحییٰ وغیرہ کو ان کی خدمت میں تحصیل علم اور اصول مالکی سیکھنے کے لئے بھیجا۔ اور جب یہ شاگرد تحصیل علم کر کے واپس آئے تو ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے اور تحریک امام مالک کا بہت پرچار کر کے ان کے نظریات کو پھیلایا۔ رفتہ رفتہ امام موصوف کا تذکرہ اس قدر بڑھا کہ صرف وہی لوگ مقربانِ خاص شاہ ہو سکتے تھے جو مالکی عقیدے کے حامل تھے۔ اچھی اچھی جگہیں اور بڑے بڑے عہدے بھی ان کو ہی سونپے جاتے تھے جو امام ابن انس سے عقیدت و شیفتگی کا اظہار کرتے تھے۔ جب ہشام کی گرویدگی اس قدر امام سے بڑھی کہ اٹھتے بیٹھتے انہیں کا ذکر کرتے انہیں کے اجتہاد اور فتویٰ کو قابل قدر گردانتے اور ان کی کتاب الموطا (Almuwatta) کو شریعت اسلامی کی کتابوں پر فوقیت دیتے اور حقیقتاً موطا تھی بھی فوقیت حاصل کرنے کے لائق کتاب۔ کہتے ہیں کہ اسلام کے چار فرقوں میں سے سب سے زیادہ افضلیت امام مالک کے اصولوں کو ماننے والوں کی ہے بعد میں ہارون الرشید بھی ان کا فریفتہ ہو گیا تھا۔

مصر اور افریقہ کے بیشتر علاقوں میں عقائد مالک کی ترویج ہوئی الجیریا تو اب تک انہیں اصولوں کا دم بھرتا ہے۔ پھر بھلا اندلس ان کے عقائد اور اصول سے کیوں کر فیضیاب نہ ہوتا خصوصاً جبکہ حضرت امام مالک کی رائے امیر اندلس کی طرف سے نہایت اچھی تھی اور علانیہ یہ کہا کرتے تھے کہ اگر کسی شخص میں خلافت کی ذمہ داریاں اٹھانے کی اہلیت ہے تو وہ صرف

Marfat.com

ہشام الرضی ہیں ہشام نے بھی اس کا بدلہ اس طرح چکایا کہ ان کے اعتقادات کی ترویج اور فروغ میں ہر ممکن جدوجہد کی۔ صرف بیس ہزار مالکی قرب وجوار قرطبہ میں تھے اور ادھر ادھر تو نہ جانے کتنے معتقدین امام ہوں گے عزت کا مستحق وہ شخص ہو سکتا تھا جو امام کی عزت کرے۔ رتبے اور منصب کے لائق ہی وہ سمجھا جاتا تھا جو امام مالک کی قدرو منزلت کرے۔ عہدوں اور جاگیروں کی بخشش ہی صرف انہیں حضرات کو ہوتی تھی۔ جو امام کی بزرگی اور فوقیت کا اعتراف کرے جو لوگ امام مالک کی زیارت اور طلب علم کی غرض سے جانا چاہتے تھے ان کو خزانہ شاہی سے صرف خاص پر تمام سہولتیں بہم کر کے جہاز بھیجا جاتا تھا۔ جب یہ واپس آتے تو لائق عزت وعظمت گردانے جاتے رفتہ رفتہ مالکیوں کا اثر ہر شعبہ میں اس قدر بڑھ گیا کہ اس کے اثرات بد نمایاں ہونے کا اندیشہ ہونے لگا۔ ہشام کے عہد میں تو نہیں۔ مگر اس کے جانشینوں کو اس رویہ سے سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ خود مالکیوں کو بھی اپنے زعم اور اثر کی سخت سزائیں سہنا پڑیں۔ بعد میں جو کچھ بھی ہوا ہو مگر ہشام کے دور حکومت میں دین ومذہب۔ قران وحدیث اور عقاید مالکؒ کا چرچا پورے شباب پر رہا اور پورے زور وشور کے ساتھ دیگر شعبہ جات پر بھی چھائے رہا۔

باب ۲۵
ہشام کے کردار پر ایک نظر

ہشام کے کردار پر ایک غائر نظر شروع ہی میں ڈالی جاچکی ہے۔ مگر جو واقعات اور حالات ہم پیچھے بیان کر آئے ہیں۔ ان کی روشنی میں ایک بار پھر مختصراً ان کے کردار کا جائزہ لینا ضروری ہے۔
علامہ مقری کا خیال ہے کہ ہشام اپنی عادات واطوار کے لحاظ سے کسی طرح بھی عمر بن عبدالعزیز سے کم نہ تھے۔ وہ خود بڑے متقی۔ پرہیز گار۔ دیندار زاہد۔ وتقویٰ کے پابند۔ عبادت گزار۔ اور شریعت اسلامی کے کٹر پیرو تھے۔ مذہب سے دلچسپی ان کو بطور خاص تھی مگر امور سلطنت کے بجالانے میں بھی وہ پوری مستعدی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ وہ دور دور اپنے عمال کو رعایا کا حال جاننے کے لئے اور حکام کے رویّہ کی خبر لانے کے لئے بھیجتے تھے۔ پوری مملکت کے حالات سے باخبر ہونے کی کوشش کرتے۔ حتی الامکان رعایا کی مصیبتیں دور کرنے اور مشکلوں کو آسان کرنے کی جدوجہد کرتے۔ اگر کسی حاکم کی بے اعتدالی یا بے انصافی کی خبر سن پاتے تو پہلے ان بے انصافیوں کا ازالہ کرتے پھر اس حاکم کی مزاج پُرسی کرتے۔ جب یہ خبر ملتی کہ کوئی عامل عدل وانصاف کی جگہ رعونت برتتا ہے تو فوراً موقوف کرکے دوسرے کا تقرر کرتے۔ اسے نیکی اور منصف مزاجی کی بھی تلقین کرتے مظلوموں کے وہ زبردست حامی ومددگار رہتے۔ اور ان کی فریاد سن کر ظلم کا ازالہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ ان کی اس قسم کی عادات شروع ہی سے تھیں۔ عہد ولیعہدی میں ایک بار دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ انھوں نے اپنے ایک پروردہ جوجین Jaen کا رہنے والا تھا ملول وافسردہ دیکھا۔ وجہ پوچھی تو اس نے بتلایا کہ میرے قبیلہ میں کسی نے ایک شخص کو مار ڈالا جس کی پاداش

Marfat.com

میں سارے کنانی گرفتار ہوئے اور خود اس کا خاندان خاص طور پر ہدفِ ملامت ہے۔ اور جب آپ کے بھائی کو یہ علم ہوا کہ آپ میرے اوپر بہت مہربان ہیں تو زائد سختی برتی جا رہی ہے۔ اور سخت تاوان کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ہشام نے فوراً اپنی ایک قیمتی چیز (ہار) اس کنانی کے حوالے کی کہ تین ہزار میں بیچ کر تاوان ادا کرو۔ کنانی بولا کہ میں قرض چکانے کے لئے روپیہ طلب کرنے نہیں بلکہ اس بے انصافی کی اطلاع دینے آیا ہوں جو آپ کے بھائی سلیمان کی جانب سے ہم لوگوں پر ہو رہی ہے۔ اگر آپ اس کا مداوا کر سکتے ہیں تو کیجئے ورنہ رہنے دیجئے۔ ہشام بولے قسم خدا کی جو کچھ میرے امکان میں ہے درگزر نہ کروں گا اور اسی وقت اپنے والد عبدالرحمٰن کی خدمت میں پہنچے۔ عبدالرحمٰن کو اندازہ ہو گیا کہ کوئی بہت ہی اشد ضرورت لاحق ہوئی کہ یہ بے وقت آئے۔ اندر بلا کر پوچھا خیر تو ہے؟ ہشام سلام کر کے کھڑے رہ گئے۔ اور کہا اس وقت تک بیٹھ نہیں سکتا جب تک اطمینان قلب نہ ہو جائے۔ جب وعدہ کیا گیا تو بیٹھ کر سارا حال بیان کیا۔ عبدالرحمٰن نے فوراً بیت المال سے کنانیوں کا تاوان ادا کیا اور سلیمان کو لکھا کہ آیندہ سے ایسی حرکتوں سے باز آئے۔ ہشام خوش خوش واپس آئے اور اپنے پروردہ کو سارا حال سنایا۔ اس نے بھی ہزاروں دعائیں دیں اور وہ ہار واپس کرنے لگا کہ اب تو تاوان خزانہ شاہی سے ادا ہو رہا ہے ہشام نے جواب دیا کہ یہ تو تجھے اب بخش دیا اور جو چیز بخش دیتا ہوں پھر واپس نہیں لیتا ہوں۔ اس قسم کے صدہا ایسے واقعات ہیں۔ جن سے ان کی نیکی اور صدق دلی کا پتہ چلتا ہے۔

مورخین کا کہنا ہے کہ جہاں ہشام نے ہر علم و فن کے لوگ اپنے گرد جمع کئے تھے۔ وہاں ایک نجومی ضبی (Zabi) نامی جزیرۃ الخضرا سے آکر ان کے یہاں ملازم ہو گیا۔ اس کے تبحر علمی کو دیکھ کر ہشام خاص طور پر اس کے مداح ہو گئے اور الطاف و عنایات کے ساتھ پیش آتے رہے ہر چند کہ وہ کٹر مسلمان تھے مگر ضعیف الاعتقادی اس وقت ہر شخص ہی میں کم و بیش پائی جاتی تھی۔ اور ہشام بھی اس سے مبرا نہ تھے۔ ایک دن انہوں نے اس ماہر سیارہ و ستارہ سے اپنی آیندہ زندگی کے متعلق پوچھا۔ اس نے زائچہ دیکھ کر بتلایا کہ حضور والا کا دور انتہائی خوش حالی ترقی اور بہتری کا ہوگا۔ مگر ایک بات ضرور ہے یہ کہہ کر ضبی خاموش ہو گیا۔ وہ کیا بات ہے؟ ہشام نے تجسس سے پوچھا۔ آپ کی مدت حکومت صرف آٹھ سال ہے ہشام نے کہا یہ تو انتہائی شکر کا مقام ہے کہ فریب زمانہ اور امتدادِ وقت کے ہاتھوں صرف تھوڑی مدت پریشانی میں گزاروں گا اگر یہی وقت عبادت، ریاضت اور یاد الٰہی میں گزر جائے تو غنیمت ہے۔ اغلب ہے کہ اسی

Marfat.com

پیشین گوئی نے ہشام کو بڑی حد تک مذہب اور دین کا پابند بنا دیا تھا اور وہ ہمہ وقت نیکی اور سچائی سے ہمکنار رہنا چاہتے تھے۔

جس مسجد کی بنیادیں ان کے باپ نے ڈالیں تھیں اس کی تکمیل میں وہ بھی معروف رہتے تھے۔ اور ادنیٰ سے ادنیٰ مزدور کے ساتھ مل کر بھی کام کرنے سے گریز نہ کرتے تھے۔ اور اس عمارت کو پرشکوہ بنانے میں تمامتر توجہ مبذول رکھتے تھے۔ سیپٹی مینیا سے پتھر منگوا کر انہوں نے اس کی دیواریں لگوائے۔ دور دور سے مختلف قسم کا مسالحہ انہوں نے اس مسجد کی مضبوطی کی خاطر منگوایا۔ اور اس کی زیب وزینت بڑھانے میں کسی طرح سے بھی ایک لاکھ ساٹھ ہزار دینار سے کم خرچ نہیں کئے۔ اس کے بعد انہوں نے وادیٔ الکبیر کے اس پل کی از سر نو مرمت کی جس کو سمح الخولانی نے بنایا تھا۔ مگر امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں بیکار ہو گیا تھا۔ اس کی تجدید کر کے انہوں نے رعایا کی ایک بڑی ضرورت کو رفع کر دیا اور ایک بہت بڑی آسانی کو بہم کر دیا۔ ایک روز انہوں نے یونہی بر سبیل تذکرہ اپنے وزیر سے پوچھا کہ اس پل کی مرمت کے بعد لوگ کیا رائے قائم کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ عموماً لوگوں کا خیال ہے کہ اس پل کو امیر نے اپنے آرام اور سیر و تفریح کے لئے باہر جانے کی وجہ سے بنوایا ہے۔ اس دن سے ہشام نے عہد کر لیا کہ کبھی اس پل سے نہ گزرے گا کہ لوگوں کو یہ خیال نہ باقی رہے کہ یہ پل اس کی سہولت کے لئے بنوایا گیا ہے۔ اور ایک پل پر ہی کیا موقوف انہوں نے شہر بھر میں بڑے بڑے باغات حوض، مسجدیں، منبر تعمیر کرائے۔ پر تکلف حمام بنوائے۔ جگہ بہ جگہ باغات لگوائے۔ ان میں چھوٹی چھوٹی نہریں اور فوارے لگوائے۔ تاکہ زینت میں اضافہ ہو۔ سڑکوں کو چوڑا کروایا۔ اور ان کی مضبوطی پر خاص توجہ دی۔ اپنی رعایا کے آرام و آسائش کے لئے ہر ممکن صورت بہم کی۔ فروغ تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ سائنس اور انجینیری کی ترویج کی طرف اعتنا برتی۔ مدرسے اور اسکول کھلوائے اور ان میں وظائف ہی نہیں مقرر کئے بلکہ طلباء کے رہنے اور کھانے کا بھی انتظام کیا۔ نہ صرف یہ بلکہ عیسائی اور یہودی درسگاہوں کی بھی سرپرستی کی اور ان کے علوم کو بھی فروغ دینے میں ہاتھ بٹایا ... ان کے ادارے کھلوائے اور ان میں تعلیم کا بجا انتظام کیا۔ یہودی اور عیسائی بچوں کو حسب خاص سے وظیفے دیئے۔ مگر ہر سرکاری درسگاہ میں زبان عربی لازمی قرار دی اور اسی کو ذریعہ تعلیم بنایا۔ اس میل جول اور اختلاط کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ لوگ باہم تقریبوں میں شرکت کرنے لگے۔ اور شادی بیاہ بھی کرنے لگے۔ ہزار ہا عیسائی اور یہودی یہ وسیع القلبی دیکھ کر مذہب اسلام کے شیفتہ و فریفتہ ہو گئے۔ اور

اس کو دل سے قبول کرلیا۔ بادشاہ کو اشاعتِ دین کی طرف راغب دیکھ کر علماء بھی تبلیغ اسلام میں خصوصیت سے حصّہ لینے لگے۔

امیر ہشام شروع ہی سے سادہ پسند تھے۔ پُرتکلف اور ریشمی لباس سے ہمیشہ گریز کرتے تھے سادہ معمولی مگر صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے۔ جاہ وحشمت۔ نام ونمود۔ رعب و دبدبے سے دور بھاگتے تھے۔ فرصت کے اوقات میں فریادیوں کی فریاد۔ مظلوموں کی شکایتیں سنتے اور ان کی فوری طور پر تلافی کرتے تھے۔ حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے۔ ضرورت مندوں کی ضرورتیں رفع کرتے۔ بیواؤں اور بیکسوں کے پاس خود جاتے اور ان کی اعانت کرتے۔ رات رات بھر گلی کوچہ پھر کر شہر اور شہریوں کی حالت معلوم کرتے رہتے اور اسی کے مطابق مناسب قدم اٹھاتے۔ ان کے عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ اپنے محل میں کچھ اضافہ کی خاطر ایک مکان خریدنا چاہتے تھے اور مالک سے خرید کی گفتگو کر رہے تھے کہ یہ پتہ چلا کہ ان کا ہمسایہ بھی اس مکان کو خریدنا چاہتے تھے مگر بادشاہ کی وجہ سے خاموش ہے۔ ہشام نے اس مکان کو خریدنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا اور مالک سے مزید گفتگو کرنے سے انکار کر دیا وہ اسی قسم کا رویہ اپنے عمّال میں بھی کارفرما دیکھنا چاہتے تھے ان کے نمائندے دوسرے امیروں اور حاکموں کے یہاں بے دھڑک پہنچ جاتے۔ اخراجات کا محاسبہ کرتے۔ عدالتوں کی کارروائیوں کا مشاہدہ کرتے۔ خزانوں کا جائزہ لیتے۔ اگر کہیں فروگزاشت پاتے تو فوراً بادشاہ کو اطلاع دیتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک ظلم وستم کا اختتام ہوگیا تھا۔ ہر طرف خوشحالی اور بے فکری کا دور دورہ ہوگیا۔ عدل وانصاف اور جود وسخا کا بازار گرم ہوگیا۔

مجرمین کی بیخ کنی کے لئے انہوں نے سب سے پہلے حفاظتی پولیس کا انتظام کیا۔ جو راتوں کو گشت کرتی اور رہزنوں اور ڈاکوؤں سے رعایا کے مال وجان کی حفاظت کرتی۔ اس خرچہ کا بار معمولی ٹیکس کی صورت میں رعایا پر ہی تھا مگر جو فائدہ اس سے حاصل ہوا اس کے مقابلے وہ خرچ نہ ہونے کے برابر تھا۔ ملزمین پر سخت جرمانہ کیا جاتا تھا۔ اور وصول شدہ رقم خیرات کے کاموں پر خرچ کی جاتی تھی ٹیکس صرف اسی قدر لگتا جس کی اجازت از روئے شرع ہوتی۔ اور جو کسی طرح گراں نہ محسوس ہوتا۔ مسلمان قیدیوں کا زرِ تاوان وہ خود اپنی جیب سے ادا کرتے۔ ایک بار ایک دولت مند بغیر کسی اولاد کے مرا اور یہ وصیت کر گیا کہ

Marfat.com

اس کا سارا مال اسباب بیچ کر مسلمان قیدیوں کو رہائی دلائی جائے۔ جو عیسائیوں کے قبضے میں ہیں ہشام نے وہ سارا مال اس دولت مند کے عزیزوں اور وارثوں کو واپس کر دیا۔ اور زر فدیہ خود ادا کر کے ان کی رہائی کا انتظام کیا۔ ان تمام باتوں نے مفتوحین کے دلوں میں فاتحین کا احترام بہت بڑھا دیا۔ اور فاتحین بھی مفتوحین کو بہ نگاہ تحقیر دیکھنے سے گریز کرنے لگے۔ تعلقات تجارت بھی بڑھ گئے۔ اور قلوب میں بھی جگہیں پیدا ہو گئیں۔ امراء اور رؤساء کے گھروں میں یہودیوں اور عیسائیوں کی مستورات بے دھڑک آنے جانے لگیں اور ان میں گہرا ربط ضبط قایم ہو گیا۔ ان کے بچوں نے عربی زبان سیکھی اور عربی تہذیب و تمدن کو اپنایا۔ ایک ہی ملک میں بسنے والی یہ تین قومیں شیر و شکر ہو کر رہ گئیں۔

چالیس سال کی عمر میں سات سال نو مہینے اور بقول بعض پورے آٹھ سال حکومت کرنے کے بعد ہشام نے ۷۹۶ء مطابق ۱۸۰ھ میں انتقال کیا۔ ان کی ولادت ماہ شوال ۱۳۹ھ میں ہوئی تھی۔ اور اس لحاظ سے انہوں نے چالیس سال سے کچھ زائد ہی عمر پائی (۴۱ سال ۴ ماہ) ضبی نجومی کی پیشین گوئی ان کو یاد تھی۔ انہوں نے تمام صوبوں کے والیوں کو اختتام آٹھ سال پر دار الخلافہ میں طلب کیا اور ایک مجلس مشورہ قائم کی۔ بہت سے معاملات ملکی اس میں طے پائے۔ بہت سی ہدایات اور طریقہ جات اس کی وجہ سے اختیار کئے گئے اور ساتھ ہی امیر نے ان لوگوں کو اپنے بیٹے حکم کو جانشین تسلیم کرنے کے لئے مجبور کیا۔ حکم کسی طرح سے قابلیت اور صلاحیت میں ان سے کم نہ تھے۔ اسی لئے ان کا انتخاب ایک موزوں انتخاب تھا۔ رسم بیعت کے بعد انہوں نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس کی نقل مختصراً یہاں درج ہے۔

"عدل و انصاف میں غریب و امیر کا امتیاز مناسب نہیں۔ دست نگروں پر دست شفقت رکھنا۔ انتظام شہر نمک حلال اور تجربہ کار لوگوں پر چھوڑنا۔ جو رعایا کو تنگ کریں تم ان کو تنگ کرنا۔ جو رعایا سے شفقت سے پیش آئیں تم ان سے محبت سے پیش آنا۔ سپاہیوں پر عنایت خاص رکھنا۔ استقلال اور اعتدال سے حکومت کرنا۔ عاملوں کی تنخواہیں وقت پر دینا۔ ان سے کئے ہوئے وعدے پورا کرنا۔ محبت سے رعایا کو گرویدہ کرنا۔ ان کا ڈر تمہارے لئے خطرے کا موجب ہو گا۔ ان کی نفرت مضرت رساں۔ کاشتکاروں کی حمایت کرنا۔ ان کی فصلیں خراب نہ ہونے دینا۔ ان کے جنگل اور چراگاہیں برباد مت ہونے دینا۔ ایسا طرز عمل اختیار کرنا کہ لوگوں کے دلوں سے دعائیں نکلیں۔ وہ لوگ اگر خوشی سے زندگی بسر کریں گے تو تمہیں بھی خوشی

ہوگی اور یہی تمہاری نیک نامی اور نجات کا باعث ہو گی۔"

ڈاکٹر اسکاٹ کا خیال ہے کہ ہشام کا زمانہ کچھ ایسا زیادہ شاندار نہ تھا۔ ان سے وابستہ کچھ عظیم الشان فتوحات نہیں ہیں۔ کچھ علاقوں میں قابل ذکر اضافہ نہیں ہے۔ البتہ انہوں نے ایسٹریاس اور گلیشیا کے لوگوں کو ضرور شرارت سے باز رکھا اور ان پر پیہم حملہ کر کے ان کی ہمتوں کو پست کر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں اپنے باپ جیسی خصوصیات بدرجہ اتم موجود نہ تھیں۔ مگر جس ملک کی تسخیر عبدالرحمن نے کی تھی اس کی تعمیر کسی بہت ہی چست و چالاک ذی ہمت و ذی استقلال عقیل و فہیم ہی انسان کے ہاتھوں ہو سکتی تھی۔ جو ہشام میں موجود تھیں۔ دوسرے دشمنوں کا ذکر تو چھوڑیئے خود ان کے بھائی اور عزیز ان سے تخت و تاج چھین لینے پر برسرِ پیکار تھے اور یہ ان کی مستقل مزاجی اور بلند ہمتی ہی تھی کہ انہوں نے سب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے ارادوں کو تحس نحس کر کے رکھ دیا۔ پھر جب وہ لوگ معافی کے خواستگار ہوئے تو فیاضی اور وسیع النظری کے ساتھ ان کو معاف بھی کر دیا۔ غریبوں کی دستگیری انہوں نے کی۔ مسکینوں کی خبر گیری انہوں نے کی۔ زبان عربی کو انہوں نے لازمی قرار دیا۔ اور ایک باضابطہ نظام کا چرچا ان سے ہوا۔ یہ سب خصائل و خصائص صرف ایک بڑے ہی آدمی میں ہو سکتے ہیں اور وہ بلاشبہ بڑے آدمی تھے۔

Marfat.com

باب (۲۶)

الحکم اوّل

۷۹۶ء تا ۸۲۲ء

حکم ابھی مشکل سے بائیس برس کے ہوئے تھے کہ اتنی وسیع سلطنت کا بار ان کے کاندھوں پر آپڑا۔ ان کی نوجوانی کے باعث لوگ ان کے مزاج۔ افتادِ طبع اور رجحانِ طبیعت سے صحیح طور پر واقف نہ تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت پر ان کے باپ نے پوری توجہ دی تھی۔ اور اپنی حیات ہی میں ان سے ذمہ داری کے کام لینا شروع کر دئیے تھے تاکہ جب سچ مچ ذمہ داریاں ان پر آپڑیں تو وہ ان سے گھبرائیں نہیں۔ کم سنی میں وہ جنگی جوہر کی بھی نمائش کر چکے تھے اور میدان لورقہ میں اپنے چچا سلیمان جیسے گرگ باراں دیدہ کو شکست فاش دے چکے تھے۔ وہ ان کے بلند حوصلہ اور اعلیٰ ہمتی کی ایک اچھی مثال تھی۔ مگر جیسے جیسے ان کی طبیعت کے رموز ظاہر ہوتے گئے۔

لوگ اپنی خوش فہمی پر شرمندہ ہونے لگے۔

حکم نے سب سے پہلے عبد الکریم ابن الولید بن مغیث کو اپنا وزیر اعلیٰ یا حاجب مقرر کیا۔ یہ عہدہ سب سے زیادہ نازک اور اہم ہوتا تھا اس لئے عبد الکریم جیسے قابل اور لائق انسان کا انتخاب ایک فال نیک تھی۔ ان کے تجربہ کار اور قابل ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ وہ کتنی ہی نازک مہمات کو بخیر و خوبی انجام دے چکے تھے اور دور اندیشی و عاقبت بینی میں ید طولےٰ رکھتے تھے۔

چچا بغاوت پر آمادہ امیر ہشام کے دونوں بڑے بھائی عبد اللہ اور سلیمان سلطنت اندلس

پر اپنا حق سمجھتے ہوئے اپنے بھائی کے عہد ہی میں باغیانہ جذبات کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ اور کئی لڑائیاں لڑنے کے بعد معافی کے طلب گار ہوئے تھے۔ عبد اللہ کو طلیطلہ ہی میں ایک جاگیر عطا کر دی گئی تھی۔ مگر سلیمان کو ملک بدر کر کے جاگیر کی قیمت دیدی گئی تھی۔ سلیمان افریقہ میں تنجیر یا طنجہ کے شہر میں مقیم اپنی ناروا خصلت سے مجبور فتنہ پسندوں سے خط و کتابت میں مصروف تھے۔ اب جو انہوں نے ایک نوجوان شہزادے کو تخت پر متمکن دیکھا تو ان کی حریصانہ جبلّت نے ایک بار پھر شرارت کی طرف پلٹا کھایا۔ سلیمان نے اپنے ارادہ کا اظہار عبد اللہ سے کیا جو فوراً تنجیر جا پہنچا۔ سلیمان نے تنجر اور قرب و جوار کے علاقے کے بربریوں سے پہلے ہی ساز باز کر رکھی تھی عبد اللہ سے کہا کہ اگر وہ اسپین کے اندر کوئی شورش برپا کر سکتا ہے تو کرے۔ باہر سے وہ حملہ کردے گا۔ دونوں نے باہم مشورہ کیا کہ جب کوئی اور بڑی طاقت پشت پر نہ ہو اتنی بڑی سلطنت سے ٹکرانا کوئی دانشمندانہ فعل نہ ہوگا۔ طے یہ پایا کہ شارلیمین شاہ فرانس کو ہموار کیا جائے۔ رائے معقول تھی۔ عبد اللہ ایکس لا چپیل (Aix-La-chapell) جا پہنچے۔ اپنی دوستی کا ہاتھ شارلیمین کی طرف بڑھایا اور اس کی دوستی کے خواہش مند ہوئے۔ شارلیمین پہلے ہی امیر اندلس سے خار کھائے بیٹھا تھا اور اس ہزیمت کا بدلہ لینا چاہتا تھا جو امیر عبد الرحمٰن کے خلاف چڑھائی کرنے میں اس کو اٹھانا پڑی تھی۔ اور جس میں نہ صرف اس کی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ بلکہ رولینڈ Roland جیسا بہادر جنرل اور بے انتہا مال و متاع بھی ہاتھ سے جاتا رہا تھا۔ شارلیمین کو انتقام لینے کا اس سے بہتر موقع کیا مل سکتا تھا۔ ان سے امداد کا پورا وعدہ کر لیا بادشاہ ایکوٹین (Aquitaine) سے بھی طاقات کی گئی اور انہوں نے بھی برسلونہ اور دشقہ کے فوجی دستے بھیجنے کا وعدہ کیا اور خود اپنی سرحد کے آخر تک بخیریت تمام عبد اللہ کو پہنچا دیا۔ سازش کے جزئیات تقریباً اس طرح سے طے ہوئے جیسا کہ ابو الاسود کے زمانے میں ہوئے تھے۔ یہ بھی طے پایا کہ ادھر شارلیمین اور ایکوٹین کی فوجیں حدود اندلس میں داخل ہوں گی۔ ادھر سلیمان اور عبد اللہ نہ صرف اندرونی طور پر خلفشار پیدا کریں گے بلکہ مدد بھی پہنچائیں گے۔ عبد اللہ نے پورے حال سے سلیمان کو اطلاع دی اور اس کو جلد اسپین پہنچنے کی تاکید بھی کی۔ وہ تو اس موقع کا منتظر تھا ہی فوراً بھیس بدل کر بلنسیہ پہنچا۔ جہاں اس کے حامی پہلے ہی موجود تھے عبد اللہ نے حاکم طلیطلہ کو بہت لالچ دے کر اور وعدے کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اہل طلیطلہ کی گھٹی ہی میں فتنہ پردازی پڑی تھی بغیر چون و چرا وہ عبد اللہ کے ہمنوا بن گئے۔
طلیطلہ ہی میں عبد اللہ نے مطلق العنان ہونے کا اعلان کر دیا اور سلیمان نے تخت پر اپنا حق

Marfat.com

جتا کر امارت کا دعویٰ کر دیا حکم کو یہ امید نہ تھی کہ اس کی تخت نشینی کے تھوڑے ہی دن بعد حالات اتنی جلد پلٹا کھا جائیں گے وہ پریشان ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ فوراً جنگی تیاریاں مکمل کرنے کے بعد طلیطلہ کی طرف کوچ کر بیٹھا۔ عبد اللہ نے کھلے میدان میں مقابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر قلعہ کے دروازے بند کر لئے حکم نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔

شہر کا محاصرہ ابھی جاری ہی تھا کہ ایک اور خبر بد حکم کے کانوں میں پہنچی۔ بادشاہ ایکیوٹین نے ایک بڑی فوج کے ساتھ اندلس پر حملہ کر دیا۔ اور سرحد کے بعض اہم شہروں کو مثلاً گیرونا جو پائیرنیس کی کنجی تھا فتح کر لیا۔ اور پھر وہاں سے آگے بڑھ کر لاردہ Lerida اور Huesca کو بھی قبضہ میں کر لیا ہے۔ اور پھر اس کے آگے تمام شمالی و مغربی صوبے کو اپنے لشکر گراں سے کچل کر رکھ دیا ہے۔

ان خبروں کے پہنچنے کا تانتا ابھی بند نہ ہوا تھا کہ شارلیمین کے بیٹے کی سرکردگی میں ایک فوج جس میں دریائے ڈینیوب (Danube اور Rhine) کے قرب کی جاگیروں کے تجربہ کار افسران شامل تھے۔ خبر ملی کہ آگے بڑھ آئی ہے۔ اور لوٹ مار مچا رہی ہے۔ یہ سب خبریں بڑی ہولناک اور پریشان کن تھیں۔ اس کی روک تھام فوری طور پر لازمی تھی ورنہ نتیجہ بد نکلنے کا خطرہ تھا۔ محاصرہ جاری رکھنے کا ارادہ ترک کر کے حکم ساری فوجوں کو لے کر وادی ایبرو (Ebro) کی طرف بڑھا۔ ان عیسائی فوجوں کو جو اس کی یلغار کی خبر ملی تو سہم گئے اور فوراً فرار کی ٹھانی۔ آگے یہ بھگوڑے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ پیچھے حکم کی فوجیں بڑھی چلی آ رہی تھیں سازش کے تانے بانے بکھر کر رہ گئے۔ عیسائیوں کی بزدلی ایک بار پھر مسلمانوں کے کام آئی جن علاقوں کو ایکیوٹین نے چھین لیا تھا۔ ان پر دوبارہ قبضہ کیا گیا۔ گیرونا۔ لاردہ۔ دشقہ پھر اسلامی سلطنت میں شامل کئے گئے۔ بارسلونہ (Barcelona) جس کے حاکم زید نے غداری کا ثبوت دیا تھا اور شارلیمین کی فوجوں کا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور اس کا بیٹا جب عیسائی فوجوں کی قیادت کرتا ہوا برسلونہ پہنچا تھا تو اس کی اطاعت بھی گوارا کر لی تھی۔ مگر شہریوں نے سرقسط والوں کی طرح اپنے شہر کے دروازے نہیں کھولے تھے اور ان فوجوں کو اندر نہیں گھسنے دیا تھا۔ اب جو انہوں نے اپنے بادشاہ کی آمد کی خبر سنی تو سرتاپا نیاز ہو کر آگے بڑھے۔ اور شہر میں شاہانہ انداز سے داخل ہوا۔ زید کو معاف کر دیا گیا۔ رعایا کو بڑی بڑی بخششیں عطا کی گئیں۔ اس کے بعد امیر حکم ناربون کی طرف بڑھے۔ جہاں ان کے والد کے زمانے میں

Marfat.com

مسلمانوں نے اپنے قدم مضبوط جما دیئے تھے۔ ناربون نے ایک بار پھر ہتھیار ڈال دینے میں امان کا پہلو دیکھا۔ باغیوں کو سخت سزائیں دی گئیں عیسائی محافظ فوج کے سپاہیوں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔ خود سرِ رعایا کو قیدی بنا کر حکم پھر طلیطلہ کی جانب رجوع ہوئے۔ سرحد کی نگرانی پر عبدالکریم اور ابن سلیمان کو ایک لشکرِ گراں کے ساتھ چھوڑ دیا۔

الحکم کی یہ شاندار کامیابیاں عبداللہ اور سلیمان کے لئے موت کی خبر سے کم نہ تھیں۔ وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ عیسائی فوج حکم کو وہ مزا چکھائے گی کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ اور اسی لئے وہ خاموش بیٹھے اس معرکہ آرائی کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ سیاسی تدابیر کا تقاضا یہ تھا کہ جب حکم محاصرہ اٹھا کر عیسائیوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوا تھا اسی وقت پیچھا کر کے دو طرف سے گھیر لیا جاتا مگر انہوں نے تو سوچا کہ وہ لاتعداد آزمودہ کار جرلوں کا لشکر ہی مسلمانوں کی ہزیمت کے لئے کافی ہوگا۔ وہ خواہ مخواہ اپنی طاقت کیوں ضائع کریں۔ اس تساہل اور ناتجربہ کاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکم مظفر و منصور ان کی طرف بیوفائی اور غداری کا مزہ چکھانے کے لئے بڑھنے لگا۔

دونوں غدار بھائیوں کو موت اپنے سر پر منڈلاتے نظر آنے لگی۔ سلیمان فوراً عبداللہ سے ملے اور دریائے ٹیگس کے کنارے مل جل کر پڑاؤ ڈال دیا۔ پہلی ہی جھڑپ میں ان کی پست ہمتیں جواب دینے لگیں۔ مگر پھر بھی ڈٹے رہے۔ آخر تابکے دو تین بار مقابلہ کے لئے نکلے۔ مقابلہ کیا بھی مگر بہت بددلی کے ساتھ فتح کا کوئی امکان نہ دیکھ کر عبیدہ ابن حمزہ کو حاکم طلیطلہ مقرر کیا اور خود مرسیہ کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ حکم ان دونوں کو اب ذرا سا بھی سنبھلنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔ اپنے ایک آزمودہ افسر عمرو کو محاصرہ طلیطلہ کے لئے بھیجا اور خود ان لوگوں کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ دونوں باغی اپنے حمایتوں کے ساتھ کوہستانی علاقے میں چلے گئے اور دروں۔ کوہوں۔ غاروں۔ کمین گاہوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ امیر حکم نے چاروں طرف اپنی فوجیں پھیلا دیں کہ ان لوگوں کو کہیں سے بھی بھاگنے کا موقع نہ ملے۔ یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔ نہ عبداللہ اور سلیمان ان کمین گاہوں سے باہر نکلے نہ حکم نے ارادہ واپسی کیا۔ جب عرصہ گزر گیا تو ان لوگوں کا پہاڑوں میں چھپنا محال ہوگیا۔ نہ رسد کے مہیا ہونے کا کوئی انتظام تھا نہ دیگر سامانِ ضرورت کے بہم ہونے کا کوئی سلسلہ۔ آخر وہ لوگ پہاڑوں سے نیچے اترے اور مرسیہ کے میدان میں لڑنے کا ارادہ کیا۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں پہلے بھی شہزادگی کے زمانے میں حکم نے اپنے چچا سلیمان کو شکست کا مزہ چکھایا تھا۔ اب پھر اسی جگہ ایک گھمسان کا رن پڑا۔ باغیوں

نے پورے حوصلے کے ساتھ جان کی بازی لگادی مگر اثنائے جنگ میں جب ایک تیر سلیمان کے گلے میں لگا تو وہ زخم کاری ثابت ہوا۔ ان کی موت فوجیوں کی پسپائی کا پیش خیمہ تھی۔ عبداللہ پہلے ہی بچ کر نکل گئے تھے۔ بھاگتی فوج کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ اور ان کو اس طرح سے تتر بتر کیا گیا کہ پھر سر جوڑ کر بیٹھنے کی مہلت ہی نہ ملی۔

عبداللہ با حال تباہ بلنسیہ پہنچے اور ایک بار پھر ٹکر لینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ مگر ان کے حامی بھی ان کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔ ان کے ہمدرد بھی ان کے ہمنوا نہ رہے تھے۔ ہر طرف سے مایوس اور نامراد ہو کر انہوں نے اسی میں مصلحت دیکھی کہ اپنی حرکات ندامت کا اظہار کیا جائے اور بھتیجے سے معافی مانگی جائے۔ الحکم نے ایک بار پھر اپنے باپ کی روایتوں کو زندہ کر دیا اور اسی فیاضی، اعلیٰ ظرفی اور بلند حوصلگی سے اپنے چچا کی تمام خطاؤں کو درگزر کر دیا مگر ان کو فوراً وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا اور پھر کبھی اندلس کی طرف رُخ نہ کرنے کا حکم دیا۔ اپنے اس وعدہ کی ضمانت میں ان کے دونوں بیٹوں اصبغ اور قاسم کو بطور یرغمال قرطبہ میں رکھ لیا۔ عبداللہ تنجیر چلے گئے اور اپنے بھائی سلیمان کے مکان میں پھر رونق پیدا کرنے لگے۔ ان کے بیٹے آرام سے دربار قرطبہ میں زندگی بسر کرنے لگے۔ جب ان پر اعتماد پیدا ہو گیا تو اصبغ کے ساتھ حکم نے اپنی بیٹی کی شادی کر دی اور مریدہ کی گورنری عطا کر دی۔ قاسم کو بھی ایک اعلیٰ عہدے پر مامور کر دیا۔

طلیطلہ کا محاصرہ بدستور جاری تھا۔ عمرو دیا آمر دس تندہی سے اس خدمت کو بجالانے پر آمادہ تھا۔ شہری اس طویل محاصرہ سے تنگ آ گئے ان کے روزمرہ کے کاموں میں فرق آنے لگا تجارت ختم ہو کر رہ گئی۔ بیرون طلیطلہ سے تمام راستے منقطع ہو گئے۔ کھانے پینے کا سامان کم ہونے لگا۔ بے چینی اور اضطراب بڑھنے لگا۔ ابن حمزہ جب کسی طرح ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہ ہوا تو اسی بے چینی اور اضطراب کا شکار ہوا۔ اسے قتل کر دیا گیا اور رعایا نے ایک عہد نامہ ندامت اور اطاعت کے ساتھ اس کا سر عمرو کے پاس بھجوا دیا۔ دروازے کھل گئے۔ شاہی فوجیں اندر داخل ہو گئیں۔ رعایا کی سرگزشت سننے کے بعد قابلِ معافی سمجھا گیا۔ بدکاروں کو سزائیں دی گئیں۔ پھر امن وامان قائم کر کے عمرو نے اپنے بیٹے یوسف کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور محافظی دستے تعینات کر کے خود اپنے آقا سے ملنے کے لئے جیلا چہاں وہ اس وقت مقیم تھا روانہ ہوا۔

Marfat.com

باب ۲۷

عیسائیوں کا دوبارہ خروج

عبد الکریم اور سلیمان کو حقیقتاً اس شر انگیزی سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ مگر سلطنت اندلس کی بنیادیں ضرور بڑی حد تک کھوکھلی کر دیں۔ الحکم کے بہت سے ذرائع بہت سی دولت اور طاقت محض ان سازشوں کے دبانے میں ضائع ہو گئی۔ جس میں بیرونی طاقتیں بھی شامل ہو گئی تھیں ان سازشوں کے فرو ہو جانے کے بعد ان کو ابھی پوری طرح سکون ملا بھی نہیں تھا کہ دار الخلافہ کے فقیہوں اور مولویوں نے اودھم مچانا شروع کیا اور اس پر لے دے اور لعن طعن کا سلسلہ جاری کر دیا۔ یہ ایک دوسری آفت تھی کہ جس کا سد باب بھی ضروری تھا۔ مگر اسی عرصہ میں خبر ملی کہ شارلیمین اور الفانسو چیسٹ کے درمیان ایک اور معاہدہ ۷۹۵ء میں اندلس پر حملہ کرنے کے سلسلہ میں ہو گیا ہے۔ الفانسو شاہ اسٹریاس نے کچھ تو خود غرضی کچھ مذہبی رقابت کی بنا پر شاہ فرانس کا باجگزار ہونا پسند کیا۔ اور اعتدال پسند غیر متعصب مزاج مسلمانوں کا حلیف بننا پسند نہ آیا۔ شارلیمین جو دوبارا اپنی فوجوں کا حشر اسپین میں دیکھ چکا تھا اتنی جرأت تو نہ کر سکا کہ ایک بار پھر مسلمان امیر یا دعویدار سلطنت اس کی مدد پر کمر بستہ نہ تھا۔ مگر اس نے اپنے علاقے کی حفاظتی ترکیبیں پوری طرح عمل میں لائیں کہ آئے دن کے مسلمانوں کے حملوں سے نجات مل جائے۔ سب سے پہلے تو فرانس کے سرحدی شہر جو مسلمانوں نے جیت لئے تھے۔ واپس لے گئے۔ گیرونا چھین لیا۔ لاردہ اور وشقہ بھی قبضہ میں لئے۔ سرحدی ریاستوں سے جوڑ توڑ کر کے ناکہ بندی شروع کر دی۔ ایک نئی ریاست کا وجود عمل میں آیا جس کا نام گوتھک مارچ (Gothic March) رکھا گیا۔ پائرنیس سے ملحق سارا علاقہ جو ہر چند کوہستانی تھا مگر نشیب میں ہونے کی وجہ سے بارش کی بہتات اور ندیوں

Marfat.com

کے پانی میسر آجانے کی وجہ سے سرسبز تھا۔ اس میں شامل کرلیا گیا۔ فرانس نے ایک ڈیوک بوریل Borrell نامی کو وہاں کا حاکم نامزد کیا اور شاہ ایکیوٹین کی برتری قائم رکھنے کے لئے بوریل اور اس کی ریاست کو اس کے زیر دست کردیا گیا۔ اس چھوٹی سی ریاست نے آگے چل کر وہ اودھم مچایا کہ خدا کی پناہ۔ اور شاید اس کا قیام بھی محض شرانگیزی اور فتنہ پردازی کی غرض سے عمل میں آیا تھا۔ جو علاقہ اس میں شامل تھا اس میں طامع۔ لالچی اور مفسدہ پرداز لوگ بستے تھے جن کا کام ہی نیک نیتی اور محنت کرکے روٹی کمانے کا نہیں بلکہ لوٹ مار اور ڈاکہ زنی سے معاش حاصل کرنے کا تھا۔ دارالخلافہ سے دور ہونے کی وجہ اور سرحد پر پولیس یا فوج کا بہت ہی مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے یہ ہمیشہ اپنے آپ کو آزاد اور شتر بے مہار سمجھتے تھے۔ من مانی کیا کرتے تھے۔ کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ اور ہوتی بھی تو وہ اس کو آسانی سے تسلیم کرنے والے نہیں تھے۔ شاہ فرانس نے انھیں لوگوں کو اپنا منصوبہ تکمیل پانے کا آلہ بنایا ان کو چھوٹی موٹی جاگیریں دیں۔ جو ان میں زیادہ طاقتور اور شورہ پشت تھے ان کو سردار تسلیم کیا کسی کو نائٹ Knight کا خطاب جھوٹ موٹ دیدیا کسی کو ارل کسی کو ڈیوک کسی کو نواب بنادیا۔ وہ اس اعزاز سے بے انتہا خوش ہوگئے۔ اور اپنے تئیں قزاق سے بڑا آدمی سمجھنے لگے۔ چھوٹے موٹے قلعے جو یونہی بیکار پڑے ہوئے تھے۔ اور مرمت طلب ہونے کی وجہ سے ناکارہ ہوچکے تھے۔ ان کی تحویل میں دیدیئے گئے۔ اور ان سے کہا گیا کہ اس کی مرمت کراکے فوجی نظام قائم کرو۔ وہ لوگ بہت مسرور ہوئے کہ دیکھتے ہی دیکھتے قلعہ دار ہوگئے۔ اپنے ساتھیوں کو ان کی مرتب پر جٹا دیا اور اندر ہی اندر مکانات اور چھوٹے محل بھی بنوا ڈالے۔ اِدھر اُدھر کے بیکار۔ مفت خورے اور اُچکے لیٹرے بھی یہ دیکھ کر گوتھک مارچ کی طرف کھنچنے لگے۔ ان کو فوراً ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ مفت زمینیں دی گئیں۔ ان کو بونے جوتنے کے لئے روپیہ اور دوسری سہولتیں مہیا کی گئیں۔ رہنے کو مکان اور تھوڑا بہت سامان آسائش و زینت بھی دیا گیا۔ لوگوں کے ہجوم وہاں پہونچنے لگے اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ غیر آباد سنسان علاقہ نئے حوصلوں اور اُمنگوں سے بھرپور انسانوں سے بھر گیا۔ وہ تمام عیسائی بھی جو کسی طرح مسلمان حاکموں کے رویہ یا یہودیوں کے ترجیحی درجات سے دل برداشتہ تھے۔ وہیں پہونچنے لگے۔ اس طرح سے یہ مکمل ریاست بن گئی جس کے قوانین بھی وضع ہوئے۔ عدالتیں اور دفاتر بھی قائم ہوئے۔ فوجی نظام بھی قابل توجہ ہوا۔ انتظام ریاست کے تمام اصول بنائے گئے۔

مسلمانوں کی قوت اور عظمت پر اس ریاست کا قیام ایک بڑی چوٹ تھی۔ جو الحکم کی دوربین

Marfat.com

نظریں نہ محسوس کر سکیں ورنہ اس کا تلع قمع سب سے پیشتر عمل میں آتا۔ رفتہ رفتہ یہ جس قدر مضبوط ہوتی گئی مسلمانوں کا تعلق سرحد اور سرحدی علاقوں سے ختم کرتی گئی۔ اگر اس کا سد باب اسی وقت ہو جاتا تو آئندہ بہت سی آفتیں جو مسلمانوں پر آئیں اور آخر میں مسلمانانِ اسپین کے زوال کا باعث بنیں وہ شاید نہ بنتیں۔ اس ریاست میں بعض اہم شہر شامل کر لئے گئے۔ مثلاً گیرونہ۔ جواب تک کلیتاً مسلمانوں کے قبضہ میں تھا۔ وہاں کی مسلمان آبادی یا غلام بنالی گئی یا شہر بدر کر دی گئی۔ ان کی زمینیں، مکان، جائداد، مال و اسباب بھی انہیں نئی عزت پانے والوں میں تقسیم کر دی گئی۔ یہی نہیں بلکہ اوسونا (Osona) کارڈونہ (Cordona) مانریسا Monrisa وغیرہ جیسے شہر بھی اسی کی زینت بنے۔ اس کے علاوہ کئی نئے شہر بھی بسائے گئے۔ اور قلعے بھی بنائے گئے۔

برسلونہ پر قبضہ

اتفاق سے ان تمام شہروں میں ایک بھی ساحل پر واقع نہ تھا۔ تاوقتیکہ کوئی بندرگاہ اس سے متعلق نہ ہو نہ تجارت کو فروغ دیا جا سکتا تھا۔ جو ہر ریاست یا مملکت کی بہبودی، فروغ اور ترقی کے لئے لازمی تھا اور اس کی بقا کے لئے بھی ضروری تھا۔ برسلونہ (Barcelona) پر نظریں ان مفسدین کی اٹھیں۔ یہ زید نامی حاکم کی عملداری میں تھا جو قرطبہ کا باجگزار اور بہی خواہ تھا۔ رعایا ساری کی ساری امیر اندلس کی وفادار اور جاں نثار تھی۔ شاہ ایکٹوین اپنے فاسد ارادوں کی تکمیل کے لئے ایک لشکر جرار لے کر برسلونہ کی فصیل تک آپہنچ گئے۔ زید کے پاس نہ اتنی فوج تھی نہ اس قدر ساز و سامان کہ کھلے بندوں مقابلہ کرتا۔ دروازے بند کر کے بیٹھ گیا اور حکم کے پاس امداد کی التجا بھیجی۔ محاصرہ کر لیا گیا اور عرصہ تک جاری رہا۔ شہر اپنی ناکہ بندی کی وجہ سے مضبوط تھا۔ زید کو فی الحال کوئی خدشہ لاحق نہ تھا۔ سامان خورونوش بھی کافی مقدار میں موجود تھا اور اسے پوری امید تھی کہ شاہ وقت کی امدادی فوجیں جلد دیار تک پہنچنے والی ہیں۔ مگر امدادی فوجیں تھیں کہ نہ آج پہنچ پاتیں نہ کل۔ زید یہ وقفہ حیلہ و بہانہ سے گزار دینا چاہتے تھے۔ ایکٹوین سے دفع الوقتی کے لئے صلح کا نامہ و پیام بھی جاری تھا۔ ادھر حکم کے پاس ہرکارے بھی دوڑ رہے تھے۔ مگر ہرکارے صرف امید افزا جواب لا کر رہ جاتے اپنے ہمراہ ایک متنفس بھی فوج کا نہ لا پاتے جب موسم سرما کی آمد آمد ہوئی تو دونوں طرف تشویش بڑھنے لگی۔ زید کی دیکھا دیکھی حسن والی وشقہ نے بھی مدافعت پر قدم بڑھایا اور دشمن اور دل کے سامنے آسانی سے سر خم کرنے پر تیار نہ ہوئے اس چیز نے عیسائیوں کی تشویش کو بھی بڑھا دیا۔ فوراً لوئس

کے مقام پر ۱۱۴۸ء میں ایک مشاورتی کاونسل مقرر ہوئی جس میں فتح کے اسباب پر مکمل طور سے غور کیا گیا۔ عیسائی اس بار یوں آسانی سے اپنے قدم اسپین سے ہٹانا نہیں چاہتے تھے اور جو کچھ اب تک حاصل ہو چکا تھا اس کو چھوڑنے کے لئے بھی آمادہ نہ تھے۔ وہ اپنی پچھلی ہزیمتوں کا بھی بدلہ لینا چاہتے تھے اور نئی ریاست کی مضبوطی پر بھی ہر کوشش صرف کر دینا چاہتے تھے۔ طے پایا کہ دو اور زبردست لشکر تیار کئے جائیں۔ ایک کی سالاری کاؤنٹ آف گیرونا کو دی جائے دوسرے کی کاونٹ ٹولوس کو۔ پہلا فوراً محاصرین کی امداد کو پہنچ کر محاصرہ کو سخت تر کر دے۔ دوسرا امریدہ اور ترکونہ Taracona میں ٹھہرا رہے۔ تاکہ اگر کوئی فوج آہی نہ سکتی تھی۔ برسلونہ والوں کا صبرو استقلال جواب دیئے جا رہا تھا۔ مگر وہ ایک موہوم سی اُمید پر تائید خداوندی پر اب بھی راہ راست پر قائم تھے۔ سات مہینے محاصرہ کو گزر گئے۔ کھانے پینے کی چیزوں کا فقدان ہو گیا۔ باہر سے بھی رسد میسر آنے کا کوئی سہارا نہ رہا۔ مگر اہلیان برسلونہ کی ہمتوں نے جواب ابھی تک نہ دیا ان کے صبر کا پیمانہ لبریز نہیں ہوا تھا۔ ان سے استقلال کا دامن نہیں چھوٹا تھا۔ بھوک سے لوگ مرنے لگے تو حرام حلال کی بھی تمیز نہ رہی۔ چمڑا چمڑے کے پردے بھگو بھگو کر کھانے لگے۔ کوڑا کرکٹ بھی نگلنے لگے۔ اپنے بچوں کو حلال کر کے پیٹ کی آگ بجھانے لگے۔ مگر اپنے کو عیسائیوں کے حوالے نہیں کیا۔ زید نے ایک بار پھر دربار قرطبہ سے استدعا کی کہ بھوکے پیاسے۔ پریشان حال۔ مایوس و مجبور مسلمانوں کی مدد فوری طور پر کی جائے ورنہ اتنی ساری آبادی تو جان سے جائے گی۔ برسلونہ جیسا شہر بھی دشمنوں کے قبضہ میں چلا جائے گا۔ اندرونی خلفشار یا عاقبت نااندیشی نے حکم کو اس کا بھی کچھ اثر نہ لینے دیا۔ اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

مسلمانوں کا صبر و استقلال دیکھ کر ان کی بہادری و شجاعت کا مشاہدہ کر کے ان کے پچھلے برادرانہ اور فیاضانہ سلوک سے متاثر ہو کر برسلونہ کی عیسائی آبادی نے بھی مسلمانوں کا ساتھ دینا شروع کیا۔ انہوں نے عیسائی محاصرین کو اپنا حلیف ماننے سے انکار کر دیا۔ ان کے پاس جو کچھ دانہ پانی تھا وہ مسلمانوں میں تقسیم کر کے انہوں نے بھی مدافعت میں عملی حصہ لینا شروع کر دیا وہ جانتے تھے کہ مسلمان جیسے روادار اور وضعدار حاکموں اور شہریوں کے ساتھ مرجانا فرانسیسی جیسے خونخوار اور سنگدل انسانوں کے ساتھ جینے سے بہتر ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ اگر فرانسیسی ان کے شہر پر قابض ہو گئے تو ان کا۔ ان کی بیوی بچوں کا۔ ان کے مال و اسباب کا کیا

Marfat.com

ختم ہونے والا ہے۔ اور واقعی جو کچھ ان لوگوں نے سوچا تھا وہ صحیح ثابت ہوا۔ جب عیسائی شہر میں داخل ہوئے تو بلا امتیاز مذہب وملت انہوں نے جوان عورتوں کی سر بازار عزت لی۔ اپنے ہی ہم مذہبوں کے مکان لوٹے۔ ان کی خوبصورت اور نازک اندام لڑکیوں کو بے آبرو کیا۔

زید کو خبر ملی کہ محاصرہ کو اور سخت بنانے کے لئے عیسائیوں کی ایک اور فوج شاہ لوئی کی سرکردگی میں برسلونہ کے پھاٹک پر آپہونچی ہے۔ اب بچت کی کوئی صورت نہ تھی۔ اب حفاظت کی کوئی سبیل نہ رہ گئی تھی۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ خود کسی صورت سے قلعہ سے نکل کر دار السلطنت پہونچے وہاں حکم کے سرد خون کو گرمائے۔ اس کی بے حسی کو تازیانہ لگائے اس کی بے توجہی کو جھنجھوڑ کر رکھ دے۔ ان مظلوم انسانوں کی داستان بیان کرے جو بھوک وپیاس کے مارے تڑپ تڑپ کر مر رہے ہیں اور خدا کے بعد اب بھی بادشاہ سے آس لگائے ہوئے ہیں۔ جو اپنی جان پر کھیل جانا آسان سمجھتے ہیں۔ مگر دشمنوں کے حوالے کرنا گوارا نہیں کرتے۔ جن کی زندگی کا ناطہ موت سے بندھ چکا ہے۔ جن کے سارے سہارے ساری امیدیں ختم ہو چکی ہیں۔ اگر اب بھی آپ مدد کو نہ پہنچے تو اتنے بہت سے مسلمانوں کا خون آپ کے سر ہوگا۔ مگر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ زید کا گھوڑا اپنے سامنے کسی چیز کو دیکھ کر بدکا اور ہنہنا اٹھا۔ دشمن خبردار ہو گئے اور تعاقب میں سپاہی دوڑا دیئے۔ جو زید کو گرفتار کر لائے۔ محصورین اب بھی ثابت قدم تھے۔ جن میں مصیبت سہنے کا دم نہ تھا وہ جان پر کھیل کر یا تو فصیل سے کود پڑے یا دشمنوں پر جا پڑے اور جان دے کر یا لے کر رہے۔ متواتر شدید حملوں کی وجہ سے فصیل کئی جگہ سے شکستہ ہو چکی تھی۔ شہریوں کی ایک بڑی تعداد بھوک وفاقہ کا شکار ہو چکی تھی۔ باہر سے کسی مدد کی ذرہ بھر بھی امید باقی نہ رہی تھی۔ مجبوراً صلح کے لئے پیام بھیجا۔ شرط یہ ٹھہری کہ مسلمان اپنی جائدادوں اور اسباب کو چھوڑ کر شہر سے نکل جائیں اور وہ لوگ بے خانماں وبے سروسامان۔ بے آس ومددگار نکلے۔ جو کل تک ہر چیز کے مالک تھے وہ آج فقیروں کی سی حالت بنائے۔ لٹے پٹے ایک کارواں کی شکل میں برسلونہ سے نکل کر رواں دواں ہوئے۔ عیسائی مسرور وشاداں شہر میں گھسے۔ ان کے نقیب آگے آگے آواز لگاتے جاتے تھے۔ ڈھول وتاشے بج رہے تھے۔ سپاہی تلواریں چمکاتے چمکیلی وردیاں پہنے شہر کی سڑکوں پر سے گزر رہے تھے۔ پادری زرق برق لبادے پہنے عود وعنبر سلگاتے ہوئے مسیح کا شکر ادا کر رہے تھے۔ اور قدم قدم پر فخر وغرور کا اظہار کر رہے تھے۔ برسلونہ کے

Marfat.com

عیسائیوں پر بھی یہ دباؤ تھا کہ وہ حضرت مسیح کے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ان لوگوں کو ایسے ناپاک اور ظالم انسانوں سے نجات دلائی۔ مگر برسلونہ والے نعمند دل کے بالکل ہم نوا تھے۔ ان کے سر زبردستی پادریوں اور راہبوں کے سامنے جھکائے جارہے تھے اور وہ کوئی چارہ نہ دیکھ کر جھکا رہے تھے۔ ان کے دل سے کلمات بد اور بد دعا نکل رہی تھی۔ مگر بظاہر شکرانہ ادا کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر افسردگی برس رہی تھی۔ ان کے دلوں میں پژمردگی جاگزیں تھی۔ وہ پچھلے آقاؤں کے جانے سے سخت پریشان اور نوحہ کناں تھے۔ ان کو جو چین، اطمینان، سکون، آرام مسلمانوں کے عہد میں ملا تھا وہ جانتے تھے کہ اب اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہ ہوگا۔ اور اب تو وہ اپنے ہی ہم مذہب والوں کے ہاتھوں اپنا قیمتی مال اسباب لٹتے دیکھ رہے تھے۔ وہ بیہودہ اور بدتمیز سپاہی زبردستی ان کے گھروں میں گھس کر ان کی عورتوں اور لڑکیوں پر ہاتھ صاف کر رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ مقام شکر ہے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کے ہاتھوں پاک اور مقدس ہو رہی ہیں۔

برسلونہ پر قبضہ کے بعد

برسلونہ فتح ہوگیا اور ایک بڑی صورت اطمینان عیسائیوں اور ان کی نئی قایم کی ہوئی ریاست کے نکل آئی۔ اس کی اہمیت اور نزاکت کا احساس کرتے ہوئے لوئی نے فوراً وہاں جاں باز سپاہیوں کے دستے تعینات لئے، شکستہ فصیل کی مرمت کرائی، قلعہ کی مضبوطی پر پوری توجہ کی۔ ایک حاکم مقرر کیا گیا جو قوم لوتھ ہی سے تعلق رکھتا تھا زید کو رہا کر دیا گیا۔ مگر برسلونہ کے علاقے میں رہنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اس کی باقی زندگی گمنامی ہی میں کٹ گئی۔

ہر چند برسلونہ پر حاکم اسپین کے قدیم خاندان گوتھک ہی کا آدمی مقرر کیا گیا مگر یہ سارا فیض فرانسیسیوں کا تھا اور اسی لئے اسپین کے شمالی سرحدی حصہ میں بیرونی حاکموں کا اقتدار قایم ہوگیا جو عرصہ تک قائم رہا۔ جو ایک طرف مسلمانوں کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوا۔ دوسری طرف مذہب عیسوی کے پیرؤں کی آیندہ بہتری کا ذریعہ بن گیا۔ الحکم کی ذرا سی بے نیازی نے مسلمانوں کے اقتدار کو وہ ٹھیس پہونچائی جس کا ازالہ مدت دراز تک نہ ہوسکا اگر برسلونہ تک معمولی مدد اور رسد بھی پہنچ جاتی تو وہاں کے جری دل اور بلند حوصلہ مسلمان کبھی یہ انجام بدنہ دیکھتے اور مسلمانوں کے رعب و دبدبہ کو دھکا نہ پہونچتا۔ سات مہینے تک یہ محاصرہ جاری رہا اور یہ مدت تھوڑی نہیں ہوتی اس میں تو کم از کم چودہ بار فوجیں اور غلہ پہنچ سکتا تھا۔ جو اس قدر

Marfat.com

محصورین کو مدد پہنچا تا کہ علسائیوں کا تمام جوش وخروش اور زور دھرا کا دھرا ہی رہ جاتا۔ برسلونہ کبھی بھی اس نئی ریاست کا دارالخلافہ نہ بن پاتا اور آئندہ جب مسلمانوں کا زوال ہوا ہے تو یہ صوبہ ارغون (Aragon) اس زوال کو دعوت دینے میں پیش پیش نہ ہوتا۔

مورخین کا خیال ہے کہ علمار کی مخالفتیں۔ مرکز میں مالکیوں کا زور ان کی شورشیں دارالسلطنت میں رعایا کی مخالفت۔ بدنظمی اور داخلی خلفشار نے حکم کو قرطبہ سے ہلنے اور ہٹنے کی اجازت ہی نہ دی اور نہ وہ فوج کا کوئی حصہ دوسری جانب روانہ کرسکتے تھے کہ مبادا اندرونی شورش کس نوعیت کی ہو اور آخر کار کیا رنگ لائے ایک ذرا سی مہلت ملتے ہی وہ خود برسلونہ کی امداد کو روانہ ہوئے مگر ان کو خبر ملی کہ وہ اب فرانسیسی فوجوں کے قبضہ میں پہنچ چکا ہے اب بھی اگر وہ ہمت کر کے برسلونہ تک جا پہنچتے تو اس کی بازیافت کچھ ایسی مشکل نہ تھی۔ مگر انہوں نے پیش قدمی کرکے وادی ابیرو کے بعض شہروں پر حملہ کیا اور ان کو تاراج بھی کیا۔ وشقہ اور طرکونہ جیسے چھوٹے شہروں پر اپنے پنجے بھی گاڑ دیئے۔ طرکونہ ہی وہ مقام تھا جہاں کاؤنٹ گیرونا کے تحت ایک فوج قرطبہ سے آنے والی فوج کا راستہ روکنے کے لئے کھڑی تھی۔ اور وشقہ کے والی حسن نے بھی زید کی دیکھا دیکھی تھوڑی بہت مدافعت کی تھی۔ مگر پھر نہ صرف شہر علسائیوں کے حوالہ کر دیا تھا بلکہ برسلونہ کے حصول میں بھی ان کی مدد کی تھی۔ حکم نے بہلول اور حسن دونوں کو باغی قرار دیتے ہوئے موت کا سزاوار ٹھہرایا۔ مگر برسلونہ کی طرف رخ کئے بغیر شاید غلہ وسامان رسد کی کمی وجہ سے یا فوجوں کے تھک جانے کی وجہ سے واپس لوٹ گئے اور وہ یونہی عیسائیوں کے قبضہ میں رہا۔

علمار کی بغاوت

ہشام کی حد سے بڑھی ہوئی دینداری۔ شریعت کی پابندی اور مذہب کے احترام نے علمار اور فقہا، کا اقتدار بہت بڑھا دیا تھا۔ وہ خود کوئی کام بغیر ان کی مرضی کے نہ کرتے تھے اور کوئی قدم بغیر ان کی رائے کے نہ اٹھاتے۔ کیا فوجی۔ کیا ملکی۔ کیا انتظامی معاملات۔ ہر چیز میں انہیں مولویوں کا سکہ چلتا تھا خصوصاً معتقدین امام مالک کا اثر تو اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ تمام تقرریاں تعنیاں۔ انتخاب بھی ان کی مرضی سے ہوا کرتے تھے وہ جس حاکم سے چاہتے جس طرح چاہتے تھے کام لیتے تھے اور ان لوگوں کو انکار کی ہمت نہ ہوتی تھی جس عامل کو چاہتے جس انداز سے چاہتے دبا لیتے تھے اور وہ چون وچرا نہ کرسکتا تھا۔ الحکم کی طبیعت اپنے باپ سے مختلف تھی۔ اور اس کا مزاج ذرا جداگانہ قسم کا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ

Marfat.com

وہ بھی مذہب کا پابند تھا۔ اصول اسلام اور قوانین شریعت سے انحراف نہ کرتا تھا۔ اس کی پرورش اور تربیت ہی علم وفضل اور مذہبی ماحول کے درمیان ہوئی تھی۔ وہ بھی وعظ سنتا ا مبلغین کی تقریریں سنتا تھا اور ان کی جانب اپنی رغبت کا اظہار کرتا تھا۔ مگر یہ رغبت س حد تک نہیں بڑھی ہوئی تھی جتنی کہ ہشام کی۔ وہ کسی حالت میں بھی علماء کا اثر اتنا زیادہ نہیں بھ سکتا تھا کہ وہ انتظام سلطنت میں مداخلت کرنے لگیں۔ وہ ان کے رسوخ کو اس قدر نہیں بڑھا لتا تھا کہ کوئی قدم بغیر ان کی مرضی کے اٹھایا ہی نہ جاسکے۔ وہ ان کے مرتبہ کو اس قدر نہیں بلند سکتا تھا کہ وہ تمام حکام اور عمال پر چھا جائیں۔ وہ ان کے منصب کو اتنی تقویت نہیں بخش سکتا تھا خود سلطان وقت ان کا دست نگر اور محکوم ہو کر رہ جائے۔ وہ یہ چاہتا تھا کہ یہ عالم ہیں، فاضل ں مذہب پر عبور رکھنے والے ہیں۔ مذہب سے تعلق رکھیں۔ اس کی اشاعت کریں۔ اصول شرع ا تبلیغ کریں۔ اور اس میں جو کچھ بھی مدد چاہیں حاضر۔ جتنی بھی اعانت طلب کریں جائز۔ مگر ن مولویوں کے دماغ تو ہشام نے بگاڑ دیئے تھے۔ وہ اب یہ کہاں برداشت کر سکتے تھے کہ ن کے ہاتھ میں آئی اتنی زبردست طاقت یوں آسانی سے محض ایک جوان کی خودسری سے سک جائے۔ کل تک تو ان کا عالم یہ تھا کہ بے دھڑک امیر اندلس کے محل دربار، خلوت میں بغیر اطلاع کے جا پہنچتے تھے اور جو کام بھی ہوتا کروا لیتے بلکہ بعض اوقات دیگر امراء و ملاز ے سامنے بادشاہ کو جھڑک بھی دیتے تھے اور وہ خاموشی سے سب کچھ سن لیتا۔ بلکہ ندامت کا ہار کرتا۔ معافی کا خواہش مند ہوتا۔ یا اب یہ عالم تھا کہ وہ گھنٹوں غلام گردش میں کھڑے دشاہ سے ملاقات کے لئے انتظار کرتے۔ تب جا کر ان کو چند ساعت باتیں کرنے کا موقع نا اور بعض اوقات وہ بھی نہ ملتا تھا۔ سرزنش کرنا، جھڑک دینا، من مانی کروالینا تو بڑی بات۔ یہاں یہ کیفیت تھی کہ ہر دفتر ہر عدالت میں وہ بلا اجازت گھس کر جس حاکم کو چاہتے دبا لیتے پنی بات منوا کر رہتے۔ یا اب یہ کیفیت تھی کہ ان حاکموں کے چپراسی بھی ان سے سیدھے نہ بات نہ کرتے تھے۔ اور ان کو ملنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ کام کروالینا تو الگ رہا۔ ہر بات یں بادشاہ کا حکم چلتا تھا۔ مگر ان علماء کے بغیر صلاح ومشورہ کے چلتا تھا۔ اقتدار کو یوں ھکانے پہنچتے دیکھ کر علماء تلملا کر رہ جاتے۔ طاقت کو یوں ہاتھ سے نکلتے دیکھ کر وہ کسمسا کر رہ جاتے گر ان کو جلد ہی اپنے دل کا بخار نکالنے۔ اپنے بغض وکینہ کے جذبات کو تسکین پہنچانے کے واقع مل گئے۔

خود الحکم میں بعض ایسی خرابیاں تھیں کہ جس کو اس عہد کے علماء تو درکنار عوام بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور انہیں خرابیوں کو نمایاں کر کے ان لوگوں کو رعایا کو بھڑکانے کا موقع مل گیا۔ حکم شروع ہی سے آزاد خیال اور آزاد روقسم کے آدمی تھے۔ شکار سے ان کو رغبت خاص تھی اور یہ رغبت حدوں کو بھی تجاوز کر گئی تھی۔ شکار کے لئے وہ جنگلی کتوں اور سوروں کا بھی استعمال کرتے تھے۔ جو از روئے شرع حرام جانور ہیں۔ ان کو پالنا اور پاس رکھنا نہ صرف مکروہ بلکہ ممنوع میں سے ہے۔ حکم کی اس عادت سے علماء بہت بیزار تھے اور اس کو اکثر وبیشتر باز رکھنے کی کوشش کر چکے تھے۔ جب حکم نے ان کی ایک نہ سنی تو انہوں نے عوام کے دلوں میں بددلی پھیلانا شروع کر دیا۔ اور اسی پر بس نہیں حکم شراب نوشی کے بھی عادی تھے۔ اور اپنے امیروں رئیسوں اور حاکموں کو بھی اس قبیح عادت کا شکار ہونے سے روک نہ پاتے یہ شے اسلام میں حرام اور اس کا استعمال کرنے والا شرعی سے سزا کا مستحق اور مولویان دین عوام سے یہی کہتے تھے کہ تمہارا بادشاہ اسی عادت کی وجہ سے سخت سزا کا مستحق ہے۔ عیش وعشرت کی عادت بھی حکم میں شروع سے پڑی ہوئی تھی اور وہ رنگینیوں سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ زرق البھڑک لباس پہنتے۔ شاندار طریقے سے رہتے۔ اپنے باپ کی طرح سے سادگی پسند نہ تھے اور موٹے جھوٹے کپڑے نہ پہنتے تھے۔ علماء اس بات سے بھی ناراض تھے۔ مزاج میں درشتگی بہت تھی اور وہ جلد ہی برافروختہ ہو جایا کرتے تھے۔ عوام الناس ہشام کے زمانہ سے دوسری ہی چیزوں اور رویہ کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کے لئے یہ بھی ناقابل برداشت تھا۔ رقص وسرود کی محفلوں میں بھی حکم حصہ لیا کرتے تھے۔ اور لہو ولعب سے دلچسپی بطور خاص تھی۔ شریعت ان کی بھی اجازت نہیں دیتی ہے۔ تو علمائے وقت کیوں کر ان کو قابلِ عفو سمجھ سکتے۔ غرض کچھ تو حکم ہی کی خرابیاں اور غلط کاریاں اور کچھ علماء کا جذبۂ رقابت کہ معاملات دگرگوں ہوتے جا رہے تھے۔ عوام سے اب بھی مالکیوں اور مولویوں کا رشتہ مضبوط تھا۔ اور وہ ان کی ہمدردیوں اور نیازمندیوں کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ حکم کی سواری جب کبھی بھی نکلتی یہی عوام ان پر آوازے کستے تھے۔ مسجد میں ان کے اطوار اور چال چلن بدل جانے کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔ خاص نفل نمازیں بادشاہ کی سرشت میں تبدیلی کے لئے پڑھی جاتیں۔ گھر گھر ان کی بداخلاقیوں کے چرچے بڑھا چڑھا کر کئے جاتے۔ اسی پر کیا موقوف ایک بار جب حکم اپنے حفاظتی دستوں کے ساتھ جو زیادہ تر افریقہ سے بلا کر ملازم رکھے گئے تھے۔ قرطبہ کی سڑکوں پر گزر رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے نہ صرف ان پر پھبتیاں کسیں بلکہ ان کی قوت برداشت

پھینک کر کنکریاں اور پتھر بھی پھینکے۔ ممکن تھا معاملہ کوئی نازک صورت اختیار کرتا۔ مگر حفاظتی دستوں نے تلوار چمکا کر اور اسلحات کی نمائش کر کے ان لوگوں کو ہٹا دیا اور حکم خاموشی سے اپنے محل میں داخل ہو گیا۔ اگر معاملہ کی نزاکت کو بھانپ کر اسی وقت کوئی سخت قدم اٹھا لیا جاتا تو شاید امام یا علماء کو آیندہ کسی بدتہذیبی کی جرأت نہ ہوتی یا کم از کم جو سازش حکم کے خلاف کی گئی وہ نہ ہو پاتی مگر بادشاہ کی نرم مزاجی نے شورش پسندوں کے حوصلے بڑھا دیئے۔

سازش عملی صورت میں

مایوس و ناکام معتقدین مالکی جن کے سرغنہ یحییٰ ابن یحییٰ ہر دلعزیز شاگرد امام مالک بن انس قبیلہ مسمودہ سے متعلق۔ الموطا کے امین بن راوی تھے۔ ان کے زبردست حامی عیسیٰ ابن دینار اور طالوت وغیرہ تھے۔ ان اقتدار کے والوں نے جب اپنے اقتدار پر سخت دھکا لگتے دیکھا تو حکم ہی کے اقتدار کو صدمہ پہنچانے کے لئے آمادہ ہو گئے اور اس کو تخت سے اتار کر کسی دوسرے کو تخت نشین کرنے کی ترکیبیں کرنے لگے۔ یہ ۸۰۵ء مطابق ۱۸۹ھ کا ذکر ہے۔ ان کی نظر انتخاب اپنی مطلب براری کے لئے حکم کے ایک بڑے بھائی ابن شماس ibne shams پر پڑی۔ ابن شماس بظاہر ان کی تجویز پر راضی ہو گئے مگر دل ہی دل میں ڈرے کہ اگر کہیں یہ سازش کامیاب نہ ہوئی تو ان کی بُری درگت بنے گی۔

انہوں نے سرغناؤں سے یہ بات کہی کہ کم از کم انہیں ان لوگوں کے نام تو معلوم ہو جائیں جن کی اعانت اور مدد پر اعتماد کر کے وہ اتنا بڑا قدم اٹھا سکیں۔ ان سے یہ وعدہ کیا گیا کہ فلاں فلاں شب کو ان کی فہرست پیش کر دی جائے گی۔ ان لوگوں کے جاتے ہی ابن شماس خاموشی سے اپنے محل سے نکل کر جوریف غربی Jorez garbi میں حکم کے محل کے قریب ہی تھا۔ وہاں پہنچے۔ اور حکم کو معاملے کی نوعیت سے آگاہ کیا۔ پہلے تو حکم کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا۔ کہ اس کے پروردہ۔ اسی کے سرآوردہ اس کے خلاف اتنی بڑی سازش کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ ابن شماس سے وہ بضد ہوا کہ یا تو اپنے بیان کی تصدیق میں خاطر خواہ ثبوت پیش کرے ورنہ بصورت ناکامی اس کے غضب کا شکار ہونے کے لئے تیار ہو جائے۔ ابن شماس نے درخواست کی کہ شاہ اتنی عنایت کریں کہ اپنے معتمد دو کو اس کے کمرہ خاص میں شب کے وقت پہنچا دیں۔ تو وہ ان لوگوں کو ان کے اپنے کانوں سے سازشیوں کے نام سنوا دے گا۔ حکم اس بات پر راضی ہو گیا۔ شب موعودہ میں اپنے نائب ابن الخداد ibne al Khadad اور اپنے قابل اعتماد غلام Jazinto جسے وہ پیار

سے لاالہ کہا کرتے تھے۔ ابن شماس کے کمرۂ خاص میں بلوا بیٹھے تھے جہاں ان کو ایک پردہ کے پیچھے چھپا دیا گیا اور یہ تاکید کی گئی کہ کاغذ قلم کے ساتھ تیار رہیں اور جیسے ہی نام پڑھ کر سنائے جائیں ان کو لکھتے جائیں وقت مقررہ پر سازش کنندہ کے اہلکار فہرست لے کر حاضر ہوئے ان کو اسی کمرے میں بلوا کر ابن شماس نے نام پڑھ کر سنانے کو کہا۔ اتفاق کہ اس فہرست میں قرطبہ کے تمام بڑے بڑے امیروں رئیسوں صاحب ثروت واقتدار کے نام شامل تھے جو حقیقتاً حکم سے جان نثار سمجھے جاتے تھے۔ ابن الخمراکو یہ خوف [illegible] ہوا کہ کہیں ان کا نام بھی شامل فہرست نہ ہو اس لئے اپنی موجودگی سے ان لوگوں کو خبردار کرنے کے لئے قلم کو اتنی زور سے کاغذ پر گھسیٹا کہ آواز پیدا ہوئی۔ سازشیوں نے کان کھڑے کئے۔ ابن شماس پر لعنت ملامت کی اسے غدار اور بے اعتبار کہتے ہوئے وہ لوگ بھاگے ادھر یحییٰ ابن دینار کو فوراً اطلاع کی یہ خبر سنتے ہی یحییٰ ابن دینار اور دیگر مالکیوں نے توطلیطلہ کا فوراً رخ کیا۔ جہاں ان لوگوں کا اقتدار اب بھی قائم تھا۔ مگر بہت سے بیچارے پکڑے گئے اور قتل کئے گئے۔ مقتولین کی تعداد بہتر تھی جس میں چھ تو بڑے امرا رقرطبہ شامل تھے۔

دربار افریقہ سے رابطہ اسی سال ۲۰۸ھ میں علماء کی اس سازش کو ناکام بنادینے کے بعد حکم نے ایک سفارت افریقہ کے نئے والی ادریس کے پاس بھیجی۔ ان کو اس حکومت کے پانے پر مبارکباد بھی دی۔ اور دوستی کا ہاتھ بھی بڑھایا حکم کے دادا عبدالرحمٰن نے جس طرح سخت مصیبت پریشانی۔ تباہ حالی۔ خانہ ویرانی کو برداشت کرکے محض عزم مصمم اور ارادہ مستحکم کے سہارے اندلس میں اموی حکومت کے بانی ہوئے تھے اسی طرح سے ایک اور خانماں برباد شاہی نوجوان ادریس نامی نے بھی اپنی جرأت وہمت وقوت بازو سے افریقہ میں ادریسی خاندان کی بنا ڈالی۔ عباسی خلیفہ مامون بن ہارون الرشید کی طرف سے عبداللہ بن طاہر اس وقت حاکم افریقہ تھے ادریس عباسیوں کے سنگ دلانہ مظالم سے گھبرا کر افریقہ پہونچا اور کوہ اطلس کے قبیلہ میں مقیم ہوا۔ ان لوگوں نے اس میں بہادری اور دلیری کے آثار دیکھ کر ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا۔ اسی مدد کے سہارے انہوں نے عبداللہ بن طاہر سے جنگ کی اور انہیں شکست دے کر افریقہ پر خود قابض ہو گئے اور اپنے ہی نام سے ایک نئی آزاد سلطنت کی بنیاد سرزمین افریقہ پر ڈالی۔ اسی ادریس کے بیٹے اور جانشین کا نام بھی ادریس تھا جس کے پاس حکم کی یہ سفارت پہنچی۔ یہ دوستی بہت ہی مبارک ہوئی اور یہ رابطہ انحطاط

Marfat.com

غرناطہ تک قائم رہا۔

اصبح کی بغاوت

۲۰۰ھ میں حکم کو ایک اور بغاوت کے دبانے کے سلسلہ میں مریدہ جانا پڑا۔ وہاں کے حاکم ان کے چچا عبد اللہ کے بیٹے اصبح تھے جو ان کے داماد بھی تھے۔ اصبح جو اب تک انتہائی دیانتداری اور سچائی سے خدمت انجام دے رہے تھے۔ کسی وجہ سے اپنے وزیر سے ناراض ہوئے اس کو نوکری سے علیحدہ کردیا۔ یہ وزیر حکم ہی کے اشارے پر اتنے بڑے عہدے پر مامور ہوا تھا اس لئے اس برطرفی کی شکایت کرنے بھی قرطبہ پہنچا۔ حکم کے کان بھرے کہ میری برطرفی تو خیر کوئی معنی نہیں رکھتی ہے مگر مجھ سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے بعد حاکم کا ارادہ آپ کے خلاف بغاوت کرنے کا ہے۔ حکم اس بہکاوے میں آ گئے اور اس کی خوشامدانہ باتوں کا اثر لے کر اسی کو یہ پروانہ عنایت کردیا کہ اصبح گورنری سے موقوف اور ان کی جگہ پر انہیں برطرف کردہ وزیر حاکم مریدہ۔ اصبح کے پاس جب یہ پروانہ پہنچا۔ تو اس کو حکم کے اس رویہ پر تعجب بھی ہوا اور اپنی ہتک ہوتے دیکھ کر غصہ بھی آیا۔ ان پر بغاوت کا الزام محض بہتان تھا اور وہ اس بہتان کو کسی صورت میں بھی برداشت نہ کر سکتے تھے خصوصاً جبکہ رعایا ان پر جان چھڑکتی تھی۔ ان کی مدد پر اصبح نے ولایت اپنے وزیر کے حوالے کرنے سے انکار کردیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کردیں۔ حکم فوراً موقع پر پہنچے۔ ان کی صاحبزادی نے بیچ میں پڑ کر صلح کرادی۔ اور یہ آفت بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے ٹل گئی۔

قرطبہ میں بغاوت

ادھر حکم مریدہ کی طرف روانہ ہوئے ادھر اہلیانِ قرطبہ نے پھر سر اٹھایا۔ اتفاق سے معاملہ مریدہ میں اس قدر جلد سلجھ گیا کہ حکم نے وہاں ٹھیرنے کو فضول سمجھتے ہوئے فوراً دار الخلافہ کا رُخ کیا۔ اور فتنہ پردازوں کو سزائیں دینے پر تُل گئے۔ بہتوں کی جان پر بنی۔ کتنوں ہی کے سر کٹے۔ تب جا کر یہ شورش دبی۔ یہ تمام قتل و غارتگری اس بات کا بین ثبوت تھا کہ الحکم اپنی مدت سلطنت میں کوئی فتنہ کوئی شورش بپا نہیں دیکھنا چاہتے۔ مگر فتنے تھے کہ روز بروز ابھرتے ہی چلے آتے تھے۔

طلیطلہ میں بغاوت

طلیطلہ جو عیسائی فرمانرواؤں کا دار الخلافہ تھا۔ اپنی مضبوطی کے ساتھ ساتھ اپنی سرکشی کے لئے بھی مشہور تھا۔ وہاں زور دار امراء ادبار کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ جو اپنی امارت، حیثیت اور رسوخ کی وجہ سے بڑے خود سر اور خود رائے ہو گئے تھے۔ ان کے جذبات ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتے اور وہ شاہانہ مراحم کو

Marfat.com

دور جھگڑنے پر ہمیشہ تیار نظر آتے تھے۔ ذرا سی دیر میں کسی فتنہ کا بپا ہو جانا کسی بغاوت کا رونما ہو جانا معمولی بات تھی۔ یہاں ان عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور اپنی وضع قطع سے اب بھی عیسائی معلوم ہوتے تھے۔ جو عرب آکر بسے تھے وہ بھی اعلیٰ نسب تھے۔ لہذا کسی دوسرے اثر کو قبول کرنے کے لئے جلدی آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اس شہر کا مشہور و معروف شاعر غربیب ہمیشہ اپنے شاعرانہ کلام سے دلوں میں آگ اور جذبات میں شدت پیدا کیا کرتا تھا۔ وہ بھی نومسلم یعنی مولدین میں سے تھا۔ مگر در پردہ مسلمانوں کا مخالف۔ اس کی حیات میں حکم کو بھی وہاں کی رعایا پر سختی برتنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔

قرطبہ میں علماء کی بغاوت کے بعد یحییٰ ابن یحییٰ اور ابن دینار وغیرہ نے بھی طلیطلہ ہی میں پناہ لی تھی۔ اور شورش پسندوں کو اور زیادہ شورش پسند بنانے میں پوری قوت صرف کی تھی۔ آگے کہیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ طلیطلہ میں پہلی بار جب بغاوت ہوئی تھی تو حکم نے عمروس کو محاصرہ کے لئے بھیجا تھا۔ اہلیان شہر نے توبہ کی تھی اور ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ عمروس نے وہاں کا حاکم اپنے بیٹے یوسف کو بنا دیا تھا اور خود واپس چلے آئے تھے۔ یہ یوسف کم عمر، ناتجربہ کار، جلد باز اور زود رنج تھا۔ کسی بات پر جو معمولی سی تھی طیش کھا کر چند شوریدہ سروں کے سر اڑا دینے کا حکم دے دیا۔ لوگ سخت برافروختہ ہوئے۔ اور مشتعل جذبات کے ساتھ ان کے محل کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ پہرے داروں کو قید کر لیا اور محل کے اندر داخل ہی ہونا چاہتے تھے کہ چند بااثر آدمیوں نے مداخلت کی اور ان لوگوں کو مزید شرارت کرنے سے منع کر دیا۔ بمشکل تمام یہ معاملہ رفع دفع ہوا اور یوسف کی جان بچ گئی۔ مگر یوسف جو ہمیشہ کے نادان اور غیر مصلحت اندیش تھے اپنے محسنوں کا یہ احسان بھلا کر اپنے کرم فرماؤں کی یہ کرم فرمائی درگزر کر کے ان کو بھی سرکشوں کا حامی سمجھ کے بدلہ لینے پر تل گئے۔ جب ان لوگوں کو گورنر کی اس محسن کشی کی اطلاع ملی تو وہ سخت متعجب ہوئے۔ انہوں نے بیچ پوچھئے تو بیچ میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا تھا اور اب انہیں کی جان لینا کیا معنی۔ نتیجہ یہ ہوا وہ سب بھی یوسف کے خلاف ہو گئے۔ اس کو محل میں محصور کر لیا۔ پھر قید خانے میں ڈال دیا۔ اور پھر ایمانداری سے سارا واقعہ امیر حکم کو لکھ کر ملتجی ہوئے کہ کسی مناسب گورنر کا تقرر کیا جائے۔ حکم جو طلیطلہ والوں کے مزاج سے پوری طرح واقف تھے اور ان کی رگ رگ کو پہچانتے تھے۔ یہی مناسب سمجھا کہ اس وقت ان کی خودسری کو درگذر کیا جائے اور کسی ایسے آدمی کو وہاں بھیجا جائے۔ جو حالات پر قابو پالے۔

Marfat.com

ان کی نظر عمروس AMRUS پر پڑی جو ایک ہی مکار عیار اور جہاندیدہ شخص تھا۔ یہ شخص خود مولد میں سے تھا اور تھوڑے ہی عرصہ قبل اسلام قبول کر کے دمشق سے آیا تھا۔ حکم سمجھتے تھے کہ جتنی جلد عیسائیوں اور نومسلموں کا اعتماد عمروس حاصل کر لیں گے۔ دوسرا نہیں کر پائے گا۔ اور یہ کہ اہالی طلیطلہ بھی اس نامزدگی کو اچھی نظر سے دیکھیں گے۔ اس نے عمروس کو بلا کر سارا معاملہ سمجھایا اس کے بیٹے کی نادانی سے جو حالات بگڑے تھے ان سے آگاہ کیا۔ اور خلوت خانے میں کچھ راز کی باتیں سمجھا کر پروانۂ گورنری طلیطلہ عطا کر دیا۔

۱۸۰ھ میں عمروس طلیطلہ پہنچے اور امیر حکم کا ایک اعلان پڑھ کر سنایا جس کی رو سے امراء و عوام کی تمام حرکتوں کو نظر انداز کر کے عام معافی دی گئی تھی۔ اور اس بار ایک ایسے گورنر کا انتخاب کیا گیا تھا جو ان کے قبیلہ اور مشرب سے تعلق رکھتا تھا۔ اور جان بوجھ کر کسی عربی نژاد یا شامی النسل کو وہاں مسلط نہیں کیا گیا تھا۔ کہ شاید وہ ان کا اعتماد کلی طور پر حاصل نہ کر سکے۔ مگر طلیطلہ والوں کو عمروس پر بھی کوئی اعتماد نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ یہ سابق گورنر کا ہی باپ تو ہے اپنے بیٹے کے سلوک کا بدلہ ضرور لیں گے اور ان تمام لوگوں کو جنہوں نے ان کو گورنری سے علیحدہ کیا تھا اور پھر قید میں بھی ڈال دیا تھا سخت سزائیں دیں گے۔ مگر عمروس نے اپنی کسی حرکت سے ان کو پریشان ہونے کا موقع نہیں دیا۔ اور ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی وہ باتوں باتوں میں بادشاہ وقت سے تنفر کا اظہار بھی کر جاتے اور عربی النسل کے وہ جانی دشمن بنتے تھے۔ کسی صاحب اثر و ثروت کے معاملات میں وہ دخیل نہ ہوتے۔ نہ کسی سے ان کی پچھلی حرکتوں کی بازپرس کی۔ رفتہ رفتہ لوگوں کا اعتماد ان پر بڑھنے لگا۔ جو سرکش تھے ان سے انہوں نے خاص طور سے رابطہ بڑھایا۔ اور خوشی سے ان کو یقین دلا دیا کہ وہ بھی انہیں کے جیسے خیالات رکھتے ہیں۔ اور کسی بھی نازک وقت آنے پر پوری طرح ان کا ساتھ دیں گے۔ امراء، شرفا اور علماء سب ان کی باتوں میں آ گئے۔ اور خدا کا شکر کرنے لگے کہ اب کی ایک گورنر اس نے ان کا صحیح معنوں میں ہمدرد اور حامی بھیجا ہے۔

اس وقت کا یہ قاعدہ تھا کہ قلعہ کے اندر جو فوج رہتی تھی اس کا بہت کچھ بار جاگیرداروں اور امیروں پر پڑتا تھا اور سپاہی بھی امن کی حالت میں اکثر اوقات صاحب حیثیت اور متمول آدمیوں کے یہاں مقیم رہتے اور انہیں کے سر روٹی توڑتے۔ اور بعض اوقات انتہائی رکیک اور معیوب حرکات کے مرتکب ہوتے اس کی وجہ سے یہ سپاہی عام اور خاص لوگوں کی نگاہوں میں

Marfat.com

کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ عمروس نے بعض اصحاب سے مشورہ کیا کہ وہ ان سپاہیوں کے شہر اور شہریوں کے ساتھ رہنے کے نتائج بد سے واقف ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ شہر سے باہر یا اندر کسی کونے میں ایک مختصر قلعہ نما مکان بنا یا جائے جہاں یہ لوگ مستقلاً بسا دیئے جائیں۔ لوگ بخوشی اس کے لئے رضامند ہو گئے۔ بلکہ بضد ہوئے کہ بجائے بیرون شہر میں ایسے قلعہ کی جائے اور محافظ فوج وہاں رکھی جائے۔ اہالیان طلیطلہ کی مدد سے قلعہ بنا دیا گیا اور فوجی دستے وہاں منتقل کر دیئے گئے۔ حکم کو فوراً اس کی اطلاع بھیج دی۔

حکم کو جیسے ہی عمروس سے اطلاع ملی کہ قلعہ تیار ہے۔ تو اس نے بنائی ہوئی اسکیم کے تحت فوراً سرحدی گورنروں کو یہ ہدایت بھیجی کہ جلدی ہی بادشاہ کو یہ اطلاع بھیجے کہ فرانسیسی عیسائی ایک بار پھر اندلس پر خروج کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کی روک تھام کے لئے مناسب اقدام اٹھانا لازمی ہیں اور کسی فوج کا روانہ کرنا بھی ضروری ہے۔ فوج روانہ کی گئی۔ کئی ہزار جنگجو سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر ولیعہد سلطنت عبدالرحمٰن جو اس وقت بمشکل پندرہ سال کے تھے۔ روانہ کیا گیا تین سن رسیدہ اور آزمودہ کار وزیر بھی ان کی مدد کے لئے روانہ کئے گئے۔ اور ایک نائب جنرل کے ہاتھ خط بھیجا گیا کہ جب تک عمروس سے ملاقات نہ ہو جائے۔ کھول کر نہ پڑھا جائے۔ جب یہ لشکر طلیطلہ کے گرد و نواح میں پہنچا تو یہ خبر مشہور کر دی گئی کہ بیرونی حملہ کا خطرہ جاتا رہا اور مزید پیش قدمی کی ضرورت نہیں۔ طلیطلہ کے باہر پڑاؤ ڈال دیا گیا۔ گورنر عمروس اور متعدد شرفائے طلیطلہ اپنے شہزادے اور آیندہ ہونے والے سلطان سے ملنے کے لئے خیمہ میں حاضر ہوئے۔ عبدالرحمٰن نے ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور لعبدر خاص ان کی عزت و حرمت بجالایا۔ اہلیان طلیطلہ یہ دیکھ کر بے انتہا خوش ہوئے۔ عمروس چندے وزیروں سے ملنے کے لئے ہٹ گیا اور وہاں حکم کا خط کھول کر پڑھا گیا۔ وزیروں سے خاص معاملے پر گفت و شنید ہوئی اور بادشاہ کی ہدایات پر عمل کرنے کی پوری آمادگی اور توجہ برتی گئی۔ جب وہ پھر لوٹ کر خیمۂ شاہی میں آیا تو امراء و شرفاء کو بے انتہا مسرور و شاداں پایا۔ اور شہزادے کے لئے رطب اللسان۔ اس نے ان لوگوں کو اکسایا کہ کیوں نہ شہزادے کو شہر میں آنے کی دعوت دی جائے۔ اس سے ایک طرف تو شہر اور باشندگان شہر کی عزت بڑھے گی۔ دوسری طرف بادشاہ اور رعایا میں دوستی کے اسباب مہیا ہوں گے۔ رائے معقول تھی۔ شہزادے سے شہر میں قدم رنجہ فرمانے کی گذارش کی گئی جو قبول ہوئی۔ شہر میں پہنچ کر شہزادے کے استقبال کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اور گورنروں کی

طرف سے ایک شاندار دعوت کا انتظام بھی، تمام امراء۔ رؤساء۔ شرفاءِ شہر کو خصوصاً جن پر ذرا سا بھی سرکش ہونے کا گمان تھا۔ مدعو کیا گیا۔ دوسری صبح شہزادے کے قلعہ میں داخل ہونے کے بعد مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قلعہ کے اندر پہنچنے کے لئے ایک پیچ دار تنگ سا راستہ رکھا گیا۔ گھوڑے بردار باہر ہی کھڑے کر دیئے گئے جو ان کے گھوڑوں کی لگامیں تھامے کھڑے رہیں۔ اور یہ لوگ پیادہ پا اندر داخل ہوئے راستہ کے ختم پر ایک جلاد کھڑا کیا گیا اور موڑ کے بعد ایک گہری خندق کھودی گئی۔ اندر جانے کی اجازت ایک وقت میں صرف ایک شخص کو تھی۔ جو جیسے ہی راستے کے ختم تک پہنچتا جلاد کی تلوار کا نشانہ بنتا۔ کٹا ہوا سر علیحدہ کر لیا جاتا۔ دھڑ خندق میں پھینک دیا جاتا۔ صبح سے دوپہر تک آنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ تقریباً سات سو دولتمند ذی حیثیت شہری اس نوتعمیر قلعہ کے اندر داخل ہوئے۔

باہر ان امیروں کی شاندار سواری دیکھنے کے شوق سے زیادہ نئے شہزادے کی دید کا اشتیاق ہزاروں کو وہاں کھینچ لایا تھا اور ایک جم غفیر لگ گیا تھا۔ انہیں میں ایک حکیم بھی تھا۔ جس نے اس مجمع کی توجہ اس بات کی طرف دلائی کہ صبح سے دوپہر تک لوگ صرف اندر گئے ہیں۔ باہر ایک بھی نہیں نکلا ہے۔ کسی مسخرے نے کہا کہ شاید وہ لوگ دوسرے دروازے سے نکل گئے ہوں۔ جہاں ان کے گھوڑے بھیج دیئے گئے ہیں۔ حکیم بولا میں مخالف سمت بھی بڑی دیر تک کھڑا رہا ہوں۔ مگر ایک شخص بھی ادھر سے باہر نہیں نکلا ہے۔ اور پھر اتنی بھاری ضیافت جس میں شہر کا ہر رئیس اور متمول مدعو ہے یونہی خاموشی سے انجام پا رہی ہے۔ نہ کوئی شور ہے نہ غوغا۔ نہ اُدھم ہے نہ تماشہ نہ شور و شغب نہ قہقہے ہیں نہ چہچہے۔ نہ خوشی کے نعرے ہیں نہ مسرت سے لبریز آوازیں کسی نے کہا کہ دیکھو قلعے سے اب تک دھواں اُٹھ رہا ہے۔ شاید ابھی تک کھانا پک رہا ہے۔ اور ضیافت جاری ہے۔ حکیم نے کہا بدبختو یہ مطبخ کا دھواں نہیں ہے بلکہ تمہارے شرفاء کی لاشوں کا ہے۔ لوگوں کو جب حکیم کی بات میں صداقت کا اندازہ ہوا تو ایک سناٹا سا چھا گیا۔ لوگوں کی سانسیں ساکت ہو گئیں۔ دل دھڑکنا بند ہو گئے۔ وہ دعوت واقعی دعوت نہ تھی بلکہ خون کی ہولی تھی جو امرائے شہر سے کھیلی گئی تھی۔ طلیطلہ کا ایک گھر بھی ایسا نہ تھا جہاں سے واویلا یا صدائے آہ و بکا نہ بلند ہوئی۔ ایک خاندان بھی ایسا نہ تھا جن کے افراد کے سر قلعہ کے باہر سولی پر نہ لٹکائے گئے ہوں۔ مگر ایک متنفس میں بھی اتنی سکت نہ تھی کہ وہ ان سات سو خونِ ناحق کا بدلہ لیتا۔ امراء اور رؤساء چن چن کر قتل ہوئے تھے اور ان کی لاشوں

Marfat.com

پر ماتم کرنے والے رہ گئے تھے۔ انتقام لینے والے نہیں۔ عربوں کے مشرب میں کیونکہ مہمان کا قتل فعل قبیح ہے اس لئے اس واقعہ کو یوم الخندق FOSSE بھی کہا جاتا ہے۔
یہ خون جو طلیطلہ میں بہا تو اور جگہ کے لوگوں کے خون بھی منجمد ہو گئے۔ طلیطلہ تو کچھ عرصہ کے لئے خاموش اور ساکت ہو ہی گیا قرطبہ والے بھی سات برس تک چپ چاپ بیکسوں کی طرح بیٹھے رہے اور یوں الحکم کو وقتی سکون حاصل ہو گیا۔

اہل قرطبہ کی بغاوت

مگر یہ سکون واقعی وقتی تھا۔ ایک زبردست فساد کی بنیادیں اندر ہی اندر مضبوط ہو رہی تھیں۔ اس کا علم الحکم کو تھا ہی نہیں۔ البتہ ان مسلسل بغاوتوں اور پیہم سازشوں نے ان کو بڑی حد تک محتاط ضرور بنا دیا تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے فصیل قرطبہ کو مضبوط کرایا اس کے بعد وادی الکبیر کے پل کے دوسری جانب محل شاہی پر پہرہ داروں کی تعداد بڑھائی۔ قابلِ اعتماد خواجہ سرا اور خدمت گزار ہی اس محل میں آ جا سکتے تھے۔ کسی دوسرے کو بغیر اجازت ان حدود میں قدم رکھنے کا بھی اذن نہ تھا۔ اس پوری بستی میں دو ہزار مکانات عمدہ اور صاف ستھرے اور بنوا دیئے گئے تھے۔ جن میں یہ بادشاہ کے حفاظتی پہرہ دار رہتے تھے۔ یہ پہریدار پہلے تو معمولی تعداد میں تھے مگر زمانہ کا رنگ دیکھتے ہوئے ان کی تعداد چھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ تین ہزار تو اسپین ہی کے عیسائی تھے جو بادشاہ پر جان چھڑکتے تھے۔ اور ان کی فرمانبرداری میں اپنی جانوں تک کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ باقی افریقہ اور ساحل بحر شام سے خرید کئے ہوئے زنگی اور غیر زنگی غلام تھے۔ جو نہ عربی النسل تھے اور نہ زبان عربی سے آشنا۔ اسی وجہ سے یہ قرطبہ میں عجمی یا الخرس یا گونگے (...) کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ الیانِ قرطبہ کے لئے یہ حفاظتی انتظامات انتہائی تکلیف دہ تھے۔ ان کے لئے ایک تو یہ خیال ہی سوہان روح تھا کہ امیر کو مسلمانوں کے بجائے اس ملک کے عیسائیوں پر زیادہ اعتماد تھا۔ اور کلمہ گویوں کے مقابلے میں وہ کفار سے زیادہ ربط و ضبط رکھتے تھے ان کو اپنا معتمد سمجھتے تھے۔ دوسری طرف ان کو ان غلاموں کی بھرتی پر سخت اعتراض تھا جو غیر ملکی تھے۔ مہذب اور غیر متمدن تھے۔ جو اکھڑ۔ بیہودہ اور سخت بدمزاج تھے۔ بادشاہ کے ملازم ہونے کی وجہ سے وہ کسی دوسرے کو خاطر میں لاتے ہی نہ تھے اور کڑی زبان کڑے تیوروں کے ساتھ ہر ایک سے بات کرتے تھے۔ یہ اہالیان قرطبہ کے لئے دوسرا تازیانہ تھا کہ باہر کے آئے ہوئے نیچ ذات۔ کم حیثیت انسان۔ بلکہ غلام بادشاہ کے محافظ بنیں۔ ان کے محل میں جسے ایک چھوٹے موٹے قلعہ کا

سی حیثیت حاصل تھی۔آئیں جائیں اور اُن کے پرانے نمک خوار۔وفادار۔جان نثار یونہی دودھ کی مکھی کی طرح سے نکال پھینکے جائیں۔اور نا قابلِ اعتماد اور بیوفا سمجھے جائیں۔ان کے آنے جانے پر بھی پابندی ہو۔ان کے ملنے جلنے پر بھی احتیاط برتی جائے۔وہ بغیر اجازت اِن اطراف میں گھسنے نہ پائیں جہاں یہ عیسائی۔یہ زنگی۔یہ غلام۔یہ خواجہ سرا آزادی سے گھومیں پھریں۔وہ یہ ہتک بھی برداشت کرے جاتے اگر محافظین اور پہریداروں کی جو تعداد بڑھائی گئی تو اس کا خرچ پورا کرنے کے لئے ایک نئے ٹیکس کا اضافہ نہ ہوتا جو اس مالِ تجارت پر لگایا جاتا تھا۔جو اس پل پر ہو کر گزرتا تھا کیونکہ تجارت کی منڈی شہر کے جنوبی حصّہ میں تھی۔اس لئے اس کا بار بھی زیادہ تر اسی حصّہ کے رہنے والوں پر پڑتا تھا جن میں زیادہ تعداد (تقریباً چار ہزار) طالب علموں علم دوستوں۔استادوں اور مولویوں کی تھی۔معاش کی طرف سے زیادہ خوش حال نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو یہ معمولی بار بھی بہت زیادہ محسوس ہوتا تھا۔اور پھر اس کا طریقہ وصولیابی کچھ ایسا غیر موزوں اور توہین آمیز تھا کہ ان پڑھے لکھے لوگوں کو بہت ناگوار محسوس ہوتا تھا۔مگر حکمِ حاکم مرگِ مفاجات۔پھر بھی آخر تا بکے۔

یحییٰ ابن یحییٰ۔ابن دینار۔وغیرہ جو پچھلی ایک بغاوت کے سلسلہ میں بھاگ گئے تھے معافی ملنے پر پھر قرطبہ واپس آ گئے تھے۔یہ لوگ حکم کے ہمیشہ ہی سے مخالف تھے۔اور ہشام کے زہد و اتقا کا ذکر کر کے موجودہ بادشاہ کے مشاغل بے دینی اور حرکات زبوں کا چرچا کرتے اور یوں دبے الفاظ میں دونوں کا مقابلہ کر کے ایک کی مذمت کر جاتے۔ان لوگوں کا اثر تاجروں پیشہ وروں کلرکوں۔اور مزدوروں پر بہت زیادہ تھا۔اور سچ پوچھو تو یہی لوگ عوام الناس کہلاتے ہیں اور حکومت کی ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔یہ لوگ رعایا کو سکھایا پڑھایا کرتے تھے کہ بادشاہ اپنی جان کی حفاظت اس سے زیادہ کرے مگر کم از کم اس کا خرچ بیت المال سے تو نہ ہوا کرے جو عوام کا مال ہے۔جو رعایا کا حصّہ ہے مال خمس میں سے بادشاہ اپنی ذات پر جو چاہے خرچ کر لے۔قابلِ اعتراض نہیں مگر رعایا کے حصّہ میں سے اپنی ذات پر صرف کرنا امانت میں خیانت ہے۔ان فقہاء اور علماء کا اثر جیسے جیسے بڑھتا جاتا تھا۔بادشاہ کے سر پر خطرہ زیادہ منڈلاتا۔شہر کے اس جنوبی حصّہ کا عالم تو یہ تھا کہ جیسے وہ مولویوں اور دینیات کے استاذوں کی ایک علیحدہ چھوٹی سی مملکت ہو کہ جس میں بادشاہ کے کسی حاکم یا سپاہی کا داخلہ بھی خطرہ سے خالی نہیں کبھی کبھار اگر بھولے سے کوئی سپاہی اکیلا ادھر جا بھی نکلتا تو وہ لعن طعن ہوتی۔وہ گالیوں

Marfat.com

کی بوچھار پڑتی کہ سر پہ پیر رکھ کر بھاگنے ہی میں نجات نظر آتی۔

حکم ابھی تک ان لوگوں کی طرف سے تغافل برت رہے تھے اور یہی تغافل ان لوگوں کو سرکش بنا رہا تھا۔ جب موذن اذان دیتا تو کتنی ہی زبانوں سے یہ نکلتا کہ اے شرابی خدا کے واسطے عبادت کے لئے آ۔ (حی علی الصلوٰۃ یا مکار، حی علی الصلوٰۃ) ایک دن تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ جب وہ نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں داخل ہو رہے تھے تو کسی نے ان کے منہ پر توہین آمیز کلمات استعمال کئے۔ پیچھے سے مجمع نے ان کلمات کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا مجبوراً اسے کوئی سخت قدم اٹھانا ہی تھا۔ دس علماء کو جو اس شورش کے سرغنہ سمجھے گئے قتل کرا دیا گیا۔ مگر نتیجہ بالکل الٹا نکلا۔ بجائے اس کے کہ لوگ دب جاتے اور سزا کے خوف سے اپنی حرکات سے باز آتے وہ ان دس مقتولین کے کہ جن کو انہوں نے شہداء کا درجہ عطا کیا۔ خون کا بدلہ لینے کا عزم کیا۔ بچے ہوئے علماء نے یہ جوش وخروش دیکھ کر ان لوگوں کو اور بھی بھڑکانا اور ورغلانا شروع کیا۔ آخر ایک دن یہ مواد پھوٹ ہی نکلا۔ یہ فساد ہو کر ہی رہا۔

سنہ ۸۱۴ء / ۱۹۸ھ ماہ رمضان کا آخری ہفتہ تھا۔ ایک دن حکم کے محافظ سپاہی نے ایک لوہار سے اپنی تلوار پر جلا رکھنے کے لئے کہا۔ لوہار نے اپنی مصروفیات بتلا کر کچھ دیر انتظار کرنے کو کہا۔ بادشاہ کا سپاہی بھلا ایک صیقل گر کے یہ الفاظ کہاں برداشت کر سکتا تھا طیش میں آکر کہا کہ نہیں پالش فوراً کرو۔ اور انکار پر اس کو قتل کر دیا۔ کچھ لوگ جو وہاں جھگڑا ہوتے دیکھ کر جمع ہو گئے تھے مشتعل ہو گئے۔ اور فوراً اس بے عزتی۔ توہین اور ہتک کا بدلہ لینے کے لئے شمشیر بکف ہو گئے۔ یحیٰی اور ان کے رفیق کار جو عرصے سے لوگوں کو نصیحتوں اور وعظ کے پیرائے میں جذبات برانگیختہ کر رہے تھے یہ مناسب موقع دیکھتے ہوئے آموجود ہوئے۔ لوگوں کو اکسایا کہ بدلہ لینا ہے تو اس سے لو جو ایسے بدتمیز اور ظالم سپاہیوں کا مربی ہے۔ اور جو ان کو ملازم رکھ کر خوب سر چڑھائے ہوئے ہے۔ مشتعل مجمع فوراً محل کی جانب چل پڑا جن جن راہوں سے یہ گزرتا سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو اپنے میں شامل کرتا۔ یہ ہجوم محل کی چہار دیواری تک جا پہنچا اور اس کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ محافظی دستے اور پہریدار ان کو روکتے اور رد کئے پڑتے تو خود موت کا شکار ہو بیٹھتے۔ مجمع میں مستقل اضافہ ہو رہا تھا اور ان کا غصہ اور طیش برابر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ بھلا اس اشتعال کے سامنے یہ کرائے کے ٹٹو پہریدار کیا ٹھہر سکتے تھے۔ عوام آج سر دھڑ کی بازی لگا کر آئے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ آج اگر پسپا ہوئے

Marfat.com

تو ان کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے گا۔ اور موت بھی انہیں پناہ نہ دے سکے گی۔ حکم نے جو یہ شور و غل سنا تو محل کی بالکنی پر نکل آیا۔ سامنے انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھا۔ کہ جس میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک غصہ کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔ حکم کو اطمینان تھا کہ پانی ابھی سر سے اونچا نہیں ہوا ہے۔ اس نے اپنے شہسواروں کو حکم دیا کہ سخت حملہ کر کے ان لوگوں کو منتشر کر دیں۔ مگر موت سے بازی لگانے والے بھلا سواروں سے کیا مات کھاتے اور ان کے حملے سے کیا منتشر ہو پاتے۔ خود سپاہیوں نے منہ کی کھائی۔ اور گھوڑوں کی باگیں موڑ جان بچا کر بھاگے۔

محل کے تمام پھاٹک بند کر دیئے گئے۔ مگر یہ پھاٹک کہاں تک بند رہ سکتے تھے۔ بھاری بھاری لٹھوں کی چوٹ پہنچا کر صدر دروازہ کو کھول لیا گیا۔ گروہ در گروہ اندر داخل ہونے لگے سنگین پہرہ در پہادر پہریدار بھی ناکارہ ثابت ہونے لگے تھے۔ حکم کے لئے یہ گھڑی بہت نازک تھی۔ مگر اس کی ہمت اس کا استقلال اب بھی اس کے ساتھ تھا۔ اپنے جذبات پر اس کو ابھی تک قابو حاصل تھا اس نے اپنا عیسائی غلام یزانتو کو بلایا اور اس کو ملسرا سے خوشبو دار تیل لانے کے لئے کہا۔ یزانتو کو اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آیا۔ یہ افراتفری کا عالم۔ یہ بیکسی کی کیفیت۔ یہ مشتعل ہجوم کا جان ہتھیلی پر رکھ کر سپاہیوں کو شکست دیتے ہوئے محل میں داخلہ۔ موت ہر طرف منڈلا رہی تھی۔ ناامیدی کا ہر سمت دور دورہ تھا۔ وہ اپنی جگہ پر خاموش ہی کھڑا رہا۔ اور یہ سمجھا کہ شاید مصیبت میں گھرا دیکھ کر حکم کا دماغ چل گیا ہے۔ بادشاہ نے اسے پھر ایک ڈانٹ پلائی کہ جا اے شیطان کی اولاد اور جو میں حکم دے رہا ہوں بجا لا۔ جب شیشی یزانتو نے حکم کے ہاتھ میں دی تو بادشاہ نے نہایت اطمینان سے تیل ہتھیلی پر انڈیل کر سر میں لگایا اور پھر ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا یزانتو جو انتہائی تعجب سے یہ ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ زیادہ ضبط نہ کر سکا اور بولا عالی جاہ۔ دشمن سر پر آ پہنچا ہے۔ موت چکر لگا رہی ہے۔ اس وقت یہ سنگار جیسے حضور حرم میں تشریف لئے جا رہے ہوں۔ حکم جو یزانتو کے تحیّر کو محسوس کر رہا تھا بولا کہ اے ابن الکلب باغیوں کو یہ کیسے نہ چلے گا کہ کٹے ہوئے سروں میں بادشاہ کا سر کون سا ہے۔ یہ خوشبو ہی ان کو پتہ دے گی کہ یہ ہے۔ اور پھر اسے اپنے جیل خانہ کے داروغہ ہدیر (Hodair) کو بلوانے کے لئے بھیجا۔ اس کے آنے کے بعد یہ حکم دیا کہ وہ تمام علماء و فقہاء جو پچھلی سرکشی کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے تھے مگر بجائے سزائے موت قید کی سختیاں بھگت رہے تھے۔ انہیں قید خانہ روتندا (Rotanda) میں ذبح کر دیا جائے۔ اور ان کے سر فصیل پر لٹکا دیئے جائیں کہ ہر چند یہ لوگ

Marfat.com

موت کی سزا کے مستحق تھے۔ مگر الطافِ خسروانہ کی بدولت صرف قید و بند کی سزا کے مستحق تھے۔ مگر الطافِ خسروانہ کی بدولت صرف قید و بند کی تکلیفوں سے دوچار تھے۔ مگر جبکہ ان کے ہم شہوں اور ان کے بھڑکائے ہوئے لوگوں نے بادشاہ کی جان لینے کا ہی ارادہ کر لیا ہے۔ تو بادشاہ بھی ان قیدیوں کو کسی رحم اور عنایت کا مستحق نہیں سمجھتا ہے۔ ہدیٰر جو سمجھتا تھا کہ بادشاہ کا انجام بد تو نزدیک آ ہی پہنچا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اگر محل فتح ہوا تو اس کا بھی۔ اس لئے آخری وقت میں ان شیوخ کی جان لینے کا گناہ عظیم اپنے سر لیا جائے کچھ اچھا نہیں ہے۔ اور یہی بات اس نے بادشاہ سے بھی عرض کر دی کہ موت جب ہمارے سروں پر منڈلانے لگی ہے ہمیں نیکی اور ثواب کے کاموں کی طرف راغب ہونا چاہئے نہ کہ بیگناہوں کی جان لینے پر کہ جس کے صلہ میں آپ کے ساتھ میں بھی راندۂ درگاہ ہوں حکم نے اپنے حکم کو دوہرایا مگر ہدیٰر کو معذرت کناں ہی پایا۔ مجبوراً اس نے ابن نادر جو جیل کا دوسرا افسر تھا بلا بھیجا اور اسی حکم کی تعمیل چاہی۔ ابن نادر دل و جان سے تعمیل حکم پر آمادہ ہو گیا۔ اس طرف سے مطمئن ہو کر الحکم نے زرہ بکتر پہنی جسم پر ہتھیار سجائے اور اوپر کی منزل سے نیچے اترا۔ وہاں اپنے سپاہیوں کے اُڑے ہوئے رنگ پر ایک نظر ڈالی۔ ان کی ہمتیں بڑھائیں ان کے مردہ حوصلوں میں روح پھونکنے کی کوشش کی۔

عبید اللہ اپنے چچیرے بھائی کو اپنے حضور بلوایا اور اس کو یہ ہدایت کی کہ جلد از جلد کچھ منتخب اور آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ مجمع کو چیرتے پھاڑتے شہر کے جنوبی حصہ میں پہنچے۔ جو علماء مشائخین اور ان کے معتقدین کا مرکز تھا۔ اور ان کے گھروں کو نذر آتش کر دے۔ عبید اللہ نے جو اپنے وقت کے بہترین شہسواروں اور جنگجوؤں میں تھا حکم شاہی کی تعمیل میں چند جنگ آزما سرداروں کو لے کر تیزی سے قلعہ میں سے نکلے۔ لوگوں نے گھبرا کر راستہ دیدیا کہ کہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے نہ آ جائیں۔ اور وہ تلوار چلاتے لڑتے بھڑتے راستہ بناتے ہوئے اس حصۂ شہر میں پہنچ ہی گئے اور ہدایت پر عمل کر دیا۔ یہ آگ جو پھیلی اور تقریباً بیس جگہ سے جو دھواں اُٹھتا نظر آیا تو کھلبلی مچ گئی۔ لوگ اپنے بیوی بچے بوڑھے ماں باپ اور مال و اسباب کو بچانے کے لئے گھروں کی طرف بھاگے عبید اللہ نے ان کا راستہ روکا اور سامنے سے حملہ کر دیا۔ اسی اضطراب اور انتشار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے حکم نے اپنے سپاہیوں کو پیچھے سے بڑھا دیا۔ بلوائی دونوں طرف سے گھر سے گئے۔ ان کے دل تو بال بچوں میں لگے ہوئے تھے۔ ایسے میں لڑتے وہ کیا خاک ہزاروں مارے گئے۔ اور ہزاروں دریا میں پھاند پڑے۔ اغلباً تین

Marfat.com

صادر یا مرتبہ حضرات بچ پائے جنہیں گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ حکم ہوا کہ دریا کے کنارے سولیاں باندھ کر انہیں الٹا لٹکا دیا جائے اور مغز میں کیلیں ٹھونک دی جائیں۔

فتنہ دب گیا۔ خود سر اور سرکش خاموش کر دیئے گئے۔ اس میں حصہ شہر کے بیشتر حضرات نے لیا تھا۔ اور خصوصاً جنوبی اطراف کے تو سبھی شامل تھے۔ ان کو کیا سزائیں ملنا چاہیئے اس کے لئے مجلس مشاورت منعقد ہوئی۔ بعض ان کے قتل کے درپے تھے۔ بعض ان کو بہت کڑی سزا کا مستحق سمجھتے تھے۔ بعض وزیروں کا خیال تھا کہ ان کو سزائے موت تو نہ دی جائے مگر جلاوطن ضرور کر دیا جائے تاکہ پھر کبھی یہ اس قسم کی شورشیں نہ برپا کر سکیں یہی رائے قابل قبول سمجھی گئی۔ جنوبی اطراف میں رہنے والے تمام اصحاب کو جن میں علماء اور مجتہدین شامل تھے یہ حکم ملا کہ تین دن کے اندر اندر اپنا مال و اسباب لے کر چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور ٹولیوں میں شہر سے نکل جائیں اور اسپین کے باہر جا کر کہیں بسیں تعمیل حکم میں یہ مصیبت زدہ۔ بیکس و لاچار اپنا اپنا سامان سروں پر لادے یا خچروں پر رکھے اپنے آبائی وطن۔ اپنی قدیم سکونت اپنے دیرینہ مکانوں سے روانہ ہوئے۔ ان پر ایک عجیب حسرت و یاس کا عالم طاری تھا۔ وہ اسی شہر میں پیدا ہوئے تھے یہیں پلے بڑھے تھے۔ اسی ماحول میں انہوں نے آنکھ کھولی تھی۔ اسی فضا میں پرورش پائی تھی۔ انہیں مکانوں میں انہوں نے زندگی کے لطف اٹھائے۔ انہیں کی چہار دیواری میں ایک عجیب قسم کی یگانگت ہم آہنگی اور اپنائیت محسوس کی تھی۔ اس کو چھوڑ کر جانا ان کے لئے انتہائی کرب آمیز تھا۔ یہ جدائی ہمیشہ کے لئے ان کو بہت ہی گراں، بہت ہی شاق گزر رہی تھی۔ جب روانگی کا وقت آیا تو عجیب دردناک منظر سامنے تھا۔ سب کے دل رو رہے تھے سب کی آنکھوں میں خون کے قطرے جھلک رہے تھے۔ سب کے چہروں پر بے چارگی اور کس مپرسی کا عالم طاری تھا۔ ان کے جاتے ہی وہاں کے تمام مکانات زمین دوز کرا دیئے گئے۔ جو ساز و سامان بچ رہا تھا اس کو لوٹ لیا گیا۔ اور کچھ دنوں میں وہاں کی بستی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

آٹھ ہزار خانماں برباد انسانوں کا قافلہ جب گروہ اندر گروہ روانہ ہوا تو قدرت نے بھی ان پر اپنی عنایات کے دروازے بند کر دیئے۔ اور قسمت نے بھی ان کا مذاق اڑانے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا لیٹرے۔ رہزن۔ قزاق جو ہمیشہ ایسی گھڑی کے منتظر رہتے ہیں۔ ان پر لوٹ پڑے کتنوں ہی کو لوٹا۔ کتنوں ہی کو اور تباہ و برباد کیا۔ کتنی ہی عورتوں کو بھگا لے گئے۔ جو ان کے ہاتھ سے بچے تو سپاہیوں اور پولیس والوں کے ہتھے چڑھے جنہوں نے ان برباد شدہ کو اور برباد کرنے

Marfat.com

میں کوئی کسر نہ رکھی۔ جنہوں نے ان تباہ شدہ کو اور تباہ کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیا جب یہ لوگ ساحل افریقہ پر پہنچے تو ان کی حالت دیکھنے کے بھی لائق نہ تھی۔ ان کی وہ دُرگت بن چکی تھی کہ خدا کسی سخت سے دشمن کی بھی نہ بنائے۔ ادریس شاہ افریقہ نے ان کی حالت زار پر رحم کھاتے ہوئے آٹھ ہزار انسانوں کو اپنے نوتعمیر شدہ شہر فیض میں لبسا دیا۔ اس سے اس کی شہری آبادی میں بھی اضافہ ہوا اور اس کو متحدہ قوت مل گئی۔ جو کسی وقت بھی عربوں یا خلیفہ بغداد کے خلاف استعمال کی جا سکتی تھی۔ یہ لوگ بسے تو اپنی جبلت اور قدیمی سرشت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ ان میں زیادہ تر نومسلم تھے۔ اور رومنوں اور عیسائیوں کی اولاد تھے جو ہمیشہ سے خالص عربی نژاد سے بغض اور جلن رکھتے آئے تھے۔ رہنے کو تو وہ فیض میں رہ پڑے۔ اور بسنے کو تو وہ بس گئے مگر اطمینان ملتے ہی ان قدیم خاندانوں سے لڑنا جھگڑنا شروع کردیا۔ جو چودھویں صدی تک جاری رہا۔ یہ پرانے خاندان زیادہ تر صنعت وحرفت وتجارت کے دلدادہ تھے جبکہ یہ نوآباد زراعت پیشہ تھے۔ یہ کچھ تو لُٹ پھٹ کر آئے ہی تھے کچھ یہاں بھی عسرت اور تنگدستی سے دوچار رہے جب کہ دوسرے مزے میں تھے۔ کھاتے کماتے بھی تھے اور بچا بھی لیتے تھے۔ اندلسی مسلمان یہ دیکھ کر جلتے تھے اور ان سے دو ٹوک لڑنے پر آمادہ رہتے۔ یہ حالت دیکھ کر ادریس نے یہی مناسب سمجھا کہ ان کو دُور کردیا جائے۔ ان کے محلے۔ مکان۔ بازار۔ باغات۔ مسجدیں اور تفریح گاہیں۔ اسکول۔ مدرسے۔ سب الگ الگ دور دور بنوائی جائیں۔ یہ تدبیر کچھ کارگر ہوئی۔

مصیبت صرف قرطبہ والوں پر ہی نہیں ٹوٹی۔ بلکہ شقندہ (Secunda) کے بھی مالکی عقیدہ رکھنے والے اور مجتہدین ومشائخین جلاوطن کئے گئے۔ ان میں سے پندرہ ہزار کا ایک قافلہ اسکندریہ پہنچا۔ اور وہاں بس گیا۔ اس وقت اہلیان مصر خلیفہ بغداد کے خلاف علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھے۔ یہ پندرہ ہزار باغیان کے دست وبازو بن گئے۔ اور مل جل کر اسکندریہ کا پورا علاقہ ان سے نہ چھین سکے۔ جب ان کی طاقت کچھ گھٹی تو المامون نے زبردست فوج بھیج کر وہ علاقہ ان سے خالی کرالیا۔ یہ لوگ جزیرہ کریٹ Crete کی طرف بڑھ گئے اور اسے دبا بیٹھے۔ اس کا کچھ علاقہ اس وقت بازنطینی حکومت کے ماتحت تھا۔ ان اندلسی مسلمانوں نے اپنا سردار ابوحفص عمر البلوطی (Abu Hafs Umar Albloqi) کو بنا کر وہ حصہ بھی فتح کرلیا۔ اور ۹۶۱ء تک اس پر اپنا قبضہ جمائے رکھا۔ بالآخر یونانیوں نے اس کو فتح کرلیا۔

ہزاروں انسانوں کی یہ خانماں بربادی سینکڑوں خاندانوں کی یہ تباہ حالی اسپین کی تاریخ کا ایک بہت تاریک ورق ہے۔ اور امیر حکم کے اوپر ایک بڑی لعنت۔ ایک ذات کی حفاظت کے لئے ایک شخصی حکومت کے قیام استحکام کے لئے نہ جانے کتنے قتل ہوئے نہ جانے کتنے دریا برد ہوئے۔ پتہ نہیں کتنے دربدر کئے گئے۔ جب عقل ٹھکانے آئی۔ غصہ فرو ہوا تو الحکم کو بھی اپنی اس سفاکانہ حرکت پر بڑی ندامت ہوئی۔ بہت سے علماؤں کو معافیاں دی گئیں ان کی آسائش کا بہت سا سامان مہیا کیا گیا۔ یحیٰی ابن یحیٰی جو حقیقتاً اسی فتنہ کے بانی مبانی اور اس بغاوت کے سرغنہ تھے۔ معافی کے لائق سمجھے گئے۔ جاں بخشی ہوئی۔ قرطبہ میں رہنے کی پھر سے اجازت ملی۔ اور وہ جلدی ہی اپنی چرب زبانی اور ہمہ دانی کی وجہ سے بادشاہ کے منہ چڑھے اور مقرب خاص ہوگئے۔ مگر ایک دوسرے فقیہہ اور مالکی خیالات کے حامل بزرگ طالوت جو قبیلہ معافر سے تعلق رکھتے تھے کی معافی کا قصہ بہت ہی دلچسپ ہے۔

طالوت نے اس سرکشانہ جہاد میں جی کھول کے حصہ لیا تھا۔ اور لوگوں کو مشتعل کرنے میں ان کا ہاتھ خاصا تھا۔ اس کی اطلاعات بادشاہ کو بھی پہنچ چکی تھیں اور طالوت بھی اپنے انجام بد سے بخوبی واقف تھے۔ ایک یہودی کے یہاں پناہ لی۔ اور ایک سال تک اپنے کو چھپائے رکھا۔ اس قید و روپوشیدگی سے تنگ آکر ایک دن انہوں نے اپنے کو وزیر ابولبسام جو دربار میں کافی وقعت اور اثر رکھتا تھا حوالہ کر دینا چاہا۔ یہ وزیر ان کا شاگرد عزیز بھی تھا اور طالوت کو توقع تھی کہ اس کی سفارش اور توسط سے معاملہ کچھ سلجھ بھی جائے گا۔ اس یہودی نے ہر چند روکنا چاہا اور ہر تکلیف کہ جس کی بنا پر ایسا قصد کیا گیا رفع کرنے کا وعدہ کیا۔ طالوت جنہوں نے یہ پورا سال ایک غیر مسلم کے گھر میں نہائی لطف اور خوشی سے گزارا تھا بضد ہوئے کہ انہیں اب ابولبسام سے مل ہی لینے دیا جائے۔ کیونکہ اس بے چارگی کی زندگی کو زیادہ دن نہیں برداشت کر سکتے تھے۔

دوسرے دن سرشام وہ ابولبسام کے گھر پہنچ گئے جوان کو دیکھتے ہی سخت متعجب ہوا۔ بادل ناخواستہ ان کو خوش آمدید کہا اور اتنے دن کی روپوشی اور جائے روپوشی پوچھی۔ طالوت نے سارا قصہ من و عن سنا دیا۔ ابولبسام نے اطمینان دلا کر سو جانے کے لئے کہا اور دوسرے دن صبح بادشاہ سے ان کی سفارش کا وعدہ کیا۔ مگر دنیاوی اقتدار اور مادی منفعت نے اس کی نیت میں فتور پیدا کر دیا۔ طالوت کہیں باہر نکل کر جانے نہ پائے یہ انتظامات کر کے دوسرے دن صبح ہی صبح وہ حکم کے پاس پہنچ گیا۔ اور اس موٹے تازے بکرے کے ملنے کی اطلاع دی۔ طالوت کو فوراً حاضر دربار ہونے

کا حکم ملا۔ یہ غریب نقیہہ لرزاں لرزاں وہاں پہنچا اور ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ الحکم نے اس سے دریافت کیا کہ اگر تمہارے خاندان کے افراد اس تخت پر متمکن ہوتے تو وہ کیا تمہارے ساتھ اس سے زیادہ نوازشات اور مہربانیاں کرتے جتنی کہ میں نے کیں کہ جس کا تم نے یہ بدلہ چکایا۔ طالوت جس کا ڈر تقریباً دور ہو چکا تھا اور جس کی غیرت ابھر آئی تھی۔ جواب دیا کہ تمہاری مخالفت میں میں نے خدا کی فرمانبرداری کی حکم کو اس جواب پر غصہ تو بہت آیا مگر اس پر قابو پاتے ہوئے کہا کہ جا تجھے خدا سمجھے۔ میں اپنی جانب سے اب کوئی سزا نہیں دینا چاہتا ہوں تیری جائداد اور جاگیر بحال کی گئی۔ اور پھر باتوں باتوں میں اس سے پوچھا کہ بتا ابوبسام نے تجھے کہاں گرفتار کیا تھا۔ طالوت نے کہا کہ وزیر نے مجھے گرفتار نہیں کیا تھا۔ بلکہ میں نے خود اپنے کو اس کے سامنے پیش کر دیا تھا اور اس کے توسل کا سہارا لیا تھا۔ پھر یہودی کے یہاں چھپنے اور اس کی مہمان نوازی کا بھی پورا قصہ سنایا۔ اس یہودی کو بلا کر انعامات دیئے گئے اور وزیر ابوبسام کی سر دربار سخت توہین کی گئی۔ طالوت کو جلد ہی پچھلا مرتبہ حاصل ہو گیا۔ اور وہ بادشاہ کے محبوب بن گئے۔ حتیٰ کہ جب ان کا انتقال ہوا تو حکم خود پیادہ پا ان کے جنازے میں شریک ہوا۔ اور اس طرح سے اس نے بہت سے گناہوں کا ازالہ کیا۔

باب ۲۸

حکم کے کردار پر ایک نظر

الحکم نے ۸۲۲ء مطابق ۲۰۶ھ میں انتقال کیا۔ ان کا چھبیس سالہ دورِ حکومت اپنے باپ کی یا دادا کی طرح کچھ ایسا زیادہ روشن اور درخشاں نہ رہا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو مسلسل ہنگاموں اور بغاوتوں سے سابقہ پڑا۔ اور وہ سب کو اپنی ہمت مستقل مزاجی اور معاملہ فہمی کی وجہ سے دبا لے گئے۔ بحران کے دبانے میں انہوں نے ظلم و استبداد کا بھی سہارا لیا۔ حیلہ و مکر کا بھی انہوں نے نظم مملکت اور انفرادی جبروت قائم رکھنے کے لئے نہ لوگوں کے سروں کی پرواہ کی نہ ان کے جان و مال کی۔ ضرورت پڑی تو انہوں نے ایک دو کا نہیں ہزاروں کا خون بہا دیا جس میں گناہ گار بھی تھے بیگناہ بھی۔ وقت آیا تو انہوں نے لاکھوں کو دربدر کر کے ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا۔ اور جی چاہا تو ہزاروں کی جائدادیں ضبط کر لیں ان کو سولی پر لٹکوا دیا۔ اپنے ظلم و ستم کا نشانہ انہوں نے عام رعایا کو بھی بنایا۔ اور بڑے بڑے عالمانِ دین اور مفتیانِ قوم کو بھی۔ سطوتِ شاہی قائم رکھنے کے لئے ہر جور ہر ستم ہر ظلم کو روا رکھا۔ شخصی حکومت بحال رکھنے کے واسطے ہر حیلہ ہر بہانہ ہر مکر جائز سمجھا۔ ان کا دور ایک فرد کے سطوت و حشمت کی نمائش کا بہترین نمونہ تھا۔ ان کی حکومت ایک شخص کی من مانی حکومت ہی کی اعلیٰ تمثیل تھی۔

پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس پورے ۲۶ سال حکومت کی بنیادیں صرف جبر و استبداد کے سہارے مضبوط رہیں۔ اور ہر لمحہ ہر گھڑی رعایا کی بہبودی اور بہتری کا خیال نکال کے صرف اپنی ذات کی بلندی اور عروج پر نظریں رہیں۔ حکم نے اس عرصہ میں بہت سے ایسے کام کئے جو مورخین

کو اس کی ستائش اور مدح کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ ابن خلدون جو مسلم الثبوت مورخ ہے لکھتا ہے کہ یہ پہلے بادشاہ تھے جنہوں نے فوج کی ترتیب و تنظیم پر خاص توجہ دی۔ اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کیا اور ان کو ہر وقت ضرورت کا علاج نہ سمجھتے ہوئے باقاعدہ ملازمت میں رکھا اب فوج صرف بادشاہ کی دست نگر ہوتی اور بادشاہ جنگوں اور لڑائیوں کے وقت میں مختلف امیر اور حکام کا دست نگر نہ ہوتا تھا فوجیوں کے لئے تیز اور عمدہ ہتھیار ڈھلوائے اور سرکاری خزانے سے سب کو اسلحات جنگ مہیا کئے۔ پیدل فوج الگ رکھی۔ ہراول الگ اور سوار الگ۔ جنگی مشق دلاکر ان کو تجربہ کار سپاہی بنا دیا۔ اور فوجی پریڈ اور نظم سے روشناس کرا کے ان کی زندگی کا رجحان ہی اس طرف موڑ دیا۔

پہرہ داروں اور نگہبانوں کا خاص طور سے انتظام کیا چھ ہزار سے زیادہ محافظین ملازم رکھے۔ جو انتہائی جنگجو، خونخوار تھے۔ ضروریات زندگی اپنے خزانے سے بہم کیں۔ ان پہریداروں میں شہسوار بھی ہوتے تھے۔ پیدل بھی اور چوکیدار بھی۔ مگر جنگ کے نکات سے سب آگاہ ہوتے تھے ضروریات زندگی اپنے خزانے سے بہم کیں۔ ان پہریداروں میں شہسوار بھی ہوتے تھے۔ پیدل بھی اور چوکیدار بھی۔ مگر جنگ کے نکات سے سب آگاہ ہوتے تھے اور لڑنے میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ فرمانبرداری۔ جاں نثاری اور بادشاہ کی جان کی حفاظت کا سبق ان کو خاص طور سے سکھایا گیا تھا۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ شان و شوکت اور انتظام محلسرا کے لئے خواجہ سرا اور خدام رکھے جو بہت ہی باسلیقہ۔ مہذب اور شائستہ ہوتے تھے اور بڑی جاہ و حشم کے مالک ہوتے تھے۔ اور بادشاہ کے مزاج میں درخور ان کو بالخصوص حاصل ہوتا تھا۔ جو ملازمین اور نگہبان افریقہ اور مصر سے بلوائے ان کو ہر چند الخرس یا [illegible] کہا جاتا تھا مگر بادشاہ کے لئے وہ اپنی جان دینا معمولی بات سمجھتے تھے۔ انہیں محافظین اور مستقل فوج کے سہارے ان کو اپنی مطلق العنانی نبھانے کا موقع ملا۔ اور انہیں جنگ آزمودہ سپاہیوں کے بل بوتے پر جب چاہا انہوں نے من مانی کی۔ وہ ان لوگوں کی ہر ضرورت کا بطور خاص خیال رکھتے تھے۔ اور کھانے پینے پہننے کی چیزوں کی کمی نہ ہونے دیتے تھے۔ لڑائیوں اور جنگوں کے لئے وہ سامان خورد و نوش کا ذخیرہ ہمیشہ الگ جمع رکھتے تھے۔ اور کسی مہم کے موقع پر رسد کی کمی سے اپنے فوجیوں کو دوچار نہیں ہونے دیتے تھے۔ لڑائی کے انتظامات لڑائی سے پہلے شروع ہو جاتے تھے۔ بلکہ اس کے لئے ایک علیحدہ محکمہ تھا۔ جو امن کے نازک اوقات کی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھتا

Marfat.com

تھا۔ بڑے بڑے مکان اور گودام بنوائے تھے۔ جن میں رسد اور کھانے پینے کی اشیاء جو سڑ گل نہ سکتی تھیں جمع رہتیں بڑے بڑے اسلحہ خانے بنوائے جن میں ہر قسم کے اسلحہ جات، ہتھیار۔ زرہ بکتر، بار برداری کی گاڑیاں وغیرہ موجود رہتیں۔ جب کبھی بھی وہ کسی جنگ میں شریک ہوتے تو اپنی مستقل مزاجی، عاقبت اندیشی اور جنگی نکات سے معلومات کا رعب بڑے بڑے سورماؤں اور جنرلوں پر بٹھا دیتے۔

اندلس میں مردم شماری سب سے پہلے انہوں نے کرائی۔ ہر طرح کے اعداد و شمار انہوں نے جمع کرائے۔ زمینوں اور جاگیروں کے متعلق پوری معلومات مہیا کیں۔ اپنی خاص مہر بنوائی جس پر "باللہ یثق الحکم و یعتصم" کندہ کرایا۔ ۱۹۷ھ میں جب شدید قحط پڑا تو انہوں نے بہت سا غلہ اور اشیاء خوردنی ضرورتمندوں میں تقسیم کرائیں۔ اور اہلِ حاجات کی ضرورت پورا کرنے کے مکمل انتظامات کئے۔

دور دراز علاقوں کی خبریں منگوانے کا خاص انتظام کیا۔ جو چھوٹے موٹے قلعہ منہدم ہو گئے تھے یا شکستہ ہو چلے تھے ان کی مرمت کرا کے وہاں بھی فوجیں رکھیں۔ تاکہ رعایا کو لٹیروں اور قزاقوں سے پناہ ملے اور دیگر حملہ آوروں کے اقدامات کی اطلاع ملتی رہا کرے۔ اپنی رعایا سے وہ اس قدر دلچسپی رکھتا تھا کہ ان کی معمولی سے معمولی ضروریات کی تکمیل کی بھی کوشش کرتا۔ ایک بار عباس شاعر سے منقول ہے کہ وہ وادی الحجارہ کی طرف سے گزر رہے تھے۔ کہ ایک عورت کو چیختے ہوئے سنا کہ حکم تیری دہائی ہے تو نے تو ہمیں ایسا بھلا دیا کہ ہم اپنے کو یتیم د بیوہ محسوس کرنے لگے۔ عباس نے جب پوچھا تو اس بڑھیا نے بتلایا کہ جب وہ اس جنگل سے اپنے خاندان والوں کے ساتھ گزر رہی تھی تو قزاقوں نے حملہ کیا۔ کچھ مارے گئے۔ کچھ وہ لوگ قید کر کے لے گئے۔ وہ بیچاری اکیلی رہ گئی عباس نے یہ پورا واقعہ نظم کر کے حکم کے سامنے پڑھا قصیدہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ حکم نے جہاد کا حکم دیدیا۔ ایک فوج بھیج کر تمام قلعوں کو تہس نہس کر دیا جنگل میں سے ڈھونڈھ ڈھونڈ کر رہزنوں اور چوروں کو نکالا۔ بڑھیا کے قیدی جو زندہ تھے ان کو رہائی دلوائی۔ اور بہت کچھ مال و متاع بخشا۔ پھر تمام لٹیروں کے سر اس عورت کے سامنے قلم کرا دیئے۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد عباس شاعر سے کہا کہ اب اس عورت سے پوچھے کہ اس کی دہائی سنی گئی یا نہیں۔ عورت نے کہا۔ خدا کی قسم دلوں کی تسلی ہو گئی ظالم قتل ہو گئے۔ جس طرح حکم نے ہماری فریاد سنی اسی طرح خدائے تعالیٰ اس کی فریاد سنے اور ہر معاملہ میں اس کو فتح و نصرت بخشے۔ یہ معمولی سا واقعہ حکم کے کردار پر ایک خاص روشنی ڈالتا ہے۔ حکم ۱۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ لمبے قد اور نحیف جثہ کے مالک تھے ان کے چہرے کا رنگ زیادہ صاف نہ تھا بلکہ گندمی تھا۔ آنکھوں میں ایک خاص چمک تھی رعب و جلال کی علامتیں چہرے

سے نمایاں رہتی تھیں۔ زود رنج اور جلد برانگیختہ ہو جانے والوں میں سے تھے۔ ان کی والدہ کا نام زخرف تھا اور قبیلہ جاریہ سے تعلق رکھتی تھیں۔ حکم بہت سی اولادیں رکھتے تھے۔ اور مورخین نے ان کے بیس بیٹے اور اتنی ہی بیٹیاں گنوائی ہیں۔ رعب داب قائم رکھنے میں وہ ہر جور و تعدی کو روا رکھنا جائز سمجھتے تھے اور بعض وقت تو اتنی جلدی برافروختہ ہو جاتے تھے کہ لوگوں کی ناک میں دم آجاتا تھا۔ ایک روز فقیہہ زیاد ان سے ملنے پہنچے تو دیکھا کہ وہ اپنے ایک غلام پر سختی سے ناراض ہو رہے ہیں۔ اس نے شاید کوئی خط غلط موقع پر ان کے ہاتھ میں دیدیا جس میں کوئی ناخوشگوار واقعہ تحریر تھا اتنے ہی سے قصور پر غلام کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیدیا۔ زیاد نے کہا کہ اصلح اللّٰہ الامیر۔ حدیث رسول ہے کہ جو شخص اپنے غصّہ کو جتنا ہی فرد کرے گا۔ خدائے تعالےٰ اس کو اتنے ہی امن اور ایمان کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائے گا۔ حکم بہت متاثر ہوئے غلام کا قصور معاف کر دیا اور اسے انعام بھی بخشا۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر وقت رنج و غصہ میں ہی بھرے رہتے تھے اور رحم و کرم سے کبھی کام ہی نہ لیتے تھے۔ ذراسی بات میں بھڑک جایا کرتے تھے۔ اور کڑی سزاؤں کا حکم سنادیا کرتے تھے بلکہ ان میں ضبط و تحمل کا مادّہ بھی بہت تھا۔ لوگوں کے ساتھ الطاف و اکرام سے پیش آنا بھی جانتے تھے۔ لوگوں کی نیکیوں پر بخشش کرنا بھی جانتے تھے۔ خطاؤں کو درگذر بھی کر جاتے تھے۔ قابل گرفت حرکات پر ترحم سے بھی کام لیا کرتے تھے، جس کی بین مثال یحییٰ ابن یحییٰ۔ ابن دینار۔ یا طالوت کی معافیاں ہیں کہ ان کا جرم سزائے موت کا مستحق تھا مگر نہ صرف ان کو قابل عفو سمجھا گیا بلکہ جائدادیں اور جاگیریں بھی بحال کر دی گئیں اور پھر ان کو مقرب خاص بنالیا گیا۔ طالوت کے بغاوت کرنے سے قبل وہ اس کو اتنا عزیز رکھتے تھے کہ جب طالوت کی بیوی کا انتقال ہوا تو وہ بذاتِ خود اس کے جنازے میں شریک ہوئے اور قبرستان تک پاپیادہ گئے۔ طالوت کو بزرگ سمجھتے ہوئے ہمیشہ ان پر عنایتِ خسروانہ کی بارش کی۔ بڑی بڑی عزتیں اور نعمتیں بخشیں جب کبھی وہ بیمار ہوئے تو عیادت کو گئے، علاج و معالجہ کا بندوبست کیا۔ اور بعد میں جب طالوت سرکشوں کے سرغنہ ٹھہرائے گئے تو ان کو الطافِ شاہی سے نوازا۔ اور بجائے سزا دینے کے جاگیر بخش دی۔ اور ان کے انتقال پر بنفسِ نفیس جنازے میں شرکت کی۔

علمائے دین۔ مفتیانِ متین اور صالحین کی صحبت میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ وہ ان کا دباؤ۔ اثر یا ملکی معاملات میں مداخلت نہیں برداشت کر سکتے تھے۔ امام مالک کے

Marfat.com

شاگرد اور فقیہہ زیاد بن عبدالرحمٰن سے وہ رغبت خاص رکھتے تھے۔ اور ان کے حلقہ مریدین میں سے البتہ یحییٰ بن یحییٰ کو اس وجہ سے زیادہ سر نہ چڑھاتے تھے۔ کہ ان میں سیاسی رہنما بننے کی خواہشات زیادہ تھیں۔ بہ نسبت خدمت خلق اور تبلیغ اسلام۔ وہ ان لوگوں کے مناظروں اور مباحثوں میں بھی حصّہ لیا کرتے تھے۔ مگر امور سلطنت میں ان کا مشورہ ہرگز نہ قبول کرتے تھے۔ ان کے سخت سے سخت نازیبا بلکہ باغیانہ حرکتوں پر بھی وہ چشم پوشی کیا کرتے تھے۔ اور ان کی جانیں لینے سے ہمیشہ خائف رہتے تھے۔ بڑی تعداد میں ان کی جلاوطنی گوارا کر سکتے تھے۔ مگر موت کے گھاٹ اتارنا نہیں پھر بھی ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ نہ معلوم کتنوں کا خون بہایا۔ اور یہ خون ہمیشہ ان کے سر پر سوار رہتا تھا۔ اور مقتولین کا غم ان کو ہمیشہ ستایا کرتا تھا۔ اسی غم کو غلط کرنے کے لئے انہوں نے اپنی عمر کا آخری حصّہ حرم سرا میں۔ کنیزوں اور رقاصاؤں کی صحبت میں گزارا۔ وہ محل کی مہ جبینوں اور نازنینوں کے جھرمٹ میں اس غم کو جس کی تلافی ممکن نہ تھی بھلا دینا چاہتے تھے۔ شراب نوشی حد سے زیادہ شروع کر دی تھی۔ مگر یہ بھی اس درد کا درماں نہ بن سکی جو مظالم۔ سختیاں۔ بے رحمیاں کر چکے تھے وہ دل کا چین اور راتوں کی نیندیں اڑانے کو کافی تھا۔ مقتولین کی آہ و بکا ان کے دل و دماغ ہوش و حواس کو کھو دینے کے لئے کافی تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بڑی حد تک جذبات پر اقتدار کھو بیٹھے۔ پوری پوری راتیں جاگ کر کاٹ دیتے۔ اور سوتے تو چیخیں مار کر اٹھ بیٹھتے۔ ملازمین اور وزراء کو اسی وقت طلب کرتے۔ جیسے کوئی بڑی مہم درپیش ہو جیسے کسی اہم بات پر مشورہ کرنا ہے۔ جب وہ لوگ پہنچتے تو یا تو وہ سو چکے ہوتے یا بھول چکے ہوتے کہ ان لوگوں کو کیوں بلایا گیا ہے۔ لوگ سمجھنے لگے کہ شاہ مخبوط الحواس ہو چکے ہیں۔ ناچ رنگ کے علاوہ کسی چیز میں مزا ہی نہ آتا تھا۔ شراب ناب و کباب سے ذوق کر کے غم دنیا و مافیہا غرق کر دینا چاہتے تھے۔ غم تھا کہ سر پر سوار اس طرح سے آخری عمر کے چار سال گزرے اور اسی کیفیت میں ۲۰۶ھ میں جان کو خدا کے سپرد کر دیا۔

سرحدی علاقوں پر جو معرکہ آرائیاں حکم نے کیں ان کا بھی کچھ خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔ اس میں کچھ تو حکم ہی کی تساہلی شامل تھی۔ کچھ سرحدی علاقے کے گورنر نیک نیت نہ تھے۔ شارلیمین کی فوجوں نے دوبارہ طرطوشہ Tortosa کا محاصرہ کیا اور دونوں بار ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ یہ عربوں کی بدقسمتی تھی کہ انہوں نے اہلیان فرانس کی بزدلی اور نکمے پن سے مکمل فائدہ نہ اٹھایا گو تھک مارچ جیسی نوزائیدہ ریاست کا جوش و خروش بھی زیادہ دن قائم نہ رہ سکا۔ نئے جاگیردار لفنگے اور

اُچکّے قسم کے لوگ تھے جو انسانیت آداب ۔ اخلاق ۔ ہر چیز سے بے بہرہ تھے ۔ ان کا رویہ ریت سے کچھ ایسا جابرانہ اور غیر مدبرانہ تھا کہ لوگ اپنے گھروں کو چھوڑ کر وہاں آنے پر پچھتائے حکم ہی اگر ذرا سی دور اندیشی ہوتی تو اس وقت ایک زور لگا کر اس ریاست کی ساری طاقت ختم کر دیتے۔ خصوصاً جبکہ ان لوگوں کو فرانسیسیوں سے کوئی عملی مدد ملنے کی خاص اُمید نہ تھی ۔ اور فرانسیسی ان کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتے تھے ۔ کیونکہ ان کے جاری کردہ احکامات ۔ قوانین اصول گوتھک مارچ کے خود سر جاگیرداروں نے نافذ ہی نہیں ہونے دیئے تھے ۔ ان دونوں کے تعلقات کی ناخوشگواری سے اگر کسی کو فائدہ پہونچ سکتا تھا تو مسلمانوں کو مگر خدا جانے حکم کس گوشت و پوست ۔ فہم و تدبر کے بنے ہوئے تھے ۔ کہ مسلمانوں کے عام فائدہ کو کبھی کوئی وقعت دیتے ہی نہ تھے ۔ مرنے سے کوئی تین سال پہلے انہوں نے شارلیمین سے ایک دوستانہ معاہدہ کر لیا جس سے فرانسیسیوں کی طرف سے جارحانہ کارروائی ختم ہو گئی ۔ انہوں نے اسی کو غنیمت سمجھا اور گوتھک مارچ والوں کو اسی لئے نہ چھیڑا کہ کہیں مذہب کا جوش فرانس کے عیسائیوں کو ان کے خلاف نہ ابھار دے اور معاہدہ کی خلاف ورزی ہو جائے ۔

حکومت الیسٹریاس اور جلیقیہ سے بھی جو چھیڑ ہوئی ۔ اس میں بھی مسلمانوں کو کوئی مستقل فائدہ نہ حاصل ہو سکا ۔ حکم کبھی خانگی انتشار کو دور کرنے کبھی بیرونی حملہ آوروں کی مدافعت کرنے میں اس طرح مستغرق رہے کہ کوئی خاص توجہ ان عیسائی چھوٹی ریاستوں کی طرف نہ دے پائے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے ۔ اور وہ بڑھ بڑھ کے مسلمانوں کی حدود پر چھاپہ مارنے لگے ۔ کبھی کوئی کارروائی ان کے خلاف کی گئی تو وہ دب گئے مگر شاہی فوجوں کے واپس ہوتے ہی پھر شیطانی پر تل گئے ۔ اے کاش حکم ایک بار بھی پوری طرح سے ان کی خبر لے لیتے تو ان کی ساری شیخی نکل جاتی ۔ گوتھک مارچ ۔ قوم باشنکس ۔ اور فرانسیسیوں سے مل جل کر انہوں نے اپنی پوزیشن اور مضبوط ہی کر لی ۔ انہوں نے اپنی حدود بھی بڑھانی شروع کر دیں ۔ اور سپاہیوں کی تعداد میں بھی اضافہ کرنے لگے ۔ وہ منظم ہوتے گئے مضبوط ہوتے گئے ۔ اب باقاعدہ ان کے بادشاہ ہونے لگے ۔ ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کی تاجپوشی ہونے لگی ۔ انہیں بادشاہوں میں سے سب سے اولوالعزم اور نامور الفانسو دوم Alfonso ہوا جس کو چیسٹ Chaste یعنی متقی کا خطاب دیا گیا ۔ یہ اہلیان کلیسا کا مذاق تھا اس کے ساتھ وہ بھی محض اسلئے کہ اس کی زندگی کا زیادہ حصہ مسلمانوں سے لڑتے اور جنگ کرتے ہی گزرا تھا ۔ ویسے تو وہ نااہل بھی تھے نالائق

Marfat.com

...ہی اور ایک مضبوط نظام قائم کرنے میں تو بالکل ہی ناکارہ۔ مگر مسلمانوں کے خلاف اپنی مطلب برابری کے لئے وہ ہر چال چل سکتے تھے۔ ہر مکاری کو کام میں لا سکتے تھے۔ دوستی پیدا کرنے ...مدد حاصل کرنے اور مفاہمت کرنے کے سلسلہ میں وہ گری سے گری حرکت بھی کر سکتے تھے۔ شاہ یمین کے حضور جو آداب انہوں نے برتے وہ صرف ایک معمولی امیر یا ملازم ہی برت سکتا تھا۔ سجدے انہوں نے کئے۔ گھٹنے انہوں نے ٹیکے۔ تحفہ جات انہوں نے بھیجے۔ اور اس طرح سے انہوں نے ایسٹریاس کی گئی گزری حالت کو سنوار دیا۔ اور وہ دھکا جو اس کے بھائی مارگیٹو Margatine بن الفانسو اول کی کم ہمتی اور چھوربن سے پہنچا تھا۔ اس کی تلافی کر ڈالی۔ اس الفانسو اول کے ملیبی بیٹے مارگیٹو نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔ امیر اندلس کے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کے لئے اس نے اس کی ہزاروں خوشامدیں کیں۔ منت سماجت کی۔ غلاموں سے زیادہ فرمانبردار رہا۔ لازموں سے زیادہ جاں نثار رہا۔ حتیٰ کہ ہر سال سو کنواری خوبصورت عیسائی نازنینوں کو بطور خراج دینا بھی منظور کیا۔ کہ اس سے زیادہ شرمناک اور اخلاق سوز حرکت کیا ہو سکتی ہے۔ لر اس کا سوتیلا بھائی الفانسو دوم مختلف قسم کا انسان نکلا اس نے تو اس حد تک جوانمردی ...ثبوت دیا کہ ڈورو اور ٹیگس تک فوجی چھاپے مارے لسبن Lisbon جیسے دولتمند شہر کو لوٹا اور مسلمانوں کو کبھی اپنے مملکت میں گھسنے یا قبضہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ لوٹ مار جنگ جدال سے جب فرصت پائی تو اپنے علاقے میں نئے کلیسا بھی تعمیر کرائے عیسائیت کی اشاعت بھی کی۔ پادریوں کو بڑی عزت وعظمت دے کر تبلیغ مذہب پر آمادہ کرایا۔ از سر نو خانقاہوں کی تعمیر ہوئی اور عیسوی دین کو ترقی دینے کے سلسلے میں انہوں نے پادری اور پروہت سے بے بنیاد افسانے بھی گھڑے۔ مثلاً یہ مشہور کر دیا کہ سینٹ جیمس ST. James نے اپنا جلوہ آسٹریا کے مقام پر دکھلایا اور بتلایا کہ وہ وہیں مدفون ہیں۔ اور پھر فرشتوں نے ان کی قبر کی مرمت کی بھی —— لیجئے جلدی سے وہاں ایک مقبرہ بن گیا اس کے قریب کلیسا بھی تعمیر پا گیا۔ خانقاہ بھی تیار ہو گئی اور رفتہ رفتہ وہ ایک متبرک مقام بن گیا۔ لوگ زیارت کو آنے لگے دور دور سے۔ تبرک اور نذریں چڑھانے لگے۔ ان مذہبی دیوانوں کے لئے دکانیں بنیں مکانات بنے۔ سرائے بنیں اور دیکھتے دیکھتے شہر آباد ہو گیا۔ اور اس کا نام ... یا گو ڈی ... Jagodi compostella sain یا سینٹ یا تو وہ پڑا۔ اس شہر نے بڑی جلدی مرکزیت حاصل کر لی۔ آئندہ جلیقیہ (Galicia) کا بھی دارالسلطنت قرار پایا۔ اور عقیدہ تمدن اور

کا ملجا و ماویٰ بن گیا۔ ایک بڑے سے گرجا کی بنیادیں اب بھی وہاں موجود ہیں۔ نیا گرجا ۱۸۲۱ء میں بنا۔ اور سینٹ جیمس کا مجسمہ ٹاؤن ہال کے پاس نصب کیا گیا۔ اور یہ سب کچھ حکم کے دورِ حکومت میں ہوا الحکم کے علم میں ہوا اور اس کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ ان کی عاقبت نااندیشی نے آگے چل کر مسلمانوں کو کس قدر نقصان پہنچایا۔ اس سے ہر بصیرت افروز واقف ہے۔

پھر بھی الحکم یاروں کے یار تھے۔ دوستوں کے دوست۔ جان نثاروں کے جان نثار۔ ادیبوں، فلسفیوں۔ اور شاعروں سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی موقع بے موقع سرپرستی فرمایا کرتے تھے خود بھی بہت اچھے شاعر تھے۔ ان کے مزاج میں تھوڑا بہت تذبذب ضرور تھا۔ مگر وقت نزاکت وہ اپنے ارادوں کے مالک بن جاتے اور قابلِ تحسین حد تک مستقل مزاجی کا ثبوت دیتے وہ خود اپنے ہی شعروں میں اپنی حالت کا خاکہ کھینچتے۔

"جس طرح درزی کی سوئی مختلف کپڑوں کو جوڑ دیتی ہے۔ اسی طرح سے میں نے بھی اپنے غیر متحد اور الگ الگ صوبوں اور علاقوں کو ایک لڑی میں پرو دیا ہے۔ تخت نشینی کے بعد جو چیز مجھے سب سے زیادہ شاق گزری تھی۔ وہ سلطنت کا انتشار تھا۔ میری سرحد پر جاؤ اور پوچھو کہ کیا کوئی حصہ دشمنوں کے قبضہ میں ہے۔ جواب ملے گا نہیں۔ لیکن اگر کسی نے کہہ دیا کہ 'ہاں' تو پھر میں برہنہ شمشیر اور جنگی لباس پہنے وہاں جا دھمکوں گا۔ باغیوں کی کھوپڑیوں سے جو میدانوں میں گئی سورج کی تمازت میں چمک رہی ہیں کہیں نے ان کو بغاوت سے روکا اور جب نہیں مانیں تو یہ حشر ہوا۔"

کچھ شاعری کچھ مبالغہ۔ کچھ حقیقت۔ یہ اشعار عہدِ حکم کے آئینہ دار ہیں۔

Marfat.com

باب (۲۹)

عبدالرحمٰن ثانی بن الحکم اوّل

مئی ۸۲۲ء تا ۸۵۲ء

ذی الحجہ ۲۰۶ھ تا ۲۲۶ھ

الحکم کے انتقال کے بعد عبدالرحمٰن ۳۱ سال کی عمر میں تخت اندلس پر متمکن ہوئے۔ وہ تخت پر کیا بیٹھے لوگوں نے محسوس کیا کہ دور تاریکی پر روشنی مسلط ہو گئی ہے۔ ظلمت پر نور چھا گیا ہے۔ ہیبت و نکبت کے بادل چھٹ گئے ہیں۔ اور اس کی جگہ امن و عشرت کا زمانہ آ گیا ہے۔ ہر طرف خوشی کے نقارے بجے۔ ہر طرف مسرت کے شادیانے بجے۔ رعایا نے گھی کے چراغ جلائے۔ عوام نے پھولوں سے مکان سجائے۔ بچوں نے جی کھول کر نعرے لگائے۔ بزرگوں نے دعائے خیر کی۔ اور یوں جذباتِ تشکر و انبساط سے عبدالرحمٰن الاوسط کا خیر مقدم کیا گیا۔

۳۱ سال کی عمر ایسی کونسی بڑی عمر ہوتی ہے۔ جوانی کا ہی زمانہ کہلاتا ہے۔ مگر اس جوانی کے زمانے میں عبدالرحمٰن کو بوڑھوں کی سی عقل۔ فہم۔ تدبر۔ اور تجربہ آ گیا تھا۔ سیاسی چالبازیوں، ملکی کارروائیوں۔ فوجی مہموں اور رعیت کی خوشنودیوں کے لئے جس تجربہ اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ ان میں اس کچی عمر میں پیدا ہو گئی تھی۔ رعایا پر خاص نظر عنایت۔ فقیہہ پر مخصوص توجہ علماء پر نگاہِ کرم۔ ادبا و شعراء کی سرپرستی۔ یہ سب کچھ وہ اپنے دورِ ولیعہدی ہی سے شروع کر چکے تھے اور جس کی وجہ سے وہ عوام الناس کے محبوب اور چہیتے ہو چکے تھے۔ ان کی لسانی۔ ان کی ادبی لیاقت۔ حسن صورت حسنِ سیرت۔ اطوار و عادات۔ نیک و پُر لطف کلمات۔ خوش اخلاقی۔ اور دوست نوازی پہلے ہی

Marfat.com

لوگوں کے دل موہ لینے اور ہر دلعزیزی کا سبب بن چکی تھی ۔ جو جنگیں انہوں نے اپنے باپ کے زمانے میں لڑیں تھیں اور ظفریابی حاصل کی تھی ۔ اس سے لوگ ان کو "مظفر" کہنے لگے تھے ۔ اور آئندہ تو ان کی بہت سی توقعات ان سے وابستہ تھیں ۔ ان کی سخاوت القلبی فیاض نظرت مسکینوں اور بیواؤں کی خدمت نے پہلے ہی لوگوں کو انہیں " ابوالمساکین " پکارنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ الحکم کے آخری زمانے میں تو تقریباً سارا انتظام سلطنت اور انصرام ملکی ان کے ہاتھ میں تھا ۔ جس کو انہوں نے بحسن و خوبی انجام دیا تھا ۔ ان کے باپ تو بس جسمانی لذات اور دماغی عیش حاصل کرنے میں مصروف تھے ۔ اور یہ تمام ذمہ داریاں ۔ جملہ امورِ سلطنت اور کاروبارِ مملکت سنبھالنے پر تلے ہوئے تھے ۔ اور سنبھال کر ہی رہے ۔ یہی وجہ تھی کہ چھوٹی عمر کے باوجود ان میں بہت زیادہ دانشمندی ۔ عاقبت بینی ۔ فرض شناسی ۔ شرافت نفسی ۔ اور بلند اخلاقی پیدا ہو گئی تھی ۔ ان کی زبان میں خدا نے بڑی چاشنی، ان کے کلام میں قدرت نے بڑی لطافت پیدا کر دی تھی ۔ وہ نہایت روانی سے فصیح و بلیغ تقریر کرتے تھے ۔ اور انداز تخاطب اس قدر نفیس اور پُر اثر ہوتا تھا کہ لوگ بے ساختہ گرویدہ ہو جاتے تھے ۔ اور خدا کا شکر ادا کرتے تھے کہ اس نے ایسے لائق و قابل شخص کو ان کا والی اور رکھوالا بنایا ۔

عبداللہ کی بغاوت سلیمان اور اس کے بھائی عبداللہ نے فتنہ و شر کا بازار اپنے چھوٹے بھائی ہشام اور اس کے بعد بھتیجے حکم کے زمانہ میں بھی گرم رکھا مگر ہمیشہ منہ کی کھائی ۔ سلیمان تو اپنے بھتیجے کے زمانے میں اسی سرکشی کی بنا پر مارا گیا ۔ مگر عبداللہ کی جان بخشی کی گئی ۔ اور اندلس سے جلاوطنی کا حکم ملا ۔ یہ بڈھا ابھی تک تنجیر Tangiers میں بیٹھا لطفِ حیات و عیش زندگی حاصل کر رہا تھا ۔ اس نے جو کمسن پوتے کو تختِ اندلس پر براجمان دیکھا تو ایک بار پھر رگِ شرارت بھڑکی اور اسپین پر اپنا حق اپنی بزرگی کی وجہ سے جتلانے چلا ۔ اس کو اس مرتبہ بھی اپنی ذات اور اپنے حامیان کی ذات سے بڑی خوش فہمیاں وابستہ تھیں ۔ ان کے تین بیٹے ابھی تک اندلس ہی میں تھے اور اچھے اچھے عہدوں پر مامور تھے ۔ ان کے اثر ۔ رسوخ اور شخصیت سے اس کو بہت فائدہ پہنچنے کی اُمید تھی ۔ مگر یہ اُمید موہوم ثابت ہوئی یہ خوش فہمی محض خوش فہمی رہی اور اس کی توقعات کو ایک بار پھر بُرا دھکا پہنچا ۔ جیسے ہی وہ ساحل اندلس پر اُترے اور بانیٔ سلطنت کے بیٹے ہونے کی وجہ سے اندلس پر اپنے حق کا دعویٰ بلند کیا ۔ عبدالرحمٰن کے مدافعتی دستوں نے وہ چوٹ پہنچائی کہ بڈھا سٹ پٹا کر رہ گیا ۔ بھاگ کر بلنسیہ میں پناہ لی

بیٹوں سے مدد کی درخواست کی۔جو صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔البتہ ان لوگوں نے مصالحت کرا دینے کی اُمید بندھائی۔عبداللہ نے طوعاً کرہاً اسی کو غنیمت جانا۔پوتے کے حق کو تسلیم کر لیا۔اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔معاوضہ میں ان کو مرسیہ کی ولایت بخش دی گئی۔

شاہ گوتھک مارچ کا خروج

یہ گوتھک مارچ کی ریاست جو فرانسیسوں کے ایما ء اور شہ پر سرحد اندلس پر قائم ہو گئی تھی۔رفتہ رفتہ کافی مضبوط اور مستحکم ہو گئی۔ان کی ہمتیں اتنی بڑھیں کہ وہ اپنی پچھلی شکستوں اور ناکامیوں کا بدلہ لینے کے لئے مسلمانوں کے شہروں اور علاقوں پر خروج کرنے لگے۔عبدالرحمٰن ثانی کی سلطنت کا آغاز ہی تھا اور اسی نئی ریاست کا بادشاہ برن ہارٹ **Burnhart** تسلیم کیا گیا۔یہ ولیم کاونٹ آف ٹوُلوس کے بیٹے تھے۔شاہ لوئی نے گوتھک مارچ کے پہلے حاکم کو خائن اور نمک حرام ہونے کی وجہ سے علیحدہ کر دیا تھا۔اور اسے فوجی عدالت کے سپرد کر دیا تھا کہ اس کی بدتمیزیوں کی سزا دے۔تخت خالی نہ چھوڑا جا سکتا تھا۔سوچا یہ گیا کہ ایسے شخص کو حاکم بنایا جائے کہ اوّل تو جس کی رگوں میں اسپین ہی کا خون ہو۔دوئم وہ اس علاقے کا محبوب بھی ہو۔اور عوام کو اس دھوکے میں مبتلا رکھ سکے کہ ایک دن وہ وزی گاتھ کی لُٹی پِٹی حشمت کو پھر تازہ کر دے گا اور اس شان و شوکت کو دوبارہ بحال کر دے گا۔اسی نظریہ کے تحت برن ہارٹ کو تخت نشین کیا گیا۔اور کاؤنٹ آف برسلونہ کا خطاب عطا کیا گیا۔اس نے ایک ریاست کے مالک ہونے کے زعم میں اور اپنی قوت اور اولوالعزمی کے مظاہرے کے جوش میں مسلمانوں کے حدود پر حملہ کر دیا۔اور دریائے سیگرہ (**Segre**) تک چھاپے مارتے ہوئے بہت سا علاقہ روند ڈالا۔بہت سے مسلمان قیدی بنا لئے۔

عبدالرحمٰن بھلا یہ خروج کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ان ہمتوں کو کہاں مہمیز لگنے دے سکتے تھے۔عبداللہ کی سرزنش کو جو فوج تیار کی گئی تھی۔اس کو استعمال کرنے کا موقع ہی نہ ملا تھا۔اور اب اس سے زیادہ اچھا موقع کون سا ہو سکتا تھا۔فوجیں اسی سمت کوچ کرنے لگیں۔آگے آگے ان کے وزیر اعلیٰ یعنی حاجب عبدالکریم بن عبدالواحد فوج لے کر چلے۔پیچھے عبدالرحمٰن وہ تمام علاقے جن پر ابھی کچھ دن پہلے برن ہارٹ نے قبضہ کر لیا تھا۔واپس لے لئے گئے۔پھر برسلونہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔اتنے میں عبدالرحمٰن بھی اپنی فوجوں کے ساتھ پہنچ گئے۔اس سے فوجیوں کی ہمتیں دوچند ہو گئیں۔عیسائیوں کے دل کھلا کر رہ گئے۔مسلمان فوجیں ہر چہار طرف پھیل گئیں۔اور گوتھک مارچ کا بہت سا علاقہ قبضا لیا۔عیسائیوں کو ہر معرکہ میں سخت پسپائی اور شرمندگی اُٹھانا پڑی۔

جان بچانے کی خاطر وہ کوہستانی علاقے میں گھس گئے۔ دروں اور غاروں میں چھپ گئے۔ یہاں بھی ان کا پیچھا کیا گیا۔ چن چن کر قتل کیا گیا۔ عام رعایا تو بہت ہی خوفزدہ ہو گئی خصوصاً وہ فرانسیسی جو محض دولت وعزت کے لالچ میں اپنا گھر بار چھوڑ کر اس نئی ریاست میں آبسے تھے سخت ہراساں اور پشیمان ہوئے۔ سرکشوں کو لرزہ دینے والی سزائیں دی گئیں۔ باغیوں کی خوب جی کھول کر مرمت کی گئی۔ مگر مجموعی طور پر اس حملہ سے کوئی خاص فائدہ نہ نکلا۔ برسلونہ یونہی عیسائیوں کے قبضہ میں رہا۔ ریاست جوں کی توں قائم رہی البتہ تھوڑی بہت سرزنش ضرور کر دی گئی۔ کڑی کڑی سزائیں دیدی گئیں جنہیں لوگ جلد ہی بھول گئے۔ اور پھر شرارت پر کمربستہ ہو گئے۔

مختلف سفارتیں

امیر عبدالرحمٰن کی دولت وثروت۔ جاہ وحشمت کی داستانیں حدود اندلس سے نکل کر دور دور جا پہنچیں تھیں۔ ان کی عظمت کا سکہ بہت سے دلوں میں بیٹھ چکا تھا۔ ان کی سطوت کا شہرہ نہ جانے کہاں کہاں تک ہو چکا تھا۔ اغلباً اسی عظمت کے باعث شاہ اندلس سے متاثر ہو کر بزنطینی حکومت Byzantine Empire کے شہنشاہ میکائیل Michael نے جو بوجہ لکنت زبان ہکلے بھی کہلاتے تھے۔ شاہ اسپین کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ایک بہت بڑی سفارت مختلف النوع تحفہ تحائف کے ساتھ جس میں عربی النسل تیز رو گھوڑے جن کے ساز چاندی سونے کے تھے۔ جن کی نعلیں بھی بیش قیمت دھاتوں کی تھیں۔ اور جن کی سجاوٹ دیکھ کر عقلیں حیران ہو جاتی تھیں۔ روانہ کی۔ اس سفارت کا مقصد اندرونی طور پر صریحاً سیاسی مصلحت تھا کہ مسلمانوں اور رومیوں کا اتحاد۔ مگر عبدالرحمٰن نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ان کا استقبال شاہانہ اعزاز کے ساتھ کیا گیا۔ جب وہ قرطبہ میں داخل ہوئے تو دورویہ جم غفیر نے کھڑے ہو کر ان کی آمد پر اظہار مسرت کیا۔ جب وہ محل کے قریب پہنچے تو فوجی سپاہیوں نے زرق برق وردیاں پہن کر ہتھیار سجا کر تلواریں ہاتھ میں لے کر ان کا استقبال کیا۔ اور جب وہ محل میں داخل ہوئے تو ان کی آنکھیں یہ دیکھ کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں کہ وہاں تکلف وتواضع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا گیا تھا۔ آرائش میں یورپی اور شرقی دونوں قسم کی اشیاء کی نمائش تھی۔ سجاوٹ میں ہر قسم کی شان اور شوکت برتی گئی۔ بہت ہی پر تکلف اور نفیس انداز میں ان کا خیر مقدم ہوا۔ بادشاہ نے بھی مسکراتے ہوئے چہرے سے ان کو خوش آمدید کہا۔ جب تحفہ جات پیش ہوئے تو قیمتی ہونے کے باوجود محیر العقول نہ تھے مگر شاہ نے بہ ہر انداز تعجب اور مسرت دونوں کا اظہار کیا۔ اور جب

Marfat.com

یہ سب رسمیں ختم ہوگئیں۔ یہ سفیر جلوت سے خلوت میں پہنچے تو حرفِ مدعا زبان پر لائے۔

بزنطینی حکومت کی بنیادیں چھٹی صدی ہی سے اکھڑنا شروع ہوگئیں۔ ساتویں اور آٹھویں صدی تک تو ان کی حالت بہت ہی ابتر ہوگئی تھی۔ ان کی طاقت کا بالکل ہی دیوالہ نکل گیا تھا۔ مسلمانوں نے ان کو اتنی چوٹیں پہنچائی تھیں کہ ان کی ساری ہمتیں جواب دے کر رہ گئی تھیں۔ سارے قومی افسردہ ہو کر رہ گئے تھے۔ ہر چوٹ پر وہ بھنا کر رہ جاتے۔ بگاڑ کچھ نہ سکتے تھے۔ اور اب تو خلافت عباسیہ ان کا ناک میں دم کئے ہوئے تھی۔ اور وہ ہزیمتیں پہنچا رہی تھی کہ اللہ کی پناہ۔ اسی عباسی قوت کو دھکا پہنچانے کے لئے میکائیل نے عبدالرحمٰن سے ساز باز کرنے کی سوچی اور اس کی مدد کا سہارا لینا چاہا۔ سفیروں نے اپنی طاقت اور قوت کے بڑے بڑے دعوے مبالغہ آمیزی سے کئے۔ اور بادشاہ کو اموی طاقت واپس دلانے کے بعد بغداد میں خلافت بنی امیہ قائم کرنے کے خوب خوب سبز باغ دکھلائے۔ بزنطینی حکومت کی طرف سے ہر قسم کی مدد کے وعدے کئے تھے بادشاہ کے ساتھ جاں نثاری اور سرفروشی کے عہد باندھے۔ مگر عبدالرحمٰن اتنا نادان نہ تھا کہ ان کی باتوں کی تہہ میں نہ پہنچ جاتا۔ وہ بھی بڑا مدبر اور سیاست دان تھا۔ ٹکا سا جواب دینا خلاف مصلحت تھا۔ اس لئے اس نے میکائیل کے اس جذبۂ خلوص یگانگت اور محبت کو بنظر استحسان دیکھا۔ ان کے اخلاص اور اخلاق کی قدر کی۔ اس اعانت اور امداد کا بے انتہا شکریہ ادا کیا اور اس اسکیم کو قابلِ عمل بنانے کا پورا وعدہ کیا مگر تعین وقت و زمان نہ کیا۔ وقت ملتے ہی اور حالات سازگار ہوتے ہی بغداد پر حملہ کرنے کی ٹھانی اور اسی وقت شاہ بزنطینی سے تیار رہنے اور معاونت کرنے کا اقرار لیا۔ پھر اپنی جانب سے بھی میکائیل کی خدمت میں گزارنے کے لئے بیش بہا اور لاجواب تحفہ منتخب کر کے بھیجے۔ بڑے راز دارانہ اور محبتانہ پیام سفیروں کے ہاتھ روانہ کئے اور یحییٰ الغزالی خوش رو۔ خوش گلو۔ خوش اخلاق اور خوش وضع شاعر۔ سیاح اور خطاب کو بھی سفراء کے ہمراہ بھیجا کہ بادشاہ کا شکریہ عبدالرحمٰن کی طرف سے بطور خاص ادا کرے۔ اور اس کے اخلاص اور محبت کا یقین دلائے۔

مورخین کا اس بارے میں اختلاف رائے ہے کہ عبدالرحمٰن نے بزنطینوں کے ساتھ کوئی مضبوط عہد اور پکا وعدہ اس لئے نہیں کیا کہ وہ ایک مسلمان حکومت کے خلاف عیسائی حکومت کو کوئی مدد نہیں دینا چاہتا تھا۔ یا خود اس کے اندرونی حالات اور فتنہ و فساد نے اتنی مہلت نہ دی کہ اپنے آباؤ اجداد کی سلطنت اور امویوں کی خلافت ایک بار پھر مشرق میں قائم کر دیتا۔ کچھ بھی ہو۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن نے فوری طور پر نہ کوئی مدد روانہ کی نہ مدد بھیجنے کا وعدہ کیا، نہ حملہ کرنے کی تیاریاں کیں۔ بلکہ بہ لطائف الحیل سفارت کو ٹال دیا۔

اس کے بعد ہی ایک دوسری سفارت آپہنچی۔ یہ ایک نوزائیدہ عیسائی ریاست نوار Navarre کے حاکم کی طرف سے بھیجی گئی تھی۔ اس نئی ریاست کا کہ جس کو قائم ہوئے چند ہی روز گزرے تھے۔ بلحاظ آبادی و رقبہ اندلس کے ایک چھوٹے سے شہر کے برابر تھی۔ مگر بہ انداز اہمیت اپنا جواب نہیں رکھتی تھی۔ یہ حدود شرقی میں بالکل سرحد پر واقع تھی۔ اور کوہ پائرنس سے اس کی حدیں ملتی تھیں کہ جہاں سے فرانسیسی اور بیرونی حملہ آور اکثر گزر کر اندلس میں خون خرابہ کیا کرتے تھے۔ اس مختصر مگر اہم ریاست کے دوست بن جانے کے معنی تھے کہ ان حملوں کی روک تھام انہیں کے ذریعے سے ہو جایا کرے گی۔ اور مسلمان فوجیں رکھنے یا بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑا کریگی اس کے علاوہ ان حدود پر جو فوجی چوکیاں اور قلعہ بنائے جاتے تھے اور وہاں فوجیں رکھی جاتی تھیں ان کے خرچ سے بھی نجات مل جائے گی۔ یہ ریاست نوار اصلیت میں شاہ فرانس کی باجگزار تھی۔ اور اس کی آمدنی بادشاہ کے مصرف خاص میں آتی تھی۔ اپنا مفتوح اور خدمت گزار علاقہ سمجھتے ہوئے شاہ فرانس کی چیرہ دستیاں وہاں کے باشندوں پر بہت بڑھ گئی تھیں اور زرطلبی کی خاطر اس نے ان کو بہت پریشان کرنا شروع کر دیا تھا جب محل کا خرچ بڑھ جاتا نوار پر خراج زیادہ کر دیا جاتا۔ جب کوئی خاص جشن یا رسم منانا ہوتی اخراجات نوار والوں سے پورے کرائے جاتے تھے جہاں تک وہ لوگ برداشت کر سکتے تھے۔ چپ رہے انکار نہ کیا۔ مگر جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو اس بیجا مطالبہ اور ظلم و ستم کی روک تھام کرنے کے لئے کسی دوسری بڑی طاقت کا سہارا لینا لازمی تھا۔ سے دیکھے نظر اگر کہیں پڑ سکتی تھی تو دربار قرطبہ پر لہٰذا وہیں دوستی کی خاطر اعانت کی خاطر سفیر روانہ کر دیئے گئے۔

اپنے عادات و اطوار اور آداب و تہذیب کے بہ لحاظ یہ سفیر بزنطینی حکومت کے سفیروں کے ہم پلہ نہ تھے۔ نہ ان میں ان کی سی شان و شوکت تھی نہ وہ رعب و دبدبہ۔ مگر ان کی نیتیں ضرور صاف تھیں۔ ان کے ارادے نیک تھے۔ عبدالرحمٰن نے ان کی تعظیم و تکریم عزت و حرمت میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ہر چند کہ ان کا استقبال اس قدر شاندار طریقہ سے نہیں ہوا۔ جتنا کہ پہلے سفیروں کا مگر ان کی خاطر تواضع میں حتی الامکان تکلف برتا گیا۔ ایک معاہدہ تحریر پایا جس کی رو سے نوار کے اندر کوئی خلفشار پیدا ہو یا باہر سے کوئی طاقت حملہ کرے تو مسلمان ہر قسم کے مدد دیں گے۔ اس کے

Marfat.com

عوض میں اگر مسلمان فوجیں پائرنیس کے درروں سے گزر کر فرانس پر حملہ آور ہوں تو اہل نوار مزاحمت نہ کریں گے۔ اور اگر مسلمان علاقوں پر بیرونی حملہ ہوگا تو یہ لوگ بھی مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدافعت کریں گے۔ ادھر یہ معاہدہ ضابطہ میں آیا۔ ادھر اس کے اوپر عمل پیرا ہونے کا بھی وقت جلدی ہی آگیا۔

لوئی اہل نوار کا یہ رویہ بھلا کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ فوراً دو فوجیں کاونٹ ابلوس Count Eblus اور کاونٹ اسی نیری Count aseniaris کی سرکردگی میں نوار والوں کے ہوش ٹھکانے لگانے بھیجی گئیں۔ اپنی باجگزار ریاست کو روندتی ہوئی یہ فوجیں اندلس کے علاقوں میں بھی گھس آئیں۔ پمپلونہ Pampelona پر حملہ کردیا۔ اس کو لوٹ کھسوٹ کر قبضہ کر لیا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد مسرور و شاداں۔ مغرور و نازاں فرانس واپس جانے لگے۔ جب رون سس ویلی Tonces wallee سے پیشتر ہو چکا تھا۔ دروں اور تنگ راستوں سے نکل کر عیسائیوں اور ان کے مددگار مسلمانوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ گھر کے رہ گئے۔ نہ کھلے میدان میں بھاگنے کی اُمید تھی نہ ان تنگ و تاریک راہوں میں بچنے کی توقع بھیڑ بکری کی طرح ذبح ہوئے۔ گاجر مولی کی طرح کٹے۔ جو بچ گئے وہ قیدی بنا لئے گئے ان میں وہ دونوں سپہ سالاران فوج کاؤنٹ بھی تھے جو قیدی کی حیثیت سے مسلمانوں اور نواریوں میں تقسیم ہوئے اور بری دُرگت بنی۔ فرانسیسی فوجوں کا جو یہ حشر ہوا تو ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ مگر اہلیانِ نوار کے دلوں میں نئی اُمنگیں پیدا ہوگئیں۔ انہوں نے اپنی مطلق العنانی کا اعلان کر دیا۔ اور بہت عرصہ تک آزادانہ طور پر حکومت کرتے رہے۔ آخر میں حاکم الیتریاس ان پر قابض ہو گئے اور بعد میں فرانسیسیوں نے مستقل طور پر ان کو اپنے اندر مدغم کر لیا۔

سرحدی علاقوں پر حملہ

بیرونی حملہ آوروں کو جو یہ ہزیمت ہوئی تو کچھ عرصہ کے لئے ان کی جارحانہ کارروائی رُک گئی۔ مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ سرحدی علاقوں کے نمک حراموں کی گوشمالی کریں۔ یکے بعد دیگرے تین مہمیں عبید اللہ بن عبد اللہ بلنسی (بلنسیہ کے رہنے والے تھے) کی ماتحتی میں روانہ کی گئیں ۲۱۴ھ میں ان فوجوں نے سرحد پر بڑا کشت و خون مچایا۔ بہت سے قلعے عیسائیوں کے زمین دوز کر دیئے گئے۔ کتنے ہی نئے گرجا گرا دیئے گئے۔ وہاں کی رعایا پر ایک بڑی رقم تاوانِ جنگ کی عائد کی گئی جس کی وصولیابی شدت سے کی گئی۔ تمام مسلمان قیدیوں کو رہائی دلائی گئی۔ اور ان کی زمینیں اور جائدادیں واپس دلائی

گئیں۔ پھر بھی کوئی مستقل اور دیرپا نتیجہ نہ نکلا۔ ادھر مسلمان سپاہیوں کی پیٹھ پھری ادھر عیسائی پھر وہی شرارتیں کرنے لگے۔ ان کے نہ کسی چپہ پر قبضہ کیا گیا۔ نہ کسی علاقے کو فتح کر کے مملکت اسلامی میں شامل کیا گیا۔ نہ ان کے کسی شہر کو چھینا گیا تھا۔ رہ گیا۔

یہ کشت و خون یہ مار دھاڑ تو یہ تو ہوتا ہی رہتا تھا لوگ اس کے عادی تھے۔ اور جلدی ہی ان نقصانات کو بھول جاتے تھے۔

الفانسو دوم نے ایک بار پھر میڈنا سالم Medina cellim پر حملہ کیا مگر اس کی مدافعت کے لئے فوراً فرتون بن موسیٰ Firton bo Mosa کو بھیجا۔ عیسائیوں کو سخت پسپائی ہوئی اور نامراد واپس لوٹنا پڑا۔

فرتون کی فوجیں بڑھتے بڑھتے برسلونہ تک پہنچ گئیں۔ مگر شہر کو بغیر نقصان پہنچائے ہی واپس لوٹ گئیں۔ یہ مہم دراصل ایزون کے بھڑکانے پر بھیجی گئی تھی۔ اس لئے جو کچھ حاصل ہوا اس کا زیادہ حصہ ایزون کے سپرد کر دیا گیا۔ مسلمانوں نے ذاتی فائدہ کچھ زیادہ نہ دیکھتے ہوئے واپسی ہی میں مصلحت دیکھی۔

یہ ایزون (Aizon) کی ترقی کا حال بھی دلچسپ ہے۔ اس شخص کا تعلق فرانس سے تھا یہاں سے بھاگ کر وہ گوتھک مارچ پہنچا وہاں جب مطلب براری کی امیدیں نہیں پائیں تو بھاگ کر دوسرے علاقوں کے لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ لوگ تو بس ایک کے خلاف دوسرے کی مدد پر تیار بیٹھے ہی رہتے تھے۔ اور جب کوئی ایسا فتنہ کھڑا ہوتا تو اپنی خدمات پیش کر دیتے ایزون کے ساتھ بھی ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی جمع ہو گئی لوٹ مار فتنہ فساد شروع ہو گیا۔ اپنے ساتھیوں کی مدد سے سب سے پہلے اس نے وسونا Wasna فتح کیا اور اس کے بعد روز اس Rosas اتنی کامیابی ایک معمولی آدمی کی ہمتیں بڑھانے کو کافی تھی۔ اپنے بھائی کو اس نے اپنا سفیر بنا کر عبدالرحمٰن کے حضور بھیجا جس نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے بادشاہ کا دل موہ لیا۔ اور اپنے بھائی کی مدد پر تیار کر لیا۔ عبداللہ اور فرتون کی ماتحتی میں فوجیں گئیں اور خون خرابہ کر کے واپس آ گئیں اپنے قبضہ میں کچھ نہیں رکھا۔

لوئی شاہ ایکوٹین خود جرمنی میں اس قدر مصروف تھے کہ گوتھک مارچ کے حاکم کے پاس بھیجے کہ اس کو اپنی امداد کا یقین دلائیں اور ان کو اپنی اطاعت پر آمادہ رکھیں۔ یہ تین ایلچی جس میں ایک پادری تھا اور دو رئیس گوتھک مارچ میں پہنچ کر وہ سب کچھ نہ کر سکے جس کا

Marfat.com

خاطر لوئی نے ان کو وہاں بھیجا تھا۔ تاؤ کھا کر انہوں نے یہ مشہور کر دیا کہ جلد ہی فرانسیسی فوجیں ان کی طرف رُخ کریں گی۔ اور ان کی اس بے اعتنائی کا مزہ چکھائیں گی۔ بظاہر یہ دھمکی تھی مگر گوتھک مارچ والے اس سے بہت ڈر گئے۔ اپنی بچت ان کو اسی میں نظر آئی کہ کسی دوسری بڑی طاقت سے جلد مدد طلب کریں۔ انہوں نے پھر سر اور گھٹنے امیر اندلس کے سامنے ٹیکے جہاں سے ان کو حوصلہ افزا جواب ملا۔ اور ان کی مدد کے لئے موسیٰ بن موسیٰ کی ماتحتی میں ایک فوج بھیج دی گئی جنہوں نے وہاں جاتے ہی مفسدہ پردازوں کے مزاج ٹھکانے لگا دیئے اور جب فرانسیسی فوج واقعی وہاں پہنچی تو وہ لوگ اپنا کام کر کے واپس بھی آ چکے تھے۔ اب اس بیرونی فوج نے اپنا کام کرنا شروع کیا۔ اور وہ تمام علاقہ جو مسلمانوں نے قبضا لیا تھا۔ واپس چھین لیا۔ اور گوتھک مارچ والوں کو بھی اپنا حلیف بننے پر مجبور کر دیا۔ عبدالرحمٰن کو اس کی خبر لگی تو وہ خود فرانس پر حملہ کرنے کے ارادے سے بڑھے۔ پہلے ایک فوج اپنے وزیر عبدالرؤف کی سپہ سالاری میں روانہ کی۔ بعد میں خود بھی چلنے والے تھے کہ خبر ملی کہ مریدہ والوں نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ یہ بیرار وڑا اٹک گیا۔ ان کی توجہ مریدہ کی جانب مبذول ہو گئی

مریدہ میں بغاوت

فوجی مہمات اور سفارت پر اخراجات کی وجہ سے اخراجات کا بار بہت بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے عبدالرحمٰن کو ہر صوبہ میں ایک نیا ٹیکس لگانا پڑا۔ ٹیکس چاہے معمولی ہو یا زیادہ ہمیشہ ناگوار ہوتا ہے رعایا تاوقتیکہ بہت زیادہ خوشحال نہ ہو کسی ٹیکس کا بار بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتی ہے۔ خوشحالی کے زمانہ میں بھی کوئی ٹیکس بغیر ناک بھوں چڑھائے ادا نہیں کیا جاتا ہے۔ تنگ حالی کے زمانہ میں اس کا عائد کیا جانا لوگوں کے اضطراب کا باعث بنا۔ غیر مسلم جن پر یہ جزیہ لگایا گیا تھا۔ بہت ہی برہم اور برافروختہ ہوئے۔ اور ان کا اظہار بے چینی اس قدر بڑھا کہ بدامنی کی شکل اختیار کر لی۔ اور جہاں بدامنی ہوئی مفسدین وقت بھی اس گروہ کے حامی بنتے گئے۔ سب سے زیادہ شکایت مریدہ کے باشندوں کو تھی۔ مذہب کے ٹھیکیداروں نے عوام الناس کی ان شکایات کو بہت ہی رنگ و روغن لگا کر لوئی شاہ فرانس کے حضور میں تحریری اور زبانی دونوں طرح پر گزاریں یہ نہایت حسین موقع تھا لوئی کے لئے اور اس سے فائدہ اٹھانا یقیناً جائز تھا۔ اس نے ایک خط حمد دی سے مریدہ والوں کو لکھا جس میں اس ٹیکس سے سخت مخالفت کا اظہار کیا۔ مریدہ والوں کی اس حالت کو بڑی بدبختی سے تعبیر کیا کہ ان پر بلا جرم و خطا یہ بوجھ لاد دیا گیا۔ اور پھر ان کو

Marfat.com

اس بات پر آمادہ کیا کہ کسی مناسب موقع پر اس ٹیکس کی مخالفت میں کوئی مظاہرہ کریں اور اگر اس سے کام نہ بنے تو عملی قدم اٹھائیں۔ شاہ فرانس اور اہلِ فرانس ان کے ساتھ ہیں۔ اتنی سی بھڑکی۔ ایسا وعدہ ان لوگوں کو اُکسا دینے کے لئے کافی تھا۔ بات اسی وقت بڑھ جاتی مگر لوئی کو فوراً اپنے ملک میں بھڑک اٹھنے والے ایک فساد کو دبانے کے سلسلہ میں ساری توجہ برتنا پڑی۔ مریدہ کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا۔ ادھر جو فرصت پائی تو پھر اس نے ان لوگوں کو اکسایا بھڑکایا اور وہ لوگ بھڑک گئے۔ یہی وہ وقت تھا جب، عبدالرحمٰن سلطنتِ فرانس کو نیست و نابود کرنے کے ارادے سے نکلنے والے تھے۔

اس ٹیکس کو وصولنے کے لئے مختلف درجہ کے عمّال مقرر تھے انہیں میں سے ایک محمد بن عبدالجبار تھا کہ جس کو خیانت یا اسی قسم کے کسی جرم کے سلسلہ میں برطرف کر دیا گیا تھا۔ وہ جو ملازمت سے سبکدوش کیا گیا تو مالک کا دشمن بن بیٹھا اور لوگوں کو زیادہ زور و شور سے بھڑکانے لگا۔ لوگ اس کی باتوں میں آگئے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ غنڈہ گردی کے لئے اور کیا چاہیے۔ چند شرارت پسندوں کو لے کر شہر میں اودھم مچانے لگا۔ لوگوں کے گھروں کو لوٹ لیا۔ شہر میں ادھر اُدھر آگ لگا دی بہت سے غیر حامیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ جب گورنر کی فوجیں اسے دبانے آئیں تو ان کو بھی اس نے شکست دیدی۔ اب کیا تھا خود مریدہ کا گورنر بن بیٹھا۔ خزانہ پر قبضہ کر لیا۔ اور اس کو اپنے چیلوں میں تقسیم کر دیا۔ وہ لوگ اور بھی خوش ہو گئے۔ ان کی اس سخاوت کو دیکھ کر اور بہت سے لوگ بھی اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ پھر اسلحہ خانوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور اب تو گویا پوری فوج تیار ہو گئی۔ روپیہ تھا دولت تھی ہتھیار تھے۔ اسلحہ جات تھے۔ لوگوں کے دست و بازو بڑھتے ہی جاتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ میں ان کی تعداد چالیس ہزار تک پہونچ گئی۔ اور ان کے ذرائع بھی اور وسیع ہو گئے۔

عبدالرحمٰن نے فوراً عبدالرؤف کی فوجوں کو جو فرانس پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کی گئی تھیں واپس بلا بھیجا اور مریدہ کا محاصرہ کروا دیا اور اس میں ہر قسم کی سختی برتی گئی۔ گرد و نواح کے باغات کھیتیاں سب جلا کر راکھ کر دی گئیں۔ مکانات اور خوشنما بنگلے مسمار کر دیئے گئے۔ فصلیں لوٹ لی گئیں۔ سامان خورد و نوش شہر میں پہنچنے سے منع کر دیا گیا جس سے شہر کے اندر سخت افراتفری پھیلی۔ محمد کے پرچم تلے کوئی باقاعدہ اور منظم سپاہ تو تھی نہیں بلکہ اِدھر اُدھر کے جو اُچکے اٹھائی گیرے لفنگے جمع ہو گئے تھے۔ وہ تنگ دستی۔ پریشانی۔ اور بھوک میں بھلا کاہے کو اس غاصب گورنر کا

Marfat.com

ساتھ دیتے۔ انہوں نے تو اور شہر کے امن پسند باشندوں اور رئیسوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ سخت بدنظمی پھیلی۔ شہر کے نیک طینت اور صلح پسند شہری اس طرز سے سخت نالاں تھے۔ اور عبدالرؤف کی معاونت کرنے پر آمادہ۔ اور اس سے نامہ و پیام شروع کر دیا۔ رات میں چپکے سے محاصرین کی فوج کا ایک دستہ شہر میں خاموشی سے داخل ہو گیا۔ اور پہرہ داروں کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا فوج نے اندر گھس کر باغیوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ سارے غنڈوں اور اچکوں کو ان کی حرکتِ ناشائستہ کی سزا تلوار کی دھار سے دی گئی۔ عبدالرحمٰن کی فوج پھر شہر پر قابض ہو گئی۔

محمد وہاں سے بھاگ کر لزبن (Lisbon) کی سمت چلا گیا۔ کیونکہ شہریوں نے خود محاصرین کے حوالے شہر کیا تھا۔ اس لئے عام معافی کا اعلان کر دیا گیا۔ صرف شرارت پسندوں کو سزائیں دی گئیں۔ اس طرح یہ بغاوت جلد دبا دی گئی۔ اور لوگ جلد ہی ان مصیبتوں کو بھول گئے۔

طلیطلہ میں بغاوت

اسپین میں بغاوتوں کا حال بالکل چھوت کی بیماریوں کا سا تھا جس سے وہ ایک سے لگی دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو اور اسی طرح سے پھیلتی چلی گئی۔ یعنیہ یہ صورت تھی بغاوتوں کی۔ ابھی بمشکل تمام مریدہ کے باغیوں کو دبایا گیا تھا کہ ان کی دیکھا دیکھی طلیطلہ والوں میں بھی یہ جذبہ بھڑک اٹھا۔ ۸۱۳ء مطابق ۱۹۱ھ میں جو بغاوت حکم کے زمانے میں ہوئی تھی۔ اس کا سدباب تو عمروس نے بخوبی کر دیا تھا اور کچھ دنوں کے لئے خود سروں اور سرکشوں کے ہوش ٹھکانے رہے تھے اور اس کے بعد ان کی جبلت پھر رنگ لائی۔ انہوں نے صرف اپنی خود مختارانہ فطرت کا مظاہرہ کیا بلکہ عمروس کے بنائے ہوئے قلعہ کو بھی ڈھا دیا۔ حکم کسی قسم کی سرکشی برداشت ہی نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے ایک بار پھر اس حیلے سے قرطبہ سے چلا کر قتلونیہ کے باشندوں نے مضافات میں اودھم مچایا ہے۔ ان کی سرزنش مقصود ہے۔ اور مرسیہ تک پہنچ کر خیمہ انداز ہو گیا۔ اپنے جاسوسوں کو طلیطلہ بھیجا کہ وہاں کے حالات سے آگاہ کریں۔ انہوں نے اطلاع بھیجی کہ اہل شہر اپنے کو بالکل خطرے سے باہر سمجھتے ہیں۔ اور حکم کی آمد میں کسی بدظنی کا پہلو نظر نہیں آتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شب کو شہر کے دروازے بھی نہیں بند کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی امید افزا خبر تھی۔ حکم نہایت سرعت سے رات ہی رات شہر میں پہنچ گئے۔ لوگوں کو ناکوں چنے چبوا دئیے۔ شر پسند اور مفسدین کے گھروں کو آگ لگوا دی۔ ان کا سامان وغیرہ جلوا کے راکھ کروا دیا۔ انہیں مفسدین میں سے ایک نومسلم ہاشم بھی تھا کہ جس کو گھر جل جانے کی وجہ سے بے گھر ہونا پڑا تھا۔ مجبوراً وہ بھاگ کر قرطبہ پہنچا تھا۔ وہاں بہت عرصہ تک حیثیت

لوہار کام کرتا رہا۔ مگر دل کی تہتی میں بغاوت کی آگ زیادہ زور سے جلتی رہی۔ اندرونی طور پر وہ پیشہ وران طلیطلہ سے ساز باز کرتا رہا۔ جب ماحول ذرا ساز گار پایا تو پھر طلیطلہ پہنچ گیا۔ اور وہاں اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل میں مصروف ہوگیا۔ شریر النفس بہت سے فوراً اس کے ہمراہ ہی بن گئے پرچم بغاوت ۸۲۹ء مطابق ۲۱۴ھ میں بلند کر دیا گیا۔ حسنِ اتفاق کہ گورنر شہر میں موجود نہ تھا۔ لوگوں کے لئے اچھا موقع تھا کہ لوٹ مار فتنہ فساد۔ شور و شغب کریں۔ مزدور۔ تاجر۔ پیشہ ور۔ کسان۔ اور نہ جانے کتنے نکمے مگر آوارہ لوگ اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور ہاشم ایک لوہار سے قائد بن گیا کہ جس کا لوہا ہر طرف مانا جانے لگا۔ عبدالرحمٰن ثانی نے اپنے سرحدی گورنر محمد ابن وسیم کو احکام بھیجے کہ ان قزاق صفت باغیوں کا منہ کچلے۔ مگر باغیوں نے محمد ابن وسیم کی روانہ کردہ فوج ہی کا منہ کچل کر رکھ دیا۔ سال بھر تک یہ گورنر ہاشم کو دبانے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر منہ کی کھاتا رہا۔ اور ہاشم کا زور اور عروج بڑھتا ہی رہا۔ بادشاہ نے سخت تادیب کی ابن وسیم کی یہ کیا بزدلی اور نکما پن کہ مضبوط فوجیں ڈاکوؤں اور اُچکوں سے مات کھائے جا رہی ہیں۔ کن بزدلوں اور بیوقوفوں کو ان کے خلاف بھیجا جا رہا ہے۔ ابن وسیم نے اب پوری دلیری اور جانفروشی سے حملہ کیا۔ باغیوں کے دانت کھٹے کر دیئے ہاشم خود مارا گیا۔ فوج کا بہت حصہ غارت ہوا۔ مگر بغاوت کی آگ پھر بھی نہ بجھی۔

اب کی بار ابن وسیم سے مایوس ہو کر عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹے اُمیہ کو ایک لشکرِ گراں کے ساتھ روانہ کیا۔ جس نے طلیطلہ کے اردگرد محاصرہ ڈال دیا۔ مگر باشندگان نے بھی ہمتیں نہ ہاریں۔ نہ محاصرہ کی سختی سے گھبرائے نہ طوالت سے۔ بلکہ خود اُمیہ طوالت سے دل برداشتہ ہوگیا۔ اور بادل نخواستہ محاصرہ اُٹھا قرطبہ کی جانب روانہ ہوگیا۔ مگر چلتے چلتے ایک ایسی چال کھیل گیا کہ اہلیان طلیطلہ کے چھکے ہی تو چھوٹ گئے۔ اس نے اپنی فوج کا دستہ ایک دوسرے نو مسلم یا مولد میسرہ کے تحت طلیطلہ سے قرطبہ جانے والی سڑک کے تنگ دروں میں چھپا دیا۔ طلیطلہ والوں نے جو دیکھا کہ شہزادہ یونہی ناکام و نامراد۔ مایوس اور پسپا ہو کر واپس جا رہا ہے تو یہی مناسب سمجھا کہ پیچھے سے حملہ کر کے سارے لشکر کو تحس نحس کر ڈالا جائے۔ اُمیہ روانہ ہو چکا تھا۔ یہ اپنی فوجیں لے کر اس کے پیچھے لپکے مگر میسرہ کی فوجیں جو کالٹرادا (Calltrada) کی کمین گاہوں میں پوشیدہ تھیں۔ اب بکل پڑیں اور طلیطلہ والوں پر بُری طرح سے ٹوٹ پڑیں۔ آگ اور خون کا کھیل ایک بار باشندگانِ طلیطلہ سے کھیلا گیا۔ جس میں ان کو سخت نقصانات اور پشیمانی کا منہ دیکھنا پڑا۔ شہر پھر بادشاہ کے قبضہ میں آگیا۔ مگر خود میسرہ کو ان نو مسلموں کے قتل سے بڑا دکھ ہوا کہ وہ اسی کے ہم مثل تھے۔ اور

اسی رنج میں مبتلا رہ کر وہ چند دن بعد مر گیا۔

مریدہ میں پھر بغاوت

بغاوت کے متعدی مرض نے جلد ہی اپنا اثر طلیطلہ سے ہٹ کر مریدہ میں دکھلایا اور وہاں کے لوگ پھر اسی کے شکار ہو گئے۔ محمد جو مریدہ سے بھاگ کر زین پہنچ گیا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ وہاں اب پچھلی بغاوت میں حصہ لینے والوں سے پھر وہیں پہنچ گیا۔ اور اپنے منتشر ساتھیوں کو اکٹھا کرنے لگا۔ ان کی مجموعی طاقت کے سہارے ایک بار پھر اس نے وہی حرکتیں شروع کر دیں۔ سب سے پہلے خزانہ پر چھاپہ مارا اور اسے لوٹ کر اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر کے ان کی زبردست حمایت حاصل کر لی۔ اس مرتبہ عبدالرحمٰن خود چالیس ہزار جانبازوں کے ساتھ مریدہ پہنچا اور محاصرہ کر لیا۔ کئی بار سخت حملے کئے گئے مگر سخت دفاع کی کوششوں نے ان کو ناکام بنا دیا۔ فصیل پر پہنچنے کی ہر جدّ و جہد بھی ناکارہ ثابت ہوئی۔ ہر مزاحمت نتیجہ خیز نہ رہی۔ مجبوراً یہ سوچا گیا کہ فصیل کے نیچے سرنگ لگا دی جائے اور یوں اس کو عبور کر کے شہر پر قبضہ کر لیا جائے۔ محاصرین کا جذبۂ انتقام انتہائی تشدد پر آمادہ تھا مگر عبدالرحمٰن کی رحمدلی کسی ظلم کی اجازت نہ دیتی تھی۔ اس نے تیروں کی نوک میں باندھ کر بجائے زہر آلود نشتروں کے یہ پرچے پھنکوائے کہ عام رعایا کو اب بھی بخشا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ اطاعت سے منہ موڑنے والوں کا ساتھ نہ دیں۔ اور ان کی جرأتوں کو مہمیز نہ لگنے دیں۔ بصورتِ دیگر سرنگ لگائی جا چکی ہے۔ جس کے ذریعہ شہر پر قبضہ کوئی مشکل بات نہ ہوگی۔ اور پھر ہر ظلم و ستم اور خونریزی کی ذمہ داری خود مریدہ والوں پر ہوگی۔ نیز کہ بادشاہ پر یہ دھمکی کام کر گئی۔ وہ پرچے بانیانِ بغاوت کو بھی ملے اور اس خوف کا باعث ہوئے کہ اگر کہیں رعایا سچ مچ بادشاہ کے ساتھ مل گئی تو اپنے ہی ہاتھوں سے گرفتار کر کے ان کے سپرد کر دے گی۔ اس لئے جان بچا کر بھاگو۔ پہرہ داروں اور محاصرین کی غفلت سے کچھ تو جان بچا لے گئے۔ کچھ دشمنوں کے ہاتھ لگے سو قتل کئے گئے۔ رعایا نے شہر پناہ کے پھاٹک کھول دیئے اور جان بخشی کی امید پا کر بادشاہ کے سامنے نذرانے پیش کئے۔ اپنی اطاعت کا یقین دلایا۔ بادشاہ نے بھی انتہائی شریفانہ اور ہمدردانہ سلوک ان کے ساتھ روا رکھا جو بھوک اور افلاس کی شدت میں مبتلا تھے۔ ان کو کھانا اور کپڑا دیا۔ جو شرپسندوں کے ہاتھوں سے تنگ آ گئے تھے ان کی درستگی کے لئے انعامات بخشے۔ فصیل کی مرمت کرائی۔ محافظ فوج میں اضافہ کیا۔ اور یہ انتظامات کر کے وہ پھر مرکز واپس آ گئے۔

طلیطلہ میں پھر بغاوت

مریدہ میں بغاوت کی آگ ابھی پوری طرح دبنے بھی نہ پائی تھی کہ

Marfat.com

طلیطلہ میں پھر یہ شعلہ بھڑک اُٹھا۔ وہاں تو اس قسم کے جذبات ہمیشہ ہی فروغ پاتے رہتے بلکہ ان کی عادت ثانیہ بن چکے تھے۔ اگر وہ کبھی بغاوت پر کمربستہ نہ ہوتے تو تعجب ہوتا۔ ۸۳۶ء کا ذکر ہے کہ ایک نومسلم ابن مہاجر اپنے چند رفیقوں کے ساتھ طلیطلہ سے نکل کر کلاٹرادا کے حاکم کے یہاں ملازم ہوگیا۔ بغیر کسی شبہ کے انہیں ملازم رکھ لیا گیا۔ اور ان لوگوں نے شہزادہ ولید جو عبدالرحمٰن کا بھائی تھا اور اس وقت کاٹرادا کے مقام پر تعینات تھا یہ مشورہ دیا کہ طلیطلہ والوں کی شرارت اور فتنہ کا انسداد اس طرح سے کیا جا سکتا ہے کہ شہر کے چاروں طرف گھیرا ڈال دیا جائے اور سامان خوردنی بالکل شہر میں پہنچنے ہی نہ دیا جائے۔ کہ وہ لوگ بھوک اور فاقے کی زحمتیں برداشت کرتے کرتے مر جائیں۔ شہزادہ ولید نے اس مشورہ پر عمل کیا۔ مسلسل بھوک۔ فاقے۔ تنگ حالی۔ کم معاشی نے طلیطلہ والوں کے مزاج واقعی ٹھکانے لگا دیئے۔ مگر ان کی ہمتیں اب بھی بدستور قائم تھیں۔

ولید نے مناسب یہی سمجھا کہ سال بھر کا عرصہ محاصرہ کئے ہوئے گزر گیا ہے۔ اب ان کو امان دی جائے۔ سفید جھنڈے لئے کہ جو امن و صلح کا نشان سمجھا جاتا ہے اس کے ایلچی شہر میں داخل ہوئے۔ اور ولید کی طرف سے ان حرام خوروں کو یہ یقین دلایا کہ اگر آئندہ وہ کسی شرارت کا مظاہرہ نہ کریں اور بادشاہ کے فرمانبردار رہیں تو ان کی ہر خطا کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ان کی گستاخی کو درگزر کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ جب قحط اور قحط کے مضر اثرات شہر والوں کا بالکل ہی ناطقہ بند کر دیں گے۔ تو شرائط معاہدہ محاصرین کے حق میں زیادہ ہوں گے نہ کہ اعیانِ شہر کے۔ بات چبھتی ہوئی تھی مگر جن کا کام ہی فتنوں کی گرم بازاری ہو ان کے دل پر کیا اثر کر سکتی تھی مجبوراً اب ولید نے ایک انتہائی سخت حملہ کر کے شہر پناہ کی دیواریں ہلا دیں۔ فصیلوں میں بھونچال آگیا طلیطلہ والے سہم کر رہ گئے۔ ان کے رہے سہے حوصلے بالکل ہی پست ہو گئے۔ ہمتیں ایک دم جواب دے گئیں۔ آٹھ سال کی مستقل مخالفت۔ مزاحمت اور شرارت کے بعد ۱۶ جون ۸۳۶ء کو شہر عبدالرحمٰن کے قبضہ میں آیا۔ اور ایک بُرے دردِ سر سے نجات ملی۔

بیرونجات کی مہمیں

ان پیہم بغاوتوں اور مسلسل مصیبتوں سے جو ذرا سکون ملا تو عبدالرحمٰن کی فطرت پھر ایک بار عیسائیوں کی طاقت کی بیخ کنی پر آمادہ ہوئی جذبۂ جہاد پھر عود کر آیا۔ مختلف فوجوں کو تیاری کا حکم ملا۔ ایک فوج ۲۲۱ھ میں جلیقیہ کی سمت روانہ کی گئی کہ جس نے شہر لیون (Leon) کا محاصرہ کر لیا۔ جب لوگوں نے ہتھیار نہ ڈالے۔ تو تشدد کو بھی عمل

میں لایا گیا۔ منجنیق سے فصیل اور شہر کے اندر آگ کے گولے پھینکے گئے۔ اور شہریوں پر شعلے برسائے گئے۔ لیون والے ایسے سخت ہراساں ہوئے۔ اس وقت ان کو کسی دوسری طاقت کا سہارا ابھی نہ مل سکتا تھا۔ باہر سے کوئی مدد بھی نہ پہنچ سکتی تھی۔ لوئی شاہ فرانس کے بیٹوں نے خود اپنے باپ کے خلاف بغاوت کر رکھی تھی۔ اور اس کی توجہ ان کی طرف بنی ہوئی تھی۔ اس سے پیشتر جو فوجیں انہوں نے حدود اندلس میں بھیجی تھیں۔ ان سے بھی کوئی ایسا بڑا فائدہ حاصل نہ ہوا تھا اس لئے فی الحال عبدالرحمٰن کی فوجوں کی آمد کی خبر سننے کے باوجود بھی کوئی ارادہ مسلمانوں سے لڑنے کا نہیں کر سکا۔

دوسری فوج عبدالرحمٰن نے اپنے حاجب عبدالکریم کی ماتحتی میں گوتھک مارچ کی سمت بھیجی جس نے برسلونہ کا محاصرہ کر لیا۔ شہر فتح نہ ہو سکا۔ مگر مسلمانوں نے دل کھول کر عیسائیوں کو ان کی شرارت کا مزہ چکھایا۔ بڑی تباہی مچی۔ دونوں فوجیں کامیابی سے واپس آئیں۔ اور اب عبدالرحمٰن کا مقصد کفار اور مسلمانوں کے دشمنوں سے لڑنے کا تھا پورا ہوا۔ مورخین نے ان کے ان کارناموں کا ذکر سنہری الفاظ میں کیا۔ شعراء نے بہت قصائد پڑھے۔ ہر طرف خوشیاں منائی گئیں خصوصاً جبکہ عبدالکریم پائرینس کے دروں کو عبور کرتے ہوئے مارسیلز (Marseles) کے مضافات تک پہنچ گئے اور اس کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ اور جو فوج بھی دفاع کے لئے آئی اس کو شکست سے دوچار کیا۔

بیزنطینی حکومت کی طرف سے دوسری سفارت

خلافت عباسیہ کے جلیل القدر خلیفہ المامون اور ان کے بعد المعتصم (Almutasim) نے حکومت بیزنطینی کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے تھے۔ اور ان کا سارا زعم، غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ ان کی قوت اور طاقت کو سخت صدمے پہنچائے تھے۔ اسی صدمے کا علاج کرنے اسی نقصان کی تلافی کی غرض سے میکائیل نے عبدالرحمٰن کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اور اسے اس بات پر تیار کیا تھا کہ رومی فوجوں کی مدد سے مشرق وسطیٰ پر ایک بار پھر قبضہ کر لے اور اموی خلافت کا پرچم لہرا دے مگر عبدالرحمٰن کے حالات اس بات کے مقتضی نہ ہوئے کہ وہ اس پیشکش پر کان دھر سکتا۔ مگر جب عباسیوں کا زور کسی طرح سے نہ ٹوٹا تو میکائیل کے جانشین توفلس یا تھیوفلس (Theofilus) نے بھی مصلحت اسی میں دیکھی کہ بادشاہ اندلس سے یارانہ گانٹھا جائے اور اس کی مدد سے عباسی مسلمانوں کو زک پہنچائی جائے گا۔ اوا ہی لوہے کو

Marfat.com

کاٹتا ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ ایک دوسرا گروہ سفیر قرطبہ پہونچا۔ پھر وہی تکلف اور تواضع کے مظاہرہ ہوئے مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔ عبدالرحمٰن نے وعدے تو بڑھ چڑھ کر کئے مگر وہ جانتے تھے کہ ان کے ملک کی اندرونی حالات ان کی توجہ کو اس جانب مبذول کرنے پر مقتضی نہ ہوں گے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر کوئی لمبی چوڑی فوج اندلس سے باہر بھیج دی گئی تو فتنہ پسند عناصر پھر اپنی خبیث عادات کا مظاہرہ شروع کردیں گے اور ممکن ہے۔ ان کی کمزوری سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھالے جائیں۔ عباسیوں کو یہ خبر جب لگی کہ بادشاہ قسطنطنیہ شاہ اندلس سے سازباز کررہا ہے۔ تو انہوں نے شاہِ فرانس سے دوستی کرنے کی ٹھانی عبدالرحمٰن کو اس بات کا خطرہ پیدا ہوگیا کہ کہیں عبّاسی فرانسیسیوں کی مدد سے اسی کے ملک پر حملہ آور نہ ہوجائیں۔ اور شاید یہ تمام خطرے اتنی شدّت سے لاحق نہ ہوتے اور عبدالرحمٰن کو ایفائے وعدہ کا موقع مل جاتا۔ مگر ایک نئی مصیبت ساحل اندلس پر آکھڑی ہوئی۔

مجوسیوں کا حملہ یہ مصیبت نارمن Norman قزّاقوں کی جنہیں عرب مجوسی کہا کرتے تھے شکل میں ظاہر ہوئی۔ یہ بڑی خونخوار ہیبت ناک قوم کے افراد تھے۔ اصل میں جرمنی کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کا پیشہ ہی لوٹ مار اور بحری قزاقی بن گیا تھا۔ سمندر پر ان کا قبضہ تھا اور جب عرصہ تک ان کو کوئی شکار کوئی جہاز مال سے لدا ہوا نہ ملتا تھا تو یہ ساحلوں پر اُتر جاتے اور قرب وجوار کی بستیوں میں لوٹ مار مچا کر۔ تباہی وبربادی لاکر جہازوں میں لدپھند کر پھر روانہ ہوجاتے تھے۔ یہ نہ عبّاسیوں کے دوست تھے نہ مسلمانوں کے۔ ان کی دوستی تو صرف مال و دولت سے تھی۔ جو چاہے کسی ذریعے سے بھی کیوں نہ حاصل ہو۔ پچاس ساٹھ برس سے متواتر ان کا پیشہ لوٹ مار اور جہازوں پر حملہ رہ گیا تھا۔ یہ قوم زیادہ تر سیکنڈی نیویا (Scandinavia) کے ساحلوں پر جا بسی تھی اور کیونکہ اس کا بحری راستہ بھی انتہائی خطرناک اور دشوار گزار تھا۔ اس لئے وہ لوگ وہیں جاکر پناہ لیتے تھے۔ اور اپنے کو بہت مضبوط خیال کرتے تھے۔ یہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں پر سوار اسلحاتِ جنگ سے آراستہ۔ آگ لگانے کے سامان سے پیراستہ سمندروں میں پھرا کرتے اور جہاں کہیں بھی کوئی جہاز اِدھر اُدھر آتا جاتا نظر آجاتا تو یہ اس پر ٹوٹ پڑتے۔ پہلے جہاز کو آگ لگادیتے۔ اور اس سے جو انتشار اور بے چینی جہاز والوں میں پھیلتی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کود پڑتے اور لوگوں کو قتل کرنا شروع کردیتے۔ بہت سے بے چارے سمندر میں جان بچانے کی خاطر کود پڑتے۔ بہت سے امان طلب کرتے اور قیدی کی حیثیت سے کہیں دور دراز ملکوں میں

غلاموں کی طرح سے جا کر بک جاتے۔ مال و اسباب پر قبضہ تو ان بحری ڈاکوؤں (Sea Dogs) کا ہو ہی جاتا۔

اندلس میں یہ ساحل لوسی ٹینیا (Lucitinia) کے قریب میں اترے۔ یہ چھوٹی موٹی تعداد میں نہ تھے۔ بلکہ اسّی جہازوں پر لد کے آئے تھے۔ لوگ ان کی شکل ہی دیکھ کر ڈر جاتے۔ خوفناک صورتوں اور شیاطینی عادتوں کے مالک پہلے الیسٹریاس کی طرف راغب ہوئے مگر وہاں کچھ زیادہ منفعت کے آثار نہ دیکھ کر لزبن کی طرف بڑھے۔ اس علاقے کو خوب لوٹا۔ خوب غارتگری کی۔ خوب کشت و خون بہایا۔ بلا امتیاز سن و سال۔ مرد و عورت کو تلوار کے گھاٹ اتارنا شروع کیا۔ جس کی چاہا عزت لوٹ لی۔ جس کی چاہا پگڑی اچھال دی۔ وہاں سے پھر یہ ساحل اندلس ہوتے ہوئے قادیس (Qadise) پہنچے۔ اس کے مضافات کو بھی خوب لوٹا۔ اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ اور پھر وادی الکبیر کے دریا میں اپنی بید اور چمڑے کی بنی ہوئی کشتیوں کو کھیتے ہوئے اشبیلیہ آدھمکے۔ عبدالرحمٰن نے جو فوجیں ان کے خلاف بھیجیں ان کی بھی ایک نہ چل پائی۔ آخر کار پندرہ جہازوں پر مشتمل ایک بحری بیڑہ ان کی سرکوبی کے لئے تیار کیا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ بھاگ کھڑے ہوئے کچھ یہ بات بھی تھی کہ ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ اس لوٹ مار کافی دولت ان کے ہاتھ لگ گئی۔ ہر مقام پر ان کا نقصان بہت کم ہوا۔ جب کہ فائدے کی کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ یہ درندہ صفت اپنی تمام درندگی کا ثبوت دے کر گئے تھے۔ جہاں جہاں ان جانوروں کے قدم پہونچے تھے۔ وہاں وہاں صرف تباہی۔ بربادی۔ ویرانی۔ زبونی کے نشانات باقی رہ گئے تھے۔ ان کی یادگار کچھ جلی ہوئی بستیاں تھیں کچھ اجڑے ہوئے مکانات۔ کچھ دھورے خاندان کہ جن کی عورتوں یا مردوں کو یہ غلام بنا کر لے گئے تھے۔ اور کچھ ویران شدہ علاقے تھے کہ ان کی بیہودگی۔ بے رحمی اور درندگی کا رونا رو رہے تھے۔

مگر ان کے حملہ سے ایک نتیجہ اچھا نکلا کہ بادشاہ کو اپنی مملکت کی حفاظت اور ایک مضبوط بحری بیڑے رکھنے کی ضرورت بھی محسوس ہوئی۔ ان کو اپنے ملک کے کمزور مقامات اور خصوصاً ساحل کے غیر محفوظ ہونے کا پتہ چل گیا۔ اسی مصیبت کا آئندہ سد باب کرنے کے لئے بہت سی عمدہ کشتیاں اور نئے جہاز بنائے گئے۔ فوجوں کو بحری لڑائی کی تربیت دی گئی۔ ان کو مہینوں، سالوں پانی میں رہنے کا عادی بنایا گیا۔ ساحل کے کنارے کنارے تھوڑی تھوڑی دور پر برج بنوائے گئے۔ جن میں چوکیدار مقرر کئے گئے کہ ہر وقت سمندر پر نگاہ رکھیں۔ اور کسی

دشمن کے جہاز کو آتا جاتا دیکھیں یا قزاقوں کی نقل وحرکت کا مشاہدہ کریں تو فوراً حفاظتی فوج کو مطلع کریں اور بحری بیڑے کے مرکز پر بھی اطلاع کردیں۔ اس قسم کے پیغامات رسانی کے خاص طور سے انتظامات کیے گئے۔ جگہ بہ جگہ چوکیاں قائم کی گئیں۔ مناسب مقامات کی نشاندہی کی گئی۔ ہر ضلع پر جتنی حفاظتی جگہائیں ساحل کے نزدیک ہوسکتی تھیں، وہ ایک محکمہ کے سپرد کی گئیں کہ وہاں رعایا کو بوقت ضرورت منتقل کرسکیں۔ مددگار فوج اس محکمہ سے متعلق کی گئی۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ کبھی نارمنوں کو اندلس پہنچنے کی ہمت نہ ہوئی۔ البتہ انہیں آخری ایام عہد عبدالرحمٰن میں عیسائیوں کے مذہبی پیروؤں اور مسلمانوں میں کشمکش شروع ہوئی کہ جس نے باقاعدہ ایک فساد کی شکل اختیار کرلی۔ اس کا مفصل ذکر ایک آئندہ باب میں آئے گا۔

Marfat.com

باب ۳۰

دربار عبدالرحمٰن کے رتن

مؤرخین کا خیال ہے کہ جس قدر شعر و ادب کے شائقین، علوم و فنون کے ماہرین، راگ و موسیقی
کے رسیا عبدالرحمٰن کے دربار میں جمع ہو گئے اس سے پیشتر اس کے کسی پیشرو کے یہاں نظر نہیں آتے
ں۔ اس کی داد و دہش اور علم دوستی کی داستانیں سن سن کر دور دور سے یگانۂ روزگار اور نادرِ زمانہ
لیہ پہونچ گئے تھے۔ اور وہاں کی زیب و زینت میں چار چاند لگا دیئے تھے خود عبدالرحمٰن کو بھی
س قسم کے لوگوں سے رغبتِ خاص تھی۔ آداب تہذیب۔ تمدن۔ ثقافت۔ علم و ادب۔ شعر و سخن۔ تاریخ
لسفہ سائنس و انجنیری کے لحاظ سے قرطبہ کو دنیا کے تمام دارالخلافوں سے ممتاز اور بلند کر دینا چاہتے
تھے۔ انہوں نے ایسی ایسی ہستیاں اپنی مہربانیوں اور سرپرستیوں کی بناء پر جمع کر لی تھیں کہ جن
ی وجہ سے آرائش قرطبہ کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی۔ بڑی حسین و جمیل عمارتیں بنوائیں۔ جامع
سجد میں نقش و نگار اور خوشنمائی کی گئی۔ عوام کے لئے حمام۔ باغ۔ حوض اور فوارے لگوائے
گئے کہ سیر و تفریح کر سکیں شہر کے اندر صاف و شفاف پانی پہنچانے کے لئے چھوٹی چھوٹی نہریں
بنوائیں۔ شہر کی دلکشی اور دلفریبی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

عبدالرحمٰن کا علمی مذاق خود بلند اور اعلیٰ پایہ کا تھا۔ خلیفہ یونان سے ان کو گہری دلچسپی
تھی۔ فقہ۔ شریعت اور دینیات سے بدرجہ اتم لگاؤ تھا۔ صنعت و حرفت اور سائنس کے وہ مربی اور
سرپرست تھے۔ شعر گوئی اور شعر خوانی سے شغف خاص تھا تاریخ میں کافی معلومات رکھتے تھے موسیقی
سے ربط تو خبط کی حد تک تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنے دربار سے زریاب نامی یگانۂ روزگار
موسیقی داں کو منسلک کیا کہ جو نہ صرف تفریحِ طبع کا باعث بنا۔ بلکہ شاہ کے ہر شعبہ پر بُری طرح چھا گیا۔

Marfat.com

زریاب

اپنے عہد کا تان سین بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر وقت کا بہت بڑا ادب دوست تھا۔ تاریخ وفلسفہ کا ماہر زریاب بغداد کا رہنے والا تھا۔ اس کا اصلی نام علی بن نافع تھا۔ کنیت ابوالحسن تھی۔ اور اصلی باشندہ ایران کا تھا۔ وہ بقول ڈوزی خلیفہ بغداد مہدی کے درباری گویے اسحاق الموصلی (Ishaq Almusili) اور بقول علامہ مقری ابراہیم الموصلی کا شاگرد تھا۔ ابراہیم یا اسحق اپنے کمالات کا مظاہرہ اکثر وبیشتر مہدی اور ان کے بعد ممتاز خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کیا کرتا تھا۔ اس کی موسیقی دانی اور راگ راگنیوں سے واقفیت مسلمہ تھی اور اس کا دور دور شہرہ تھا۔ ایک دن ہارون الرشید نے جو اسحاق کا گانا سنتے سنتے اگر تنگ نہیں تو اکتا ضرور گئے تھے۔ اس سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنا کوئی شاگرد بھی تیار کیا ہے۔ یا کسی اور سے واقف ہیں۔ جو اس علم میں کما حقہٗ دسترس رکھتا ہو۔ اسحاق نے جواب دیا۔ عالیجاہ میرا ایک شاگرد ہے زریاب جو کسی طرح سے بھی برا گانے والا نہیں کہا جا سکتا ہے۔ حکم طلبی ہوا۔ دوسرے دن جب زریاب دربار میں داخل ہوا تو اس نے اپنے حسن اخلاق شاہانہ مرتبہ کا لحاظ اور مراتب کا امتیاز اس طرح سے نباہا کہ جیسے وہ برسوں سے دربار میں آتا جاتا ہو۔ اور یہاں کے رگ و ریشہ اور آداب و مراتب سے جملہ آگاہی رکھتا ہو۔ ہارون الرشید کے دل پر شروع ہی سے اس کا ایک اچھا اثر قائم ہوا۔ جب اس سے کمالات کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے بصد ادب جواب دیا کہ جہاں تک گانے کا تعلق ہے وہ بالکل اسی طرح سے گاتا ہے جس طرح اور موسیقی دان مگر جو اس نے انداز اختراع کیا ہے اور فن میں جو اضافہ کیا ہے وہ البتہ اپنی جگہ نادر اور قابل قدر ہے۔ اور یہ راگ اس سے پہلے اور کسی نے سنا بھی نہیں ہے۔ حضور کے کان سب سے پہلے اس سے آشنا ہوں گے۔ خلیفہ کی خواہش تیز ہوئی۔ اس کے استاد کا طنبورہ ان کے ہاتھ میں دیا گیا۔ انہوں نے یہ کہہ کر گانے سے انکار کر دیا کہ استاد کا باجہ ہے۔ میں شاگرد ہو کر اس کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ بلکہ اپنے ہی باجہ پر راگ پیش کروں گا جو یقیناً میری ہی جدت طبع کا نتیجہ ہے۔ اب ہارون الرشید کا اشتیاق اور بھی بڑھا۔ اجازت ملی کہ اپنے ہی ایجاد کردہ باجہ پر جو کچھ پیش کرنا چاہتا ہے کرے۔ اور جب واقعی راگ نئے انداز سے نئے طرز کے باجے پر پیش کئے گئے تو کیا ہارون الرشید سارا دربار تعجب اور نعرۂ تحسین سے گونج اٹھا خود خلیفہ کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ اس قدر عظیم المرتبت فنکار اور اس کی نگاہوں سے پوشیدہ رہا۔ اس کی وجہ اسحاق سے پوچھی گئی۔ اسحاق جو خود تعجب اور حیرت کا مجسمہ بنا ہوا تھا اور اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے اس شاگرد نے فن

Marfat.com

...تنہا ہی تنہا اس قدر عبور حاصل کر لیا ہے کہ اس میں اختراعات اور اضافے بھی کر سکتا ہے۔ اور نئی نئی ...زیں بھی ایجاد کر سکتا ہے۔ چونک کر بولا کہ حضور وہ خود اس راز سے ناواقف تھا کہ زریاب کی معلومات موسیقی ...اس قدر وسیع ہو چکی ہیں۔ زریاب کو عنایات سے نوازا گیا۔ اور آئندہ پھر کسی موقع پر پیش ہونے کا اذن ...لیا۔

اسحاق جب تنہائی میں زریاب اپنے شاگرد سے ملا تو بجائے داد و تحسین دینے کے اس پر برس پڑا۔ ...سخت الفاظ میں برا بھلا کہنے لگا۔ زریاب کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کیا قصہ ہے۔ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ آج اس استاد انتہائی شاباشی سے اس کی پیٹھ ٹھونکے گا۔ اور مبارکباد کے پل باندھ دے گا۔ نہ کہ یہ ...زنش یہ تنبیہ۔ اس کو کیا معلوم کہ اس میں جذبۂ حسد پنہاں تھا اور اس سے زیادہ اپنے اعزاز کے ...ن جانے کا خطرہ۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اپنے جذبات کی تہ میں پوشیدہ خیالات کا اظہار ...یا کہ جس طرح ایک میان میں دو تلواریں۔ ایک شہر میں دو شہریار اور ایک مملکت میں دو بادشاہ ...رہ سکتے ہیں۔ اسی طرح سے ایک دربار سے منسلک دو ماہرین فن نہیں رہ سکتے۔ تمہاری ...احیت اس بات کی چغلی کھاتی ہے کہ تم بہت جلد مقربین خلیفہ بن جاؤ گے اور اس طرح سے میری ...ت اور اعزاز پر حرف آئے گا۔ تم نے اپنے کمالات کو خود مجھ سے چھپا کر شریفانہ فعل نہیں کیا۔ اور آج ...ہیں سے تمہیں بادشاہ کے سامنے پیش کیا تو تم نے انہیں کا مظاہرہ کر کے اس قدر لطف اندوز کیا ...ن کی ساری توجہ تمہاری طرف منعطف ہو گئی ہے۔ بہتر ہے کہ یا تو تم کہیں دور بہت دور یہاں سے ...ے جاؤ کہ تمہارے وجود کا گمان بھی یہاں باقی نہ رہ جائے۔ اور اس شکل میں تمہارے سفر اور دیگر ...ضروریات کا سارا بار میرے ذمہ ہوگا۔ یا پھر یہیں رہو مگر اس شکل میں ایسا کوئی حربہ باقی نہ چھوڑوں گا کہ ...سے تمہاری ذلت بدنامی اور خرابی یقیناً ہو۔ زریاب نے شرط اوّل ہی مناسب سمجھی اور اپنے ...اد اور مربی کی مخالفت گوارا نہ کی۔ جو کچھ رقم اس کو اسحٰق سے ملی اس کو لے اور قسمت آزمائی کے لئے ...اد سے نکل کھڑا ہوا۔

زریاب پہلے افریقہ پہنچا۔ وہاں کے دربار میں اپنے کمالات کو پیش کیا۔ مگر کہاں راجہ بھوج کہاں ...تیلی۔ یاد دنیا کی سب سے بڑی سلطنت خلافت عباسیہ یا ایک معمولی سے گورنر کا راج۔ اپنے ...افریقہ کو مناسب جگہ نہ خیال کرتے ہوئے اس نے دربار قرطبہ کو ایک عرضی بھیجی کہ جس میں سارا ...چٹھا لکھ بھیجا۔ اس وقت الحکم زندہ تھے۔ جیسے ہی ان کو اس کامل فن کی خبر لگی ایک یہودی مغنی کو ...یقیہ اس کے جلد لانے کے لئے بھیجا۔ حیف کہ زریاب اسپین میں پہنچ بھی نہ پایا کہ حکم نے اس دنیا سے

Marfat.com

کوچ کیا۔ فن کار کا نازک دل ٹوٹ گیا۔ اس کو اپنے ہی ستارے سے اپنے خلاف نظر آنے لگے مگر اس یہودی منصور نے زریاب کو یقین دلایا کہ مرحوم شاہ کا بیٹا بھی جو موسیقی سے کچھ کم دلچسپی نہیں رکھتا ہے بلکہ یہ ذوق اس میں کچھ درجہ بڑھا ہی ہوا ہے۔ پھر منصور نے عبدالرحمٰن کو زریاب کی صلاحیتوں کی اطلاع دی اور اس کے ارادے کے تذبذب کی بھی۔ عبدالرحمٰن نے اپنے تمام مراحم خسروانہ کا یقین دلاتے ہوئے نہایت محبت سے قرطبہ تک آنے کی دعوت دی۔ زریاب اپنے بیوی بچوں سمیت جزیرۃ الخضرا پر آ... پھر جہاں جہاں سے بھی وہ گزرا تمام حکام وعمال کو یہ ہدایات تھیں کہ اس کی عزت اور منزلت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ گورنر خود ان کی پیشوائی کے لئے دروازے تک آتے تھے۔ محلوں میں ان کو ٹھیرایا جاتا تھا۔ خدام ہر وقت ان کی خدمت کے لئے حاضر رہتے۔ زریاب کو اب محسوس ہوا کہ وہ صحیح مقام پر آیا ہے۔ بادشاہ کی عنایات سے اس وقت اور بھی مرعوب ہوا جبکہ دورانِ سفر ہی میں اس کو بہت سے تحفے، خچر اور زادِ راہ ایک نہایت ہی مودب خواجہ سرا کے ذریعہ سے ملے جو کہ خاص اسی مقصد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ جب وہ قرطبہ پہنچا تو ایک انتہائی عالیشان مکان ان کی رہائش گاہ ٹھیرا۔ دو سو اشرفیاں ماہوار، سال میں چار مختلف موقعوں پر زرکثیر بطور انعام (تقریباً ایک ہزار درہم) اور سال بھر کی ضرورت کا غلّہ بطور وظیفہ مقرر ہوا اور اس طرح سے چالیس ہزار درہم سالانہ کی آمدنی مقرر ہوئی۔ تین دن مہلت کے ملے کہ جب وہ تکانِ سفر دور کرلے تو حاضر دربار ہوئے۔ یہ تین دن بھی گزرنے دونوں کیلئے مشکل ہو گئے۔

یہ عبدالرحمٰن کی تخت نشینی کا آغاز ہی تھا اور ۲۰۶ھ ہی کا واقعہ ہے کہ زریاب نے اپنا کمال اپنا فن دربار قرطبہ میں ان کے یا ان لوگوں کے سامنے پیش کیا جو نہ صرف اس کے دلدادہ تھے بلکہ نقادِ فن بھی تھے۔ مگر ان کے استعجاب وحیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اُس نے راگ راگنیوں کے حسین امتزاج کو پیش کیا۔ دادِ وتحسین کا شور بلند ہوا۔ واہ واہ کا غلغلہ ہوا۔ عبدالرحمٰن کے دل پر تو سکّہ بیٹھ گیا۔ وہ اسی دن سے اس کا دل وجان سے گرویدہ ہوگیا۔ اس کی یہ گرویدگی تھی بھی بجا زریاب موسیقی کا تو مسلّم الثبوت استاد تھا ہی اس کو دس ہزار سے زیادہ راگ نہ صرف ازبر تھے بلکہ ان کو پیش کرنے میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس کے علاوہ علم مجلس کے وہ کیڑے تھے۔ زباندانی لسانی اور لفاظی میں ان کا جواب نہ تھا۔ آدابِ وتہذیب، تمدن شہری ومدنی میں وہ یکتا اور نشست وبرخاست سے ہمہ گیر واقفیت رکھتے تھے۔ اور یہی نہیں ان کی معلومات ایک قابل سے قابل آدمی کی معلومات سے بھی کہیں زیادہ بلند تھیں۔ علوم شرقیہ سے ان کو گہری دلچسپی تھی۔ تاریخ

Marfat.com

دانی کا یہ عالم تھا کہ تمام ممتاز شہنشاہوں اور ان کے زمانہ کے خاص خاص واقعات زبانی یاد تھے۔ اور گفتگو میں وہ موقع محل کے لحاظ سے ان کا اظہار کرتے تھے۔ فلسفہ اور ادب میں ان کی معلومات اِس قدر وسیع تھیں کہ بڑے سے بڑے فلسفی اور ادیب بھی ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتا نظر آتا تھا۔ شعر و شاعری میں تو ان کا جواب ہی نہ تھا۔ وہ خود بہت اچھے شعر کہتے تھے اور بعض اوقات ان کو راگ راگنیوں میں سمو کر شاہ کے سامنے پیش کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر اچھے شاعر کا کلام ان کو یاد تھا اور کلام کی خصوصیات اور معائب سے بھی واقفیت تھی۔ اس موضوع پر وہ ایک خاص نظر رکھتے تھے۔ موسیقی کا تو یہ عالم تھا کہ وہ اس مملکت کے تاجدار تھے۔ مختلف راگوں کو مختلف پیرائے میں پیش کرنا انہیں کا حصہ تھا۔ بربط میں انہوں نے پانچواں تار لگا کر اس باجے کی اختراع میں اس کا وجود ہی اپنے نام سے منسوب کر لیا۔ کتنے ہی راگ کا اضافہ محض انہوں نے اپنی تخلیقی قوتوں کی بنا پر کیا۔

ان کی یہ تخلیقی قوتیں اور غیر معمولی صلاحیتیں کسی گھر بند نہ تھیں لباس کے استعمال اور اس کی تراش خراش میں ان کا خاص حصہ تھا مختلف موسموں کے لحاظ سے انہوں نے لباس کے رنگوں کا انتخاب کیا۔ ان کو بھاری ہلکا یا سادہ کیا۔ موسم سرما میں گہرے رنگ۔ بھاری لباس چمکیلے اور بھڑکیلے رنگ۔ دیدہ زیب قطع و برید۔ موسم بہار میں ہلکے رنگ کے نفیس اور ملائم لباس موسم گرما میں سفید رنگ کے باریک کپڑے یہ سب انہیں کی جدت تھی کہ جسے آج مہذب سوسائٹی اپنائے ہوئے ہے۔ روزمرہ اور معمولات میں بھی انہوں نے آداب اور وضع میں نئے طریقے پیدا کئے۔ خلوت۔ جلوت کے علیحدہ علیحدہ آداب مقرر کئے۔ معمولی رسم و راہ کے انداز جداگانہ وضع کئے۔ اخلاص و قرب کی منزلوں کے جادے دیگر طرز پر رکھے خانگی مشاغل میں انہوں نے رنگینی اور دلچسپی کے بہت سے سامان پیدا کئے۔ تفریح و سیر کے لئے رعنائیوں اور دلچسپیوں کے اور ہی طریقے ایجاد کئے۔ کھانے کے نئے نئے طرز نکالے۔ کھانا کھانے کے طرز اور سلیقے انہوں نے بہم کئے۔ آج جو کانٹے چھری رومال چمچے کا استعمال عام ہے انہیں کے تمدن، خیال کا رہین منت ہے۔ اندلس جہاں کی سوسائٹی پر ابھی تک پرانے طریقے اور قدیم وضع چھائی ہوئی تھی۔ اب بھی عربوں کے تمدن کی شان امتیاز باقی تھی اب بھی وہ اخلاق میں سختی اور کرختگی قائم تھی۔ زریاب کے لطیف مذاق۔ اور حسین طرز گفتگو سے وہ سب کے سب بدل گئے۔ لوگ اب زیادہ متین۔ زیادہ متواضع اور زیادہ پرتکلف ہو گئے۔ ان کی نشست و برخواست میں بھی ایک

دلنواز قسم کا سلیقہ پیدا ہو گیا اور ان کی طرز رہائش و معاشرت بھی بہت کچھ سدھر گئی۔ بال اب تک لمبے رہتے تھے۔ اور سر و گردن پر چھائے رہتے تھے۔ زریاب نے ان کو مختصر کرایا اور وہ فیشن ایجاد کیا جو آج تک قائم ہے۔ اور انگریزی طرز کے بال کہلاتے ہیں۔ ٹیڑھی مانگ سب سے پہلے انہوں نے نکالنا شروع کی۔ اور پھر تو جدھر دیکھو سروں پر ٹیڑھی مانگیں نکلی نظر آتی تھیں۔ اب تک کھانے کی میزوں پر سونے چاندی اور جڑے ہوئے برتنوں کا رواج اعلیٰ اور امیر خاندانوں میں تھا۔ زریاب نے سب سے پہلے چینی اور شیشے کے ظروف ایجاد کئے اور ان کو مروّج کیا۔ وہ آج تک مروّج ہیں۔ نئے نئے قسم کے پکوان نکالے اور ہر تقریب اور موسم کے لحاظ سے کھانوں کی تقسیم کی۔ کھانے کی میز سجانے کا طریقہ سب سے پہلے اسی نے نکالا۔ میز پوش مختلف وضع اور رنگوں کے چرمی بچھوائے۔ بجائے چادروں یا رنگین کپڑوں کے۔ ضیافتوں میں خاص اہتمام اور سجاوٹ کے نرالے نرالے انداز انہوں نے پیدا کئے۔ سبز برگ اور رنگین پھول انہوں نے گلدستوں میں سجا کر میزوں پر لگائے۔ محلسرائی ممتاز خواتین کے لئے سنگار کے مختلف النوع انداز تزئین کئے۔ خوشبو کے لئے بہت سی خوشبوئیں عطر اور عرقیات ایجاد کئے۔ امراء کے سنگار اور ان کی رہائش کے لئے اور بھی لطیف چیزیں پیش کیں۔

یہ کہاں تک بیان کیا جائے کہ زریاب نے اس سرزمین پر کیا کیا خصوصیات پیدا کیں۔ ان کی توجہ صرف امراء اور رؤساء کی آرائش کی طرف نہ رہی بلکہ مدنی احساس (Civic Sense) انہوں نے سب سے پہلے عوام میں پیدا کیا۔ شہر کی صفائی۔ پانی کی بہم رسانی کے لئے مناسب طریقے اختیار کئے۔ مکانات کشادہ اور ہوادار بنوائے۔ روشندانوں کی ضرورت کا احساس دلایا۔ سڑکوں کی کشادگی اور ان کی روز صفائی پر زور دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زریاب کا اثر ہر شعبۂ زندگی پر چھا گیا۔ ان کے اقوال ضرب المثل بن گئے ان کی گفتگو لطائف و ظرائف میں شمار ہونے لگی اور اس کی نقل) کیا عوام کیا خواص سب ہی کرنے لگے۔ ان کی ظرافت۔ فی البدیہہ اشعار۔ چست کلامی۔ بذلہ سنجی۔ بدیہہ گوئی۔ نکتہ رسی۔ لطیفہ گوئی ہر محفل ہر بزم کے لئے بحر العقول اور قابل تقلید بن گئی۔ قدرت نے ان کو ایک خاص صلاحیت کے ساتھ پیدا کیا تھا۔ ان کا دماغ ہر وقت سوچتا رہتا تھا اور لطف یہ ہے کہ تھکتا نہ تھا۔ ان کی طبیعت ہر دم کسی چیز کی اختراع پر آمادہ رہتی۔ اور ایک اختراع اور اس کی مقبولیت کے بعد دوسری پیش کرنے پر مضطرب نظر آتی۔ وہ رات گئے تک اپنے محرروں اور کنیزوں کو کچھ نہ کچھ لکھایا کرتے یا راگ راگنیوں کی مشق کیا کرتے۔ ان کی اس ہمہ گیر

Marfat.com

قبولیت کی وجہ سے لوگ مختلف قسم کی خوش عقیدگی میں مبتلا ہو گئے کوئی کہتا ان پر بزرگوں کا سایہ ہے جو ان کو خواب میں آکر یہ ساری باتیں بتلا جاتے ہیں۔ کوئی کہتا ان کے قبضے میں جن ہیں کہ جن کے توسل سے وہ یہ سب نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ بات صرف اتنی تھی کہ قدرت کی طرف سے غیر معمولی صلاحیت اور ایک اعلیٰ دماغ لے کر آئے تھے۔ جس کے جوہر دکھانے کا موقع ان کو اسپین میں ملا۔ جیسے جیسے ان کی ایجادات کو قبولیت عام حاصل ہوتی گئی۔ ویسے ویسے ان کی ہمتیں بڑھتی گئیں اور توجہ اسی طرف مبذول رہی۔

زریاب کا اثر کیا امراء۔ کیا حکماء۔ کیا افسر سب پر تھا اور بادشاہ تو جیسے اس پر عاشق ہو اس کے بغیر چین ہی نہ آتا ہو۔ لوگ جو براہ راست بادشاہ تک نہ پہنچ سکتے تھے یا اپنی داد فریاد ان کے کانوں تک نہ پہنچا سکتے تھے وہ زریاب ہی کو اپنا ذریعہ بناتے تھے درخواستیں ان کے پاس پیش ہوتیں۔ اپیلیں ان سے کی جاتیں۔ سفارش کے لئے ان کا سہارا ڈھونڈا جاتا۔ اس کے باوجود انہوں نے کبھی اپنے اثر سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہا۔ انہوں نے کسی کام کے لئے بھی بادشاہ پر دباؤ نہ ڈالا۔ بغیر موقع محل دیکھے کوئی بات نہ کہی۔ معاملہ پر بغیر غور کئے ہوئے ان کے سامنے نہیں پیش کیا۔ کوئی سفارش جب تک معقول نہ ہوتی نہیں کی۔ سیاست اور اس کی گندگیوں سے اپنے کو ہمیشہ علیحدہ رکھا۔ سیاسی اعزاز یا منصب کے کبھی خواہش مند نہ ہوئے۔ کسی سازش یا شرارت میں حصہ نہیں لیا۔ بادشاہ کے خلاف کبھی ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ کسی کی ذات سے کبھی کوئی پرخاش نہ رکھی۔ کبھی کسی کی مخالفت نہ کی ہمیشہ دوسروں کی بھلائی چاہی۔ ریاستی امور اور اس کی پیچیدگیوں سے اپنے کو ہمیشہ دور رکھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے بادشاہ کے دل کے ساتھ ساتھ تمام علماء و فضلاء۔ شعراء۔ وزراء۔ امراء۔ شہزادگان۔ سپاہی زادے۔ عوام الناس کے دلوں کے محبوب اور چہیتے بنے رہے۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ عبدالرحمن اور اس نے بھی اپنے باپ کی طرح سے کسب کمال و تحصیل علم کیا۔

یحییٰ بن یحییٰ

اس ممتاز فقیہ کا نام اسپین کی تاریخ پڑھنے والوں کے لئے نیا نہیں۔ ان کا ذکر عبدالرحمن کے پیش رو حکم کے زمانے میں بھی آتا ہے اور ہشام کے عہد میں بھی۔ یہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم اور فقیہ حضرت امام مالک بن انسؒ کے حلقہ تلامذہ میں سے تھے۔ اور ان سے حدیث اور فقہ پر سبق لینے مدینے تک گئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی عقیدت اپنے استاد سے اور ذوق علم اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک دن مدینہ کے لڑکوں پر مشتمل ایک ہاتھی جلوس

میں نکالا گیا جو حضرت امام کے مکتب کے سامنے سے بھی گزرا۔ تمام شاگرد اشتیاق دید میں پڑھنا چھوڑ کر سڑک پر جا پہنچے۔ صرف یحییٰ بن یحییٰ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ امام مالک کو بہت تعجب ہوا اور انہوں نے فوراً اپنے شاگرد رشید سے اس کی وجہ پوچھی۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ میں مدینے میں جناب کے حضور حصول علم کی خاطر آیا ہوں نہ کہ ہاتھی دیکھنے۔ امام مالک اس سے بہت خوش ہوئے اور ان کو اپنا محبوب متعلم بنا لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب یحییٰ فارغ التحصیل ہوئے تو بلحاظ معلومات مذہبی اور علم ذاتی اپنا ثانی اسپین میں نہ رکھتے تھے۔ مالکی عقیدے کو عہد ہشام میں بہت فروغ حاصل ہوا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ یحییٰ کا اثر بھی حکام شاہی اور دربار پر بہت بڑھ گیا۔ اور کوئی امر سلطنت بغیر ان کے مشورے کے طے ہی نہیں پاتا تھا۔ اس اعزاز اور حیثیت نے یحییٰ کو سیاسی عروج کا چسکا ڈال دیا۔ اور دینی امور کے ساتھ ساتھ ریاستی امور میں بھی خاص حصہ لینے لگے۔ حکم کے زمانے میں ان کا یہ سیاسی عروج قائم نہ رہا جس کی وجہ سے انہوں نے دو بار وقت کی طاقت سے ٹکر لی۔ مگر کامیاب نہ ہوئے۔ ان کی بخشش بھی محض ان کی حد سے بڑھی ہوئی قابلیت اور مذہب پر عبور کی وجہ سے ہوئی۔

حکم کے آخری ایام حکومت میں انہوں نے اپنی گری ہوئی حالت سنبھال لی تھی۔ اور مقربین شاہ میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ شمولیت یہ اعزاز عبدالرحمٰن کے زمانے میں بھی قائم رہا۔ یحییٰ نے بھی اپنی اس غلطی کا اندازہ کر لیا تھا کہ علماء و فقہاء کو صرف دینی اور مذہبی معاملات سے دلچسپی رکھنا چاہیئے۔ اور سیاست میں خلط ملط نہ ہونا چاہیئے۔ اپنی عزت اور حرمت قائم رکھنے کے لئے بادشاہ وقت سے دوستانہ مراسم رکھنا چاہیئے نہ کہ مخالفانہ۔ یہی نظریہ تھا جس کی وجہ سے ان کو دربار قرطبہ میں ایک بار پھر رنگ جمانے کا موقع مل گیا اور ہر کس و ناکس کی نظر میں انہوں نے پھر وہی وقعت اور عظمت حاصل کر لی۔ مگر ان کی صاف گوئی سخت مزاجی غلطیوں پر گرفت کرنے کی عادت یونہی بدستور قائم رہی۔ عبدالرحمٰن کو ان کی علمیت۔ صلاحیت۔ مذہبی معاملوں میں ہمہ گیر واقفیت کی وجہ سے یہ خود سری اور خود ستائی گوارا تھی۔ وہ ان کی سخت کلامی کو برداشت کر جاتے اور درشت مزاجی کو بھی ہر موضوع پیدا ان کی گفتگو سنتے جاتے اس میں تلخی ہی کا شائبہ کیوں نہ ہو۔ کڑوی سے کڑوی بات کو بھی خاموشی سے پی جاتے۔ قاضی القضاۃ۔ صاحب سلاۃ۔ ہر عہدیدار ان کی عزت کرتا۔ ان میں اگر کوئی خلاف شرع کام کر جاتا یا غلطی کا مرتکب ہو جاتا تو وہ سختی سے ان کی بازپرس کرتے دراندازوں اور عہد النون میں جا کر ان کا محاسبہ کرتے۔ لوگوں کو جلد ہی علم ہو گیا کہ یحییٰ کو

Marfat.com

پھر وہی پچھلا اقتدار حاصل ہو گیا۔ اور محل میں ان کا اثر و رسوخ پھر اسی قدر بڑھ چکا ہے۔ ایک مرتبہ پھر بڑے بڑے عہدیداروں کی تقرریاں ان کی ایما سے ہوتیں۔ اہم کاموں کا انجام ان کے مشورے سے پاتا۔ اور مذہبی باتوں میں تو ان کا فیصلہ حرفِ آخر سمجھا جاتا جب بادشاہ اور عالموں کی نظر میں ان کی عزت بڑھی تو متوسط طبقہ اور رعایا بھی ان کی گرویدگی کا اظہار کرنے لگا۔ ان کے معتقدین کی تعداد بڑھنے لگی۔ ان کے معتقدین میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔ وہ خود کسی عہدے پر فائز نہ تھے مگر ہر عہدیدار اپنے کو ان سے کمتر بلکہ محکوم تصور کرتے۔ جب بادشاہ ان کے انگوٹھے تلے تھا تو دیگر لوگوں کا کہنا ہی کیا۔ وہ تو بالکل ہی ان کو اپنا مربی اور سرکار سمجھتے۔ وہ شرعی پابندیوں میں کیا عوام کیا خواص کیا شاہ کسی کو نہ چھوڑتے تھے ایک بار عبدالرحمٰن رمضان میں یہ بدعنوانی کر بیٹھے کہ جس سے ان کا روزہ قضا ہو گیا۔ جب انہوں نے اپنے گناہ کے کفارے کے لئے یحییٰ سے فتویٰ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ آپ ساٹھ روزے رکھئے۔ اور بادشاہ کو اتنے ہی روزے رکھنے پڑے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ کفارہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ساٹھ بھوکوں کا روزہ افطار کروا دیا جاتا اور ان کو کھانا کھلا دیا جاتا۔ یا قربانی کر دی جاتی۔ یحییٰ نے جواب دیا کہ یہ کفارہ تو ہر شخص ادا کر سکتا ہے۔ پھر بادشاہ اور ہر کس و ناکس میں فرق ہی کیا ہوا۔ بادشاہ کو اس حد تک معتقد دیکھ کر توہم پرست رعایا تو ان کو اپنا ملجا و ماویٰ اپنی مصیبت کا ازالہ سمجھنے لگی۔ حاکم اس قدر ان کے زیرِ اثر آ گئے کہ اگر کسی سے وہ ناراض ہو جاتے تو اس کے پاس صرف لفظ استعفیٰ بھیج دیتے اور اپنے عہدے سے وہ استعفیٰ دے دیتا۔ بڑے بڑے عہدوں پر جج اور منصف فیصلوں کے لئے ان کے محتاج نظر آتے اور جو کچھ وہ فیصلہ دے دیتے اسے آمنّا و صدّقنا سمجھا جاتا۔ اور یوں وہ سیاست اور معاشرت کے ہر شعبے پر چھا کر رہ گئے۔

ملکہ طروب

مورخین کا خیال ہے کہ مذہب اور موسیقی کے ماسوا عبدالرحمٰن کے اعصاب پر عورت بھی بُری طرح سوار تھی۔ ان عورتوں میں یہ سب سے زیادہ جس کا دالہ و شیدا تھا وہ سلطانہ طروب ملکہ شاہ تھی۔ یہ بے انتہا خوبصورت حسین و جمیل تھی۔ اس کے اعضاء بے حد سڈول اور سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر حسن کی تمازت اور بشاشت اس طرح ٹپکتی تھی کہ ہر دیکھنے والا مبہوت ہو کر رہ جاتا تھا۔ اس کا حسن جہاں سوز تھا۔ اس کا جمال جاں نواز۔ قدرت نے اس کو اپنے ہاتھوں ڈھالا تھا اور لطافت و رعنائی کا ایک اعلیٰ نمونہ بنا کر

Marfat.com

بھیجا تھا۔ یہ عورت جتنی حسین تھی اتنی ہی چالاک اور مکار۔ عقل وفہم اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور نزاکت وقت سے فائدہ اُٹھانا خوب جانتی تھی۔ وہ شوخ و شنگ بھی تھی اور تیز طرار بھی۔ عشوہ وغمزہ ناز وانداز اس کی رگ رگ میں سما کر رہ گئے تھے۔ اپنی اداؤں کا مظاہرہ وہ اس نزاکت اس لطافت سے کرتی کہ بادشاہ لوٹ پوٹ ہو کر رہ جاتے۔ اس کی چال ڈھال سب میں ایک عجیب طرح کا لوچ ایک عجیب لچک سی تھی جب وہ چلتی تو معلوم ہوتا کہ زمین وآسمان متحرک ہیں۔ جب وہ اُٹھتی تو پتہ چلتا کہ قیامت اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہی کافرشباب۔ یہی ظالم حسن تھا۔ کہ جس نے عبدالرحمٰن کو صرف مفتوں بلکہ طروب کا دیوانہ بنا رکھا تھا۔ یہ عورت اپنے حسن کے اثرات سے خوب واقف تھی۔ بادشاہ کی شیفتگی کا بھی بخوبی اندازہ تھا۔ اسی سے فائدہ اُٹھانے کا خیال اکثر وبیشتر اس کو حرص وطمع کی طرف راغب کر دیتا تھا۔ ایک بار امیر نے اس کو قدر زر کثیر بطور انعام دیا کہ خزانچی بھی چیخ اٹھا۔ کسی دوسرے موقع پر وہ ایک ہار کے لئے ضد کرنے لگی کہ جس کی قیمت کا اندازہ نہ تھا اور جس کے انمول ہونے کا دور دور شہرہ تھا اور ان سب سے بڑھ کر تو اس نے ایک بار یہ کیا کہ بادشاہ سے ناراض ہو کر اپنے محل کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گئی۔ بادشاہ کا حال اس کی جُدائی اور مفارقت میں بُرا ہونے لگا۔ اس کی دوری امیر کے لئے ناقابل برداشت تھی کئی غلام اس نے ملکہ کے حضور بھیجے کہ خوشامد درآمد کر کے بادشاہ کو اندر آنے کا موقع دے مگر طروب کی ضدی طبیعت اور حریصانہ عادت نے اپنی بات کے آگے کسی کی چلنے ہی نہ دی۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ جب وہ اس قدر ضد پر آمادہ ہے اور حضور کے جذبات کا کچھ لحاظ بھی نہیں کرتی ہے تو بادشاہ کو بھی خود داری کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی طرف رغبت کا اظہار نہ کرنا چاہئیے۔ اور اس کے محل کے دروازے چنوا دے کہ وہ اندر ہی اندر گھٹ کر رہ جائے۔ بادشاہ اس بات پر آمادہ نہیں ہوا۔ بلکہ اس مشورہ پر برافروختہ ہوا۔ حکم دیا کہ دروازے کے باہر درموں کی تھیلیاں چن دی جائیں۔ موتیوں کے ڈھیر لگا دیئے جائیں۔ پھر بادشاہ خود دروازے کے سامنے پہنچے اور یہ پیغام پہنچایا کہ یہ ساری دولت ملکہ کی ہے بشرطیکہ ان ترسی ہوئی آنکھوں کو مشرف بہ دیدار ہونے دے۔ طروب نے دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ کے قدموں میں گر گئی۔ اور تھیلیاں سمیٹ کر گھر میں رکھوا دیں۔

رمضان شریف میں جو بدعنوانی امیر سے ہوئی تھی وہ بھی اسی کی بدولت اور اسی کی خاطر وہ شرعی سزا کے مستحق ٹھہرائے گئے تھے۔ اور اسی کی وجہ سے انھوں نے اکثر وبیشتر یحییٰ بن یحییٰ کی

Marfat.com

لڑکیاں بھی تھیں۔ مگر با ایں ہمہ وہ اس کے عشق سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

مدثرہ اور حکم اس میں کوئی شک نہیں کہ ملکہ طروب پر عبدالرحمٰن پروانوں کی طرح جان چھڑکتا تھا۔ اور بھونرے کی طرح چومتا مگر اس کے ذوقِ جمالیات اور رنگینیٔ طبع اپنی تسکین خاطر کے لئے اور بھی جواز ڈھونڈھ رکھے تھے اور بھی راستے چن رکھے تھے۔ ایک اور بہت ہی خوش جمال کنیز مدثرہ تھی کہ جس پر بادشاہ کی جان جاتی تھی۔ یہ کنیز بھی بہت نازک اندام۔ نوح لچک والی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو آزاد کر کے عبدالرحمٰن نے اپنے نکاح میں لے لیا تھا اور بڑی محبت اور مہربانی سے پیش آیا کرتے تھے۔

ایک دوسری کنیز جاریہ حکم نامی تھی کہ جس کو علم و ادب اور شعر و شاعری سے گہری دلچسپی تھی۔ یہ کنیز تاریخ و فلسفہ میں بھی لگاؤ رکھتی تھی۔ علم کی بہت سی صنفوں پر حاوی تھی۔ اس لئے بادشاہ کی منظورِ نظر ہوگئی۔ موقع بہ موقع ایسے شعر چست کرتی تھی کہ سننے والا پھڑک اٹھتا تھا اور اسی پر بس نہیں۔ موسیقی سے بھی خاص دلچسپی تھی۔ خدا نے آواز میں بڑا رس اور درد دیا تھا۔ اس پر فن سے لگاؤ۔ سونے پر سہاگہ تھا۔ مجلسوں میں اگر کسی کے گانے کی دھوم تھی تو حکم کی۔ بادشاہ کو اگر کسی کے گانا سننے کی خواہش ہوتی تھی تو اسی کی۔ علامہ مقری کا کہنا ہے کہ عبدالرحمٰن اس کی جملہ لذات سے متاثر اور لطف اندوز ہو جاتے تھے۔ علم سے دلچسپی اور ادب سے ذوق رکھنے کی وجہ سے اس کو حکم کا خطاب دیا تھا۔ اور اسی خطاب سے وہ شہرت پا گئی۔

ان دونوں کے علاوہ ایک اور کنیز تھی اس کا نام تھا "شفا" چہرے مہرے کے لحاظ سے یہ بھی کسی سے کم نہ تھی اور خوبصورتی میں بلاشبہ ایک درجہ رکھتی تھی۔ عبدالرحمٰن کا میلانِ طبع تو اس طرف مائل تھا ہی وہ اس پر بھی مائل ہوگئے اور اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا۔

نصر مردوں میں فقیہہ دوراں حضرت یحییٰ ابن یحییٰ اور استادِ زماں زریاب کے علاوہ عبدالرحمٰن کے ذہن نے اگر کسی تیسرے کا اثر قبول کیا تھا تو وہ اس کا غلام نصر تھا۔ جو اسپین ہی کا قدیم باشندہ تھا۔ مذہب اسلام کی اچھائیاں دیکھ کر اس کا پیرو ہوگیا تھا اور اپنے آباء و اجداد کے مذہب عیسوی سے اسی قدر جلتا تھا کہ جتنا کوئی بھی دشمنِ عیسائیت جل سکتا تھا۔ عربی زبان تک صحیح بول نہ پاتا تھا مگر عربی تہذیب کا دلدادہ تھا۔ گفتگو کا خاص سلیقہ رکھتا تھا۔ تہذیب کے اصول برتنے کی کافی مہارت تھی۔ حفظِ مراتب کا ہر موقع پر خیال رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے بہت جلد بادشاہ کی نگاہوں

میں چڑھ گیا اور دیگر غلاموں کے مقابلے میں مقرب بن بیٹھا۔ بادشاہ کا اس پر کافی اعتماد تھا اور اس کے نتیجہ میں اگر ایک بار ہوشیاری سے کام نہ لیا ہوتا تو جان گنوا بیٹھتا۔

حرّانی حرّانی ایک طبیب تھا کہ جس نے اپنے علم اور فضیلت کی وجہ سے بڑی شہرت پائی۔ عبدالرحمن اس سے متاثر تو نہ تھا مگر اسے ایک اچھا حکیم اور ایک قابل ڈاکٹر ضرور سمجھتا تھا۔ یہ رہنے والا تو شام کا تھا۔ مگر اس نے پیشۂ حکمت قرطبہ میں شروع کیا اور بہت جلد ہی مشہور ہوگیا۔ طب میں اس کو وسیع معلومات تھیں۔ اور جڑی بوٹیوں کے استعمال میں اس نے نہ صرف مہارت حاصل کی بلکہ بڑی گہری نظر سے ان نباتات اور معدنیات کے افادیت کا مطالعہ کیا تھا۔ قرطبہ کی شان میں ایسے ماہرِ فن طبیب کی موجودگی سے بھی کافی اضافہ ہوا۔

Marfat.com

باب ۱۳

تحریک مولدین

مولدین یا (Renegades) اسپین کے ان عیسائیوں کو کہتے تھے۔ جنہوں نے کبھی دل ے تبدیل مذہب کیا تھا۔ اور آغوشِ اسلام میں پہنچے تھے۔ یہ کلمہ پڑھ کر کلمہ گو تو ضرور ہو گئے تھے مگر ے کے دلوں پر ان کے قلبوں پر ابھی تک عیسائی مذہب کی چھاپ تھی۔ یہ ابھی تک عیسائیوں کے انداز شرت سے متاثر تھے اور ان کا رہن سہن بھی اپنے پرانے طرز کا ہی تھا۔ جہاں تک تہذیب کا تعلق ، انہوں نے ابھی تک اپنے آبا و اجداد کی تہذیب اور اس کی بہت سی چیزوں کو ترک نہیں کیا تھا۔ ز روزے نمازیں ضرور پابندی کا اظہار کرتے تھے۔ اسپین کے مختلف بڑے شہروں میں اس رت سے عیسائی مسلمان ہوئے تھے کہ خود ان کا بھی ایک بڑا گروہ ہر شہر میں بن گیا تھا۔ خصوصاً یطلہ میں تو یہ بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ اور قرطبہ میں بھی ان کی تعداد کچھ کم نہ تھی۔ ان کو عرب ر نو وارد مسلمانوں سے ایک بغضِ خاص تھا۔ اور ان کو بہ نگاہِ نفرت دیکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ بھی خود قدیم مسلمانوں نے ان کو اپنے معاشرے میں کوئی عزت نہ بخشی تھی۔ اور صحیح معنوں میں منہ نہ لگایا ا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے بھی وہی حقوق اور وہی مدارج ہوں دوسرے مسلمانوں کے تھے کیونکہ مسلمانوں کے یہاں قدیم و جدید کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ بلکہ مسلمان مان ہونے کے بعد ان کی حیثیت کسی طرح سے دوسرے کسی مسلمان سے کم نہ رہتی تھی۔ مگر یہ سب ہب کے اصول تھے کہ جن کو عرب اپنی شریف النسلی اور قدیم مسلمان ہونے کی وجہ سے مانتے ہی تھے۔ ان میں جذبۂ برتری بری طرح سمویا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ ان نو مسلم عیسائیوں کی خبر گیری

Marfat.com

ہی کیا عجمی۔شامی۔ہندی کسی مسلمان کو خاطر میں نہ لاتے تھے اور خصوصاً اسپینی مسلمانوں کو تو بہ نگاہ حقارت دیکھتے تھے۔ان کے حقوق کبھی اپنے برابر تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ان کی قدر و منزلت قطعاً مسلمانوں کی طرح نہ کرتے تھے۔جس کی وجہ سے یہ قدیم و جدید مسلمانوں کا سوال بہت اہم ہوگیا تھا۔اور اس مسئلہ نے کافی اہمیت پکڑ لی تھی۔کاش عرب اور دیگر مسلمان جو وہاں جا کر بسے ان لوگوں کو بھی گلے لگاتے اور ان کو بھی اپنا سا سمجھتے تو بہت سے جو حادثے ہوئے وہ نہ ہونے پاتے اور یہ خلیج وسیع نہ ہو پاتی۔اسی مغائرت کا نتیجہ تھا کہ اسپین کے عیسائی بھی جو مذہب کے کٹر پیرو کار تھے۔مسلمانوں کے خلاف ہوگئے۔اسی اجنبیت کا انجام تھا کہ پادریوں۔عیسائیوں نے باقاعدہ ایک مہم مسلمان اور ان کے رسول کے خلاف چلائی وہ مستقل اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو تنگ کرتے رہے۔اپنی جانیں دیتے رہے۔مگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔وہ اس کو ایک مذہبی جہاد سمجھنے لگے تھے اور اس پر جان دینا ابدی زندگی کے برابر تھا مسلمانوں کے ہاتھ قتل ہو جانا۔شہادت عظمیٰ حاصل کرنا تھا۔

اس میں فساد کا لاوا سب سے پہلے قرطبہ میں پھوٹا۔ان واقعات کی تفصیل ہمیں زیادہ لاطینی زبان کے مورخین سے ملتی ہے اور اسی پر ہم کو اکتفا کرنا پڑے گا۔کیونکہ مسلمان تاریخ نویسوں نے یا ان واقعات کو حذف کر دیا۔یا بہت ہی اختصار سے کام لیا۔جبکہ عیسائیوں نے اپنے ہم مذہبوں کی طرز معاشرت۔انداز رہائش مذہب سے دلچسپی اور اس جہاد کی معمولی سے معمولی بات بھی لکھنے سے نہیں چھوڑی۔

اب تک عیسائیوں نے فاتحین کی تہذیب کے اثرات اس حد تک قبول کر لئے تھے کہ ان کا سارا رہن سہن انہیں کے ڈھب پر ہوگیا۔یہ لوگ اپنے مذاہب سے برائے نام دلچسپی رکھتے۔اپنی مذہبی کتابوں یا ادب کو یونہی پڑھ لیتے۔ان کو لطف ملتا تو عربی۔ادب میں۔اسی شعر و شاعری میں اسی طرز بود و باش میں۔ان کے لباس بھی بڑی حد تک مسلمانوں جیسے ہوگئے تھے۔مسلمانوں کی طرز کے مکان بھی بنوا ڈالے تھے۔اور اس قدر قریب محسوس کرنے لگے کہ بیاہ شادی کے موقعوں پر رنج و غم کی صورت میں برابر شریک رہتے۔برابر ہمدردی کرتے۔اور دفاتر میں انہوں نے ملازمت اختیار کرلی تھی۔مسلمانوں کی وسعت النظری و دلی سے ان کو اپنی تنگ نظری اور تعصبانہ ذہنیت پر تاؤ آتا تھا۔اور وہ بھی جواب میں وسیع القلبی کا ثبوت دینا چاہتے تھے۔یوں عیسائی اور مسلمان شیر و شکر ہو کر۔مل جل کر نہ صرف قرطبہ بلکہ دوسرے علاقوں میں رہ رہے تھے کہ کچھ مفسدین مذہبی دیوا

Marfat.com

تے اس سکون اور اطمینان کی فضا کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔
ان مفسدین میں زیادہ تر وہ کلیسا کے عہدیدار۔ مذہب کے ٹھیکیدار تھے جن کے اقتدار ان کے اثر جن کی پوزیشن کو سخت دھکا لگا تھا۔ ان کی روزی کا ٹھیکرا ٹوٹ گیا تھا ان کی برتری اسارا جواز ختم ہو گیا تھا۔ کیونکہ اسلام نے امام اور معتقد دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا۔ اسلام اور آقا کو ایک ہی حیثیت سے بندھن میں باندھ دیا تھا۔ مفتوح رعایا تو اس سے خوش ہو گئی تھی۔ اور اس تنظیم اور طرز کو فوری طور پر اپنا لیا تھا۔ مگر ان کے اس انداز کو پادری اور کلیسا کے مقتدر حضرات بھلا کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ وہ تو اسی کا رونا سختی سے رو رہے تھے کہ نیف عیسائیوں نے اپنی لاطینی زبان کے بجائے عربی پڑھنا شروع کر دی تھی۔ اپنی مقدس کتاب نجیل کے بجائے قرآنی اصول اور احکام پر عمل کرنا شروع کر دیا تھا۔ عیسوی تہذیب کے بجائے سلامی تہذیب کی تقلید شروع کر دی تھی۔ اپنی شاعری کے بجائے بیرونی شعراء کے کلام سے دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ اپنی دینی رسموں کے بجائے ان کی رسموں کے گرویدہ ہو گئے تھے۔ ور مغربی تمدن کے بجائے مشرقی تمدن کے شیفتہ بن گئے تھے۔ اس کے باوجود اب بھی بہت عیسائی قرطبہ میں موجود تھے جو اپنی ہی طرز۔ روش۔ وضع۔ انداز اور طریقوں پر قائم تھے۔ ان کو تو بھی گوارا نہ تھا کہ ان کا قدیم مرفعہ الحال شہر مسلمان سلطان کی رہائش گاہ میں جائے۔ اور عنقریب اجڑ جا فنا ہو کر رہ جائے ان کی صدیوں کی تہذیب ایک بالکل مختلف ہی تہذیب میں مدغم ہو کر رہ جائے۔ ان کو ان عیسائیوں کی ریاستوں پر بھی بڑا ترس آتا جو دور دراز سرحدی علاقوں پر نام نہاد آزادی کے مزے لوٹ رہی تھیں اور ایک حد تک عیسائیوں کی پشت پناہ اور ان کی حفاظت کا ذریعہ بنی ہوئی تھیں پھر بھی ان کی موجودگی مسلمانوں کی آنکھ میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور وہ جب چاہتے ان پر حملہ کر دیتے۔ قتل اور غارتگری مچا دیتے۔ لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتے۔ اس کے علاوہ وقتاً فوقتاً بادشاہ یا ان کے وزیروں کی طرف سے ایسے احکام بھی جاری ہوتے رہتے جو ان کے مذہبی پندار یا دنیوی اُمور پر ٹھیس پہنچاتے۔ مثلاً ایک فرمان کے بموجب ختنے کی رسم عام کر دی گئی۔ (واللہ اعلم بالصواب) یہ محض افترا پردازی نظر آتی ہے۔ کیونکہ یہ رسم مخصوص صرف مسلمانوں یا یہودیوں کے لئے ہے نہ کہ عیسائیوں کے لئے۔ یہ منافرت پھیلانے کے چند چھچھورے ہتھیار ہیں) اور کبھی کبھی ان کے گرجا اور خانقاہیں ڈھائی جاتیں۔ یہ بھی بے بنیاد بات نظر آتی ہے۔ کیونکہ اسلام اس کی اجازت ہی نہیں دیتا ہے کہ دوسرے مذہب

والوں کے جذبات کو کسی طرح سے بھی ٹھیس پہنچائی جائے۔ یا ان کے مذہبی اداروں کے بے حرمتی کی جائے صرف وہی کلیسا یا خانقاہیں گرائی جاسکتی تھیں جو نوتعمیر ہوں) یا عیسائیوں سے تمام رشتے منقطع کر لئے جائیں۔ ان سے گفتگو بھی کی جائے تو دور ہٹ کر جیسے کہ وہ کوڑھ کے مریض ہوں یا بھنگی چمار ہوں۔

یگانگت کے ساتھ ساتھ مغائرت بھی بڑھتی گئی۔ قربت کے ساتھ ساتھ منافرت بھی پھیل گئی۔ اور اس قسم کے جذبات کو تقویت دینے میں جو شخص پیش پیش رہا اس کا نام ایلوگیس (Eulogius) تھا اس کو علم و ادب اور دینیات سے بڑا لگاؤ تھا۔ اسی وجہ سے اس نے عربی پر بھی عبور حاصل کیا اور قرآن کا مطالعہ بھی گہری نظر سے کیا۔ مگر چونکہ تعصبانہ جذبات پہلے ہی سے دل میں سرایت کئے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی زندگی اور ان اطوار کا نزدیک سے مطالعہ نہیں کیا۔ اتفاق سے اس کے ہاتھ پمپلونہ کی کسی شکستہ خانقاہ سے ایک کتاب ہتھے لگ گئی۔ جس میں پیغمبر اسلام سے متعلق بے سروپا باتیں۔ بیہودہ قصے لکھے ہوئے تھے۔ ایلوگیس نے بلحاظ قدامت اس کو صحیح مانا اور مسلمانوں کے نظریات اور اصولوں سے بالکل ہی پھر گیا۔ ان کو عجیب غریب قسم کی مخلوق، نجس، ناپاک، ظالم، شوریدہ پشت بدمعاش مخلوق سمجھنے لگا۔ اس نے جو ان خیالات کا اظہار [illegible] سے کیا تو بہت سے جاہل، متعصب، ضعیف الاعتقاد، غیر متوازن عیسائی اس کے ہمنوا ہو گئے۔ خصوصاً چھوٹے موٹے پادری۔ راہب پروہت تو اس کی باتوں پر یقین لانے لگے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کا پروپیگنڈا وسیع ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے مقامات جہاں عیسائی اب بھی کثیر تعداد میں تھے۔ اور عربوں سے زیادہ متاثر نہ تھے۔ اپنی بے عزتی اور مذہب کی توہین کا بدلہ لینے کے لئے شمشیر بکف ہو گئے۔ [illegible] شہرادں کے داعی بن گئے۔ طلیطلہ، ملاقہ وغیرہ میں اور خصوصاً قرطبہ میں اس کی تحریک نے زور پکڑا اگرچہ بجائے تلوار بکف ہونے کے خاموشی سے گردنیں کٹوانے لگے۔ مگر یہ داستان ابھی بہت طویل ہے۔

بقول ان کے ان مجتہدین اور مذہب دوستوں کے سرغنہ ابتدا میں صرف دو تھے ایک تو وہی ایلوگیس کہ جس کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے۔ اور دوسرا الوارو (Alyaro) ایک کٹر عیسائی۔ ایلوگیس قرطبہ کے قدیم باشندگان میں سے تھا اس کے آباو اجداد یہیں رہتے تھے اور یہیں مرکھپ گئے۔ ایلوگیس کا دادا کہ جس کا نام بھی ایلوگیس تھا اپنے وقت کا بڑا دیندار مگر متعصب عیسائی تھا جس وقت موذن مغرب کی اذان د[illegible] کی آمد کا نیا زمانہ

Marfat.com

تھا اس وقت ایلوگیس اپنے سینے پر کراس بنا تا تھا اور خدا سے کہتا کہ دیکھ تیرے دشمن تیرے ہی دیس میں تیری بے حرمتی کر رہے ہیں اس ملک کو ان کے ناپاک قدموں سے پاک کر۔ وہ یہی کہتے کہتے مرگیا اور یہ زمین بجائے ناپاک ہونے کے اور پاک ہوتی گئی خدا اور رسول کے ماننے والوں سے۔ ایلوگیس کا سب سے چھوٹا بھائی جوزف (Josep) سرکاری عہدے پر مامور تھا باقی دو بھائی تجارت کیا کرتے تھے ایک بہن تھی۔ انولو Anulo جو پردہ کیا کرتی تھی۔ ایلوگیس ابتدائے عمر ہی سے مذہب کا شیدائی تھا اور اس میں واقفیت اور دسترس حاصل کرنے کے لئے اس نے سینٹ زولیس (ST. Zoliud) کی شاگردی اختیار کی۔ اس سے بہت کچھ سیکھنے کے بعد اور مزید امید نذر کھتے ہوئے اس نے خاموشی سے ایک دوسرے رہنما ایبٹ اسپیر ڈان ڈیو Abbot spirandeo سے سبق حاصل کرنا شروع کر دیا۔ اس شخص نے اسلام کے خلاف ایک کتاب بھی لکھی تھی اور ان دو شیدار کا بھی تذکرہ لکھا تھا۔ جن کو اوائل عہد حکومت عبدالرحمٰن ثانی میں قتل کر دیا گیا تھا۔ یہ اسی ایبٹ کے اثر کا نتیجہ تھا کہ ایلوگیس اسلام اور مسلمانوں کا اتنا جانی دشمن بن گیا۔ اور یہیں اس کی ملاقات الوارو (Alyaro) سے ہوئی دونوں نے مسلمانوں کے خلاف عیسائیت کی تبلیغ کی ایک تحریک شروع کرنے کا ارادہ کیا اور اس میں ثابت قدم رہنے کا عہد کیا۔ انہوں نے خاموشی سے اپنے خیالات کا پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ جلد ہی مختلف عبادت گاہوں ۔خانقاہوں میں اس کا س کی تحریک کا۔ اس کے خیالات کا چرچا ہونے لگا۔ اس کا یہ جوش دیکھ کر اسے سینٹ زولیس کے گرجا کا پادری بنادیا گیا اور اس طرح اس کو زیادہ لوگوں کے متاثر کرنے کا موقع ملا۔ اسی عرصہ میں ایک بسری نازک ہستی کی شمولیت نے اس تحریک میں زبردست روح پھونک دی۔

یہ نازک ہستی تھی فلورا (Flora) اس کا باپ مسلمان تھا جو اس کے بچپنے ہی میں مرگیا تھا اور ماں عیسائی جس کے زیر اثر اس نے پرورش پائی تھی۔ جس سے ظاہر ہے اسے مسیحی مذہب کی تعلیم دی اسی کی خوبیاں بتائیں۔ اور اس کے دل پر مذہب عیسوی کا سکہ بٹھا دیا۔ اس کے بھائی جو اپنے باپ کے نقش قدم پر چل رہا تھا فلورا کے اس رجحان کو دیکھ کر سخت برافروختہ ہوتا اور اسے کلیساؤں میں بھی جانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یا اگر دیتا بھی تو طوعاً کرہاً کبھی کبھی۔ اس قید اور پابندی سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنے مذہبی رجحان کی تکمیل کی خاطر فلورا نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ اس گھر کو جلد از جلد چھوڑ دے اور کسی آزاد جگہ پر رہے۔ بغیر بھائی کی اجازت کے وہ اپنی بہن بالڈے گوتھو (Balde gothu) کے ساتھ ایک رات چپکے سے گھر سے نکل گئی۔

Marfat.com

اور کسی خانقاہ کے زیریں حصہ میں روپوش ہوگئی۔ بھائی کو جب ان کی فراریت کی خبر ملی تو اس نے ہر چہار طرف تلاشی کروائی مگر بے سود۔ پھر چند پادریوں کو جن پر اس کے اغوا کا شبہ تھا برآمدگی کے لئے گرفتار کر کے سختی کی تو انہوں نے گھبرا کر اس کی جائے روپوشی تبلادی یا شاید فلورا اپنے مذہبی رہبروں کو مصیبت میں گھرے دیکھ کر اور وہ بھی اس کی خاطر وہاں سے نکل آئی اور بھائی کے سامنے پہنچ گئی۔ اور اپنے عیسائی ہونے کا دلیری سے اقرار کر لیا حتّٰی کہ یہ بھی کہہ دیا کہ جو چاہے سزا دے لو جیسی چاہے سختی کر لو وہ اب اپنے ارادوں سے باز نہیں آسکتی ہے۔ اس کے بھائی نے اس کی خوب مرمّت کی مگر وہ اپنی راہ سے نہ ہٹی۔ بالآخر اسے قاضی کے سامنے لے گئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ قاضی نے اس کو باز رکھنے کی کوشش کی۔ مگر جب وہ آمادہ نہ ہوئی تو سزائے موت کا حکم سنایا۔ پھر اس کی جوانی۔ خوبصورتی اور کم سنی پر رحم کھاتے ہوئے اس کو تکلیف سزا میں تبدیل کر دیا۔ وہ ہر تکلیف کو سہہ گئی۔ ہر سزا کو برداشت کرے گی۔ قاضی نے پھر اس کو اسی کے بھائی کے حوالے کر دیا کہ زیادہ سختی سے اس کی نگرانی کرے اور مذہب اسلام پر واپس لانے کی کوشش کرے۔

مگر یہ مذہب کا نشہ نہیں ہوتا ہے کہ سختیوں اور نگرانیوں کی ترشی سے اتر جائے۔ فلورا کو بند مکان میں قید کر دیا گیا اور کئی عورتوں کو جو اس کی نگرانی پر معمور کی گئیں یہ ہدایت ملی کہ اسے ادھر سے ادھر نہ ہونے دیا جائے۔ فلورا نے بھی کچھ دنوں تک بھاگنے کی کوشش نہ کی بلکہ چپ چاپ گھر میں پڑی ہوئی اپنے زخموں کے بھرنے کا انتظار کرتی رہی۔ اس کی خموشی اور شائستگی نے نگراں عورتوں کو تساہلی برتنے پر مجبور کر دیا۔ ایک شب وہ چپکے سے چھت پر چڑھی اور پھر دیوار کے سہارے پھسلتی ہوئی سڑک پر آگئی۔ پھر جو اندھا دھند بھاگنا شروع کیا ہے تو نہ آگا دیکھا نہ پیچھا آخر اپنے ایک شناسا عیسائی کے گھر پہنچ گئی۔ جہاں ایلوگیس (Eulogius) پہلے سے آتا جاتا تھا۔ یہیں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ یہیں مضبوط دوستی کے رشتے کی بنیاد پڑی اور یہیں وہ ایک دوسرے کو جان سے زیادہ چاہنے لگے۔ قرطبہ میں اس کی موجودگی کے راز کھل جانے کا ہر وقت خطرہ تھا۔ اپنی بہن بالڈے گوتھ (Baldy gothu) کے ساتھ وہ شہر چھوڑ کسی دوسری جگہ نسبتاً محفوظ تھی منتقل ہوگئی۔

مگر قرطبہ میں جس تحریک کا آغاز ہو چکا تھا وہ روز بروز طاقت پکڑتی ہی جا رہی تھی۔ اب تو ہر کٹر عیسائی مسلمانوں۔ اسلام اور بانی اسلام کے خلاف زہر اگلنے لگا۔ اور اس کو کار ثواب سمجھنے

Marfat.com

لگا۔ انہیں میں پیش پیش سینٹ اکزسلکس (ST. Acisclus) کلس پادری پرفیکٹس (Perfectus) بھی تھا کہ جس کی گندہ ذہنی نے ایک روز سرِ بازار مسلمانوں کو سخت مشتعل کر دیا۔ یونہی اتفاق سے وہ کچھ خرید و فروخت کی خاطر بازار پہنچا اور وہاں اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ یہ شخص عربی بہت روانی سے بولتا تھا۔ اس لئے کسی دوکاندار نے اس سے پوچھا کہ تمہارے مذہب والے ہمارے مذہب کے بانی کے متعلق کیا خیالات رکھتے ہیں۔ پرفیکٹس بولا خیال جیسا تیسا بھی رکھتے ہیں۔ مگر اس کا اظہار تم لوگوں کی سخت دل شکنی کا باعث ہو گا اور ممکن ہے کہ تم برداشت کرنے کے بجائے مشتعل ہو جاؤ اور پھر مجھے اپنے قاضی کے حوالے کرو جو بغیر پوچھے گچھے سزائے موت کا حکم سنا دے۔ دوکانداروں نے اس کو یقین دلایا کہ یہ محض رائے زنی کا معاملہ ہے ہر شخص کو اختیار ہے کہ وہ جیسی چاہے رائے قائم کرے۔ اگر وہ خلاف بھی ہو گی تو ہم تمہیں قاضی کے سپرد نہ کریں گے۔ اس جواب سے مطمئن ہو کر پرفیکٹس بولا کہ جہاں تک حضرت مسیح کا تعلق ہے انہیں تو ہم بالمثل خدا سمجھتے ہیں۔ اور انہیں کی بھیجی ہوئی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ میرے بعد بہت سے جھوٹے آئیں گے۔ جو اپنی نبوت کا دعویٰ کر کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے بہتوں کو اپنے جال میں پھنسائیں گے اور چند بعید العقول باتیں کچھ حیرت انگیز کارنامے دکھلا کر جنہیں وہ معجزات سے تعبیر کریں گے بہت سے مرکوں کو اپنی طرف مائل کریں گے اور اپنے اس مکر اور فریب کا جال بچھا کر لوگوں کو راہِ راست سے ہٹا دیں گے۔ اگر برا نہ مانو تو تمہارا محمد ان جھوٹے دعویداروں (نعوذ باللہ) میں سب سے بڑا جھوٹا ہے۔ ان مکاروں میں سب سے بڑا مکار ہے۔

پرفیکٹس کا اندازِ تخاطب ہی فدائیان اسلام کے دلوں کو ٹھیس پہنچانے کے لئے کافی تھا نہ کہ اس پر اس نے زیادتی یہ کی کہ بکتے ہی چلا گیا اور پیغمبرِ اسلام کو خادم شیطان بتا دیا۔ اس وقت تو انہوں نے پرفیکٹس کو جانے دیا کہ وعدہ کر چکے تھے۔ مگر دل ہی دل میں اس کے خلاف ایک آگ بھڑک اٹھی۔ دوسرے کسی موقع پرفیکٹس جب بازار پہنچا تو تمام دوکاندار چلا ئے یہی وہ شیطان لعین ہے جو ہمارے نبی کو گالیاں دیتا ہے۔ یہی وہ بدکار اور بدباطن شخص ہے جو بانیٔ اسلام کو خادمِ شیطان بتاتا ہے۔ مشتعل مجمع اس پر ٹوٹ پڑا اگر بجائے زدوکوب کرنے کے اسے قاضی کے سامنے لے گئے اور سارا معاملہ پیش کیا۔ گواہان کے بیان سن لینے کے بعد قاضی نے اس گندہ دہن سے پوچھا کہ اسے اپنی صفائی میں کیا کہنا ہے۔

Marfat.com

وہاں بجز جھوٹ دروغ گوئی اور انکار کے چارہ کیا تھا صاف مُکر گیا۔ مگر چہرے سے صاف عیاں ہو گیا دل کا حال۔ سزائے موت دیدی گئی اور پا بزنجیر قید خانے میں ڈالدیا گیا۔ جہاں غلام نصر کی طرف سے پھانسی کا دن مقرر ہونا تھا۔ موت کو اپنے سر پر منڈلاتے دیکھ کر اور اس سے نجات کی کوئی صورت نہ پا کر اس کی ہمت رفتہ پھر عود کر آئی۔ اور جیل خانہ میں اس نے پھر رسول کی شان میں گستاخیاں کرنا شروع کر دیں۔ اپنے گناہوں کی تلافی میں روزے رکھنا شروع کئے۔ عبادت کرنے لگا۔ گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔ اس کی ذہنی اور روحانی اور اسی کے ساتھ ساتھ جسمانی تکلیف روز بروز بڑھتی جاتی تھی مگر اس کے خاتمہ کے لئے نصر کی طرف سے نہ آج پھانسی کا دن مقرر ہوتا تھا نہ کل مگر اسے کیا معلوم کہ وہ رمضان کا مہینہ تھا جس کی حُرمت میں کسی کا خون بہانا مسلمان جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ ۱۷ اپریل ۸۵۰ء کو بڑے دھوم دھام سے عید منائی گئی۔ بعد نماز سارا مجمع ایک میدان میں جمع ہوتا۔ دوپہر کے وقت جہاں وعظ ہوتا اس کے بعد مختلف قسم کی خوشیاں منائی جاتیں اسی دن پرفیکٹس کو یہ حکم ملا کہ اس کی زندگی کا اختتام آپہنچا ہے۔ اور اسی دن دوپہر کو اس میدان میں مسرور و شادان مسلمانوں کے سامنے اسے سولی پر چڑھایا جائے گا۔ یہ سن کر پرفیکٹس کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ موت سے اب وہ نہیں خائف تھا مگر اس کا ضرور صدمہ تھا کہ اس کی موت بھی ان لوگوں کے لئے خوشی کا ذریعہ ایک شادمانی کا موقع بہم کرے گی اسے نصر پہ سخت تاؤ آیا۔ اور اس کے حق میں بددعا کی کہ یہ مغرور اور متکبر شخص کہ جس کے آگے بڑے بڑوں کے سر جھکتے ہیں۔ مسیح کی مدد سے دوسری عید کی خوشیوں میں شریک نہ ہو پائے گا۔ اتفاق ایسا ہی ہوا کہ اس کی یہ بددعا نصیر کے لگ ہی گئی۔ اور اسے واقعی آئندہ سال اس مبارک موقع کی مسرتیں نصیب نہ ہوئیں۔ اس کا واقعہ پھر آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ بھرے مجمع کے سامنے پرفیکٹس کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ مسلمانوں کی نگاہ میں ایک شیطان لعین مارا گیا۔ عیسائیوں کی نظر میں ایک درویش Saints کی جگہ پائی۔ اسے سینٹ ایکزکلس (St. Acisclus) کے گرجا میں ہی بڑی شان و شوکت سے دفن کیا گیا۔ اسی دن اتفاق سے ایک کشتی دریا میں ڈوب گئی۔ عیسائیوں نے سمجھا یہ اسی کی جان لینے کا نتیجہ ہے اور ایلوگیس نے تو انہیں معنوں کا ایک نعرہ بھی لگا یا۔

اس کے کچھ ہی دن بعد ایک دوسرے عیسائی دلوانے کی یادہ گوئی نے قرطبہ میں اودھم مچادیا۔ یہ ایک تاجر تھا جس کا نام جان (John) تھا۔ بہت ہی خاموش اور بے ضرر قسم کا انسان تھا۔

ں کی ساری توجہ اپنی تجارت ہی کی طرف لگی رہتی اور اس کی ترقی میں رہتا۔ مسلمان تاجر اس بازار میں بیٹھتے تھے اس کی اس ترقی سے جلنے لگے اور اس کی خرابی کے درپے گئے۔ اتفاق سے ان کے ہاتھ ایک بہانہ بھی آگیا۔ رجان اپنا سودا یہ کہہ کر بیچا کرتا بخدا یت عمدہ مال ہے۔ رسول کی قسم بہت بڑھیا چیز ہے۔ نبی کی قسم ایک ہی اعلیٰ مال ہے وہ یہ یہ سے چیختا رہا اور کسی کی توجہ اس کی طرف مبذول نہ ہوئی۔ اب ان جلنے والوں نے اس کی مخالفت کا یہی جواز بنالیا۔ مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا۔ کہ تیرے اس طرح رنے سے لوگ تجھے مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور دھوکے میں آجاتے ہیں۔ یہ دھوکہ دینا اچھا کام نہیں ۔ رجان بیچارہ گھبرا گیا۔ بولا میں یہ الفاظ کسی کی دل آزاری کی وجہ سے استعمال نہیں کرتا ہوں رنہ کبھی میرا یہ مطلب تھا اگر یہ قابل اعتراض ہے تو میں آئندہ سے احتیاط برتوں گا۔ مگر اب ں کی تاویلات کون سنتا۔ اسے بھی گھسیٹتے ہوئے قاضی کے پاس لے گئے۔ رجان نے سچ ع بات قاضی کے سامنے کہہ دی۔ قاضی نے اس کو صرف چار درے لگانے کی سزا دی جو بہت ہی مولی ہوتی ہے مجمع چلایا کہ یہ واجب الموت ہے۔ یہ رحمدلی کا ثبوت دیا گیا۔ اس کو اور کڑی سزا نا چاہیئے۔ قاضی نے کہدیا کہ اس کا منہ کالا کر کے گدھے پر بٹھلا کر شہر میں گشت بھی کرایا جائے پھر اسے جیل کی چہار دیواری میں بھیج دیا گیا۔ کچھ دنوں بعد ایلوگیس جیل خانے اس کی عیادت لئے گیا تو دیکھا کہ زنجیر کے نشانات ابھی تک اس کے گوشت پر بنے ہوئے تھے۔ ایلوگیس کا ل اس کی مصیبت کو دیکھ کر بھر آیا۔ باہر آکر جب اس نے اس کا چرچا کیا تو ایک دوسرا راہب قاق اس کے نقش قدم پر چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کے پاس دولت کی کمی بھی نہیں تھی ر تعلیم بھی خوب حاصل کی تھی۔ عربی سے بھی دلچسپی رکھتا تھا اور اس کی لیاقت کو دیکھ کر بدالرحمن نے اسے کاتب مقرر کر دیا تھا۔ اپنے عیسائی بھائیوں کی یہ زبوں حالی دیکھ کر اس کا بھی بھر آیا اور یہ اچھا نہ لگا کہ خود تو شاہی ملازم ہو کر زندگی کے مزے لوٹے اور دوسرے م مذہب تکلیف میں مبتلا ہوں۔ ۲۴ سال کی عمر میں نوکری سے مستعفی ہو کر وہ تبوناس Tabonas کے کلیسا میں جسے اس کے چچا جرمیز Jermias نے بنوایا تھا۔ چلا گیا کلیسا قریہ سے الگ گھنے جنگل اور کوہستانی علاقوں سے گھرا ہوا تھا۔ جب وہ اس کلیسا میں پہنچا اس کے چچا اس کی چچی ایلزبتھ Elizabeth اور دوسرے رشتہ داروں کو پہلے ہی سے اس مقصد کے لئے وہاں جمع پایا۔ ان کے اس انہماک اور عقیدت کو دیکھ کر وہ اس حد تک متاثر ہوا

Marfat.com

کر فوراً قرطبہ پہنچ کر قاضی کے سامنے پیش کر دیا۔ اور بولا کہ میں اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ آپ مجھے اپنے دلائل سے اس کی طرف مائل کر دیں۔ قاضی بخوشی اس کے سامنے اپنے دلائل اور توجیہات رکھنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ جب یہ دلائل کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ اسحاق بولا کہ تمہارا پیغمبر جھوٹا ہے (نعوذ باللہ) اس نے تمہیں تمہاری پوری قوم کو گمراہی کی طرف راغب کر دیا ہے اور اسی طرح کی بہت سی باتیں کیں۔ قاضی کو اس قدر غصہ آیا کہ منہ سے الفاظ نکلنا بند ہو گئے اور اس نے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ اب بات بہت بڑھ گئی قاضی نے اس کو قید کر دیا۔

اور سلطان سے اس کے بارے میں مشورہ کیا۔ وہاں سے کڑی سے کڑی سزا دینے کا حکم صادر ہوا۔ اس کو نہ صرف پھانسی دی جائے بلکہ لاش کو کئی دن تک الٹی لٹکے رہنے دیا جائے اور پھر نذرِ آتش کر کے راکھ کو دریا میں بہا دیا جائے۔ جون کی ۳ تاریخ تھی ۸۵۱ء تھا جب اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ عیسائیوں نے اس کو بھی سینٹ کا درجہ عطا کر دیا۔ پھر تو دونوں طرف سے جان دینے اور جان لینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دو دن بعد سانچی (Sanchi) نامی ایک فرانسیسی جو بادشاہ کے نگہبانوں میں سے تھا اور ایلوگیس کے شاگردوں میں تھا۔ اسی حماقت پر آمادہ ہو گیا اور آخر کار مارا گیا۔ روزانہ ایسے دیوانوں کا ایک تانتا قاضی کی عدالت کے سامنے لگنے لگا۔ ۷ جون ۸۵۱ء بروز اتوار چھ اور پادری گندہ دہنی کرتے ہوئے جان دینے پر تل گئے۔ ان میں اسحاق کا چچا جرمیس (Jeremias) ایک دوسرا ہبنٹس (Habenkus) بھی تھا۔ ان کے سر کٹوا دیئے گئے۔ کچھ ہی دنوں بعد سیسی نند (Sisenand) اور پال Paul ۱۰ جون کو اسی گستاخی کی وجہ سے مارے گئے۔ ایک اور دوسرا کمن راہب تھیوڈ میر (Thedomir) کارمونہ کے رہنے والا اسی غرض سے قرطبہ پہنچا اور بزعم خود شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔

دو مہینے کے اندر اندر گیارہ پادری اور مارے گئے۔ اس مذہبی دیوانگی نے قرطبہ میں ایک ہل چل مچا دی اور شہر کا سارا امن ختم کر کے رکھ دیا۔ بہت سے وہ عیسائی جو پُر امن شہری کی طرح رہنا چاہتے تھے سخت گھبرائے کیونکہ اب کسی بھی غیر مسلم پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان کی درخواست پر مسلمانوں نے ان لوگوں کو مباحثے سے مناظرہ سے تحریروں سے قائل کرنے کی کوشش کی ان کو اس شرارت سے دور رہنے کی درخواست کی۔ مگر سب کچھ ناکارہ ثابت

Marfat.com

...دا۔ انجام کار ذمہ داری حکومت پر آپڑی کہ ان سرپھروں کا علاج کرے۔ عبدالرحمٰن ثانی نے
...ک مذہبی کانفرنس منعقد کی اور اس میں ہر مکتبہ نظر کے لوگوں کو طلب کیا۔ خود بادشاہ نے
...ی ان کے اجلاس میں شرکت کی۔ ان کے خیالات کو تبدیل کرنے کی پوری جدوجہد کی گئی۔
...نفرنس کے اختتام پر ایک عیسائی حاکم ان کے محاسبہ کے لئے مقرر کیا گیا۔ اس کا نام گومز
Gomez تھا۔ جوانٹونین (Antonian) کا بیٹا تھا۔ بقول ایلوگیس اور الوارو یہ شخص عیسائی
...تے ہوئے بھی عیسائیوں کا سخت دشمن تھا اسے ان مسیح کے پروانوں اور ان کے کارناموں
...ے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ اس تحریک ہی کو خراب سمجھتا تھا۔ اس نے تمام پادریوں اور بشپ
Bishop سے یہ التجا کی کہ اس جنون اور اس مجذوبیت کو روکے اور عیسائیوں کو خواہ
...داہ اپنی جان گنوانے کا موقع نہ دیں۔ اس کی التجا پر ان سب نے ایک فرمان جاری
...ا جس میں تحریک کے اس طریقے کی مذمت کی اور لوگوں کو اس طرح سے سر کٹانے سے
...کا۔ بات یہیں تک اگر رہتی تو مناسب تھا۔ گومز نے ان لوگوں کو مجبور کیا ایسے تمام خطرناک
...ناصر کو قید کر دینے کی اجازت دیں۔ یہ شرط بہت سخت تھی۔
...سال (Saul) اسقف قرطبہ ان جان دینے والوں کی حمایت پر آمادہ ہو گیا۔ اور اس نے
...ار سو درہم کا وعدہ بادشاہ کے خواجہ سراؤں سے کیا اگر وہ بادشاہ کو ان لوگوں کی رہائی پر
...ادہ کر لیں۔ خواجہ سراؤں نے ان کی زبانی بات کا اعتبار نہ کرتے ہوئے تحریری ضمانت
...اہی۔ سال نے فوراً ایک وعدہ تحریری طور پر کر لیا۔ خواجہ سرا بمشکل تمام اپنے بادشاہ کو اس
...ت پر راضی کر سکے کہ ان لوگوں کے ساتھ رعایت برتی جائے۔ ان لوگوں کا ایک شاندار جلوس
...کالا گیا جس کے آگے آگے سال تھا مگر یہ کیفیت بھی زیادہ عرصہ قائم نہ رہ پائی۔ ان تنگ نظر کٹر
...ور مسلم دشمن عیسائیوں کا جوشِ جہاد اور اس سے زیادہ جذبۂ رقابت اس قدر بڑھ چکا تھا کہ اب
...ہ اس شور و شغب۔ دنگا فساد اور جان دینے ہی میں راحت و سکون محسوس کرتے تھے۔ اسقف
...شبیلیہ ریکافرید (Metropolitan Recafredr) جس نے عبدالرحمٰن کی بلائی کانفرنس
...ی صدارت کی تھی۔ ان لوگوں کے خلاف فیصلہ کر دیا اور سب کو قید کر دینے کا مشورہ دے دیا۔
...ایک دم سے پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ بہت سے بھاگے مگر پکڑے گئے۔ بہت سے بھیس بدل کر
...کل گئے۔ بہت سے ادھر ادھر جا چھپے۔ بہت سے مارے خوف کے مسلمان ہو گئے۔ گرفتار شدگان
...میں ایلوگیس بھی تھا جس کو اس کے گھر ہی سے پکڑا گیا۔ جب وہ اپنی کتاب میموریل آف سینٹ

Marfat.com

(Memoril of Saints) لکھ رہا تھا۔ گھر کے سارے افراد خوفزدہ ہو کر رہ گئے۔ مگر پولیس کے سپاہی ایلوگیس کو پکڑ کر لے ہی گئے اور جیل خانے میں ڈال دیا۔ یہیں ایک بار اس کی ملاقات پھر فلورا سے ہو گئی۔ خود فلورا سے ہو گئی۔ خود فلورا وہاں تک کیسے پہنچی یہ بھی ایک پر لطف داستان ہے۔

مریم نامی راہبہ (ہسلمس) ان چھ راہب شہیدوں میں سے ایک کی بہن تھی جنھوں نے کچھ دن پیشتر قاضی قرطبہ کے سامنے توہین پیغمبر اسلام کی تھی۔ اور پھر موت کی سزا پائی تھی۔ مریم اپنے بھائی کے غم میں بہت افسردہ، نڈھال اور روتی رہتی تھی۔ مگر ایک دن خانقاہ کے ایک دوسرے راہب نے اس کو تبلایا کہ اس نے خواب میں اس کے بھائی کو دیکھا تھا جو کہتا تھا کہ مریم سے کہہ دو کہ وہ غم نہ کرے میری موت کا ماتم نہ کرے۔ وہ بھی بہت جلد بہشت میں مجھ سے ملنے والی ہے۔ اس بشارت کے بعد مریم کے چہرے پر بشاشت آگئی تھی اور مضافات قرطبہ کی خانقاہ سے نکل کر جہاں اب تک وہ بحیثیت راہبہ (nun) رہ رہی تھی۔ سینٹ ایکزاکلکس (Aclsclus) پہونچ گئی اور وہیں اس کی ملاقات فلورا سے ہوئی جو خود اپنی جائے پناہ سے نکل کر شوق شہادت میں وہاں پہونچ گئی تھی۔ دونوں میں جب خوب گاڑھی چھنی تو فلورا سے مریم نے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ فلورا نے اس کے ارادے کو دل سے سراہا بلکہ دونوں نے مل کر قسم کھائی کہ دونوں ایک ساتھ اس نیک کام میں حصہ لیتے ہوئے جان دیں گے۔ دونوں قاضی شہر کے سامنے پہنچ گئیں۔ دونوں نے ہرزہ سرائی شان رسول میں شروع کر دی۔ دونوں موت کی مستحق تھیں۔ مگر قاضی فلورا کو پہلے ہی جانتا تھا کہ وہ ایک مسلمان باپ کی بیٹی ہے۔ مریم کی جوانی اور معصومیت پر بھی اس کو ترس آگیا۔ پہلے تو اس نے دونوں کو تنبیہ کی کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں اور توبہ استغفار کریں۔ مگر جب انہوں نے اس کی بات نہیں مانی تو قید کروا دیا۔ یہاں بھی انہوں نے راست قدمی کا ثبوت دیا۔ عبادت کرتی رہیں۔ روزے رکھتی رہیں دعا میں مشغول رہیں مگر رفتہ رفتہ ان کے ارادوں کی پختگی میں کمی آتی گئی۔ وہ نازک اندام قید کی سختیاں زیادہ برداشت نہ کر سکیں۔ پھر شاید ان کے کانوں میں یہ زہر بھی کسی نے گھول دیا کہ ان کو جان سے نہیں مارا جائے گا۔ بلکہ حرامکاری پر مجبور کیا جائے گا۔ ایسے ہی وقت میں ایلوگیس قید خانے پہنچا اور وہاں اس نے ان کی گرتی ہوئی ہمتوں کو ابھار دیا۔ اس نے مستقل مضامین اس مشن کی موافقت میں لکھے کہ جس کی خاطر بہتوں نے جان دی تھی۔ اور بہت سے جان دینے پر آمادہ تھے۔ وہ سب کے سب اس نے فلورا کی خدمت

Marfat.com

میں پیش کئے اور اس کے نرم و نازک دل میں یہ بات بٹھادی کہ جس مشکل راہ میں اس نے قدم اٹھایا ہے وہ اور بھی زیادہ مشکل ہوتی جائے گی اور بھی زیادہ دشوار گذار اور خار زار بنتی جائیگی۔ اس میں کسی سہولت اور آرام کا امکان نہیں۔ جو ثابت قدمی سے اس راہ سے گذر گیا۔ وہی نیک پارسا۔ اور محبوبِ مسیح ہے فلورا اور میری کے دل میں ایک بار پھر وہی پچھلی جرأت لوٹ آئی۔ ان لوگوں کو پھر سے راہ راست پر ڈال کر ایلوگیس نے اپنی کتاب بھی مکمل کرلی۔ اور اسے ایلوارو Alvaro کے پاس نظر ثانی کے لئے بھیج دیا۔ اور اپنے ہم عقیدہ اور ہم رہبوں کے دینی شعور اور ہمت کو بیدار کرنے کے لئے ایک دوسری کتاب کی بھی تصنیف شروع کردی۔

کچھ دنوں بعد فلورا کو پھر قاضی نے بلوا بھیجا کہ اس کو پند و نصیحت کرکے راستے پر لائے مگر اب فلورا میں وہ تذبذب کا عالم باقی نہ رہا تھا۔ وہ اپنی جگہ ایک مضبوط چٹان تھی۔ ایلوگیس نے جب پھر وہ قید خانے پہونچی تو اس سے ملاقات کی اور اس کی بلند ہمتی۔ اس کی راست عقیدگی اور مستقل مزاجی کی حد درجہ تعریف کی اور اُسے یقین دلایا کہ وہ مثل ایک فرشتے کے ہے اور اس کی یہ اولوالعزمی یقیناً اس کے لئے مسیح اور اس کے باپ کی خوشنودی کی سبب بنے گی۔

مگر چاہے یہ راست عقیدگی ہو یا مذہبی پندار فلورا اور میری ۲۴۔ نومبر ۸۵۱ء کو یہ دونوں نوجوان راہبائیں موت کی آغوش میں سُلادی گئیں۔ ایلوگیس مستقل طور پر غمزدہ ہوگیا۔ ہرچند کہ پانچ دن بعد نہ صرف وہ بلکہ سال Saul اور دوسرے پادری بھی رہا کردیئے گئے مگر یہ رہائی ایلوگیس کے لئے نعمت نہ تھی باعثِ کوفت تھی۔ سال تو اپنے ارادوں سے باز آگیا اور ریکا فریڈ کے احکامات پر چلنے لگا مگر ایلوگیس اپنے مشن کی کامیابی کے لئے اور بھی اَن تھک کوشش کرنے لگا اس نے اپنی تحریروں۔ تقریروں اور تبلیغوں سے کچھ ایسا جادو پھونکا کہ عیسائی مرد۔ عورتیں۔ راہب۔ پادری جوق درجوق قاضی کے سامنے جا جاکر ہجو یا وہ گوئی کرنے لگے اور قتل کئے جانے لگے یہ جنون اس حد تک بڑھا کہ اکثر عیسائی مسجدِ خاص میں گھس کر اس حماقت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ اور آخر کار قید کئے گئے۔ اور پھر کچھ دن بعد ۱۶ ستمبر ۸۵۲ء کو پہلے ان کے ہاتھ پیر کاٹے گئے اور اس کے بعد ان کی گردن اُڑادی گئی۔

قدرت کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ اُس کے چھ ہی دن بعد ۲۲ ستمبر ۸۵۲ء کو عبدالرحمٰن ثانی کا انتقال ہوگیا۔ اور ان کا جانشین کوئی مقرر نہ تھا اس لئے پہلے کچھ جھگڑا ہوا۔ جس کا ذکر آگے آئے گا۔ بعد میں جب محمد تخت نشین ہوئے تو ان کی نرمی سے اس تحریک نے اور زور پکڑا۔ جب ان کا زور بڑھتا

ہی گیا تو محمد جو اپنے اُصولوں میں خصوصاً دنیوی معاملات میں بڑا سخت تھا ان کے خلاف قدم اُٹھانے پر مجبور ہی ہوگیا۔ سب سے پہلے تمام عیسائی حاکم و عامل بجز گورنر کے ملازمت سے برطرف کئے گئے۔ وہ تمام گرجا جو نئے بنائے گئے تھے گرا دیئے گئے۔ جن جن خانقاہوں یا کلیساؤں میں بغیر اجازت زمین کے قطعات یا مکانات کے اضافے ہو گئے تھے وہ سب ڈھا دیئے گئے۔ جن کی مرمت بھی خود ہی ان لوگوں نے کرا ڈالی تھی۔ ان کے خلاف بھی یہی قدم اُٹھایا گیا۔ محمد کے نئے تقرر شدہ عوامل کچھ تو اپنے بادشاہ کی خوشنودی طبع حاصل کرنے اور کچھ اپنی کارگزاری دکھانے کی غرض سے ان احکامات کی تعمیل زیادہ جوش وخروش سے کرنے لگے۔ قرطبہ میں پھر ان احمقوں کے لئے نجات کا دروازہ بند ہوگیا۔ ایلوگیس اور ایلوارو نے اپنی قوتیں زیادہ صرف کرنا شروع کر دیں۔

گومز نے یہ سمجھتے ہوئے کہ شاید اس کا مستقبل کہیں اس کے مذہب کی وجہ سے تاریک نہ ہو جائے۔ پھر یہ بھی اس نے سن رکھا تھا کہ گومز مسلمان ہوتا تو میں اس کو چانسلر کے عہدے پر مقرر کرتا۔ غرض وجہ کچھ بھی ہو مادی منفعت یا حصول عقبیٰ وہ مسلمان ہوگیا اور کٹر قسم کا۔ اس کا نام تو شاید نہیں بدلا۔ مگر اس کے بیٹے کا نام ضرور عمر تھا اور وہ بھی اپنے باپ کے عہدے پر بحال رہا۔

قرطبہ کی اس تحریک کا اثر دوسری جگہ نہ پہنچنا ناممکن تھا۔ اور خصوصاً طلیطلہ جیسے شہر میں جو حکومت اور طاقت وقت کے خلاف ہر تحریک کو اپنانے کے لئے بس تیار ہی بیٹھا رہتا۔ اوائل تحریک میں ایلوگیس نوار (Navarre) سے آئے ہوئے طلیطلہ ٹھیرا بھی تھا اور وہاں کے اسقف وسٹریمر (Mirom etropolitan wistre) نے ان کی بہت خاطر تواضع کی تھی۔ اس سے ایلوگیس کی توقعات بہت کچھ وابستہ تھیں اور وہ توقعات پوری ہوکر رہیں۔ قرطبہ کے عیسائیوں پر کیا بیتی یا کیا بیت رہی ہے ان واقعات کو انتہائی دردناک اور ہولناک پیرائے میں بیان کر کر کے اس نے طلیطلہ کے عیسائیوں کے جوش کو خوب اُبھارا اُن کے جذبات کو حد درجہ برانگیختہ کیا اور آخر کار حکومت کے خلاف ان کو ہتھیار اُٹھانے پر مجبور کر دیا سنتلا Swintila یا سنڈولا Sindola نے اس بغاوت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ مسلمان گورنر کو قید کر لیا گیا۔ اور محمد کو یہ تحریر بھیجی کہ اگر وہ اپنے گورنر کی رہائی چاہتا ہے تو ان کے آدمیوں کو پہلے قید سے نجات دے۔ انہیں نجات دیدی گئی۔ گورنر کو رہا کرالیا گیا۔ مگر ان

Marfat.com

کی بڑھتی ہوئی ہمتوں کا سد باب کرنے کے لئے جنگی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ اہل طلیطلہ بھی خالی ہاتھ نہ بیٹھے تھے۔ انہوں نے کچھ ایسا جوش و خروش دکھایا کہ مضافات میں بھی دہشت پھیل گئی کلاٹراوا Calatrava کے قلعہ پر ان لوگوں نے خروج کیا۔ مسلمان جلدی میں اپنے کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے وہاں سے چل دیئے۔ عیسائیوں نے ان کو شدید نقصان پہنچایا۔ مگر سلطان نے جلدی ہی کمک روانہ کی۔ ۸۵۳ء میں کلاٹروا پر دوبارہ قبضہ بھی کرلیا گیا۔ اور اس کی مرمت بھی ہوگئی مگر باغیوں کی گوشمالی نہ ہوسکی کیونکہ وہ ان حدود کو چھوڑ مورینا (Morena) کی سمت بڑھ چکے تھے۔ محمد نے اس فتنہ کو آغاز ہی فنا کردینے کے ارادے سے فوراً فوجیں دو اور سرداروں کی ماتحتی میں روانہ کیں یہ فوجیں ابھی مورینا کی طرف بڑھ ہی رہی تھیں کہ سرکشوں نے ان کے ویرا چانک اندجور Andujar کے مقام سے تھوڑا آگے ٹوٹ پڑے اور ان کے خیمے وغیرہ وٹ کر سخت نقصان پہنچایا۔ اور پھر اندجور ہی کا محاصرہ کرلیا۔ اور وہ بھی اتنا سخت کہ شہر کے ہاتھ سے نکل جانے کا ہی خطرہ پیدا ہوگیا۔ محمد بذات خود اس کا تدارک کرنے کے لئے ایک بڑی فوج لے ساتھ جون ۸۵۴ء میں قرطبہ سے روانہ ہوا۔

اب تو سنڈولا کی نبضیں چھوٹ گئیں اس نے گھبراکر دوسرے بادشاہوں سے مدد طلب کی۔ جلدی جلدی اردنو اول Ordono شاہ لیون کو خط لکھا کہ خدا کے واسطے اس کی لاج رکھ لے۔ اردنو اول نے اگر اس کی لاج نہیں تو اس کی التجا کی لاج ضرور رکھ لی۔ اور چھوٹے بھائی گاٹن (Gaton) کاؤنٹ آف بیارزو (Count of Birzo) کی نگرانی میں فوج بھیجدی بقول ابن خلدون ایک دوسری فوج شاہ نوار (Navarre) نے بھی روانہ کی۔ ان سب نے مل کر اندجور کی اس قدر سختی سے حفاظت کی کہ محمد نے بھی مناسب سمجھا کہ فی الحال شہر کے محاصرے پر زیادہ زور نہ دیا جائے۔ بلکہ جس قدر نقصان ان کو اور ان کی تحریک کو پہنچایا جاسکتا ہے پہنچا دیا جائے۔ اس نے اپنی فوج کے چند دستوں کو پہاڑیوں اور چٹانوں میں چھپا کر تھوڑی سی فوج کے ساتھ شہر کی فصیلوں کی طرف بڑھا۔ ان احمقوں نے سمجھا کہ بادشاہ بھی اس قدر نادان ہے کہ ہم کو بالکل ہی بزدل سمجھتا ہے۔ جو اتنی کم سپاہ کے ساتھ حملے کے ارادے سے چڑھ آیا ہے۔ اس کو تو وہ مزا چکھاؤ کہ ساری شیخی دھری کی دھری رہ جائے کاؤنٹ گاٹن نے اپنے مددگاروں کے ساتھ یہ بول دیا۔ محمد جان لے کر بھاگا۔ عیسائی فوجیں ان کی حیات کو موت میں تبدیل کرنے کی غرض سے تعاقب میں روانہ ہوئیں۔ وہ آگے آگے بھاگ

رہے تھے۔ یہ پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے اور پھر وہ مقام آگیا جہاں دریائے گارڈی سی لیٹ (gardace lete) بہتا ہے۔ اور پھر بھاگتی ہوئی فوجیں پلٹ پڑیں۔ اور اچانک باز کی طرح اڑتے ہوئے مسلمان نہ معلوم کن کن کمین گاہوں سے نکل کر جھپٹے اور ایک ایک کو چن چن کے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کچھ نہیں تو آٹھ ہزار انسانوں نے اپنے غلط جذبے اور نظریئے کی خاطر جان گنوائی۔ ان کے سر قرطبہ کی دیواروں میں گاڑ دیئے گئے۔ اور کچھ بطور تحفہ افریقی شہزادوں کے پاس بھیج دیئے گئے۔ محمد خوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے دارالخلافہ واپس لوٹے۔ اپنے بیٹے منذر اور امیران کلاٹرداز (clautrova) اور تلویرا (Talvera) کو چلتے چلتے یہ ہدایت کردی کہ ان عیسائی غداروں کو چین سے نہ بیٹھنے دے۔

قرطبہ میں تحریک مدھم مدھم انداز سے چلتی رہی۔ اور ان کے بدلے ان کو سزائیں بھی ملتی رہیں۔ تیبانوس (Tabanos) کی خانقاہ گرادی گئی۔ بہت سے مارے گئے مگر ایلوگیس اور الوارد کے رویئے میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ لوگ اپنی تحریروں سے لوگوں کے جذبات مشتعل کرتے رہے۔ عیسائی اب ایلوگیس کو اپنی تحریک کا ہیرو۔ اپنے مذہب کا رکھوالا اور مسیح کا سب سے بڑا محب سمجھنے لگے تھے۔ اسے طلیطلہ کا اسقف منتخب کرلیا گیا۔ مگر محمد نے اس کا داخلہ اس شہر میں ممنوع قرار دیدیا۔ طلیطلہ کے عیسائیوں نے کسی دوسرے اسقف کا اس وقت تک انتخاب ہی موقوف کردیا۔ جب تک ایلوگیس زندہ تھا۔ اس کی مدحت کے ترانے اب دُور دُور گائے جاتے۔ اس کے جذبے کی تحسین اب اندلس ہی کیا فرانس اور جرمنی جیسے ملکوں میں بھی کی جاتی۔ فرانس کے دو پادری اوسرڈ osord اور اوڈی لارڈ ۸۵۸ء میں خاص طور سے اس سے ملنے قرطبہ پہنچے۔ اور دو مہینے وہاں ٹھہرے۔ پھر جب سلطان ایک دوسری مہم لے کر طلیطلہ کی سمت روانہ ہوئے تو یہ لوگ بھی ان کے ہمراہ ہی واپس چلے گئے۔ طلیطلہ کی کی اس مہم میں بھی سلطان کو کامیابی نصیب ہوئی۔ شورہ پشت عیسائیوں کی پوری فوج دریائے ٹیگس Tagus میں غرقاب ہوگئی۔

یہ سب کچھ تھا مگر اہلیانِ قرطبہ کی تحریک جس میں کوئی تشدد یا لڑائی کا شائبہ نہ تھا اسی طرز سے جاری تھی۔ قدرت نے آخر کار اس کی بھی ایک سبیل پیدا کردی۔ فلورا کی طرح سے ایک دوسری لڑکی لیوکرٹیا leucrela تھی۔ جس کے ماں باپ تو مسلمان تھے۔ مگر کچھ اعزا اپنے پرانے مذہب مسیحی پر قائم تھے۔ ان لوگوں نے اس کو عیسائیت پر مائل کیا اور اسے عیسائی

...س کے ماں باپ کو جب پتہ چلا تو سخت برہم ہوئے اور دن رات اُس کی سرزنش شروع کردی۔
...س سے تنگ آکر اس نے ایلوگیس اور اس کی بہن انولو Anolo سے مدد مانگی۔ اور ایک
...ن چھپ کر اُن کے پاس پناہ لینے پہونچ گئی۔ اُنہوں نے اس کو اپنے ایک دوست کے یہاں
...چھپا دیا۔ پولیس اس کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ ایک دن جب وہ انولو سے ملنے آئی
...ہوئی تھی نوکر کی غیر موجودگی کی وجہ سے زائد ٹھیر گئی اور قاضی شہر کو اس کی اطلاع مل
...ی۔ نہ وہ صرف گرفتار کی گئی بلکہ ایلوگیس اور انولو بھی اس کے ساتھ ساتھ۔ ایلوگیس نے بھی
...ضی کے سامنے وہی گستاخی کی جو اور مستشرقان موت کرتے تھے۔ مگر قاضی نے اس کو شہر کا
...زز عیسائی سمجھتے ہوئے شاہی محل میں بھیجدیا کہ وزراء اس کے مسئلہ کا فیصلہ کریں۔ وہ لوگ بھی
...ں پر رحم کرنے پر آمادہ تھے بشرطیکہ وہ اپنے کئے کی معافی مانگ لے۔ مگر وہاں بھی ایلوگیس نے وہی
...رایا۔ جو قاضی کے سامنے کہا تھا۔ حکم سزائے موت جاری ہوا۔ ۱۱۔ مارچ ۸۵۹ء کو اسے سولی پر لٹکا
...گیا اور اس کے چار دن بعد یہی حشر لیوکریتینا کا بھی ہوا۔ ایلوگیس کے خون کے چھینٹوں سے
...ں دیوانگی کی آگ بہت کچھ بجھی۔ مگر پھر بھی راکھ میں دبی ہوئی چنگاریاں بھڑکتی ہی رہیں۔ اور بھڑکتے
...بھڑکتے یہ دور تک جا پہونچیں۔

ان دور کے علاقوں میں اشبیلیہ بھی تھا۔ جو کسی زمانے میں مذہب مسیح کا مرکز تھا۔ رفتہ رفتہ
...گ بھی مسلمانوں کی تہذیب و مذہب سے متاثر ہوئے اور بیشتر اپنا پرانا مذہب تبدیل کر کے
...سرے کی آغوش میں پہنچ گئے۔ مگر ان لوگوں کے قدیمی عادات و اطوار۔ رنگ ڈھنگ میں
...ادہ فرق نہ آیا۔ بلکہ نام تک پرانے رہنے دیئے۔ مثلاً بنی انجلو Benangelo بنی سیبانیو
Bensebat وغیرہ۔ عرصہ تک یہ لوگ امن پسند شہری کی طرح رہے۔ اپنے بادشاہ کو انہوں
...ہمیشہ مربی اور قادر مطلق سمجھا۔ مگر جو عرب اپنی تنگ نظری اور تنگ مزاجی کی وجہ سے ان لوگوں
...اپنے سے کمتر سمجھتے تھے انہیں ضرور منہ نہ لگایا۔ ان عربوں کے دو خاندان وہاں بہت ممتاز تھے ایک
...نی حجاج دوسرے بنی خلدون۔ بنی حجاج نے اسپین میں شادیاں بھی شاہی خاندان میں کی تھیں
...یز آخری بادشاہ وزی گاتھ کی پوتی سارہ کی شادی انہیں کے خاندان بنی لخم کے ایک فرد سے
...ئی تھی جس سے چار بچے ہوئے تھے۔ اور ان کے پاس جاگیریں بھی کافی تھیں جس کی وجہ سے
...ار گھرانہ کہلاتا تھا۔ بنی خلدون حضرموت سے متعلق تھے اور ان کی جاگیریں زیادہ ایکسرافے
Ecsraf میں تھیں۔ جب محمد کے بعد عبداللہ تخت نشین ہوا تو بنی خلدون کا سردار کریب

Marfat.com

Camec تھا۔ وہ انتہائی چالاک، شاطر اور جری تھا۔ اسے سلطان اور اس کی عزت زیادہ عزیز نہ تھی بلکہ خواہش رکھتا تھا کہ حکومت ایک بار پھر بنی اُمیہ سے نکل کر یمنیوں میں آجائے۔ اس لیے عرب کو اُکسا کر پہلے اپنے ہی شہر والوں کو بغاوت پر اُکسایا۔ مگر اس میں اس کو کچھ زیادہ کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ وہ اپنی جاگیر ایکسر لنے میں پہنچا۔ وہاں بھی شرارت شروع کی۔ لوگ جلدی ہی اُسکی حمایت پر آمادہ ہوگئے۔ اس نے پورا ایک حلقہ سازشیوں کا تیار کیا۔ اس میں بنی حجاج کے بارسوخ لوگ نبلہ اور سڈونا Sadona کے یمنی سردار اور بورنوس کارمونہ کے بربری سردار یہ سب مل کر علم بغاوت ہی بلند کرنے پر تیار نہ تھے۔ بلکہ اشبیلیہ کے پورے علاقے کو سلطنت سے علیحدہ کردینا چاہتے تھے۔ اشبیلیہ کے حکام کے کانوں میں اس سرکشی کی خبریں پہونچیں مگر انہوں نے شروع میں اس کی طرف توجہ نہ کی۔ ایک دن موقع پاکر کریب اپنی یمنی اور بربری فوجوں کے ساتھ جن میں زیادہ مریدا اور میڈلین کے بربر ے شامل تھے۔ اشبیلیہ کے نواح تلیاٹہ پر حملہ آور ہوئے۔ گورنر اشبیلیہ نے اپنی فوجوں کو لے کر اب ان کی طرف بڑھا۔ جب اسے پتہ چلا کہ فتنہ پسند عناصر پہلے ہی تلیاٹہ پر قابض ہو چکے ہیں۔ تو اس کا محاصرہ کرلیا۔ خیمے ایک بلند مقام پر نصب کردیئے گئے۔ کریب کے بہکانے سے گورنر سے بربر علیحدہ ہوگئے اور دشمنوں سے آملے گورنر تھوڑی بہت فوج کے ساتھ بھاگا۔ کریب کے ساتھیوں نے خوب لوٹ مار کی اور بہت سامان و متاع لے کر واپس لوٹ گئے۔ جب بینڈاکا Bendakaz کے سرداروں نے دیکھا کہ اشبیلیہ کی لوٹ سے بہت سامان ہتھے چڑھا تو وہ بھی ابن مروان کی سرکردگی میں اشبیلیہ پر چڑھ آئے اور دس میل اِدھر اُدھر خوب ہاتھ رنگے۔ گورنر کا تبادلہ کردیا گیا۔ مگر اس کا جانشین بھی کچھ اس سے کم نکما نہ نکلا۔ اب کی بار تماشیکا (Tomesca) کارمونہ کا بربری سردار ایک زبردست لٹیروں کی فوج لے کر چڑھ آیا اور وہی پچھلا سا حشر کیا۔ گورنر کی ذرا سی بھی ہمت نہ ہوئی کہ اس سے باز پرس کرتا۔ البتہ ایک تو مسلم۔

محمد ابن غالب سلطان عبداللہ سے یہ وعدہ کرکے آیا کہ وہ ان قزاق صفت انسانوں کا قلع قمع کردے گا بشرطیکہ اس کو سیٹے ٹورس (Setalanis) کے گاؤں میں ایک قلعہ بنانے کی اجازت دیدی جائے۔ اور ایک فوج رکھنے کی بھی۔ یہ اجازت مل گئی۔ قلعہ اشبیلیہ اور اس جا کی سرحد پر تیار ہوگیا۔

ایک دن یہ خبر اُڑی کہ ابن غالب اور بنی حجاج و بنی خلدون کی متحدہ فوجوں میں مقابلہ

میں بنی حجاج کا ایک سردار مارا گیا۔ جس کی لاش شہر میں لائی گئی۔ گورنر سے انصاف کی التجا
کی گئی۔ مگر اس نے معاملہ سلطان پر ٹال دیا۔ بنی حجاج کے امراء قرطبہ روانہ ہو گئے۔ پیچھے
ابن غالب کے مشیر بھی جن میں زیادہ تر نومسلم تھے روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کا سرغنہ عمران ابن خطاب
ابن انجیلو (Angelo) تھا۔ کہ جس کا دادا پہلے پہل مسلمان ہوا تھا اور خاندان والے اس
نام اب بھی عزت سے اپنے نام کے آگے لگاتے تھے۔ شکایت کنندگان نے اپنی روئداد بڑے
درد لہجے میں بادشاہ کے سامنے بیان کی اور ابن غالب کو غدار اور دشمن کا ساتھی بتایا۔ محمد
ابن انجیلو نے ان کی کاٹ کی۔ بادشاہ نے کسی کی بات پر کان نہ دھرتے ہوئے اپنے بیٹے
محمد کو معاملہ کو تحقیقات کے لئے اشبیلیہ روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر معاملہ کی جس قدر بھی تحقیق کی
گئی وہ الجھتا ہی گیا۔ شہزادے نے کہا کہ میں ابھی فیصلہ نہیں سنا سکتا۔ ابن غالب فی الحال اپنے
گھر واپس جا سکتا ہے۔ بنی حجاج اور خلدون شہزادے کو اپنا طرفدار نہ پا کر پھر خودسری پر
تیار ہو گئے اور اشبیلیہ پر حملے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ کریب حضرموتی اور بھی سرداروں کے
ساتھ اور حجاجی سردار عبداللہ اپنے قبیلے والوں کو لے کر نکلے۔ یہ طے پایا ایک ہی دن کارمو
نہ، کوریا پر حملہ کیا جائے گا۔ لوٹ مار کا کام کریب نے اپنے چچیرے بھائی مہدی کے سپرد کیا۔
طلبریجا (Tlabrija) کی طرف بڑھا۔ وہاں کا قلعہ دار سلیمان بھی اس سے مل گیا۔ پھر
دونوں نے مل کر کوئی دو سو میل اور ایک سو گھوڑے بھگا لئے۔ اسی عرصہ میں عبداللہ نے
کارمونہ پر قبضہ کر لیا وہاں کا حاکم بھاگ کر اشبیلیہ پہنچا۔ شہزادے محمد نے گھبرا کر باپ کو خط
بھیجا۔ قرطبہ میں مشورے ہونے لگے مختلف رائے پیش کی گئیں۔ ایک وزیر جو مولدین سے
نفرت کرتا تھا۔ شاہ کو یہ صلاح دی کہ اگر ابن غالب کو راستے سے ہٹا دیا جائے تو شاید عرب
راہ راست پر آجائیں۔ معلوم نہیں یہ رائے کیوں دل لگ گئی۔ بادشاہ نے فوراً جاد JODE
نامی شخص کو اس بات پر آمادہ کیا کہ ابن غالب کا کام حیلہ سے تمام کر دے۔ جاد ایک فوج
لے کر روانہ ہو گیا۔ ابن غالب کو بھی اڑتے اڑتے یہ خبر لگ گئی کہ ان کے خلاف مشورے
ہو رہے ہیں اور اب ایک فوج اس کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے روانہ کی گئی ہے۔ اس نے
بھی حفاظتی تدبیریں کرنا شروع کر دیں اور تمام نومسلمین یا مولدین اس کا انسداد کرنے کے لئے
دل و جان سے تیار ہو گئے مگر جاد نے یہ کہلا بھیجا کہ میری آمد کا مقصد کسی طرح بھی تمہاری
مخالفت نہیں ہے۔ بلکہ بنی خلدون اور حجاج کو سزا دینا ہے۔ تم لوگ فکر مت کرو۔ ابن غالب

Marfat.com

اس چرکے میں آگیا۔ اور خود ایک مختصر سی فوج کے ساتھ جاد سے مل گیا۔ کارمونہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ چپکے سے اس نے بنی حجاج کو کہلا بھیجا کہ اگر وہ لوگ شہر خالی کرنے پر تیار ہو جائیں تو ابن غالب کا صفایا کیا جا سکتا ہے۔ معاملہ طے پا گیا۔ ابن غالب کو ابدی نیند سلا دیا گیا۔ کارمونہ بغیر لڑے بھڑے ہاتھ آگیا۔

مولدین اس مکاری پر چراغ پا ہو گئے۔ ان کے دل غصہ اور نفرت سے بھر گئے۔ اس کا انتقام لینے کے لئے انہوں نے آخر جاد کے بھائی کو چھانٹا جو اس وقت اشبیلیہ کا گورنر تھا۔ انہوں نے بھی یہ کام چالاکی سے کرنا چاہا۔ ابن انجیلو شہزادہ محمد سے ملا۔ اس سے کہا کہ خواہ مخواہ بادشاہ کو ہم لوگوں کے خلاف بھڑکا دیا گیا۔ اب جاد ایک پوری فوج لے کر ہم لوگوں کی گردن کشی کے لئے بڑھا چلا آرہا ہے۔ ہماری جانوں کی حفاظت آپ کے ذمہ ہیں۔ ہمیں اشبیلیہ کے اندر رہنے کی اجازت دیدی جائے کہ ہم آپ کی پناہ میں آجائیں اور شہر کی حفاظت بھی کرتے رہیں۔ محمد ان کے بھڑکانے میں آگیا۔ شہر کو مولدین کے حوالے کر دیا۔ ۹ ستمبر ۸۸۹ء بروز منگل کو بہت سے نو مسلمین وہاں داخل ہوئے اور پھر فوراً امیہ کے محل پر حملہ کر دیا گیا۔ وہ بیچارہ جلدی میں محل سے نکل کر بھاگا حتٰی کہ جوتے تک نہ پہن پایا۔ ننگے پیٹھ گھوڑے پر سوار سرپٹ محمد کے محل کی طرف بھاگا۔ سرکشوں نے اس کی رہائش گاہ کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ اور پھر محمد کے محل کو گھیر لیا۔ ان کو فائدہ پہنچتے دیکھ کر بہت سے پیشہ ور مزدور۔ اور تاجر شامل ہو گئے۔ بیچارے محمد نے فوراً ابن انجیلو اور ابن سباریکو (Sebarraco) وغیرہ کو پیغام پہنچایا کہ اس کی مدد کو پہنچیں یہ لوگ پوری احتیاط کے ساتھ محل کے اندر داخل ہوئے۔ اور ابھی محو گفتگو ہی تھے کہ باغی دروازے توڑ کر محل کے باہر کے حصہ میں گھس آئے۔ ان کے سرداروں کو امیہ نے فوراً گرفتار کر لیا۔ اور پھر کچھ اپنے کچھ شہزادے کے سپاہیوں کو دروازے پر متعین کر دیا۔ ان کے ہاتھوں میں تیر کمان اور پتھر اور لکڑ دیدیئے اب باقاعدہ مار دھاڑ شروع ہو گئی جو صبح سے دوپہر تک جاری رہی۔ پھر شام کو بند ہو گئی۔ دوسری صبح از سر نو جاری ہو گئی۔ جاد کو خاموشی سے اطلاع بھیجدی گئی تھی۔ وہ بھی دوسرے دن اشبیلیہ اپنے شہسواروں کے ساتھ پہنچ گیا۔ اور جنوبی سمت سے حملہ آور ہو گیا۔ لڑتا بھڑتا وہ عبداللہ ابن اشعث کے پاس پہونچ گیا جو قریشیوں کا سردار تھا۔ اس کی زبانی اس کو سارا کچا چٹھا معلوم ہوا پھر تو اس نے اس زور شور کے ساتھ حملہ کیا کہ سرکشوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

Marfat.com

حاد محل میں داخل ہوا۔ بھائی کو گلے سے لگایا۔ شہزادے کے ہاتھ چومے۔ پھر تمام مولدین کو سخت سزائیں دینے کا مشورہ کیا۔ ابن انجنیلو اور ابن سیباریکو کو قید خانے سے نکال کر قتل کر دیا گیا۔ اور پھر حاد کے شہسواروں نے شہریوں کو خوب خوب لوٹا۔ ان کے گھروں کو جلایا۔ ان کے سامان کا ستیا ناس کیا۔ بہت مشکل سے جب سلطان نے ان کو بخشا تو یہ لوگ بھی تھے۔

کچھ دنوں بعد شہزادے محمد قرطبہ واپس لوٹ آئے۔ تب ابن خلدون نے ابن غالب کے سر کے بدلے حاد کا سر طلب کیا۔ اس کے مطالبہ کے سلسلے میں اس کا دباؤ اتنا بڑھا کہ حاد نے سوچا قرطبہ سے نکل ہی چلو۔ وہ اپنے بھائیوں ہاشم اور عبدالغافر کے ساتھ اشبیلیہ کی طرف چلا اس نے ستیا فیلا Stat Fela کے قلعہ میں قیام کیا وہاں اتفاق سے تماشیکا (Tamsca) کے گروہ اپنا رنگ جمائے ہوئے تھا اور ان میں ابن غالب کے بھائی بھی شامل تھے۔ انہوں نے حاد کو پہچان لیا۔ اس پر حملہ کر کے اسے اور اس کے دونوں بھائیوں کو قتل کر دیا۔ جب اُمیّہ کو یہ اطلاع ملی کہ اس کے تین بھائی جبکہ وہ اس کے پاس آ رہے تھے قتل کر دیئے تو اس کا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ تماشیکا یا ابن غالب کے بھائیوں سے بدلہ لینے کی تو اس میں ہمت تھی نہیں البتہ ہزاروں نومسلموں کو اس نے بیگناہ موت کے گھاٹ اتروا دیا۔ وہ سب کے سب بنی خلدون اور حجاج کے سپرد کر دیئے گئے۔ جنہوں نے بڑی بے رحمی کے ساتھ ان کے گلوں کو کاٹا جو بچکر بھاگے وہ وادیٔ الکبیر میں ڈوب مرے۔ جو ڈوبنے سے بچے وہ فقیروں سے بھی بدتر ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ تقریباً بیس ہزار بے گناہ انسانوں نے بلاوجہ اُمیّہ کے جوش انتقام کی وجہ سے جان دی۔ بہت عرصہ تک اس قتل عام کی یاد تازہ رہی۔ اور مولدین اپنے سروں پر خطرہ کو منڈلاتے دیکھتے رہے۔ مگر ان کا جذبہ تنفر جو مسلمانوں کے خلاف بھر گیا کسی طرح کم نہ ہوا۔ اور یہ شعلے یونہی کسی نہ کسی صورت میں بھڑکتے ہی رہے۔

Marfat.com

باب ۳۴

عبد الرحمٰن ثانی کے کردار پر ایک نظر

اس سے پہلے کہ ہم عبد الرحمٰن کے کردار پر کوئی غائر نظر ڈالیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند چھوٹے چھوٹے واقعات جو اس کی موت سے پہلے وقوع پذیر ہوئے اور کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ بیان کر دیئے جائیں۔

کاؤنٹ برن ہاٹ کا قتل

چند اہم واقعات نئی عیسائی ریاست حدودِ اندلس میں پائیرنیس کے کوہستانی علاقے کے قرب میں جو قائم ہوئی تھی۔ اس کا نظم و نسق کاؤنٹ برن ہارٹ کے سپرد تھا۔ یہ روز بروز اندلس کے عیسائیوں کے درمیان ہر دلعزیز بھی ہوتے جا رہے تھے۔ فرانس کے علاوہ گوتھک مارچ کی ریاست بھی چارلس جو گنجا تھا اس کی باجگزار بنائی گئی۔ مگر برن ہارٹ جس نے خود کافی طاقت اور عزت حاصل کر لی تھی۔ دربارِ فرانس سے کوئی خاص تعلق رکھنا چاہتا نہ تھا بلکہ اسے خود قومی ہیرو ہونے کا شرف حاصل تھا۔ چارلس کو یہ تمام چیزیں پسند نہ تھیں اُس نے سوچا کہ برن ہارٹ کو کچھ اعزاز کچھ ترقی اور کچھ قرابت داری کا پاس دلا کر فرانس بلایا جائے۔ پھر یہاں چالاکی سے قتل کر دیا جائے۔ برن ہارٹ اس کی مکاری اور کمینگی کا شکار ہو گئے جب یہ وہاں پہنچے تو آدابِ شاہی بجا لانے کے لئے جھکے چارلس نے ان کی کمر میں خنجر بھونک دیا وہ وہیں ختم ہو کر رہ گئے۔ یہ بہت بڑا گناہ تھا۔ یہ بہت بڑی بات تھی خصوصاً جبکہ برن ہارٹ کی طرف سے کوئی بد ادبی

Marfat.com

نہیں ہوئی تھی۔کوئی خروج یا شورش نہیں ہوئی تھی اور وہ انتظام سلطنت قرینہ اور سلیقہ سے چلا رہا تھا لوگ اس حرکت سے انتہائی بددل اور ناخوش ہوئے اور اس وجہ سے زیادہ کہ برن ہارٹ حقیقتاً چارلس کا باپ تھا۔چارلس کی ماں کا تعلق برن ہارٹ سے زبان زد خاص وعام تھا۔برن ہارٹ کیا مارا گیا۔گوتھک مارچ کی ریاست ایک طرح سے یتیم ہوگئی۔ہر جگہ انتشار پھیل گیا۔ہر جگہ بے چینی اور بے اطمینانی نظر آنے لگی۔لوگ تو فتنہ فساد پر آمادہ رہتے ہیں۔رؤساء و امراء بھی ان کے ساتھ شریک ہوگئے۔خانہ جنگی شروع ہوگئی۔مسلمانوں کو جب خبر لگی کہ گوتھک مارچ میں سخت اضطراب اور پریشانی کا عالم چھایا ہوا ہے۔ہر رئیس اپنی جگہ حاکم بنا بیٹھا ہے۔ہر امیر اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے ہوئے ہے۔تو وہ لوگ اس طرف بڑھے۔یہودی فوراً مسلمانوں کی حمایت پر تیار ہوگئے برشلونہ بادشاہ کی فوج کے حوالے کردیا گیا۔گو یہ قبضہ عارضی رہا۔البتہ کاؤنٹ برشلونہ سے دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔

زہر خورانی

دربارِ قرطبہ کے رتنوں کے سلسلہ میں ملکہ طروب۔غلام نصر اور طبیب حرّانی کا ذکر آچکا ہے۔طبیب کے علاوہ یہ دونوں بادشاہ کے محبوب اور چہیتے تھے۔وہ ان پر جان چھڑکتا تھا۔دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔مگر ملکہ طروب انتہائی بددیانت اور خودغرض عورت تھی جس کو ہمہ دم یا تو دولت کی اشتہا رہتی یا اپنے فائدے کی۔بادشاہ سے اس کی رغبت برائے نام تھی۔چاہت کا تو خیر گذر ہی کیا۔اس کی طمع اور لالچ مشہور تھی۔مگر اس کی تسکین اسی وقت تک ہوسکتی تھی جب تک بادشاہ زندہ تھا۔اور اس کے بعد زیادہ امکانات محمد جو ان کا بڑا بیٹا تھا اس کی تخت نشینی کے تھے۔طروب نے سوچا کہ اگر محمد کے بجائے اس کا بیٹا عبداللہ تخت پر بیٹھ جائے تو اس کا اقتدار اور اثر یونہی قائم رہ سکتا ہے۔مگر محمد کے حق کو تلف کرنا آسان کام نہ تھا۔وہ امیر عبدالرحمٰن کے ۵۰ بیٹوں میں سب سے بڑا تھا۔اس کے علاوہ قابل، عالم اور باصلاحیت تھا۔ملکہ طروب کی نظر اپنے سازش کو کامیاب بنانے کے سلسلہ میں غلام نصر پر پڑی۔کچھ لالچ۔کچھ امید اور وعدۂ فردا کا سہارا دے کر اس نے نصر کو اپنا حامی بنا لیا۔نصر نے سوچا پہلے بادشاہ ہی کو

Marfat.com

راستے سے ہٹایا جائے۔ وہ ایک دن شاہی طبیب حرّانی سے ملا اس پر اپنا اثر جمایا کچھ تکلف اور مہربانی کی باتیں کیں۔ پھر اپنا مدعا ظاہر کیا کہ کوئی زہر ہلاہل کہ جو اس سے پہلے استعمال ہی نہ ہوا ہو اس کے حوالے کرے اس کے عوض میں ایک ہزار دینار تو اسی وقت پیش کئے۔ باقی اور کا وعدہ کیا۔ آیندہ زندگی فراغت اور اطمینان سے بتانے کا یقین دلایا۔ حرّانی نے اتنی بڑی رقم دیکھی تو منہ میں پانی بھر آیا وہ تو اس نے دب میں رکھے۔ کیونکہ اوّل تو وہ حبشی غلام نصر کو اپنا مخالف اور دشمن نہیں بنانا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سے دشمنی مول لینے کے معنی ہیں ہر حبشی اس کے جان کے پیچھے پڑ جائے گا۔ دوسرے وہ مالی فائدہ کو بھی گنوانا نہیں چاہتا تھا اس کی دانشمند طبع نے یہ فوراً معلوم کر لیا کہ یہ زہر کس کے واسطے حاصل کیا گیا ہے۔ اور اتنی گراں قدر رقم کس کو راستے سے ہٹانے کی غرض سے خرچ کی گئی ہے۔ اس نے پوشیدہ طریقے سے بادشاہ تک یہ پیغام پہنچوا دیا کہ نصر کی طرف سے محتاط رہے اور اس کے ہاتھ سے دی ہوئی کوئی چیز نہ کھائے۔ اتنا اشارہ کافی تھا۔

بادشاہ تو بیمار رہتے ہی تھے۔ ادویات کی ان کو ہمہ وقت ضرورت رہتی تھی۔ نصر نے ایک دن بادشاہ کے سامنے ایک انتہائی مقوی دوا کا ذکر کیا اور یقین دلایا کہ اس کے استعمال سے فوری فائدہ ہوگا اور توانائی عود کر آئے گی۔ بادشاہ نے کوئی انکار نہ کیا۔ نصر نے دوائی کی اور بہت سی تعریف و توصیف کر کے اس کی صفات کے متعلق نمک مرچ لگا کر پیش کی۔ امیر نے کہا بہتر یہ ہے کہ اسی میں سے پہلے تھوڑی تم استعمال کرو۔ اب تو نصر لرز گیا۔ انکار کی گنجائش نہ تھی ورنہ بھانڈا پھوٹتا تھا۔ مجبوراً کھائی اور کھاتے ہی بھاگا۔ حرّانی کے پاس پہنچا کہ اس زہر کو جسے لبیان الملوک کہتے ہیں۔ اسی نے کھا لیا ہے کوئی تریاق جلد دے۔ حرّانی نے کہا کہ وہ فوراً بکری کا دودھ لے۔ مگر اتنی دیر میں زہر اپنا کام کر چکا تھا۔ تریاق کا اثر ناممکن تھا موت نے اپنا گہرا اثر جما لیا۔ نصر خود اپنی ہی مجرمانہ حرکت کا شکار ہوا۔

امیر عبدالرحمن کی جان تو بچ گئی مگر اس واقعہ کا نفسیاتی اثر بہت گہرا ان پر پڑا۔ ان کو کبھی خواب میں بھی یہ گمان نہ تھا کہ جن کو وہ سب سے زیادہ چاہتا ہے۔ سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ وہی اس کی جان کے درپے ہو جائیں گے۔ ہر چند کہ وہ ابھی کوئی ایسی خاص لمبی عمر کو نہ پہنچے تھے مگر اس بے اعتمادی نے ان کے دن کا چین اور رات کی نیند چھین لی۔ وہ چند ہی ہفتے بعد ۲۲ ستمبر ۸۵۲ء مطابق ۲۳۶ھ میں عبدالرحمن ثانی نے ساٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

Marfat.com

کردار کا مطالعہ

عبدالرحمٰن ثانی کے کردار کا مطالعہ ایک عجیب کشمکش کا سماں پیش کرتا ہے
ان میں بعض اتنی اچھی خوبیاں تھیں کہ جو اپنے پیش کرتا ہے۔ ان میں بعض
اتنی اچھی خوبیاں تھیں کہ جو اپنے پیش روؤں سے انہیں ممتاز و مفتخر بنا دیتی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایسی
کمزوریاں بھی تھیں جو ان کی ساری خوبیوں پر خاک ڈال دیتی ہیں۔ عربی مؤرخین اس کی ثنا
میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے اس کے عہد حکومت کو انتہائی پُرامن اور قابلِ فخر اور
شوکت بتلاتے ہیں اس کی رعایا کی مرفہ الحال، مطمئن اور چین سے رہتی تھی۔ خزانے مال
و دولت سے معمور تھے۔ خود بادشاہ اپنی آمدنی کے ذرائع کو وسیع کرنے کے ہزاروں طریقے
جانتے تھے اور اس سے بھی واقف تھے کہ حکومت کا اطمینان محکومین کا اطمینان ہے۔ وہ حتی الامکان
دوسروں کے حال سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے۔ ضرورت مندوں کی ضرورتیں رفع کرتے۔
حاجتمندوں کی حاجت روائی کرتے۔ اہلِ علم و ادب و فکر کی تو خاص طور پر سرپرستی فرماتے۔
خود بھی اہلِ ذوق تھے۔ علم سے لگاؤ رکھتے تھے اور عالموں کی قدر کرتے تھے۔ اور باکمال
انسانوں اور یکتا فنکاروں کی صحبت میں وقت گزارنا وقت کا بہترین مصرف سمجھتے تھے۔ ان
کے دربار میں ایسے ایسے عظیم المرتبت فنکار، عالم، مشائخ، ادیب، جمع رہتے کہ دنیا کے کسی
اور حصے یا کسی اور بڑے دربار میں نہ ایسے ذی علم تھے نہ ان کو اس قدر عزت اور سرپرستی حاصل
ہو سکتی ہے۔ اور لحاظ سے اور حاکمان وقت ان کے سامنے ہیچ تھے۔ یورپ اور ایشیا کی بڑی
بڑی سلطنتوں کے نمائندے یا سفیر جب اس دربار میں پہنچتے تو دنگ ہو کر رہ جاتے۔ ان کی
مَتی گم ہو کر رہ جاتی۔ ان کی آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتیں۔ اور جب وہ اس سے گفتگو کرتے تو اپنے
کانوں پر اعتبار کرنا چھوڑ دیتے۔ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کوئی بادشاہ اس قدر عظیم، باغت،
قابل اور ذی علم ہو سکتا ہے۔ ان کی تقریر کی روانی سمندر کی لہروں کو بھی پیچھے چھوڑ جاتی۔ ان
کے خطابت کا انداز کبھی بادل کی گرج ہوتا۔ تو کبھی بجلی کی کڑک تو کبھی ابرِ بہار کی نرمی بھی لیے ہوئے
تو کبھی شبنم کے موتی موتی جیسے قطرے۔ شعر بڑے مزے سے کہتے۔ اور اس میں شعر کا اعلیٰ مذاق
ملحوظ ہوتی۔ شعر فہمی کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا۔ ان کی طبیعت میں لطافت اور رعنائی کوٹ کوٹ کر
بھری تھی۔ وہ ہمیشہ بہت صاف ستھرے رہتے اور صفائی کو بے حد پسند کرتے۔ خوش ذوق
اور اخلاق کے سلسلے میں وہ حد سے زائد تکلف برتتے اور اس کو روا رکھتے۔ اپنی شان و شوکت
کے مظاہرے میں بھی وہ کسی سے کم نہ تھے۔ بلکہ اس میں مبالغے سے زیادہ اہتمام کرتے۔ اپنے

لباس پر سب سے پہلے انہوں نے طغرا کاڑھا اور اس میں زرنگاری کی اور اس طغریٰ ہی والے لباس کو انھوں نے خاص طور پر جشنِ تاجپوشی پر پہنا۔ اُٹھتے بیٹھتے میں وہ تمکنت برتتے اور اس میں ایک قسم کی خودپسندی اور خودسرائی کا پہلو پوشیدہ رہتا۔ وہ اپنے پروگرام کی زیادہ تشہیر نہ کرتے۔ بلکہ کوشش کرتے کہ ان کے معمولات پر ایک تعجب خیز سا اثر اور پردہ پُراسرار ہے۔ جب وہ شہر میں بھی نکلتے تو چہرے پر باریک سی نقاب ڈالے رکھتے کہ جس کے اندر سے ان کا دمکتا چمکتا چہرہ نظر تو آتا رہتا مگر پوری طرح نمایاں یا واضح نہ ہو پاتا۔ ان کے مشتاقین دیدار جب اُچک اُچک کر آنکھیں گڑو گڑو کر ان کو پوری طرح دیکھنا چاہتے اور نہ دیکھ پاتے تو ان کا ایک اندرونی جذبہ تسکین پاتا۔ جب ان کا جلوس بازاروں میں نکلتا تو اس میں شوکت کا اظہار ہوتا۔ دور دور تک دو رویہ محافظین بھڑکیلی وردیاں پہنے ہوتے چمکتی ہوئی ننگی تلواریں لئے ہوئے آگے آگے چلتے۔ اس کے پیچھے شاہی حکام ہوتے اُس کے پیچھے امراء و روساء اور پھر اس کے بعد وزراء یا خاص اراکین سلطنت پھر شاہی سواری ہوتی۔ اور اس سواری کے پیچھے خدام اور غلام کہ جن کا ایک طولانی گروہ ہوتا۔ ہمراہ ہوتے۔ یہ سب کے سب مسلح ہوتے۔ اور ان کی نمائش پر بے حد رقم خرچ کی جاتی اور سب کی سب سرکاری خزانے سے اور بادشاہ کی مرضی سے۔ بادشاہ کو اپنی شان دوبالا کرنے کی غرض سے یہ سب کچھ گوارا تھا۔

بڑھتے ہوئے اخراجات پر قابو پانے کے لئے اُنہوں نے قرطبہ کے اندر ایک بڑی ٹکسال قائم کی جس میں مختلف نوعیت کے سکے خوبصورت انداز سے ڈھلتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے سکوں کی قیمت بھی بڑھا دی تھی۔ کیونکہ اس میں سونے چاندی کی مقدار زیادہ ہوتی تھی بعض سکے خالص سونے یا چاندی کے ہوتے تھے۔ اس چیز نے یہ اندازہ لگانے پر مجبور کیا کہ حکومت کی آمدنی کے ذرائع وسیع بھی ہیں اور مضبوط بھی۔ اور باوجود ان تمام اخراجات کے مالی حالت بہت ہی اچھی ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ان کے زمانے میں سالانہ خراج دس لاکھ دینار تک پہنچ گیا۔ اس سے قبل چھ لاکھ سے زیادہ کبھی وصول نہ ہوا۔ اپنے باپ کی طرح اُنہوں نے بھی اپنی مُہر بنوائی اور اس کا نقش تھا۔ "عبدالرحمٰن بقضاء اللہ الراض"

یہ تو میں پہلے ہی لکھ آیا ہوں کہ وہ بہت ہی نفیس مزاج تھے۔ پھر بھلا ان کی ایسی طبیعت اپنے دارالسلطنت کی خوبصورتی نفاست اور حفظانِ صحت کی طرف کیوں نہ راغب ہوتی۔ خصوصاً جب کہ انہیں زریاب جیسے ہمہ صفت موصوف انسان کی خدمات حاصل تھیں شہر میں

صفائی کے تمام انتظامات کئے گئے۔ کوڑا کرکٹ نہ سڑکوں پر نہ گلیوں میں جمع رہنے پاتا۔ پانی نالیوں سے خارج ہوتا رہتا۔ اور گندگی کسی علاقے میں بھی پھیلنے نہ پاتی۔ جامع مسجد قرطبہ کی عمارت میں پھر اضافہ کیا گیا۔ اس کی خوبصورتی کو اور چار چاند لگائے گئے دیواریں جو سادی تھیں ان پر نقش ونگار بنائے گئے۔ ان کو سجایا گیا۔ مسجد کے صحن میں دونوں طرف رواقیں بنائی گئیں۔ اور ان میں سجاوٹ کے تمام اوصاف برتے گئے۔ مسجد سے فراغت پا کر انہوں نے شہر کو دیدہ زیب اور پُر رونق بنانے کے لئے بڑے شاندار حمام بنوائے۔ باغیچے بنوائے جو بنے ہوئے تھے ان میں پھول اور پودے لگائے گئے جا بجا فوارے لگوائے گئے۔ جو بڑا حسین منظر پیش کرتے۔ لوگ شام وہاں بیٹھتے۔ تفریح کرتے۔ آنکھوں کو تراوٹ اور دل کو فرحت پہنچاتے۔ شہر میں صاف اور میٹھے پانی کی بہم رسانی کے لئے کوہستانی سلسلے سیرا مورینا Sierra Morena جو قشتالیہ کے جنوب میں تھے اور جہاں بہت سے میٹھے پانی کے چشمے اور ندیاں تھیں وہاں سے پانی سیسے کے نلکوں اور پائپ کے ذریعہ سے شہر میں لایا جاتا۔ اور لوگ اس سے لطف اندوز ہوتے۔ یہ طریقہ آج کل کی دنیا میں بالکل جدید اور موجودہ سائنس کے تحفے سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ مسلمان نہ جانے کب سے یہ طریقے استعمال کر کے لوگوں کی عقلوں کو حیران و پریشان کر رہے تھے۔

عبدالرحمٰن الاوسط اپنے وقت کی اقتدار اور اپنے عوام کی طبیعتوں کو خوب پہچانتے تھے۔ ان کے قلب کی دھڑکن سے ان کے مطلب کو جان جاتے۔ اور ان کی نبض کی حرکت سے ان کے مزاج کا اندازہ لگا لیتے۔ اس تمام صفائی اور خوبصورتی کے ساتھ ساتھ وہ جانتے تھے کہ یہ سخت سرشت والے انسان اس سے زیادہ خوش ہو سکتے ہیں کہ دینداری کے جذبے کو فروغ دیا جائے اور اس کی ترویج کی جائے۔ انہوں نے جگہ بہ جگہ لاتعداد مسجدیں بنوائیں اور اپنے حکام کو بھی لکھا کہ مسجدوں کی تعداد کو اپنے شہروں اور علاقوں میں بڑھائیں۔ یہ مسجدیں محض سادی نہ تھیں۔ بلکہ ان میں بھی آرائش اور زیبائش کا خیال رکھا گیا۔ قیمتی اور اچھی قسم کی لکڑیاں لگائی گئیں۔ اور ان پر نقش ونگار بنوائے گئے۔ اس کے علاوہ بیش قیمت پتھر بھی دیواروں پر جڑوائے گئے۔ اس کے علاوہ بیش قیمت پتھر بھی دیواروں پر جڑوائے گئے۔ طرح طرح کے زبرجد عمدہ عمدہ قسم کے پتھر جیسے سنگ مرمر وغیرہ فرش پر لگوائے سیڑھیاں خوشنما اور خوبصورت بنوائی گئیں۔ ہر مسجد کے تحت ایک وسیع وعریض مدرسہ بنوایا گیا جس کا انتظام امام مسجد اور محلہ والوں کے ایک بورڈ کے

Marfat.com

ہاتھ میں ہوتا تھا۔ اخراجات سرکار کی طرف سے ہوتے تھے۔ مدرسوں میں مختلف علوم کی تعلیم دی جاتی تھی مخصوص طور پر دینی اور عربی لٹریچر پر توجہ دی جاتی۔ ثقافت اور تہذیب سکھانے پر بھی مکمل طریقے سے توجہ مبذول کی جاتی۔ دو دو تین تین محلوں کے درمیان ہسپتال ہوتے جن میں مفت علاج کیا جاتا۔ طبیب سرکاری ملازم ہوتے۔ ادویات چاہے قیمتی ہوں یا ارزاں سرکار کی طرف سے مہیا کی جاتیں۔ علاج میں توجہ اور مکمل احتیاط برتی جاتی۔ اس کے علاوہ پیشہ ور ڈاکٹر اور حکیم بھی ہوتے جو امراء، رؤساء اور ذی حیثیت لوگوں کا علاج کرتے۔ خود بادشاہ کی دینداری کا یہ عالم تھا کہ ہر عالم اور ہر فقیہہ اُن پر چھایا رہتا خصوصاً یحییٰ بن یحییٰ کا تو وہ بہت ہی زیادہ احترام کرتے۔ وہ بادشاہ کے اوپر اس قدر حاوی تھے کہ اس کی معمولی سی لغزش پر بھی بھرے دربار میں سرزنش کرتے۔ کتنا ہی مجمع کیوں نہ ہو سخت سست کہنا شروع کر دیتے۔ اور عبدالرحمٰن خاموشی سے سنتے چپکے سے برداشت کرتے جاتے۔ جیسے کہ وہ ان کے محکوم ہوں یا معمولی شاگرد کبھی کبھی شرعی حد یا جرمانے بھی یہ فقیہہ ان پر عاید کر دیتا۔ اور وہ چپ چاپ ادا کر دیتے۔

زندگی حسن اور دلکشی کا نام ہے۔ عبدالرحمٰن اس کے خاص طور پر پیرو تھے۔ شہر کی دلکشی میں نمایاں تبدیلی کرنے کے لئے انہوں نے مضافات کی دلکشی بڑھانے میں بھی بہت توجہ صرف کر دیں وادی الکبیر کے دونوں طرف خوشنما باغات لگائے گئے۔ ان میں رنگ برنگے پھول کیاریوں میں لگوائے گئے۔ عوام شام کو گھوڑوں پر سوار ہو کر کچھ پیدل چل کر ان باغوں میں تفریح کے لئے پہونچتے۔ ان باغوں میں روشیں اس قدر نفیس اور خوبصورت تھیں کہ ایشیا کے باغ ان پر رشک کرتے۔ ملک کے مختلف حصوں سے بلکہ بیرونی ممالک سے بھی ہزاروں قسم کے پودے اور بیج منگوا کر ان میں لگوائے گئے۔ اور دیدہ زیبی میں اضافہ کیا گیا۔ عبدالرحمٰن کو یہ بھی علم تھا کہ اصول صحت کے لئے بھی شہر اور اس کے مضافات میں اس قسم کے باغات اور تفریح گاہیں ہونا لازمی ہیں ورنہ شہر کی مسموم فضا اور گندی آب و ہوا میں قویٰ مضمحل ہونے کا بھی زیادہ اندیشہ رہتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ عبدالرحمٰن ثانی نے سڑکوں کی مرمت اور صفائی پر بھی توجہ دی۔ تمام سڑکوں کی پیمائش کرائی گئی۔ جو ناقابل استعمال ہو گئی تھیں ان کو از سر نو تعمیر کیا گیا جو بری حالت میں تھیں ان کی مرمت کرائی گئی۔ سڑکوں کا ایک جال سا بچھا دیا گیا۔ دور دور کے شہروں سے رابطہ اور ان کی اطلاعات کا جلد سے جلد پہونچنے کا ذریعہ اچھی سڑکیں ہی ہو سکتی ہیں۔ سو بادشاہ کی کوششوں سے بہت سے ایسے محکمے کھولے گئے جو لاوارثوں، یتیموں اور بیواؤں کی

Marfat.com

نگہداشت کرتے اور ان کو ذریعہ معاش بہم کرنے میں مدد دیتے۔ جو لوگ خود کما کر روٹی نہیں کھا سکتے تھے۔ ان کا انتظام بیت المال سے کیا گیا۔ بہت سے بدنصیب اور بے سہارا صرف انہیں حکموں کی بدولت پلتے تھے۔ ان میں سے جو صنعت و حرفت کی طرف مائل تھے ان کو ان کی خواہش کے مطابق کام سکھلا دیا جاتا۔ بعض اوقات جو آفات ناگہانی یا ارضی و سماوی ٹوٹ پڑتی تو ان کے ازالے اور تلافی کے لئے بھی محکمہ جات قائم تھے۔ کبھی کبھار اگر قحط پڑ جاتا تو تقاویاں بانٹی گئیں لگان معاف کر دیئے گئے۔ دیگر سہولتیں بہم کی گئیں۔ ایک بار ٹڈیوں نے فصلوں پر حملہ کر دیا اور ساری کی ساری چاٹ گئیں۔ اور کھیتوں کو میدان بنا دیا۔ لوگ اپنی جانوں کو بچانے کے لئے افریقہ اور دوسرے علاقوں کو بھاگ گئے۔ مگر جو غریب باقی رہ گئے ان پر سے تمام ٹیکس ہٹا دیئے گئے۔ ان کی رہائش کے لئے بندوبست کئے گئے۔ ان کو دوسرے روزگار مہیا کئے گئے اور جو کچھ نقصان ہوا ان کو بادشاہ نے اپنے صرف خاص سے پورا کیا۔ سرکار کی طرف سے غرباء کو مفت کھانا اور کپڑا تقسیم کیا گیا۔ ان کو دوسری صنعتوں کی طرف مائل کر کے ان کی مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا کر دیا گیا۔ اور پھر فوراً بربادی کو آبادی میں تبدیل کیا گیا۔ جلدی جلدی بیج کھاد مہیا کر کے ویران میدانوں کو ہرے بھرے کھیتوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ یہ سب بادشاہ کی فیاضی دانشمندی اور اصولی قدم اُٹھانے کا نتیجہ تھا۔

برایں ہمہ صفات ان کا ذوقِ حُسن و دلکشی اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ جمالیات وہ بھی صنف نازک کی طرف بھی بے حد مائل ہو گیا تھا۔ ان کا میلان طبع بڑی حد تک حُسن و جمال کی طرف راغب تھا۔ طروب تو ان کی آنکھوں کا تارا دل کا سرور تھی ہی۔ اس کی جدائی تو ایک منٹ بھی برداشت نہ کر پاتے تھے۔ ایک بار جب وہ خود جلیقہ پر فوج لے کر بڑھے۔ اور وہاں محاصرے نے طول کھینچا تو اُنہوں نے ملکہ کو روز خط بھیجنا شروع کیا جس میں ہجر و فراق کے مصائب بیان کئے۔ اپنی وارفتگی و شیفتگی کا تذکرہ اور اس کی شان میں اشعار لکھ کر بھیجے۔

طروب کے علاوہ اور وہ بھی مختلف نازک انداموں مہ جبینوں اور زہرہ جبینوں سے لگاؤ رکھتے تھے۔ اور اسی لئے اس کو رقص و سرود کا بھی دلدادہ کر دیا تھا۔ محل سرا اور محل میں پیغام رسانی کا ذریعہ خواجہ سرا ہوتے تھے۔ جو خلفائے دمشق اور بغداد کی قیادت میں اسپین میں بھی ملازم رکھے گئے۔ ان لوگوں کو بڑا اثر محل کے اندر حاصل تھا۔ اور بہت سے امور بغیر ان کی مرضی انجام نہ پا سکتے تھے۔ خصوصاً بادشاہ سے ملاقات یا محل میں داخلہ تو بغیر ان کی اجازت ہو ہی نہ سکتا تھا۔

Marfat.com

یہ لوگ ہرچند بادشاہ کے وفادار ہوئے مگر حرص و آز کے بھی غلام تھے۔ اور محل کی اندرونی سازشوں میں باقاعدہ ان کا ہاتھ ہوتا تھا۔ یہ لوگ عجیب و غریب طرح کے لوگ تھے۔ اگر وفاداری پر اُتر آتے تو جان تک کی پرواہ نہ کرتے۔ اگر وفا بازی اور بے وفائی پر تُل جاتے تو کمینہ سے کمینہ حرکت کو بھی جائز سمجھتے۔ حرم سرا میں انہیں کا عمل درآمد ہوتا۔ اور ملکاؤں کی سازشوں کا یہی ہتھیار بنتے اور جب طروب نے بادشاہ کے خلاف سازش کی تو غلام نصر اس کا خاص آلہ کار تھا۔

عبدالرحمٰن الاوسط نے ربیع الآخر ۲۳۸ھ کے لگ بھگ ۲۲ ستمبر ۸۵۲ء میں انتقال کیا۔ انہوں نے تیس سال سے کچھ زائد حکومت کی۔ طلیطلہ میں وہ ماہ شعبان ۱۷۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی موت بھی اچانک واقع ہوئی تھی اسی لئے وہ اپنے بعد کسی جانشین کو نامزد نہ کرپاتے تھے۔ البتہ قرین قیاس یہ تھا کہ وہ محمد اپنے سب سے بڑے بیٹے کے حق میں تھے ایلوگیس کا بیان ہے کہ ایک دن شاہ اپنے محل کی بالکونی پر کھڑے دور لگی ہوئی سولیوں کو دیکھ رہے تھے۔ جن پر عیسائی شورہ پشت چڑھائے گئے تھے۔ اور اب بھی بہت سے مردہ جسم لٹک رہے تھے۔ یہ حسرتناک نظارہ دیکھ کر اس کا دل ڈوب گیا۔ اس نے اسی وقت ان تمام جسموں کو جلا دینے کا حکم دیا۔ بمشکل تمام وہ یہ حکم دے پایا تھا کہ اس پر دورہ پڑا اور بے ہوشی طاری ہوگئی۔ اسی شب وہ واصل بحق ہوگئے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان پر طروب اور نصر کی بے وفائی اور غداری کا بہت بُرا اثر تھا۔ خدا انہیں غریق رحمت کرے۔

باب ۳۳

محمد بن عبدالرحمٰن الاوسط

۲۳ ستمبر ۸۵۲ء تا ۴ اگست ۸۸۶ء

۲۳۹ھ تا صفر ۲۷۳ھ

محمد کی تخت نشینی کا قصہ بھی کافی دلچسپ ہے۔ عبدالرحمٰن کی موت اچانک ہوئی۔ اور وہ اپنی حیات میں یہ فیصلہ نہ کر پائے تھے کہ ان کے بعد تخت پر عبداللہ متمکن ہوں گے یا محمد۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ عبداللہ کے مخالف اور محمد کے حامی تھے۔ مگر اس کا اظہار کسی بیعت یا اعلان کی صورت میں نہ ہو پایا تھا۔ محمد اپنی اچھی عادتوں۔ نیک طبیعت۔ سادہ مزاجی۔ مذہب کی پابندی کی وجہ سے خاص و عام میں کافی عزیز تھے۔ لیکن ان کی ایک عادت بعض حضرات کی نگاہ میں بُری طرح کھٹکتی تھی وہ تھی کنجوسی۔ بخل اور کفایت شعاری۔ اس کے برخلاف عبداللہ جو ملکہ طروب کے بیٹے اور چہیتے تھے دل کھول کر خرچ کرتے تھے۔ اصراف وہ چاہے جا ہو یا بے جا قطعاً پرواہ نہ کرتے تھے۔ مے نوشی کے لئے صلائے عام تھی۔ یارانِ بادہ خوار ہر شب ان کے محل میں جمع ہوتے تھے۔ اور شغلِ شراب و شاہد۔ محفلِ رقص و سرود جمتی تھی پوری رات چنگ و رباب۔ طاؤس و بربط کے ساتھ ساتھ سُریلی آوازیں اور مدھ بھری تانیں ان کے کمرۂ خاص سے بلند ہوا کرتی تھیں۔ غرضیکہ ایک اگر زاہد شب زندہ دار تھے تو دوسرے حسن پرست و بادہ خوار۔ ایک اگر کفایت شعار

تھے تو دوسرے فضول خرچ۔ ایک اگر احساسِ ذمہ داری کے حامل تھے تو دوسرے لااُبالی پن کے
ایک کو اگر امورِ سلطنت کی انجام دہی میں لطف آتا تھا تو دوسرے کو صحبتِ ماہ رُخاں اور
زہرہ وشاں میں۔ ایک کو اگر جنگجوئی اور حکمرانی کا شوق تھا تو دوسرے کو سیر و شکار کا۔

یہ سب باتیں اپنی جگہ پر تھیں مگر محل میں نصر کے علاوہ اب بھی بہت سے طرفدار عبداللہ کے موجود تھے۔ جو ملکہ طروب کی نوازشوں اور عنایتوں کے تلے دبے ہوئے تھے خصوصاً خواجہ سراجن کا محل سرا میں بڑا عمل دخل تھا جو محل کے تمام رازوں سے واقف ہوتے تھے اور ان کی وجہ سے بڑا اثر قائم کئے ہوئے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کا یہ داخلی اثر خارجی معاملات میں بھی رنگ دکھانے لگا۔ اپنے اثر سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی خاطر اور دُنیاوی وجاہت اور دولت حاصل کرنے کے لئے یہ مختلف سازشوں کے بھی آلۂ کار بننے لگے۔ اور سیاسی معاملات میں بھی دلچسپی لینے لگے۔ یہ لوگ ایک دوسرے کی شخصیت یا منصب سے جلتے تھے۔ اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے اقتدار کو دھکا پہونچانے کے لئے تگ و دو کیا کرتے تھے۔ آقاؤں کے وفادار تھے۔ مگر اسی وقت تک جب تک وہ امیر مہربان ہیں جہاں ان کی نگاہیں بدلیں ان کے ارادے بھی بدل گئے۔ اور ایسے عالم میں یہ کسی بھی سنگ دلی یا ظلم کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔

عبدالرحمٰن کی آخری گھڑی یکایک آپہونچی۔ بجز چند اُن محل کے خدام یا خواجہ سراؤں کے جو بسترِ مرگ کے پاس موجود تھے۔ ادھر ان کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز ہوئی۔ اُدھر اُنھوں نے محل کے دروازے بند کر دیئے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کو بلا کر اس کی اطلاع دی۔ وہ سب ماتم و شیون کرنے لگے۔ ان میں سے ابوالمفرح جو ملکہ طروب اور اس کے بیٹے عبداللہ کے سخت خلاف تھا بولا کر اے دوستو یہ رونے دھونے کا وقت نہیں ہے۔ اس وقت جس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہے وہ کسی مناسب شخص کو اپنا حکمراں تسلیم کرنا۔ کہ نہ صرف ہمارے بلکہ پوری ملت کے حقوق کی حفاظت ہو سکے۔ اور نظم و نسق میں رخنہ نہ پڑے حامیانِ ملکہ بہ یک آواز عبداللہ کی موافقت میں بولے کہ اس کے ہمارے اوپر بہت احسانات ہیں اور اس نے کبھی ہماری مدد کرنے سے گریز نہیں کیا ہے۔ کبھی روپیہ پیسہ دینے میں دریغ نہیں کیا۔ ان متفقہ آوازوں نے ابوالمفرح کو چونکا دیا۔ وہ ایک سیدھا سادھا مسلمان تھا دیندار بھی تھا۔ مذہب کا شیدائی بھی۔ حج بھی کر آیا تھا۔ نیک اور مذہبی قسم کے آدمیوں کو پسند

Marfat.com

رتا تھا۔ عبداللہ جس کے نکمّے اور بے دینی مشاغل۔ ذوق شراب و شاہد ان پر پوری طرح واضح
تھا۔ اس فیصلہ کے خلاف تھا۔ مگر ان تمام حبشی سرداروں۔ خواجہ سراؤں اور غلاموں کی متحدہ
واز کے خلاف آواز اٹھانا ان کے بس کا کام نہ تھا۔ ایسے وقت میں سخت دانشمندی۔ دوربینی
ور معاملہ فہمی کی ضرورت تھی۔ معمولی سی غلطی ساری بنیادوں کو اکھیڑ پھینک سکتی تھی۔ ذرا سی
یک ہوئی اور سارے قلعے اڑ اڑا دھم۔ اس نے ان تمام کی راؤں کو دلچسپی سے سُنا۔ موافقت
ور ہمنوائی کا دم بھرا۔ ان سے کہا کہ بلاشبہ تمہاری رائے معقول اور کسی حد تک قابلِ قبول
ی ہے۔ ملکہ طروب کے احسانوں سے ہماری گردنیں ہمیشہ جھکی رہیں گی اور اُن کی عنایات
بھی ہم نہ بھلا سکیں گے۔ اگر عبداللہ کو ہم نے اپنا امیر مقرر کر لیا تو یقین ہے کہ ان کے یہ تمام
طاف و اکرام بدستور جاری رہیں گے۔ مگر ہم ذرا اگر اپنے مفاد کو الگ رکھ دیں اور اس وقت
رے ملک و قوم کے فائدے اور بہتری کے متعلق سوچیں تو زیادہ انسب ہوگا۔ خود میرے اوپر
لمہ اور اس کے بیٹے کی نوازشات بہم رہی ہیں۔ بلکہ تم سب کے مقابلہ میں زیادہ ہی ہوں گی۔ مگر
بداللہ کی عادات و اطوار سے کون واقف نہیں۔ دینی کاموں سے ان کی بے اعتنائی سیاسی
سئلوں سے اس کی بے نیازی اور ملکی انتظامات سے اس کی بے رخی کسے معلوم نہیں۔ اس کے
ام دوست و احباب بھی اسی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ اور اُن کی دلچسپیاں وہی ہیں جو
ہزادے کی۔ ملک کی بہتری اور عبداللہ کے ہاتھوں سے خیالِ خام ہے۔ اُمید بے بنیاد ہے۔
س تقریر کا خاطر خواہ اثر ہوا اور اُنہوں ابوالمفرح سے پوچھا کہ پھر اس کی نظر میں کون مناسب شخص
ہے؟ "محمد" کیا "محمد" سب کی زبانوں سے نکلا۔ وہ انتہائی کنجوس۔ تنگ نظر۔ اور ہم لوگوں کی طرف
سے لاپرواہ ہے۔ یہ بات درست ہے۔ ابوالمفرح بولا۔ مگر یہ بھی تو سوچو کہ اس کے پاس ابھی تک
ولت ہی کہاں ہے۔ جو ہمیں کچھ دیتا اس کے قبضہ میں کوئی اعلیٰ عہدہ ہی کہاں ہے جو ہمارے اوپر
وازشات کا سایہ ڈالتا۔ ان کے پاس اختیارات ہی کہاں ہیں جو ہماری سفارشات کو بنظر توجہ دیکھتا۔
ں اگر یہ تمام چیزیں ہم اس کے ہاتھ میں دیدیں اور پھر وہ ہماری طرف سے بے التفاتی برتے اور
بے نیازی کا ثبوت دے تو قابلِ الزام اور واجب سزا۔ لوگوں کے دلوں میں ان کی بات گھر کر گئی۔
سب نے اسی وقت قرآن پر ہاتھ رکھ قسمیں کھائیں کہ وہ اپنا امیر محمد ہی کو انتخاب کریں گے اور جب
ک اس کا حسن سلوک ان کے ساتھ اچھا رہے گا۔ وہ بھی اس کے وفادار رہیں گے شہزادہ محمد کو اس
فیصلہ کی اطلاع دینے کی ذمہ داری قاسم اور سعدون نامی دو سرداروں کے سپرد کی گئی۔ یہ لوگ

اب تک ملکہ اور عبد اللہ کے خیر خواہ رہے تھے۔ اس لئے محمد کے اوپر اعتماد شروع ہی سے جمل کی یہی ترکیب ہے کہ وہ محمد کو یقین دلائیں کہ وہ اب اس کے وفادار ہیں۔ سعدون اس اطل اور فیصلہ کی خبر لے کر محمد سے ملنے چلا۔

اس وقت یہ قاعدہ تھا کہ آدھی رات کو محل کے تمام دروازے بند ہو جاتے تھے اور پھر تمام آمد و رفت منقطع ہو جاتی تھی۔ صبح تک کسی کو آنے یا جانے کی اجازت بغیر حکم یا پرو کی نہ تھی شہزادہ کا محل دریائے وادی الکبیر کی دوسری جانب تھا اور ان تک پہنچنے کے لئے صرف محل بلکہ پل اور عبد اللہ کے محل سے بھی گزرنا پڑتا تھا۔ سعدون نے کنجیاں حاصل کیں پر شناخت لیا۔ تمام راہوں سے گزرتا ہوا جب وہ عبد اللہ کے محل میں پہونچا تو دیکھا کہ وہی شغب جاری ہے۔ وہی رندی وہی بدمستی و خراباتی کی باتیں ہو رہی ہیں۔ وہاں سے وہ چپ چاپ نکل گلیوں اور پیچدار راستوں سے ہوتا ہوا محمد کے مکان پر پہونچا جو اس وقت سو کر اُٹھے اور نماز کے لئے غسل کرنے جا رہے تھے۔ جب سعدون نے اپنا پیغام ان کو پہونچایا تو محمد کو ا کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ سعدون نے جو اس کا شروع سے دشمن تھا۔ اور کبھی اس کو مُنہ لگا بھی نہ تھا۔ پھر یہ حکومت کی پیشکش یقیناً کچھ دال میں کالا ہے۔ شاید عبد اللہ تخت پر پہلے ہی قابض ہو چکا ہے۔ اور اب اس کی جان لینے کو ان خواجہ سراؤں کو بھیجا ہے۔ اس نے دل ہی دل سوچا۔ وہ سعدون سے خائف ہو کر عجز و نیاز کرنے لگے۔ اس سے جان بخشی چاہی اور وعدہ کیا کہ اس وسیع دنیا میں وہ کسی طرف نکل جائیں گے یہاں نہ رہیں گے۔ ان کی جان لینے سے ان لوگوں کو کیا حاصل ہوگا۔ سعدون نے دیکھا یہاں تو معاملہ ہی اُلٹا ہے۔ اس نے بُری بحث و تمحیص کے بعد یہ سمجھایا کہ اس کے جان لینے کی تیاریاں نہیں ہیں بلکہ عنانِ حکومت ہاتھ میں دینے کی ترکیب ہے۔ اور سعدون نے کہا کہ میں نے یہ فرض اپنے ذمہ صرف اس وجہ سے لیا کہ آپ میری ماضی کی فروگذاشتوں کو بھول کر مجھ پر اعتماد کرنا شروع کر دیں۔ اور درگذر کریں جو قصور ہوا۔ محمد کو اب اس کی باتوں پر یقین آ گیا۔ اس نے اپنے داروغہ محمد ابن موسیٰ کو بلایا اور اس سے شاہی محل تک پہونچنے کی ترکیبیں پوچھنے لگے۔ ابن موسیٰ نے پورا ماجرا سننے کے بعد پہلے یہ مشورہ دیا کہ جس طرح سے ہو شاہی محل پر سویرا ہونے سے پہلے قبضہ کر لیا جائے۔ کہ فوقیت اسی کو حاصل ہوگی جو پہلے اس پر قابض ہو جائے۔ اگر اس میں کوئی چوک یا تاخیر ہو گئی تو نہ صرف بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ بلکہ سب کی جانوں کے لالے پڑ جائیں گے۔ مگر محل شاہی میں بغیر ضرورت بتائے ہوئے اور اجازت

دکھائے ہوئے داخل ہونا آسان نہ تھا محمد ابن موسیٰ نے کہا کہ نہ تو حاکم شہر ہم لوگوں کو وہاں
گزرنے دے گا۔ اور نہ پہرےدار ہم کو اندر گھسنے دیں گے۔ اگر داخلہ راز کو طشت ازبام کر کے
تو ممکن ہے بھانڈا پھوٹتے ہی ہم لوگوں کے سر پر اولے پڑ جائیں۔ وقت بہت کم تھا فجر کی گھڑی
تھی قلعے کے اندر لوگ الگ منتظر اور پریشان تھے۔ ابن موسیٰ نے کہا کہ حضور زنانہ لباس پہن کر
اوڑھ لیں اور اپنی صاحبزادی کے بھیس میں شہر سے گزر کر محل تک پہنچ جائیں۔ کسی کو پتہ
نہ ہوگا۔ بات ڈھکی چھپی رہے گی۔ آپ کی بیٹی اکثر و بیشتر اپنے دادا سے ملنے گئی ہیں اور
کو کسی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ہے، رائے معقول تھی۔ مان لی گئی۔ محمد
برقعہ اوڑھ عورتوں کی طرح گدھے پر سواری گانٹھی۔ موسیٰ نے لگام پکڑ کر چلنا شروع کیا
اللہ کے محل کے سامنے ان لوگوں کو پھر توقف ہوا کہ کہیں راز کھل نہ جائے اور سارا کیا
یا ستیاناس ہو جائے مگر وہاں جھانک کر دیکھا وہ لوگ اب نشے میں چور مدہوش و
ت پڑے تھے۔ پہرےداروں کے سینے سے بھی صراحیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ اور وہ نگہبانی کرنے
بجائے بیخودی کے عالم میں دنیا و مافیہا سے بیگانہ تھے۔ وہاں سے نکل کر یہ لوگ صحیح و سلامت
القنطرہ تک پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک سردار نگہبان آنکھیں ملتا نکل آیا اور ایسے ناوقت
آنے کا مطلب دریافت کیا۔ سعدون نے آگے بڑھ کر کہا دروازہ کھول دو شہزادے محمد
بٹی بادشاہ سلامت سے ملنے جا رہی ہیں۔ دربان جو کئی بار شہزادی کو دیکھ چکا تھا بولا کر
نازک بدن ہیں یہ گدھے پر سوار لحیم شحیم عورت معلوم ہوتی ہے وہ تو ابھی چند ہی دن ہوئے
شاہ سے ملنے آئی تھیں کیا اتنے ہی دنوں میں ان کا تن و توش اس قدر بڑھ گیا۔ محمد نے
ما کہ یہاں بات چالاکی سے بنتے نظر نہیں آتی ہے۔ نقاب الٹ دیا اور کہا کہ میں شہزادہ محمد
ں۔ ابا جان کا انتقال ہو گیا ہے اور اب میں حکومت کی ذمہ داریاں اپنے کاندھوں پر
ٹھانے جا رہا ہوں۔ ساری بات خاموشی سے طے ہو جائے اس لئے یہ سوانگ رچایا
بار۔ دربان جو شہزادے کو دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔ کہا کہ میں حضور کی شان میں کوئی گستاخی
کر سکتا ہوں اور نہ آپ کی بات کے یقین کرنے میں کوئی تامل ہے۔ مگر میں چاہتا ہوں
اس بیان کی خود تصدیق کر لوں۔ سعدون اور وہ دونوں محل کے اس کمرے تک پہنچے دیکھا
واقعی عبدالرحمٰن کا جسدِ خاکی بے روح پلنگ پر پڑا ہوا تھا۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ محمد اندر
داخل ہو گئے۔ محل کے تمام اراکین کو جگا دیا گیا اور یہ خبرِ بد سنا دی گئی۔ اسی وقت شہزادے

Marfat.com

محمد کے ہاتھ پر لوگوں نے بہ دیدۂ نم اور دلِ پُر غم بیعت کرنا شروع کردی۔ ابھی پو پھٹی بھی نہ تھی۔ ابھی سورج کی کرن نے تاریکی کو اُجالے میں تبدیل بھی نہ کیا تھا کہ وراثت کا معاملہ عبدالرحمن کی وفات کے بعد چند خواجہ سراؤں کی دیدہ بینی اور عقل فہمی کی وجہ سے بغیر کسی فتنہ و فساد بغیر کسی خون وخرابہ محمد کے حق میں طے پا گیا۔ صبح ہوتے ہوتے تمام عمائدین سلطنت کو اس حادثۂ جانکاہ کی اطلاع دیدی گئی۔ اور ان کو فوراً محمد کی جانشینی پر حمایت کرنے پر آمادہ کرلیا گیا۔ بیعت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ حلفِ وفاداری اُٹھنے لگا۔ عبداللہ اور اُس کے حواری مُنہ دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے۔ ملکہ طروب کی ساری چالیں شاطرانہ اور غیر شاطرانہ مات کھا کر رہ گئیں۔ رنگ ریبوں نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا۔ بے جا تمناؤں نے اپنا دامن کوتاہ کرلیا۔

محمد کی پالیسی

محمد خواجہ سراؤں کی حکمت عملیوں کی بنا پر تخت حکومت پر براجمان تو ہوگئے۔ مگر انہوں نے نہ تقاضۂ وقت کا مطالعہ کیا۔ نہ حالات کی رفتار پہچانی۔ اور نہ لوگوں کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ وہ شروع ہی سے مذہب کے اصولوں کے سختی سے پابند تھے اور دین و شریعت کی ترویج کے لئے ہر مناسب و غیر مناسب قدم اُٹھانا جائز سمجھتے تھے۔ ان کی پالیسی جو بڑی حد تک تنگ نظری اور تنک مزاجی پر مبنی تھی ان سے زیادہ حکومت کے کاموں میں رخنہ انداز ہوئی۔ وہ مذہب اسلام کو افضل و ارفع سمجھتے تھے اور اسی کے ماننے والوں کو ہر قسم کی رعایت کا مستحق سمجھتے تھے باقی سب کو واجب السزا یا قابلِ تحقیر۔ حبشی غلاموں اور خواجہ سراؤں کا جو یہ خیال تھا کہ وہ بہت ہی خود غرض اور بخیل ہیں۔ اس نے سب سے پہلے حکام اور عوامل کی تنخواہوں میں تخفیف کرنا شروع کی۔ جن لوگوں نے اس کو شہزادگی سے حکومت کی عنان تھمادی انہیں کی جیبوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ انہیں کی روزی میں کتر بیونت کرنا شروع کردی۔ پچھلے تمام وزراء ہٹا دیئے گئے اور ان کی جگہ ناپختہ کار نوجوان جو صرف مذہب کے کٹر پابند تھے اور زیادہ شان وشوکت سے نہ رہتے تھے مقرر کئے گئے۔ تمام محاصل کی وصولیابی تمام رقموں کی برآمدگی۔ تمام خزانے کے معاملات پر ان کی توجہ خاص ہوتی تھی۔ اس معاملہ میں وہ اس قدر محتاط تھے کہ ایک ایک درہم و دینار پر وہ گھنٹوں خزانے کے افسران سے پوچھ گچھ کرتے رہتے۔ لوگ ان کی ان حرکتوں سے نالاں اور بد دل ہونا شروع ہوگئے۔ مگر جو شریعت اور دین کے محافظ تھے۔ جو لہو ولعب کے بجائے پاکیزہ زندگی بسر کرنے کے قائل تھے جو عیش و عشرت کے

Marfat.com

بجائے سادگی اور صاف ستھری زندگی کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ نہ صرف محمد کے مداح تھے بلکہ اس کو اپنے سروں پر خدا کا سایہ سمجھتے تھے۔ محمد اپنی اقتادِ طبع اور مذہبی لگاؤ کی وجہ سے انہیں لوگوں کو قابل اعتنا سمجھتے تھے۔ اور انھیں لوگوں کو خوش کرنا اور خوش رکھنا اپنا مطمح نظر جانتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں اور یہودیوں پر زندگی گراں ہونے لگی۔ وہ لوگ جس بے راہ روی اور مطلب پرستی کے عادی ہو چکے تھے اس میں رکاوٹیں پڑنے لگیں۔ غیر مسلموں کے طرفدار حاکم برطرف کر دیئے گئے۔ موسیٰ بن نصیر کے معاہدہ کے مطابق تمام نئے تعمیر کردہ گرجے اور خانقاہیں غیر قانونی قرار دی گئیں۔ اور اگر پچھلے گرجوں میں کوئی توسیع یا ترمیم بھی ہوئی ہو تو اُسے ضابطہ کے خلاف قرار دیا۔ کیا ان کے اس حکم کی تعمیل کو لوگوں نے فرض مذہبی اور کارِ ثواب جانا۔ بہت سے کلیسا ڈھا دیئے گئے۔ ان سے متعلق تمام مقدسات اور تبرکات کو ضبط کر لیا گیا۔ ان میں رہنے والوں کو دربدر کر دیا گیا۔ بعض اوقات اس کارِ خیر کو انجام دینے میں کوئی امتیاز بھی نہ رہتا گیا۔ اور کچھ پرانی خانقاہوں جن کے خلاف شکایات تھیں مسمار کر دیا گیا۔ لوگ اس سے بھڑک اٹھے اور ایک بغاوت کی بنیادیں مضبوط ہونے لگیں۔ اور جلد ہی یہ اندر سلگتی ہوئی چنگاریاں شعلہ بن کر بھڑک اٹھیں۔ اہالیانِ طلیطلہ نے ہتھیار اٹھا لئے۔ حاکم وقت کو قید کر لیا۔ ان تمام امراء کو جو بطور یرغمال عبدالرحمٰن کے زمانے میں قرطبہ میں قید تھے ان کو زبردستی حاصل کر لیا۔ اور پھر کئی جنگیں لڑیں کہ جن کا ذکر تحریکِ مولدین میں تفصیل سے آچکا ہے۔

مسلمانوں میں اختلاف

بے چینی یا بے اطمینانی صرف نصاریٰ یا یہودیوں میں ہی نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے بعض فرقے بھی آپس میں اختلافِ نظریات مقابلہ کی بنا پر گتھم گتھا تھے۔ قرآن کی آیات کی مختلف تفسیریں کی گئیں اور ان کے معنی میں فرق پیدا ہوا۔ احادیث کی صحت و غیر صحت پر مباحثے ہوئے۔ اندلس کے ماسوا سب جگہوں پر ان نظریاتی اختلاف کی وجہ سے تلواریں کھنچ گئیں۔ یہاں کم از کم محمد نے یہ نوبت تو نہ آنے دی۔ ان کو آپس میں لڑنے بھڑنے دینے سے بہتر یہ سمجھا کہ وہ سب اپنے اپنے عقاید کی پختگی اور ان کے ثبوت کے ساتھ ان کے سامنے آکر مباحثہ و مناظرہ کریں۔

حضرت امام مالکؒ کے معتقدین حضرت امام حنبلؒ کے عقائد کے سامنے اپنی دال نہ گلا سکے جب بحث و تمحیص میں وہ حنبلیوں کو شکست نہ دے پائے تو امیر محمد نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ان کے اصول قرآن یا حدیث کے خلاف نہیں ہیں اور ان کا تسلیم نہ از روئے قانون شرع خلاف نہیں ہیں لہٰذا

ان کا تسلیم نہ از روئے قانون شرع خلاف نہ حکومت۔ اور یوں ایک اُبھرتے ہوئے فتنے کو اُنھوں نے اپنی غیر تعصبی اور سمجھداری کی وجہ سے ختم کر دیا۔

اعلانِ جہاد اس اختلاف اور انتشار کو مزید ختم کرنے کے ارادے سے بادشاہ نے سوچا کہ لوگوں کو جنگ کی ترغیب دے کر ان کا رُجحان ہی پلٹ دیں۔ یوں وہ لوگ ان خواہ مخواہ کے مباحثوں سے بھی چھٹکارا پا جائیں گے اور آپس میں لڑ کر طاقت ضائع کرنے کے بجائے کفّار کو تحس نحس کریں گے۔ یہ طریقۂ کار اس کے پیشرؤوں نے بھی استعمال کیا اور اسی کو کارآمد آلہ سمجھتے ہوئے اس نے بھی استعمال کرنا چاہا۔ اِدھر اعلانِ جہاد ہوا اُدھر لوگ مختلف خواہشوں کے تحت بادشاہ کے جھنڈے تلے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ پہلے دو فوجوں کو گوتھک مارچ کے علاقوں پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا گیا ان کی کمان مریدہ کے گورنر اور موسیٰ ابن زیاد والیٔ سرقطہ کے سپرد کی گئی اس نوزائیدہ ریاست کے بعض اضلاع خوب لوٹے کھسوٹے گئے۔ حتیٰ کہ شاہی فوج ناربون تک پہنچ گئی اور وہاں کافی کشت وخون کیا۔ دوسری فوج برشلونہ پر حملہ آور ہوئی جو گوتھک مارچ کا مرکزی مقام تھا۔ گرد ونواح کے کئی مقامات پر قبضہ کرنے کے بعد شاہ الیٹر باس اور گلیشہ سے جھڑپ لینے بڑھی۔ قدم قدم پر کامیابی ان کو حاصل ہو رہی تھی۔ اس سے یہ ایسے مغرور ہوئے کہ تمام احتیاط اور دور اندیشی کو بھی بالائے طاق رکھ دیا۔ ان کے خلاف شاہ اوردنو (Ordono) ایک تازہ دم فوج لے کر بڑھ آیا اور بیضا کے مقام پر وہ شکست دی کہ ساری جیت ہاریں بدل گئی۔ مسلمان چن چن کر قتل کئے گئے۔ وہ سارے مقامات جو ان کے قبضے میں آ گئے تھے واپس چھین لئے گئے۔ اردنو کی فوج نے بہت دنوں تک طوفان بدتمیزی مچائے رکھا۔ خوب خوب لوٹ مار کی۔ طلیطلہ میں بغاوتوں کا سلسلہ بدستور جاری تھا۔ حالانکہ امیر نے دو بار ان کو زبردست ہزیمت دے کر ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا مگر خدا جانے یہ کس ہڈی چمڑے کے بنے ہوئے تھے کہ جان دیتے تھے۔ باغیانہ جذبات کے اظہار کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ بیس برس تک جان دیتے رہے باغیانہ جذبات کو اظہار کرنے سے باز نہ آتے تھے بیس برس تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ محمد نے ہر طرف ہر طریقہ کو آزما کر دیکھ لیا یہ لوگ کسی طرح قابو میں نہ آئے۔ آخر کار خود بادشاہ کو ان کا حق مطلق العنانی ماننا پڑا ۸۷۳ء میں انہیں یہ مجاز دیا گیا کہ اپنا حاکم خود منتخب کریں اور بادشاہ کو صرف سالانہ خراج ادا کیا کریں۔

خود سرانہ حرکتیں

ہم اس سے پہلے بھی کئی بار یہ دیکھ آئے ہیں کہ جہاں ایک شہر میں کچھ شورش پیدا ہوئی۔ کچھ بغاوت کی آگ بھڑکی۔ کہ اس کی دیکھا دیکھی اور شہر بھی اس قسم کے اقدامات کرنے لگے۔ ان میں پیش پیش ارگون Aragon رہا۔ یہ بھی ایک طرح سے آزاد ریاست تھی یہاں کے باشندے بنی قسی کہلاتے تھے جو قدیم خاندان شاہی وزی گاتھ سے تعلق رکھتے تھے مگر بعد میں۔ اسلام کے پیرو بن گئے تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے کافی اثر اور طاقت پیدا کر لی تھی اور تطیلہ (Tidela) وشقہ۔ سرقسطہ جیسے اہم اور مضبوط شہر اسی ریاست کے زیر نگین تھے۔ امیر محمد کے دوران حکومت میں یہاں کا حاکم موسیٰ ابن زیاد تھا۔ جوان کا بڑا خیر خواہ اور وفادار تھا۔ ناربون اور گلیشیہ کی مہمات میں سرداری اسی کے سپرد کی گئی تھی۔ اور ابیضا میں اسی کی فوج سے اردنو کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھائی تھی۔ اس ہزیمت نے محمد کو کسی قدر اس کے خلاف اور بدظن کر دیا تھا۔ کچھ لوگوں نے بھی ان کے کان بھرے اور ابن زیاد کو مقہور اور معتوب کر کے چین لیا۔ بادشاہ کی نگاہیں بدلیں تو اس نے بھی وفاداری سے منہ موڑا تھا یہ شخص بہت بہادر۔ ہمت ور۔ جنگجو اور اُمورِ ملکی و سیاسی میں ماہر تھا یہ اسی کا حوصلہ تھا کہ برشلونہ پر بھی اپنی تلواروں کی چمک دکھائی۔ قلعہ الہٰہ (Alaha) پر بھی اپنی بہادری کا سکہ جمایا۔ قشتالیہ کے خلاف بھی زور بازو دکھائے اور فرانسیسیوں کے چھکے بھی کئی مقامات پر چھڑائے۔ ایسے قابل شخص کی مخالفت مول لینا یا اس کو بدظن کر دینا مصلحت سیاست کے خلاف تھا۔ اُنہوں نے فوراً مطلق العنانی کا اعلان کر دیا اور بادشاہ کے خلاف عَلم بغاوت بلند کر دیا۔ سرقسطہ کے لوگ تو اس کے جان نثار تھے ہی۔ فوراً حمایت پر آمادہ ہو گئے۔ بادشاہ نے ان کے حوصلوں کو پست کرنا چاہا۔ مگر ان کی ایک نہ چلی۔ موسیٰ کی طاقت بڑھتی ہی گئی۔ وہ تمام شہر تطیلہ۔ وشقہ اور بعض حصہ طلیطلہ کے بھی ان کی معاونت پر تل گئے۔ اب موسیٰ نے پائرنیس کو پار کر چارلس گنج کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ وہ ان کا مقابلہ نہ کر سکا اور دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ موسیٰ اس پر آمادہ تو ہو گئے مگر یہ دوستی برابر کی دوستی نہ تھی۔ موسیٰ کا پلّہ بھاری تھا۔ چارلس دبے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے بہت سے قیمتی تحفے تحائف نذرانے پیش کر کے اپنی جان چھڑائی۔ اور یوں فرانس کی عزت بچی۔ قشتالیہ تو پہلے ہی ان کی اطاعت قبول کر چکا تھا۔ سرحد کے اس طرف اور اس پار کوئی طاقت ان کے مدِّمقابل نہ ہو سکتی تھی۔ اُنہوں نے اپنے کو شاہ اندلس سوئم کہنا شروع کر دیا۔ ان کا بیٹا جس کا نام بھی موسیٰ تھا گویا موسیٰ ثانی

Marfat.com

اپنے باپ کی طرح بہادر اور جوشیلے تھے اور ملکی انتظام کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے موسیٰ نے سارے انتظامات ان کے سپرد کر دیئے۔ ان کا بیٹا لوپ LOPE پورے طلیطلہ پر قابض ہو گیا۔ دربار قرطبہ میں اس سے بڑی کھلبلی مچی۔ مگر موسیٰ کی زندگی میں امیر محمد اس کی طاقت کو ذرا سا بھی صدمہ نہ پہنچا پائے۔ جب ۸۶۲ء میں وہ موت کی آغوش میں سو گئے تو محمد کی فوجوں نے البتہ خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کرنا شروع کر دیں۔ جلد ہی سرقسطہ، تطیلہ، طلیطلہ کے علاقے ان کے قبضے میں آگئے اور تھوڑے دنوں میں بادشاہ نے اس طاقت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ مگر دس سال بعد بنی قسی پھر ابھرے اور موسیٰ کے لڑکے کی سرکردگی میں نئے جوش و خروش کے ساتھ فوجی نقل و حرکت شروع کی۔ جب ان کی باز پرس کو شاہی فوجیں بھیجی گئیں تو انہوں نے شاہ لیون سوئم کی امداد حاصل کر لی۔ اور پھر متحد ہو کر ان کی مفارقت کی۔ اردنو اور الفانسو کی اسی دوستی کی وجہ سے بعض مورخین نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بنی قسی پھر اپنے آباؤ اجداد کے مذہب عیسوی کے مقلد ہو گئے تھے۔ یہ چیز اس سے اور بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ الفانسو سوئم نے اپنے بیٹے اردنو کی تعلیم و تربیت کا بار اسی قبیلے کے لوگوں کے سپرد کر دیا تھا جو بعد میں الیشٹر یاس اور لیون کا بادشاہ ہوا۔ اگر یہ لوگ اسلام پر قائم ہوتے تو شاید الفانسو کبھی یہ گوارا نہ کرتے اس کا بیٹا اسلامی طرز پر تعلیم حاصل کرے اور عربوں کی تہذیب کا شیدائی بنے۔ مگر یہ سب قیاسات ہیں کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ بنی قسی مسلمان ہی رہے یا عیسائی ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے بعض افراد منحرف ہو گئے ہوں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پورا کا پورا قبیلہ مرتد ہو گیا تھا۔

ماردہ میں بغاوت

طلیطلہ اور ارغون کی بغاوتوں نے اور بھی مفاد پرستوں اور فتنہ پسند عناصر کے دلوں میں انحراف اور اختلاف کی جرأتیں پیدا کیں۔ انہیں میں سے ایک عبداللہ بن مروان تھا جو ماردہ کا باشندہ تھا۔ اور ہمیشہ سے بادشاہ کے خلاف الٹی سیدھی حرکتیں کرتا تھا۔ اس کی پہلے بھی سرزنش کی گئی۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ جب اس کی فتنہ انگیزیوں سے کوئی مؤثر قسم کا اختلال نہ پیدا ہوا تو اس نے بادشاہ سے مصالحت کر لی اور ایک ذمہ دار عہدے پر تقرری حاصل کر لی۔ مگر اس پر بھی وہ کچھ زیادہ قانع نہ رہا اور ایک معمولی سی توہین یا مخالفت سے بھڑک اٹھا۔ اپنے چند ساتھیوں کو لیا اور قلعہ النجا پر قبضہ کر لیا۔ جو مریدہ سے قریب تھا۔ اس کی اس حرکت نے محمد کو سخت مضطرب اور مشتعل کر دیا۔ اور ایک

Marfat.com

شاہی فوج پورے ساز و سامان سے بڑھی جس نے مارده کا محاصرہ کر لیا۔ جہاں اس وقت عبداللہ بن مروان مقیم تھا۔ یہ شخص بڑی ہمتوں کا مالک تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ شاہی فوج کا مقابلہ زیادہ دن تک نہیں کر سکتا۔ ہتھیار نہیں ڈالے۔ محاصرہ تین مہینے تک کھنچ گیا۔ اب تو مصیبتوں اور دقتوں کا سامنا ہو گیا سامان خورونوش تو ایک خاص ہی مقدار میں موجود ہوتا اس کی کمی سب سے بڑی کمزوری فوج کے لئے ہوتی ہے۔ ابن مروان نے ایک بار پھر مصالحت ہی میں نجات سمجھی سمجھوتا ہو گیا طے یہ پایا کہ ابن مروان اپنی پوری دولت، سامان و اسباب کے ساتھ بغداد کی طرف جا سکتا ہے۔ جو مقبوضات اس کے پاس ہیں۔ وہ بادشاہ کی ملکیت میں دید یئے جائیں گے۔ شاہی فوجیں واپس چلی گئیں۔ ابن مروان نے پھر آزادی کا سانس لیا اور اس سانس میں پھر سازش کی بو آئی۔ اب کی اس نے ایک نیا حربہ استعمال کیا۔ ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالدی۔ کچھ اصول اسلام سے لئے کچھ عیسائیت سے اور دونوں کو ملا جلا کر ایک مذہب بنا ڈالا۔ لوگ تو اس وقت تھے ہی جاہل۔ ناپختہ کار بے شعور بہت سے اس کے مقلد ہو گئے۔ پھر تو طاقت ہی کی ہوس نے قوتِ شاہی سے ٹکر لینے کی ٹھانی۔ اپنی جمعیت کے ساتھ شاہ الیسٹریاس کی خدمت میں پہونچا اور ان کو بہت سے سبز باغ دکھا کر اپنا دوست بنا لیا۔ اس سے پہلے بھی طلیطلہ والوں سے یہی چال چلی تھی۔ اور الیسٹریاس کی مدد ہی کے بل بوتے پر اپنی آزادی اور خود مختاری حاصل کی تھی اس دوستی سے اس کو بہت فائدہ پہنچا۔ ایک مضبوط اور آزمودہ فوج اس کے جھنڈے تلے آ گئی بغاوت پھر کمر باندھ لی گئی۔ محمد کا تو پارہ ہی یہ سنتے نہ معلوم کتنے ڈگری اوپر چڑھ گیا۔ اس کے دماغ ٹھکانے لگانے کا کام اپنے تجربہ کار اور مشہور سپہ سالار ہاشم کے سپرد کیا۔ وہ پوری تیاریوں کے ساتھ عبداللہ بن مروان سے نبٹنے بڑھا۔ یہ زعم میں آگے بڑھتا ہی جاتا تھا۔ دشمن کی چالوں سے نابلد تھا۔ راستے میں ایک ایسی جگہ جہاں بہت ہی گھنا جنگل تھا اور راہ تنگ تھی۔ یہ اپنی فوج لے کر ہاشم پر ٹوٹ پڑا۔ بیچارے کو اس آفتِ ناگہانی کی خبر تھی۔ اس تنگ و تاریک مقام پر لڑائی بھی کیا خاک ہو سکتی تھی۔ ہاشم کی ساری کی ساری فوج کٹ کے رہ گئی۔ ہاشم قید ہوا اور اسے الفانسو سوئم شاہ الیسٹریاس کے پاس بطور یرغمال بھیج دیا گیا۔ امیر محمد نے ان کی رہائی کی خواہش ظاہر کی۔ ادھر سے ایک لاکھ دینار تاوان کا طلب کیا گیا۔ یہ بہت لمبی رقم بھی اور خصوصاً محمد جیسے بادشاہ کے لئے جو کنجوسی میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا۔ نہ معلوم کتنے مہینے ہاشم نظر بندی کی سختیاں جھیلتے رہے اور ہاشم کے رشتے دار روز بادشاہ سے خوشامد کرتے رہے کہ یہ رقم ادا کر کے اس کو رہا کرایا جائے۔ اس کی خدمات

کو گنوایا گیا۔ اس کی وفاداری کا حوالہ دیا گیا۔ اس کی جان نثاری کا تذکرہ کیا گیا۔ آخر کار بمشکل تمام بادشاہ اس وقت راضی ہوئے جب ہاشم کے رشتہ دار بھی تاوان کی آدھی رقم ملانے پر آمادہ ہوئے۔ ان کئی ماہ کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد ہاشم الفانسو کے چنگل سے نکلے۔ جب یہ دربار میں پہونچے تو دیکھا جس کی خاطر انہوں نے اتنی مشقتیں جانفشانی اور مشکلات برداشت کی تھی وہ ہی بادشاہ کی ناک بنا بیٹھا ہے۔ امیر میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ابن مروان کا مقابلہ کرتے۔ وہ تھے کچھ کم ہمت اور کمزور طبیعت کے مالک۔ ذرا سی مصیبت سے گھبرا جاتے تھے۔ زیادہ دن تک کسی معرکہ میں تاب مقاومت نہ رکھتے تھے۔ اسی کمزوری کی بنا پر انھوں نے ابن مروان سے بھی دوستی کرلی۔ اور اس کو بیڈاجوز (بطلیوس) کا قلعہ معہ تمام ملحقہ آمدنی کے بخش دیا اور اس کا خرچ لینا بھی گوارا نہ کیا۔ گویا وہ وہاں مطلق العنان انسان اور خود مختار امیر تھا جو چاہے سو کرے۔ نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی روکنے والا۔ اس سے زیادہ محمد کی کمزوری طبع کا کیا مظاہرہ ہوگا۔

بادشاہ کی اس بزدلی اور کم ہمتی کا اندازہ جب لوگوں کو ہوا تو وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے۔ ہر طرف شور و شر کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ حاکم بزعم خود حاکم کل بن گئے۔ دربار قرطبہ کو یا تو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے یا اگر لاتے بھی تھے تو اخلاقاً مجبوراً یا جبراً کہ جو اس زمانے کا خاصہ تھا۔ ہر طاقت اس وقت طاقت ہی دیتی تھی۔ لوہا صرف لوہے کو کاٹ سکتا تھا۔ معمولی معمولی باتوں میں تلواریں کھنچ جاتی۔ ایک دوسرے کی مخالفت لوگ کھلی کھلا نے بغیر کوئی شکایت کرنے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ رعایا بیچاری منت میں پس رہی تھی۔ کس کا غم کھانے کس کی بات ٹالے کسی کی نہ ٹالے۔ کوہستانی علاقوں میں اگر اودھم مچا ہوا تھا۔ تو سرحدی حدود پر علیحدہ انتشار اور خود مختاری کا دور دورہ تھا۔ بادشاہ محض اخراجات بچانے۔ خزانے میں رقم بڑھانے اور کفایت شعاری کی غرض سے ہر بڑی مہم سے کتراتا تھا۔ ہر فوج کشی پر چاہے وہ کتنی ہی ضروری کیوں نہ ہو دس بار غور کرتا۔ جب تک معاملہ کہیں سے کہیں نہ پہنچ جاتا۔

مجوسیوں کا حملہ

مجوسی امیر محمد کے زمانے سے قبل بھی عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں اندلس میں لوٹ مار کا بازار گرم کر چکے تھے اور یہاں سے کافی مال و دولت کنیز و غلام لے کر گئے تھے۔ عبدالرحمٰن نے ان کے خاتمہ کے لئے فوجی بیڑے بھی تیار کئے لشکر بھی

Marfat.com

وانہ کیے اور یہی باعث ان کی پسپائی کا ہوا۔ مگر پھر بھی یہ جہاں جہاں پہونچے اپنے ساتھ
ک وخون۔ قتل وغارت گری۔ لوٹ مار کا طوفان لیتے گئے۔ یہ وحشی فوج نارمن کے نام
سے منسوب تھی سمندروں میں جہازوں کو لوٹنا۔ ان کو تباہ کر دینا جو قتل ہو سکیں ان کو قتل
ردینا باقی غلام بنا کر مختلف بازاروں میں بیچ دینا۔ عورتوں کو اپنے مصرف میں لانا پھر انہیں
لی کنیزوں کی طرح بولی پر چڑھا دینا۔ یہ ان کا پیشہ تھا۔ یہ ان کا طریقہ جب کبھی ان کو سمند
ں جہاز لوٹنے کو نہ ملتا تو یہ ساحلی علاقوں پر چھاپہ مارنے پہنچ جاتے۔ اندلس اور افریقہ کے
احلی مقامات سے یہ پہلے بہت کچھ لوٹ لے جا چکے تھے اس لئے چسکا پڑا ہوا تھا۔ یہ لوگ
ھر اپنے وحشیانہ مظالم توڑنے کوئی ۲۴۵ھ یا ۲۴۶ھ میں (۸۵۸ء یا ۸۵۹ء) کے لگ بھگ
پین میں آدھمکے۔ اور سب سے پہلے ہی گلیشیہ کی طرف رُخ کیا۔ مگر اس بار یہ معاملہ اتنا
سان نہ تھا عبدالرحمٰن نے پہلے ہی مختلف جگہاؤں پر قلعے اور فوجی چوکیاں قائم کر دی تھیں۔
ینار بنا دیئے تھے۔ جہاں سے ان لوگوں کی نقل وحرکت کو نظر میں رکھا جاتا تھا مخدوش
قامات پر اطلاع دینے کے وسیلے مہیا کر دیئے تھے کہ اگر ان کی قدم رنجائی ہو تو فوراً قریب
ے قلعے میں خبر کر دی جائے خود شاہی بیڑا سمندر میں ادھر سے ادھر گشت لگایا کرتا تھا اور
احل کی حفاظت کیا کرتا تھا کہ اس کے بعد اور علاقوں کی حفاظت اُن سے خود بخود
وجاتی تھی۔ گلیشیا کے باشندے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ اور وہاں تو
ن کی دال نہ گل سکی۔ اپنے جہازوں پر سوار ہو جو لگ بھگ ستر کی تعداد میں تھے۔ یہ اندلس کے
احل پر پھیل گئے۔ اور وہاں انہوں نے اپنی کارگزاری۔ اپنے وحشیانہ پن اپنی جلّادی بہیمانہ
رکات کا خوب خوب مظاہرہ کیا۔ محمد نے فوراً شاہی فوجوں اور بیڑوں کو ان کے خلاف
رکت دی۔ جس کی وجہ سے یہ اندرون اندلس میں تو نہ گھس پائے۔ ان کے دو جہاز بھی گرفتا
ر لئے گئے اور بہت سے لوگ بھی قید ہوئے مگر بھاگتے بھاگتے بھی انہوں نے خوب خوب
وٹ مچائی بہت سے مسلمانوں کو شہید کیا۔ بہتوں کو قیدی بنایا۔ بہتوں کو بیچ ڈالا بستیاں
ی بستیاں اجاڑ دیں گاؤں کے گاؤں جلا کر راکھ کر دیئے۔ غرضیکہ جو ایک جانور صفت انسان
ر سکتا ہے وہ سب کچھ کیا۔ وہاں سے چل کر افریقہ پہونچے اور یہی اودھم مچایا۔ پھر جزائر بلیار
ں گھس گئے۔ وہاں سے ہوتے ہوئے اٹلی۔ مالٹا۔ یونان سب جگہ تباہی اور غارتگری کی
ذلیل تر مثال قائم کر دی۔

شاہ الیسٹریاس کا خروج

مقام البیضا پر مسلمانوں کی شکست نے عیسائیوں کے حوصلے اور ولولے بہت بڑھا دیئے تھے۔ ادھر کتنی ہی بار شاہی فوجیں صرف عیسائی ریاست کی حفاظت اور اُس سے دوستی قائم رکھنے یا معاہدہ کی تکمیل خاطر گئی تھیں۔ جن کا مقصد مقبوضات حاصل کرنا نہ تھا بلکہ یونہی جو مال غنیمت ہاتھ لگ جائے غنیمت سمجھے۔ عیسائی دار الخلافہ سے دور ہونے کی وجہ سے چین کی بنسری بجا رہے تھے۔ روز بروز طاقتور ہوتے جا رہے تھے۔ اپنے ساتھ جمعیت اور فوج میں اضافہ کئے جا رہے تھے سرحدی علاقوں کے گورنر یا تو پوری طرح سے اہل نہ تھے ان کو دبانے کے واسطے یا چشم پوشی کرتے۔ ان کی نازیبا حرکت کی اطلاع دربار تک اس وقت پہونچتی جب اپنے اپنے علاقوں میں حفاظت سے واپس بھی پہنچ جاتے اور دنو Ordono شاہ الیسٹریاس اپنی پچھلی کامیابیوں پر نازاں ہو کر ایک فوج لے کر قلعہ سے نکلا اور دریائے ڈورو Douro کی طرف بڑھا کوریا اور شلیملہ[1] جیسے مضبوط شہر ہتھیا لئے۔ سرحد پر جو اہم مقامات تھے اُن میں جہاں جہاں چوکیاں تھیں اُنھیں اور مضبوط کیا۔ کئی چھوٹے چھوٹے قلعے مسلمانوں کے حملوں کی روک تھام کی غرض سے بنا ڈالے اور ان میں جلیقہ اور الیسٹریاس کے لوگوں کو آباد کر دیا۔ یہ اطلاعات جب قرطبہ

---

[1] شیملہ۔ یہ شہر دریائے ٹارمس پر آباد تھا مگر ۱۸۱۲ء میں فرانسیسیوں کو کیا سینگ سمائی کہ ان کی تباہی پر تل گئے۔ بہت سی شاندار عمارتوں کو برباد کرا دیا۔ یہاں کی صنعت و حرفت کو سخت دھکا پہونچایا اس کی خوبصورتی کو ملیا میٹ کر دیا۔ جب شاہ الیسٹریاس کے قبضہ میں آیا ہے۔ تو یہاں ایک مضبوط قلعہ تھا جس کی فصیل پتھروں کی بنی ہوئی تھی اور بہت بلند تھی۔ ایک طرف دریا کا پانی بہتا تھا اور اطراف میں خندق یا گھاٹیاں تھیں۔ آنے جانے کے لئے دروازے بنے ہوئے تھے۔ اندر شہر کافی خوبصورت تھا اور کوہستانی علاقے میں ہونے کے باوجود کافی سرسبز و شاداب تھا۔ تجارت بھی ہوتی تھی۔ البتہ گلیاں اور سڑکیں تنگ تھیں۔ مکانات قدیم وضع کے تھے۔ دریا پر ایک پل تھا جس میں ۲۷ محرابیں تھیں گرجے اور خانقاہیں کافی تعداد میں تھے۔ کبھی یہاں مدرسے اور درسگاہیں بھی بہت اعلیٰ پیمانے کی تھیں۔

Marfat.com

پہونچیں تو کھلبلی مچ گئی۔ بادشاہ کہاں تک ان کی شورہ پشتی گوارا کر سکتا تھا۔ ولیعہد سلطنت منذر کے ساتھ ایک منظم فوج روانہ کی۔ یہ کوئی ۲۵۱ھ کا ذکر ہے مسلمانوں کی فوجیں دریائے ڈورو تک پہونچی ہی تھیں کہ دشمن بھی بہ مقابل آگیا۔ بڑے زور کا معرکہ رہا۔ مگر ملیشیائیوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ اسلامی تیغوں کی آب و تاب کا ایک بار بھی مقابلہ نہ کر سکے۔ ان کی شمشیروں کی تیزی کے سامنے ان کی ایک بھی نہ چل سکی۔ بھاگے اور بُری طرح سے۔ تعاقب کر کے ہزاروں کو تہِ تیغ کر دیا گیا۔ وہ قلعہ جات جو ان لوگوں نے قبضا لئے تھے واپس چھین لئے جو شہر ان کے ہتھے چڑھ گئے تھے وہ سب پھر سے سلطنت اسلامی میں شامل ہو گئے۔ یہاں سے فراغت پا کر شہزادے نے الدوا **Alya** اور لوارد کا محاصرہ کر لیا۔ وہاں کے محصورین کو سخت ہزیمت دی۔ پھر بمبلونہ **Bombolona** پر جا پہونچے، اس کے گرد و نواح کو تاراج کر دیا مضافات میں جہاں جہاں مخالفت ہوئی سب کو مزا چکھا دیا اس مخالفت کا اثر یہ ہوا کہ تمام قرب و جوار کے قلعوں کو یا تو گروا دیا گیا یا قبضہ کر لیا گیا عیسائی ریاستیں بھیگی بلی کی طرح یہ سارا تماشہ دیکھتی رہیں اور ان کے بنائے کچھ نہ بن سکا۔ ولیعہد کامیاب و کامران حضور بادشاہ میں پہونچے اور اپنی سرخروئی کی خبر دی۔ محمد نے اسے گلے سے لگا لیا۔ اور انعامات و اکرامات سے نوازا۔

اِدھر منذر کی پیٹھ مڑی اور اُن کے دلوں میں پھر بے ایمانی کی لہر آئی۔ جدھر جدھر مسلمانوں نے اپنے مقبوضات کو مضبوط اور مستحکم کر لیا تھا اُدھر کے ارادے تو ترک کر دیئے۔ ان مقامات پر پل پڑے جو غیر محفوظ نسبتاً غیر آباد اور چھوٹے تھے۔ پہلے لیوسی ٹینیا **Luce Tenia** کی طرف جھکے تو اپنی شقاوت القلبی کا بھیانک مظاہرہ کیا۔ خوب لوٹا۔ خوب تاراج کیا۔ خوب برباد کی لزبن جو آج پرتگال کا دارالخلافہ ہے ان کی نگاہ کا مرکز تھا۔ اور مصیبتوں کا آماجگاہ۔ وہاں سے بڑھے سنترہ (**Cintra**) جیسے خوبصورت شہر کو آگ و خون سے آشنا کر دیا۔ جہاں کی آبادی اُس وقت مشکل سے چار پانچ ہزار تھی۔ سب کو اپنا یا تو غلام بنا لیا یا محکوم۔ اور پھر اس سے قریب کے تمام چھوٹے چھوٹے گاؤں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ امیر محمد نے اس دلیری اور خود سری کی روک تھام کے لئے فوراً ایک فوج روانہ کی اپنے بھائی کی ماتحتی میں مگر اس سے پہلے کہ وہ موجودہ پرتگالی علاقے میں پہنچے۔ یہ لوگ چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں گھس گئے۔ کوہوں اور غاروں میں چھپ کر جان بچائی۔ قلعہ بند ہو گئے۔ شاہی

Marfat.com

فوج نے ان مقامات کو پھر سے آباد کیا۔ وہاں کی مضبوطی کے واسطے حفاظتی دستے مقرر کئے۔ رعایا کو رقمیں اور معاوضے دے کر ان کی بدحالی اور تباہی کو دور کیا۔ یہ عارضی انتظامات کر کے وہ فوج تو واپس آ گئی مگر بادشاہ کے دل میں ان شورہ پشتوں کی طرف سے مستقل ایک کھٹکا پیدا ہو گیا۔ انہوں نے ایک بحری بیڑا بڑے کر و فر سے تیار کیا۔ کہ وہ تمام ساحلی علاقوں پر اتر کے خاموشی اور چپکے سے ان پر دھاوا بول دے اور وہ مرمت کر دے کہ ساری شرارت بھول جائیں۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک طوفان نے اس بیڑے کو منجدھار میں پھنسا دیا۔ اور اس سے پہلے کہ اس کی تیاری کا مقصد پورا ہو وہ آفتِ سماوی کا شکار ہو گیا۔ مگر یہ سب شورشیں اور عیسائیوں کا خروج اس بڑی مصیبت کے سامنے ہیچ تھا جو ایک نومسلم کوہستانی عمر ابن حفصون نے بادشاہ محمد کے زمانے میں پیدا کی اور جس کا سدِ باب عرصۂ دراز تک نہ ہو سکا۔

کوہستانی علاقہ پیچھے کئی جگہ پر سرحدی حدود اور کوہستانی علاقوں کا ذکر آ چکا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ پہاڑی مقام ہونے کے باوجود سرسبز بھی تھا۔ اور بڑی حد تک قابلِ کاشت بھی۔ یہاں بہت ہی گھنے گھنے جنگل تھے جن میں سایہ دار درختوں ان کے دور تک پھیلی ہوئی شاخوں اور تن آور پیڑوں کی وجہ سے دن میں بھی رات کی سی تاریکی رہتی ہے۔ اور جہاں سے گزرنا ایک شخص کا امر محال ہے نہ کہ کسی بڑی فوج یا لشکر کا جس کے ساتھ ساز و سامان بھی ہو رسد بھی ہتھیار و اسلحات بھی۔ انہیں پہاڑوں کے سلسلے جو دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ایک سمت سے دوسری سمت پہنچنا بوجہ ڈھلوان ہونے کے۔ پتھریلی زمین اور کنکر و پتھر ہونے کی وجہ سے ناممکن تھا۔ گھوڑوں کے قدم تو وہاں مشکل ہی سے ٹھیک پڑ سکتے تھے۔ پیدل چلنا بھی محال۔ انہیں پہاڑوں اور پہاڑیوں میں تنگ و تاریک درے بھی کہ جن کے اندر آسانی سے چھپا جا سکتا ہے۔ اور اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کتنا ہی جھانک کر دیکھئے تنفس کی آواز سنائی دے جائے تو دے جائے کسی شخص کا نظر آنا ممکن نہیں۔ ان کے علاوہ ایسے گہرے غار اور کوہ ہیں جو وحشی جنگلی اور خونخوار درندوں کی رہائش معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اندر کسی انسانی قدم کا پہنچنا موت کو دعوت دینا ہے۔ چند وسیع درے ضرور تھے جو پائرنیس کے پہاڑوں سے ہو کر گزرتے تھے۔ اور جنوبی فرانس تک پہنچنے کا ذریعہ تھے۔ اور انہیں راہوں سے فرانسیسی فوجیں اندلس اور اس کے مشرقی حصوں میں

Marfat.com

پہونچتی رہیں اور مسلمان فرانس اور اس کے جنوبی علاقوں میں حملہ کرتی رہیں۔ اور یہی وہ گھنے گھنے وحشتناک جنگلات تھے۔ جو خونی قزاقوں۔ ڈاکوؤں اور رہزنوں کا مخزن رہے۔ جہاں یہ لوٹ مار کرکے پناہ لیتے اور قانون کی دسترس سے باہر ہوجاتے۔ یہی وہ درے۔ کوہ اور غار تھے۔ جن میں اکثر و بیشتر کوہستان کی عیسائی فوجیں مسلمانوں کے ڈر و خوف کے مارے جان چھپاتی رہیں اور جن میں غائب ہوکر ان کی تلواروں کی دھاروں سے محفوظ رہیں۔

مگر ان دل دہلا دینے والے جنگلات اور پہاڑوں کے ماسوا کچھ ایسا بھی تھا جو دل کش و دل فریب۔ حسین مناظر اور قدرتی نظاروں سے بھرپور فطری عطیات سے مالا مال۔ جنت نگاہ اور فردوس نظر تھا۔ قرطبہ سے میدان طے کرتے ہوئے ملاغہ (Malaga) کی طرف بڑھئے وہاں سے سیرانیا ڈی رونڈا پہونچئے۔ آپ کو ہری بھری انگور کی بیلیں بھی ملیں گی۔ ناریل کے لمبے لمبے درخت بھی نظر آئیں گے سبزی مائل گھاس بھی آنکھوں کو تراوت بخشے گی۔ دور تک پھیلے ہوئے جنگل بھی نظر آئیں گے۔ ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے بھی پیاس کو سیراب کرنے کے لئے موجود رہیں گے۔ سیب و ناشپاتی جیسے میوؤں کے درخت خوراک کا انتظام بھی کریں گے۔ شکار کے جانور بھی ہاتھ آئیں گے۔ اور انارج کے پودے بھی کہ ہر طرح بھوک مٹائیں گے۔ مگر پھر بھی جنیل Xenil کمپولاس (Campilos) اور اس کے رونڈا کے پورے علاقے میں ایسے ایسے کئی حصے آئیں گے کہ جہاں چلنا دشوار اور جہاں ٹھیرنا ناممکن۔ ایسے پیچدار اور مشکل راستے ملیں گے کہ جن سے گزرنا امر محال۔ ایسی پوشیدہ گھاٹیاں، نالے اور دلدلیں ملیں گی کہ انسان کا قیام اور گزر دونوں ناممکن بنادیں۔ اسی وجہ سے یہاں کے لوگ آزاد فطرت نہ کسی کا دباؤ ماننے کے لئے تیار۔ نہ کسی کے زور میں آنیوالے نہ کسی کے آگے سر جھکانا جانیں نہ کسی کی قوت سے دبیں۔ قدرت کی ان پناہ گاہوں کی وجہ سے جانتے تھے کہ ان کی گوشمالی کرنے والا وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اور پہنچے گا تو موت کو دعوت دے گا۔ یہ لوگ آپس میں جنگ و جدل کشت و خون کیا کرتے تھے۔ اور دوسروں کی بستیوں پر بھی پہنچ کر لوٹ مار کرتے تھے۔ فوجیں جب سرزنش کرنے پہونچتیں تو یہ بھاگ لیتے اور اپنی قدرتی پناہ گاہوں میں خاموشی سے دبک کر بیٹھ جاتے کبھی کبھی تو فوج کو گھیر کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے کبھی ان کو واپس صحیح سلامت چلے جانے کا موقع دیتے۔ ہر فتنہ پرداز کے دست و بازو بن جاتے۔ ہر باغی کے حمایتی اور مددگار لڑنا بھڑنا مارنا مرنا ان کا مزاج بن گیا تھا۔ ان کا خمیر۔

Marfat.com

عمر ابنِ حفصون

اسی سیرانیاڈی رونڈا کے عجیب القسم علاقے میں ایک بہادر اور عالی حوصلہ تیز مزاج۔ گرم رفتار جوان عمر ابن حفصون نے بادشاہ محمد کے زمانے میں اختلاط پیدا کرنا شروع کیا۔ یہ ایک معمولی حصن اذت موجود Yzaut کا رہنے والا تھا۔ اس کا حسب نسب امراء گاتھ سے ملتا تھا جو ملاغہ Malaga کے شمال و مشرق میں رہا کرتے تھے۔ اس کا باپ حفصون کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں الفانسو سے ملتا تھا جو گاتھ کے رئیسوں count میں شمار ہوتا تھا۔ مسلمانوں کے حملے اور مقبوضے کے بعد حفص کے دادا الحکم اوّل کے عہد میں مسلمان ہو گئے۔ اور وہیں عمر ابن حفص یا حفصون کی بھی پرورش ہوئی۔ دولت کی اب بھی اس خاندان میں کوئی کمی نہ تھی اس لئے تعلیم و تربیت اچھے پیمانے پر ہوئی۔ مگر عمر کی وارفتہ مزاجی نے اس کو کبھی ایک چیز کے حصول پر استقلال کو دخل نہ دینے دیا۔ بچپنے ہی سے عمر کے مزاج میں گرمی اور تشدد بہت تھا۔ ہمیشہ کسی نہ کسی سے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا اور گھر رات گئے کبھی زخمی کبھی کپڑے نُچے ہوئے واپس آتا۔ ایسے ہی کسی لڑائی جھگڑے میں اس نے اپنے ایک ہمسایہ کو قتل کر دیا۔ عمر کی جان بچانے کی خاطر حفصون اس کو اپنی قدیم جائداد رونڈا لے کر ہوتنج گیا۔ جو بوباسترو (Bebastro) کے کوہستانی علاقے کے نشیب میں تھا۔ یہاں بھی اس کو شوریدہ پشتوں اور لٹیروں کی صحبت میسّر آئی۔ علاقہ کچھ اس قسم کا تھا کہ وہ نجات کی بہت سی راہیں پناہ گاہوں کی شکل میں مل جاتی تھیں۔ غلط قسم کے انسانوں کی صحبتِ بد نے اس کو بھی قزاق و لٹیرا بنا دیا۔ جس کے نتیجے میں وہ قانون کے خلاف حرکتیں سرزد کرنے لگا۔ گورنر صوبہ نے اس کو اچھے خاندان کا فرد تصور کرتے ہوئے اس علاقے سے صرف جلاوطن کر دینے اور دُرّے کھانے کی ہی سزا کو کافی سمجھا۔ عمر ایک بار پھر اپنے باپ کے قدموں میں نیک زندگی اور نیک چلنی پر قائم رہنے کے ارادے سے پہنچا مگر وہاں سے دھتکار دیا گیا۔ اسی خیال سے کہ اب اسپین میں کسی فلاح کی کوئی اُمید نہیں ہے۔ اور شاہی جاسوس پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ عمر نے ترک وطن کما للہ ارادہ کیا اور ایک جہاز میں سوار ہو افریقہ جا پہونچا کچھ دن اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ پھر شہر تاہرت (Tahert) پہونچ کر ایک درزی کے یہاں جو اس کا پہلے سے شناسا تھا۔ اور اسپین کے کوہستانی علاقہ ریہ (Tegio) کا رہنے والا تھا۔ ملازم ہو کر زندگی کے ایام گزارنے لگا۔ ایک دن ایک نو وارد جو اس درزی کی دوکان میں اپنے کپڑے سلوانے آیا تھا اور کوہستان بوباسترکا باشندہ تھا عمر کو

ں کے چہرے بشرے سے پہچان گیا اور اُس کو ترغیب دی کہ یہ ہاتھ سوئی سے سینے کے لئے
ں بنے ہیں۔ بلکہ تلوار سے لڑنے کے لئے۔ اور اس کو یہ پیشہ ترک کرکے فوراً اپنے وطن میں
اعت اور دلیری کا مظاہرہ کرنے پہونچنا چاہئے۔ اس بڈھے نووارد کی یہ بات عمر کے دل کو لگ
ں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ خوف بھی پیدا ہوا کہ کہیں یہ اس کی چغلی کسی حاکم سے نہ کھا دے۔ اور مفت
ں وہ یہاں گرفتار یا کسی سزا یا جزا کو پہنچے۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ اسپین پھر خاموشی اور
شیدگی سے واپس چلا جائے۔ اسپین پہونچکر وہ اپنے ایک چچا کے یہاں مقیم ہوا۔ اس کا یہ
ا اس کی اُفتادِ طبع سے واقف تھا۔ اس کی سرزنش کرنے کے بجائے اس کے حوصلے بڑھائے
ر اپنے مکمل تعاون کا وعدہ کیا۔ اس قدر ہمت افزائی کافی تھی۔ جلدی میں تقریباً چالیس
شتکاروں کا ایک دستہ تیار کیا۔ اور بوباسترد کی چوٹی پر ایک پرانے رومی قلعہ الکسٹیلا
(EL. Castillon) کی مرمت کرا ۸۸۰ء یا ۸۸۱ء کے لگ بھگ اس پر قابض ہوگیا۔ اپنی
توں کے مظاہرہ کرنے کا عہد کرلیا۔ یہ قلعہ ہرچند بہت چھوٹا سا تھا مگر بہت بلندی پر واقع
ا اور جن چٹانوں سے ہوکر اس کا راستہ جاتا تھا وہ بہت چکنی پھسلنی اور ڈھلوان تھیں کہ ان
طے کرنا آسان کام نہ تھا۔ ان قدرتی حفاظتی ترکیبوں نے ایلکسٹیلان کو کسی قدر ناممکن الفتح
ا دیا تھا۔ اس کے قرب میں وہ میدان اور شاہراہ تھی جو کمپولاس ہوتی ہوئی قرطبہ جاتی تھی۔ ان
انوں اور بستیوں میں عمر کے ساتھی آسانی سے لوٹ مار کا کام۔ مویشیوں کی چوری۔ کسانوں
تاوان بیجا طور پر عائد کرکے رقمیں وصول کرنا آسانی سے ممکن تھا۔ شروع شروع میں تو کام
ہی معمولی چوری چھپے ڈکیتی سے چلتا رہا مگر جیسے جیسے اُن کی شہرت سُن کر لوگ اس کے ساتھ
امل ہونے لگے اس کے حوصلوں میں بھی بلند پروازی پیدا ہوتی گئی۔ لوٹ مار اب اس کو
نے معیار سے کمتر نظر آنے لگی۔ وہ حکام سلطنت کی فوجوں پر چھاپے مارنے لگا۔ گورنر ریے Regio
ے گربہ کشتن روزِ اول کے مصداق اس کا سر ابتدا ہی میں کچلنا چاہا اور ایک باقاعدہ فوج
لمراس پر حملہ آور ہوا۔ مگر قسمت نے یاوری نہ کی۔ عمر کے جاں بازوں نے اس کے چھکے چھڑا
یئے۔ اور خیموں تک کو لوٹ لیا۔ گورنر معزول ہوا۔ اور اس کے جانشین کے سپرد بھی یہی مہم
وئی۔ اس کو بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ہمت ہار کر اُس نے تو عمر سے صلح کرلی۔ جو دو چار سال
ے زیادہ قائم نہ رہ سکی۔ اب یہ ذمہ داری وزیر ہاشم کے کاندھوں پر رکھی گئی۔ جس نے ایک
شکر عظیم کے ساتھ اس پہاڑی چیتے پر حملہ کیا اور کچھ ایسی سمت باندھی کہ اسے شکست

Marfat.com

دے کر ہی رہا۔ پابجولاں عمر قرطبہ کے دربار سے جایا گیا۔ سلطان کو اس قیدی کے اندر عجیب و غریب صفات اور خصوصیات نظر آئیں اسے قتل کرنے کے بجائے اسے سرکاری عہدہ تفویض کیا۔ اس کے تمام سپاہیوں کو ملازمت میں لے لیا اور عمر کو ان کا سردار بنا دیا۔ عمر جو اپنی قسمت کا ستارہ غروب ہوتے دیکھ رہا تھا جسے یا تو یکبارگی موت سولی کی شکل میں نظر آرہی تھی۔ یا جیلخانہ کی تنگ و تاریک کوٹھری وہاں کی سزا اور مشقت۔ یا ایک دم یہ الطاف خسروانہ جو مرحمت ہوئیں تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ بخوشی یہ عہدہ اور انعام قبول کر لیا کچھ عرصہ ہوا۔ ۸۸۲ء میں جب ہاشم موسیٰ ابن زیاد کے لئے لوپ میں نے ایک زمانہ میں طلیطلہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے بیٹے محمد کے خلاف جو لوپ کے مرنے کے بعد بنی قسی کا سردار بن بیٹھا اور الفانسو شاہ لیون سے اس کی دوستی بدستور قائم تھی مہم لے کر روانہ ہوا تو عمر ابن حفصون بھی اپنے دستے کا سردار بن کر فوج کے ہمراہ تھا۔ اب اس کو اپنی شجاعت اور وفاداری دکھانے کا موقع ملا اس نے اس سرفروشی اور جانبازی کا مظاہرہ کیا کہ ہاشم نے دانتوں تلے انگلیاں دبالیں خصوصاً پان کورو (Pangorro) کے معرکے میں تو اس نے زبردست شجاعت اور ہمت کا ثبوت دیا۔ ہاشم بے حد خوش ہو گیا اور اس کو اپنا یار غار سمجھنے لگا۔ یہ بات ابن غانم کو (Uneganam) جو داروغہ شہر تھا۔ بہت ناگوار ہوئی۔ وہ یوں ہی ہاشم سے خلاف رہتا تھا اور پھر یہ تو برداشت ہی نہ کر سکتا تھا کہ ایک معمولی پہاڑی لٹیرے کو اتنی اہمیت دی جائے اس نے عمر کو پریشان کرنا شروع کر دیا کبھی اس کا تبادلہ ادھر کر دیتا کبھی ادھر۔ جو راشن اس کو دیا جاتا وہ بھی ناقابل استعمال ہوتا۔ آخر کار بات آپ ہی بڑھ گئی۔ دونوں میں چل گئی۔ ابن غانم نے سختی سے عمر کو ٹھکار دیا۔ وہ غصہ میں گھبرایا ہوا ہاشم کے پاس پہنچا اور سارا ماجرا سنایا۔ ہاشم نے خود مجبور ہو کر کہہ دیا کہ جب یہ لوگ تمہاری جرأتوں حوصلوں اور اوصاف کو اخلاق اور محبت سے نہیں مانتے ہیں تو تم بزور طاقت ان کو منوا دو۔ بات واضح تھی عمر ایک دن وہاں سے چل کھڑے ہوئے ان کے ساتھی بھی ان کے ہمراہ تھے۔ سرانباڈی ورنڈا کے علاقے میں پہنچ کر انہوں نے پھر مل جل کر وہی پیشہ قزاقی اختیار کر لیا۔ بوباسٹرو پھر ان کا آماجگاہ ۸۸۴ء میں بن گیا۔ چچا کی مدد سے پرانا قلعہ جس کی حفاظت مکمل طریقے سے محمد نے کر دی تھی چھین لیا گیا۔ کوہستانیوں کو پھر ایک بار لوٹ مار کا موقع مل گیا۔ زمینداروں، رئیسوں، مالداروں کے اوپر مصیبت ٹوٹ پڑی۔ رفتہ رفتہ عمر ایک قزاق کے بجائے تمام ستائے ہوئے مصیبت زدہ سلطنت کے مخالفین کا لیڈر بن گیا جن کو

Marfat.com

...ی ٹیکس ناگوار ہونا جن کو حکام کے رویئے سے کوئی شکایت ہوتی جن کو کوئی بھی گزند پہونچتا تھا۔ ...عمر کے پاس اپنی شکایات لے کر آتے اور اس کی تلافی حتی الامکان ہوتی۔ دکھن کے نومسلموں، ...ائیوں اور بربریوں میں وہ بہت جلد ہر دلعزیز ہوگیا اور وہ تمام علاقے اسی کے قبضے میں آئے۔ ...ں نے غلط کاروں اور بدکاروں کی کچھ ایسی سرزنش کی۔ اپنے سپاہیوں میں کچھ اس طرح کی تنظیم ...اکی کہ لوٹ مار کا سلسلہ ہی اس علاقے میں ختم ہوگیا۔ اور یہ مثل مشہور ہوگئی کہ ایک کمزور ...نوان عورت بھی مال و دولت لے کر رونڈا کے حدود میں گھوم پھر سکتی ہے۔ سپاہی سب کے سب ...کے قابو میں آگئے اور اس کی داد و دہش کے بہت ممنون ہوئے۔ خود عمر کا یہ عالم تھا کہ ایک معمولی سی ...سپاہی کی طرح جنگ و جدل میں حصہ لیتا اور جان توڑ کر معرکہ آرائی کرتا۔ دو سال تک یہی سلسلہ ...نا رہا۔ عمر کی طاقت مضبوط ہوتی گئی۔ سلطان کی طرف سے کوئی تادیبی کارروائی عمل میں نہ آئی۔

مگر آخر تابکے جون ۸۸۶ء میں پوری تیاریوں کے ساتھ منذر کی ماتحتی میں ایک فوج والی قلعہ ...ہ Alhama پر جو عمر ابن حفصون کا مددگار اور ساتھی تھا۔ حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوئی۔ ...رکو جو یہ خبر ملی تو فوراً اس کی مدد کو پہنچ گیا۔ شہزادے نے بھی الحمہ کا محاصرہ کرلیا۔ اور باہر و اندر ...ے لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع کردیا۔ رسد کے سارے ذرائع مفقود کردیئے۔ دو مہینے تک ...اصرہ جاری رہا۔ ایک دن تنگ آکر عمر اور اس کے دوست نے اس قضیہ کا تصفیہ بھی کرنا چاہا۔ ...ورشاہی فوج پر ٹوٹ پڑے مگر ہزیمت اٹھائی اور عمر زخمی ہوا اس کا ایک ہاتھ ٹوٹا۔ نجات اسی ...ں نظر آئی کہ فوراً قلعہ میں پناہ لیں۔ اس حملے نے عمر کا تار و پود قطعاً بکھیر کر رکھ دیا ہوتا اگر منذر کو اسی ...انے میں یہ خبر بد نہ سننا پڑتی کہ اس کے والد کا انتقال ہوگیا ہے۔ اور اس کی واپسی ضروری ہے۔ معاملہ پھر بھی ادھورا رہ گیا۔ عمر کو ایک موقع اپنی حالت سنبھالنے کا اور مل گیا۔ دشمن پھر قوی ہوگیا ...ہبان کی حالت اور کمزور ہی ہوتی گئی۔

محمد کا انتقال ہر چند اپنی طبعی عمر کو پہنچ کر ہوا مگر بغیر کسی طویل بیماری یا علالت کے ہوا۔ انہوں ...نے تقریباً ۳۴ سال حکومت کرکے ۶۵ سال کی عمر میں ۴ اگست ۸۸۶ء مطابق ماہ صفر ۲۷۳ھ ...داعی اجل کو لبیک کہا۔ اور اپنے پیچھے اپنے جانشین کے لئے نصف درجن سے زیادہ ... ...ے چنیاں چھوڑ گئے جن سے مقابلہ کرنے کی طاقت منذر میں نہ تھی۔

باب (۳۴)

محمد کے دورِ حکومت پر ایک نظر

محمد کے کردار کا مطالعہ کرتے وقت ہمارے دل میں مختلف اور گوناگوں جذبات اُبھرتے ہیں۔ کبھی ہمارے دل اس کی سادہ مزاجی مذہب دوستی پر بے اختیار تعریف کرنے کے لئے بیچین ہو جاتے ہیں۔ تو کبھی اس کی تنگ نظری۔ خساست اور تلون مزاجی پر سخت جھنجھلاہٹ پیدا ہوتی ہے۔ کبھی حالات پر قابو پانے کے لئے فوری جدوجہد اس کے لئے داد طلب کرتی ہے۔ تو کبھی اس کی نازک سے نازک اور ضروری سے ضروری مرحلوں میں بے توجہی غم وغصہ کی لہر پیدا کر دیتی ہے۔ کبھی اس کی رحمدلی نرم مزاجی ہمیں اس سے محبت پر مجبور کر دیتی ہے۔ تو کبھی اس کی سخت گیری تشدد پسندی نفرت کے جذبات اُبھار دیتی ہے۔ کبھی اس پر تاؤ آتا ہے کبھی رحم۔

محمد جس وقت تخت نشین ہوا تو رعایا کو اس سے بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ وہ لوگ جس بےچینی کو عبدالرحمٰن الاوسط کے دور میں محسوس کر رہے تھے۔ اس کا ازالہ ان کو محمد کی ذات میں نظر آیا۔ مگر یہ ۳۴ سال کی طویل مدت حکومت میں بھی باوجود اپنی بلند حوصلگی۔ معاملہ فہمی۔ جوان ہمتی کے نہ کر پائے جس کی توقع کی جاتی تھی ان میں وہ پھرتی اور چستی نہ تھی۔ جس کی حالات کو سخت ضرورت تھی۔ وہ جس ڈرامائی انداز میں شہزادگی کی منزلیں طے کرتے۔ تخت حکومت تک پہونچے تھے۔ اس کا اقتضا تھا کہ وہ بہت ہی چاک و چوبند چست و چالاک۔ معاملات کو سمجھنے میں تیز و طرار بلحاظ ضرورت عمل کرنے کے لئے ہمہ دم۔ دشمنوں کی طرف سے ہوشیار۔ دوستوں کی جانب سے خبردار رہتے۔ مگر وہ تو عجیب سستی

Marfat.com

ور دیر تک ہر معاملہ پر سوچنے کی عادت لے کر آئے تھے۔ اس وقت وہ اپنی توجہ کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتے جب سانپ نکل چکا ہوتا اور وہ صرف لکیر پیٹا کرتے۔ عمر ابن حفصون کے معاملہ کو مستقل التوا میں ڈالے رہے۔ ہاشم کو نظر بندی اور قید و بند کی صعوبتوں سے دو سال تک دوچار رکھا۔ عبداللہ ابن عمروان پر نظرِ عنایت کر کے بطلیوس کا مطلق العنان حکمران بنا دیا۔ عمر ابن حفصون کو سرکاری ملازمت دے کر فوج کے ایک دستے کا سردار بنا دیا۔ موسیٰ ابن موسیٰ یا موسیٰ ابن زیاد کا باوجود تمام کوشش بال بیکا نہ کر سکے۔ عیسائی ریاستوں کے والیوں کو مستقل ڈھیل دیتے رہے سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوتی رہی۔ وہ یونہی غور و فکر کی دنیا میں غرق رہے۔ سپتی سینا الگ ہوا۔ قتلونیہ اور قشتالیہ علیحدہ ہوا۔ لیون اور اراگون کا بڑا حصہ نکل گیا۔ اور وہ یونہی دریائے حیرت میں غوطے لگاتے رہے عظیم الشان سلطنت کے حصے بخرے ہوتے رہے اور وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ وسیع و عریض حکومت مختصر ہوتی گئی اور ان کی ہمتوں نے ان کو خوابِ خرگوش سے جگایا۔

محمد نے اپنے باپ کے زمانے ہی سے سلطنت کے کاروبار میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ حصہ انھوں نے ایسی تندہی اور مستعدی سے لیا کہ عبدالرحمٰن پر بھی ان کی خصوصیات اور صلاحیت کا بہت اچھا اثر پڑا۔ اور دل ہی دل میں وہ اس کی کارکردگی کے اتنے معترف ہوئے کہ اپنے بعد سلطنت کے معاملات اسی کے سر تفویض کرنے کی ٹھانی۔ خود محمد کو بھی اس کا اندازہ تھا مگر اندر ہی اندر ملکہ طروب جو سازش کر رہی تھی اسی وجہ سے کچھ یقین نہ تھا۔ جب خواجہ سراؤں نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنا چاہا تو نہ اس کو اپنے کانوں پر یقین آیا نہ ان کی پیشکش پر۔ ادھر فوری یہ گمان ہوا کہ وہ اپنی کنجوسی اور بخل کی وجہ سے ان لوگوں کو پہلے ہی ناراض کر چکا ہے اور وہ سب کے سب ملکہ اور اس کے صاحبزادے عبداللہ کے طرفدار ہیں۔ اس کی صرف جان لینا چاہتے ہیں۔ جب سعدون نے قسمیں کھائیں تو کہیں اعتبار آیا۔ وہ اپنے باپ کی وفات پر کچھ ایسے زیادہ رنجیدہ بھی نہ تھے۔ بلکہ ایک موقع پر جب کہ وہ اور حاجب ہاشم پورا دن سیر و تماشہ میں رصافہ کے اندر گزارنے کے بعد شام کو گھوڑوں پر سوار چلے جا رہے تھے تو ہاشم کے منہ سے نکلا کہ اے سلطان یہ کتنا اچھا ہوتا کہ زندگی کے یہ لطیف اور سرمست دھارے یونہی بہتے رہتے اور موت کی طوفانی فوج آ کر ان کو درہم برہم نہ کرتی محمد نے کہا واہ کیا بات کہی اگر موت کا پنجہ نہ ہوتا تو شاید حکومت کی باگ ڈور میرے باپ کے ہاتھوں میں ہی رہتی اور وہ یونہی محروم

Marfat.com

رہ جاتا۔ پتہ نہیں یہ محرومی اُندلس کے حق میں اچھی ثابت ہوتی یا خراب۔ مُلک جن حالات سے دوچار رہا قطعِ نظر اس سے قدرت بھی کچھ اُن پر زیادہ مہربان نہ تھی۔ ان کے زمانے میں اس قدر زبردست قحط پڑا کہ لوگ حرام و حلال کی تمیز بھول گئے۔ بھوک نے اُن کے بچوں تک کو ان کے ہاتھوں سے ذبح کرادیا۔ گوڑا کرکٹ حرام جانور سب کچھ کھا گئے۔ مگر قحط کی سخت گیری و گرم بازاری عرصہ تک ختم نہ ہوسکی۔ اسی پر کیا بس دبائیں الگ پھوٹ پڑی تھیں۔ زلزلے اور بھونچال الگ آیا کرتے تھے۔

مذہبی رنگ میں رنگی اُن کی پالیسی نے عیسائیوں اور یہودیوں کو ان کے برخلاف کردیا۔ غیر مسلم اور نومسلم ان سے بددل ہوگئے۔ نہ جانے کتنے گرجے تہِ خاک ہوئے۔ کتنی خانقاہیں ڈھادیں عیسائیوں کی کتنی ہی جائدادیں ضبط کرلی گئیں ان کے عمال ان کو خوش کرنے کے لئے ان کی خوشنودی طبع حاصل کرنے کے لئے ایسے ظلم وستم اور بھی روا رکھتے تھے۔ رعایا منت میں پائمال ہوتی تھی۔ طلیطلہ والے ان سے مستقل بدظن رہے۔ ہزاروں کی تعداد میں جانیں دے ڈالیں۔ مگر سرِ تسلیم خم نہ کیا۔ آخر کار بادشاہ ہی کو اُن کے سامنے بے بس ہونا پڑا۔ ان کی مطلق العنانی ماننا ہی پڑی۔ بیڈا اجاز BEDAJOZ کا پورا علاقہ محمد ابن مروان کے ہاتھوں محض ان کی کمزوری اور مُہمات پر دل کھول کر خرچ نہ کرنے کی عادت کی وجہ سے چِنا گیا تھا۔ عمر ابن حفصون علیحدہ کوہستانی علاقوں کا سردار بنا بیٹھا تھا۔ بوبا سٹرو کا قلعہ اس کے پاس اور اس کے دوست و ہمدرد بادشاہ سے کھلی بغاوت کرنے کے لئے مستقل تیار رہتے تھے۔ ان ہمدردیوں نے اس کے حوصلے اور بھی بڑھا دیئے تھے۔ اور وہ روز بروز اپنی طاقت اور حدود سلطنت میں اضافہ کر رہا تھا۔ عیسائی ریاستیں جو کل تک سر اُٹھانے کی ہمت بھی نہ کرپاتی تھیں اب دھڑتے سے اِدھر اُدھر دھاوا مارتی تھیں۔ گوتھک مارچ جس سے مصالحت ان کے پیش رو سے ہوئی تھی۔ پھر فرانسیسوں سے جا ملی تھی۔ شاہ اِسٹریاس اور شاہ لیون دونوں نے ان کی حدود پر حملے کئے تھے۔ اور جب تک شاہی فوجیں ان کی سرکوبی کے لئے پہونچیں وہ اپنی کمین گاہوں میں پناہ بھی لے چکے تھے۔ انہیں بے اطمینانیوں کا نتیجہ تھا کہ دار الخلافہ سے سرقسطہ تک سڑک آٹھ سال تک ناقابل استعمال رہی اور لوگ اس راستے سے سفر کرتے گھبراتے تھے۔ ڈاکو راہزن مستقل چلنے والوں۔ راہ طے کرنے والوں کی تاک میں لگے رہتے تھے اور اُن کا قلع قمع نہ ہو پاتا تھا جس کی بظاہر وجہ ان کی کم ہمتی اور کنجوسی تھی۔ ہرچند اُنھوں نے قدیم وزراء کو برطرف

Marfat.com

کردیا کہ وہ لوگ بڑی بڑی تنخواہیں لیتے تھے۔ ان کی جگہ جوان اور رسیدہ سے سادہ آدمی مقرر کئے جو بلحاظ ضرورت معاوضہ پاتے تھے۔ بہت سے نئے ٹیکس بھی لگائے گئے۔ شان و شوکت تزک احتشام پر جو بیجا مصارف ہوتے تھے وہ بھی بند کئے گئے۔ پھر بھی کسی طرح اخراجات میں کمی نہ آسکی۔ خزانہ خالی ہی ہوتا چلا جاتا تھا۔ ضرورتیں تھیں کہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھیں انہیں سے سبب کر وہ خودسروں اور سرکشوں کو اُن کی منہ مانگی مُرادیں دیدیا کرتے تھے۔ محمد ابن مروان کے اطلاف رہائی کے بعد ہاشم جب دوبارہ لشکرِ گراں لے کر چلا تو ابن مروان نے دھمکی آمیز لہجہ میں محمد کو یہ کہلا بھیجا کہ اگر ہاشم نہلہ Niebla کے آگے بڑھا۔ تو میں بیڈاگانہ Badajaz کو جلا کر خاکستر کردوں گا۔ اور پھر بادشاہ کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کردوں گا۔ بادشاہ اس سے ایسا گھبرائے کہ فوراً ہاشم اور اس کے لشکر کو واپس بلوالیا اور وہ ہاتھ ملتا ہی رہ گیا۔ محمد کی کمزوری اور بزدلی پر افسوس کرتا ہوا۔ عمر جب اُن کے ہاتھ چڑھا تو اسے ذمہ داریاں سونپ دیں۔ سپاہ کو اس کا ماتحت بنادیا۔ ان کی یہ تنگ نظری اور بے بنیاد خوف کا نتیجہ تھا کہ ارباب سیاست من مانی کرنے لگے تھے۔ ان کی غیر ہمدردانہ حرکتوں سے رعایا میں سخت بددلی اور انتشار تھا۔ لوگ سوچا کرتے تھے۔ جیسے اب ان پر بڑی مصیبت نازل ہوئی اور جب کفّار الگ جوش دینی سے مغلوب ہوکر سرکشی پر آمادہ تھے۔ خزانہ سرکاری میں کمی آجانے کی وجہ سے ان سب کی روک تھام مناسب وقت پر ممکن نہ تھی۔ لوگ جب بادشاہ سے انعام و اکرام نہ پاتے تھے تو بے ایمانی اور رشوت خوری کرتے تھے۔

اس کے باوجود بھی محمد نے اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے اس اختلال اور انتشار کو جو اُن کے زمانے میں سلطنت میں رونما ہوچکا تھا روکے رکھا۔ انہوں نے کتنی ہی فوجیں الیٹریاس بون۔ نوار۔ گوتھک مارچ کے خلاف بھیجیں۔ نعرۂ جہاد انھوں نے لگوایا۔ اور مسلمانوں کو اس فریضہ سے فیض اُٹھانے کا موقع بہم کیا۔ اپنے دشمنوں کے خلاف مہمیں انہوں نے ترتیب دیں جس میں اکثر میں انہیں فتح بھی حاصل ہوئی۔ موسیٰ ابن زیاد نے سرحدی علاقوں میں عیسائیوں کو وہ مزے چکھائے کہ ساری شرارت بھول گئے۔ طلیطلہ والے جو ہمیشہ سے بغاوت کے عادی تھے۔ ایسی سرزنش کی کہ ساری چوکڑی ہرن ہوگئی۔ ان کے بیٹے منذر نے اکثر و بیشتر مقامات پر فتح و ظفر کے شادیانے بجائے۔ سلطنت کے اُمور بجا لانے میں اُنھوں نے کبھی کوئی کوتاہی نہ کی علماء و فقہاء ان سے ہمیشہ بہت خوش رہے اوّل ان کی سلامتی اور درازی عمر کی دعائیں کرتے

رہے۔ نیک اور صالح لوگ ہمیشہ ان کی جانب راغب رہے اور ان کی بہتری کے خواہاں ان کے اعمال کسی طرح سے بھی نالائق یا نکمے نہ تھے ہاشم ان کا وزیر زبردست ہمتوں اور شجاعت کا مالک تھا۔ کیا سیاسی کیا ملکی کیا فوجی اس کا تجربہ بہت وسیع تھا۔ اپنے بادشاہ سے وہ بہت چاہت رکھتے تھے۔ بادشاہ خود اس کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ محمد کو شعرا اور ادباء کی صحبت میں تو خاص لطف آتا تھا۔ وہ خود بھی بڑے شاعر تھے۔ اور خطیب بھی۔ اپنے وقت کے اچھے خطاط میں سے تھے۔ فلسفہ۔ حکمت اور سائنس کی سرپرستی وہ خاص طور سے کیا کرتے تھے۔ لہو ولعب۔ عیش و عشرت سے ان کو تنفر قلبی تھا۔ وہ نیک تھے۔ صالح اور بہت سی خوبیوں کے مالک۔

Marfat.com

باب (۳۵)

المنذر بن محمدؐ

۱۵۔ اگست ۸۸۶ء ۲۹۔ جون ۸۸۸ء

یکم صفر ۲۷۳ھ ۱۵۔ صفر ۲۷۵ء

منذر ابھی نوجوانی ہی کی منزلیں طے کر رہا تھا کہ امور مملکت کا بار اس کے کاندھوں پر آپڑا
وجی خدمات جو اپنے باپ کے عہد میں انجام دے چکا تھا وہ سیاسی ذمہ داریاں جو کسی قدر
نے ان کے سپرد کر رکھی تھیں۔ اس نے منذر کو کافی حد تک تجربہ کار۔ اور اہل بنا دیا تھا۔ وہ
لنڈرا، لاپرواہ نوجوان نہ تھا بلکہ باہمت باہوش اور شجاع تھا۔ وہ اس وقت سریر آرائے سلطنت
تھا جب خود اندلس کی حالت نہایت سقیم تھی۔ بے اطمینانی اور بے چینی کا دور دورہ تھا۔ سلطنت
ٹوں میں بٹ گئی تھی۔ باغی اور فتنہ پرداز ہر سمت پھیلے پڑے تھے۔ پھر بھی ان میں جو خوبیاں پنہاں
ں اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ بہت جلد سب بدنظمیوں پر قابو پالیں گے اور ایک بار پھر پچھلی شان
وکت واپس لے آئیں گے۔ اہل طلیطلہ جو ہمیشہ بغاوت اور سرکشی پر آمادہ رہے ہیں۔ انہوں نے منذر
مایت اور دوستی حاصل کرنے کے لئے خراج کی رقم بھیجی کہ اپنی نیک نیتی کا اظہار کریں منذر
۔ وہ رقم یہ کہہ کر واپس کر دی کہ یہ روپیہ تم اپنے شہر کی دفاعی تیاریوں پر خرچ کرو۔ میں جلد ہی تم پر
کرنے والا ہوں۔

سرحد کی عیسائی ریاستیں ہمیشہ کچھ نہ کچھ فساد برپا کرتی رہتیں اور اپنی باغیانہ فطرت کا اظہار

Marfat.com

کرتی رہتیں۔ منذر کی نگاہیں ادھر بھی باقاعدہ لگی ہوئی تھیں اور اس کا ارادہ تھا کہ عمر ابن حفص سے نپٹنے کے بعد ان لوگوں کو بھی ایسا مزہ چکھائے کہ آیندہ کے لئے وہ ساری شرارت بھول جائیں خصوصاً الفانسو سوئم ارڈونو (ordono) کا بیٹا الیٹریا س کا بادشاہ جو بہت زیادہ شورش پر کرنے پر آمادہ تھا کئی معرکوں میں اسے پیہم کامیابی کیا نصیب ہوئی تھی کہ اس کے مزاج ہی ٹھکانے نہ رہے تھے۔ اور اب تو وہ اپنے نام کے آگے گریٹ (great) یعنی الفانسو اعظم لکھتا تھا اس کی فوجوں نے مستقل ان علاقوں میں ایک انتشار پھیلا رکھا تھا۔ کبھی وہ کوئمبرا Comlera کی طرف بڑھ جاتی۔ تو کبھی وہ اوپورٹو Oporto کی جانب تو کبھی ٹورو اور سائمن کا کی طرف سے اس کے باشندے لوٹ مار میں ان کے ساتھ شامل ہو گئے جس نے ان کی فوجی قوت کو کافی بڑھا دیا۔ انہوں نے کئی نئے قلعے بنا ڈالے جن میں لوٹ میں ہاتھ آئے ہوئے قیدیوں کو لبسا دیا۔ ان میں سب سے مشہور و معروف قلعہ برگس Burgos ہے۔ جو آج بھی موجود ہے۔ شاہ نوار نے اس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خوف کھا کر مصالحت ہی میں اپنی نجات سمجھی اور اس سے عزیز داری قایم کرنا چاہی۔ جو الفانسو کے لئے قابل قبول تھی۔ زی Ximena دختر شاہ نوار سے شادی ہو گئی۔ اور نوار میں بھی اس کا اقتدار بحیثیت داماد بادشاہ کے خواہ مخواہ بڑھ گیا اس نے کاؤنٹ آف

لہ کوئمبرا۔ آجکل پرتگال میں شامل ہے۔ لزبن سے کوئی ۱۰۰ میل کے فاصلہ پر بسا ہوا ہے۔ دریائے مونڈیگو اس کے بیچ میں بہتا ہے۔ گاتھ نے اسکی بنیاد ڈالی تھی مگر شہری خوبصورتی نہ کر پائے تھے۔ بازار و سڑکیں تنگ بھی تھیں تاریک بھی تاریک بھی۔ لیکن ۱۱۳۹ھ میں پرتگال ایک علیحدہ سلطنت بنی تو یہ اس کا دارالسلطنت بنا اور ڈھائی سو سال رہا
ٹہ یہ بھی پرتگال میں شامل ہے اور لزبن سے کوئی دو سو میل پر واقع ہے سمندر کے کنارے ہے۔ اس لئے بندرگاہ کا درجہ رکھتا ہے موجودہ دارالخلافہ اسپین میڈرڈ سے ۲۴ میل ہے۔ دریائے ڈوورو کے داہنے بازو پر بسا ہوا ہے کچھ جب مسلمانوں کا دور دورہ تھا تو اس کو کافی مرتبہ حاصل تھا بہت محفوظ مقام سمجھا جاتا تھا۔ سات فصیلیں یکے بعد دیگرے تھیں اور ان کے درمیان خندق تھی۔ سے ٹورو اسپین کے صوبہ زیمور Zamora کا ایک اچھا شہر ہے۔ ٹورو جو وہاں سے ۲۱ میل کے فاصلے پر واقع ہے اب تو معمولی حیثیت کا شہر ہے۔ ساری عمارات کھنڈر نظر آتی ہیں کبھی گرجا اور خانقاہیں بہت تھیں۔ اب وہ بھی غیر آباد نظر آتی ہیں۔ کل آبادی شاید ۸ ہزار سے زائد نہ ہو گی سے سائمنکا یہ بھی اسپین کے پرانے شہروں میں سے ہے کبھی عروج پر تھا مسلمانوں نے اس کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے تھے مگر اب تو برباد ہو چکا ہے۔ کوئی رونق باقی نہیں ہے۔

Marfat.com

(Count of Navarre) کا بھی لقب اختیار کرلیا۔ اتنی مضبوطی حاصل کرنے کے بعد اُس نے دربارِ قرطبہ سے بھی چھیڑ چھاڑ شروع کردی جس کا انجام کچھ بہت زیادہ اچھا نہ ہوا۔ تفصیل آگے آئے گی۔

منذر کے لئے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث عمر ابن حفصون تھا جو مستقل اپنی طاقت بڑھائے جا رہا تھا۔ اور اس وقت بوباسٹرو کے علاوہ اور بھی کئی قلعوں پر اپنا قبضہ جما چکا تھا۔ وہ اپنے باپ کی طرح اپنے دشمنوں کو ڈھیل نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ کمان اپنے ہاتھ میں رکھ کر وہ مقابلہ لینے نکلا۔ پہلے قلعہ قبرہ کو فتح کیا گیا۔ پھر البیرا Elvira اس کے بعد جین Jaen کو۔ مظفر و منصور ہو کر وہ اب آرچی ڈونا Archidona کی طرف بڑھا جو عمر کے حامی و مددگار عیشون Aishun کے قبضہ میں چلا گیا تھا۔ شہر کا محاصرہ کر لیا گیا۔ عیشون کو اپنی بہادری اور عیاری پر اتنا گھمنڈ تھا کہ اسے شکست کا خیال بھی کبھی نہ آسکتا تھا اور نہایت تکبر سے کہا کرتا کہ اگر بادشاہ مجھ پر قابو حاصل کرلے تو اسے اختیار ہے کہ مجھے کتے اور سؤر کے درمیان مروا دے۔ منذر کو اس کی یہ یاوہ گوئی بے ہودگی قطعاً نہ بھائی اور اس نے عیشون کے بھی چند سرداروں اور عہدہ داروں کو بزورِ دولت اور آئندہ عظمت کے وعدہ پر اپنی طرف ملا لیا۔ عیشون جب انہیں سرداروں میں سے کسی ایک کے گھر ایک دن پہنچا تو اُس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے فوراً گرفتار کرلیں۔ عیشون کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ اُسی کے سردار اس سے غداری کریں گے مگر اب تو تدابیر اُلٹی پڑ چکی تھی۔ عیشون زنجیروں میں جکڑا ہوا۔ اس ذلت کی موت مارا گیا جس کا وہ خواہش مند تھا۔ آرچی ڈونہ پر قبضہ حاصل کرتے ہی منذر بوباسٹرو کی سمت بڑھا۔ چند مہینوں تک محاصرہ جاری رہا۔ منذر خود وہیں موجود رہا اور قریب ہی کے ایک قلعہ میں اس نے اپنا مسکن بنالیا۔ جب رسد اور راشن کی کمی محسوس ہونے لگی تو عمر ابن حفصون نے عیاری سے معاملہ کو سلجھانا چاہا۔ اور بادشاہ کے پاس یہ پیغام بھجوایا کہ وہ زندگی بھر نمک خوار کی حیثیت سے قرطبہ رہنا چاہتا ہے۔ جہاں اگر اس کے سپرد کوئی خدمت یا ذمہ داری کی جائے گی تو وہ بجالانے میں فخر محسوس کرے گا۔ اُس کے بچے دربار میں ضمانت کی خاطر یرغمال کی حیثیت سے رہیں گے۔ منذر جو ان باتوں کی تہہ میں چھپی ہوئی مکاری کو نہ بھانپ سکا اس مفاہمت پر آمادہ ہوگیا۔ قرطبہ کے قاضی اور دیگر عمائدین کو طلب کیا گیا کہ صلح کا مسودہ عمر کی ایما سے تیار کریں۔ دونوں جانب سے دستخط ہوئے۔ عمر نے اس کے قلعہ میں پہنچ کر منذر کی قدمبوسی حاصل کی اور یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے سو خچر عنایت کئے جائیں جن پر لدوا کر وہ سامان وغیرہ اور عزیز و اقارب کو لے کر قرطبہ پہنچے۔ حسب خواہش

Marfat.com

سونچر اور ان کی حفاظت کے لئے ڈیڑھ سو سپاہی اور دس سردار روانہ کئے گئے۔ عمر جب بو
پہنچا تو اس نے اپنی نیت کے فتور کا مظاہرہ کر دیا اور ان سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ جو حفا
دستے بوباسٹرو میں مقیم تھے ان کو بھی مار بھگایا۔ بوباسٹرو پر بھی قبضہ کر لیا۔ دروازے بند کر
مزاحمت کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ منذر کو جب اس کمینگی اور بے ایمانی کا پتہ چلا تو
غصہ کے جل بھن کر رہ گیا۔ اور قسم کھائی کہ جب تک اس دشمن کا قلع قمع نہیں کر دوں گا
لوں گا۔ شہر کا محاصرہ پھر کر لیا گیا۔ عمر کا خاتمہ کرنے کے لئے تمام ترکیبیں مکمل کر لی گئیں مگ
قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

منذر کا بھائی عبداللہ جو اس کی عمر کا تھا اس بات پر سخت تاؤ کھایا کرتا تھا کہ اس کا
تو حکومت کے مزے لوٹے اور وہ ایک معمولی انسان کی حیثیت سے زندگی گزارے۔ اس
شاہی طبیب کو کچھ دے دلا کر اپنی طرف ملا لیا۔ اور طے یہ ہوا کہ جب آئندہ بادشاہ کی طبیعت
ناساز ہو تو اسے دوائی کے ساتھ زہر دیدیا جائے۔ بوباسٹرو کے محاصرہ کے دوران میں منذ
معمولی سا بیمار پڑا۔ اور اس کی فصد کھولی گئی۔ اور طے شدہ اسکیم کے ماتحت نشتر کے ذر
جسم میں زہر پہنچا دیا گیا جس کا قطعی انجام اس اولوالعزم اور مدبر بادشاہ کی ناگہا
موت تھی۔

زہر دینے کی روایت صرف علامہ دوزی نے بیان کی ہے جبکہ علامہ مقری اور ابن اثیر اس
متفق نہیں ہیں۔ وہ اس کی موت قدرتی بتاتے ہیں۔ اور کسی سازش یا عبداللہ کی سکیم کا سب
نہیں سمجھتے۔ دوزی موت کی تاریخ ۲۹۔ جون ۸۸۸ء لکھتا ہے۔ جبکہ دوسرے مورخ ۱۵ جولائی
ہیں۔ ابن اثیر کے بیان کے مطابق یہ ۲۷۴ھ میں واقع ہوئی اور مقری کے بموجب ۲۷۵ھ میں
جو زیادہ قابل قیاس ہے۔

جیسے ہی خواجہ سراؤں نے اس سانحہ کی اطلاع عبداللہ کو پہنچائی جو اس وقت قرطبہ
میں تھا۔ اس نے فوراً تمام وزیروں اور اراکین سلطنت کو جمع کیا اور اپنے نام کی بیعت حاصل
کی بعض لوگوں نے اس کو سمجھایا کہ منذر کی موت کو ابھی مخفی ہی رکھا جائے ورنہ سپاہیوں میں
بد دلی پھیل جائے گی۔ اور عمر کے حوصلے بہت بڑھ جائیں گے۔ مگر عبداللہ اس بات پر راضی نہ
ہوا اور کوہستانی علاقے میں پہنچ کر اس نے اپنے بھائی کی لاش کو قرطبہ لانے کی تیاریاں
کیں۔ فوجیوں کو یہ علم جب ہوا تو وہ ایسے ہی طویل محاصرے کی شدت سے گھبرائے ہوئے

Marfat.com

اور وہاں کی سختی سے تنگ تھے۔ اپنے اپنے گھروں کو بھاگنے۔

عمر ابن حفصون جس کو خود اس ناگہانی کا علم نہ تھا۔ جب یہ اور بھگدر دیکھی تو شاہی فوج پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں مگر عبداللہ نے اس کو یہ پیغام بھجوایا کہ وہ منذر کی لاش کو تجہیز و تکفین کی خاطر قرطبہ لئے جا رہا ہے۔ یہ لڑنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔ یوں بھی فی الحال اس کی طرف سے اطمینان رکھنا چاہیئے۔ پتہ نہیں کس مصلحت سے یا ترس کھا کر عمر نے اس وقت واقعی حملہ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اور عبداللہ جب منذر کی لاش کو لئے ہوئے قرطبہ میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ صرف چالیس پچاس سپاہی تھے جبکہ پوری فوج پچاس ہزار سے زیادہ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔

Marfat.com

باب (۳۶)

عبداللہ بن محمد

جولائی ۸۸۸ء تا ۹۲۰ء
صفر ۲۷۵ھ تا ۳۰۰ھ

عبداللہ جس کے متعلق یہ گمان ہے کہ تخت اس نے دیانت داری سے حاصل نہیں کیا۔ منذر کا صحیح اور بہتر جانشین ثابت نہ ہوا۔ اس میں وہ اوصاف وہ خصوصیات سرے سے موجود ہی نہ تھیں۔ جن کی اس بے اعتدالی کے دور میں سخت ضرورت تھی۔ ان کی تربیت اس ماحول میں ہوئی نہ تھی جس میں طرز جہاں بانی اور انداز حکومت سکھائے جاتے ہیں۔ وہ نہ فوجی اصولوں سے واقف تھے، نہ جنگ کے نکات سے آگاہ۔ نہ وہ خود ایک اچھے جنگجو سپاہی تھے نہ انتظام و انصرام ملکی میں ماہر۔ منذر کی اچانک موت جو بہت سے حلقوں میں فطری نہ سمجھی گئی اور پھر فوراً ہی عبداللہ کی تخت نشینی دلوں میں بدگمانی پیدا کرنے کے لئے کافی تھی۔ جس نے افتراق اور انتشار کو ہوا دی۔ لوگوں کے جذبات مشتعل کئے اور سلطنت میں بے چینی کی لہر دوڑا دی۔ ہر طرف سیاسی اختلال نمایاں تھا۔ نظام حکومت میں جا بجا رخنے پڑے نظر آ رہے تھے۔ ان کے دور میں جو چیز سب سے زیادہ عجیب نظر آئی وہ خود عربی نژاد سرداروں میں باہمی اختلاف اور خانہ جنگی اس سے پہلے عموماً تمام سرکشیاں یا تو مختصر عیسائی ریاستوں کی جانب سے ہوتی تھیں یا طلیطلہ کے باغی عناصر کی طرف سے۔ اب تو ایک دم سے ایسا معلوم ہونے لگا کہ سکون اور

اطمینان کسی حصۂ سلطنت میں باقی ہی نہیں رہ گیا اور اس کی جگہ پر بے اطمینانی اور اضطراب کارفرما ہو گیا ہے۔

یہ عربی سردار عرب اور شام اور ایران کے مختلف حصوں سے آکر اسپین میں آباد ہوئے تھے ان کو اپنی برتری نسل۔ اپنے خالص خون اور اپنے عالی نژاد ہونے پر بڑا فخر تھا۔ وہ عیسائی جو اسلام کی خصوصیات یا مادی فوائد سے متاثر دینِ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور اب برابر کا درجہ برابر کے حقوق رکھتے تھے ان کی نگاہ میں قابلِ مذمت اور قابلِ ذلت تھے۔ وہ ان کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے۔ بہ نگاہِ تحقیر دیکھتے تھے۔ یہ طریقہ خلافِ انسانیت بھی تھا اور شریعت بھی۔ قرآن نے ہمیشہ انسان کو ایک سے حقوق عطا کئے اور بانیٔ اسلام نے خود اپنے مقلدین اور معتقدین کو مساوات اور اخوت کا سبق سکھایا۔ ان کو تمام انسانوں سے اچھا اور برابر کا سلوک کرنے کا طریقہ بتلایا اور تمام مسلمانوں کو حتیٰ کہ غلاموں کو بھی ایک ہی صف میں کھڑا کردیا۔ خود اپنی پھوپی زاد بہن کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام کے ساتھ کرکے اس سنہری اصول کو عملی طور پر نباہ کر دکھلا دیا مگر یہ ان عربوں کی دھاندلی اور تنگ نظری تھی جو اپنے ہی ہم مذہبوں اور کلمہ گویوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھتے تھے اور اُن پر ہمیشہ لعنہ زن ہوتے تھے۔ ان کا مذاق اُڑاتے تھے۔ یہ نومسلم بہت سے تو ایسے جنھوں نے کئی نسل قبل اسلام قبول کرلیا تھا۔ اور اس قدر صدق دل سے پیرو مذہب محمدی ہوئے تھے کہ اپنے ساتھیوں کو بھی اس طرف آمادہ کرتے تھے اور عیسائیوں اور پادریوں کو حقارت سے دیکھتے تھے مگر یہ اُن کی بدقسمتی تھی کہ جن کی رگوں میں عربی خون دوڑ رہا تھا اُن کی نگاہ میں کوئی عزت نہ حاصل کرپاتے تھے۔ ویسے یہ عرب خود قبیلہ پرستی اور اقربا نوازی کی وجہ سے آپس میں جنگ و بر پا کئے رہتے تھے۔ مگر ان نومسلموں کے مقابلے میں وہ سب متحد ہو جاتے تھے۔ اور ان لوگوں کا قتل از روئے مذہب فعل مستحسن سمجھتے تھے۔ جو جاگیریں یا جائدادیں اب بھی عیسائیوں اور نومسلموں کے کے پاس تھیں اُن کو چھین لینے کی فکر میں رہتے تھے اور ان پر اپنا حق اس لئے سمجھتے تھے کہ اس حیلے سے وہ اپنے مال و دولت پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ حالانکہ خود ان عربی النسل سرداروں کو بڑی بڑی جاگیریں مل چکی تھیں۔ بعض تو چھوٹے موٹے قلعوں پر قابض تھے۔ اور بعض ایک معمولی ریاست کے برابر جاگیر ہتھیائے ہوئے تھے۔ بعضوں کے پاس خاصی تعداد سپاہیوں اور فوجیوں کی تھی اور یوں ان کی سماجی اور مالی حالت بہتر بن چکی تھی۔ غلام اور کنیزیں رکھنے کا شوق

Marfat.com

انھیں خاص تھا۔ اوراس سے یہ اپنی ثروت اور شوکت کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ہرچند کہ اعداد وشمار کے لحاظ سے یہ بہت کم تھے مگر حاکمانِ وقت ہونے کی وجہ سے ان کا اثر اور رُعب زیادہ تھا۔ اور مولدین یعنی نومسلم جو پورے ایک فرقے اور جماعت کی حیثیت رکھتے تھے اور رفتہ رفتہ ان کا نام ملٹو Malto پڑگیا تھا۔ بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ یہ عربوں کی زبان میں مسلمہ بھی کہلاتے تھے۔ اور اہل اسپین موریسکو (Morisco) بھی کہتے تھے۔ ان مولدین کے ماسوا ایک فرقہ مرتدین کا بھی تھا جو پہلے عیسائی تھے مگر بعد میں مسلمان ہوگئے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد اپنے آبائی مذہب کے پیرو بن گئے۔ مذہب کی رُو سے یہ واجب القتل تھے۔ مگر یہ اتنی تعداد میں تھے کہ ان سب کا قتل ممکن العمل نہ تھا۔ ویسے تعزیر اور سزائے موت کے خوف سے یہ شہروں سے بھاگ کے کوہستانی علاقوں میں پناہ گیر ہوگئے تھے۔ وہیں قزاقی کا پیشہ اختیار کرچکے تھے اور لوٹ مار کیا کرتے تھے جب عاملوں یا حاکموں کے ہتھے چڑھ جاتے تو جیل میں ٹھونس دیئے جاتے یا قتل کردیئے جاتے۔ ان کی لُوٹ مار سے رعایا کافی پریشان تھی۔ پولیس اور نگہبانی کے افسران ان کی بیخ کنی نہ کر پاتے تھے۔

ان کے علاوہ ہر بڑے شہر میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو تجارت اور زراعت سے زیادہ تر تعلق رکھتے تھے اور بڑے امیر وکبیر تھے۔ ان کی ساری کوشش یہ ہوتی کہ امن وسکون کی زندگی بسر کریں مگر ان کی سرشت میں جو ازلی بدطینتی اور غداری تھی اس کی بناء پر ہر طاقت کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوجاتے تھے اور ہر سازش میں مالی اور جسمانی مدد دینے پر تیار رہتے تھے ان کی خصلت ہمیشہ سے ناقابل اعتبار تھی اور کبھی یہ ایک آقا کا ساتھ دینے پر قناعت نہ کرتے تھے۔ امن وعافیت کے یہ اسی حد تک قائل تھے۔ جب تک ان کا مال واسباب محفوظ ہے یہ سب مختلف گروہ اشرار تھے۔ جن کا مقابلہ عبد اللہ جیسے کمزور اور ناقابل آدمی کے لئے ممکن نہ تھا۔ عبد اللہ نے اگر مولدین کا ساتھ دیا تو عرب ناراض ہوگئے۔ اور عربوں کی حمایت کی تو مولدین بغاوت پر آمادہ ہوگئے۔ کوہستانی فتنہ پرداز تو یونہی اُودھم مچاتے رہے اور باوجود کوشش راہِ راست پر نہ آسکے نہ ان کو طاقت ہی دبا سکی۔ اور اس دورُخی سہ رُخی پالیسی سے سلطنت کی عزت وحرمت مستقل خطرے میں پڑگئی۔

ابنِ مروان سے مصالحت

عبد اللہ یا عبد الرحمٰن ابن مروان جس سے محمد نے اپنی کمزوری یا کنجوسی کی وجہ سے دوستی کرلی تھی اور بطلیوس Badajoz

Marfat.com

توعطا کر کے وہاں کا آزاد حاکم تسلیم کر لیا تھا پھر فساد پر آمادہ تھا۔ عبداللہ میں اتنی قوت نہ تھی
وہ اس انتشاری حالات میں کوئی مہم اس کے خلاف لے جاتا۔ اس نے اپنے باپ ہی کی پالیسی
عمل کرتے ہوئے ایک مہمان کی حیثیت سے قرطبہ بلایا۔ اور خاطر مدارات کی۔ اور اسے گلیشیہ کے
بعض حصے دے ڈالے مورخین کا خیال ہے کہ محمد کے عہد میں جب ابن مروان فوج کے ایک
سلی عہدے پر مامور تھا۔ اس وقت بھی عبداللہ سے اس کی خوب نبھتی تھی اور دونوں میں کافی
یع تعلقات تھے۔ انہیں تعلقات کو استوار کرنے اور دوستی کو مزید مستحکم کرنے کے واسطے یہ
م اٹھایا جو ہر چند مفید تھا مگر عربوں کی مرضی کے خلاف تھا۔

بن حفصون سے مصالحت اور مزاحمت

دینے کو تو منذر کو زہر دیدیا گیا مگر
جس جرأت و استقلال سے ابن
صون کا مقابلہ وہ کر رہا تھا۔ اس کے جانشین میں اس کے علامات نظر نہ آتے تھے۔ عبداللہ کو
ں دشمن کا زیادہ خطرہ تھا وہ یہی پہاڑی جنرل ابن حفصون تھا کہ جس نے پچھلے دونوں بادشاہوں
بھی ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ اور عبداللہ میں تو وہ جذبہ اور دلیری سرے ہی سے مفقود تھی
ابن حفصون جیسے دشمن کو مطیع یا ختم کر دینے کے لئے لازمی تھی۔ مجبوراً اس کی جانب بھی دوستی
ہاتھ بڑھایا گیا۔ بہت سے وعدے اور آئندہ کے لئے امیدیں دلا کر ابن حفصوں کو پرچایا
لہ وہ بھیس بدل کر شہر میں داخل ہوئے اور جب ان کو بادشاہ کی نیت کا یقین ہو گیا۔
بجو بارے Regio کا پورا علاقہ ان کی دسترس میں دیدیا گیا۔ اور ان کے اوپر معمولی
اج کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی نہ رہی۔ قرطبہ میں ان کے اعزاز میں شاندار دعوتیں ہوئیں اور
نقبال میں ایسی گرمجوشی دکھائی گئی جیسے وہ کہیں کے عظیم المرتبت بادشاہ ہوں یا ان کے سفیر
ں۔ ابن حفصوان نے بھی اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی خاطر اپنے بیٹوں اور بعض سرداروں
بطور یرغمال وہیں شہر میں رہنے دیا جن کے لئے خاص طور سے ایک محل خالی کر دیا گیا اور وہاں
ن کے قیام کے سلسلے میں تمام آسائش و آرام کا انتظام کیا گیا۔ وہ لوگ نظر بند بھی نہ سمجھے
ئے بلکہ آزاد حاکموں کی طرح وہاں رہائش پذیر ہو گئے۔ ابن حفصون کو قیمتی قیمتی تحفے اور بہت
زر و مال دیا گیا لیکن اس شخص کی طینت میں فرق نہ آنا ممکن نہ تھا۔ عبداللہ تو سوچ رہے تھے
وہ اتنی محبت اور اخلاق سے پیش آ رہے ہیں کہ ان کا دشمن ان کا بندۂ بے دام ہو جائے گا۔
ور ان کی محبت کا دم بھرنے لگے گا۔ اور اس مصیبت سے وہ نجات پا جائیں گے۔ ابن حفصون

Marfat.com

دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ چلو جب تک یوں اقتدار قائم رہتا ہے رہنے دو۔ اپنی فوج اور مرتب اور منظم کر لو۔ اپنی طاقت کو اور بھی زیادہ مضبوط بنا لو۔ بادشاہ تو خوش فہمی میں مبتلا رہا۔ ابن حفصون اپنی چال چل گیا۔ جیسے اس کی بکھری طاقت پھر مجتمع ہوگئی۔ اس نے وہ حلف وغیرہ سب پس پشت پھینک اور اپنی اطاعت کا کھیل ختم کر کے پھر مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ وہ یرغمال چپکے سے قرطبہ سے سرک گئے اور سلامتی سے بوباسٹرو پہنچ گئے۔ ریگیو کا علاقہ بھی ہاتھ سے نکلا۔ اتنے قیمتی تحفہ جات بھی اس کے قبضہ میں پہنچ گئے۔ اور دشمنی جوں کی توں قائم رہی۔

عربوں کی سرکشی

ابن مروان اور ابن حفصون سے مفاہمت کی کوشش نے جہاں حکومت کا رہا سہا اقتدار بھی ختم کر دیا۔ وہاں قدیمی عربوں کو عبداللہ کی طرف سے بھی متنفر اور مشتعل کر دیا۔ اب تک ان لوگوں نے حکومت ہی کا ساتھ دیا تھا۔ اور اس کی بہبودی اور مضبوطی میں پوری مدد دی تھی۔ نو مسلموں کے ہمیشہ سے خلاف تھے اور ان کو کبھی بنگاہ عزت نہ دیکھتے تھے۔ عبداللہ کی اس دوست نواز پالیسی نے ان کو بھی مولدین کے خلاف کر دیا اور اب تو باقاعدہ مجادلہ کی نوبت آگئی۔ یہ آگ سب سے پہلے الویرا (Elvira) میں پھیلی اور رفتہ رفتہ اس نے پھر سلطنت کے دوسرے حصوں کو بھی اپنے دامن میں لے لیا۔

الویرا ابتدا ہی سے علم و ادب اور ان سے زیادہ مذہب کا گہوارہ تھا۔ مذہبی تعلیم اور اس کے اصولوں کا وہاں بہت زیادہ اثر تھا۔ عیسائی عوام کے بہت متمول اور قدرے متمدن بھی تھے مذہب سے لگاؤ جو پیدا ہوا تو روز روز نئے نئے کلیسا بننے لگے اور دور دور سے ٹھیکیداران مذہب وہاں جمع ہونے لگے اور دور دور سے ٹھیکیداران مذہب وہاں جمع ہونے لگے اور سات زبردست مبلغین اور واعظین نے وہاں عیسوی مذہب کی تلقین اور ترویج کی تھی۔ جس کی وجہ سے وہاں علم و مذہب کی روشنی پھیل گئی۔ جب کہ روم کے علاوہ تمام یورپ جہالت اور گمراہی کے تاریک غار میں پڑا ہوا تھا۔ اور سنہ ۳۰۰ء میں وہاں ایک عظیم الشان مذہبی کانفرنس بھی منعقد ہوئی تھی جس میں بڑے بڑے مذہب مسیحی کے مبلغین اور حامیان دین نے شرکت کی تھی۔ موسیٰ ابن نصیر کے زمانے میں جب الویرا فتح ہوا تو سب سے پہلے حناش صنعانی نے وہاں ایک جامع مسجد کی بنیاد ڈالی جو ڈیڑھ سو سال تک مسلمانوں کی وہاں قلیل تعداد ہونے کی وجہ سے تقریباً غیر آباد رہی البتہ کلیسا اسی شان و شوکت سے آباد رہے۔ حتیٰ کہ غرناطہ تک میں کئی گرجا گھر تھے اور اس میں ایک جو کاڈیلا Gudila نامی گوتھک امیر نے ساتویں صدی عیسوی میں تعمیر کیا تھا اپنا جواب نہ رکھتا

Marfat.com

تھا۔ یہ کیفیت اس وقت زیادہ تعجب خیز نظر آتی ہے جبکہ وہاں کی آبادی میں یہودیوں کا تناسب نہیں زیادہ تھا۔ جیسے جیسے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ حالت ان اطراف و جوانب میں بدلتی گئی۔ عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں تو بڑی تعداد عیسائیوں کی مذہب اسلام کی طرف راغب ہوئی اور وہ اپنا آبائی اور قدیمی مذہب چھوڑ کر اس نئے مذہب کی طرف ملتفت ہو گئے۔ خود عیسائی پادریوں کا رویہ اس قدر شرمناک اور گمراہ کن تھا کہ ان کے لئے بجز اس کے کوئی چارہ بھی نہ رہا تھا کہ ایک ایسے مذہب کی طرف رغبت کریں جس میں صداقت ہے۔ فطرت ہے۔ نیکی ہے اور سچائی ہے۔ بعد میں ہوسٹیگس **Hostegesis** کے ماموں سموئیل **Samual** نے تو اس قدر عیاشی اور ننگی حرکات شروع کیں کہ عیسائی بددل ہو ہو کر مسلمان ہونے لگے جو اس مذہب کی آغوش میں نہیں آئے وہ سموئیل کی خراب اور غلط حرکتوں پر ناراض ہو کر اس کے درپے ہو گئے۔ سموئیل کو البیرا سے بھاگتے ہی بن پڑی۔ قرطبہ میں جا کر اس نے پناہ لی اور جان اور عزت کو خطرے میں دیکھ کر مسلمان ہو گیا وہ بھی اس قدر کٹر کہ عیسائیوں کا جانی دشمن بن گیا۔ اور ان کے اوپر سخت ترین مظالم اور تشدد کرنے لگا اس کے اس رویہ کو حکومت نے سراہا اور اس کو ایک اچھا عہدہ دیدیا جس کے تحت تمام عیسائی اس کے چنگل میں پھنس گئے اور ان کو کڑی کڑی سزائیں دی جانے لگیں۔ بہت تنگ آ کر مسلمان ہوئے اور یوں اس بدباطن کے ہاتھوں سے نجات پائی۔ ان نومسلموں کی تعداد قرطبہ میں اتنی بڑھی کہ ان کے لئے علیحدہ مسجد تعمیر کرنی پڑی جو محمد کے دوران حکومت میں ۲۶۸ھ میں بن کر تیار ہوئی۔

البیرس **Illiberis** جو البیرا کا سب سے قدیمی شہر تھا اور جہاں وہ مذہبی کونسل منعقد ہوئی تھی (اور جہاں البیرا کا اسقفِ اعظم سموئیل یا اس کے پیشرو رہا کرتے تھے۔ ایک نئی شورش کا آماجگاہ بن رہا تھا۔ یہاں اس کے ارد گرد جو عرب آباد تھے ان میں شامی۔ یا یمنی زیادہ تھے۔ یہ لوگ کیونکہ آزاد منش اور آزاد صفت تھے۔ اس لئے شہر کے باہر مضافات اور کھلے میدانوں میں بس رہے تھے۔ ان کو شہر کی تنگ و تاریک گلیوں یا پتھریلی عمارتوں سے کوئی لگاؤ نہ تھا البتہ جمعہ کے دن صاف ستھرے لباس پہن کر یہ شہر میں نماز پڑھنے ضرور داخل ہوتے۔ اس وقت یہ اپنی امارت اور دولت کا مظاہرہ کرتے بلکہ نومسلموں اور عیسائیوں پر بھی حقارت آمیز اور چبھتے ہوئے جملے چست کرتے جس کی وجہ سے دونوں فریق میں دشمنی اور نفرت کی خلیج وسیع بھی ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ایک بار تو دونوں میں جھڑپ بھی ہو گئی جس میں عربوں کو منہ کی کھانی

پڑی تھی اور ان کو الحمرا کے قلعہ میں جان بچانے کے لئے محصور ہونا پڑا تھا۔ خیر تو اس وقت تو ٹل گئی تھی مگر اب حالات کچھ ایسا رُخ اختیار کر رہے تھے۔ کہ زیادہ دن یہ فتنہ دبا نہیں رہ سکا۔ عربوں نے جن کو اب اپنے بادشاہ عبداللہ کی حمایت پر بہت زیادہ اعتبار نہ رہا تھا۔ اپنے بچاؤ اور طاقت کو ایک مرکز پر مجتمع کرنے کے لئے بنی قیس کے ایک بہادر اور جنگجو سردار یحییٰ ابن سوالہ کو اپنا لیڈر منتخب کر لیا تھا۔ جب مولدین اور عربوں میں جھڑپ شروع ہوئی تو اوّل الذکر کا پلہ کہیں بھاری رہا اور یحییٰ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر غرناطہ کے شمال مشرق میں ایک چھوٹے سے قلعہ جو گاڈاھورتونا Gaudahortuna کے قریب تھا پناہ لینی پڑی اس کا قدیم نام مانٹے سیکرو Mont sekro کہلایا۔ یہاں نومسلم اور عیسائیوں کی متحدہ جماعت نے جس کی قیادت نابل Nabela نامی سردار کر رہا تھا۔ ایسی دُرگت عربوں کی بنائی کہ ان کو صلح کی درخواست کرنا ہی پڑی۔ یحییٰ ابن سکالا نے بھاگ کر اپنی جان بچائی۔ مگر لاتعداد عرب اس محاصرہ میں مقتول ہوئے۔ یحییٰ نے مجبور ہو کر مصالحت کر لی جس کی وجہ سے اس کو مانٹے سیکرو میں آمد و رفت کی اجازت مل گئی۔ ایک دن ان مولدین کے دل میں کیا سمائی کہ یحییٰ اور اس کے تمام ساتھیوں کو جو شہر میں کسی ضرورت سے آئے ہوئے تھے، قتل کر دیا۔ یہ واقعہ ۸۸۹ء میں وقوع پذیر ہوا۔ ان لوگوں کی لاشوں کو ایک اندھے کنوئیں میں پھینک دیا گیا۔ اور عربوں کا قتل اس طرح سے ہونے لگا۔ جیسے شکاری ہرنوں کا کرتے ہیں۔

مشکل یہ تھی کہ خود عربوں میں اتحاد نہ تھا۔ یمنی اور شامی قبیلہ کے افراد باہم دست و گریبان تھے۔ اپنی مصیبتوں کو فزوں تر اور حالت اور نازک دیکھتے ہوئے وہ کچھ وقت پر اپنی غلطی کا احساس کر بیٹھے اور یمنوں نے دستِ تعاون دمشقی سرداروں کی طرف بڑھاتے ہی قبیلہ قیس ہی کے ایک سردار سیوار Sawaar کو اپنا اعلیٰ حاکم چن لیا۔ یہ ہو تو چکا تھا بوڑھا مگر بہت ہی ذی حوصلہ اور جری تھا۔ مولدین اور عیسائیوں سے اسے ایک کد خاص اس وجہ سے بھی تھی کہ مانٹے سیکرو کے محاصرے میں اس کا بڑا لڑکا بھی قتل ہوا تھا جس کو وہ بہت ہی عزیز رکھتا تھا۔ اُس دن سے سیوار تو ان لوگوں کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا۔ ایک لشکر گراں تیار کر کے وہ سب سے پہلے مانٹے سیکرو کی طرف روانہ ہوا کہ اس کا حصول اس وقت سب سے ضروری تھا۔ اس وقت وہاں مخالفین کے چھ ہزار سپاہی اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ مگر سیوار نے کچھ ایسی جرأت سے حملہ کیا کہ وہ سب کے سب کھیت رہے۔ اور چن چن کر قتل ہوئے۔ اس

Marfat.com

ریزی میں کچھ ایسی خونخواری اور بے رحمی دکھائی گئی کہ لوگ شیخ سیوار کا نام سن کر ہی کانپنے لگتے۔ جس طرف بھی رخ کرتا ایسی تیزی اور سنگدلی دکھاتا کہ مخالفین کے چھکے چھوٹ جاتے اور ان کو تسلیم خم کرتے ہی بن پڑتی۔ کتنے ہی قلعے اس کے قبضہ میں آگئے جس کے باشندوں کو اس بری طرح قتل کیا گیا کہ خون کی ندیاں بہہ گئیں اور بہت سی جائدادوں کا کوئی والی وارث ہی باقی نہ رہ گیا۔

مجبور ہوکر مولدین اور عیسائیوں نے صوبے کے گورنر Jaad سے مدد مانگی اور اس کو بھی مدد پر آمادہ کیا وہ رضامند ہوگیا ایک اچھی خاصی متحدہ فوج لے کر شیخ کی سرکوبی کے لئے چلا مگر شیخ نے کچھ ایسی جرأت کا ثبوت دیا کہ پیشتر کہ محاذ بھی عربوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ جاد تو سر پر پیر رکھ کر بھاگا اس کے پیچھے اس کے سپاہی۔ عربوں نے تعاقب کرلیا اور سات ہزار کے لگ بھگ موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ یہ جنگ بوجنگِ جاد کے نام منسوب ہے۔ عربوں کی فتح کی زبردست ثبوت اور ضمانت ان سعید ابن جودی Said ibnu Judi عربوں کی فوج کا ایک مشہور اور بہادر سپاہی تھا ساتھ ہی ساتھ زبردست شاعر بھی اس فتح کی خوشی میں اپنے جذبات کا اظہار ایک نظم کی شکل میں کر الاجو زبان زد خاص و عوام ہوئی۔

---

۵ نظم کے مشہور شعروں میں جو خیالات قلم بند کئے گئے ان کا خلاصہ یہ ہے۔ اوکفار اور گمراہ انسانوں نے مرتے دم تک سچے مذہب کو جھوٹا بتلایا تاہم اس کی پاداش میں اور یحیٰی کے خون کے بدلے کے سلسلہ میں موت سے ہمکنار کرتے ہیں تمہارے قتل میں خدا کی مصلحت شامل تھی۔ او غلاموں کی اولاد نے ان بہادر اور جری انسانوں کے غصہ کو ابھارا جو اپنے مقتولین کا انتقام لینا کبھی نہیں بھولتے ہیں ۔ کا غیض و غضب سہنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ اور ان کی چمکیلی نکیلی تلواروں کی چبھن اپنے جسموں میں محسوس کرنا ابھی سے شروع کردو۔ شجاعت پسند سپاہیوں کی فوج کا قائد بن کر ایک بلند حوصلہ سردار شیروں کی طرح تمہاری طرف بڑھ رہا ہے۔ وہ ایک جلیل القدر سردار ہے۔ اور جس نے سب کی شہرت کو ماند کردیا ہے۔ اس نے اپنے بزرگوں کی جرأت ورثہ میں پائی ہے۔ وہ ایک غضبناک شیر کی طرح سے ہے۔ اور قبیلہ نزار Nizar کے صحیح النسب خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

سیوار نے اس فتح کے بعد فوراً اپنے ہمسایہ عربی سرداروں سے دوستی کرلی جن میں
ریگیو۔ کلائرا دا کے حضرات مخصوص تھے۔ مولدین کی حالت بہت نازک تھی۔ ان کے تمام سہارے ٹوٹ
چکے تھے۔ تمام اُمیدیں منقطع ہو چکی تھیں۔ اور انہیں کچھ ایسا نظر آنے لگا۔ کہ ان کا نام ونشان ہی
دنیا سے مٹ جائے گا۔ سلطان کا گورنر شکست کھا چکا تھا۔ اب صرف سلطان کی ذات اور اس کی
امداد کا سہارا باقی تھا سو اس کو آزمایا گیا۔ مگر امیر کی حالت خود نازک ہو رہی تھی۔ اس کے پاس
کوئی طاقت تھی ہی نہیں جو کسی فتنے کو دبا پاتا۔ خود اس میں بھی اتنی ہمت و دیعت نہ ہوئی تھی کہ حاکم
کا مستعدی سے مقابلہ کر پاتا۔ اس کو تو ساری شورشوں کا حل مصالحت اور دوستی میں نظر
آتا تھا کہ کچھ بخشش دے کر اگر بغیر لڑے بھڑے کام بن جائے تو بہتر ہے۔ چنانچہ شیخ سیوار
سے بھی یہ کہلوایا گیا کہ اگر وہ ان حدود کے باشندوں کو سکون اور اطمینان سے رہنے
دے تو اس کو پورے صوبے کی مالیت میں سے ایک بڑا حصہ حکومت کی طرف سے عطا کیا جائے گا
سیوار کی گرہ سے کیا جاتا تھا اس نے یہ شرطیں بخوشی منظور کرلیں۔ کچھ دنوں کے لئے الویرا کے
علاقہ میں کیونکہ جنگ وجدل کی عادت گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس لئے وہ زیادہ دن یونہی سستی
میں گزار کر خواہ مخواہ اپنی فوج کے قوائے زنگ آلود نہ کر سکتے تھے۔ کچھ نہیں تو ابن حفصون کے
ہی خواہوں کو تاک لیا گیا اور مشرقی اندلس میں ایک تہلکہ اُنھوں نے اپنی فوج کے ساتھ
مچایا۔ بہت سے گاؤں لوٹ لئے۔ بہت سی بستیاں ویران کردیں اور خوب مار دھاڑ مچائی۔
ابن حفصون اپنی قوم ونسل اور اپنے ہمدردوں کا قتل عام اس آسانی سے نہ برداشت کر سکتا
تھا۔ تمام نو مسلموں کو اپنی حمایت پر آمادہ کرکے شیخ کی فوجوں پر چڑھائی کردی۔ کچھ ایسے حوصلہ
سے یہ جنگ لڑی گئی کہ عربوں کی قوت منتشر ہوگئی اور بیکسی کے عالم میں اُنہوں نے قلعہ الحمرا میں
پناہ ڈھونڈی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ جب ہم الحمراء[1] کے قلعہ کے نام سے روشناس ہوتے ہیں

---

[1] غرناطہ کے حدود میں الحمراء کا شمار قدیمی قلعوں میں سے ہے۔ یہ کچھ قدرتی طور پر ایسے مقام
پر واقع تھا کہ اس حد تک پہنچنا آسان کام نہ تھا بوجہ دشوار گذار راستوں اور پتھریلی سڑکوں کے
لیکن بلندی پر ہونے کی وجہ سے اس کی زد میلوں تک تھی اور کوئی فوج جو بڑھنے کا عزم کرے آسانی سے
تیروں اور نیزوں کی زد پر رکھی جا سکتی تھی یہ رومنوں کے زمانہ میں تعمیر ہوا تھا مگر فتح کے ایک صدی بعد
صرف ایک مینار کی شکل میں باقی رہ گیا تھا۔ مسلمانوں نے از سرِ نو اس کی تعمیر کرکے ایک مضبوط قلعہ کی شکل

اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نومسلموں نے اس کو بھی عربوں کے ہاتھ سے چھین لیا۔
لیکن اس کے نکل جانے کے معنی عربوں کی جسمانی موت تھی۔ لہٰذا اپنی ہمتوں کو مجتمع کر کے ایک
ارادہ اس کو قبضہ میں لانے کے لئے بڑھے اور آخر کار چھین کر ہی رہے۔ اور پھر حفاظت پر
جان و دل کی بازی لگا بیٹھے۔ نومسلموں کا محاصرہ بدستور جاری رہا۔ عرب بیچارے مایوسی کے
اتھاہ سمندر میں ڈوبے ہوئے مگر ہمتوں کو نہ ہارتے ہوئے دن بھر ہتھیاروں سے لیس اس کی
حفاظت کرنے اور رات کو مشعلوں کی روشنی میں فصیلوں اور دیواروں کی مرمت کرتے اور ان
کی مضبوطی میں اضافہ کرتے۔ ایک رات جب وہ اپنی اسی نوعیت کے کام میں مصروف تھے۔ ایک
پرچہ ان کی دیوار کے پاس آکر گرا اور عرب واہمہ پرست اور ضعیف الاعتقاد تو ہوتے ہی ہیں۔ یہ
سمجھے کوئی بدشگونی ہے۔ ایک عربی سپاہی جو وہاں مامور تھا۔ اس نے اٹھا کر اس پرچے کے
مضمون کو پڑھا۔ جو تین شعروں کی شکل میں تھا۔ اور جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے گاؤں
ویران ہو گئے ہیں۔ تمہاری کھیتیاں اجڑ گئی ہیں۔ اور ان پر ریت اور گرد کے بگولے اٹھ اٹھ کر
منڈلا رہے ہیں۔ یہ عرب الحمراء میں محصور ہیں۔ نئے جرائم کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ لیکن
ان سے بھی کچھ معاملہ نہ بنے گا۔ اور پچھلی شکستوں کی طرح اس بار بھی اس کا منہ دیکھنا پڑے
گا جیسا کہ ان کے آباد اجداد نے دیکھا جب وہ ہماری تلواروں اور نیزوں کی زد میں
آئے اس مضمون نے ان میں مایوسی اور نامرادی کے اثرات پیدا کر دیئے۔ کسی دوسرے ... سوا
نے ان لوگوں کو سمجھایا کہ یہ کوئی آسمانی نوشتہ نہیں۔ ... بچے گئے۔ جب یہ کا ... دیرا میں لائی گئیں تو
ہے۔ اور یہ اشعار غالباً اسی شاعر عابلی ... جو عربوں کو اپنا بدترین دشمن اس وجہ سے سمجھتی تھیں
میں ہم اپنے شاعر اسدی سے شعر لکھوا کر ان کہ مخواہ کی خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی جس میں کتنوں ہی
اس کا کیا اثر لیا۔ اسدی کو فوراً بلا کر واقعہ ... ان کی لاشوں پر یہ عورتیں اس طرح ٹوٹ پڑیں جیسے
شعر لکھنا کوئی مشکل بات نہ تھی خصوصاً عا کا۔ اور کتنوں ہی کے تو دل اور کلیجے چبا چبا کر اپنے کلیجے
وقت اس پر کچھ ایسی بے کیفی یا مایو
نہ ہمارے گاؤں ویران ہیں نہ کے سپرد ہوئی جو کسی نہ کسی طرح ۸۹۰ء میں اپنی جان بچا کر رونڈا سے
ہاتھوں سے نجات پائی تھی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ خود ابن

لہ بقیہ حاشیہ۔ اس کا مقام بھی وہ نہیں نہ سعید میں وہ مولوی مدلن کی سی بات نہ تھی۔ کہاں وہ دلیر اور
علاقے کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے تھا ... الانسان جو دماغ کے جوہر تو دکھلا سکتا تھا تلوار کے نہیں۔

مضبوط ہے۔جہاں بیٹھ کر ہم اپنی عظمت کے ترانے بھی گاتے ہیں اور اپنی فتح اور تمہاری شکست کے منصوبے بھی بناتے ہیں۔مکمل جواب کے لئے ضروری تھا کہ تین شعر کہہ کر بھیجے جائیں مگر اس وقت اسدی باوجود کوشش تیسرا شعر نہ کہہ پایا۔اسے کچھ ایسا محسوس ہوا کہ اس کی ساری شاعرانہ صلاحیتیں ختم ہو کر رہ گئی ہیں۔کچھ شرمسار اور محجوب جب وہ اپنے گھر پہنچا تو الہامی طور پر اس کے ذہن میں تیسرے شعر کا مضمون آیا۔" حقیقتاً ہم اس غضبناک طریقے سے تمہارے اوپر حملہ کریں گے۔کہ شکست کے روح فرسا واقعات سے تمہاری بیویوں اور بچوں کے بال ایک دم سے سفید پڑ جائیں گے۔" اسدی سمجھا کہ یہ شعر کسی جن یا غیر مادی روح نے پڑھ کر سنایا ہے۔اس نے چاروں طرف دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔سمجھا ممکن ہے کہ اس کے ہی ذہن کا کرشمہ ہو۔خوش خوش وہ اپنے دوست ادحا ADHA کے پاس پہونچا۔اور سارا واقعہ سنا کر وہ شعر پڑھا۔ادحا نے کہا کہ واقعی یہ خوشی کا مقام ہے اور ہمارے لئے نیک شگون کہ قدرت نے کسی فرشتے کے ذریعہ اس کا مضمون تم تک پہنچایا۔لہٰذا مشیت ایزدی ہماری حمایت پر آمادہ ہے۔شیخ تک جب یہ خبر پہنچی تو اس نے بھی اس نے بھی اس کا نیک شگون لیا۔

ایک ہفتہ بعد جب بیس ہزار کے لگ بھگ اسپینی سپاہ ان پر حملہ آور ہونے کے لئے بڑھی تو عربی سردار بھی مدافعت پر مکمل حوصلہ کے ساتھ آمادہ ہو گئے اسپینی فوج نے اپنا کچھ حصہ اور منجنیق مجایا (بلندی پر ایک پہاڑی) کی چوٹی پر نصب کی۔سوار نے بھی بجائے محصور رہنے کے اپنی فوج ابن حفصون اپنی قوم وقبیلہ اور اسپینی لوہ ہوار چیکے سے کچھ بہادر اور منتخب سپاہی اپنے ہمراہ تھا۔تمام نومسلموں کو اپنی حمایت پر آمادہ کر نہ اور مشینیں موجود تھیں اور اچانک ان پر حملہ کر دیا سے یہ جنگ لڑی گئی کہ عربوں کی قوت منتشر ہوگئی مولدین کی سپاہ کچھ نہ بنا پائی اور منجنیقیں شیخ کے پناہ ڈھونڈی۔یہ پہلا موقع ہے کہ جب ہم الحمرا آنی تھے۔اس چیز نے ایک عجیب افراتفری انہوں نے میدان چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا

لہ غرناطہ کے حدود میں الحمراء کا شمار قدیم قلعوں میں سے رہے گئے۔دوچار ہزار بمشکل تمام پر واقع تھا کہ اس حد تک پہنچنا آسان کام نہ تھا بوجہ دشوار پہنچا دیا۔یہ لڑائی جنگ شہر BATTLE OF لیکن بلندی پر ہونے کی وجہ سے اس کی زد مسلموں تک تھی اور کوئی نہیں اور عربوں کی مسرت کا اظہار کیا۔ تیروں اور نیزوں کی زد پر رکھی جا سکتی تھی یہ رومنوں کے زمانہ میں ختم ہوگئی۔ صرف ایک مینار کی شکل میں باقی رہ گیا تھا۔مسلمانوں نے از سنی باشندوں کی حالت ہی دگرگوں ہوگئی

Marfat.com

...داللہ سے کوئی آس لگانا محض بے بنیاد بات تھی۔ واحد سہارا ابن حفصون تھا اور یہ کہ اس کی حمایت ...ور مدد کو حاصل کرنا ایک طرح سے ناگزیر بھی تھا۔ عمر نے ان کو مدد دینے میں تذبذب نہ کیا۔ اور فوراً ...ن کا حامی بنا گوارا کر لیا۔ از سر نو فوج کی تنظیم کی گئی۔ بہت سے نئے سپاہی بھرتی کئے گئے اور ان کو ...ے کر ابن حفصون خود البیرا پہنچا اور سیوار سے مقابلہ کرنے کی جدوجہد میں مشغول ہو گیا۔ شیخ ...انے جو مخالف کیمپ میں یہ اہتمام اور تیاریاں دیکھیں تو خود بھی ایک بڑے معرکہ کی تیاریوں میں مصروف ...و گئے۔ عمر ابن حفصون کامل یقین کے ساتھ شیخ کے خلاف بڑھا مگر جلد ہی اس کو اپنا یقین پاش پاش ...وتے نظر آیا۔ اس کے بہت تجربہ کار اور آزمودہ کار جنرل اسی جنگ میں کھیت رہے۔ وہ خود زخمی ...وا اور جان بچا کر بھاگا۔ عربوں نے بھاگنے والوں کی خوب ہی مرمت کی۔ ابن حفصون نے رونڈا ...ع کر دم لیا۔ ان کو اس شکست پر اتنا تاؤ آیا کہ باشندگان البیرا کو اس کا سبب بنا کر ان پر ...اوان جنگ عائد کر دیا۔ اور اس کو سختی سے وصول بھی کیا۔ البیرا میں اس نے اپنا قائم مقام ...س ابن المورو (Hefs ibn almoro) کو بنایا۔ جن عرب قبیلوں کو اپنے ہمراہ لے گیا ان ...ں مشہور شاعر سعید ابن جودی بھی تھا۔

عربوں کی عظیم الشان فتح نے شیخ کو کچھ ایسا مغرور اور نڈر بنا دیا تھا کہ وہ ہر جگہ بغیر سوچے سمجھے اور اونچ نیچ کو ذہن میں رکھے کود پڑتے تھے۔ اس غیر دور اندیشی نے ان کو اور ان ...ا فوج کو ایک تنگ کمینگاہ میں لا پھنسایا۔ جہاں اہلیان البیرا نے اپنی پچھلی شکستوں کا بدلہ جی کھول ...ر لیا۔ اور سب کو قتل کر کے رکھ دیا جس میں شیخ سیوار بھی مارے گئے۔ جب یہ لاشیں البیرا میں لائی گئیں تو ...ورتیں جن کے اندر انتقام کی آگ سلگ رہی تھی اور جو عربوں کو اپنا بدترین دشمن اس وجہ سے سمجھتی تھیں ...ر ان کی تنگ نظری اور کم نگاہی کی وجہ سے یہ خواہ مخواہ کی خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی۔ جس میں کتنوں ہی ...کے بچے۔ بیٹے۔ بھائی۔ شوہر اور باپ مارے گئے۔ ان کی لاشوں پر یہ عورتیں اس طرح ٹوٹ پڑیں جیسے ...ِدھ لپکتے ہیں۔ ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور کتنوں ہی کے تو دل اور کلیجے چبا چبا کر اپنے کلیجے ٹھنڈے کئے۔

اب قیادت سعید ابن جودی کے سپرد ہوئی جو کسی نہ کسی طرح ۸۹۰ء میں اپنی جان بچا کر رونڈا سے بھاگ آیا تھا اور ابن حفصون کے ہاتھوں سے نجات پائی تھی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ خود ابن ...فصون نے اس کو رہا کر دیا تھا۔ مگر سعید میں وہ موسوی مدن کی سی بات نہ تھی۔ کہاں وہ دلیر اور شجاع سردار سیوار۔ کہاں یہ شاعر صفت انسان جو دماغ کے جوہر تو دکھا سکتا تھا تلوار کے نہیں۔

Marfat.com

اس کا دادا الحکم کے زمانے میں قاضی شہر البیرا تھا۔ اور خاندان میں جنگ یا سپہ گری کے مقابلے میں علم وادب کا چرچا زیادہ تھا۔ پھر بھی اس وقت کے عربی تاریخ نویسوں نے اس کو بہت سی خصوصیت کا حامل بتلایا ہے۔ جس میں بہادری۔ شہسواری وسیع الخیالی۔ خوش جمالی۔ فن شاعری۔ متقری دلیری۔ نیزہ بازی اور کمان کی چلہ کشی خصوصیت سے نمایاں تھیں۔ اغلباً وہ واحد عرب تھا جس سے ابن حفصون بھی خائف تھا۔ ایک بار جب مقابلے پر سعید نے عمر کو للکارا تھا۔ جو آخرالذکر باوجود تمام بہادری اور فنون سپاہ گری سے آراستگی کے مقابلہ کی ہمت نہ کر پایا تھا اور دامن بچا گیا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر جب ابن حفصون اس کے سامنے آگیا تھا۔ تو سعید نے اس کو اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اور شاید قتل ہی کر دیتا اگر حفصون کے سپاہی بیچ میں نہ کود پڑتے۔ پھر بھی بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ رقیق القلب اور جذباتی تھا۔ خود شاعر ہونے کی وجہ سے شعر وشاعری کا دلدادہ تو تھا ہی۔ رقص وموسیقی اور حسن وشباب سے گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ بہت قبل محمد کے دور حکومت میں جب ایک بار وہ دارالخلافہ گیا ہوا تھا اور وہاں ایک سڑک پر گزرتے ہوئے جب وہ عبدالعزیز کے محل کے پاس پہونچا جس کی حیثیت اس وقت تک محض شہزادے کی تھی تو اس کے کسی دل موہ لینے والے گانے کی آواز پڑی۔ اس کے قدم وہیں رک گئے۔ اور کھڑکی کی راہ سے اندر کا نظارہ دیکھنے لگا۔ جہاں شہزادہ عبداللہ شغل مینوشی میں مصروف تھا۔ اور گانے والی اس کی حسین وجمیل کنیز جہانی تھی۔ جو گانے میں بھی اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اس وقت شہزادہ کا دل لبھا رہی تھی گا گا کر اور شراب بھی پیش کرتی جاتی تھی۔ سعید وہیں سڑک کے ایک کونے میں دبک کر اس رس بھری آواز کو سننے لگا۔ اور مشتاق نگاہوں سے جہانی کا چہرہ دیکھنے کی حسرت میں بڑی دیر تک کھڑا رہا۔ مگر اس ساری مدت میں اس کو ایک گوری اور نازک کلائی بھی نظر آئی جو شہزادے کو جام پیش کر رہی تھی۔ اسی وقت وہ جہانی کا نادیدہ عاشق ہو گیا۔ اور اپنے جذبات کی آگ کو سرد کرنے اور اپنے عشق کی جلن کو کم کرنے کے لئے اس نے ایک بہت ہی خوبرو نازنین خریدی جس کو پورے لطف سے جہانی کہا کرتا تھا۔ اور شراب اسی کے ہاتھ سے پیا کرتا تھا۔ اکثر اشعار میں بھی اپنے اس عاشقانہ جذبات کا اظہار کیا ہے۔ اس کنیز کی موجودگی بھی سعید کے دل سے جہانی کی یاد کو دور نہ کر پائی اور وہ اس کے عشق میں تڑپتا ہی رہا۔ رفتہ رفتہ غم اس کے ذہن سے دور ہوتا گیا۔ اور زندگی کا رخ عیاشی اور عشرت کی طرف مڑ گیا۔ قرطبہ کی جب ایک اور حسین عورت اس کو پیش کی گئی تو وہ اس کا دیوانہ ہو گیا۔ اور اس کی شان اور تعریف میں بہت سے شعر

Marfat.com

کھڑا لے لہ

ان تمام باتوں کی وجہ سے کہنا پڑتا ہے کہ اس میں سیوار کی سی خوبیاں موجود نہیں تھیں۔ ہرچند کہ اس کی رگوں میں بھی عربوں کا سا خالص خون دوڑ رہا۔ جس پر وہ بہت ناز کرتے تھے۔ سیوار نے اپنے زمانے میں جس دانشمندی کا ثبوت دیا تھا۔ اس میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ تمام مرمت طلب قلعوں اور شکستہ فوجی چوکیوں کو درست اور مضبوط کر دیا تھا جن میں مینٹیشیا **Mentashia** اور بازا **Baza** کے قلعے بھی تھے۔ انہیں قلعوں میں عرب اپنا ڈیرا جمائے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ کوئی اور فتوحات نمایاں قسم کی سعید کے زمانے میں نہ ہوئیں حالانکہ نہ سلطان کی طرف سے کوئی خاص روک تھی نہ ابن حفصون ہی اس وقت البیرا طرف متوجہ تھا۔ جہاں تک مورخین پر اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ صرف ایک بار سعید نے اپنی جوانمردی کے جوہر البیرا میں دکھلائے۔ اور اس پر قبضہ جمایا۔ اور شاید اسی موقع پر اسپینی شاعر عابلی **Ablel** نے ان کی شان میں ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا۔ جب سعید شہر میں داخل ہوا۔ وہ کافی محظوظ اور اور اس کو انعام سے نوازا عابلی کے چلے جانے کے بعد کسی نے اس کو بتلایا کہ یہ تو اس کا پرانا دشمن عابلی تھا جس نے اس کی کتنی ہی بار ہجو اور تحقیر کی تھی۔ یہ علم ہوتے ہی سعید نے اس کے پیچھے اپنے سپاہی دوڑائے جنہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ اور لاش کو ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔

اشبیلیہ میں عربوں کی شورش

البیرا کے واقعات کو ہم یہیں پر چھوڑ کر اشبیلیہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ جہاں ابھی اس قسم کے فتنے اور شورشیں سر اٹھا رہی تھیں۔ مولدین اور عربوں کے درمیان جو دشمنوں کی خلیج پیدا ہو گئی تھی۔ اور

لہ یہ شہد سے زیادہ میٹھا گانا جو میں سنتا ہوں۔ میری روح تک کو تڑپا دیتا ہے اور پھر مجھ پر ایک حسرت ایک کرب کا عالم طاری ہو جاتا ہے جس کا مداوا صرف جہانی کے پاس ہے جس کو میں ہمیشہ ہمیشہ یاد رکھوں گا جس کو میں بے اختیار دل دے بیٹھا ہوں۔ ہرچند کہ یہ آنکھیں اس کے دیدار سے ابھی تک سیراب نہیں ہوئی ہیں جہانی میری تمناؤں کا مرکز۔ میری روح کی تازگی۔ میری حیات کے رشتے تجھ ہی سے قائم ہیں۔ آنکھوں میں اشک چھلک آتے ہیں۔ جب تیری یاد آتی ہے۔ اور لبوں پر تیرا نام۔ اور پھر میں ایک مجذوب ایک صوفی منش انسان کی طرح تیری یاد کو ایک حسین مورتی سمجھ کر سجدہ ریز ہو جاتا ہوں اور اپنی پرستاری کا ثبوت دیتا ہوں۔

Marfat.com

ان حالات میں وسیع ہی ہوتی جارہی تھی۔ ہر جگہ عرب اپنی برتری جتانے کے لئے ان کا مذاق اڑا رہے تھے۔ ان پر آوازے کستے تھے۔ ان کی ذلت پر کمر بستہ رہتے تھے۔ بادشاہ نے جو ان لوگوں سے تعاون کرنا شروع کیا اور ان کو اپنا دوست بنانے لگے تو ان عربوں کو اور بھی طیش آگیا۔ اور اپنا سارا غصہ وہ ان بیچارے نومسلمین یا عیسائیوں پر نکالنے لگے۔ بظاہر تو یہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان جنگ تھی مگر درحقیقت سلطنت سے کھلی بغاوت تھی۔ اور اس کی کمزوری کا ناجائز فائدہ تھا۔ حکومت کو دھکا پہونچانے کے لئے کبھی تو عیسائیوں ہی کے دوست بن جاتے اور کبھی نومسلموں تک کی جان کے پیچھے پڑ جاتے۔

اسبیلیہ ہمیشہ سے جنوبی اسپین کا مرکزی مقام رہا ہے۔ جسے اہلیانِ قرطبہ یعنی رومن اور گوتھوں کا دارالامارت بننے کا بھی افتخار حاصل رہا۔ اور اپنی خوبصورتی نفاست اور مخصوص طرزِ تعمیر کی وجہ سے ملکۂ اندلس کا لقب بھی حاصل کرچکا تھا۔ علم اور تہذیب کا بھی گہوارہ تھا۔ اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے باشندگانِ طلیطلہ کی طرح خواہ مخواہ فتنہ وفساد پر آمادہ نہ رہتا تھا۔ اس کی اس اطمینان بخش زندگی کی وجہ سے اس کی ثروت اور شوکت میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا۔ خود قدرت بھی اس شہر پر ضرورت سے زیادہ مہربان تھی۔ وہ پورا کا پورا علاقہ ہی نہایت زرخیز اور ہرا بھرا تھا۔ دریائے وادی الکبیر اس کے پاس ہی سے گزرتا تھا جس کی وجہ سے باغات اور کھیتیاں پھلوں اور اناجوں سے بھری رہتی تھیں۔ تھوڑی سی محنت کے بعد زندگی کی ضرورت تو کیا آسائش بھی مہیا ہوجایا کرتی تھی۔ پیداوار اچھی ہونے کی وجہ سے تجارت کو بھی فروغ ہوا۔ جو یہودیوں کی ایک بڑی تعداد کو وہاں کھینچ لائی۔ تعلیم کے چرچے عام ہونے کی وجہ سے دماغی صلاحیتوں کو بھی اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملا۔ جسمانی قوتیں بھی خوب تھیں۔ سیاسی مسائل پر بھی ہمیشہ سیر حاصل بحث ہوتی اور مذہبی معاملات میں بھی لوگ کافی دلچسپی کا اظہار کرتے لطف یہ کہ اشبیلیہ عیسائیوں کے ہاتھوں سے نکل کر مسلمانوں کے پاس پہنچ گیا۔ مگر اس کے معاملات اور حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ مگر روز افزوں ترقی ہی ہوتی رہی باہر سے آنے والے خاندان تو زیادہ تر حدودِ شہر سے باہر بسے۔ اندرونِ شہر کی حالت ویسی رہی۔ بلکہ زراعت اور تجارت دونوں میں نمایاں ہی نمایاں فروغ ہوتا رہا۔ انجیر، زیتون، روئی اور دیگر خام پیداوار جہازوں میں لاد کر دوسرے ممالک کو جاتی اور اشبیلیہ ان کے بدلے دولت کے انبار لگا دیتیں۔ مسلمانوں سے میل جول اور مذہب اسلام کی صداقت اور اس کے نادر اور عمدہ

Marfat.com

اصولوں کی وجہ سے بہت سے باشندے اس کی طرف راغب ہوئے اور دائرہ اسلام میں آگئے۔ تثلیث پرستی کے بجائے توحید پرستی کرنے لگے۔ عبدالرحمن ثانی کے زمانے میں مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے ایک کشادہ مسجد بھی تعمیر ہوگئی اس کے باوجود جو چیز تعجب خیز نظر آتی ہے وہ ان نومسلموں کے عادات و اطوار اور بعض حالات میں نام بھی جو ان کے فاتح قوم کے سے نہ ہو سکے۔ اور وہ ان قدیمی رسم و رواج کے پابند رہے۔ بنی اینجیلو یا بنی سیباریکو اس قسم کے نام اس وقت تک ان میں کلمۂ حق پڑھنے کے بعد بھی پائے جاتے تھے۔

عرب امراء کے دو خاص قبیلے اطراف اشبیلیہ میں آباد تھے۔ بنی خلدون اور بنی حجاج۔ بہت سا زرخیز اور شاداب علاقہ انہیں لوگوں کے قبضہ میں تھا۔ جو اپنی دولت اور ثروت پر پھولے سماتے تھے۔ بنی خلدون زیادہ تر الزراقہ میں آباد تھے۔ اور بنی حجاج مقام سند میں۔ اتفاق سے یہ قبیلہ اپنی رشتہ داریاں قدیمی شاہی خاندان سے بھی رکھتا تھا اور ان کے ایک شیخ عمیر یمنی کی شادی آخری تاجدار گوتھک وٹیزا **Witiza** کی پوتی سارہ **Sarra** سے ہوئی تھی۔ جو مسلمان ہوگئی تھی۔ عمیر یمن کے قبیلہ بنی لخم کے مشہور و معروف امراء میں سے تھا اور خلیفہ کی ایماء سے سارہ کی شادی اس سے ہوئی تھی۔ اس کے چار لڑکے ہوئے اور چاروں کے چاروں جوانمردی، شجاعت اور بہادری میں کسی سے کم نہ تھے۔ وٹیزا کے بیٹوں کو جو علاقہ تفویض ہوا تھا اس میں زیادہ سارہ کے باپ کو ملا تھا اور وہ سب کا سب عمیر کے قبضہ میں آیا۔ یہ علاقہ سند کے نام سے موسوم تھا اور کافی دولت اور قدرتی وسائل سے مالا مال تھا۔ اس باہمی رشتے نے بنی حجاج کی حالت سدھار دی تھی۔ اور ان کے اعزاز میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ ان لوگوں کے تعلقات عرصہ تک وہاں کے عیسائی اور مسلم باشندوں سے کافی دوستانہ رہے۔ خود قدیم اسپینی بلاوجہ کوئی جھگڑا مول لینے پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ اور ہمیشہ اپنی ملجا و ماوی سلطان کو سمجھتے تھے اور اس کی عزت دل کی گہرائیوں سے کرتے تھے البتہ عربوں کی تلوّن مزاجی اور درشت خوئی سے ان کو ضرور ڈر لگتا تھا۔ ان میں سے جو خاندان شہروں میں آباد ہوگئے تھے۔ اور ان کی تہذیب اور اصولوں سے آشنا ہوگئے تھے۔ ان سے زیادہ دوستی ہی رہتی تھی گاؤں اور دیہاتوں میں بسنے والے کیونکہ شہر کے ماحول اور وہاں کی متمدن خصوصیات سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ وہ البتہ ان کو چھیڑا کرتے تھے اور اپنی بعض حرکتوں سے ان کو تنگ کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ جمعہ کے دن نماز کیلئے اور شاندار لباس پہن کر جسموں پر ہتھیار سجا کر عمدہ عمدہ گھوڑوں پر سوار ہو کر شہر نماز پڑھنے

آتے اور اپنی شوکت کا مظاہرہ اپنی طینت کا اظہار کر جاتے بے انتہا دولت اور طمع نے ان
بڑی حد تک عیش پرست اور مغرور بنا دیا تھا۔ اپنے سامنے یہ کسی کو خاطر ہی میں نہ لاتے تھے
تمام اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں رکھنا چاہتے تھے اور سرکاری حکام پر بھی اپنا رعب جما
کرتے تھے۔

عبداللہ جب تخت نشین ہوئے تو بنی خلدون کی قیادت کریب نامی سردار کے ہاتھوں
میں تھی۔ یہ شخص مکاری اور عیاری اور معاملہ فہمی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ اپنے عقائد کا پختہ
اپنے قبیلہ کا وفادار اپنی روایات کا پابند۔ یہ باتیں کسی شخص کو بھی ایک اچھا لیڈر بنا سکتی تھیں
سو کریب بنی خلدون میں محبوب اور مقبول تھا۔ اس کو حکومت سے ہمیشہ کی کد تھی اور ابتدا ہی سے
وہ آزادی کے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اور اس آزادی کو اپنے قوتِ بازو سے حاصل کرنا چاہتے
اپنے قبیلہ سے بے انتہا محبت کرنے کی وجہ سے تمام اختیارات کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دیکھنا
چاہتے تھے۔ اس کی اس فطرت کی وجہ سے اہلیانِ قبیلہ اس پر جان چھڑکتے تھے۔ حالات کو اپنے
موافق دیکھ کر کریب نے اشبیلیہ میں شورش برپا کرنا چاہی مگر وہاں اس کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی
اس نے عربی شیوخ۔ اُمرار اور باشندگان سے مدد کی درخواست کی اور ان کے سامنے ایک آزاد
حکومت کے خاکے پیش کئے۔ ان کو بہت سے سبز باغ دکھائے۔ وہ عرب اتفاق سے زیادہ قریش
النسل تھے اس لئے اس حضرموت کے باشندے کریب کی طرف رغبت کا اظہار نہ کر سکے اگر ان کو
امن و سکون دل سے عزیز تھا تو کم از کم اس وقت تو خاموشی سے زندگی بسر کرنا چاہتے تھے
مجبوراً کریب نے شہر سے نکل کر مضافات میں اپنی حکمت عملیوں کا مظاہرہ کرنا چاہا۔ یہاں اس
جلدی ہی کافی مدد مل گئی۔ بہت سے بربری سر بے ... بدو جواب تک اسلام سے قبل
کی جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھے ان کے مزاجوں میں وہی پچھلی خشونت اور درشتی باقی تھی
تھی۔ بغاوت یا لڑنا بھڑنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اور اس کھیل کو کھیلنے کے لئے وہ
کریب کے ساتھ مل گئے۔ الزرافہ کے رہنے والے تمام قبیلہ خلدون کے لوگوں نے بھی اس
کی حمایت پر کمربستگی کا اعلان کر دیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر بنی حجاج کے رُوسار۔ نبد اور ش۔ دندہ
سردار اور کارمونہ کے بربر بھی اس لئے آملے۔ یہ طے پایا کہ اسبیلیہ کے سلطان سے چھین کر ایک
آزاد علاقہ بنالیا جائے۔ اور وہاں کے سارے انتظامات اور اختیارات عربی اُمرار کے
ہاتھ میں رہیں۔ ان کی خوش قسمتی کہ اہلیانِ شہر ان کی اس تیاریوں سے لاعلم تھے۔ کبھی کبھار جو اُڑتی

Marfat.com

ہی دو چار خبریں ان کو مل جاتیں تو اس پر وہ کچھ دھیان بھی نہ دیتے تھے۔ اپنی ذات کو علیحدہ رکھنے کے خیال سے اُس نے پہلے یہ چال چلی میریڈا اور میڈلین کے بربریوں کو خاموشی سے اطلاع بہم پہنچائی کہ اشبیلیہ کا علاقہ پورا غیر محفوظ ہے اور بادشاہ کی طرف سے حفاظتی انتظامات مکمل نہیں ہیں یہ بہترین موقع ہے ان پر حملہ کر دیا جائے۔ اور صدیوں کی جمع کردہ دولت پر چھاپا مارا جائے۔ ان لوگوں کی دولت کی فراوانی کے قصے سُنا سُنا کر ایسا پر چایا کہ وہ فوراً ہی حملہ کرنے پر تل گئے۔ اس چال میں جو چیز اندرونی طور پر پنہاں تھی وہ باشندگان اشبیلیہ کو یہ جتلانا کہ دیکھو تمہارا سلطان کس قدر ناقص اور نااہل ہے کہ اپنے وفاداروں کی بھی دولت معمولی بربریوں سے نہیں کر سکتا ہے۔ اور ان کی جان و مال و عزت ان کے ہاتھوں نہیں بچا سکتا ہے۔ اشبیلیہ پر حملہ ہو گیا بربریوں نے خوب خوب بربریت دکھائی۔ تلیاتہ Talyata کا مقام زور و شور سے لوٹا گیا۔ نہ جانے کتنے مردوں کو موت کے منہ میں پھینک عورتوں کو اپنی کنیزیت میں لے لیا اور جو دولت ان کے ہاتھ لگی اس کا تو شمار و قطار نہیں۔

گورنر اسبیلیہ کو جو اس ناگہانی حملہ کی اطلاع ملی تو فوراً اپنی ساری طاقت مجتمع کر کے ان کی بیخ کنی کو چلا۔ گرد و نواح کے تمام عربی سرداروں کو یہ پیغام بھجوایا کہ اس کی مدد کو آئیں۔ عرب بھی اس دعوت پر اپنی فوج لے کر گورنر کی مدد کو چلا جب اشبیلیہ سے یہ فوجیں روانہ ہوئیں تو اطلاع ملی کہ باغی پہلے ہی تلیاتہ Talyata پر قبضہ جما بیٹھے ہیں۔ گورنر نے اپنے کیمپ ایک پہاڑی پر جو چوٹی زیتون کہلاتی تھی نصب کئے۔ اور دشمنوں نے مقابلہ پوری یکجہتی سے کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہاں یکجہتی تھی کہاں؟ کریب جیسے غدار اس کی فوج میں شامل تھے۔ جو پہلے ہی دشمنوں سے ملے ہوئے تھے۔ اور یہ پیغام بھی بھجوا دیا کہ روزِ جنگ وہ گورنر کا حمایتی نہ ہو گا۔ بلکہ اس کے مخالفین دوسری صبح جب طبلِ جنگ بجا تو گورنر کی آنکھ نے کچھ اور ہی نظارہ دیکھا۔ کریب اپنے لاتعداد حلیفوں کے ساتھ میدان چھوڑ کر جا رہا تھا۔ بہت سے عربی سردار تعاون سے کوتاہی برت رہے تھے۔ ابھی اس کو اپنی آنکھوں پر پوری طرح اعتبار بھی نہ آیا تھا کہ بربریوں نے ایسا زوردار حملہ کیا کہ گورنر کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے۔ پہلے ہی ہلے میں وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ خود گورنر زخمی ہوا اور اشبیلیہ سے پانچ کوس قبل ہیوربار Huebar کے مقام پر جب تک پہنچ نہ گیا دم نہ لیا۔ وہاں خندقوں کے درمیان پناہ گزین ہو گیا۔ اس کی خوش قسمتی کہ بربریوں نے اس

Marfat.com

کا تعاقب نہ کیا۔ بلکہ جو کچھ ہتھے لگا تھا اسی کو لے کر نو دو گیارہ ہوئے۔ چلتے چلاتے تین دن تک انہوں نے آس پاس کے علاقے کو بھی خوب ہی لوٹا۔ اور جب اپنے گھروں کو پہنچے تو دولت کے انبار ان کے ساتھ تھے۔

جب دوسرے سلطنت کے بدخواہوں اور لالچ خوروں کے کان میں اس لوٹ مار کی خبر اور منفعت جو حاصل ہوئی تھی اس کی اطلاع ملی تو وہ بھی موقع سے فائدہ اٹھانے کی خاطر اس جانب بڑھے۔ یہ لوگ ابن مروان کی سرکردگی میں اشبیلیہ پر ٹوٹ پڑے اور اس سے دس میل کے فاصلے تک تمام علاقہ لوٹ کے رکھ دیا۔ کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور اس کی کوئی خبر نہ لی جا سکی جب مروان بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیدا جاز لوٹا تو اس کے پاس بھی کچھ کم لوٹ کی دولت نہ تھی۔ اس افراتفری اور بے انتظامی کی وجہ سے قزاقوں اور لٹیروں کی تو بن آئی۔ کتنے ہی بدمعاش اور مجرم صنفت انسان معمولی گروہوں کی شکل میں اشبیلیہ کی طرف بڑھنے لگے۔ اور لوٹ مار کا بازار گرم کرنے لگے۔ لیوسی ٹینا۔ میڈورا الیٹرے کے بہت طاقتور امرا جو حکام سلطنت کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے۔ اس دولت کی کہانیاں سن کر اس جانب لپکے۔ غرضیکہ عجیب حالت ہوگئی۔ کسان اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگنے لگے عورتیں کوڑیوں کے مول بکنے لگیں۔ کھیتیاں ویران ہوگئیں۔ شادابی مٹ کے رہ گئی۔ بستیاں اجڑ کر رہ گئیں۔ ہر طرف ویرانی کارفرما ہوگئی۔ عبداللہ نے اس نکمے گورنر کو معزول کر دیا۔ اور ایک دوسرے باہمت اور ذی حوصلہ کو وہاں کا حاکم بنایا اور اس کی ہمت اور حوصلہ بھی کچھ کام نہ کر سکا۔ وہ لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ یونہی قائم رہا بلکہ کچھ اور بڑھ ہی گیا۔ سب سے نمبری قزاق اس وقت تماشیکا Tamasheka پیدا ہوگیا جو بورنس Bornuss بربریوں کے ساتھ مل کر اسبیلیہ اور قرطبہ کی رہگذر سے ہر گزرنے والے ہر قافلے کو اپنی حرص و ہوس کا شکار بنانے لگا۔ گورنر باوجود تمام کوشش اس کا کچھ نہ بنا سکا۔ حالات اب قابو سے باہر تھے۔ بدنظمی اپنے شباب پر تھی۔ عبداللہ ٹک ٹک دیدم اور دم نہ کشیدم کی مصداق بنا ہوا۔ خاموشی سے یہ سارا تماشا دیکھ رہا تھا کہ اس کو ایک نو مسلم ابن غالب کے سمجھانے بجھانے سے کچھ حالت امید افزا نظر آئی۔

یہ ابن غالب لسے سی جا کا رہنے والا جوان العمر حوصلہ مند نو مسلم تھا۔ اس نے شاہ سے سیٹے لورس کے مقام پر ایک قلعہ بنانے کی اجازت چاہی جہاں اپنے اعتماد والے سپاہیوں کے ساتھ رہ کر ان حدود کی اچھی طرح نگرانی کر سکتا تھا اور پھر لٹیروں کا خاتمہ کر سکتا تھا۔

Marfat.com

اجازت اس کو مل گئی۔ قلعہ کے تعمیر ہوتے ہی اور وہاں ابن غالب کی طاقت کے مجتمع ہوتے ہی ساری شورش پسند طبیعتیں بجھ کر رہ گئیں اور بہت جلد یہ مولدان پر غالب آگیا مگر عربوں کو یہ بات بہت ناگوار گزری کہ سکون اور نظم برقرار رکھنے کے لئے بادشاہ نے ایک بار پھر ایک نومسلم پر اعتبار کیا اور اس کو حسب خواہش قلعہ بنانے کی بھی اجازت دے دی۔ بنی خلدون اور بنی حجاج دونوں قبیلے کے افراد اس کے جانی دشمن ہو گئے۔ محض اس ذاتی پرخاش اور عناد کی وجہ سے ایک دن یہ لوگ ابن غالب کے سپاہیوں سے نبرد آزما ہو گئے۔ جس میں بنو حجاج کا ایک آدمی بھی مارا گیا۔ جب اس کی لاش شہر لائی گئی تو بڑا واویلا مچا اور ایک وفد فوراً واقعات کی تفصیل لے کر عبداللہ کے پاس روانہ ہوا۔ اس کی اطلاع جیسے ہی ابن غالب اور دیگر مولدین کو ہوئی۔ ان کا بھی ایک وفد واقعات کا دوسرا رُخ بتانے اور اپنی بے گناہی جتانے کے لئے روانہ ہوا۔ اس میں ایک بہت با اثر سردار عمر ابن خطاب ابن اینجیلو بھی تھا جس کا دادا مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ مگر اپنے نام کے آگے باپ کا نام اینجیلو ابھی تک لگائے ہوئے تھا۔ جو بعد کے افراد کے نام کے ساتھ بھی چسپاں رہا۔ دونوں وفود کے ممبران نے اپنی اپنی صفائی میں لمبے چوڑے بیانات دیئے۔ بادشاہ کے لئے کسی صحیح نتیجہ پر پہونچنا بغیر جانچ پڑتال کے لئے آسان نہ تھا۔ پھر کبھی وہ اپنے فیصلہ کا اعلان ایک دم سے کر کے کسی فریق کو ناراض بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے یہ حکم دیا کہ شہزادہ محمد اشبیلیہ پہونچ کر پورے معاملہ کی تحقیق کرے۔ اور تب کسی فیصلہ سے مطلع کرے۔

شہزادے محمد نے اشبیلیہ پہنچتے ہی ابن غالب اور حجاج دونوں کو اپنے حضور بلا کر معاملہ کی نوعیت سمجھنا چاہی۔ مگر وہ جس قدر سمجھنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی الجھتا جاتا۔ جتنی کرید کرتا اتنا ہی اس کو پیچیدہ پاتا۔ ادھر شہر میں فریقین کے افراد موجود ہونے کے سبب اس کا چرچا ہی ذکر خیر ہر جانب تھا۔ لوگ فیصلہ سننے کے لئے بے چین تھے۔ تاخیر سے ان کے جذبات بھی مشتعل ہوتے چلے جا رہے تھے۔ گھبرا کر شہزادے نے یہ اعلان کر دیا کہ وہ ابھی تک معاملہ کے پورے نکات نہیں سمجھ پایا ہے۔ اسی اثناء میں ابن غالب کو اپنے ساتھیوں سمیت قلعہ میں واپس جانے کا اذن مل گیا۔ انہوں نے چلتے چلتے یہ اڑا دی کہ بادشاہ ان لوگوں کے حق میں ہے مگر انتظار سے کام لیا ہے۔ عربوں کو یہ بات بہت کھل گئی اور وہ اپنی طاقت متحد کر کے پھر بادشاہ کے خلاف قدم اٹھانے پر تل گئے۔ کریب نے ایک بار پھر الزرانہ میں رہنے والے

حضرموت کے عربوں کو للکارا اور عبداللہ بن حجاج نے بنی لخم کو جو شہر میں بسے تھے۔ طے پایا کہ عا
کارمونہ پر حملہ کر کے اسے چھین لے گا۔ اور اسی دن کریب کوریا پر جو الزرافہ کے قریب میں تھا
حملہ آور ہوگا۔ اسکیم کے مطابق کریب سے اپنے چچیرے بھائی مہندی کو اس کام پر مامور کیا
کہ مشرقی حد پر دریائے وادی الکبیر کے کنارے وہ سارا علاقہ تباہ کئے ہوئے ہے۔ وہاں سے
اس کے تمام جانوروں کو ہنکا لائے۔ مہندی جوانی عیاشیوں کی وجہ سے کافی بدنام تھا فوراً قا
لبرنجا جو اس وقت سلیمان کے قبضہ میں تھا اور کریب کا دوست تھا پہنچا۔ اور پھر دونوں نے مل
وہاں سے کوئی دو سو گائے بیل اور سو گھوڑے بھگا لئے جو شخص چراگاہ پران کی نگرانی پر تعینا
تھا اس کو قتل کر دیا۔ پھر کوریا پر حملہ کر کے اس کو بھی فتح کر لیا۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن حجا
نے بربری سردار جنید کی مدد سے کارمونہ پر قبضہ جما لیا۔ اور حاکم شہر کو وہاں سے بھاگ کر اشبی
میں پناہ لینا پڑی۔

حالات نے اچانک جو یہ کروٹ بدلی تو شہزادہ محمد گھبرا گیا اور فوراً اپنے باپ کو پیغام
بھیجا کہ اس کی مدد کے لئے کچھ فوج اور مناسب مشورے روانہ کرے۔ قرطبہ میں ایک مشاورتی
کونسل منعقد ہوئی جس میں ایک وزیر نے یہ رائے دی کہ جب تک ابن غالب اور دیگر مولدین
وہاں اثر قائم رہے گا یہ عرب قابو میں نہ آئیں گے۔ اور یونہی فتنے ابھارتے رہیں گے۔ پھر خود ابن
غالب کی دیانتداری پر مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ بھی ابن حفصون سے ملا ہوا ہے اس
لئے مناسب یہی ہے کہ اس کو راستے سے ہٹا دیا جائے۔ حالات خود بخود سدھر جائیں گے کوریا
اور کارمونہ دونوں پھر واپس مل جائیں گے۔ بادشاہ کے دماغ میں یہ رائے جم گئی۔ ابن غالب
کا خاتمہ کرنے کے لئے جاد نامی ایک چالاک اور مکار شخص کا انتخاب ہوا۔ جو حاکم اشبیلیہ
امیہ کا بھائی تھا اور سیوار کے ہاتھوں ابھی ابھی رہائی پائی تھی۔ اس کو یہ ہدایات دی گئیں
کہ بظاہر اپنے کو ابن غالب کا دوست بتائے مگر باطن میں اپنی اسکیم پر عمل کرنے کی کوشش
کرے۔ جب یہ شاہی دستوں کے ساتھ روانہ ہوا تو ابن غالب چوکنا ہوا اور اس کو یہ خطرہ
لاحق ہوا کہ سپاہ کہیں اس کے خلاف تو نہیں آرہی ہے اس نے فوراً ابن حفصون سے مدد
طلب کی۔ اسی دوران میں اس کو جاد کی طرف سے یہ خط ملا کہ یہ شاہی فوج دراصل اس کی مدد کے
لئے آئی ہے۔ اور اس کو بے خوف ہو جانا چاہئے۔ ابن غالب اس جال میں آگیا۔ جاد سے
مل کر کارمونہ کے محاصرہ میں شامل ہو گیا ایک شب چپکے سے جاد نے عبداللہ ابن حجاج کو پیغام

Marfat.com

بوایا کہ اگر وہ کارمونہ خالی کر دے تو ابن غالب کا سر قلم کیا جا سکتا ہے۔ عبداللہ اس پیشکش پر رضامند ہو گیا۔ ابن غالب قتل کر دیا گیا کارمونہ شاہی فوج کے قبضہ میں آ گیا۔

جب مولدین کو اس دغا فریب کا علم ہوا تو امیر کی توہین پر کمربستہ ہو گئے جس نے اپنے ایک جان نثار اور وفادار کو محض شکوک یا دوسروں کے بھڑکانے کی وجہ سے قتل کرا دیا تھا۔ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ ابن غالب کے خون کا بدلہ امیہ حاکم اشبیلیہ اور حجاد کے بھائی سے لیا جائے۔ مگر یہ مرحلہ یوں آسانی سے طے ہو جانے والا نہ تھا۔ پہلے ان کو شہر پر قبضہ جمانا تھا۔ انہوں نے بعض عرب قبیلوں کو جو بنی خلدون اور بنی حجاج کے مخالف تھے اپنی حمایت پر آمادہ کیا اور مولدین نے بربریوں کو بھی امداد کے واسطے کہا۔ ابن انجیلینو اپنے چند دوستوں کے ساتھ شہزادہ محمد کے حضور پہنچا اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس کو بھی اپنا دوست بنا لے اس کو کچھ الٹی سیدھی باتیں سمجھا کر حجاد جیسے غدار انسان سے حفاظت کی امید عبث قرار دے کر۔ اپنی وفاداری کا یقین دلا کر شہر کی کنجیاں حاصل کر لیں۔ یہ گویا کامیابی کی پہلی سیڑھی تھی۔ اب ان کو عربوں اور بربریوں کے پہنچنے کا انتظار تھا جو ۹ ستمبر ۸۹۹ء بروز منگل اشبیلیہ میں داخل ہو گئے۔ بغیر کسی توقف کے امیہ کا محل گھیر لیا۔ یہ کچھ ایسی سرعت سے ہوا تھا کہ امیر کو بھول کر بھی اس حادثہ کا گمان نہ گزرا تھا۔ جان بچانے کے لئے وہ تیزی سے محل سے نکل کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر شہزادے محمد کے محل کی طرف بھاگا۔ وہ بھی اس عالم میں کہ پیروں میں جوتے پہننے تک کی مہلت نہ ملی۔ مجمع نے جو اپنے شکار کو یوں ہاتھ سے نکلتے دیکھا تو شہزادہ کا محل گھیر لیا۔ اس بیچارہ نے اپنی لاچاری کو دیکھتے ہوئے فوراً ابن انجیلینو اور ابن سیباریکو کو بلوایا اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ ان لوگوں نے ابھی تک ذاتی طور پر اس فتنے میں حصہ نہ لیا تھا شہزادے کی درخواست پر اس کے محل میں جانے پر رضامند تو ہو گئے مگر جان کا خطرہ بھی لاحق تھا اس لئے حفاظتی تدابیر بھی ساری کر ڈالیں کچھ دستوں کو محل کے باہر تعینات کر دیا کہ اگر محل کے اندر زیادہ دیر ہو جائے اور ظہر کی اذان تک باہر نہ نکلیں تو فوراً اندر گھس کر ان کی جان کی حفاظت کریں۔ ابھی تک ان لوگوں کا مشورہ اور بحث و مباحثہ جاری ہی تھا کہ ان دستوں کو خواہ مخواہ کچھ گڑبڑ کا شک ہو گیا اور اندر گھس پڑے۔ پہلے گھوڑوں اور خچروں پر قبضہ کرنا چاہا پھر محل کی فصیل کی طرف لپکے۔ آتشیب کے کانوں میں اس مار دھاڑ کی آواز گئی فوراً لپک کر باہر آیا اور یہ کیفیت دیکھ کر ان لوگوں کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا۔ ابن انجیلینو اور سیباریکو اسی وقت قید کر لیا گیا۔ اور جو کچھ دستے محل کے اندر موجود تھے ان سے حفاظتی مورچہ قائم کر لیا گیا۔ ہر چند شورش پسندوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ دغا

Marfat.com

دشمنوں کا مورچہ محفوظ مقام پر تھا۔ خود اُمیہ جس کے جسم سے کئی جگہ پر خون بہہ رہا تھا، زخموں کی وجہ سے اپنی موت کو سر پر منڈلاتے دیکھ کر ان لوگوں کی قیادت کر رہا تھا۔ اس وقت حفاظت کا معاملہ نہ تھا بلکہ جان کی بازی لگی ہوئی تھی۔ دونوں طرف سے تلواریں چلتی رہیں کہ رات نے اپنا پردہ ڈال دیا۔ دوسری صبح سے پھر وہی ہنگامہ شروع ہو گیا۔ شہزادے نے موقع کی نزاکت کی اطلاع فوراً جاد کو دی۔ جو وہاں سے کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ اور اتفاق سے ۹ ہی ستمبر کی صبح کو کارمونا کا مرحلہ طے کرنے کے بعد اشبیلیہ کے قرب میں عبداللہ ابن اشعث کے پاس پہنچا۔ راستے میں مولدین نے اس کا راستہ روکنا بھی چاہا مگر وہ لڑتا بھڑتا صاف نکل گیا۔ ابن اشعث نے اس کو بتلایا کہ اشبیلیہ میں اس وقت کیا ہنگامہ برپا ہے۔ بغیر ایک لمحہ ضائع کئے ہوئے جاد اپنے سپاہیوں کے ساتھ شہر کی طرف چل دیا اور ۱۰ کی صبح جب لڑائی زور شور سے شہزادے کے محل کے احاطے میں جاری ہی تھی کہ تلوار سونت کر وہ بھی فتنہ پسند مجمع پر تل گیا۔ بہت سے مولدین کے سردار مارے گئے۔ اور وہ لوگ اس دو رُخی مار کا مقابلہ نہ کر پا کے میدان چھوڑ بھاگے۔

جاد نے محل کے اندر پہونچ کر اپنے بھائی کو سینے سے لگا لیا۔ اور شہزادے کی عزت بچا لی۔ اپنی انتقام کی آگ بجھانے کے لئے تمام مولدین سردار جو اس وقت قید میں تھے۔ اور جن میں ابن ایخلبینو اور سبار یکو بھی شامل تھے سولی پر چڑھا دیئے گئے۔ جاد کے سپاہیوں نے قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا جو بھی غدار ان کے ہاتھ لگا اس کو یا تو اندھا کر دیا یا اس کے عضو کاٹ ڈالے یا جان ہی سے مار ڈالا۔ ان کے گھروں کو لوٹ لیا۔ ان کی عورتوں کو اپنی خواہشات کا نوالہ بنا لیا۔ کئی دن تک یہی بے ضابطگی رہی آخر کار بعض دیرینہ تعلقات اور رشتوں کی وجہ سے جو مولدین اور عربوں میں قائم تھے۔ اس قتل عام کو بند کیا گیا۔ اور تب جا کر کہیں سکون اور امن قائم ہوا۔

جاد کا قتل اس طرح سے عربوں کا مستقل اقتدار قائم ہو گیا تھا۔ اور اب ان کی طاقت کا سکہ جم گیا تھا۔ شہزادہ محمد۔ جاد اور شاہی فوج نظم قائم کرنے کے بعد قرطبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں اس وقت اتفاق سے ابن حفصون کے نمائندے جاد کا سر طلب کرنے آئے تھے۔ ابن حفصون سے اس وقت بادشاہ کے دوستانہ مراسم تھے۔ اس لئے جاد کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ان تعلقات کو مستحکم رکھنے کی غرض سے اور فتنہ کے ابھرنے کے خطرہ کی بنا پر ابن غالب کے قتل کے سلسلے میں عبداللہ اس کو ابن حفصون کے پیغامبروں کے حوالے نہ کر دے۔ اس نے مصلحت

ہی میں دیکھی کہ خاموشی سے قرطبہ چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ نکل جائیے۔ اپنے دو بھائیوں ہاشم اور عبدالغافر اور چند قریشی سرداروں کے ساتھ وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ وادی الکبیر کے داہنی جانب وہ ساری رات گھوڑے دوڑاتے ہوئے علی الصباح قلعتہ الفضلا پہونچ گئے جہاں قدرے آرام کی ان لوگوں نے ٹھانی۔ قسمت کی مار اسی زمانے میں تماشیدکا قزاق کے گروہ کے لوگ بھی وہاں ڈیرا جمائے ہوئے تھے جس میں ابن غالب کے بھائی بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے جاد اور اس کے ہمراہیوں کو پہچان لیا۔ رات میں جب یہ لوگ قلعہ کے اندر آرام کر رہے تھے۔ اور ان کے گھوڑے دیوار کے نیچے بندھے ہوئے تھے۔ ان لیٹروں نے پہلے ان گھوڑوں کو اُڑا دینا چاہا۔ غلام جو ان کی حفاظت پر مامور تھے مقابلہ پر ڈٹ گئے شور وغل سُن کر جاد اور اُس نے ہمراہی بھی نیچے اُتر آئے اور ان لوگوں سے مقابلہ کرنے لگے۔ قزاق تعداد میں زیادہ تھے۔ جاد اس کے بھائیوں اور ایک قریشی کو قتل کر دیا۔ اور پھر بھاگ گئے

اُمیہ کو جب اپنے ان تینوں بھائیوں کی اس بے دردانہ موت کا علم ہوا تو اس کا جذبہ انتقام بھڑک اُٹھا۔ اس نے موازین اور علسائیوں کو ابن خلدون اور بنی حجاج کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جنھوں نے دل کھول کر ان لوگوں کو نہ صرف اشبیلیہ بلکہ کارمونہ۔ کوریا اور دوسرے تمام علاقوں میں ستایا قتل کیا۔ اور نام ونشان ہی مٹا دالنے کی ٹھان لی۔ یمنی عربوں نے ہزاروں کی تعداد میں ان اسپینیوں کو تلواروں کی دھار پر رکھ لیا اور ان کے خون سے زمین کو لالہ گوں کر دیا۔ جو بھاگ نکلے وہ وادی الکبیر کی موجوں کے لقمے بنے ان بے گناہوں کو ایسی ایسی تکلیفیں اور ایذائیں دی گئیں کہ تصور بھی کانپ اُٹھتا ہے۔ ان مصائب کا بہت گہرا نقش اندلس پر پڑا۔ عرصہ دراز تک یمنی عرب اپنے گیتوں اور نظموں میں ان تذکروں کا راگ الاپتے رہے۔

مابعد شورش ان بہم فتوحات اور کشت وخون کا اثر نہ کچھ دیر پا ہوا نہ بامعنی۔ اس سے فائدہ بھی حقیقتاً عربی روساء کو پہنچا۔ حکومت کو کچھ بھی نہ پہنچا۔ ایک تو ان لوگوں کا اقتدار پہلے ہی بہت کچھ بڑھا ہوا تھا۔ اس کے بعد تو ان کے تفخر اور تکبر کی کوئی انتہا ہی نہ رہی۔ اشبیلیہ کا سارا صوبہ ہی ان کی ماتحتی میں آگیا۔ اور والئ سلطنت کا اثر وہاں برائے نام رہ گیا۔ اُمیہ نے جس کی رگوں میں شجاعت کا خون دوڑ رہا تھا۔ حالات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ مگر ایک چنا بھاڑ تھوڑی پھوڑ سکتا ہے۔ اس نے مناسب یہ سمجھا کہ کام اگر طاقت سے نہیں چلتا ہے تو حکمت عملی سے چلایا جائے عربوں اور بربریوں کے درمیان اختلافات اس نے پیدا کرنے چاہے۔

Marfat.com

سب سے پہلے جنید بربری سردار اور عبداللہ ابن حجاج میں منافقت پیدا کردی۔ ان دونوں کا طوطی کارمونہ میں بولتا تھا۔ اور جب تک ان میں پھوٹ نہ پڑے وہاں شاہی اثر قائم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سکھانے بھڑکانے سے جنید نے عبداللہ کو قتل کردیا۔ مگر یہ بات اُمیہ کے حق میں اور بھی خراب ثابت ہوئی۔ اس لئے کہ بنی حجاج نے اب اپنا سردار عبداللہ کے بھائی ابراہیم کو بنایا جو صلاحیتوں کے لحاظ سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھا۔ دوسری جانب اُمیہ نے کریب کو یمنی سرداروں کے خلاف خوب بھڑکایا۔ اور اس سے بہت ہی حسین وعدے کئے۔ مگر وہ اس کے جال میں نہ پھنسا۔ اُمیہ کو ان لوگوں سے زیادہ خطرہ لاحق ہوا۔ اس نے اپنے محل اور مسجد کے ارد گرد ایک مضبوط دیوار تعمیر کروانا چاہی کہ نزاکت وقت میں کام دے سکے۔ اور اس کے احاطہ میں شاہی دستوں کی رہائش گاہ بنائی۔ عربوں کے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ بات بیٹھ گئی کہ اس میں گورنر کی کوئی گہری چال ہے۔ اور کسی دن بھی جب وہ لوگ نماز پڑھنے کے لئے اس حصہ میں گئے ہوئے ہوں گے۔ وہ ان لوگوں کا بھرتہ بنا دے گا۔ ایک دم سے وہ لوگ سختی سے اس تعمیر کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے اور تمام مزدور کاریگروں کو کام کرنے سے روک دیا۔ اُمیہ بھی تن گیا۔ اور ان سب کو قید کرلیا۔ اور جو ہاتھ نہ آئے ان کے بیٹوں اور لڑکوں کو بطور یرغمال اپنے قبضہ میں لے لیا۔ مگر بات اس سے کچھ بنتی نظر نہ آئی۔ بنیوں نے کہا یہ سب ڈھکوسلا ہے۔ ایک اگر تگڑا ہلہ بول دیا جائے تو یرغمال والی چال کچھ کامیاب نہ ہوسکے گی۔ خوش قسمت ایک دن ان کو ایسا موقع نصیب بھی ہوگیا۔ بہت سے سپاہی جب دیگر اضلاع اور مضافات میں رسد کی فراہمی کے لئے گئے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے محل پر حملہ کردیا۔ اُمیہ بھی اپنی باقیماندہ فوج کے ساتھ مدافعت کے لئے آمادہ ہوگیا اور ان تمام یرغمال کو فصیل سامنے کھڑا کر کے باغیوں کو یہ دھمکی دی کہ اگر انہوں نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو وہ ان سب کو قتل کردے گا۔ باغیوں نے اس کی قطعاً پرواہ نہ کی۔ بلکہ اُمیہ سے کہلوایا کہ وہ سب آزادی کے خواہاں ہیں جس طرح سلطنت کے اور تمام صوبوں نے اپنی اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا ہے۔ اور شاہی اقتدار کا جوا اتار پھینکا ہے۔ اسی طرح سے وہ لوگ بھی اپنی مطلق العنانی کا اعلان کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے بعد امن و آشتی سے زندگی بسر کریں گے۔ جس دن دوسرے صوبے بادشاہ کا اثر تسلیم کرلیں گے وہ لوگ بھی ان کے ہمنوا بن جائیں گے۔ خود اُمیہ اگر خاموشی سے محل سے نکل کر چلا جائے تو اس سے بھی تعرض نہ کریں گے۔ گورنر کو ان کی بات میں کچھ صداقت نظر آئی کچھ اپنی کمزوری کا بھی احساس ہوا کچھ بادشاہ کا نکما پن بھی نظر میں تھا۔ مناسب یہی سمجھا کہ

Marfat.com

ان تمام یرغمال کو آزاد کر کے خود سلامتی سے اپنی جان بچا کر نکل جائے۔ جب بات اس حد تک پہنچی کریب۔ ابراہیم اور تین دوسرے سرداروں نے پانچ دفعہ مسجد میں قسم کھائی کہ وہ امیہ کو کوئی گزند نہیں پہنچائیں گے۔ یہ سنکر اس نے تمام سرداروں کے بیٹوں کو رہا کر دیا۔ مگر خود روانگی میں کوئی تعجیل نہ کی۔ بلکہ یہ سمجھتے ہوئے کہ خطرہ اب ٹل گیا ہے۔ ایک اور کوشش سنبھالا لینے کی کی۔ مگر بگڑے حالات اتنی سرعت سے نہیں بنتے ہیں۔ اس بار یا اس بار کا تہیہ کر کے امیہ نے اپنی تمام بیویوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ اپنے گھوڑوں کو یا ہنکا دیا یا مروا ڈالا اس کے بعد جو قیمتی چیز بھی اس کے پاس تھی اس کو نیست و نابود کر کے تلوار سونت کے میدان میں کود پڑا اور جب تک جان نہ دے دی بے جگری سے لڑتا رہا۔

اب عربی گروہ کا کامل اقتدار تھا۔ ساری طاقت یمنی امراء کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے سلطان کو لکھ دیا کہ امیہ کا قتل بر بنائے بغاوت تھا۔ اگر وہ یہ نہ بھی لکھتے تو سلطان ان کا کیا بگاڑ سکتا تھا معاملات کی نوعیت سمجھنے کے باوجود وہ ان کے خلاف کسی قدم کے اٹھانے کے لائق نہ تھا۔ رہی سہی عزت کو ہاتھ سے جانے نہ دینے کی خاطر ان لوگوں کی بات پر یقین کر لینے میں مصلحت سمجھی اور ایک دوسرا گورنر پروانہ شاہی کے ساتھ بھیجدیا۔ یہ بیچارہ اور بھی ناکارہ ثابت ہوا۔ عنانِ حکومت دراصل کریب اور ابراہیم کے ہاتھ میں تھی وہ تو محض ایک کٹھ پتلی تھا۔ جو ان کے اشاروں بلکہ ان کے محکومین کے اشاروں پر ناچتا تھا۔ اس کو اخراجات کی رقمیں بھی انہیں کے ذریعہ ملتی تھیں۔ جن میں جب چاہے کمی واقع ہو جاتی۔ سلطان نے سوچا کہ لاؤ اپنے چچا ہشام کو بھی اس کے ساتھ مامور کر دوں کہ کچھ تو حالات روبہ صحت ہوں۔ مگر وہ سلطان کے رشتہ داروں کی بھی کیا پرواہ کرتے۔ اتفاق سے ہشام کے بیٹے متعارف (Mutaraf) کی شناسائی کریب کے چچیرے بھائی مہندی کی کنیز سے ہو گئی۔ یہ بات مہندی کو سخت ناگوار گزری اور مارے حسد کے وہ اس کی جان لینے پر تل گیا۔ ایک رات اس رہگذر میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جدھر سے متعارف آتا جاتا تھا اور پھر اس کو قتل کر دیا۔ ہشام کو بیٹے کی موت کی اطلاع فوراً دی گئی مگر اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ جا کر اس کی لاش کو اٹھا لیتا یہ خوف مسلط تھا کہ کہیں وہ لوگ اس پر بھی حملہ نہ کر بیٹھیں۔ رات بھر لاش یونہی سڑک پر پڑی رہی۔ قاتل کو سزا دینا حاکموں کے بس کی بات نہ تھی۔ گورنر نے واقعہ کی اطلاع سلطان کو بھیجی اس نے قاتل کو سزا دینے کی اجازت بھی چاہی اور ایک فوج بھی حالات پر قابو پانے کے لئے طلب کی۔

Marfat.com

یہ خطہ بیچ ہی میں اڑا دیا گیا۔ اور عربی سرداروں کے ہاتھ میں پڑا جنھوں نے سارا غصہ گو
پر اُتارا۔ اس کو اذیتیں بھی دیں اور کچھ دن کے لئے تو قید ہی کردیا۔ اور یوں ۸۹۱ء میں یہ با
بالکل واضح ہوئی کہ سلطان کا نمائندہ اشبیلیہ میں ذراسی بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ خود سلطان کی کو
اہمیت وہاں کے باشندوں کی نظر میں نہ تھی۔ اور ایک صوبہ اشبیلیہ ہی پر کیا موقوف تمام
صوبوں کا یہی حال ہو رہا تھا۔ وہ سلطان کی رعیت وہ بھی وفادار قسم کی بننے سے مستقل انکار
کرچکے تھے۔ ہر جگہ بغاوتیں تھیں۔ فتنے اور شورشیں۔ سلطان کا حکم بس قرطبہ کے اندر چلتا ہو تو چلتا
ہو۔ باہر اس کی آواز کوئی نہ سنتا تھا۔ مختلف حصوں کے اُمرا اپنی اپنی خود مختار سلطنت قایم
کرچکے تھے اور بادشاہ یا اس کے حکم کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ بنی حجاج اور خلدون کے علاوہ ابن
عطاف مینٹیا (Mentia) میں آزادی کے لطف اُٹھا رہا تھا۔ ابن سلیم میڈنا (Medina) کا مالک
بنا بیٹھا تھا۔ بنی سلیم اضلاع سڈونا پر اپنا سکہ جمائے ہوئے تھے۔ ابن داد ہا ورقا Morea پر
قبضہ جمائے ہوئے تھے۔ الانقار (Alanqar) سرقسط کا گورنر شاہی نمک خوار ہونے کے باوجود
اپنی من مانی کررہا تھا۔ اور بربریوں کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔ وہ تو بالکل ہی حلقہ اطاعت سے
باہر ہو گئے تھے۔ ملاحی (Mallahi) نامی ایک معمولی سردار نے قلعہ جین پر اپنا قبضہ جمالیا تھا۔
خلیل اور سعید دو بربری بھائیوں نے الویرا کے صوبہ کے دو قلعے تھیا لئے تھے۔ اس کے علاوہ
ایسٹریودورا (Estrewdura) اور الف تیجو (Mentigo) تو تقریباً تقریباً بالکل ہی بربریوں کے
زیرنگیں تھے۔ بنی فرانیک (Feranic) نفزہ (Nafza) اور ٹروکسیلا (Truxilla) میں چین
کی بنسی بجا رہے تھے۔ ایک اور بربری سردار ابن تقیط (Montanchez) جو قبیلہ مسمودہ سے تعلق
رکھتا تھا اور مرحوم سلطان محمد کے عہد میں بغاوت کرکے مریدا کا قلعہ قبضا چکا تھا۔ مستقل ابن
مروان حاکم بیڈاجو سے نبردآزما تھا۔ ان سب میں زیادہ طاقتور بنی ذوالنون تھے۔ جن کا
سردار موسیٰ تھا۔ اس کی حرکتیں شروع شروع میں تو بالکل ڈاکوؤں کی سی تھیں مگر جب
سرزنش نہ ہوسکی تو اس کی ہمتیں اور بھی بڑھ گئیں اور پھر تو وہ مستقل آگ و خون کا کھیل کھیلنے لگا۔
اس کے تین بیٹے جو بہادری میں اس سے کسی طرح کم نہ تھے مختلف حصوں پر دھاندلی سے اپنے
حق جمائے ہوئے تھے۔ یہ تینوں یعنی یحییٰ۔ فتح اور متعارف رہزنی اور ڈکیتی سے بھی نہ چوکتے
تھے اور اپنے علاقہ میں خود مختار بھی تھے۔ ایک اکلیس (Alcles) دبائے ہوئے تھا۔ تو دوسرا
ہیوتا (Hueta)۔

Marfat.com

بربریوں کا یوں رنگ جمتے دیکھ کر مولدین بھی ادھر اُدھر ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ صوبہ اکنوشبہ (Ocksonoba) جو اب پرتگال میں شامل ہے اور الگراو (Algrave) کہلاتا ہے وہاں بکر بن یحیی جو زاڈولفس (Zadulfus) کا پر پوتا تھا۔ حکومت قائم کئے ہوئے تھا۔ اس کے باپ یحیی نے محمد کے دور حکومت میں ہی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ پہلے اُسنے سنٹیا میریا (Santamaria) پر ہاتھ صاف کیا۔ پھر صوبہ کا صوبہ قبضا لیا۔ بار خود سلوپس Silves میں شاہی شان و شوکت سے رہتا تھا۔ ایک مشاورتی کونسل قائم تھی۔ اراکین حکومت تھے اور منظم فوج تھی۔ اس کے علاوہ سٹیا میل یا کچھ قدرتی طور پر اس قدر محفوظ تھا کہ اچانک اس پر قبضہ جمالینا آسان کام نہ تھا۔ اس کی اہمیت مذہبی متبرک مقام ہونے کی وجہ سے کچھ اور بھی بڑھ گئی تھی۔ بکر کا طریقہ اس وقت کے اس قسم کے قزاق نما حاکموں سے مختلف تھا۔ وہ لوگ زیارت یا عقیدت کا اظہار کرنے وہاں آتے تنہا یا کاروانوں کی شکل میں تو ان کو لوٹ لیتے یا تنگ کر دینے کے بجائے آرام اور سہولت بہم پہونچاتا ان کی حفاظت پر متعین رہتا۔ اس چیز نے اس کو یا اس صوبے کے باشندگان یا بیرونی حضرات سب میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ ابن حفصون اور ابن مروان سے مصالحت کی وجہ سے اس کی طاقت اور بھی بڑھ گئی تھی۔ عبداللہ نے اس کو اپنی دوستی اور الطاف و اکرام سے موہ لینا چاہا۔ اس صوبے کا گورنر بنا دیا۔ اس کو بھلا اس گھر بیٹھے عزت ملنے میں کیا تامل ہو سکتا تھا خوشی سے یہ عہدہ قبول کر لیا۔

سینٹ میریا کے شمال میں عبدالملک بن ابی جواد نامی شخص کا دور دورہ تھا۔ جو بکر بن یحیی کا دوست تھا۔ بیجا (Beja) اور مرتولا Martola جیسے مشہور شہر اس کے قبضے میں تھے۔ مشرق کی جانب برگو Preigo کے کوہستانی علاقہ میں ابن مستانہ کا رنگ جما ہوا تھا۔ یہ سب ابن حفصون کے یارانہ گانٹھے ہوئے تھے۔ اس کے پاس بھی کیراکوبیا (Cakcnbolia) جواب Caral کہلاتا ہے اور تقریباً ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ اسی کے پاس تھا۔ خیر ابن شاکر (Shaker) جین Jean (Khar-ni) کے حدود میں اپنی آزادی کے مزے لوٹ رہا تھا۔ اشبیلیہ کے امیر سیوار سے لڑ بھڑ کر اس نے کئی قلعے فتح کر لئے تھے اور اپنی حدود کو وسیع کر لیا تھا۔ سعید بن ہزیل مانٹی لائن (Onje line) کو ہتھیائے بیٹھا تھا۔ قبیلہ بنی ہابیل کے چار بھائی مرغریطہ (Morgarija) اور سان استیوان (San stevan) کے علاقوں پر اپنا حق جتا رہے تھے۔ اور وہاں کے متعدد قلعوں کو اپنے قبضہ میں کئے ہوئے تھے۔ ابن شالیہ الگ قسطونہ Cantona

Marfat.com

اور اس نے مضافات پر قابض تھا۔ اس کے علاوہ دیسام ابن اسحاق مرسیہ۔ لورقا اور تدمیر کے علاقہ پر مطلق العنانی سے حکومت کر رہا تھا۔ اس طرح یہ عظیم الشان دعریض سلطنت ٹکڑوں میں بٹ گئی تھی۔ بادشاہ کا سکہ اگر کہیں چلتا تو بس دارالامارت کے قرب وجوار میں باقی سب لوگ یا تو خود مختار تھے۔ یا بادشاہ کی خوشنودی حاصل کر کے وہاں کے حاکم اور گورنر بن گئے تھے۔ اور معمولی سا خراج سالانہ پیش کر کے مکمل عیش اور آزادی کا لطف اٹھاتے تھے ابن حفصون سے دوستی پر بیزیادہ نازاں تھے۔ بجائے سلطان کے اس کی کمزوری اور بزدلی کا حال سب پر آشکارا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ سب امیروں کو اندازہ تھا کہ وہ کیا معمولی معمولی ڈاکو بھی شاہی فوج کی دسترس میں نہیں آسکتا تھا۔ اور اس کی طاقت سے مرعوب نہیں ہو سکتا تھا۔ خود بادشاہ کے نزدیک شورش پسندوں کی سرکوبی کا ذریعہ فوج کشی نہ تھا بلکہ دوستانہ طریقہ تھا۔ جو کوئی سر اٹھاتا تھا اور تھوڑی بہت طاقت بھی حاصل کرتا تھا اس کو فوراً پروانہ گورنری عنایت کر دیا جاتا تھا۔ اور یوں گویا اپنے خیال میں اس فتنے سے نجات حاصل کر لی جاتی۔

ابن حفصون سے مزاحمت

ان مختلف مولدین میں سرداروں کے ابھرنے اور ان کے طاقتور ہو جانے کی وجہ سے ابن حفصون کے قدم اور بھی مضبوط ہو گئے تھے۔ وہ سب کے سب خوشامد میں لگے رہتے تھے اور اس سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے اپنی حیثیت کو کسی قدر مستحکم سمجھتے بادشاہ کے نکمے پن کا احساس ان سب کو کیا خود اس کے ارکین سلطنت کو بخوبی تھا۔ ایسے میں اتنی بڑی حکومت کی باگ ڈور کمزور ہاتھوں میں چھوڑ دینے کی بات ابن حفصون کو پسند نہ آئی۔ اس نے عباسی خلیفہ کی خدمت میں قیمتی تحفوں کے ساتھ یہ عریضہ بھیجا کہ اگر خلافت عباسیہ اس کو مدد دینے اور والیٔ اندلس بنا دینے کا وعدہ کرے تو وہ اموی بادشاہ عبداللہ سے ٹکر لے کر اسپین پر عباسی پرچم لہرا سکتا ہے۔ ادھر ابن حفصون کے سفیر افریقہ روانہ ہوئے۔ ادھر بادشاہ کے محکمۂ جاسوسی نے فوراً یہ خبر اس کے کانوں تک پہنچائی۔ عبداللہ کو اب احساس ہوا کہ اس کی کمزوری کیا گل کھلانے والی ہے اور اگر یہی انداز کچھ دن اور باقی رہے تو بنی بنائی سلطنت سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ باپ دادا کی تعمیر کردہ اتنی مضبوط حکومت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اموی خاندان کا اقتدار خاک میں مل جائے گا مشرق میں وہ اپنا اثر پہلے ہی کھو چکے تھے۔ رہی سہی حکومت اندلس وہ بھی سرک گئی تو ان کو ساری

Marfat.com

دائی میں سر چھپانے کا کہیں ٹھکانہ بھی نہ ملے گا۔ اسی خدشہ کو محسوس کرتے ہوئے ایک بار ہتھیار اٹھانے کی سوچی۔ ابن حفصون کے مزاج ٹھکانے لگانے کا ارادہ کیا۔

دار الخلافہ میں جو یہ بات پھیلی تو لوگ سخت متعجب ہوئے اُن کو یقین ہی نہ آیا۔ کہ امیر اس بات کا بھی ثبوت دے سکتے ہیں۔ ابن حفصون کی بے انتہا طاقت اور وسیلوں سے بھی وہ واقف تھے۔ اس لئے بادشاہ کو سمجھانا چاہا کہ وہ فوج کشی کے ارادے سے باز آئیں۔ اور پہلے اپنی قوت اور وسائل کا اندازہ کرلیں۔ اس سے قبل بھی جب مئی ۸۸۹ء کے آغاز میں اُنہوں نے ابن حفصون کے خلاف لشکر کشی کی تھی تو کوئی اُمید افزا نتیجہ نہ نکلا تھا۔ چالیس دن تک چھیڑ چھاڑ چلتی رہی۔ مگر حاصل کیا ہوا۔ کچھ معمولی سے قلعہ یا تیار کھتیاں۔ اور اس کا انجام یہ ہوا کہ جیسے ہی اس کی پشت پھری ابن حفصون نے استیبیا (Stela) اور سونا (Ossona) کو اپنے حدود میں شامل کرلیا۔ اور اے سی جا (Ecija) کے باشندوں نے آکر اس سے یہ درخواست کی کہ وہ بادشاہ سے آزاد کرا کے ان کو اپنی رعایا میں شمار کرنے لگیں۔ چنانچہ وہ حصہ بھی بادشاہ کے ہاتھ سے نکل گیا دل کے بہلانے کو یہ کہہ دیا گیا کہ وہاں تو نحس انسان بستے ہیں جب اہلیان قرطبہ نے اس کو چھوڑ دیا تو پھر نحس انسان ہی اس پر اپنا قبضہ رکھ سکتے تھے۔ اس پچھلی مثال کو سامنے رکھتے ہوئے امراء نے پُرزور طریقے سے یہ عبداللہ سے اپیل کی کہ بات کو طول دینے کی بجائے نرمی سے سلجھائے ورنہ فائدہ پھر بھی کچھ نہ نکلے گا۔ مگر مایوسی جب انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر یا تو انسان بالکل ہاتھ پیر چھوڑ دیتا ہے یا ایک آخری کوشش کرنے کے لئے کمر کس لیتا ہے۔ اس بار تو عبداللہ اپنے ارادوں پر مستقل مزاجی دکھا کر ہی رہا۔ ابن حفصون نے جو یہ رنگ دیکھے تو بادشاہ کو پرچانے کے لئے اپنی اطاعت اور وفاداری کا ثبوت دینا چاہا۔ بشرطیکہ اسے اس کے مقبوضہ علاقہ کا گورنر بنا دیا جائے۔ امیر عبداللہ جو امن کو ہمیشہ جنگ پر ترجیح دیتے تھے۔ اس بات پر رضامند ہوگئے مگر یہ صالحت بھی وقتی ثابت ہوئی۔ کچھ ہی عرصہ بعد ابن حفصون نے ابو حرب پر جو بادشاہ کا دوست تھا حملہ کردیا۔ اور پھر اسے قتل کرکے اس علاقہ کو اپنی حدود میں شامل کرلیا۔ اس حرکت نے اس پر یہ ثابت کردیا کہ اس سے بغیر ہتھیار ٹکرائے بنے گی نہیں۔ مگر بات کو ابھی اور بگڑنا مقصود تھا۔

ابن مستانہ جو ابھی تک ابن حفصون کا دوست تھا محض لوٹ مار کی خاطر عربوں سے مل کر وہاں کی رعایا کو تنگ کرنے لگا اور اُن پر پے در پے حملہ کرنے لگا۔ اُنہوں نے گھبرا کر امیر سے درخواست

کی کہ اس مصیبت سے چھٹکارا دلائیں۔ امیر اپنی قوت کو فی الحال کسی اور محاذ پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ مگر رعایا کی التجا پر کان نہ دھرنا یہ بھی ممکن نہ تھا۔ یہ عرب قلعۃ الیعیسب میں پناہ گزین عبداللہ نے ابن مستانہ کے ہاتھوں ان لوگوں کو نجات دلانے کا وسیلہ یہی سوچا کہ ابن حفصون سے مدد لی جائے۔ یہ شخص فوراً تیار ہوگیا۔ مگر اس کے ارادے نیک نہ تھے۔ جب سلطان کی فوجوں نے جو ابراہیم ابن حمیر کی سرکردگی میں تھیں۔ کے ساتھ شامل ہوا تو اس نے خاموشی سے یہ پیغام ابن مستانہ کو بھی بھجوا دیا کہ اس کا مقصد اس کو کوئی گزند پہنچانا نہیں ہے لیکن عربوں کی حمایت اور ان کے ساتھ تعلقات یہ بھی اسے پسند نہیں ہے۔ فی الحال تو وہ اپنی کارروائی جاری رکھے مگر موقع ملتے ہی وہ اپنا رشتہ ان سے منقطع کرلے۔ ادھر رفتہ رفتہ شاہی فوجوں پر ابن حفصون نے اپنا اتنا اثر جمایا کہ وہی اصلی معنوں میں ان کا سردار نظر آنے لگا۔ جس سپاہی کو چاہتا ڈانٹ دیتا۔ جس کو چاہے قید کرلیتا جس کو جو چاہے سزا دیتا۔ اکثر کے گھوڑے چھین کر اپنے سپاہیوں میں تقسیم کردیئے۔ جب ابراہیم نے کوئی اعتراض کیا تو اس کو بھی سخت سنا دیا۔ جب بات بڑھی تو اس نے اس کو بھی اور چند اور اموی سرداروں کو بھی قید میں ڈال دیا اور بادشاہ کے خلاف جنگ پر تل گیا۔ اپنے ساتھ قرطبہ کے عیسائیوں کو بھی ملا لیا۔ جن میں کاؤنٹ سرواندو **Serranda** کافی ذی حیثیت اور ذی حشم تھا۔ اس کی بے جا حرکتوں کی اطلاعات جب ملی تو سزا اس کے بھائی کو گرفتار کرلیا۔ خود سراوندرو وہاں سے بھاگ نکلا اور پولی **Polin** نامی قلعہ پر جو قرطبہ سے تھوڑے فاصلہ پر جنوب کی جانب تھا قبضہ کرلیا۔ اور ابن حفصون کو ان تبرات کی اطلاع دیتے ہوئے مدد کی درخواست کی۔ جو فوراً قبول ہوئی تھوڑے بہت سپاہی بھیج دیئے گئے اور اس کو خوب اکسایا گیا کہ بادشاہ کے خلاف جارحانہ کارروائیاں جاری رکھے اس نے لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ رات رات بھر ادھر ادھر چھاپے مارا کرتا۔ صبح کو اپنے قلعہ میں آکر چھپ جاتا۔ مصلحت ایزدی کہ وہ خود تو ایک ایسی مجرمانہ حرکت کرتے ہوئے قتل ہوا۔ مگر اس کے ساتھی اسی تندہی سے وہ حرکات کرتے رہے۔

اس دوران میں ابن حفصون نے اپنی طاقت کو اور بھی مضبوط اور وسیع کرلیا۔ **Beona** کا قلعہ چھین لیا اور اس کے بعد وادی الکبیر سے ملحق تمام علاقے پر اپنا رنگ جمالیا۔ اور یہی وقت تھا جب اس نے ابن اغلب والی افریقیہ کو بہت سے قیمتی تحفہ تحائف بھیج کر یہ درخواست کی تھی کہ وہ عباسی خلیفہ سے اس کو پروانہ امارت دلا دے۔ اس کو یہ کامل یقین ہوگیا تھا کہ قرطبہ پر اس کا پرچم بہت

Marfat.com

...لد لہرانے والا ہے۔ اس خوش فہمی کے سہارے اس نے اسے سی جا میں اپنا ایک اور ہیڈ کوارٹر
...ئم کیا۔ کبھی کبھار پوہ کا بھی رُخ کرنا شروع کر دیا کہ اس قلعہ کو جس قدر بھی مضبوط کر سکتا تھا
...ردے تاکہ ہنگامی حالات میں کام آئے۔ قرطبہ میں خوف وہراس کی لہر دوڑی ہوئی تھی۔ لوگوں پر
...یب مایوسی اور کرب کا عالم چھایا ہوا تھا۔ خزانہ خالی تھا۔ صوبجات اکثر و بیشتر علیحدہ ہو چکے تھے
...سے کسی مالی یا فوجی مدد ملنے کی اُمید نہ تھی مگر خدا کی ذات سے اُمید تھی۔ اور اسی کے سہارے
...۸۹ء کے اواخر میں جب ابن حفصون کا ایلچی خیر ابن شاکر (Khar ibne.shakar) جو اس
...نت جودار Todar ؛
میں اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھا۔ کے قتل کرنے کی اسکیم لے کر سلطان کے پاس پہنچا تو اس
ایک اور ہی قسم کی اُمید اور توقع بندھتی نظر آئی۔ خیر ابن شاکر بادشاہ کا تو خیر دشمن تھا ہی ابن حفصون
...ے بھی مکر و فریب کی چالیں کھیل رہا تھا۔ اور حقیقتاً اپنی اُمیدیں امیر تدمیر دلسا (Vasa سے وابستہ
...لئے ہوئے تھا ابن حفصون نے خیر کی بظاہر مدد کے واسطے کچھ فوج کا حصہ روانہ کیا مگر اس کے
...ردار ایل او ہمیر Eloaemar) کو ایسے غدار کا سر قلم کرنے کی ہدایت دیدی۔ یہ کام جب تکمیل
...لیا تو ابن حفصون نے قلعہ کبر (cobra) کا محاصرا کر لیا جس کا حاکم سلطان کا حلیف تھا۔ اب
...ت کے بننے کی اُمید قطعاً باقی نہ رہی تھی طے یہی پایا کہ یا اس سرے یا اُس سرے مقابلہ بہر صورت
...ن حفصون سے کرنا ہی پڑے گا۔

جنگ اگیولریا پولی

مگر ابن حفصون سے مقابلہ کوئی بچوں کا کھیل نہ تھا۔ سلطان کو اندرونی حالات سے
...ری واقفیت تھی اور ساتھ ہی ساتھ ابن حفصون کی غیر محدود طاقت سے بھی۔ مگر ان کا یہ عزم
...رہنائے مجبوری اور بیچارگی تھا کہ اس کے سوا ہر حربہ اور ہر طریقہ استعمال کیا جا چکا تھا۔ اور
...نتیجہ صفر تھا۔ خود جب ابن حفصون کو بادشاہ کے ارادوں کی خبر ہوئی تو اس کو یقین نہ آیا اور
...پانچسو اشرفیاں اس شخص کو بطور انعام دینے کا وعدہ کیا جو سب سے پہلے یہ خبر لائے کہ بادشاہ
...واقعی جنگ کی آگ میں کودپڑنے کے لئے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ خبر اس کو جلد ہی مل گئی اور وہ انعام

کی رقم بھی گرہ سے دینا ہی پڑی۔ بادشاہ نے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، سقندہ (Seranda) میں اپنے خیمے نصب کر دیئے ابن حفصون نے جو اس وقت اسے سی جا میں مقیم تھا یہ سوچا کر گر بہ گزشتن کے مصداق ابھی سے بادشاہ کے خیموں کو نذرِ آتش کر کے یہ بکھیڑا ہی ختم کر دو چند سوارے کر وہ خاموشی سے سقندہ پہنچ گیا۔ اور جو محافظ نوج۔ غلام اور تیر انداز وہاں متعین تھے، اُن پر حملہ کر دیا۔ مگر وہاں کچھ ایسا سخت مقابلہ کرنا پڑا کہ دانت کھٹے ہو گئے اور بجز فرار کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ بادشاہ کے سپاہیوں نے اس کا پیچھا کر کے متعدد آدمیوں کو قتل کیا۔ اور ان کے گھوڑوں کو چھین لائے۔

ابن حفصون جب پولی میں اپنی پناہ گاہ پر پہونچا تو اُس کے ساتھ بمشکل ایک سوار تھا جو زندہ بچ سکا تھا۔ بادشاہ کو جو خبر ملی تو اُس کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے۔ اور اس ضمنی فتح کو ایک شگونِ نیک کی طرح سمجھا گیا۔

اب عبداللہ چودہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ قوتِ بازو آزمانے نکلا۔ اس تعداد میں تقریباً دس ہزار تو نئے بھرتی شدہ تھے اور جو قسمت آزمانے بادشاہ کی فوج میں آشامل ہوئے تھے۔ باقی البتہ تربیت یافتہ تھے اور جنگی اُصولوں سے واقف اور بحیثیت محافظ عرصہ سے فوج میں شامل بھی رہ چکے تھے۔ ۱۵۔اپریل ۸۹۱ء یہ لشکر پولی کے قریب کوئی آدھے کوس پر خیمہ زن ہوا۔ ابن حفصون بھی تیس ہزار بہادروں کے ساتھ بادشاہ کے مقابلے کے لئے آ جا۔ گمان یہ ہوا۔ کہ دوسرے دن جو عیسائیوں کا تیوہار[1] کا دن تھا۔ آغازِ جنگ ہو جائے گا۔ عبداللہ کی فوج کی کمان عبدالملک بن اُمیّہ کے ہاتھوں میں تھی۔ جس نے شروع ہی میں ایسی غلطی کی کہ اگر اس کا بر وقت احساس قبیلہ بنی ابی عابدہ کے ایک سردار عبید اللہ کو نہ ہو جائے تو ساری فوج کٹ کر مر جائے۔ پہلے ہی حملے میں وہ اپنی فوج کو لے کر اس تیزی سے بڑھا کہ پہاڑ کے دامن تک جا پہنچا۔ جہاں اس کا گھر جانا یقینی تھا۔ واپس لوٹنے کے معنی تھے کہ سپاہ نے ہمتیں ہار کر راہِ فرار اختیار کی۔ عبیداللہ نے بادشاہ سے مشورہ کر کے حملہ اسی زور شور سے جاری رکھا۔ ابو مروان جو مشہور معروف فقیہہ یحیٰی ابن یحیٰی کا لڑکا تھا پورا زورِ خطابت کر کے سپاہیوں کے دل بڑھانے لگا۔ اسی دوران میں ایک حادثے نے سپاہیوں کے دل پر برا اثر ڈالا۔ بادشاہ کے خیمے میں جب

---

[1] Good Friday

Marfat.com

...س کے لئے چھتر لگایا جا رہا تھا تو اتفاق سے ایک بانس ٹوٹ گیا اور چھتر گر پڑا۔ یہ بہت بڑی بدشگونی ...ی خصوصاً جبکہ جرأتیں پہلے ہی سے پست ہوں مگر وہاں پر موجود کئی افسران نے اس کو جدا گانہ ...نگ دے کر لوگوں کی ہمتوں کو ڈوبنے نہ دیا۔ اسی وقت رہاشی Tehashi نامی شاعر اور ...نور مانے کچھ ایسی تندہی سے حملہ کیا کہ غنیم کی فوج میں ہل چل مچ گئی۔ اِدھر بادشاہ نے اپنی تقریروں ...ے ہمتیں بلند کیں۔

ادھر ابن حفصون کے میمنہ میں سخت انتشار پیدا ہوگیا یہ عالم دیکھ کر شاہی فوجیں بازو کی طرف ...بسرہ پر بھی جھپٹ پڑیں جنگ کا نقشہ ہی کچھ سے کچھ ہوگیا۔ ابن حفصون کی فوجوں میں بھگدڑ ...ع گئی۔ بہت سے اے سی جا بھاگ گئے جبکہ حفصون نے قلعہ اگیولر میں پناہ لی جس کا محاصرہ کرلیا ...یا۔ حفصون نے نزاکت معاملہ کو دیکھتے ہوئے یہ طے کیا کہ یہاں سے فوراً نکل جانا چاہئے ورنہ ...انمہ یقینی ہے۔ بہت کچھ سمجھانے بجھانے کے باوجود جب وہ لوگ نہ مانے تو ابن حفصون نے قلعہ ...وچھوڑ دینا ہی غنیمت سمجھا۔ بدبختی کہ جب وہ بھاگا تو بادشاہ کے نگراں سپاہیوں نے اسے دیکھ لیا ...ور سختی سے تعاقب کیا۔ کچھ تقدیر نے یاوری کی جو صحیح سلامت آرچی دونہ (Archidona) ...ہو نچ گیا اور بغیر قیام کئے اپنے ساتھیوں کو لے کر بوباسٹر میں پناہ گزین ہوا۔

امیر عبداللہ نے قلعہ اگیولر یا پولی پر اپنا قبضہ جمایا اور بارگاہ ایزدی میں سجدۂ تشکر بجا ...یا کہ جس نے اس کو اتنی عظیم الشان فتح دی۔ یہ جیت عبداللہ کی حقیقتاً دوسری زندگی تھی۔ ...د اسے بعد خرابی بسیار نصیب ہوئی۔ ان کی پست ہمتیں ایک بار پھر بلند ہوگئیں ان کی مُردہ ...روح میں پھر سے جان پڑ گئی۔ یہاں پر بہت سا مال و متاع بھی ہاتھ آیا۔ ہتھیار۔ زر و جواہر ...ور خزانے بھی۔ بہت سے قیدی جو مسلمان ہوئے۔ بہت سے مرتد پھر دائرہ اسلام میں آئے۔

اگیولر کے بعد اے سی جا کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بھاگے ہوئے بہت سے سپاہی ...ہیں مقیم ہوئے تھے۔ اور بہ اعتبار اہمیت بھی یہ قلعہ خاصا تھا۔ شومئی قسمت کہ وہاں سامان ...رسد زیادہ مقدار میں موجود نہ تھا چند ہفتے تو جیسے تیسے محاصرہ کو روکا گیا مگر پھر صلح کی بات ...بات چیت شروع کرتے ہی بن پڑی۔ اہلیان اے سی جا نے کچھ شرطیں رکھنا چاہیں۔ جو ...میر نے مسترد کردیں۔ اور غیر مشروط طور پر ہتھیار رکھ دینے کا مطالبہ کیا۔ ردو قدح کے ...بعد کچھ شرائط قابل قبول سمجھی گئیں اور اے سی جا پر شاہی پرچم ایک بار پھر لہرانے لگا۔ یہاں ...سے آگے بڑھ کر آرچی ڈونہ کا محاصرہ کرلیا گیا۔ جو تابِ مقاومت نہ رکھتے ہوئے امیر کے

مقبوضات میں شامل ہوگیا اس کے بعد الویرا کی طرف رُخ کیا گیا۔ اور وہاں بھی کام
نے شاہی دستوں کے قدم چومے۔ بعد ازاں جین (Jean) نے بھی الویرا کی طرح
شکست قبول کرلی۔ اور یوں سلطنت کی گری ہوئی حالت سنبھل گئی۔

باب (۳۷)

عبداللہ کے آخری ایام سلطنت

جنگ اگیولر کی فتح سلطنت اموی کی گرتی ہوئی دیواروں کا ایک ایسا سہارا بن گئی کہ جس سے اس کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر ہوگئیں۔ ابن حفصون کی عظمت کو وقتی طور پر تو شدید صدمہ پہونچا۔ دربار افریقہ میں اس کے ایلچیوں کی پچھلی سی آؤ بھگت ختم ہوگئی۔ اور اُن کے ساتھ سرد مہری کا سلوک ہونے لگا۔ جو راہزن اور غارت گر لوٹ مار اپنا پیشہ بنائے ہوئے تھے اس پسندی کی زندگی کو ترجیح دینے لگے۔ کاشتکاری اور زراعت کی حالت روبہ اصلاح ہوئی۔ تجارت میں گرمی پیدا ہوئی اقتصادی حالت سنبھلنے لگی۔ تاجر اور صنّاع پھر سے اپنے اپنے کاروبار میں لگ گئے۔ ایک بار گرا ہوا اقتدار پھر قایم ہوگیا۔ خود شہریوں اور رعایا نے فتنہ و فساد میں کوئی مفرت دیکھ کر خاموش اور امن کی زندگی کو مناسب سمجھا۔

ابن حفصون کی طاقت پر اس میں کوئی شبہ نہیں ضرب شدید لگی تھی۔ مگر اس کی مکّارانہ روش میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ بلکہ وہ اسی کے بل بوتے اپنی ناگفتہ بہ حالت کو سنبھالنے پر آمادہ تھا۔ مصلحت اندیشی کی خاطر اس نے بادشاہ سے صلح کے نامہ و پیام شروع کر دیئے اپنی ہمدردی اور وفاداری کا یقین دلایا۔ بادشاہ اپنی کم بینی یا امن پسندی کی وجہ سے ایک بار پھر اس کے جال میں آگئے اور اس کی طاقت کے مکمل طور پر قلع قمع کردینے کے بجائے اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر صلح کرنے پر راضی ہوگئے لیکن ابن حفصون کے لڑکوں کو بطور یرغمال طلب کیا۔ اس نے فوراً خواہش کی تکمیل کردی۔ مگر اس طرح سے کہ اپنے بیٹوں کے بجائے خزانچی کے لڑکے کو داخل خدمت

اعزاز کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ یہ چال جب کھلی تو بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور ابن حفصون سے اس کی اس عیارانہ حرکت کا جواب طلب کیا۔ اور اس کے اصلی بیٹے کو اس خزانچی کے بیٹے کی جگہ پر بھیجنے کے لئے لکھا۔ ابن حفصون نے اس بات سے انکار کر دیا۔ جنگ کے بادل پھر منڈلانے لگے۔

ابن حفصون نے فوراً اہلیان آرچی ڈونہ کو علم بغاوت بلند کرنے پر راضی کیا۔ انہوں نے اس کی باتوں میں آکر ان دونوں حاکموں کو جو حکومت کی طرف سے متقرر تھے۔ قید کر کے ابن حفصون کے سپرد کر دیا۔ جنھوں نے فوراً اپنی فوجوں کے ساتھ ۸۹۱ء میں شہر کے اندر داخل ہو کر قبضہ جما لیا۔ یہ آگ جو بھڑکی تو اس نے ملک کے دوسرے حصوں کو بھی اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ایلورا Elvira نے فوراً آرچی ڈونہ کی مثال پر عمل کیا۔ اور حکومت سے بغاوت کر کے ابن حفصون کا دم ایک بار پھر بھرنے لگے۔ مگر عبداللہ کے حامیوں کو یہ بات ناگوار گزری انہوں نے تھوڑی بہت طاقت جمع کر کے گورنر عبیدہ سے مدد کی درخواست کی۔ اور یہ مدد ملتے ہی ہمدردانِ ابن حفصون پر ٹوٹ پڑے۔ باغیوں کی جماعت کو شہر سے نکال کر پچھلے گورنر کو پھر منصب گورنری پر فائز کر دیا۔ اس دوران میں امیر کی جانب سے فوجی امداد آ گئی۔ اور ایک دوسرے قلعہ کارابے Caraby کا محاصرہ کر کے قبضہ کر لیا گیا۔ ابن حفصون خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھا کیا۔ مگر جیسے ہی شاہی فوجیں دارالامارت واپس گئیں اس نے اپنی فوجوں کو حرکت دی۔ ایلورا کے لوگوں کو پھر شرارت پر آمادہ کر لیا گیا۔ جس نے بغاوت پر کمربستہ ہو کر شہر کے اندر مشعلیں جلا کر ابن حفصون کو یہ اشارہ کیا کہ اب حملہ کرنے کا وقت ہے چنانچہ وقت اور حکمت عمل سے فائدہ اٹھا لیا گیا۔

ابن حفصون کی مزید شرارتیں

یہ اچانک حملہ حاکمانِ سلطنت کے لئے ایٹم بم سے کم نہ تھا جب تک وہ اس افراتفری اور شور و شغب کا صحیح مطلب معلوم کریں۔ اس وقت باغی اپنا کام پورا کر چکے تھے۔ گورنر کو قید کر کے قتل کر دیا گیا۔ دوسرے اراکین کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے گئے۔ یہاں اپنا قبضہ جماتے ہی ابن حفصون۔ ابن جودی اور عرب سرداران غرناطہ کی طرف رجوع ہوا۔ ابن جودی بیچارے نے جلدی میں کچھ طاقت جمع کی۔ مگر اس سے پہلے کہ اس کے حامی مدد کو پہنچیں ابن حفصون کی فوجیں یلغار کرتی ہوئی آ گئیں۔ اور ابن جودی کو سخت ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ فتح و نصرت پر شاداں و فرحاں ہو کر ابن

Marfat.com

حفصون اب جین کی طرف بڑھا۔ جہاں تھوڑی سی مزاحمت ہی کے بعد کامیابی حاصل ہوگئی۔ وہاں حکومت کے ارکان کو قتل کر کے اپنا گورنر مقرر کر دیا۔ اور پھر قلعہ بوباسٹرو واپس آگیا۔ اور ۸۹۲ء کے آخر تک اس کو وہ سب کچھ حاصل ہوگیا۔ جو کچھ عرصہ قبل ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ بجز پولی اور اسے سی جا۔

سعید ابن جودی کا قتل

ادھر ابن حفصون کی پشت بوباسٹرو کی طرف مڑی کہ لشکر شاہی میں جنبش شروع ہوئی ۸۹۳ء میں ایک مختصر حملہ بوباسٹرو کے اوپر کیا گیا۔ مگر وہاں کامیابی کے زیادہ امکانات نہ دیکھ کر ایلورا کی طرف بڑھ آئے شہزادہ متعارف جو فوج کی قیادت کر رہا تھا۔ شہریوں کو پہلے وعدۂ فردا اور گرانبہا امیدیں دلا کر موہ لینا چاہا کچھ اپنی کمزوری کچھ امید افزا وعدوں کی خاطر شہری شہزادے کی پیشکش قبول کرنے پر رضامند ہو ہی گئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔ یوں بھی ان کو کوئی کد بادشاہ سے نہ تھی۔ بلکہ سعید ابن جودی سے ساری مخالفت اور مناقشت تھی۔ خود ان میں تفرقہ پردازی ہوگئی۔ کچھ تو محبان ابن جودی ہوگئے اور کچھ والی الحمہ محمد ابن ادہا Mohd. Bin odha کے ساتھی بن گئے۔ خود ابن جودی ابن ادہا کا اتنا سخت مخالف تھا کہ اس کی گرفتاری یا سر لانے کا بیش انعام مشتہر کر دیا۔

اس کی ان حرکتوں کی وجہ سے اور بہت سے عرب سردار اس کے مخالف ہوگئے تھے۔ مگر اس کی جان ابو عمر عثمان کے ہاتھوں گئی کہ جس کے جذبات اس وجہ سے زیادہ مشتعل ہوگئے تھے کہ اس کی بیوی سے ابن جودی نے ناجائز تعلقات قائم کر لئے تھے۔ یہ دونوں ایک یہودی کے گھر میں ملا کرتے تھے۔ جہاں دسمبر کی ایک سرد رات میں ۸۹۷ء میں ابو عثمان چھپ کر بیٹھ گیا اور جیسے ہی سعید ابن جودی وہاں پہنچا اس کو قتل کر دیا۔

اس قتل سے مخالفتیں اور بڑھ گئیں۔ قاتل تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر غرناطہ کے شمال میں ایک چھوٹا سا قلعہ نویلکس میں خاموشی سے پہونچ گیا اور ابن ادہا کو امیر منتخب کر لیا۔ اور عبداللہ سے درخواست کی کہ ان کی اس حرکت کی بازپرس اس وجہ سے نہ کی جائے کہ ابن جودی امیر کا بہی خواہ نہ تھا۔ اور سلطنت کے مخالفین میں سے تھا۔ امیر نے مصلحت وقت دیکھتے ہوئے درگزر کیا۔ اور ابن ادہا کو پروانۂ امارت عطا کر دیا۔ مگر وہ تمام عرب جو ابن جودی کے دوستوں میں سے تھے اس پروانہ پر سر تسلیم کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ خدام ابن معافہ اور اسدی جیسے شاعروں کی دلسوز نظموں اور مرثیوں نے جو ابن جودی کے اس قتل کے سلسلہ میں تصنیف

Marfat.com

کئے تھے۔ اور بھی آگ لگادی۔

اس مناقشت نے باہمی جنگ وجدال شروع کرا دیا۔ اور عرب سردار آپس ہی میں لڑ بھڑ کر جان دینے لگے۔ بادشاہ خاموشی سے اس ساری جنگ کا تماشا دیکھتے رہے۔ اور اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے انہوں نے اپنی طاقت کو اور بہت سے باغیوں اور مخالفین کے خلاف استعمال کرنا مناسب سمجھا۔ دو فوجیں ہر سال مختلف سمتوں کو روانہ کردی جاتیں۔ جو باغیوں کے سارے کس بل نکال دیتیں۔ لیکن اگر کوئی باغی خراج دینے یا بادشاہ کی عظمت کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہوجاتا تو اس کو کوئی گزند نہ پہنچاتیں۔

اشبیلیہ پر حملہ اس قسم کے مہات پر خرچ تو کم آیا مگر مالِ غنیمت کی حیثیت سے حاصل بہت کچھ ہوا ۸۹۵ء میں اشبیلیہ کی سمت بھی ایک فوج روانہ کی گئی۔ وہاں کے حالات میں کوئی خاص ردّوبدل نہ آیا تھا۔ وہاں کا گورنر امیر کے ہی ایما سے مقرر ہوتا چچا ہشام ہنوز وہاں قیام پذیر تھا مگر کاروبار سلطنت ابھی تک امراء عرب کے جو بنی حجاج اور خلدون سے متعلق تھے کے ہاتھ میں تھا۔ ابراہیم ابن حجاج اور کریب کا بھائی خالد ابن خلدون وہاں کے معاملات میں کلّی دخل رکھتے تھے امیر نے ان کو ۸۹۵ء میں اپنے حضور طلب کیا اور والئ شڈونہ سلیمان کو بھی۔ یہ لوگ سمجھے کہ شاید کوئی مہم مولدین تدبیر کے خلاف بھیجنا مقصود ہے۔ جو ان لوگوں کو طلب کیا گیا ہے۔ مگر جیسے ہی ان کو پتہ چلا کہ مہم دراصل تدبیر کے خلاف نہیں روانہ کی جارہی ہے بلکہ اشبیلیہ کی طرف تو وہ لوگ بہت سٹ پٹائے۔ سلیمان تو کسی نہ کسی طرح نکل بھاگا مگر باقی لوگوں کو مستعارف نے قید کرلیا کریب کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا کہ اس کا بھائی اور دیگر لوگ قید کرلئے گئے ہیں۔ تو سخت تاؤ آیا اور ہشام کے محل میں گھس کر اس کو قید کرلیا۔ اور اسے مجبور کیا کہ وہ شہزادے کو لکھ کر ان کی رہائی کا مطالبہ کرے ورنہ خود اس کا سرتن سے جدا کر دیا جائےگا۔ ہشام کو بادل ناخواستہ اس کی بات ماننا ہی پڑی۔ مگر متعارف کے اوپر اس تحریر کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اور وہ اشبیلیہ کی جانب بڑھتا ہی رہا۔ اور شہر کے سامنے پہونچ کر کریب کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا۔ ورنہ سخت نتائج بھگتنے کے لئے تیاری کرنے کی تاکید کی۔ بلاچون وچرا کریب نے شہر کے پھاٹک کھول دیئے۔ ہشام کو آزاد کردیا۔ اور اشبیلہ متعارف کے قبضہ میں آگیا۔

مزید فتوحات اشبیلیہ کی فتح ایک عظیم فتح تھی اس کے بعد شاہی فوجوں کے رُخ ماٹی

Marfat.com

ن (Montifrio) اور مانٹی گوڈو Montigodo کی طرف مڑ گئے۔ جہاں کریب کا حامی
لب ابن مولود اپنا قبضہ جمائے ہوئے تھا۔ اپنے طور پر اس نے مدافعت کی پوری کوشش کی
راس زبردست فوج سے مقابلہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ شکست تسلیم ہی کرنا پڑی۔ خراج ادا
نے کا وعدہ کیا۔ اور یرغمال بھی پیش کر دیئے۔ اب متعارف میڈنا اس سلیم کی طرف بڑھا۔
اں کو فتح کیا۔ اس کے بعد ویجر (Vegar) کو اور بعد ازاں لبریجا کو۔ مگر ارکاس ARCOS کے مقام
اپ معمولی جھڑپ میں شاہی فوجوں کا کافی نقصان ہوا۔

دوسرے سال اگست میں یہ فوجیں ایک بار پھر اشبیلیہ کے سامنے خیمہ زن ہوئیں۔ کریب کے
بنت نا اندیشانہ اقدام نے دراصل ان کو یہ زحمت دی۔ متعارف نے پہلے کی طرح خالد ابن خلدون
اہیم ابن حجاج وغیرہ کو پھر قید کر لیا۔ مگر کریب کے دل پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ بلکہ ایک دن طلایہ
ج پر تیزی سے ٹوٹ پڑا۔ مگر ہزیمت اٹھانا پڑی۔ اس چیز نے متعارف کو کافی تقویت پہنچائی۔
ر اشبیلیہ پر تین طرف سے حملہ آور ہو گیا یہ حملہ تین دن تک برابر جاری رہا۔ مگر فائدہ کچھ خاص
کلا البتہ غصہ میں آ کر اس نے وہ قلعے جو ابراہیم کے مقبوضہ تھے ان کو گرا کر زمین کی سطح کے برابر
دیا۔ خود ابراہیم کو بھی مجبور کیا گیا کہ پھاوڑا لے کر اس کام میں حصہ لے۔ یوں بغیر کوئی خاطر خواہ
اد حاصل کئے ہوئے شاہی فوج قرطبہ واپس لوٹ گئی۔ وہاں ایک وزیر کے مشورے کی وجہ
ے ان قیدیوں کو رہا کر دیا گیا مگر ان سے مسجد میں پچاس مرتبہ وفادار رہنے کی قسمیں کھلوائی
یں۔ اور یرغمال پیش کرنے پر بھی مجبور کیا گیا۔ ابراہیم نے اپنے بڑے لڑکے عبدالرحمن کو
دشاہ کے سپرد کر کے اشبیلیہ کی راہ لی۔ ابھی یہ لوگ راہ ہی میں تھے کہ آپس میں کھچڑی پکنا شروع
گئی۔ وہ قسمیں وغیرہ یونہی بھلا دی گئیں۔ خراج دینے سے انکار کر دیا گیا۔ بغاوت کا اعلان
ر کے اشبیلیہ کو نصف نصف ابراہیم اور کریب نے تقسیم کر لیا۔ مگر اس تقسیم نے ان دونوں
رداروں میں آپس میں طمع اور حسد کے جذبات پیدا کر دیئے۔ یہ لوگ باہمی طور پر جھگڑنے لگے
دامیر نے اس سے فائدہ اٹھانے کی سوچی۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف
ب بھڑکایا گیا۔ اسی اثناء میں خالد نے ایک خط شاہ کے حضور روانہ کیا۔ اور اس میں ابراہیم
ے اپنی سخت ترین مخالفت کا اظہار کرتے ہوئے مدد کی درخواست کی۔ بادشاہ نے جو خط کا
داب روانہ کیا وہ اتفاق سے قاصد کے ہاتھ سے گر گیا۔ اور ایک خواجہ سرا کے ہاتھ لگا۔
ں نے انعام کے لالچ میں اسے ابراہیم کے ہاتھ میں دیدیا۔ اب ابراہیم کو خالد کی دشمنی کا پوری

Marfat.com

طرح سے یقین ہوگیا اور اس کے خدشات اور مضبوط ہو گئے ۔ مگر اپنے جذبات کو پوشیدہ رکھتے
اس نے مکاری سے کام نکالنا چاہا ۔ خالد اور اس کے بھائی کو بڑی محبت سے بلایا اور ایک
پُرتکلف اندازمیں دی ۔ دورانِ طعام ابراہیم نے وہ خط دکھایا اور اس کی اس حرکت پر سخت
کہا ۔ خالد نے فوراً اپنی آستین میں چھپے ہوئے خنجر کو نکال کر ابراہیم پر حملہ کر دیا ۔ اس کے چہر
اور جسم پر کچھ زخم بھی آئے ۔ مگر جو سپاہی وہاں موجود تھے خالد اور اس کے بھائی پر ٹوٹ
اور قتل کر دیا ۔ اور ان کے سر صحن میں پھنکوا دیئے گئے ۔ اور یوں پورا صوبہ ابراہیم کے قبض
آگیا ۔ مگر امیر عبداللہ سے جس کے پاس اس کا بڑا بیٹا اب بھی بطور یرغمال موجود تھا اس حرکت
معذرت چاہنے کی خاطر ندامت کا ایک خط لکھا اور اس میں صورتِ حال پر قابو پانے کا صرف
یہی ذریعہ تھا ۔ جو اس نے مجبوراً اختیار کیا ۔ عبداللہ نے بادل نخواستہ اس کے عذر کو تسلیم کرلیا
ساتھ ہی ساتھ قاسم کو اشبیلیہ کی گورنری عطا کر کے ابراہیم کے ساتھ مل جل کر کام چلانے
ابراہیم اس بات پر رضامند نہ ہوا ۔ البتہ اس کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح اپنے بیٹے کو قرطبہ
نظربندی سے نکال لیا جائے ۔ مگر جب عبداللہ نے مستقل طور پر انکار کر دیا ۔ تو ابراہیم نے
بھی خراج بھیجنا بند کر دیا ۔ یہ سب کچھ ۸۹۰ء کے لگ بھگ وقوع پذیر ہوا ۔ اور اسی عرصہ
اس نے ابن حفصون سے اپنے تعلقات قائم کرنا چاہے ۔ بھلا حفصون کے لئے اس سے
بہتر کیا چیز ہو سکتی تھی ۔ اسے سی جا پر اس کا دوبارہ قبضہ تین سال پہلے ہو ہی چکا تھا ۔ اب اشب
پر بھی نظریں جمنے لگیں ۔ مگر اس نے جو شدید غلطی اس وقت کی وہ یہ کہ اسلام سے منحرف ہو
اپنے آباؤ اجداد کے مذہب عیسائیت کو پھر قبول کر لیا جس کے نتیجہ میں مسلمان افسران
اس سے سخت ناخوش ہو گئے ۔ اور بہت سے تو ساتھ چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے ۔ ان میں
یحیٰی ابن اناطول پیش پیش تھا کیونکہ وہ لوگ عمر ابن حفصون کی خدمت تو کر سکتے تھے ۔ مگر سموئ
(Samuel) کی نہیں ۔ یہ نام اس نے عیسائی ہونے کے بعد اختیار کیا تھا ۔ ابن الخالی تو اس
حد تک اس کے پیچھے پڑا کہ جنگ پر آمادہ ہوگیا ۔ یکے بعد دیگرے ابن حفصون کی اس غلط
نے اس کے بہت سے مخالفین پیدا کر دیئے مگر ایسے ہی عالم میں ابراہیم کی جانب سے
دوستی کا ہاتھ بڑھایا گیا تھا ۔ وہ اس کے لئے بہت غنیمت تھا ۔ خصوصاً جبکہ وہ اس کے لئے سخت
کوشاں تھا ۔ اور دوسرے سرداروں سے دوستی پیدا کرنے کے لئے اس کی مہم جاری تھی ۔
ابراہیم ابن قاسم والئِ ایکسلا (Ekila) سے بھی اس کی خط و کتابت جاری تھی ۔ جو افریقہ میں الم

Marfat.com

ے ٹوٹ رہا تھا۔ بنی قصی سے بھی مراسلت ہو رہی تھی۔ اور شاہ لیون سے بھی ساز باز جاری تھی۔
تمام باتوں نے امیر عبداللہ کے لئے خطرات کا ایک مہیب جال بُن دیا۔ سب کے خلاف
ے روپیہ کی کمی کی وجہ سے نہیں ہو سکتی تھی۔ صرف ایک ہی چارہ تھا کہ ابن حفصون سے دوستی
کر لی جائے کہ تمام خطرات خود بخود ٹل جائیں۔ عرصہ تک گفت و شنید چلتی رہی ابن حفصون بھی جو
وقت مسلمانوں میں اپنا کھویا ہوا وقار اور اقتدار بڑھانا چاہتا تھا۔ کچھ کچھ مصالحت پر آمادہ
ہ۔ چار یرغمال جن میں اس کا خزانچی خلف Kalef اور ابن مستانہ بھی شامل تھا۔ بھیج
دئے گئے۔

مگر یہ صلح زیادہ عرصہ تک قائم رہنے والی نہ تھی۔ کچھ سیاسی حالات اس قسم کے پیدا ہو گئے
سنہ ۹۱ھ میں دونوں فریقین میں جنگ چھڑ گئی رہی۔ اپنی طاقت کو مضبوط بنانے کے لئے ابن
ون فوراً ابراہیم سے کارمونہ میں جا کر ملا۔ اور اس سے درخواست کی کہ اپنے مشہور شہسوار
ابن ابی Fageel Abne muslim کو فوراً اس کی حمایت پر روانہ کرے کہ جنگ
بادل سختی سے منڈلا رہے ہیں۔ اور شاہی فوجیں ابن ابی عبیدہ کی ماتحتی میں بڑھتی چلی آرہی
۔ لیکن فجیل جو عربی النسل ہونے کی وجہ سے سلطان سے رغبت ایک عیسائی کے مقابلہ میں
ہ رکھتا تھا۔ ابن حفصون سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا۔ ابن حفصون نے سمجھانے
وشش کی کہ چھ ہزار شہسوار اس کے پاس ہیں اسی قدر اُمیہ ابن مستانہ کی طرف سے ہے اور وہ
بی اس کے سپاہی لے کر مدد کے لئے آ پہونچا تو ابن عبدہ کی فوجیں بجز شکست کسی اور
کے مُنہ نہ دیکھیں گی۔ فجیل پھر بھی راضی نہ ہوا۔ البتہ ابراہیم نے بہ اندازِ تحکم ابن حفصون کی مدد کے
اسے مجبور کیا تو حکیم حاکم مرگِ مفاجات فجیل کو ساتھ دینا ہی پڑا۔

ابن ابی عبدہ جنیل Junel سے ہوتا ہوا استیبا Stepa کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔
ابنِ حفصون بھی اپنی فوجیں لئے آموجود ہوا۔ شروع شروع میں تو باغیوں کو زبردست
حاصل ہوئی مگر ابن حفصون کی جلد مزاجی نے سارا بنا بنایا کام بگاڑ دیا۔ ابی عبدہ ابھی نزان
ساتھ اس شکست پر دستِ تاسّف ملتے ہوئے مشورہ کر ہی رہا تھا کہ ابنِ حفصون کے مجبور
نے سے فجیل اپنی سوار فوج کو لے کر ان کے خیموں پر حملہ آور ہو گیا۔ موت کو سر پر ناچتے ہوئے
عبدہ نے اپنے ساتھیوں کو للکارا جنہوں نے جان کی بازی لگاتے ہوئے ابن حفصون اور
ں کی متحدہ حملہ آور فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ ان میں سے تقریباً پندرہ سو کو گاجر مولی کی طرح

Marfat.com

کاٹ کے رکھ دیا۔ امیر عبداللہ کو جب یہ پتہ چلا کہ اس کی فوجوں نے سخت ہزیمت اٹھانے کے بعد بمشکل تمام سنبھالا لیا ہے تو وہ جھنجھلا گیا اور فوراً ان لوگوں کو جو بطور یرغمال نظر بند تھے قتل کا حکم دیدیا۔ بجز ابن مستانہ سب قتل کر دیئے گئے۔ جب عبدالرحمٰن ابراہیم کے بیٹے کے قتل کا وقت آیا تو وزیر نے عبداللہ کو سمجھایا کہ ابن حفصون کے یرغمالوں کو قتل کرا ہی دیا گیا ہے۔ اگر عبدالرحمٰن کا سر بھی اڑا دیا گیا تو پھر ابن حفصون اور ابراہیم میں بڑی گہری مفاہمت ہو جائے گی اور بادشاہ پھر کبھی عربی سردار کی دوستی حاصل نہ کر سکے گا۔ یہ مشورہ مدلل تھا۔ قابلِ قبول سمجھا گیا پھر بدر نے یہ بھی سمجھایا کہ اگر اسے آزاد کر دیا جائے تو ممکن ہے ابراہیم ابن حفصون سے تعاون کرنا چھوڑ دے۔ جب بادشاہ کچھ ہچکچایا تو اس نے عبداللہ کے ایک بہی خواہ شخص کو جو خزانچی کے عہدہ پر مامور تھا جیبی غطفریؔ کی سفارش پہنچائی۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ عبدالرحمٰن کو آزاد کر کے اس کے باپ کے پاس بھیج دیا گیا۔ ابراہیم نے بھی اظہار تشکر کے طور پر بادشاہ کی اطاعت پر کمر باندھی۔ ابنِ حفصون سے ہر چند کہ تعلقات برقرار رہے۔ تحفہ تحائف آتے جاتے رہے مگر ابراہیم نے اس کا ساتھ دینا چھوڑ دیا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں مستقل خراج اور سپاہی بھیجنا شروع کر دیئے اسی کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت اور اقتدار اشبیلیہ میں جوں کا توں برقرار رہا۔ اپنی خدمت کے لئے اس نے دور دراز سے غلام کنیزیں۔ اس کے علاوہ ادبار۔ شعراء اور موسیقار جمع کئے۔ جن میں قمر نامی ایک مغنیہ اپنا جواب نہ فن میں رکھتی تھی نہ حسن میں۔ اس کے علاوہ اس میں شعر کہنے۔ خطابت اور مزاح کی بھی صلاحیتیں تھیں۔ ان خصوصیات نے اس کو بڑی حد تک ابراہیم پر حاوی کر دیا۔

بادشاہ اور ابراہیم میں مصالحت کیا ہوئی بدامنی اور بدنظمی کا دور ہی جیسے ختم ہو گیا۔ گزشتہ چند سالوں سے اشبیلیہ میں بہت اودھم مچتا رہا تھا۔ وہاں پر نظم کیا قائم ہوا دوسرے مقامات بھی اس کی پیروی کرنے لگے۔ اور انہوں نے بغیر حیل وحجت ہر سال خراج بھیجنا شروع کر دیا۔ ان حالات کے سنوارنے میں بہت کچھ ہاتھ بدر کا تھا۔ اس لئے بادشاہ نے بھی ازراہِ سپاس گزاری اس کو اپنا معتمد اور وزیر بنا لیا۔ اور پھر اسی کے صلاح ومشورہ سے جنوب کی سمت مہمات روانہ کرنے کا کام شروع کر دیا۔ ۹۰۳ء میں سب سے پہلے جین پر حملہ کر کے اس کو چھین لیا گیا۔ ۹۰۵ء میں ابن حفصون اور ابنِ مستانہ کی متحدہ فوجوں کو گاڈلابولون (Gadlaboion) کے مقام پر شکست دی گئی۔ ۹۰۶ء میں بنی الخالی سے کانیٹ (Conet)

Marfat.com

چھین لیا گیا۔ ۹۰۸ھ میں ابن مستانہ سے لوق Louk کا قلعہ ہتھیالیا گیا۔ ۹۱۰ھ میں بائزا Baiza پر قبضہ کرلیا گیا۔ ۹۱۱ھ میں ازنجار (Azenjar) کے باشندوں نے ابن مستانہ کے سالے فدل بن سلام (Fidl Binsalam) جو وہاں کا حاکم تھا۔ بغاوت کرکے قتل کردیا اور اس کا سر بادشاہ کے پاس اطاعت گزاری کی خاطر بھیج دیا۔

جنوب میں حالات سدھرے تو اس کا اثر شمال میں بھی پڑا ۹۱۸ھ کے بعد سے یہ خاشہ پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں ان شمالی اور جنوبی باغی طاقتوں میں کوئی صلح نہ ہو جائے کہ جس کی بنا پر ان سے مقابلہ ناممکن ہو جائے۔ اتفاق سے اسی وقت محمد ابن لوپ نے جین پہنچ کر ابن حفصون سے ملاقات کرنے کا بھی عذر ظاہر کیا۔ مگر خود الانکار (Alantar) امیر قرطبہ سے جنگ میں مصروف ہونے کی وجہ سے یہ بنی قسی کا سردار خود تو جین پہنچ نہ پایا۔ البتہ اپنے بیٹے جس کا نام بھی لوپ تھا بھیجدیا۔ یہ جین پہونچکر ابن حفصون کی آمد کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کو اپنے باپ کی وفات کی خبر ملی۔ جو اغلباً سرقسطہ کے محاصرہ میں جان کھو بیٹھا تھا۔ لوپ جلدی ہی سے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اور اب بجائے ابن حفصون سے تعلقات مستحکم کرنے کے سلطان سے مفاہمت کی کوشش کی جس کی وجہ سے اسے تطیلہ (Talela اور ترازونہ Trazon) کا گورنر بنا دیا گیا جس کی بنا پر یہ شخص خود والیان دشتا Dasta لیون۔ برشلونہ۔ نوار کا مخالف بن گیا۔ اور ان سے مستقل برسرپیکار رہا۔ ۹۰۷ھ وہ ایسی ہی کوئی جنگ لڑتے ہوئے مارا گیا۔ مگر اس کے بھائی عبداللہ نے جو بعد میں اس کی جگہ گورنر مقرر ہوا یہ لڑائیاں جاری رکھیں۔ اور یوں بنی قسی مستقل عیسائی والیوں کے لئے ایک خطرے کی علامت بن گئے اور اموی بادشاہ کو ان کی مخالفت سے نجات مل گئی۔

یوں حکومت کے آخری ایام میں ساری گھنونی بدلیاں چھٹ گئیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ قرطبہ کی قسمت ایک بار لوٹ آئی اور لوگوں میں اعتماد اور یقین کا مادہ پیدا ہو گیا۔ عوام کو بادشاہ کی طرف رغبت اور محبت پیدا ہونے لگی۔ مگر جب اس کی زندگی کی ایسی مسرور کن گھڑیاں آئیں تو وہ خود ان سے لذت حاصل کرنے کے لئے زیادہ دن اس دنیا میں باقی نہ رہے اور ۱۵۔ اکتوبر ۹۱۲ھ میں اڑسٹھ سال کی عمر میں ۲۴ سال حکومت کرنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ حق مغفرت کرے۔

Marfat.com

عبداللہ کے کردار پر ایک نظر

عبداللہ کا پورا دورِ حکومت بجز چند آخری سالوں کے نکمے پن اور بزدلی کا ایک مکمل نمونہ تھا۔ ان کے تخت نشین ہوتے ہی یہ افواہیں گرم ہونے لگیں تھیں کہ اسے انہوں نے حیلہ اور مکر سے حاصل کیا۔ اور بہت سے لوگ تو منذر کی موت کو فطری نہ سمجھتے ہوئے اس کا داغ بھی انہیں کی پیشانی پر لگاتے تھے۔ ممکن ہے۔ اس میں کچھ صحت ہو۔ مگر عربی مورخ اس واقعہ پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالتے ہیں۔ اور یہ الزام اُن کے سر نہیں تھوپتے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طبیب نے دورانِ علالت منذر کی فصد کھولی۔ اُس کی نیت میں کھوٹ تھا۔ مگر یہ کھوٹ اور بے ایمانی کسی کے سکھانے بھڑکانے سے پیدا ہوئی یا از خود۔ یہ بات مشتبہ ہے اور شاید مشتبہ ہی رہے گی۔ خود عبداللہ جس عزلت نشینی اور خاموش زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ اس سے یہ اندازہ نہیں ہوپاتا ہے کہ وہ کسی دُنیاوی حرص وہوس اور مادی مفاد سے اس جُرم گردن کشی پر آمادہ ہوئے ہوں۔ ان کی اس خاموش طبعی اور ہر معاملہ میں بہت زیادہ غور وفکر کرنے کی عادت نے ان کے معمولی معمولی دشمنوں کو بہت زیادہ قوی کردیا تھا۔ گُمنامی یا لٹیروں کی حیثیت سے بڑھ کر وہ ایک دم سے حاکموں اور والیوں میں شمار ہونے لگے۔ ابن حفصون۔ ابن مستنہ نے تو اپنا ڈنکا ہی بجوا دیا۔ اس کے علاوہ وہ عربی سردار جو اب تک مزے سے آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اور بیشمار مال ودولت زر زمین حاصل ہوجانے کی وجہ سے ایک تفوق اور امتیاز حاصل کئے ہوئے تھے۔ مگر بادشاہ کے مطیع اور فرمانبردار تھے وہ بھی عبداللہ کی بعض عاقبت نااندیش اور بے شعور پالیسی کی وجہ سے اس کے مخالف ہوگئے۔ سلطان نے جو اپنا دامِ کرم مولدین اور عیسائیوں کی طرف وسیع کیا تو یہ لوگ چراغ پا ہوگئے۔ لطف یہ ہے کہ اس حد تک مخالف ہنے کہ بغاوت پر کمر باندھ لی۔ شروع شروع میں تو یہ مخالف عربوں اور مولدین میں ہی مگر بعد میں جب ان لوگوں کو سلطان کی بزدلانہ پالیسی کا علم ہوا تو وہ خود مختار ہونے کی خواہش میں اس سے بھی رشتہ ناطہ توڑنے پر آمادہ ہوگئے بلکہ برملا اسے بُرا بھلا کہنے لگے اور اپنے صوبوں میں [illegible] العثمانی کے اعلانات کرنا شروع کردیئے۔ تعصبات اور تنازعات اس حد تک بڑھے کہ رفتہ رفتہ تمام صوبے ہی حکومت سے علیحدہ ہوگئے۔ اور یوں اس کی حکومت

Marfat.com

رف قرطبہ تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اب تک جتنے اموی بادشاہ تخت پر متمکن ہوئے اُن کو یا
ن کے امیروں کو کسی کو بھی اپنے ہی قوم و ملت کے باغیوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔ یہ عربی
مرار تو تخت کے وفادار اور بادشاہ کے وفادار ہی رہے تھے۔ ہر مشکل گھڑی میں ان کے
ام آتے تھے۔ ہر مصیبت کے وقت میں ان کی مدد کی تھی۔ اب تو یہ عالم ہو گیا تھا کہ وہی
وگ سینے پر سوار ہوئے جاتے تھے۔ بے بات پر تلوار کھینچ لیتے اور حکومت کی بیخ کنی
ر آمادہ ہو جاتے۔ یہ ایک نئی نرالی نئی کیفیت تھی کہ جس سے عبداللہ کو دوچار ہونا پڑا تھا۔
ہیں پر کیا موقوف جن کی دوستی کی خاطر اس نے یہ ساری مصیبت مول لی وہ لوگ بھی اس
ے درپئے آزار نظر آنے لگے۔ ابن حفصون نے تو بار بار اپنی حمایت کا یقین دلانے کے
وجود وہ وہ شورہ پشتیاں کیں کہ الامان الحفیظ جگہ بجگہ عبداللہ کو وہ تگنی کا ناچ نچایا
وہ بھی پناہ مانگ گیا۔ پھر اس کے بہی خواہ بھی سلطنت کے کچھ کم دشمن نہ تھے۔ وجہ بے وجہ
تنہ برپا کیا کرتے تھے۔ اور بغاوت کی آگ پھیلا کر بادشاہ کی مجبوری اور خاموشی کا نظارہ
یکھا کرتے تھے۔ اسی بیکسی اور مجبوری کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کتنے ہی لٹیرے اور قزاق
وٹ مار کر کے ایک دم سے حاکم بن گئے۔ اور متعدد قلعے ہتھیا لئے۔

بقول ابن خلدون عبداللہ سے قبل اندلس کے خراج کی آمدنی تین لاکھ سے زائد تھی جس
میں سے ایک تہائی فوج اور حکومت کے دوسرے اراکین کی ضروریات پر خرچ ہوتا تھا۔ ایک
حصہ جمع رہتا تھا۔ اور ایک حصہ وظائف اور تنخواہوں پر تقسیم ہو جاتا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ
جو شہر اور صوبے باغی ہونا شروع ہوئے تو یہ آمدنی بھی کم ہوتی چلی گئی۔ اور انجام کار بادشاہ
کو اس حد تک مجبور کر دیا کہ وہ فوجی مہمات کے بجائے کچھ دوستانہ مراسم قائم کر کے دشمن
کو قابو میں لانے کے لئے سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ اس کے علاوہ جب دوسرے ذرائع
آمدنی میں بھی خلل پڑنے لگا۔ تو خود سلطنت کے عہدیداران کہیں بہتر صورت نظر آتی
وہیں یہ بھی چلے جاتے۔ جہاں مفاد کی اُمیدیں ہوتیں وہاں یہ بھی ڈیرا ڈال دیتے۔
مذہبی اختلاف سے زیادہ نظریاتی اختلال اس وقت انتشار کا باعث بنا ہوا تھا۔ جو چیزیں
مثلاً اچھا نظام۔ انصاف پسند حکام۔ دیانتدار اراکین وغیرہ سلطنت کی بہتری کی بنیاد
سمجھے جاتے ہیں۔ ان میں اس حد تک خرابیاں آچکی تھیں کہ سرے سے ایک مضبوط حکومت
کو حکومت ہی سمجھنے کو دل آمادہ نہ ہوتا تھا۔ خود بادشاہ بس یا تسبیح کے دانے گھماتا جاتا تھا یا

Marfat.com

گھریلو قسم کی زندگی بسر کرنا۔ ذمہ داریوں سے یا تو اس کا دل ہی اُچاٹ رہتا تھا یا اپنے محدود ذرائع کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قدم اُٹھانے کی جرأت بھی نہ ہوتی تھی۔ لوگوں نے جو طریقہ کار دیکھا تو بادشاہ کو احترام کی نظروں سے دیکھنا تو درکنار بادشاہ ہی سمجھنا چھوڑ دیا۔ اور اگر تھوڑا بہت سمجھتے بھی تو مروتاً۔ اخلاقاً کسی رعب و داب کی وجہ سے نہیں۔ ان سے لوگ کچھ اس سے بھی بدگمان تھے کہ ان کی پیشانی پر کتنے ہی قتل کے داغ تھے۔ ایک تو بادشاہ کی موت کو ان سے منسوب کیا ہی جاتا تھا۔ دوسرے اُنہوں نے اپنے دو بیٹوں کو بھی شبہ یا حرکت ناشائستہ کی وجہ سے مروا ڈالا تھا۔ یہ جرم ایسے تھے کہ کوئی بھی معاشرہ اس کو معاف کرنے پر تیار نہ تھا۔ پھر اُنہوں نے اپنے بہت سے وعدوں کو یا تو دانستہ یا مجبوراً نباہنے سے گریز کیا۔ بلکہ بعض دفعہ تو مدد کا وعدہ کسی سے کیا اور مدد کسی دوسرے کو دے کر اپنے وقار اور عظمت کو سخت دھکا پہونچایا۔ اپنی افتادِ طبع کی وجہ سے وہ اکثر و بیشتر ان لوگوں کے پھندے میں پھنستے رہے جنہوں نے ان کو بار بار سخت ترین دھوکے دیئے تھے۔ اور یہ دھوکے انہوں نے محض اس وجہ سے کھائے تھے کہ خود ان میں ان کے خلاف قدم اُٹھانے کی جرأت نہ تھی۔ نہ ان سے باز پرس کرنے کی جس کو دیکھو بادشاہ کے اختیارات پر ضرب کاری لگانے پر تلا رہتا اور بادشاہ تھے کہ محل کی چہار دیواری میں محصور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی مصداق بنے ہوئے تھے۔ اس کیفیت کی وجہ سے سب سے زیادہ زبوں حالی میں مبتلا تو رعایا غریب تھی کہ اُس کا نہ کوئی دادرس تھا نہ فریادرس کتنے ہی راتوں کو یہ نظارے عام طور سے نظر آیا کرتے۔ جب قزاقوں کی کوئی معمولی پارٹی کسی گاؤں پر چھاپہ مار کر لوٹ مار کرتی اور پھر وہاں کے مکانوں میں آگ لگا کر چل دیتی۔ شہر میں مضافات میں لگی ہوئی آگ نہ صرف آیا کرتی تھی بلکہ رات مثل روشن دن ہو جاتی۔ پھر بھی اہلکارانِ سلطنت اور اربابِ حل و عقد کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ ان پر حملہ آور ہو کر ان کا خاتمہ کریں۔ اور مجبور و لاچار رعایا کو ان کے اس ظلم سے بچائے۔ اکثر یہ چھاپے مستقل پڑتے رہتے تو وہاں کے رہنے والے اسی میں نجات دیکھتے کہ تھوڑی بہت پونجی لے کر کسی دوسری سمت نکل جائیں۔ کہ جہاں شاید ان کی پہونچ سے محفوظ رہ سکیں۔ مگر بدبخت وہاں بھی پہونچکر ان کو چین نہ لینے دیتے۔ اس کی وجہ سے سارے نظامِ حکومت میں ایک عجیب قسم کا تعطل پیدا ہو گیا تھا۔ زراعت تو قریب قریب بالکل ہی ختم ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ بیچارے کسان کھیت بونے جوتنے کی محنت کرتے تو کس کے لئے جب

مل تیار ہوتی تو وہ لٹیرے ان کو کاٹ لے جاتے یا تباہ کر دیتے اس سے محض کام نہ
بنتا تو آگ لگا دیتے۔ اس کے ماسوا تجارت۔ صنعت اور حرفت بھی بالکل مفلوج ہو کر
گئی تھی۔ جب کہیں امن وامان ہی نہ ہو تو یہ چیزیں پنپ ہی کیسے سکتی ہیں۔ ضروریاتِ زندگی
اں حد تک گراں ہو گئی تھیں کہ تکلفات زندگی میں ان کو شامل کیا جا سکتا تھا۔ بعض دفع تو
یابی غلہ یا قحط سالی اتنی بڑھ جاتی کہ لوگ مُردوں تک کو کھانے میں گریز نہ کرتے تھے خود امیر
دالله کے وسائل اور ذرائع اتنے کم تھے کہ وہ ان حالات پر قابو پا ہی نہ سکتے تھے۔

مگر قدرت کو سلطان کا ساتھ دینا مقصود تھا کہ حالات پر رفتہ رفتہ قابو پا لیا گیا۔ فتنہ پرداز
ب بہت اودھم مچا چکے تو انہیں خود ہوش آیا کہ بدامنی اور انتشار سے کچھ خاص فائدہ حاصل
ہوگا۔ تو انہوں نے اطاعت پر کمر باندھی اور اسی میں مفر دیکھا۔ ابن حفصون کا جادو انہوں
کیا توڑا کہ سارے باغی اپنی گردنیں خم کرتے نظر آئے۔ ابن ابی عبدہ کی فتح گویا گرتی
ئی دیواروں کا ایک سہارا تھا جو مضبوط بھی ثابت ہوا۔ مستحکم بھی اشبیلیہ۔ قادیز۔ ایلویرا۔
بن۔ غرناطہ۔ طلیطلہ۔ ولنسیہ اور سرحدی ریاستیں جن کی نگاہیں ہمیشہ ٹیڑھی ترچھی رہیں۔
روہ جن کے انداز باغیانہ نظر آتے وہ سب راہ راست پر آنے لگے۔ اور یہ شہر پھر اگر مفوضہ جا
لملنت نہ بنے تو کم از کم حکومت کا اقتدار تسلیم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ جہاں جہاں بغاوت
کے اثرات قائم رہے وہاں وہاں شاہی فوجیں ان کو مٹانے کے لئے جاتی رہیں۔ اور
مت رفتہ کی بازیابی میں ہر ممکن جدّوجہد کرتی رہیں اور یوں سارے بکھرے دانے پھر
یک دھاگے میں پرو دیئے گئے۔ یہ منتشر اجزا پھر یکجا ہو گئے۔ جس کی وجہ سے یہ محسوس
ونے لگا کہ ملک تائید ایزدی اور جرأت امیر کی وجہ سے تمام خرابیوں اور بدعنوانیوں سے
نجات پا گیا۔

خود عبداللہ اپنی فطری کمزوریوں کے باوجود ایک نیک طینت با ہوش اور عاقبت
اندیش بادشاہوں میں سے تھا۔ حالات کا ناگفتہ بہ ہونا اور اس ضمن میں کوئی قدم نہ اٹھانا
دراصل محض اس کی بزدلی یا نکمے پن کا نتیجہ نہ تھا بلکہ پے درپے جو ضربیں حکومت پر لگ چکی
تھیں اس کی وجہ سے اس کے وسائل اتنے محدود ہو چکے تھے کہ کسی مہم کا انتظام کسی فوج
کشی کے لوازمات پورے ہی نہ ہو سکتے تھے۔ ایسی صورت حال میں کوئی عملی قدم نہ اٹھانے
نفس طفلانہ پن کے مصداق تھا اور دوربینی جو اُن کے یہاں بدرجہ اتم موجود تھی اس کا تقاضہ

Marfat.com

تھا کہ اس طفلانہ پن سے گریز کیا جائے لیکن جب ایسی گھڑی آئی کہ حکومت کی عزت خطرے میں پڑ گئی تو وہ جراٴتِ رندانہ اور شانِ مجاہدانہ کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور جب تک اپنے حریفوں کے دانت کھٹے نہ کر دیئے دم نہ لیا۔ ان کی جو بلند حوصلگی مفسدانِ سلطنت نے دیکھی تو ان کے تحیّر کی انتہا نہ رہی اور جب شاہی فوجوں کے رُخ ان کی طرف بھی مُڑنے لگے تو وہ ساری چوکڑی بھول کر سجدہ بجالاتے ہی نظر آئے۔

اسپین کے تمام اُموی بادشاہوں میں جو چیز سب کے یہاں مشترک دکھائی دیتی وہ ان کی جنگجوئی کے ساتھ ساتھ علم و ادب دوستی۔ امیر عبداللہ بھی دانا و بینا ہونے کے ساتھ علم کا دالا وشیدا تھے۔ عبادت گذاری ان کا خاص مشغلہ تھا اور بار ہا تو پوری پوری راتیں وہ سجدہ کرتے تسبیح کے دانے شمار کرتے گزار دیتے تھے۔ شعر و شاعری سے ان کو فطری لگاؤ تھا۔ خود بڑی اچھی نظمیں اس کے علم و فضل کی شاہد ہیں۔

عبداللہ نے ۱۵ اکتوبر ۹۱۲ء مطابق ۳۰۰ھ انتقال فرمایا۔ اپنے پیچھے وہ اپنے جانشین کے لئے تردّدات اور تفکرات کم چھوڑ گئے اور ریاست کی بدعملیوں اور بدنظمیوں پر بڑی حد تک قابو حاصل کر کے ایک اطمینان بخش فضا پیدا کر گئے۔ جو زندگی کی علامات تقریباً مٹ چکی تھیں انھوں نے اپنی موت سے نو سال قبل نئے رنگ بھر کر پھر تر و تازگی بخش دی۔ جب وہ مرے تو حکومت کی بنیادیں قطعاً کھوکھلی نہ تھیں۔

Marfat.com

خلفائے بنی اُمیّہ

Marfat.com

باب (۳۸)

عبدالرحمٰن ثالث

۲۹ صفر ۳۰۰ھ — ۱۶ اکتوبر ۹۱۲ء

۳ رمضان ۳۵۰ھ — ۱۶ اکتوبر ۹۶۱ء

اَرسٹھ یا اُٹھتّر سال کی عمر میں امیر عبداللہ ۲۴ سال کے لگ بھگ حکومت کرنے کے بعد
ل بحق ہو گئے۔ وہ اپنی حیات ہی میں اپنے سب سے بڑے بیٹے محمد کے جن کا انتقال ہو چکا تھا
سکے فرزند دلبند عبدالرحمٰن کو ولیعہد سلطنت مقرر فرما چکے تھے۔ محمد ایک سازش کا شکار ہو کر
پنے ہی بھائی مطرف اور اپنے ہی باپ کے اشاروں پر قتل کیا گیا تھا۔ عبدالرحمٰن اس وقت
کل بچہ ہی تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت عبداللہ کی نگرانی میں ہوئی جس نے ان کو بہت جلد امور
سلطنت سے نہ صرف واقف بلکہ وافر تجربہ بہم کردیا تھا۔ ان کی ذات پر ان کے دادا نے کچھ ایسی
ر معمولی دلچسپی اور توجہ کی تھی کہ تمام علوم و فنون میں انہوں نے جلد ہی دستگاہ حاصل کرلی
ر اصولِ حرب سے گہری واقفیت پیدا کرلی۔ ویسے ان کی فہم و فراست میں تو کسی شبہ کی گنجائش
نا ہی نہیں۔ اوائلِ عمر سے ہی جو یہ آثار نظر آئے تو عبداللہ ان پر جان و دل سے فدا ہو گئے۔
ان کی تعلیم میں مزید دلچسپی لینے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ابھی پورے سترہ سال کے بھی نہ ہونے
ئے تھے کہ ملک کی بہت سی اہم ذمہ داریاں ان کے سپرد کردی گئیں اور وہ ان کو خوش اسلوبی

Marfat.com

سے بجا لائے۔ ابن حفصون سے معرکہ آرائی میں عبداللہ کے عزم کے ساتھ ساتھ ان کی تحریکات اور عزائم بھی شامل تھے۔ اپنے دادا کی کاہلی پر وہ اکثر مہذبانہ انداز میں طعنہ زن رہتے جس نے ان کے سوئے ہوئے جذبات میں ایک نیا ولولہ اور اُمنگ پیدا کر دی جس کا انجام یہ ہوا کہ مرنے سے پہلے مطلع بہت کچھ صاف ہو چکا تھا۔ عبدالرحمٰن کا تو سچ پوچھو سنہرہ آغاز ہی ہوا کہ ان کے اوپر حکومت کا بار آپڑا۔ ابھی وہ پوری طرح سے ۲۲ برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ۱۷ اکتوبر ۹۱۲ء میں سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ یہ کچھ ایسی خوش کن خبر تھی کہ پورے ملک میں مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی خیر خواہان سلطنت اور محبانِ حکومت تو اس سے مخصوص طور پر بہت مسرور و شاداں ہوئے پچھلے کچھ عرصہ میں اُن کا فعل و عمل کچھ ایسا رہا تھا کہ لوگوں کو ان کی ذات سے بہت کچھ توقعات اور خوش فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اور ان کو یقین ہو چلا تھا کہ اس نوعمر مگر جواں بخت شہزادے کے تخت نشین ہوتے ہی تمام رنج و الم کا ازالہ ہو جائے گا۔ اور بُرے دن ختم ہو کے اچھے دن پھر آجائیں گے۔ ان کی اُمیدیں کچھ غلط ثابت نہ ہوئیں۔ گمان تھا کہ شاید اس کے چچا یا بھائی کچھ شورش پیدا کریں مگر عوام الناس کا رُجحان اس کی جانب بُری طرح مبذول دیکھ کر ان لوگوں کو بھی خلافت کے سلسلہ میں کوئی پھُریری نہ آسکی۔ تخت نشینی کے دن ایک عالیشان پیمانے پر دربار کی تنظیم اور تدوین ہوئی۔ تمام دعویدارانِ سلطنت۔ اعیانِ حکومت۔ امراء۔ وزراء۔ اور روساء حاضرِ دربار ہوئے۔ سب سے پہلے شہزادوں اور رشتہ داروں نے نذریں گزاریں اور بیعت کی۔ اس کے بعد دیگر عمائدین شہر نے۔ بغیر کسی مخالفت یا فتنے کے یہ رسم تاجپوشی انجام پا گئی۔

اب عبدالرحمٰن تھا اور حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا خیال۔ اور خیال بھی جنوں کی حد تک۔ امیر عبداللہ کی مذبذبانہ عادت اور کاہلانہ فطرت نے جو نظامِ سیاست میں رخنہ پیدا کر دیا تھا اس میں تبدیلی پیدا کرنا لازمی تھا۔ یہ چیز بغیر رعب و داب۔ استقلال اور عزم کے ممکن نہ تھی۔ قدرت نے اس جوان سال سلطان میں یہ صفتیں بھی پیدا کی تھیں۔ اتفاق کچھ ایسا تھا کہ بدخواہانِ بنی اُمیہ بہت سارے تو نذرِ اجل ہو چکے تھے۔ مثلاً سعید بن جودی۔ کریب۔ خلدون اور ابراہیم بن حجاج بہت سارے جو باقی تھے وہ اپنے کو لرزہ براندام پاتے تھے۔ فوج کی ترتیب کرتے ہی سب سے پہلے عبدالرحمٰن نے تمام ملک میں یہ اعلان جاری کر دیا کہ شاہی احکامات کی خلاف ورزی قتل کا موجب ہوگی۔ جو سردار باغی اور سرکش ہو چکے ہیں یا بغاوت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کے لئے بہتر یہی ہے۔ کہ وہ اپنے ناپاک ارادوں سے باز

ں اور دارالخلافہ پہنچ کر فوراً عفو خطا کریں۔ اپنے اپنے مقبوضات کا حساب پیش کریں اور یوں
نے کو بدخواہوں کی فہرست سے خارج کردیں ورنہ عتاب شاہی کچھ اس طرح ان پر نازل ہوگا
ہیں آسمان تلے اُن کو پناہ نہ مل سکے گی۔ اس کے علاوہ یہ حکم بھی نافذ کیا کہ کوئی علاقہ کسی کے
ت میں بلا اجازت سلطان نہ رہ سکے گا اگر اس میں کسی قسم کا اغماض کیا گیا تو کڑی سزا کا باعث
گا۔ ان احکامات کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ اقبال اور کامرانی کا ستارہ شروع ہی سے چمکنے لگا۔
وتوں کی آندھیاں تدھم پڑگئیں۔ فتنوں کا زور کم ہوگیا۔ یہ تو خیر ہوا ہی اس نے رعایا کی خوشنودی
مل کرنے کے لئے ایسے بہت سے ٹیکس معاف کر دیئے جو اس کے دادا نے زبردستی غریب
ایا پر لگا دیئے تھے عوام الناس کے مفاد کے لئے اس سے بہتر کوئی قدم ہو ہی نہیں سکتا
۔ وہ سب اس کے مداح اور ثنا خواں ہو گئے۔ اس کے بعد خراج کا مطالبہ ختم کر کے
اعت اور تسلیم طلب کی۔ شہر اور قلعہ نہیں مانگے۔ وہاں کے حاکموں کا تعاون اور مصالحت
ی بھتوں کی یہ ناراضگی کا باعث بنا۔ بہتوں نے اس میں کبر و نخوت کی بو محسوس کی۔ مگر رعایا
ضرور یہ محسوس کرلیا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو ان مصیبتوں کا بہت کچھ ازالہ ہو جائے گا اور
ں میں کوئی شک بھی نہیں کہ ازالہ ہونا شروع ہوگیا۔ بدنظمی اور خانہ جنگی جو ختم ہوئی تو
یمان اور عافیت کا دور دورہ شروع ہوا۔ صنعت و حرفت میں ترقی۔ تجارت اور زراعت
ں ترقی ہوئی۔ کاروبار سلطنت میں نظام قائم ہوا۔ پھر تو ملک بھر میں خوشی اور خوش حالی
ے اسباب پیدا ہو گئے۔

باغیوں کا سدباب

یہ جو ابتدائی انتظامات سے فرصت ملی تو امیر نے فوج کی تنظیم پر توجہ دی تو اس کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور خود سرکش
سپاہیوں کو یکلخت موقوف کیا۔ ان کی جگہ پر تیز طرار اور جوشیلے جوان بھرتی کئے معقول معاوضے
ر مشاہرہ کی وجہ سے بیرون اسپین سے بھی بہت سے جوانمرد آکر اس کی فوج میں شامل ہوئے
ں شعبہ کی اصلاح ہوتے ہی بغاوتوں کو فرو کرنے کا کام شروع ہوگیا۔ بہت سے مخالفین نے
واقعی مصلحت اسی میں دیکھی تھی کہ اطاعت و فرمانبرداری کا دامن تھام عزت و آبرو کی حفاظت
لی جائے۔ چنانچہ اہلیان البیرہ نے اس پر عمل کرنے میں پہل کی اور ادھر فرمان شاہی
پہنچا ادھر اپنی اطاعت گزاری جتلانے کے لئے عرضیہ نیازمندی بھیج دیا۔ جین پر فوج کشی
ہوئی مگر بغیر کسی جھگڑے کے وہاں قابو حاصل کرلیا گیا لیکن بوباسٹر واور ریہ ۱۸ھ کے سرکش

باوجود کم ہمتی اور پست حوصلگی نچلے نہ بیٹھے اور عداوت پر کمر باندھے ہی رہے۔ ان میں پیش پیش عمر ابن حفصون تھا جس کا تذکرہ پہلے بھی متعدد بار آچکا ہے۔ اس نے اپنی طاقت کو گھٹتے دیکھ کر مسلمان سپاہ کی دامن کشی کو محسوس کرکے بیرونی اضلاع کے جنگجو صفت انسانوں کو ماہوار مشاہرہ پر ملازم رکھنا شروع کر دیا۔ طنجہ اور افریقہ سے سپاہیوں کی درآمد کا سلسلہ بندھ گیا۔ یہ لوگ جو روپیہ پیسہ کی طمع میں ایک آقا کی ملازمت چھوڑ کر دوسرے کے یہاں چلے جانے میں کوئی ذلت نہ محسوس کرتے تھے بشرطیکہ دوسری جگہ ان کو زیادہ تنخواہ ملے۔ اور میدان جنگ میں بھی وہ بہادری کا ثبوت اس وجہ سے نہ دیتے تھے کہ مبادا کل اس سے صلح ہو جائے اور پھر وہ دشمن دوست بن جائے۔ اس وجہ سے اُن پر کلی اعتماد نہ کیا جا سکتا تھا۔ ادھر ابن حفصون اور اُس کے دوست ابن مستنہ کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے اس شہرت کو پہلے بھی بہت دھکا لگ چکا تھا۔ عبیداللہ شیعہ حاکم افریقہ سے بھی دوستی کا پیغام دیکر بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا تھا۔ اس کیفیت کے باوجود عبدالرحمن سے دو دو ہاتھ کرنے کا جذبہ اب بھی اس میں باقی تھا۔

عبدالرحمن کی پیش قدمی

عبدالرحمن بھی سرکشوں کا سر کچلنے میں کم مستعد نہ تھا۔ ان شہروں کی بابت تو جانے دو جو انتہائی خلوص سے اس بات کے متمنی تھے کہ سلطان کب ان کے شہر میں قدم رکھیں اور کب وہ اپنی عقیدتمندی کا اظہار کریں۔ مگر وہ علاقے جو ابھی اطاعت سے باہر تھے ان کو تو زیر نگیں کرنا ہی تھا۔ سب سے پہلے ایک فوج اپنے حاجب بدر کی سرکردگی میں استنجہ Stanga کی جانب روانہ کی۔ بقول ڈوزی ۱۲ دسمبر ۹۱۲ء مطابق ۱۸ جمادی الاول ۳۰۰ھ جبکہ امیر عبداللہ کو مرے ہوئے مشکل سے ۲ ماہ بیتے ہوئے تھے کہ استنجہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ لیکن شہر والوں نے بغیر مزاحمت ہتھیار ڈال دینے میں مصلحت دیکھی اور یہی کر بیٹھے۔

اس فتح کے بعد عبدالرحمن کا ارادہ ہوا کہ وہ خود فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے۔ بدر کو انصرام ملکی سونپ کر اپریل ۹۱۳ء میں خود گھوڑے کی پیٹھ پر جا سوار ہوا۔ اور موسم بہار ابھی ہونا ہی تھا دکھا رہا تھا کہ جیَن کا محاصرہ کر لیا گیا۔ فوجیوں نے جو ایک عرصہ بعد اپنے شہنشاہ کو اپنے درمیان دیکھا تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور ان کی ہمتیں کس قدر بڑھ گئیں اس کا تو کچھ کہنا ہی نہیں جیَن کے پورے صوبے میں تہلکہ مچ گیا۔ لوگ سمجھے کہ یہ تو وہ بادشاہ ہے جو آرام میں نہیں بلکہ

Marfat.com

یبیت اور نکہت میں بھی اپنی رعایا کے ساتھ ہے۔ اب شاہی فوجیں آرچی ڈونہ کی طرف
ھنے لگیں یہاں کا حاکم خواہ مخواہ ابنِ حفصون سے ناتہ جوڑ بیٹھا تھا۔ فوج کے جس دستے
۔ اس جانب روانہ کیا گیا تھا۔ اس نے جاتے ہی۔ شاید وہ اتوار کا دن تھا۔ محاصرہ کرلیا۔
ں سے پہلے کہ ابن حفصون ان کی مدد کو پہنچے۔ شہر والوں کی ہمتیں جواب دے گئیں تیسرے
ن شہر پناہ کے پھاٹک کھل گئے۔ شاہی فوجیں اندر داخل ہوگئیں۔

خود عبدالرحمٰن منت یون **Minat** کی سمت بڑھا۔ یہ ابھی تک سعید بن ہذیل کے قبضہ
ں تھا۔ اس نے جنگ کی طاقت نہ دیکھتے ہوئے فوراً شکست قبول کرلی۔ سعید کے ساتھی
ں میں ابن شالیہ اسحاق ابن ابراہیم۔ صاحب منتشہ وغیرہ شامل تھے فوراً عبدالرحمٰن کے
امنے عجز و عاجزی کا اظہار کرکے گلو خلاصی کی۔ ان کو امان تو دیدی گئی مگر ان کے بال بچوں
یطور یرغمال قرطبہ روانہ کردیا گیا۔

فتح و نصرت کو اپنے دامن میں چھپائے یہ فوجیں صوبہ البیرہ میں داخل ہوئیں۔ مگر وہاں
لعاً کوئی مزاحمت نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ یہ لوگ فنتیانہ پہونچ گئے۔ یہاں کے لوگ ابنِ حفصون کا دم
رتے تھے۔ قلعہ کی مضبوطی پر ناز کرتے تھے۔ اس لئے مخالفت کو بھی اپنا شیوہ بنائے ہوئے
ے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا۔ اور راستہ سخت ترین دشوار گزار تھا۔ ان لوگوں
دیہ گمان تھا کہ حملہ آور وہ راہ طے ہی نہ کر پائیں گے۔ مگر جب یہ دیکھا فوجیں بڑھتی ہی چلی
ی ہیں۔ رکنے کا نام ہی نہیں لیتیں ہیں تو تباہی و بربادی پر کمر باندھی۔ قرب و جوار کے تمام
انات اور کھیتوں میں آگ لگا کر قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ مگر آخر کار کب تک بیٹھے رہتے شکست
ول کرتے ہی بن پڑی۔ شہر حوالے کر دیا گیا۔ شہر والوں کو امان مل گئی۔

یہ دشوار گزار راہیں جو طے ہوگئیں تو ہمتیں اور بھی دوچند ہوگئیں اب جبل اشبلیز کی طرف
ھنے کی سوچی گئی جو اور بھی سخت اور دشوار علاقہ تھا۔ اس پورے علاقے کے حاکم امیر عبداللہ
ے عہد میں خود سر ہوگئے تھے۔ بہتوں نے تو اطاعت گزاری میں مفر دیکھا مگر اہلیانِ شبیلر
ستور شرارت پر آمادہ رہے۔ مگر یہ شرارت کیونکر چل سکتی تھی۔ جب عبدالرحمٰن کے ہمراہ
ن کا عزم بلند تو تھا ہی تائید ایزدی بھی ساتھ تھی۔ قلعہ فتح ہوا۔ باغیوں کو واجب القتل
ہا گیا۔ عام رعایا کو بخش دیا گیا۔ وہیں یہ خبر ملی کہ ابن حفصون اغلباً البیرہ پر حملہ کرنے والا
ے۔ ایک دستہ اس کی حفاظت میں بھی روانہ کر دیا گیا۔ کچھ فوجیں تو پہلے ہی سے موجود تھیں۔

Marfat.com

دونوں نے مل کر دشمن کے اوپر جان توڑ کر حملہ کر دیا۔ اور فتحیاب ہوئے ابنِ حفصون کا پوتا جو فوج کی قیادت کر رہا تھا۔ پکڑا گیا۔ اور عبدالرحمٰن کے حضور بھیج دیا گیا۔

جب البیرہ میں یہ کھیل کھیلا جا رہا تھا تو عبدالرحمٰن قلعہ شبلیس کا محاصرہ کئے پڑے ہوئے یہ جگہ اس وقت بہت سے مشتبہ اور فتنہ پسند عیسائیوں کا مرکز بن گیا تھا اور مستقل مسلمان آبادی کو پریشان کر رہے تھے۔ محاصرہ پندرہ دن تک مشکل سے جاری رہا ہوگا کہ مسلمان جو پہلے ہی سے تنگ آئے ہوئے تھے اپنے بچاؤ میں خطاؤں کی معافی مانگنے پر مجبور ہوئے اور مصالحت کی گفتگو شروع کر دی۔ مسلمانوں نے تمام عیسائیوں کو شاہی فوجوں کے سپرد کر دیا۔ جو بربنائے شرارت اور مفسدہ پردازی موت کی سزا کے مستحق ٹھہرے۔ مسلمانوں کو امان دی گئی۔

یہاں سے آگے بڑھ کے شلوبیہ۔ شنت اشتیبان اور بنہ قراطہ کا رُخ کیا گیا اور ان کو معمولی جھڑپوں کے بعد فتح کر لیا گیا۔ یہ علاقہ دراصل آشیانہ عقاب کہلاتا تھا۔ کیونکہ تمام لیٹرے۔ راہزن اور قزاق یہیں جمع ہو گئے تھے اور دن رات اُودھم مچایا کرتے تھے۔ غریب انسانوں کا ناک میں دم کئے ہوئے تھے۔ دور دور تک یہ لوگ چھاپہ مارتے تھے۔ البیرہ اور غرناطہ کے شہریوں کے لئے تو یہ ایک عذاب سے کم نہ تھے۔ اس عذاب کو ختم کرنا ہی تھا۔ ان کے تمام اڈّوں کو تہس نہس کر دیا گیا۔ رہزنوں کو چُن چُن کر قتل کر دیا گیا۔ اور تمام فتنہ انگیز لوگوں کو سخت ترین سزائیں دے کر ٹھکانے لگایا گیا۔

مستقل تین مہینے تک فوج کشی۔ جنگ اور محاصروں کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام کا تمام علاقہ الیسارام ہو گیا۔ جیسا کہ عبدالرحمٰن کوئی بادشاہ نہ ہو جادوگر جس نے اِدھر اپنی لکڑی گھمائی اُدھر سب قرینے پر آ گئے۔ باغیوں کو ذلیل کر کے۔ قتل کر کے اور سزائیں دے کر ریاست کا خیر خواہ بنا لیا گیا۔ یا راستے ہی سے ہٹا دیا گیا۔ رہزنوں اور قزاقوں کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔

البیرہ اور جیّن کے بعد اشبیلیہ کے صوبے کی طرف فوجوں کی باگیں مڑ گئیں۔ یہاں کا حاکم اس وقت عبدالرحمٰن بن ابراہیم بن حجاج تھا اور اس کا بھائی محمد بن ابراہیم قرمونہ پر قبضہ کئے ہوئے تھا۔ ۹۱۳ء میں عبدالرحمٰن نے دفعتاً انتقال کیا تو محمد نے سوچا لاؤ اشبیلیہ پر بھی قبضہ جماؤ۔ مگر اس کی مطلق العنانی اور آزادی اشبیلیہ کے لوگوں کو بالکل نہ بھائی۔

Marfat.com

ں پر یہ الزام لگا دیا کہ عبدالرحمٰن کی موت کا باعث وہ خود ہے۔ اور اسی نے شاید اس کو زہر دیکر وا دیا۔ یوں مخالفت پر کمر باندھ کر اسے شہر سے باہر نکال دیا۔ اس کے چچا زاد بھائی احمد سلمہ کو اپنا حاکم بنا لیا لیکن امیر عبدالرحمٰن نے یہ اپنے طور پر ساری کارروائی کی تصدیق نہ) اور اپنی فوجوں کو بھیج شہر کا محاصرہ کروا لیا۔ محمد بن ابراہیم کے لئے یہ سنہری موقع تھا اپنی وفاداری بت کرنے کا وہ فوراً قرطبہ پہنچا اور اپنی اطاعت اور جاں نثاری کا یقین دلایا۔ امیر کو اس کی داقت کا یقین آ گیا۔ اسے بھی محاصرین کے پاس روانہ کر دیا۔ اب محاصرے میں اتنی سختی کی گئی احمد بن سلمہ نے چپکے سے ابن حفصون کے پاس پیغام بھیجا کہ اس کی مدد کو آئے۔ اس نے فوراً ں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ فوج لے کر شاہی فوج پر جو وادی الکبیر کے دائیں جانب ب قلعہ کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھی۔ حملہ کر دیا مگر ایسی منہ کی کھائی کہ مزہ آ گیا۔ بھاگ کر بوباسٹرو دم لیا۔ اس کی شکست احمد بن مسلم کے لئے تازیانۂ عبرت تھا۔ اسی دوران میں بدر کے زیر کمان اہی کمک اور پہنچ گئی۔ اسی کے پاس صلح کا پیغام پہنچایا گیا۔ طے یہ پایا کہ شہریوں پر ان کی ی کے خلاف کسی حاکم کو نہ ٹھونسا جائے گا۔ اور ان کے طور طریقوں سے کوئی تعرض نہ کیا ئے گا۔ شہر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ شاہی فوجیں مظفر و منصور اندر براجمان ئیں۔ محمد بن ابراہیم نے جو اس عرصہ میں قرطبہ لوٹ آیا تھا۔ سمجھا کہ گویا اب اس کی قسمت کے وازے بھی کھل گئے۔ اس کو کیا معلوم کہ شرائط صلح کیا تھیں۔ اس کو جب یہ پیغام بدر کے پاس سے پہنچا کہ اشبیلیہ پر قبضہ ہو چکا ہے۔ اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ قرطبہ چھوڑ دے تو اس لے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دل ہی دل میں انتقام کا پختہ عزم کئے وہ قرمونہ کی طرف چل دیا۔ راستے ں کچھ لوٹ مار بھی کی تھوڑے بہت جانور پکڑ لئے اور پھر اپنے شہر پہنچ کر مقابلہ کی تیاریاں رنے لگا۔

جب یہ خبر امیر کو پہنچی تو انہوں نے پہلے تو نرمی سے کام لینا چاہا اور سوچا کہ اگر دشمن شہد سے مر جائے تو زہر کا کیوں استعمال کیا جائے۔ یہ پیغام اس کے پاس بھیجا کہ اب وہ زمانہ ہوا دا جب کوئی دوسروں کا مال لٹیروں کی طرح لوٹ لیا کرتا تھا۔ تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ جن جن کے جانور پکڑے ہیں ان کو واپس لوٹا دو۔ محمد نے چونکہ اس وقت تک تیاریاں مکمل نہ کی تھیں اس لئے مصلحت اسی میں دیکھی کہ پرائی چیز فوراً واپس کر دے۔

محمد بن ابراہیم کی تیاریاں جاری ہی تھیں کہ اس کو اطلاع ملی کہ اشبیلیہ کے قلعہ کی دیواریں

Marfat.com

پچھلی بغاوت کے سلسلہ میں سلطان کے حکم سے منہدم کرا دی گئی ہیں اور شہر اس وقت غیر محفوظ حالت میں ہے اس نے یہی موقع حملہ کا مناسب سمجھا اور اپنی فوجیں لے کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ عبد الرحمٰن جو ضبط و تحمل کی اعلیٰ مثال تھے۔ مصلحت بینی کو سامنے رکھ کر اپنے صاحب الشرطہ قاسم بن الولید جو قبیلہ بنو کلب سے متعلق تھا۔ قاصد بنا کر ابن ابراہیم کے پاس بھیجا کہ اس فتنہ و فساد سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور اگر شاہی فوجیں اس طرف پل پڑیں تو پھر کہیں امان نہ مل سکے گی۔ قاسم کا انتخاب بہت سی خصوصیات کی بنا پر کیا گیا تھا۔ ایک تو وہ صاحب فراست تھا دوسرے خطابت کا ماہر تھا۔ انداز بیان کچھ اس قسم کا تھا کہ ہر ایک کو موہ لیتا تھا۔ تیسرے وہ عرصہ تک اشبیلیہ محمد کے والد ابراہیم کی خدمت میں رہ چکا تھا۔ اور جب محمد بن مسلم کے خلاف شہر کا محاصرہ کیا گیا تھا تو محمد اور قاسم اتفاق سے ایک ہی جگہ پر مقیم تھے۔ ان باتوں کا اثر ہونا لازمی تھا۔ قاسم نے کچھ ایسا روغن قاز ملا کہ ابنِ ابراہیم حضور سلطانی میں پیش ہونے کے لئے قرطبہ کی طرف چل ہی پڑا۔ ۱۴ اپریل ۹۱۴ء مطابق ۱۵ رمضان ۳۰۲ھ کو بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ دار السلطنت پہنچا۔ وہاں خوب خاطر تواضع ہوئی۔ قرمونہ میں اسی کا منظور کردہ نائب حاکم مقرر کیا گیا۔ خود اس کو حاجب کبیر کا خطاب عطا ہوا۔ اور آئندہ جنگ میں شریک ہونے کے لئے بھی منتخب کر لیا گیا۔

ابنِ حفصون سے مجادلہ

اس دوران میں ابنِ حفصون نے کافی خزانہ اور فوج جمع کر لی تھی، اور مخالفت پر پورے انتظامات کے ساتھ کمر باندھی تھی۔ اس کا استیصال آسان کام نہ تھا۔ اس لئے کہ مقبوضہ جات پہاڑیوں پر واقع تھے اور وہاں تک پہنچنا آسان کام نہ تھا۔ عبد الرحمٰن جو اپنی دھن کا پکا تھا۔ مشکلات کو تو خاطر میں لانا جانتا ہی نہ تھا۔ دل میں یہ ٹھان لی کہ جہاں Regio کے علاقے میں اس کے دادا عبد اللہ کو ابنِ حفصون کے ہاتھوں شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا وہیں اس شرارت کی بیخ کنی کی جائے گی۔ حکمت عملی کے تحت اس نے پہلے عیسائیوں کو لبھانا شروع کیا۔ جو ابن حفصون کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ اور انہیں کے اوپر اس کو ناز تھا۔ اُن کے ساتھ عدل پروری کا ثبوت دے کر بلا لحاظ قوم و مذہب اُن کے حقوق کی حفاظت کر کے۔ ان کو درجہ مساوی عطا کر کے شکوک اور مخالفت کی ساری بنیادیں مٹا دیں۔ نہ جانے کتنے عیسائی اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور حاضر دربار ہو کر معافی کے خواستگار ہوئے۔ شاہ کی طرف سے سب کی دلدہی کی گئی۔ اور جن جن لوگوں کی جائدادیں جنگ و جدل میں ہاتھ سے نکل گئی تھیں اُن کو واپس دلایا۔

Marfat.com

اور نقصانات ہوئے ان کی تلافی سرکاری خزانہ سے کی گئی۔ ایک موقع پر تو اس قدر رواداری برتی کہ اس کا جواب ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ پورا واقعہ علامہ دوزی نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے۔ اور اس لائق ہے کہ اس کی تکرار یہاں کر کے مسلمانوں کی انصاف پسندی اور رواداری جو غیر مسلموں اور مذاہب والوں کے ساتھ بھی نمایاں ہو۔ اصلیت یوں ہے کہ ایک عیسائی نواب جو قرطبہ میں مقیم تھا کے حرم میں ایک مسلمان کنیز بھی تھی۔ اس نے قاضی سے فریاد کی کہ اسے رہائی دلوائی جائے۔ حاجب بدر کو جب معلوم ہوا تو اس نے قاضی کے پاس کہلوا بھیجا کہ جس عیسائی کے پاس وہ کنیز ہے وہ از روئے قانون اور معاہدہ قرطبہ میں مقیم ہے۔ لہٰذا اس کے حرم سے اس مسلمان عورت کو اس شرائط کی رو سے نجات نہیں دلائی جا سکتی۔ قاضی کے پاس جب یہ پیغام پہنچا تو بہت تعجب ہوا۔ اول تو یقین ہی نہ آیا کہ یہ حاجب بدر کی جانب سے کہلوایا گیا ہے۔ یا کسی دوسرے کے پاس سے۔ مگر جب یقین ہو گیا۔ تو اس سے درخواست کی کہ اس کے کاموں میں تعرض نہ کرے۔ معاہدہ کے خلاف ورزی انشاء اللہ نہ ہوگی۔ بدر نے پھر کہلا بھیجا کہ عدالتی امور میں میں مداخلت نہیں کرتا مگر کوئی ایسی بات وقوع پذیر نہ ہونا چاہئے۔ جو ان کے حقوق کے خلاف جائے۔ بظاہر یہ واقعہ معمولی نظر آئے گا مگر اس سے یہ اندازہ ہو سکے گا۔ کہ مسلمانوں کے پاس وضع اور پاس عہد کس قدر ہوتا تھا۔ ہر چند کہ کوئی عیسائی، مسلمان عورت کو حرم میں نہیں رکھ سکتا تھا پھر یہ چیز یوں مسلمانوں کے دل کو ٹھیس پہنچاتی ہے۔ جذبات کو مجروح کرتی ہے۔ مگر خلاف ورزی نہ ہو سکے اس کی خاطر یہ بھی گوارا تھی۔ اور ایک دوسرے موقع پر امیر تو ایک نومسلم کو قاضی کے عہدے پر مقرر کئے دے رہے تھے جس والدین اس وقت تک عیسائی تھے۔ فقہا کی جماعت نے بمشکل تمام اس اقدام سے روکا۔

یہ تو خیر جملہ معترضہ تھے۔ اب پھر اصل واقعہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔ ابن حفصون اس وقت بیوس کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھا ادھر ادھر لوٹ مار کر کے رعایا کو سخت اذیتیں پہنچا رہا تھا۔ بعض اوقات تو شبخون مار کر شاہی فوج کو بھی تنگ کرنے سے باز نہ آتا تھا۔ ایک بار تو ایسا شدید حملہ کیا کہ لشکر میں ہلچل مچادی۔ باوجود عرصہ دراز کے قلعہ پر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک شب تو شاہی فوج کو یہ موقع مل گیا۔ کہ فصیل میں نقب لگا کر قلعہ میں گھسنے کا ارادہ کیا مگر جوابی حملہ اس قدر سخت تھا کہ یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو سکی۔ لیکن عبدالرحمٰن اپنے ارادوں سے ٹس سے مس نہ ہوا اور محاصرہ بدستور جاری رکھا۔ انجام کار ابن حفصون وہاں سے بھاگا اور قلعہ بادشاہ کی ملکیت بنا لیکن دشمن ہاتھ

Marfat.com

نے نکل گیا۔ اس کی سرزنش مکمل طریقہ سے کرنا ہی چاہتا تھا۔ کہ پتہ لگا کہ قرمونہ میں محمد بن ابراہیم کے نائب حبیب نے بغاوت کردی۔

قرمونہ پر حملہ طلوس سے خیمہ اٹھا عبدالرحمٰن سب سے پہلے صوبہ شدونہ جزیرۃ الخضرا ہوتے ہوئے پہنچا وہاں سے مورور آیا۔ اور پھر ۲۸ جون ۹۱۱ء مطابق ۲۲ ذیقعد ۳۰۲ھ کو قرمونہ کا محاصرہ کرلیا گیا۔ محمد بن ابراہیم کو شبہ کی بناء پر کہ اس بغاوت میں اس کا بھی ہاتھ ہے۔ قید کرلیا گیا۔ کوئی تین ہفتہ تک تو حبیب اس لشکر گراں کا مقابلہ کرتا رہا۔ مگر ہر مقابلے میں اس کی ہمتیں جواب دینے لگیں۔ یہ دیکھ کر کہ مزاحمت زیادہ دن تک نہیں چل سکتی۔ اس نے سر تسلیم خم کرنے ہی میں مصلحت دیکھی۔ قرمونہ پر مکمل طور پر قبضہ کرلیا گیا۔ محمد ابن ابراہیم کو آزاد کردیا گیا۔ مگر وہ زندگی سے کچھ ایسا دل برداشتہ ہوگیا تھا کہ اپریل ۹۱۵ء مطابق شوال ۳۰۲ھ میں اس دار فانی سے رخصت ہوگیا۔ عبدالرحمٰن قرطبہ واپس آگیا۔

قحط سالی بارش کی کمی کی وجہ سے اسی سال سخت قحط پڑا۔ کھیتیاں ویران ہوگئیں۔ غلہ عنقا ہوگیا۔ رعایا بدحال ہوگئی۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ کھانے کی چیزوں کا فقدان ہوگیا۔ عوام میں عجیب بے چینی اور انتشار پھیل گیا۔ ہر طرف موت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ امیر نے لوگوں کو حکم دیا کہ دعائے استسقاء پڑھیں کہ مخصوص طور پر قحط سالی کو دور کرنے کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ قاضی منذر بن سعید نے سب کو حکم دیا کہ میدان میں جمع ہو کر اس کے ساتھ دعا میں شامل ہوں۔ اس دعا سے قبل تین دن تک مستقل وہ روزے رکھ چکے تھے اور نماز وظیفہ شعار بنا رکھا تھا توبہ و استغفار کی تھی۔ جب اجتماع کثیر میدان میں جمع ہوگیا تو عبدالرحمٰن خود محل کی بالکونی پر چڑھ کر رعایا کا خلوص دیکھیں اور پھر ان کے ساتھ دعا میں شامل ہوں۔ قاضی منذر پہلے خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے۔ مجمع پر کچھ ایسا خوف اور رقت طاری تھی کہ قاضی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور بے اختیار رونے لگے۔ جب آنسو تھمے تو مجمع کو خطاب کرنے کے لئے سلام کہا۔ غلبۂ رقت ہنوز قائم تھا۔ اس کے بعد کچھ دیر تک الفاظ منہ سے نہ نکل سکے۔ لوگوں کو سخت تعجب ہوا۔ اس کے بعد قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی۔

کتب ربکم علیٰ نفسه الرحمه۔ تا۔ رحیم۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگیں۔ کہ یہ سارا عذاب ان کی بدکرداریوں اور اعمال خبیثہ کی وجہ سے ہے۔ لوگ یہ سن کر رو دیئے۔ پھر بڑے خلوص سے توبہ کی۔ اس کے بعد خطبہ پڑھا گیا۔ اور پھر دعا

Marfat.com

کی گئی۔ اس میں کچھ خلوص شامل تھا کہ ابھی دن ڈوبنے بھی نہ پایا تھا کہ ابرِ رحمت ہر طرف چھا گیا۔ اور پھر خوب ہی برسا۔

علامہ مقری کا قول ہے۔ کہ ایک بار اور اسی طرح سے سخت قحط سالی کے آثار نمودار ہوئے اس وقت عبدالرحمٰن خود دعائے استسقاء کے لئے مسجد قرطبہ میں پہنچے۔ قاضی منذر کو جب معلوم ہوا تو کہنے لگے۔ کہ بادشاہ کیا کریں گے۔ دعا مانگ کر۔ یہ انہیں کے گناہوں کا نتیجہ ہے کہ رعایا اس عذاب میں مبتلا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا آج سے زیادہ عجز و انکسار بادشاہ کی حیثیت میں پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں وہ اپنے حجرے میں پڑے ہوئے۔ میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے زار و قطار رو رہے ہیں۔ سر اور ڈاڑھی کو مستقل خاک سے مل رہے ہیں کہ اے خدا میرے گناہوں کے بدلے میں غریب رعایا پر یہ جبر کیوں فرما رہا ہے۔ قاضی نے جب یہ حال سنا تو کہا۔ بیشک ان کی دعا قبول ہوگی۔ اور بارش آکے رہے گی۔ واقعتاً ایسا ہی ہوا۔ لوگ ابھی دعا ختم کر کے گھروں کو واپس لوٹ بھی نہ پائے تھے کہ خوب زور سے بارش ہوئی اور ذرا سی دیر میں جل تھل ہو گیا۔

سلسلۂ فتوحات

قرمونہ پر قبضہ جمانے کے بعد بوجہ قحط، فوج کی نقل و حرکت کچھ عرصہ تک معرضِ التواء میں رہی۔ ۹۱۶ء میں ایک فوج کو مشرقی اطراف میں بھیجا گیا جس نے جاتے ہی اوری ھیولہ جو صوبہ مرسیہ میں تھا فتح کر لیا۔ پھر غرب کی جانب کوچ کر کے malla پر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے۔ سلسلہ ابھی جاری ہی تھا کہ یہ خبر ملی کہ عمر ابن حفصون اس دنیا سے سدھارا۔ موت نے ۹۱۷ء میں مطابق ۳۰۴ھ اموی سلاطین کو اس زبردست دشمن سے نجات دلائی۔ اس نے اپنے پیچھے چار لڑکے چھوڑے جعفر، سلیمان، عبدالرحمٰن اور حفص یہ سب کے سب اپنے قدیمی مذہب عیسائیت کو اختیار کر چکے تھے بعضے تو ان میں سے سلطان سے مقابلہ کی ہمت نہ پاتے تھے۔ مگر بعض اسی صبر آزما جرأت کا ثبوت دینا چاہتے تھے۔ سب سے پہلے سلیمان نے ۹۱۸ء

رمضان ۳۵۰ھ میں اطاعت گزاری کے طور پر عبدالرحمٰن کی ملازمت قبول کرلی۔ اور فوج
ایک اچھا عہدہ حاصل کرلیا۔ بعد میں شاہ نوار اور لیون کے خلاف اسی کو بھیجا گیا۔ عبدالرحمٰ
نے بھی اسی کی پیروی کرنا چاہی۔ اس کے قبضہ میں طلوس کی حکومت تھی۔ مگر سچ پوچھو تو اس
کو حکمرانی سے زیادہ علم دانی کا شوق تھا اور اسی کی تحصیل میں مصروف رہتا۔ اس نے بھی مصالحت
کرلی اور قرطبہ میں سکونت اختیار کی بقیہ عمر صرف علم و ادب حاصل کرنے۔ کتابیں پڑھنے اور
مستند نسخہ جات کی نقل کرنے میں گزار دی۔ البتہ جعفر اور حفص دونوں مقابلہ پر ڈٹے رہے
جعفر قلعہ بوباسٹرو پر قابض تھا۔ اس لئے اس کی اہمیت اور عظمت اس کے باپ کی طرح
ہی سے قائم تھی۔ سال آئندہ یعنی ۹۱۹ء میں عبدالرحمٰن نے خود اس کے خلاف فوج کشی کی اور
قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ باہر سے قلعہ کے اندر غلہ کی بہم رسانی مفقود کردی جس سے جعفر اور اس
کی فوج کو سخت زحمت کا سامنا کرنا پڑا صلح کی درخواست کی جو اس شرط پر منظور ہوگئی کہ وہ
قرطبہ میں اپنے یرغمال بھیجے گا۔ اور سالانہ خراج ادا کیا کرے گا۔ اگلے سال اس نے مسلمانوں
سے دوستی بنانے کی خاطر پھر مذہب اسلام قبول کرلیا۔ ان لوگوں کے نام تو پہلے ہی سے
مسلمانوں جیسے تھے۔ حرکات و سکنات بھی انہیں جیسی تھیں۔ البتہ عقیدہ کا اختلاف ضرور تھا
سو وہ بھی اس نے مٹا دیا جس طرح ابن حفصون کے عیسائی ہونے پر مسلمان فوج اس سے
بددل ہوگئی اسی طرح سے جعفر ابن عمر کے مسلمان ہونے پر عیسائی امراء اور فوجی اس کے برخلاف
ہوگئے۔ اور بغاوت کر بیٹھے۔ سلیمان نے اپنے بھائی کے خلاف باغیوں کا ساتھ دیا۔ اور اس
کے ایماء پر جعفر کو قتل کرا دیا گیا۔ اس سے سلیمان کو خاصا فائدہ ہوا اور ۹۲۰ء (۳۰۸ھ) میں
بوباسٹرو کے لوگوں نے اسے اپنا حاکم تسلیم کرلیا۔ مگر وہاں کی رعایا کو قابو میں رکھنا سلیمان
جیسے آدمی کا کام نہ تھا۔ اس کی کمزوری اور احسان کے تلے دبے ہونے کی وجہ سے اسی
کے خلاف سازشیں کرنے لگے۔ اور ایک دن اسے شہر ہی سے نکال دیا۔ قید خانے کی دیواریں
توڑ کر قیدیوں کو آزاد کرکے باغیوں کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ اور پھر سلیمان کے محل کو بھی لوٹ لیا
مگر یہ فتنہ جیسے ہی دبا سلیمان اپنے بہی خواہوں کے ساتھ پھر شہر میں بھیس بدل کر داخل ہوگیا۔ اور
بہتوں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ جب کافی تعداد اس کے ہمدردوں کی ہوگئی۔
تو تمام باغی عیسائی سرداروں کو قتل کرا دیا۔ اور یوں ایک عیسائی کی تلوار نے عیسائیوں کا خون
بہایا۔ مگر اس کی حیات کے دن بھی زیادہ نہ تھے۔ اس کے خلاف پھر ایک شورش برپا ہوئی سلیمان

Marfat.com

ڑے پر سوار ہو کر بھاگا۔ مگر اسی کے کسی سپاہی نے اس کو گھوڑے سے گرا کر ۶ فروری ۹۲۷ء
ار ذی قعدہ ۳۱۴ھ میں ہلاک کر ڈالا۔ لاش کی درگت بنائی۔ سر اور ہاتھ پیر دھڑ سے جدا کر کے جسم
مثلہ کیا۔

سلیمان کی موت نے حفص کے لئے زمین ہموار کر دی۔ اسی سال جون میں عبد الرحمٰن اس فتنہ
خری کڑی کو مٹا دینے کی غرض سے قرطبہ سے روانہ ہوا۔ بوباسٹرو کے قریب خیمہ زن ہو گیا۔ حفص
اتنی ہمت نہ تھی کہ میدان میں فوجیں اُتار کر مقابلہ کرتا۔ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گیا۔ محاصرہ کر لیا گیا۔ بوباسٹرو
مضبوطی کی وجہ سے سارے اندلس میں مشہور تھا۔ سامان خورونوش بھی اتفاق سے کافی مقدار میں
د تھا اس لئے محصورین مزے سے اندر گھسے بیٹھے رہے۔ عبد الرحمٰن بھی اس ارادے سے
نہ ہوئے تھے۔ کہ اس سرے یا اس سرے بغیر فتح کئے ہوئے واپس نہ لوٹیں گے۔ قریب ہی
منوں کے زمانے کا ایک منہدم شدہ قلعہ تھا۔ اُسے پھر سے تعمیر کیا گیا۔ قرب وجوار میں زراعت
نظام کر کے رسد کی ضرورت کو رفع کر لیا گیا۔ فوجوں کو مستقل ایک چھوٹا موٹا شہر اس قلعہ میں
کر مقیم کر دیا گیا۔ بوباسٹرو کے اردگرد فوجیں تعینات کر دی گئیں کہ نہ کسی کو باہر آنے دیں نہ کسی کو اندر
ے دیں۔ چھ مہینے تک محاصرہ اس شان سے قائم رہا۔ اب قلعہ کے اندر رسد کی کمیابی نظر آنے لگی
ں میں اتنا حوصلہ نہ رہا کہ مزید مزاحمت کرکے خفیہ طور سے ساز باز شروع کی اور ۲۱ جنوری ۹۲۸ء
بق ۱۶ ذیلقعدہ ۳۱۵ھ بروز جمعہ قلعہ مقبوضہ سلطانی قرار پایا۔ حفص اور باغی شہری فوج کی نگرانی
قرطبہ روانہ کئے گئے۔ باقی رعایا کو امان بخشی گئی۔ حفص کی بہن جس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔
ائی بن کر خانقاہ نشین ہوئی۔ اسے ارتداد کے سلسلے میں موت کی سزا دی گئی۔ اس کے بعد
رحمٰن خود قلعہ کے اندر پہنچا اور فصیل کے برج پر چڑھ کر سارے قلعہ اور شہر پر نظر ڈالی اور تب
و یقین ہوا کہ واقعی اس قسم کا قلعہ تھا کہ جس کا تسخیر ہونا معمولی کام نہ تھا۔ اپنی اسی مضبوطی و استحکام
وجہ سے اس نے عمر ابن حفصون اور اس کے بعد اس کے تینوں بیٹوں کو اس طرح سے پناہ دی
ہ مستقل سلطنت کے لئے ایک خطرہ بنے رہے۔ اور پچاس سال تک اموی سلاطین کو نگنی
اچ نچاتے رہے۔ ۹۲۸ء کچھ ایسا مبارک اور نیک سال تھا کہ اس کے شروع ہوتے ہی
صیبت سے مستقل طور پر نجات ملی۔ اس امداد الٰہی پر عبد الرحمٰن فوراً سجدہ شکر بجا لایا اور
تک بوباسٹرو میں رہا۔ روزے رکھتا رہا۔ نفل ادا کرتا رہا۔ ابن حفصون اور جعفر کی لاشیں
ں سے نکال کر قرطبہ بھیجی گئیں۔ اور وہاں سولی پر چڑھائی گئیں۔ اور اس طرح سے وہ اپنے دشمنوں

Marfat.com

کے لئے عبرت اور دوستوں کے لئے شکر کا موقع بہم کر گئیں۔

بوباسٹرو کی فتح ایک ایسا تازیانہ تھی کہ سارے سرکش عیسائی راہ راست پر آ گئے اور یکے بعد دیگرے اطاعت قبول کرنے لگے۔ جنہوں نے آسانی سے اطاعت نہ کی ان کو بزور سر جھکانے پر مجبور کیا گیا۔ اور پھر قید کر کے قرطبہ بھیج دیا گیا۔ کوہستان باغہ کے علاقہ میں ابن مستانہ کے لڑ ابھی تک مطلق العنانی سے حکومت کر رہے تھے۔ ان کے خلاف جو فوجیں بھیجی گئیں تو ن صلح پر آمادہ ہو گئے۔ وہاں سے فوجیں کوچ کر کے صوبہ البیرہ میں داخل ہوئیں جہاں اس دوران میں بنی مہلب کے افراد اور بربری طوفان اٹھائے ہوئے تھے۔ اسے فتح کیا ربیح Mont Robin جو جین اور البیرہ کی راہ میں واقع تھا اور پہاڑ کی چوٹی پر بنایا گ تھا۔ اپنا مرکز بنائے ہوئے تھے۔ وہاں پر عیسائیوں اور قزاقوں کا ایک گروہ بے تحا لوٹ مار کر رہا تھا۔ ۹۲۲ء (۳۱۰ھ) میں اس کا محاصرہ کر لیا گیا جو ایک ماہ مستقل جاری رہا کوئی فائدہ کی صورت نظر نہ آئی۔ فی الحال شورش دب گئی تھی۔ اس لئے محاصرہ اٹھا لیا گیا لیکن چار سال بعد ایک دوسرے موقع جب فوجیں پھر اس جانب پہونچیں تو اسے مکم طریقہ پر فتح کر لیا گیا۔

علاقہ ربیہ اور البیرہ سے فراغت حاصل کر کے شاہی لشکر ۹۲۴ء ۳۱۲ھ میں صوبہ بلن کی شورش پسند عناصر کے خلاف بڑھا تھوڑی سی مزاحمت کے بعد سب نے ہتھیار ڈال اس کے بعد عبد الحمید نے جو لشکر کی قیادت کر رہے تھے۔ بنی ذوالنون سے جنگ کی ٹھا اور ان کو شکست دیکر ہی دم لیا۔

جب یہ فوج اپنی کارگزاری جنوب کی طرف دکھا رہی تھی تو ایک دوسری فوج حا لیکانت Lekant اور قلیوشہ شیخ اسلمی کے خلاف بھیجی جس نے بغاوت پر کمر باند تھی۔ یہ شیخ عربی نژاد تھا اور کٹر مذہبی انسان تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے انتظام سلطنت بیٹے کے سپرد کر دیا تھا۔ خود عبادت اور صوم و صلوٰۃ میں مصروف ہو گیا تھا۔ مگر جب اس بیٹا ایک لڑائی میں اموی جانثاروں کے ہاتھ سے مارا گیا تو پھر جذبہ انتقام لے کر حکو کی گدی پر آبیٹھا اور بادشاہ کے خلاف شورشیں برپا کرنے لگا۔ شیخ کو شکست دی۔ انجا اسلمی نے شکست قبول کی۔ اسے اور اس کے بیٹوں کو قرطبہ روانہ کر دیا گیا۔

اسی دوران میں ایک دوسری فوج نے ماردہ اور شنتیرین کے علاقوں پر علیم الش

پائی۔ اس کے بعد پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد باجہ کو مفتوح کر لیا گیا۔ اس جانب بھی امن ہو گیا۔

مگر حاکم اکشونبہ Aksonia خلف بن بکر جو نو مسلم تھا سرکشی پر تل گیا۔ مگر عبدالرحمٰن کی شاہی گیدڑ بھبکی سے کچھ ایسا مرعوب ہوا کہ فوراً خراج گزار بننے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ چونکہ محبوب عام تھا۔ اس لئے قید تو نہیں کیا گیا۔ البتہ مدد گار بنا لیا اور یہ حکم دیا کہ اگر کبھی وقت پر سالانہ خراج نہ پہونچا تو علاقہ کا علاقہ تباہ کر دیا جائے گا۔

اب بطلیہ Batlius کی باری تھی۔ ابن مروان تو عرصہ ہوا مر چکا تھا مگر اس کی اولاد اب بھی خود مختاری کے مزے لوٹ رہی تھی جو فوج اس جانب روانہ کی گئی تھی۔ اس کو یہ احکامات تھے کہ جب تک فیصلہ کن نہ ہو جائے وہاں سے نہ ہٹے۔ تعمیل حکم کی خاطر پورے ایک سال محاصرہ جاری رہا۔ آخر کار فتح حاصل ہوئی اور سنہ ۹۲۰ء ر ۳۱۸ھ میں یہ بھی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔

طلیطلہ ان تمام علاقوں پر قبضہ ہو جانے کے بعد عبدالرحمٰن کو طلیطلہ کی فکر ستانے لگی۔ جو تقریباً اسی سال سے خود مختاری کا اعلان کئے ہوئے تھا۔ کبھی کبھی تفریحاً یہ عبداللہ کے پاس خراج بھیج دیا کرتے تھے اور نہ اس کی اطاعت سے قطعاً باہر تھے۔ عبدالرحمٰن بھلا ان کی ہمسری کب گوارا کر سکتے تھے۔ پہلے تو ایک وفد فقیہان ملک کا ان کے پاس بھیجا کہ ان کو بہلا پھسلا کے راہ راست پر لے آئیں اور مفت میں کشت و خون نہ ہو مگر بنی قسی جو نو مسلم تھے اور طلیطلہ میں حکومت قائم کئے ہوئے تھے۔ اس وفد کو ذرا بھی خاطر میں نہ لائے۔ عبدالرحمٰن کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی۔ سنہ ۹۳۰ء میں مئی کا مہینہ تھا جو ایک فوج کثیر سعید بن منذر کے تحت روانہ کی۔ اس فوج نے جاتے ہی محاصرہ کر لیا۔ اگلے مہینے جون میں وہ خود بھی اس سمت روانہ ہوا۔ دریائے عکرہ کے کنارے مورا کے مقام پر اپنا خیمہ لگایا۔ سب سے پہلے مورا کے حاکم کو قلعہ حوالے کر دینے کے لئے لکھا۔ بیچارہ شاہی فوجوں اور اس کے بعد شہنشاہ کی آمد پر یونہی لرزہ براندام ہو رہا تھا فوراً قلعہ کی کنجیاں شاہ کے حوالے کر دیں۔ اس پر قبضہ کرنے کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنا خیمہ جبل القصب (Alkasba) پر نصب کیا۔ اور فوج کو ادھر ادھر طلیطلہ کے ارد گرد پھیلا دیا۔ آس پڑوس میں جتنے باغات اور کھیتیاں تھیں ان پر قبضہ جما لیا۔ اس کے بعد ایک بہت بڑے قبرستان میں پڑاؤ ڈال دیا درختوں سے پھل اُتار کر ان میں آگ لگوا دی۔ جو آبادی تھی اس کو وہاں سے بھگا دیا گیا۔ مکانوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ یہ تمام انتظامات ضروری تھے

Marfat.com

کہ مبادا یہ لوگ قلعہ والوں کی مدد پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ پھر شدت کے ساتھ حملہ کیا جو ناکامیاب ثابت ہوا۔ محاصرے نے طوالت پکڑی تو عبدالرحمن نے یہاں بھی طلیطلہ کی فصیل کے سامنے ایک نیا شہر بسا دیا اور یہ تہیّہ کر لیا گیا کہ جب تک فتح حاصل نہ ہو جائے گی فوجیں اپنا رُخ نہ پھیریں۔ دو سال تک محاصرہ قائم رہا۔ اس عرصہ میں نیا شہر جس کا نام الفتح رکھا گیا پوری طرح آباد ہو گیا۔ طلیطلہ والوں نے شاہ لیون کو مدد کے لئے لکھا مگر وہاں سے کوئی سُن گُن بھی نہ تھی۔ ایک فوج جو اس نے ان لوگوں کی مدد کے لئے بھیجی اس کے متعلق جیسے ہی جاسوسوں نے خبر دی شاہی فوج نے راستہ ہی میں جا لیا اور اس زور شور سے حملہ کیا کہ دُم دبا کے بھاگتے ہی بن پڑی۔ اِدھر شہر میں غلہ کی کمی اور رسد کی کمیابی نے رعایا کا حال تباہ کر دیا۔ باہر سے کسی چیز کے دستیاب ہونے کی کوئی اُمید ہی نہ تھی۔ نئے شہر کی تعمیر نے ان پر یہ بات اور بھی واضح کر دی کہ جب تک امیر کو فتح حاصل نہ ہو جائے گی وہ یہاں سے ٹلیں گے نہیں۔ مجبوراً اہل شہر نے اطاعت پر حامی بھری۔ شہر کے پھاٹک کھول دیئے۔ عبدالرحمن نے ایک بار پھر خلوص سے سجدہ شکر بجا لایا۔

طلیطلہ کی فتح کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ اس شہر نے ہمیشہ سے بے ضابطگی اور بدعہدی کا ثبوت دیا تھا۔ شاید ہی کسی بادشاہ کے زمانے میں انہوں نے صحیح معنوں میں اطاعت گزاری اور وفاداری کا ثبوت دیا ہو۔ ان کے دماغوں میں ہمیشہ سے بغاوت کی ہوا بھری رہی۔ اور جب کبھی بھی ان کو موقع نصیب ہوتا یہ اعلانِ بغاوت کر ہی بیٹھتے۔ اس پر قابو حاصل کرنا گویا ایک عظیم الشان فتح کی دلیل تھی۔ اس کے بعد تو کیا نومسلم۔ کیا عرب ــــــ کیا بربری سب مطیع اور فرمانبردار بن گئے۔ مگر اب ایک دوسری طاقت نے سر اُبھارا۔ یہ تھے بنی فاطمہ جو افریقیہ میں فتحمند ہو کر اندلس پر دھاوا بولنے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔

Marfat.com

باب (۳۹)

افریقہ کے حالات پر ایک نظر

اندلس کو اب تک خطرہ یا تو اپنے ہی ملک کے مختلف امراء اور والیوں سے رہا یا شمال میں ابھرنے والی عیسائی ریاستوں سے۔ عبدالرحمٰن کے زمانے میں افریقہ میں ایک نئی طاقت بنو فاطمہ Bano Fatimid نے زور پکڑا۔ رفتہ رفتہ یہ سارے افریقہ پر چھا گئے حتیٰ کہ ماریطینیا پر بھی چھانے لگے۔ عبدالرحمٰن کی دوربین نظروں نے یہ بھانپ لیا کہ اگر اس کا اقتدار یونہی بڑھتا رہا تو وہ دن دور نہیں ہے جب یہ اندلس پر بھی اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں گے۔ اور اس کو بھی اپنے زیر نگیں لانے کی کوشش کریں گے۔ یہ خطرہ قطعاً بے بنیاد نہ تھا۔ فرقہ اسمٰعیلیہ جو قوت پکڑ رہا تھا اس کے ارادے نیک نہ تھے خصوصاً بنی امیہ سے تو ان کی انتہائی جلی کٹی تھی اور وہ نہ جانے کب سے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ طاقت ان کے ہاتھ میں آئے تو وہ اہلبیت پر تشدد کا انتقام مروانیوں سے لیں۔ بہتر یہ ہے کہ شیعہ کے فرقہ اسمٰعیلیہ کی مختصر تاریخ یہاں پر بیان کر دی جائے

فرقہ اسمٰعیلیہ اہل تشیع کا یہ نظریہ ہے کہ حضرت علیؓ رسول اکرمؐ کے وصی اور ولی ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کی سرداری اور ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد میں رہنا چاہیئے۔ حضرت علیؓ کی اولادوں میں نمایاں حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ تھے۔ اول الذکر نے معاویہ کی موافقت میں خلافت سے دستبرداری کی اور باقی زندگی عزلت نشینی میں گزاری۔ حضرت امام حسین سے جب زبردستی بیعت یزید معاویہ کی لی جانے لگی تو انہوں نے ایسے فاسق و فاجر شخص کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ مقام کربلا میں ان کا اور یزید کی فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ وہ معہ دیگر اعزا شہید

Marfat.com

ہوئے۔ ان کی اولاد میں سے صرف علی المعروف بہ زین العابدین رہے۔ وہ شیعیان علی کے امام ہوئے۔ پھر ان کی نسل سے امامت کا سلسلہ چلتا ہی رہا۔ یہ کل تعداد میں بارہ ہوئے جو عقیدے کے مطابق معصوم ہیں۔ ایک مدت تک تو تمام شیعہ حضرات اماموں پر متفق رہے۔ مگر چھٹے امام جعفر صادق کے بعد اختلاف ہوگیا۔ حضرت جعفر صادق کے کئی فرزند تھے۔ سب سے بڑے اسمٰعیل ان سے موسیٰ کاظم۔ بڑے صاحبزادے کا انتقال ۷۶۲ء مطابق ۱۴۵ھ حضرت جعفر صادق کی زندگی ہی میں ہوگیا۔ اس لئے عام طور سے شیعوں نے ان کے چھوٹے بھائی موسیٰ کاظم کو امام کی حیثیت سے قبول کرلیا۔ مگر بعض شیعہ حضرات ایسے بھی تھے جو امام اسمٰعیل کی اولاد ہی کو امام تسلیم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے کہ جناب اسمٰعیل کا امام ہونا خود جناب جعفر صادق سے نص کے طور پر بیان ہوچکا ہے۔ چونکہ نص میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں اس لئے امامت کی شاخ انہیں کی ہی قائم رہے گی۔ اس عقیدے کے حضرات ہر چند کم تھے۔ مگر بہرحال تھے انہوں نے حضرت جعفر کی وفات کے بعد جناب اسمٰعیل کی اولاد کے علاوہ کسی کو امام تسلیم نہ کیا۔ اور اسی لئے یہ فرقہ اسمٰعیلیہ کے نام سے موسوم ہوئے قلیل تعداد ہونے کی اور پھر شہرت کے بھی متمنی نہ ہونے کی بنا پر جناب اسمٰعیل کی اولاد اپنے بہت سے معتقدین کے ساتھ خراسان اور قندھار کی جانب ہجرت کر گئے اور وہیں تنہائی کی زندگی بسر کی۔ ان کی اس تنہا پسندی اور گوشہ نشینی کا مطلب تو یہ تھا کہ یہ فرقہ بالکل ختم ہو جائے مگر کچھ عرصہ بعد ایران کے جوان ہمت اور باصلاحیت جوان نے اس کو پھر زندگی دی۔

خلفائے عباسیہ کے زمانے میں ایران بہت سی شورشوں اور فتنوں کا مرکز بن گیا تھا۔ یہ ابھی تک مجوسی عقائد کے پیرو تھے آتش پرستی بھی روا رکھتے تھے۔ دین اور شریعت میں بے دینی اور بدعات اور شرک پھیلانا اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ اس کے انسداد کے لئے خلیفہ مہدی نے ایک خاص عدالت قائم کی جس میں صرف مذہب میں خرافات شامل کرنے والوں کو سزائیں دیجاتی تھیں۔ پھر بھی یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز نہ آتے تھے۔ بعض اوقات تو جو مسلمان خصوصاً کسی آتشکدہ یا معبد کو مسجد بنانا چاہتا تھا اس کو سزائیں دیتے تھے۔ خرمیوں کے اسی عقیدہ کے ماننے والے ایک سردار بابک نے تو عرصہ دراز تک عباسیوں کا ناطقہ بند رکھا ۸۱۷ء یعنی ۲۰۱ھ سے لے کر ۸۳۷ء ۲۲۲ھ تک یعنی پورے بیس برس خلیفہ کی فوجوں کو تنگ رکھا حتّٰی کہ جنگ وجدال میں کوئی ۲½ لاکھ انسانوں کی جان مفت میں ضائع ہوئی۔ مختلف مقامات اور شہروں میں ان کا

Marfat.com

سوسائٹیاں اور جماعتیں بھی قائم تھیں، جو مستقل سازشیں کیا کرتی تھیں۔ ایسی ہی ایک سوسائٹی
فرد نے جس کا نام عبداللہ ابن میمون تھا۔ فرقہ اسمٰعیلیہ کی مردہ روح میں کوئی نویں صدی
ہی کے آغاز میں پھر سے جان ڈالی۔ یہ قدیم عجمی خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس کے لوگ
پرست ہی نہیں بلکہ ملک شام کے باشندے بروسانیس Brosenes دوسری
صدی عیسوی میں ایک نئے مذہب کا موجد ہوا اس کے مقلد تھے۔ عبداللہ کا باپ میمون حکیم بھی تھا
ساحر بھی۔ آنکھوں کے علاج میں بھی ماہر۔ شعبدے دکھانے میں بھی اور فتنے برپا کرنے میں
بھی۔ چنانچہ کوئی ستر آدمی اس کے گروپ کے مخصوص عدالتوں سے سزائیں پا چکے تھے۔ اور
کئے جا چکے تھے۔ میمون نے ڈر کے مارے بیت المقدس میں پناہ ڈھونڈی اور مذہب شیعہ
و پیگنڈا کرنے لگا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے نے بھی لوگوں کو وہ شعبدے دکھا کر جو
نے اپنے باپ سے سیکھے تھے۔ مسحور کرنا چاہا۔ ساتھ ہی ساتھ کتب بینی اور علم دوستی نے
کو فقہہ، شریعت، حدیث و حکمت سے بھی کماحقہ واقف کر دیا۔ اس چیز پر نازاں ہو کر اس
نبوت کا دعویٰ کر دیا مگر جب دیکھا کہ لوگ اس کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے ہیں بلکہ جو سحر
متاثر تھے وہ بھی ساتھ چھوڑے دے رہے ہیں تو خاموش ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد ایک خفیہ
عت کی بنیاد ڈالی جس کا مقصد تمام قوموں کو چاہے وہ فاتح ہوں یا مفتوح ایک پلیٹ
م پر لے آئے۔ بہت سی اور ایسی بے بنیاد مگر حصول دنیاوی کی غرض سے باتیں شامل کر کے
نے جلدی ہی اچھے خاصے ہمنوا پیدا کر لئے۔ اس کو ترقی دینے کے لئے اس نے بلا فراست
ثمندی اور اس سے زیادہ مکاری عیاری سے کام لیا۔ اپنی جماعت کو تقویت دینے کے لئے
ب اسمٰعیل کے پیروں کاروں کے ساتھ اس کو منسلک کر دیا۔ اور اپنی اغراض کی تکمیل کے
ئے اس کو ایک سہارا ایک ہتھیار بنایا اس نے یہ عقیدہ پھیلایا کہ دنیا میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی امام
جود رہتا ہے۔ حضرت آدم سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور تا اختتام دنیا چلا جائے گا۔ امام کا جانشین
ن کا بیٹا ہوتا ہے اور جب تک کسی لڑکے کی پیدائش ہو نہیں جاتی۔

امام فنا نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں کہ امام ظاہر ہی رہے۔ وہ غائب یعنی
ستور بھی ہو سکتا ہے۔ جب امام موجود ہوتا ہے تو اس کی تعلیم مستور ہوتی ہے۔ جب وہ مستور ہوتا
ہے تو اس کے داعی تعلیم دیتے ہیں۔

عبداللہ نے اس عقیدے کی خوب خوب تشہیر کی اور اسے قرآن مجید سے بھی ثابت کرنے

Marfat.com

کی کوشش کی خود فرقہ اسمٰعیلیہ بھی امام مستور میں عقیدہ رکھتا تھا۔ اور ایک دن اس کے ظاہر ہونے کا یقین غالب تھا۔ اس لئے وہ لوگ خود اس کے ہمدرد اور ہم نوا بن گئے بظاہر تو یہ معاملہ تھا مگر یہ عبداللہ اسماعیلیوں اور خصوصاً اولاد علی کا سخت ترین دشمن تھا۔ بلحاظ عقائد وہ اب بھی ملحد تھا اور ایرانی النسل ہونے کی بنا پر اپنے آبا و اجداد ہی کے عقائد پر عامل تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر علویوں نے کوئی حکومت قائم کی تو ایرانی اُس سے کوئی بھی فائدہ نہ حاصل کر پائیں گے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ جو بھی معتقد علی یا اولاد علی میں سے ہو اس کو تہ تیغ کر دیا جائے اس کے ساتھ ہی ساتھ عبداللہ نے اپنے ساتھی اسمٰعیلیوں یا شیعوں میں نہیں تلاش کئے بلکہ آتش پرستوں مشرکوں اور دیگر غیر مسلموں کو اپنا ہمنوا بنایا۔ لوگوں میں یہ خیال پیدا کیا کہ اب امام مستور ظاہر ہونے ہی والا ہے اور نجات کا زمانہ آنے ہی والا ہے۔ یہودیوں کو مسیح موعود کی آمد کا یقین دلایا۔ عیسائیوں کو عیسیٰ مسیح کا۔ البتہ سُنی المذہب لوگ اس کے دام میں نہ آسکے۔ اس کا طریقہ انہوں نے یہ سوچا کہ متمول عربوں کی یہ خوب تعریف کرتے۔ ان کے قصیدے پڑھتے۔ ایرانیوں کو ان کا غلام بتاتے اور آخر کو ان کا اعتماد حاصل کر لیتے۔ پھر ان کی دولت۔ شہرت اور طاقت سب سے فائدہ اُٹھاتے رفتہ رفتہ اس فرقے نے خوب ہی ترقی کی اور ان کے گرد ایک مضبوط اور کثیر جماعت پیدا ہوگئی۔ عبداللہ نے اپنی زندگی میں جب اس تحریک کو اس حد تک قوت بخش دی تو پھر سارا کام اپنے بیٹے احمد کو سونپ دیا۔

اس کے زمانے میں جماعت کو اور بھی ترقی ہوئی۔ کیونکہ شیعوں کا ایک دوسرا طبقہ اثنا عشری بھی ان کے ساتھ شامل ہوگیا۔ یہ فرقہ ویسے تو حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے سلسلۂ امامت مانتا تھا مگر بارہویں امام المہدی جب بارہ برس کی عمر میں ایک غار میں جا کر معہ اپنی والدہ اور دیگر ہمراہیوں کے پناہ گزیں ہوئے اور پھر باہر تشریف نہ لائے (۸۷۹ء مطابق ۲۶۶ھ) تو ان کے معتقدین ان کی آمد کا انتظار عرصہ دراز تک کرتے رہے حتّٰی کہ تھک گئے۔ یہ اثنا عشری کہلاتے تھے انہوں نے بھی جب دیکھا کہ اسمٰعیلیوں کے پروپیگنڈے کے مطابق امام مہدی آخر الزماں کا ظہور ہونے ہی والا ہے تو یہ بھی ان سے مل گئے۔ اور اس طرح سے جماعت کو احمد کے جانشینوں کے زمانے میں تو خوب ہی تقویت پہنچائی۔

کچھ عرصہ بعد ۸۸۱ء مطابق ۲۷۱ھ میں ایک بلند حوصلہ اسمٰعیلی ابن حوشب جو پہلے اثنا عشری تھا۔ بعد میں اس فرقے سے منسلک ہوا اپنا مرکز یمن بنا کر وہاں اپنے مسلک کا پروپیگنڈا شروع

کردیا۔ جب اس کے پاس کافی ساتھی جمع ہوگئے تو اس نے بزور شمشیر صفار پر قبضہ کرلیا۔ اور پھر اپنے رکن ہر صوبے ہر ملک میں پھیلا دیئے کچھ آدمی افریقہ کے بربری قبیلوں کی جانب بھی بھیجے ان میں کتامہ کا قبیلہ جو قسطنطنیہ کے قریب آباد تھا۔ وہاں کافی آؤ بھگت ہوئی۔ بعد میں وہاں دال گلتی دیکھ کر ابوحوشب نے ابوعبداللہ کو کتامہ بھیجا یہ شخص جہاندیدہ۔ ہوشیار اور پُرگو تھا۔ تقریر تو خوب ہی کرتا تھا۔ پہلے اس نے کتامہ کے بچوں کو تعلیم دینا شروع کی۔ جب وہاں اس کا اقتدار کافی بڑھ گیا تو ایک دن اس نے یہ اعلان کردیا کہ وہ حقیقتاً معلم نہیں ہے۔ بلکہ مہدی آخری الزماں کا بشارت دہندہ ہے۔ لوگوں سے کہا کہ اگر وہ یک جہتی کے ساتھ اس کے شریک ہو جائیں گے تو دُنیا اور عقبیٰ دونوں جگہ ان کا فائدہ ہوگا۔ بربر اس کے بہکانے میں آگئے اور پرچم بغاوت بلند کردیا۔ بنی اغلب جو وہاں کوئی سو سال سے قابض تھے۔ ان کو شکست دی۔ ان کے شہر چھین لیئے ان کے محل بھی اور پھر عبداللہ نے اپنے ایک آدمی مہدی کو تخت پر بٹھایا یہ واقعہ ۹۱۰ء اور ۲۹۷ھ کا ہے۔

اس مہدی کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں ہیں۔ اس کا اصلی نام سعید تھا۔ اور فرقہ اسمٰعیلیہ کا ایک ذی اثر شخص تھا۔ یہ خود اپنے کو حضرت علی کی اولاد سے بتاتا تھا۔ اور ابن خلدون اور امام مقریزی وغیرہ کا بیان بھی یہ ہے کہ وہ حضرت علی کی اولاد سے ہے۔ جب افریقہ میں بنی فاطمہ کی خلافت قائم ہوئی اور ان کا اقتدار قائم ہوا تو عباسی خلیفہ القادر باللہ نے حسد یا دشمنی کی بنا پر علمائے بغداد سے یہ مشتہر کرادیا کہ وہ عبداللہ ابن میمون القداح (مِنجملہ معالج چشم) کی اولاد سے ہے حقیقت کچھ ہو اس سعید یا مہدی نے تخت پر بیٹھتے ہی عبیداللہ کا لقب اختیار کیا خاندان فاطمی کی طرف سے پہلا خلیفہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنے عقائد اور اصول ظاہر ہونے نہ دیئے اور نہ جماعت اسمٰعیلیہ سے کوئی گہرے رابطہ کا اظہار کیا۔ اگر اسے حکومت ایران میں حاصل ہوئی ہوتی تو شاید ایسا کرتا۔ افریقہ میں تو اس کی سخت ضرورت تھی۔ کیونکہ بربر قوم جاہل اور ضعیف العقیدہ تھی۔ مذہب کے باریک نکات یا فلسفیانہ خیالات سے بالکل نابلد تھے۔ ان کے لئے تو بس سیدھا سادھا عقیدہ کافی تھا۔ اس لئے اس نے اسمٰعیلی جماعت کو پروپیگنڈا کرنے سے بھی روکا۔ اور افریقہ میں گیارہویں صدی عیسوی یا پانچویں صدی ہجری تک اسمٰعیلیوں کا راز صحیح طور پر کسی پر نہ کھلا۔ اس وقت یہ فاطمی اپنی طاقت کافی مضبوط بنا چکے تھے۔ اب ان کو کوئی ڈر نہ تھا چنانچہ نماز کے خطبوں میں عبیداللہ نے یہ رواج پاکرا آنحضرت کے تمام صحابہ پر بجز حضرت علی اور ان کے چاروں دوستوں کے سب پر لعن طعن (تبرہ)

کیا جائے۔

عبید اللہ کے ہاتھ میں طاقت آنا تھی کہ اُس کے سپاہیوں نے ظلم و تشدد شروع کردیا۔ جو لوگ خلفائے راشدین میں اول تین کا ذکر تعظیم سے کرتے یا شیعہ مذہب کو بُرا کہتے۔ جو فرقہ اسمٰعیلیہ میں شامل ہو کر نکل جاتے تو ان کو صلیب تک دی جاتی۔ ان کی بیوی سے کوئی دوسرا بر سر عام زنا کرتا پھر اس شخص کی خوب پٹائی ہوتی۔ اس کے مُنہ پر تھوکا جاتا اور اس کے بعد قتل کر دیا جاتا۔ جب برقہ میں عبید اللہ کا لشکر پہنچا تو تمام مفتوحین کو قتل کر دیا۔ ان کی بوٹیاں آگ میں بھون کر کھائیں شہر والوں کو بھی کھلائیں۔ ان کی بیٹیوں بیویوں کو کنیز بنا لیا۔ کبھی نیلام کر دیا کبھی قتل کروا دیا۔ اس وحشیانہ رویّہ کے ساتھ جب عبید اللہ کو ہر جگہ کامیابی حاصل ہوگئی تو اُس نے بربریوں کو یہ اجازت بھی دیدی کہ وہ ایک نادیدہ خدا پر یقین نہ رکھیں اور خلیفہ کو اس حد تک قادر مانیں کہ وہ جو چاہے کرے کوئی مخالفت نہ کرے۔ پھر اس کی طرف سے یہ اعلان ہوگیا کہ جہاں جہاں بھی مسلمانوں کی حکومت ہے وہ اولادِ علی کا حصّہ ہے۔ فاطمیوں کی ملکیت ہے۔ اور تمام ممالک پر ان کا قبضہ مذہباً جائز ہے۔

اس دعوی نے اندلس میں ہلچل مچادی۔ کیونکہ افریقہ کے قریب سب سے پہلے وہی مُلک پڑتا تھا۔ اور بنو امیّہ سے ان لوگوں کی دشمنی تھی بہت پُرانی اور عمر ابن حفصون نے عبید اللہ سے نامہ و پیام شروع بھی کر دیا تھا۔ اور اسے اپنا بادشاہ بھی تسلیم کر لیا تھا بشرطیکہ اسے اسپین کا نائب بنا دیا جائے۔ ہر چند کہ اس کا کوئی فائدہ نہ نکلا مگر عبید اللہ کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اندلس میں بھی اس کے حامیوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نکل سکتی ہے۔ اس نے اپنے جاسوس مختلف لباس اور بھیس میں اس ملک میں بھیجنے شروع کر دیئے۔ جو یہاں کے لوگوں کو بھڑکاتے انہیں بنو فاطمہ کا ہمدرد بناتے مہدی آخری الزماں کے عقیدے سے پورا پورا فائدہ اُٹھاتے۔ ابن حوقل جس کا سفرنامۂ اندلس مشہور ہے۔ عبید اللہ ہی کے جاسوسوں میں تھا۔ انہیں کے لوگوں کی وجہ سے ۹۰۱ء مطابق ۲۸۹ھ میں ایک اموی شہزادے نے مہدی ہونے کا اعلان بھی کیا۔ اور فاطمیوں کی خلافت کے بیس برس بعد عبدالملک بن حبیب فقیہہ نے ۸۵۳ء (۲۳۹ھ) میں اپنی تاریخ میں ابن حبیب نے یہ پیشین گوئی بھی کی کہ حضرت فاطمہ کی اولاد میں ایک شخص اسپین پر حکومت بھی کرے گا قسطنطنیہ پر بھی قبضہ جمائے گا۔ قُرب و جوار کے ملکوں میں قتلِ عام مچائے گا۔ حتّٰی کہ ایک ایک لڑکا ایک ایک چابک اور ایک ایک لڑکی ایک ایک ہمینر کے بدلے ملے گی۔ یہ چرچے ہوئے تو فاطمیین نے

فوراً اپنی ایک جماعت اندلس میں بھی قائم کرنا چاہی اور ایک مشہور فلسفی ابن مسرہ کو روانہ کیا اس شخص نے یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا تھا۔ وحدت الوجود کے عقیدے کا حامی تھا۔ مگر قرطبہ میں اس کی اُڑ گئی۔ ملحد سمجھ کر ملک بدر کیا گیا وہ مشرق کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں فرقوں کے متعلق پوری واقفیت بہم کی۔ اس کے بعد پھر خاموشی سے اسپین میں داخل ہوا اور سُنی بن کر اپنے بھیدوں کی ترویج کرتا۔ لوگوں کو اپنا شاگرد بنا کر ایمان سے شک اور شک سے قطعی انکار کی طرف ترغیب دیتا رہا۔ آخر کار عبدالرحمٰن الناصر نے علماء کے ایماء پر اس کی کتابوں کو جلوا دیا۔ لیکن اس نے اپنے ہمدرد خاصی تعداد میں اسپین میں جمع کر لیئے۔ اس سے فاطمیوں کی طرف سے خطرہ بڑھتا گیا۔ اور اس کے انسداد کی ترکیبیں سوچی جانے لگیں۔

حملہ کی تیاریاں

اس میں کوئی شک نہیں کہ فاطمین کی جانب سے ابھی تک کوئی تحریک اندلس پر حملہ کی نہیں ہوئی تھی۔ مگر ان کے مارٹینا Martina اور وہ علاقہ جسے اب مراکش اور الجیریا کہتے ہیں پر اُن کے بیجا تصرف کے اقدامات والیٔ اندلس کے لیئے خلش کا باعث ضرور تھے۔ گمان غالب یہ تھا کہ یہ سیلاب بڑھتے بڑھتے کہیں اسپین کو بھی اپنے دامن میں نہ لے لے۔ عبدالرحمٰن کی دُور رس نظریں بہت کچھ بھانپ لیتی تھیں۔ وہ اسلحاتِ جنگ سے زیادہ سیاسی حربوں کو بھی کام میں لانا خوب جانتا تھا۔ ۹۱۷ء مطابق ۳۰۵ھ میں جب فاطمیوں نے مارٹینا کی ریاست نکور پر حملہ کیا تو اسے اپنے ان حربوں کے استعمال کرنے کا جواز بھی ہاتھ آ گیا۔ نکور ابتدا ہی سے اسپین کا حامی رہا تھا۔ وہاں عربی نژاد خاندانی حکمرانی کے مزے لوٹ رہا تھا۔ جن کی خودداری اور غیرت مشہور ہے۔ ایک زمانے میں جب مجوسیوں نے اس علاقہ پر اپنے ظلم و ستم کے کارنامے دکھائے تھے۔ اس میں سے ایک یہ بھی تھا کہ حاکم وقت واقف بن معتصم بن صالح کی دو لڑکیوں امۃ الرحمٰن اور فنولہ کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ محمد بن الحکم نے زرتاوان ادا کر کے ان کو رہا کروایا تھا۔ اور پھر جملہ عزت و حرمت کے ساتھ ان کو نکور بھجوا دیا تھا۔ اس وقت سے والیانِ نکور اہلیانِ اسپین کے انتہائی مداح اور احسان مند ہو گئے تھے۔ اور ہر موقع پر اس احسان کا بدلہ اپنی نیازمندی۔ دوست نوازی اور محبت سے اُتارنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ فاطمیوں کی طرف سے جب سعید ثانی والیٔ نکور کے پاس یہ پیغام پہنچا کہ وہ ان کے باجگذار بنیں اور اطاعت قبول کریں تو اس نے انکار کر دیا۔ فاطمی خلیفہ عبیداللہ المہدی کو بہت تاؤ آیا اور مصالہ جو تاہرت کا گورنر تھا اس کو نکور پر حملہ کرنے کا حکم دیدیا۔ سعید بڑھاپے کے

Marfat.com

باوجود اپنی نوجوں کو لے کر میدان میں نکلا۔ تین دن تک ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر جب اسی کے فوجی جرنیل نے اس سے دغا کی تو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ خود غیرت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور لڑتے لڑتے جان دیدی۔ مصالہ نے فتح کے بعد باشندگان نکور پر بہت ہی ظلم ڈھائے۔ جوان مردوں کو قتل کر دیا عورتوں کو کنیز بنالیا۔ بڈھوں کو غلام۔ شہر پر فاطمی جھنڈا لہرادیا۔ سعید کے تینوں بیٹے جو مسلے سے پہلے ہی باپ کے اشارے سے چوکنا ہو گئے تھے۔ اسپین جا پہنچے اور شروع شروع میں سابقہ پر قیام کیا۔ امیر کو جیسے ہی اطلاع ہوئی تو اُس نے حاکم سابقہ کو حکم بھیجا کہ ان کی پوری طرح سے عزت کی جائے اور اگر خواہش ظاہر کریں تو قرطبہ روانہ کر دیئے جائیں مگر ان لوگوں نے وہیں مالقہ میں رہنے کا ارادہ کیا۔ محض اس وجہ سے کہ وہاں سے وہ اپنے وطن جلدی واپس جا سکتے تھے۔

چھ مہینہ بعد جب مصالہ قبیلہ کتامہ کے ایک سردار ذلول (Zhlol) کو وہاں کا حاکم بنا کر واپس چلا گیا۔ تینوں شہزادوں کو اس کی جیسے ہی اطلاع ملی نکور کی طرف روانہ ہوئے۔ آپس میں یہ طے کر لیا کہ جو پہلے پہنچے گا وہی ریاست کا حکمران ہوگا۔ اتفاق کہ سب سے چھوٹا بھائی صالح پہلے ساحل پر پہنچا۔ وہاں ساحلی علاقہ پر جلد ہی اس کو کافی امداد حاصل ہو گئی۔ بربری سردار اس کے ساتھ ہو گئے اور ان سے مل کر نکور پر حملہ کر دیا گیا۔ ذلول کے پاس فوج کم تھی۔ مقابلہ کیا مگر مقتول ہوا۔ وہاں پھر قدیم حکمرانوں کی حکومت ہو گئی۔ صالح نے فوراً ایک خط فتح کی خوش خبری اور جو احسان اس کے ساتھ اندلس میں کئے گئے تھے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عبدالرحمٰن کو لکھا اور اس کو اپنا مربی اور شہنشاہ تسلیم کر لیا۔ عبدالرحمٰن نے بھی اس کی اس محبت کا جواب تمام شکر گزاری اور مختلف النوع تحفہ تحائف سے دیا۔

کچھ عرصہ تک تو عبدالرحمٰن عیسائی ریاستوں کے ساتھ اُلجھا رہا مگر جیسے ہی اس کو ادھر کے معاملات سے فراغت ملی اس نے ایک بار پھر افریقہ کی طرف توجہ کی والیٔ نکور سے تو دوستی ہو ہی گئی تھی مگر ساحلی علاقہ اب بھی غیر محفوظ تھا۔ اور کسی وقت فاطمیین سمندری راہ سے اسپین پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ سواحل افریقہ کا استحکام اور وہاں سے کسی حملہ کی روک تھام لازمی تھی۔ اس نے پہلے تو علماءِ دین کو ان اطراف میں بھیج کر بربری قبیلوں میں اپنا اقتدار جمانا چاہا مگر جب اُن کے ذریعہ کام نہ چلا تو قبیلہ مغراد Magrada کے سردار محمد بن خزر Khizer سے نامہ و پیام کا سلسلہ قائم کر کے دوستی پیدا کی۔ کچھ دنوں بعد امدادی دستہ بھیج کر ابن خزر سے فاطمی گورنر مصالہ پر حملہ کروادیا۔ اور اس کو قتل کر کے قلعہ سوطا اور دیگر علاقوں

Marfat.com

اپنا قبضہ جمالیا۔ یہی نہیں ابن خزرج عبدالرحمٰن کی عنایات سے اس قدر متاثر ہو چکا تھا کہ اسی کو اپنا سب سے بڑا عزیز سمجھتا تھا۔ الجیریا اور دیگر حدود کے لوگوں کو بھی مجبور کیا کہ وہ شاہ اندلس کی سرپرستی واجب و ضروری سمجھیں قبیلہ مکناسہ جو بربری قبیلوں میں بہت ہی باعزت اور مقتدر تھا ابھی تک فاطمیوں کا کلمہ پڑھتا تھا۔ اس کو توڑنا لازمی تھا۔ ابن خزرج بربریوں کے رگ و ریشہ سے واقف تھا کچھ ایسا جوڑ توڑ ملایا کہ مکناسہ کا سردار ابن ابی العافیہ بھی عبدالرحمٰن کا بندہ بے دام ہو گیا۔ اس کی ہمنوائی اور بھی مفید ثابت ہوئی۔ تمام ساحل پر اب عبدالرحمٰن کا بول بالا ہو گیا۔ فاطمیوں نے اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے حاصل کچھ نہ کیا۔ مفت میں اپنے ہی اضلاع اور دوست کھو بیٹھے۔ ۳۱۹ھ یا ۹۳۱ء میں قلعہ سبتہ جو کبھی جولین کی ملکیت تھا وہاں عبدالرحمٰن کا پرچم لہرانے لگا۔ اس علاقہ سے متعلق جو خطرہ تھا وہ زائل گیا۔

عرصۂ دراز تک عبدالرحمٰن شمالی ریاستوں اور کچھ باغیوں سے الجھے رہے۔ حتیٰ کہ جنگ خندق میں دشمنوں کے ہاتھوں پسپائی بھی اٹھائی۔ مگر ادھر جو کچھ نقصان ہوا اس کی تلافی پھر افریقہ سے ہو گئی۔ جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ساحلی علاقوں پر عبدالرحمٰن نے بہ لطائف الحیل قبضہ کر لیا۔ مگر فاطمی اب بھی اس کے دوستوں سے چھیڑ چھاڑ کیا ہی کرتے تھے۔ یہ لوگ کبھی متحد ہو کر ان کے حملے کا سختی سے جواب دیتے تھے۔ کبھی شکست کھا جاتے تھے۔ بعض اوقات سرداران میں پھوٹ پڑ جاتی تھی جس سے اور بھی سخت خانہ جنگی شروع ہو جاتی تھی۔ خود فاطمیوں کے درمیان افتراق کچھ ایسا شدید پیدا ہو گیا تھا کہ ان کو مخالفین پر حملہ کرنے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی اسی دوران میں اتفاق سے ایک بربری سردار ابو یزید نے فاطمیوں کے خلاف جارحانہ کارروائی شروع کر دی۔ یہ قبیلہ انورین سے تعلق رکھتا تھا۔ اور زبردست طاقت کا حامل تھا۔ معمولی حیثیت سے بڑھ کر قوت حاصل کی تھی۔ اس کا باپ تجارت پیشہ تھا۔ خارجیوں کی صحبت نے اس کی فطرت اور عقائد دونوں کو بدل دیا تھا۔ حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے بچوں کو تعلیم دے کر پیٹ پالا کرتا تھا۔ علمی معلومات نے اس کے دماغ میں بھی سرداری کا شوق پیدا کر دیا۔ بربروں کو سمجھانا شروع کیا۔ کہ دین حق اور آزادی قوم کی خاطر جد و جہد کرنا فرض ہے اگر مقصد میں کامیابی ہوئی تو بھی سرخروئی۔ ناکامی ہوئی تو بھی مرتبۂ شہادت۔ کافی لوگ اس کے بھرکائے میں آ گئے۔ سب نے خروج کا ارادہ کیا طے یہ پایا کہ بشرط فتح جمہوری طرز پر حکومت کا قیام ہو گا۔

Marfat.com

کچھ ایسی یک جہتی اور مضبوط کرداری اس کی حمایت میں تھی کہ جہاں جہاں ان کے قدم پہنچے کامیابی نے قدم چومے۔ ابو یزید تھا تو بدصورت چھوٹے سے قد کا انسان مگر دماغ میں عجیب ترکیبیں بھری پڑی تھیں بلا کا ذہین تھا۔ غضب کا فطین۔ سنّی تو پہلے شیعی حکومت سے دل برداشتہ اور طرز سے نالاں ہو رہے تھے۔ سب اس کے ساتھ مل گئے۔ بڑے بڑے شیوخ، علماء، زاہد دیندار جو گوشہ نشین ہو کر خاموشی کی زندگی گزار رہے تھے۔ شمشیر بکف فاطمیوں سے جنگ پر آمادہ ہو گئے مختلف جنگوں میں ان کو کامیابی حاصل ہوئی آخر کار ۹۴۴ء یعنی ۳۳۳ھ میں فاطمیوں کے دارالخلافہ پر ابو یزید کا قبضہ ہو گیا۔ سنیوں کے ساتھ مذہبی رواداری برتنے کی خاطر۔ اوّل و دوئم خلیفہ اسلام پر لعن طعن کا سلسلہ بند ہوا امام مالک کے معتقدین کو بھی اجازت ملی کہ اپنے طور پر کاربند رہ سکتے ہیں۔ ان کے جلوس نکلنے لگے۔ خود ابو یزید بھی ایسے جلسوں جلوسوں میں شریک ہوتا تھا۔ اور اپنے حامیوں کا دل بڑھاتا تھا۔ اس حد تک طاقت حاصل کرنے کے بعد اس نے عبدالرحمٰن کے پاس اپنی سفارت بھیجکر دوستی کا ہاتھ دراز کیا عبدالرحمٰن نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ جس وقت ابو یزید نے فاطمی خلیفہ قائم بامراللہ جانشین عبیداللہ المہدی کے اوپر حملہ کیا اور اسے شہر مہدیہ میں محصور کر دیا۔ تو عبدالرحمٰن نے بھی کچھ اپنی فوجیں بھیج کر کچھ اپنے دستوں کو آگے کر شمال مغربی حصّہ پر اپنا قبضہ جما لیا۔ اس دوران میں عبدالرحمٰن نے شاہ اٹلی۔ شاہ اونس [redacted] ہوجیس اور قیصر قسطنطنیہ سے دوستی پیدا کر کے فاطمی خلیفہ کے خلاف ایک زبردست محاذ کھڑا کر دیا۔ ہوجیس قائم بامراللہ سے اس وجہ سے نالاں تھا کہ سمندری جنگوں میں اس کو فاطمی امیر البحر نے ہزیمت پہنچائی تھی۔ اور قیصر جزیرہ سسلی پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

ادھر ابو یزید کا رنگ ہی کچھ اور ہو گیا۔ پیہم فتوحات اور مقبوضہ جات نے اس کے دماغ میں کبر و نخوت کی ہوا بھر دی وہ جمہوری حکومت قائم کرنے کا خیال خواب و خیال ہو گیا۔ یہ رنگ دیکھ کر اس کے ساتھی اس کو چھوڑ چھوڑ کے جانے لگے۔ جب بہت تھوڑی تعداد اس کے ہمراہیوں کی رہ گئی تو اس کو بھی ہوش آیا۔ ظاہری شان و شوکت کو ترک کر کے وہ سادہ پسندی پر مائل ہوا۔ مگر ان لوگوں کو اب اس کی فطرت اور طبعیت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ سنی المذہب لوگ جو اس کی مذہبی رواداری کے قائل تھے۔ ان پر بھی یہ آشکارا ہو گیا کہ وہ محض دکھاوا تھی حقیقتاً وہ خارجی عقیدہ کا قائل تھا۔ ایک موقع پر تو اس نے تمام سنیوں کو ہٹا کر کے علیحدہ کر دیا کہ فاطمی کے ہاتھ میں پڑ جائیں اور قتل کر دیئے جائیں۔ ان لوگوں نے شیعوں کی حکومت کو اس بے عقیدہ ابو یزید

Marfat.com

کو ترجیح دی۔

اس اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ مہدیہ کے محاصرہ میں ابویزید کو کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ وہاں سے بھاگ کر قیروان آنا پڑا۔ یہاں پہلے ہی سے ایک سازش کا مواد اس کے خلاف تیار تھا۔ جان لینے کی مکمل تیاریاں ہو گئی تھیں۔ اتفاق سے اس کو پتہ چل گیا۔ جان لے کر بھاگا۔ ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ فاطمی سپاہی بھی اس کی تلاش میں مستقل سرگرداں رہے۔ ایک دن ہاتھ لگ ہی گیا۔ دوبدو جنگ ہوئی۔ جس میں ابویزید زخمی ہوا۔ پھر ۹۴۷ء یا ۳۳۵ھ میں قید ہوا۔ ایک لوہے کے پنجرے میں مقید کر دیا گیا۔ مرنے کے بعد اس کی کھال میں بھس بھروا کر پہلے قیروان میں تشہیر کیا گیا۔ پھر پھاٹک پر لٹکا دی گئی۔ ہوا نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

ابویزید کی شکست اور موت عبدالرحمٰن کے ارمانوں کا خون تھا۔ وہ تمام کا تمام علاقہ جو اس کے تصرف میں آ گیا تھا پھر فاطمیوں نے ہتھیا لیا۔ ادھر عیسائیوں سے پھر جنگ شروع ہو چکی تھی۔ جس نے افریقہ کے معاملات سے ایک قسم کی بے توجہی برتنے پر مجبور کر دیا۔ یہ حالات تھوڑے ہی دن رہے کہ پھر ایک بار غلغلہ اٹھا کہ فاطمی خلیفہ چہارم المعز الدین اللہ اسپین پر اپنی فوجیں اتارنے والا ہے۔ حالات کی اس تبدیلی نے عبدالرحمٰن کو بہت کچھ مراعات عیسائیوں کو دینے پر مجبور کیا کہ ان سے چھٹکارا حاصل کر کے فاطمیوں کی طرف توجہ دے۔ کیونکہ ان لوگوں نے پہلے تو قیصر قسطنطنیہ کے خلاف حملہ کر کے کلابری کے علاقہ میں قتل و غارتگری شروع کر دی۔ پھر ۹۵۵ء یعنی ۳۴۴ھ میں آبنائے جبرالٹر پار کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ اسی سال تجارت کا مال لئے ہوئے ایک جہاز اسکندریہ کی طرف اسپین سے روانہ ہوا۔ راستہ پر جزیرہ سسلی کے پاس ایک دوسرا جہاز ملا جو مصر جا رہا تھا۔ اس میں وہ پیغامبر بھی موجود تھا جو حاکم سسلی کی جانب سے خلیفہ معز کے حضور بھیجا جا رہا تھا۔ اس جہاز پر حملہ کر کے لوٹ لیا گیا۔ اور سارے کاغذات بھی اسپینی جہاز کے کمانڈر نے اپنے قبضے میں لے لئے۔ خلیفہ معز الدین کو جو یہ معلوم ہوا تو فوراً جوابی کارروائی کے لئے حاکم سسلی کو حکم دیا کہ جہازوں کا ایک بیڑا لے کر ساحل اسپین (المریہ) پر حملہ کر دے اور جتنے جہاز قابو میں آ سکیں لے آئے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ بہتوں کو آگ لگا دی گئی۔ بہت سے چھین لئے گئے۔ جس جہاز نے حاکم سسلی کے جہاز پر حملہ کیا تھا۔ وہ بھی جب اسکندریہ سے لوٹ رہا تھا تو گرفتار کر لیا گیا۔ سارا مال و اسباب

Marfat.com

لوٹ لیا۔ جس میں چند مغنیہ بھی شامل تھیں جنہیں اسکندریہ سے امیرالمؤمنین کے لئے لایا جارہا تھا۔ اب خلیفہ عبدالرحمٰن کی طرف سے اس کا جواب دیا جاناتھا۔ پہلے تو تمام مسجدوں میں فاطمیوں کے خلاف بددعائیں مانگی گئیں۔ پھر امیرالبحر غالب کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے جہازی بیڑے کو لے جا کر افریقہ کے ساحل پر خوب اُودھم مچائے۔ مگر وہاں تو ان کا سختی سے مقابلہ کیا گیا۔ پہلے تو کچھ لوٹ مار مچالی مگر بعد میں فاطمی لشکر نے دل کھول کر ان کا مقابلہ کیا اور ناکام واپس لوٹا دیا۔ خود عبدالرحمٰن کی توجہ زیادہ تر ادھر مبذول نہ رہ سکتی تھی۔ کیونکہ لیون کے بادشاہ نے پھر بغاوت کردی۔ اس کے خلاف فوجیں بھیجنا ناگزیر ہوگیا۔ جب اس سے مصالحت ہوگئی تو پھر افریقہ کی جانب نظر اُٹھی۔

اس مرتبہ جنگ کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہوئیں۔ جنگی جہاز بھی بنائے گئے۔ سپاہی بھی بھرتی کئے گئے۔ ابھی یہ تیاریاں جاری ہی تھیں کہ بادشاہ لیون اردون سوئم کے مرنے کی خبر آئی۔ (۹۵۵ء ۳۴۵ھ) اس سے صورتِ حال بدل گئی۔ مگر جب اس پر قابو پالیا گیا تو ستر جہازوں کا ایک بیڑا احمد بن یعلیٰ کی کمان میں افریقہ کی طرف روانہ ہوا۔ بہت سے علاقوں کو خوب لوٹا۔ بعض جگہ آگ لگائی۔ سازوسامان سے لدے پھندے یہ جہاز کامیاب و کامران اپنے وطن واپس آگئے۔ اس کے بعد پھر خلیفہ عبدالرحمٰن کی حیات میں کوئی مہم اس جانب روانہ نہ کی جاسکی۔

باب (۴۰)

شمالی ریاستوں پر فوج کشی!

یہ ریاستیں جو اندلس کے حدود شمال میں واقع تھیں مسلمانوں کے لئے ایک مستقل عذاب
ہوئی تھیں۔ ان کا یہ خاصہ تھا کہ جب والئی اسپین کو کمزور یا اُلجھنوں میں گھرا دیکھتے بغاوت کر بیٹھتے۔
ے کئے ہوئے معاہدوں سے پھر جاتے۔ احاطۂ اطاعت سے باہر نکل جاتے۔ ان کی اصلاح
، لئے جب فوجیں بھیجی جاتیں تو ہوش آتا کبھی گڑگڑا کر معافی مانگ لیتے کبھی جنگ کرتے اور ہزیمت
ھاتے مسلمان بادشاہوں کا یہ وطیرہ رہا کہ وہ خواہ مخواہ ان کو دق نہ کرتے اور جب تک دوسری
ب سے عہد شکنی نہ ہوتی ان کے اندرونی معاملات سے تعرض نہ کرتے۔ البتہ جب کبھی اپنے
ان بسے ہوئے مسلمانوں کو تنگ کرتے۔ یا اسلامی سلطنت پر حملہ کرتے تو ان کی گوشمالی کے
، ہر ممکن ترکیب استعمال کی جاتی۔ ان ریاستوں میں بالخصوص لیون Leon اور نبرہ Navara
یں اور کچھ چھوٹی چھوٹی مثلاً قشتالیہ Fablito castalis کو تھک مارتج
Starbar الستور یا gothic March وغیرہ جو جیسا موقع دیکھتی قدم
ھاتی۔ مناسب یہ ہوگا کہ ان پر حملوں کی داستان بیان کرنے سے پیشتر لیون اور نوار کا ایک
مختصر سا شجرہ پیش کر دیا جائے۔ تاکہ پڑھنے والے کو کوئی الجھن محسوس نہ ہو۔

ریاست لیون Leon

اردون ثانی شاہ لیون Ordono II ، فردیلہ

شانجہ (Sancho) الفانسو چہارم رومیر و ثانی

شاہ لیون (شاہ نبرہ کی بیٹی سے شادی کی) Romero II

(لیون سے نکالا گیا تو جلیقیہ میں اپنا اقتدار قائم کرلیا)

اردون چہارم الخبیث اس کی شادی بعد بیوہ اردون سوئم سے ہوئی گانزلیز کی بیٹی تھی اسی کی مدد سے اس نے شانجہ کو ہٹا کر تخت لیون حاصل کیا

اس کی دو بیویاں تھیں ایک شاہ نبرہ کی لڑکی پوراکہ سے بیاہ ہوا جس سے شانجہ ہوا جو لیون کا بادشاہ ہوا مگر موٹاپے کی وجہ سے ہٹایا گیا پھر مسلمانوں کی مدد سے تخت پر بیٹھا

دوسری بیوی جلیقیہ کے بادشاہ کی بیٹی تھی جس سے اردون سوئم ہوا۔ لیون پر حکومت کی۔ امیر قشتالیہ فرڈنند گانزلیز کی بیٹی سے شادی ہوئی

ریاست نبرہ Navarre

شانجہ (Sancho)
شاہ نبرہ
ملکہ طوطہ سے شادی

لڑکی بوراآلہ نامی اس کی شادی رذمیر ثانی سے ہوئی

غرسیہ Garcia شاہ نبرہ (عنانِ حکومت اس کی ماں ملکہ طوطہ کے ہاتھ میں تھی)

لڑکی اس کی شادی فرڈینڈ گانزلیز سے ہوئی جو امیر قشتالیہ تھا

لڑکی اس کی شادی الفانسو چہارم شاہ لیون سے ہوئی

مندرجہ بالا شجرات سے، ان دونوں عیسائی ریاستوں میں جو باہم رشتہ داریاں تھیں وہ

Marfat.com

فتح ہو جائیں گی۔ کسی دشواری کا سامنا سمجھنے کے سلسلہ میں نہ کرنا پڑے گا۔

لیون کی مختصر تاریخ

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر لیون ریاست کے قیام اور اس کے نیپنے کی ایک مختصر داستان بیان کردی جائے۔ کسی زمانے
میں یہ اسپین ہی کا ایک صوبہ تھی اور اس کو کوئی علیحدہ ریاست کی حیثیت حاصل نہ تھی۔ جب
مسلمانوں کے قدم یہاں پہونچے اور اس کو اپنے دائرۂ فتوحات میں لائے۔ تو تین سو کے قدم
ں پہونچے اور اس کو اپنے دائرۂ فتوحات میں لائے۔ تو تین سو کے لگ بھگ عیسائی باشندے
ں جان بچا کر اشتوریاس کے پہاڑوں میں چھپ گئے۔ جب کچھ اطمینان ہوا تو پناہ گاہ سے
لے اور ادھر اُدھر تلاش معاش میں گھومنے لگے اس وقت ان کا سرغنہ پلی جیوس ۷۱۸ تا ۷۳۷ء تھا۔
ں کے ساتھ کچھ تو فاقہ کشی اور تنگ دستی کی وجہ سے مرکھپ گئے کچھ اِدھر اُدھر نکل گئے۔ البتہ
ں ۳۰ مرد اور ۱۰ عورتیں ضرور پلی جیوس جسے عربی مورخوں نے بلائی لکھا ہے۔ اس کے ساتھ
ہے۔ ان لوگوں کا بھی کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا۔ چھتوں سے شہد نکال کر بیچا کرتے تھے
سخت مشکل سے گزر اوقات کرتے تھے۔ مسلمانوں نے اِن خانماں بربادوں سے یہ سمجھتے
ئے کہ تیس آدمی حیثیت ہی کیا رکھتے ہیں۔ کوئی تعرض نہ کیا۔ مگر ان کی اسی بے نیازی نے ان کو
ہی حوصلہ بنا دیا۔ رفتہ رفتہ انھوں نے اپنی جمعیت بڑھالی۔ اور لوٹ مار شروع کردی کبھی کبھی
سلمان علاقوں پر دھاوا بول دیتے تھے۔ اس حرکت پر سرزنش کرنے کی غرض سے جب ابی نسعہ
بر اندلس تھا تو اس نے اشتوریاس کے حاکم علقمہ کو ان کے مقابلہ پر بھیجا۔ مگر یہ لوگ ایسے تنگ
روں میں پناہ گزین تھے جو بڑی بڑی پہاڑیوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اور کسی ایک سوار کا
ر بھی اس راستے سے آسان نہ تھا۔ اس قدرتی قلعہ کی وجہ سے علقمہ کو اُن کے مقابلہ میں کوئی
میابی حاصل نہ ہوسکی۔ بلکہ دشمنوں کے ہاتھوں شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ چند ہمت وروں
نے جو مسلمانوں کے خلاف یہ فتح حاصل کی تو ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ انھوں نے ابی نسعہ کے
خلاف ہی بغاوت کردی جو اس وقت الیستوریاس میں مقیم تھا۔ حسن اتفاق سے اس وقت الونسعہ
مکل جنگ کے لئے آمادہ نہ تھا۔ نہ اس کے پاس فوج ہی وافر تھی اس لئے وہ وہاں سے ہٹ کر
ون کی طرف چلا گیا۔ مگر راستہ میں اس پر عیسائیوں نے حملہ کردیا اور کافی نقصان کیا۔ ان
دلوں کا خوف کچھ ایسا ان کے دلوں پر بیٹھا کہ جب الونسعہ نے لیون پر پہنچ کر ایک مہم ان کے
خلاف روانہ کرنا چاہی تو سپاہیوں ہی نے ان پہاڑیوں اور تنگ دروں میں جا کر لڑنے سے

Marfat.com

انکار کر دیا۔ یوں ایشتوریاس کا علاقہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ بعد میں ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست کنٹا برا (Kantabraya) جو ابھی تک مسلمانوں کی دسترس سے محفوظ تھی اوس کا حاکم الفانسو تھا۔ اس نے بلاتی کی لڑکی سے شادی کر کے کنٹا برا یا۔ اور ایشتوریاس ایک رشتے میں منسلک کر دیا۔

اسی اثنا میں کچھ مسلمانوں کے باہمی اختلاف نے بھی ان لوگوں کو قوت پہنچائی۔ شمالی میں زیادہ تر بربری قبائل کے لوگ آباد ہوئے تھے۔ یہ لوگ کسی ایک جگہ جم کر نہ رہتے تھے کسی ایک حاکم کی ماتحتی قبول کرنا اپنی سرشت سمجھتے تھے۔ ادھر کچھ میں خارجی عقاید بھی گھر کر لگے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی عرب دشمنی اور بڑھ گئی تھی۔ جب ان پر دباؤ ڈالا گیا تو اور بھی ان کے خلاف ہو گئے۔ اور ایک ہنگامہ برپا کر دیا۔ لیکن بعد میں عربوں نے آپس ہی ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیلی۔ اور غیروں کو فائدہ پہنچایا اسی دوران میں اتفاق سے ایک سخت قحط پڑ گیا جس سے یہ بربر بہت ضائع ہوئے۔ یہ قحط سالی ۷۵۰ء یعنی ۱۳۲ھ سے شروع ہو کر پانچ برس تک اپنے بد اثرات دکھلاتی رہی۔ بربر تو شمالی حدود کو چھوڑ چھوڑ کر میدانوں یا آبائی ملک افریقہ کا رخ کرنے لگے۔ ان کی اس افراتفری سے عیسائیوں نے بہت فائدہ اٹھایا اور جلیقیہ کے عیسائیوں سے مل کر الفانسو کو اپنا بادشاہ مان کر مسلمانوں پر حملے کرنا شروع کر دیئے۔ بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا، بہتوں کو شہر بدر کر کے استورغہ (Astorga) وغیرہ کی طرف نکال دیا۔ ۷۵۲ء۔ ۷۵۴ء اور اس کے بعد بھی ان کے یہ جارحانہ حملے برابر جاری رہے۔ حتیٰ کہ دریائے دویرو کے دہانے تک کا علاقہ مسلمانوں سے خالی ہو گیا۔ استوریون۔ سمورہ۔ ظلمنکہ۔ سالدانہ۔ شبت مانکش۔ شقوبیہ۔ وایلہ۔ اوقہ۔ دشمہ۔ مرندہ۔ تور وغیرہ کے سارے شہر انہیں لوگوں کے قبضہ میں آ گئے۔ مسلمان ماردہ میں آ کر سکونت پذیر ہوئے اس جانب قلریہ۔ وادی الحجارہ۔ طلبیرہ۔ طلیطلہ۔ تطیلہ۔ پنپلونہ جیسے مشہور شہر ضرور مسلمانوں کے پاس میں رہ گئے۔ الفانسو کے ہاتھ وہ سارا علاقہ آ تو گیا مگر اس کے پاس اتنے ذرائع نہ تھے جو ان کو بسا پاتا۔ مسلمان تو جو بچے کھچے رہ گئے تھے قتل ہوئے۔ عیسائی باشندوں کو وہ قید کر کے لے گیا۔ شہر سب کے سب یونہی ویران اور برباد شدہ رہ گئے اور ایک طرح سے اسلامی سلطنت اور عیسائی ریاست کے درمیان حد فاصل بن گئے۔

الفانسو کی موت کے بعد اس کے جانشینوں نے مسلم علاقوں پر اپنے حملے برابر جاری

رکھے اور آخر کار لیون کی آزاد ریاست قائم کرلی۔ اور لیون کے شہر کو ہی دارالسلطنت بنا لیا۔ غیر آباد شدہ شہروں کو بسا لیا۔ پرانے قلعوں کی مرمت کرا ڈالی۔ دوسری صدی ہجری کے زوال میں جب جنوب میں بھی مسلمانوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو عیسائیوں کو اپنی قوت بڑھانے کا خاصہ موقع مل گیا وادی دویرہ تک انہوں نے قبضہ کرلیا۔ اور سرحد پر چار مضبوط قلعے بنا ڈالے۔ سمورہ۔ مانکش۔ اشتیبان (Astelean) اور دشمہ دریائے دویرہ سے وادیانہ تک کا علاقہ فریقین میں سے کسی کے قبضہ میں نہ تھا۔ اور تقریباً تقریباً ویران تھا۔ جب کبھی اسپین کے تخت پر کوئی کمزور بادشاہ متمکن ہوتا تو عیسائی دریائے تاجہ Taja اور وادیانہ تک چھاپہ مار آتے۔ مگر ایک ایسا وقت بھی آیا جب عیسائیوں کو ان نازیبا حرکات کا کافی سے زیادہ مزا چکھایا گیا۔ ۲۸۷ھ یا ۹۰۱ء میں ایک اموی شہزادہ احمد بن معاویہ جو علوم سحر کا بھی ماہر تھا اہل بربریوں کے درمیان مہدی بن کر نمودار ہوا۔ اور بہت سے جنگجو سرداروں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کرکے تقریباً ساٹھ ہزار کا لشکر دریائے دویرہ کے کنارے قلعہ سمورہ پر حملہ آور ہوا۔ قلعہ اس وقت سب سے زیادہ مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ اس کی سات فصیلیں تھیں اور ہر ایک کے درمیان ایک خندق تھی۔ لوٹ مار کا زیادہ سامان یہیں جمع کیا جاتا تھا۔

سمورہ پہنچ کر احمد بن معاویہ نے الفانسو سوئم جو اس وقت حاکم تھا مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے ایک خط لکھا اور دعوتِ اسلام دی۔ یہ چیز عیسائیوں کو بہت ناگوار گزری اور بغیر جواب دیئے فوجوں کو لے کر مسلمانوں کو اس حرکت کا مزہ چکھانے چل دیئے مگر سخت شکست کھائی۔ اور سمورہ واپس جانا نصیب ہوا۔ احمد بن معاویہ میں اس فتح نے کچھ ایسا غرور پیدا کیا کہ وہ اپنی مہدیت کے زعم میں سرداروں کو اپنے غم خواروں کو اپنا غلام سمجھنے لگا۔ ان سے زبانی بات چیت گوارا نہ تھی۔ اشاروں سے حکم دیا جاتا تھا۔ ہر طرح سے رعب جتایا جاتا تھا۔ اہل بربری جو اس کے معتقد تھے وہ بھلا کہاں یہ ذلت برداشت کرسکتے تھے۔ خود ان کو اس کی اس قدر و منزلت سے حسد ہوتا تھا۔ لہٰذا اس کے خلاف کھچڑی پکانے لگے۔ مخالفین کا سرغنہ بربری قبیلہ نفزہ کا سردار زلل بن یعیش بن گیا۔ جلد ہی اس کے سینکڑوں ہمنوا ہو گئے۔ عیسائیوں کے خلاف ابھی معرکہ آرائی جاری تھی کہ ان سازشیوں نے اپنا مال و اسباب سمیٹ کر میدانِ جنگ سے بھاگنا شروع کیا۔ اور لڑنے والوں کو یہ یقین دلایا کہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے۔ اس سے کافی انتشار پیدا ہو گیا۔ عیسائیوں نے جو یہ عالم دیکھا تو فوراً حملہ کردیا۔ اور بہت سے

Marfat.com

آدمیوں کو قتل کر دیا۔ احمد بن معاویہ نے جب یہ کیفیت دیکھی تو پہلے تو اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ شکست تو در اصل عیسائیوں کو ہوئی ہے نہ کہ مسلمانوں کو وہ لوگ خواہ مخواہ میدان چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ مگر بھگوڑے تو دل میں کچھ اور ہی ٹھانے ہوئے تھے۔ انہوں نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ احمد کی غیرت نے جوش دکھایا۔ گھوڑے کو ایڑ لگا تلوار سونت جنگ کے شعلوں میں کود اور جوانمردی کی موت مر گیا۔ عیسائیوں نے اس کی لاش سے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ سر تن سے جدا کر کے سمورہ کے پھاٹک پر لٹکا دیا۔ جسم کا مثلہ کیا۔

ابن امیہ کے خلاف یہ خلاف توقع فتح جو حاصل ہوئی تو عیسائیوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی طلیطلہ کے نصاریٰ بھی سینہ تان کر سامنے آنے پر آمادہ ہوئے۔ اور انہیں کی دیکھا دیکھی ریاست نبرہ والے بھی۔

ریاست نبرہ کا والی جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے شانجہ Sanja تھا۔ جو رفتہ رفتہ بہت طاقتور بن گیا تھا۔ جنوبی اطراف کے جو شہر اب بھی مسلمانوں کے پاس تھے ان کو بڑی للچائی نظروں سے اس نے دیکھنا شروع کیا۔ اس کی ذہنیت بالکل قزاقانہ تھی جس کا نتیجہ تھا کہ باوجود قوت اور اقتدار حاصل کرنے کوئی معاشی یا تمدنی تبدیلی وہ نظام میں نہ لا سکا حتٰی کہ اس کا کوئی ذاتی سکہ تک بھی نہ تھا۔ خرید و فروخت کا ذریعہ مال تھا۔ مال کے عیوض مال ضعیف الاعتقادی کا یہ عالم کہ پادریوں کو خدا اور اس کے مسیح کا نائب اور ان کی بات کو فرمانِ خدا سمجھتے تھے۔ اگر انہوں نے یہ بات ذہن نشین کرادی کہ مسلمانوں کے خلاف لڑنا آسمانی باپ کا ارشاد ہے اور اسی میں نجات دنیا و دینی ہے۔ تو اسی کو آمنا وصدقنا سمجھیں گے۔ چنانچہ لوٹ مار اور رہزنی کو صحیح اقدام قرار دینے کے شانجہ نے بھی مشہور کرا دیا کہ یہ نیک فعل ہے اور پادریوں کی حمایت ہے۔ وہ لوگ دولت اور عشرت کے بھوکے تھے۔ اس کا حصول کسی طرح ہو ان کے لئے گوارا تھا۔ یہ ان کا حال تھا۔ ادھر لیون کے عیسائی اپنی سفاکانہ اور بہیمانہ سرشت کا مظاہرہ مسلمانوں کے خلاف دکھا بھی چکے تھے جبکہ مسلمانوں نے ان پر فتح حاصل کرنے کے بعد ہمیشہ رواداری اور مروت کا سلوک کیا تھا۔ عیسائیوں کے ہاتھوں سے تو نہ عزت محفوظ تھی نہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن۔ اب عبدالرحمٰن کے دور میں جب ان کی طاقت کی جڑیں بہت مضبوط ہو چکی تھیں۔ ان ساری چیزوں کی حفاظت اس پر لازم تھی۔

والی لیون سے جھڑپ: شاید ان عیسائی ریاستوں سے کوئی چھیڑ چھاڑ عبدالرحمٰن

Marfat.com

شروع نہ کرتے کیونکہ ان کو عربی نژاد سرداروں اور نومسلموں کی بغاوت کو بھی فرو کرنے میں کافی وقت اور جد و جہد کرنا پڑی تھی۔ ابھی تک انتظام سلطنت کے معاملات سے وہ عہدہ برآ نہ ہوئے تھے اس لئے یہ نہیں چاہتے تھے کہ دُور دراز ملکوں میں اپنی سپاہ کو بھیج کر مزید مشکلات کا سامنا کریں۔ مگر قدرتاً کچھ حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ لیون پر حملہ ناگزیر ہو گیا۔ ہر چند کہ ابتدا اس کی مسلمانوں کی جانب سے نہیں ہوئی۔ اردون دویم جو اس وقت تخت لیون پر قابض تھا۔ شرارتی طبیعت کا مالک تھا۔ عبدالرحمٰن کو جو اور الجھنوں میں پھنسا ہوا دیکھا تو ماردہ اور دیگر مسلم علاقے پر چھاپے مار مار کر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ الخنش کے قلعہ پر حملہ کر کے ساری رعایا کو تہ تیغ کر دیا۔ عورتوں کو کنیز بچوں کو غلام بنالیا۔ وہاں سے آگے بڑھ کر بطلیوس Batlues جو نومسلموں کے قبضہ میں تھا اور عہد عبداللہ میں خود مختار بن چکا تھا۔ اس کی شرارت کا ہدف بنا۔ یہاں کے لوگ بیچارے اس قدر خوفزدہ ہوئے کہ بہت سا مال و متاع جو تجارت وغیرہ سے جمع کیا ہوا تھا۔ اردون کو نذر کر کے جان کی امان چاہی وہ لوگ تو بچ گئے مگر اطراف و جوانب کے مواضعات خوب لوٹے گئے۔ مال و اسباب سے لدے پھندے یہ اہلیان لیون جب اپنی مملکت کو واپس آئے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس لوٹ مار کو انہوں نے مذہبی رنگ دے کر جہاد کے نام سے تعبیر کیا اور ہدیۂ تشکر کے طور پر حضرت مریمؑ کے نام پر ایک گرجا بنوا دیا۔ چاہیے تو تھا کہ عبدالرحمٰن فوراً اردون کو اس شرارت کا مزا چکھاتے۔ مگر اب تک جو علاقے اس لوٹ کھسوٹ سے متاثر ہوئے تھے۔ وہ خود امیر اندلس کے ماتحت تھے۔ اور اس حد تک بزدلی کا ثبوت دے چکے تھے کہ اردون کی آمد کی خبر سنکر ہی گھبرا کر سارا سامان اور نقدی بطور نذر اس کو پیش کر دی۔ تلوار جو مسلمانوں کے خلاف چلتی رہی حالانکہ وہ خود بھی دین اسلام کے پیرو ہو چکے تھے۔ جو عیسائیوں کے خلاف نہ اٹھ سکی۔ عبدالرحمٰن کو ان لوگوں کی اس کمزوری سے سخت صدمہ ہوا۔ یہ سوچ کر کہ عیسائی کہیں مسلمانوں کو بزدل اور نکما تصور نہ کرنے لگیں اس نے فوج کشی کا عزم مصمم کر لیا۔ جولائی ۹۱۶ء مطابق محرم ۳۰۴ھ میں اس نے ایک فوج ابن ابی عبدہ کے تحت اس اطراف میں روانہ کی۔ مقابلہ میں اردون اس سے چار گنا زیادہ فوج لے کر نکلا۔ مگر پسپا ہوا۔ مسلمانوں نے بری طرح سے ان کو قتل کیا۔ ابی عبدہ کامیاب و بامراد واپس آئے۔

لیکن سال آئندہ اس کو پھر لیون پر حملہ کرنے کا حکم ملا۔ وجہ شاید یہ تھی کہ جب مسلم سپاہ واپس لوٹ گئی تو اردون نے غم و غصہ کے عالم میں ایک فوج دریائے ٹیگس (تاجہ) کے کنارے بسے

ہوئے شہروں کی طرف بھیجدی جس نے خوب خوب قتل وغارتگری کی۔ شہر علبیسرہ کو تو بالکل ہی راکھ کردیا۔ وہاں کے لوگوں نے امیر عبدالرحمٰن سے فریاد کی۔ اس نے دوبارہ ابی عبدہ کو مامور کردیا۔

ابی عبدہ نے فوراً ایک لشکر کثیر جمع کیا۔ افریقہ کے بربری بھرتی کئے اور حدود اندلس سے بھی کافی جاں بازوں کو اپنے ساتھ شامل کیا اور قلعہ شنت اشتیبان غرماج **Sangodies** کا محاصرہ کرلیا گیا۔ لڑائی کا پلہ مسلمانوں کے حق تھا کہ اردون ثانی ان کی کمک کو آگیا اور اس زور وشور سے حملہ کیا کہ بربری سپاہی تو گھبرا گئے اور بھاگنا شروع کردیا جس سے عجیب قسم کا انتشار پیدا ہوگیا ابن ابی عبیدہ البتہ بہادری سے لڑتا رہا۔ اور اپنے جاں نثاروں کے ساتھ شمشیر بکف نعرۂ اللہ اکبر لگاتا ہوا شہید ہوا۔ عیسائیوں نے اپنے مذہبی تعصب اور کمینہ حو کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ اس کا سر کاٹ کے سور کے سر کے ساتھ قلعہ کے پھاٹک پر لٹکا دیا۔

شکست کا بدلہ عیسائیوں کو جو غیر متوقع طور پر اس قدر زبردست فتح حاصل ہوئی تو ان کی خوشی اور غرور کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا۔ اردون نے اپنے ساتھ ساتھ نبرہ کے والی شانجہ کو بھی ملا لیا۔ اور کھلے بندوں مسلمانوں کے شہروں پر حملے کرنا شروع کردیئے۔ ناجرہ اور تطیلہ کے شہروں کو آگ لگا دی۔ بقیرہ کے مقام پر جو جامع مسجد تھی اس کو بالکل جلا ڈالا اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اب مسلمانوں کو یہ ہمت ہی نہ ہوگی کہ ان کے مقابلہ پر جم ٹھونک کر آئیں۔ عبدالرحمٰن ابن ابی عبدہ کی شکست سے رنجور تو تھا ہی مگر افریقہ میں جو آئے دن حالات پلٹا کھاتے رہتے تھے۔ ان کی وجہ سے فوری کوئی قدم ان کے خلاف اٹھا بھی نہ سکتا تھا جیسے ہی وہاں کے معاملات سے چھٹکارا پالیا اپنے حاجب بدر کو یہ حکم دیا کہ ایک زبردست مہم کا انتظام کرکے عیسائیوں کو چھٹی کا دودھ یاد کرادے مکمل تیاریوں کے ساتھ بدر، جولائی ۹۱۸ء مطابق ۲۴ محرم ۳۰۵ھ میں قرطبہ سے روانہ ہوا اور حدود دلیون میں دور تک گھس گیا۔ یہ سارا کا سارا علاقہ جیسا کہ لکھا جاچکا ہے پہاڑی تھا اور وہاں ایک قسم کا حصار دشمنوں نے قائم کر رکھا تھا لیکن مسلمان جوشِ جہاد سے مغلوب ہوکر اس حصار کو بھی توڑتے پھوڑتے نکل گئے۔ ۱۳۔ اور ۱۵ اگست ۱۲۔ اور ۱۴ ربیع الاول ۳۰۵ھ) کو وہ زوردار لڑائیاں ہوئیں کہ خدا کی پناہ۔ عیسائیوں نے سخت ترین نقصانات کے ساتھ شکست کا منہ دیکھا۔ ساری شیخی دھری کی دھری رہ گئی۔ اپنے نقصانات پر صبر کرنے کے لئے اور دل کو تسکین دینے کے لئے وہ حضرت داؤد کے اقوال یاد کرنے لگے۔ مگر دل ہی

...یں سخت کوفت کھاتے رہے۔
اس شکست کے بعد گمان غالب تھا کہ عیسائی اپنی شرارت اور فتنہ انگیزی سے باز آجائیں گے ...وہ شکست خوردگی کے بعد اور بھی ذلالت پر آمادہ ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے سوچا اب مناسب ...ہے کہ وہ خود اس فتنہ کا سدباب کرے۔

...بدالرحمٰن کی مہم پر روانگی

ایک لاکھ سے زائد فوج جمع کر کے امیر پوری شان و شوکت کے ساتھ جون ۹۲۰ء مطابق محرم ۳۰۸ھ کو قرطبہ سے روانہ ہوا سب ...، پہلے اہلیان قلعہ وشمہ کو اپنی اطاعت میں لائے۔ پھر مدینہ Medinaceli سے ہوتے ...ئے وادی ابیرو کا رُخ اختیار کیا۔ مگر راستہ ہی سے مُڑ گئے اور پھر وشمہ پر حملہ آور ہو گئے۔ ...یان قلعہ جو اب بالکل مسلمانوں سے غافل ہو گئے تھے۔ سخت ہراساں ہوئے۔ پورا قلعہ ...ں کر کے مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ اس میں آگ لگا دی گئی۔

اس کے بعد شاہی لشکر شنت اشتیبان غرماج کی طرف بڑھا۔ وہاں کے باشندے پہلے ...سے ڈر کے مارے بھاگ چکے تھے۔ قلعہ کو ڈھا دیا گیا۔ پھر اس کے متصل ایک اور قلعہ القبیلہ ...ی یہی حشر ہوا آگے بڑھ کے جب قلعہ قلنہ کا محاصرہ کیا گیا تو اسے بھی تقریباً خالی پایا گیا۔ اس کے ...نات کو بھی منہدم کر دیا گیا۔ وہاں سے لشکر کا رُخ نبرہ کی طرف ہو گیا۔ راہ میں تطیلہ پڑتا تھا۔ ...ں پر کئی بار عیسائیوں نے حملہ کر کے ظلم و ستم ڈھائے تھے۔ وہاں کے حاکم محمد بن غالب کو عبدالرحمٰن ...نے حکم دیا کہ قلعہ کرکر (فرفر) جو عیسائیوں نے اس سرحد پر تعمیر کیا تھا۔ اس پر حملہ کر دے۔ ...جب وہاں پہنچا تو اسے خالی پایا مگر پتہ چلا کہ یہاں سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر قلہرہ کے ...ام پر شانجہ کی فوجیں خیمہ زن ہیں۔ فوراً ادھر کا رُخ کر دیا گیا۔ مگر جب وہاں پہنچے تو معلوم ...ہوا شانجہ پہلے ہی ڈر کے مارے بھاگ کر اینط پہونچ چکا ہے۔ دریائے ابیرو کے دوسرے ...کنارے پر جیسے ہی مسلم فوج پہونچی تو شانجہ نے اپنی تمام جراتوں کو جمع کر کے اس پر حملہ کر دیا۔ ...زک اُٹھانی مجبوراً شانجہ نے اردون۔ شاہ فرانس اور بشکنس Basqueas سے ...مل کر مدد مانگی کہ آج میری کل تمہاری باری ہے۔ جلد از جلد مدد کو پہنچو۔ اردون نے فوراً ...اس درخواست پر لبیک کہا۔ اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھا اور گھاٹیوں میں چھپا دیا۔ ...جب مسلمان فوجیں ان دروں اور گھاٹیوں سے گزرنے لگیں تو یہ لوگ بلندی پر سے اُن پر پتھر ...پھینکنے لگے اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں کے لئے یہ گھڑی بہت نازک

تھی۔ ڈھالوں سے یہ ناگہانی آفت کو روکتے ہوئے یہ لوگ بمشکل تمام وادئ تصب یا المقصیہ جو موقع
اور سالیناس دی اور وکے درمیان میں واقع ہے۔ پہنچے تو عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کو دم لینے کا
دیا۔ وہاں یہ لوگ خیمہ زن ہو گئے۔ عیسائیوں کی متحدہ فوج نے یہ سمجھا کر مسلمان تو اب بالکل نرغے
میں آ گئے ہیں اور دل بھی چھوٹا کر بیٹھے ہیں اس لئے مقابلہ پر میدان میں آتر آئے۔ ان کو اپنی اس
حماقت کا نتیجہ تو بھگتنا ہی تھا۔ وہ ہزیمت اُٹھائی کر چھکے چھوٹ گئے۔ بڑے بڑے فوجی سردار گرفتار
ہوئے۔ لاتعداد فوجی مارے گئے۔ پادری بھی تہ تیغ کر لئے گئے۔ ان میں دو مخصوص ہستیاں تھیں
ایک کا نام ہرموجید Harmuguz تھا۔ دوسرے کا دلکی Dulkidus تھا۔ بقیہ
نے راہ فرار اختیار کر کے قلعہ موئز میں پناہ لی۔ مگر ان کا بھی تعاقب کیا گیا۔ اور قلعہ پر قبضہ کیا گیا
اور قلعہ پر قبضہ کر کے ان کو بھی تلوار کی دھار پر رکھ لیا گیا۔ یوں نبرہ کا بیشتر علاقہ مسلمانوں کے قبضہ
میں آگیا۔ ان جنگوں میں جو مال غنیمت ہاتھ لگا تھا اس کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ سامانِ رسد تو اس قدر
ملا کہ آیندہ مہمات کی بھی ساری دشواریاں اس سلسلہ میں ختم ہو گئیں۔

کچھ ستانے کے بعد عبدالرحمٰن نے ۸ ستمبر ۹۲۰ء ۲۰ ربیع الآخر ۳۰۸ھ کو اذنِ واپسی دیا
راستہ میں سرحدی فوجوں کو جو اس معرکہ میں اس کے ساتھ شریک رہی تھیں۔ خوب انعام وغیرہ
دیکر ان کے علاقوں میں واپس کر دیا۔ خود تیزی سے راہ طے کرتا ہوا ۲۴ ستمبر ۹۲۰ء ۷ جمادی الاول
۳۰۸ھ کو مظفر و منصور دارالسلطنت اندلس میں داخل ہوا۔ رعایا نے خلوصِ قلب کے ساتھ استقبال
کیا۔ خوب خوشیاں منائی گئیں۔ شاہانہ پیمانہ پر جشن منعقد کئے گئے۔

عبدالرحمٰن جو عیسائیوں کی فطرت سے خوب واقف تھا۔ اور ان کی منافقانہ طبیعت
بھی۔ یہ اچھی طرح سمجھ گیا کہ ہر چند ان معرکوں میں ان کو سخت ذلت اُٹھانا پڑی ہے۔ مگر وہ اپنی حرکتوں
سے باز نہ آئیں گے تاوقتیکہ ان کی قوت پوری طرح پارہ پارہ نہ کر دیجائے اور مکمل طریقہ سے گوشمالی
کر دی جائے۔ ابھی وہ انتظاماتِ جنگ کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پتہ لگا کہ شاہ بنبلونہ اور اردون
مل کر پھر مسلمانوں کے شہروں پر حملہ کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ ۹۲۳ء ۳۱۱ھ میں تو ان لوگوں نے
کئی قلعہ مثلاً ناجرہ اور بقیرہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ خصوصاً بقیرہ کا معرکہ کچھ ایسا اندوہناک ہوا کہ
ساری اسلامی مملکت اندلس میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ یہاں کے سارے مسلمان قتل کر دیئے
گئے تھے۔ خصوصاً اعلیٰ خاندان کے افراد کو تو چن چن کر موت سے ہمکنار کیا گیا تھا۔ عورتوں کی
بُری دُرگت بنائی گئی تھی۔ بچوں تک پر مظالم کئے گئے تھے۔ اب صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا۔

Marfat.com

ف کی گنجائش نہ تھی۔ اپریل ۹۲۴ء و محرم ۳۱۲ھ میں ایک بار پھر عبدالرحمٰن عازم جہاد ہوا اور ۱۰ جولائی
حدود نبرہ میں داخل ہو گیا۔ عیسائی فوج خوفزدہ اور ہراساں قلعوں کو خالی کر کے بھاگ کھڑی
ئی مسلم فوج نبلونہ تک بغیر کسی مزاحمت کے پہنچ گئی۔ وہاں بھی ہو کا عالم تھا۔ شاہ نبلونہ نے
ہاں سے بھی راہ فرار اختیار کی تھی۔ سلطان نے شہر میں داخل ہو کر شہر پناہ اور مضبوط عمارتوں
منہدم کرادیا۔ وہ گرجا جو زیارت گاہ تھے زمین دوز کر دیئے گئے۔ لیکن جب ایک بڑے
رجا جس کو شانجہ نے بہت کچھ خرچ کر کے بنوایا تھا۔ گروانے کا حکم دیا تو عیسائیوں نے پوری
شش کی کہ وہ نہ ڈھایا جائے مگر ایک نہ چلی۔ تو اب قشتالہ نے بھی امدادی فوج بھیجی مگر اسے
پسپا کر دیا گیا۔ دو بار زور شور سے حملہ کیا گیا مگر دونوں بار کچھ بھی نہ کر سکا۔ سارے قلعے
اد ئیے گئے۔ پورے علاقہ پر قبضہ کر لیا گیا۔ اور آبادیوں میں تہلکہ مچا دیا گیا۔ یہیں پر سلطان کو
دون والیٔ لیون کے مرنے کی خبر ملی۔ پھر تو خوشی کا کیا ٹھکانہ تھا۔ اعلیٰ پیمانہ پر جشن شاہانہ منعقد
ا۔ بادشاہ اور فوج دونوں نے خوب ہی اظہار مسرت کیا اس چیز نے شانجہ کے حوصلے بالکل
ت کر دیئے۔ اس نے سر تسلیم خم کر دینے ہی میں اپنی عافیت سمجھی۔ لشکر شاہی شاداں و فرحاں
پتے مرکز کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں پہنچ کر اور بھی دھوم دھام سے جشن منعقد کئے گئے۔ اسی موقع
اپنی کامیابیوں پر نازاں ہو کر عبدالرحمٰن نے خلیفہ کا مرتبہ حاصل کیا۔ اور اپنا لقب امیر المومنین
امی دین عبدالرحمٰن الناصر الدین اللہ اختیار کیا۔ ۱۶ جنوری ۹۲۹ء۔ ۲ ذی قعدہ ۳۱۶ھ یوم جمعہ
تمام اندلس میں اعلان کر دیا گیا کہ آئندہ سے جمعہ کے خطبوں میں سرکاری کاغذات میں عبدالرحمٰن
کا نام بحیثیت خلیفۃ المسلمین کے لیا جائے گا۔

عیسائی ریاستوں میں باہمی نزاع

شاہ نبرہ کا تو سارا غرور مسلمانوں نے خاک میں ملا ہی دیا تھا۔ ادھر اردون دوئم کے مرنے کے بعد لیون میں بھی افتراق کا بازار گرم تھا۔ اس کا جانشین فردیلہ ثانی[1] بالکل ناکارہ انسان تھا۔
شاہ نبرہ کی مدد کو اس نے فوجیں تو بھیجیں مگر بالکل نکمے طور پر سال بھر کے بعد جب وہ
بھی مر گیا تو تخت کے لئے ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا۔ اردون کے دو بیٹے شانجہ اور الفانسو بہ
یک وقت تخت کے دعویدار بن گئے۔ الفانسو نے شاہ نبرہ شانجہ سے مدد طلب کی کیونکہ اس کی بیٹی

---

[1] یہ اردون دوئم کا بھائی تھا۔

Marfat.com

اس کو بیاہی ہوئی تھی۔ شانجہ نے فوراً اپنے داماد کی مدد کے لئے ایک فوج بھیجکر لیون کا تخت الفا
کو دلوا دیا۔ شانجہ کو شہر بدر ہونا پڑا۔ وہ گلیشیہ کے علاقہ میں پہونچ کر لشکر جمع کرنے لگا اور پھر تخت یا
Samora پر حملہ کرکے قبضہ کر لیا۔ وہاں سے مزید فوج حاصل کرکے لیون پر حملہ کر دیا۔ اور الفانس
شکست دے کر پھر اپنا قبضہ جمالیا۔ دو سال بعد ۹۲۸ء یعنی ۳۱۶ھ میں الفانسو نے پھر بیرونی امداد
بھروسہ پر اپنے بھائی پر لشکر کشی کر دی۔ شانجہ اتفاق سے اپنی حرکات بد اور مظالم کی وجہ سے مردو
عوام ہو چکا تھا۔ اس لئے الفانسو کو فتح حاصل ہوئی۔ وہ اب الفانسو چہارم کے لقب سے تخت لیو
پر براجمان ہوا۔ شانجہ نے بھاگ کر پھر گلیشیہ میں پناہ لی اور وہاں سے اپنی آبائی ریاست پر قبضہ کرنے کی
تدبیریں سوچتا رہا۔

۹۳۱ء یعنی ۳۱۹ھ میں الفانسو چہارم کی بیوی کا انتقال ہو گیا اس خاتون سے اس کو سخت محبت
تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اس کا دل دنیا سے کچھ ایسا اُچاٹ ہوا کہ کاروبار سلطنت میں بھی جی نہ لگا
وہ اپنے بھائی رومیر ثانی Ramer II کے حق میں تخت سے دستبردار ہو گیا۔ اور خانقاہ میں بقیہ
زندگی راہب کی طرح بسر کرنے کے ارادہ سے داخل ہو گیا۔ رومیر ثانی انتہائی دور اندیش اور
بہادر شخص تھا۔ اپنی حُسن انتظام اور خوش اسلوبی کی وجہ سے جلد ہی رعایا میں مقبول ہو گیا۔
الفانسو کو اس بات سے حسد پیدا ہوا۔ کچھ وہ رہبانیت کی زندگی سے اُکتا بھی گیا تھا۔ اس نے
وہاں سے علیحدہ ہو کر شہر بت مالکش میں پھر اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا۔ پادریوں کو اس کی
یہ حرکت بہت بُری معلوم ہوئی۔ یوں بھی ان کے نزدیک یہ بہت بُرا گناہ تھا۔ کہ ایک بار رہبانیت
کی زندگی اختیار کرکے پھر انسان دُنیا دار بن جائے۔ انہوں نے جو الفانسو کو دھمکایا اور عذاب الٰہی
ڈرایا تو وہ خائف ہو کر پھر خانقاہ میں داخل ہو گیا۔ اور جلد ہی پھر بیزار ہو گیا۔ اسی دوران میں باشند
طلیطلہ نے عبدالرحمٰن سے بغاوت کر دی تھی۔ اور شاہ لیون سے مدد طلب کی تھی۔ رومیر ثانی فو
اپنی فوج لے کر ان کی امداد کے لئے چل کھڑا ہوا۔ دار الخلافہ لیون تھا۔ الفانسو نے پھر اپنا قبضہ
اس پر جمالیا رومیر طلیطلہ سے فوراً روانہ ہوا اور لیون کا محاصرہ کر لیا۔ الفانسو نے جنگ میں شکست
کھائی۔ رومیرو ثانی پھر بادشاہ بنا۔ الفانسو نے جو چند بار کلیسا اور مذہب عیسوی کی توہین کی
تھی تو کیا مذہبی رہنما اور کیا رعایا سب ہی اس سے ناراض تھے۔ رومیرو نے جب اس کی آنکھوں
میں جلتی سلاخ بھونک دی تو کسی نے اس کو لعن طعن نہ کی۔ اسی پر بس نہ کی بلکہ فرویلہ ثانی یعنی اپنے چچا
کے بیٹوں کو بھی اندھا کر دیا کہ کبھی تخت کے لئے دعویدار نہ بن بیٹھیں۔

Marfat.com

امیر المومنین ابھی تک تو سارے معاملات خاموشی سے دیکھ رہے تھے لیکن جب رومیرو نے
لیان طلیطلہ کی مدد کی تو اس کو سخت غصہ آیا۔ ایک فوج بھیجکر اس نے رومیرو کے لشکر کو راستے ہی میں
روک دیا۔ اور طلیطلہ تک اس کی مدد نہ پہونچنے دی۔ لیکن ۹۲۳ء یعنی ۳۲۱ھ میں وہ پھر الیان وشمہ
کی مدد کو پہونچ گیا جس پر مسلمان حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ اس معرکہ میں اس میں کوئی شک
نہیں کہ مسلمانوں کو شکست ہوئی مگر اس ذلت کا بدلہ انہوں نے اگلے ہی سال ۹۳۴ء میں لے
لیا۔ وشمہ دوبارہ حملہ کیا گیا۔ رومیرو کی فوجوں کو یہ ہمت نہ ہو سکی کہ وہ مسلمانوں سے کھلے میدان
میں لڑتے۔ پہاڑوں کی کھوہ میں دبکے بیٹھے رہے امیر المومنین کی فوجیں برغش Burgos تک
پہنچ گئیں اور اسے فتح کر لیا۔ کلیسا سینٹ پیڈرو کو بربریوں نے بہت نقصان پہنچایا پھر ایل البہ کے
بس کے لگ بھگ قلعے فتح کر لئے۔ پھر فوجیں کامیابی کے ساتھ آگئیں۔

حاکم سرقسطہ کی بغاوت

عبد الرحمٰن باوجودیکہ مستقل اپنی فوجیں شمالی علاقوں میں
بھیجکر اپنی سطوت اور جبروت کا سکہ بٹھلاتے رہتے تھے۔ مگر
شر پسند عناصر کچھ اس قسم کے تھے کہ نچلا بیٹھنا جانتے ہی نہ تھے۔ کچھ تو عیسائی ریاستیں کم اشرار
پسند نہ تھیں۔ کچھ مسلمان بھی شورہ پشتی میں گرے ہوئے نہ تھے۔ عبد الرحمٰن کا جو بڑھتا ہوا اقتدار
دیکھا تو بہت سے اس سے رشک و حسد کرنے لگے انہیں میں سے ایک محمد بن ہاشم التجیبی حاکم
سرقسطہ تھا۔ بنی ہاشم کو پچھلے چالیس سالوں سے کافی اثر و رسوخ حاصل ہو گیا تھا اور صوبہ ارغون
Argo جس کا دار الخلافہ سرقسطہ تھا اس کی امارت انہیں کے خاندان کے افراد کو مل رہی تھی۔
انہوں نے بہت سے عربی خاندانوں کو ان نواح سے نکال دیا تھا۔ ان لوگوں کی اس حرکت
نے عبد الرحمٰن کو ان کی طرف سے بدظن کر دیا تھا۔ محمد بن ہاشم بھی اس بات سے کھٹک گیا تھا۔
اندر ہی اندر مخالفت کی آگ کو بھڑکا رہا تھا۔ اپنی غرض کو اس نے ردمیر ثانی سے تعلقات
پیدا کرنے شروع کر دیئے۔ اور اس نے یہ طے کر لیا کہ اگر کبھی خلیفہ نے اس پر حملہ کیا تو وہ اس کی
حمایت کو آگے بڑھے گا۔ اتفاق سے یہ موقع جلد ہی آگیا ۹۳۲ء میں جب وشمہ حملہ کیا گیا
تو محمد بن ہاشم سے بھی یہ کہا گیا کہ وہ اپنی فوجیں لے کر شاہی لشکر میں شامل ہو اور شاہ لیون کے
خلاف جنگ کرے۔ ابن ہاشم نے اس حکم کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ تین سال بعد ۹۳۵ء میں صانیہ
رومیرو کو اپنا بادشاہ مان لیا۔ اس حرکت سے خود مسلمان اس سے بددل ہو گئے۔ اور بہت سے
سرداروں نے اس کی اس عیسائی پرستی کا ساتھ نہ دیا۔

Marfat.com

اس وقت نبرہ میں شانجہ کے مرنے کے بعد اس کا کمسن بیٹا غرسیہ Garcia حکومت کا مالک بنا بیٹھا تھا۔ لیکن حقیقتاً عنانِ سلطنت اس کی ماں طوطا Tota کے ہاتھ میں تھی خلیفہ کے خلاف ابن ہاشم نے ملکہ طوطا کو بھی بھڑکایا۔ اس طرح سے لیون۔ نبرہ۔ سرقسطہ تین ریاستیں اور طاقتیں عبدالرحمن کے خلاف صف آرا ہو گئیں۔ وہ بھی اب چپ بیٹھنے والا نہ تھا۔ فوراً ایک لشکر عظیم لیکر ۳۲۴ھ ۹۳۷ء میں قرطبہ سے نکلا اور سب سے پہلے قلعہ ایوب کو تاکا جو اس وقت محمد ابن ہاشم کے ایک ہی خواہ مطرف کے قبضہ میں تھا۔ رومیرو نے بھی اپنی فوجیں وہاں مقرر کردی تھیں۔ مگر جب جنگ شروع ہوئی تو مطرف اور رومیرو کی فوجیں خلیفہ کی سپاہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں۔ خود مطرف جان سے مارا گیا۔ اس کا بھائی علمبردار بنا مگر جان بچا کر قلعہ میں پناہ لی اور وہاں سے معافی کا پروانہ لکھا۔ معافی دیدی گئی۔ مگر خط میں چونکہ عیسائیوں کی امان کا ذکر نہ تھا۔ اس لئے وہ سب کے سب قتل کئے گئے پھر آگے بڑھ کر سرقسطہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اس کی ذمہ داری ایک اموی سردار احمد ابن اسحٰق کے سپرد کی گئی۔

احمد ابنِ اسحاق

اس شخص کی داستان بھی ذرا تفصیل طلب ہے مختصراً یہاں بیان کی جاتی ہے۔ یہ خواتین عرصہ دراز تک افلاس اور تنگ دستی کی زندگی اشبیلیہ اور اس کے اطراف میں بسر کرتے رہے تھے۔ یہ لوگ والیانِ اندلس سے دور کی رشتہ داری بھی رکھتے تھے۔ اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے خلیفہ نے ان کے مرتبہ میں اضافہ کرنا شروع کیا اور احمد ابن اسحاق کا جاہ و مرتبہ بڑھتا ہی رہا۔ اس عزت نے اس کا دماغ خراب کر دیا۔ اور وہ اس بات کا خواہشمند ہوا کہ خلیفہ اپنے بعد تخت کا جانشین اس کو مقرر کردیں یہ بھلا کس طرح ممکن تھا۔ اس کو دھتکار دیا گیا۔ اور ایک تنبیہہ کا خط اس کے خط کے جواب میں لکھا گیا جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"تیری خوشی کی خاطر اتنے احسانات تجھ پر کئے۔ لیکن اب محسوس ہوا کہ تیری خوئے بد کو بدلنا آسان کام نہیں تو اس کا مستحق ہے کہ عسرت میں گزارے۔ دولت نے تیرا دماغی توازن برقرار نہیں رکھا ہے۔ اور تجھ میں غرور اور تکبر پیدا ہو گیا ہے۔ تجھے کیا معلوم نہیں کہ تیرا باپ فوج کا ایک ادنیٰ سوار تھا۔ تو خود اشبیلیہ میں گدھوں کی تجارت کیا کرتا تھا تیرے خاندان کو تیرے باپ کی خوشامد اور گڑگڑانے کی وجہ سے اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اسے وزیر بنادیا تجھے فوج کا سپہ سالار۔ پھر شمال کے سب سے بڑے مقام کا والی مقرر کر دیا۔ اب

Marfat.com

توہم ہی پر آنکھیں دکھاتا ہے۔ اور حکموں سے سرتابی کرتا ہے۔ جس میں ہماری منفعت ہے اس سے تغافل برتتا ہے۔ اب ولیعہد بننے کا خواہشمند ہے۔"

پھر کچھ شعر لکھ بھیجے جس کا مطلب یہ تھا۔

"تو کمینہ ہے ٹاٹ میں حریر کا پیوند نہیں لگ سکتا۔ اگر تو قریشی ہے تو پھر اس قبیلہ میں شادیاں کیوں نہیں کرتا۔ اور اگر قبطی ہے تو پھر یہ دعویٰ باطل ہے۔"

اس خط کے مضمون نے احمد کو بڑی حد تک عبدالرحمٰن کی طرف سے دل برداشتہ کر دیا۔ خلیفہ نے بھی مزید تادیب اس طرح کر ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ اس کا بھائی امیہ بن اسحٰق جو سر قسط کا والی تھا۔ نے خلیفہ کے خلاف سازش کی جس کا راز افشاء ہو گیا۔ دونوں ملک بدر کر دیئے گئے۔ بعد میں احمد تو قتل کر دیا گیا۔ مگر امیہ نے شنترین پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر دیدہ و دانستہ اتنی بڑی طاقت سے ٹکر لینے کی غلطی کا مرتکب ہوا یہ جانتا تھا کہ خود اس میں یا اس کے معاونین میں اتنی قوت نہیں ہے کہ خلیفہ کا مقابلہ کر سکے اس سے اس نے قوم و مذہب اور دیرینہ احسانوں کو بھول کر رومیرو شاہ لیون سے مراسم پیدا کر لئے۔ اور اس پر عربوں کے تمام فوجی اسرار اور کمزور نکات ظاہر کر دیئے۔ خلیفہ نے فوراً سرقسط کا محاصرہ کر لیا۔ امیہ نے بھاگ کر رومیرو کے پاس پناہ لی۔ محمد بن ہاشم نے معافی طلب کی۔ اس کا قصور معاف کر دیا گیا۔

جنگ خندق پچھلے ہر معرکہ میں فتح و نصرت نے عبدالرحمٰن کے قدم چومے تھے۔ ہر مقام پر اس کو کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ہر جنگ میں مظفر و منصور ہوا تھا۔ لیکن قسمت کا پانسہ پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ جب قسمت بدلتی ہے تو ساری تدبیریں اُلٹی پڑ جاتی ہیں۔ امیہ بن اسحٰق اور رومیرو کی باہمی دوستی نے خلیفہ کو مجبور کیا کہ وہ ان کے خلاف جلد کوئی مضبوط قدم اٹھائے۔ چنانچہ جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ لیون کے خلاف مہم کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ لشکر زرِ کثیر صرف کر کے جمع کیا گیا۔ اس کا کمانڈر نجدہ صقلبی کو بنایا گیا۔ جو ایک ادنیٰ درجہ کا آدمی تھا۔ عربی امراء اور شرفاء کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ دل ہی دل میں انہوں نے اس کے خلاف سارا خاکہ تیار کر لیا۔ جو حقیقتاً عبدالرحمٰن کی شکست کا پیش خیمہ تھا۔

۹۳۹ء مطابق ۳۲۷ھ میں شاہی فوج قرطبہ سے روانہ ہوئی عبدالرحمٰن خود اس کے ہمراہ تھا۔ مگر ایک معمولی جنرل کی طرح کمانڈ انہیں کے مقرر کردہ افسر کے ہاتھ میں تھی۔ کہ جس سے

لوگ سخت پٹے ہوئے تھے۔ رومیرو کو جب معلوم ہوا کہ شاہی فوجیں زمورہ یا سمورہ دار السلطنت جلیقیہ پر حملہ آور ہوگئی تو وہ بھی ملکہ نبرہ کی امدادی فوجوں کے ساتھ مقابلے کے لئے نکلا۔ سمورہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ سات مضبوط اور مستحکم فصیلوں کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ اور ہر فصیل کے درمیان ایک گہری خندق تھی۔ شروع میں جتنے معرکے میدان میں ہوئے عرب ہمیشہ اس میں کامیاب رہے۔ مگر دل ہی دل میں جو حسد کی آگ سلگ رہی تھی وہ اپنا رنگ لاکر رہی۔ اسی دوران میں سورج گرہن پڑ گیا۔ اس کے تین روز بعد ۶ اگست ۹۳۹ء مطابق ۲ یا ۹ شوال ۳۲۷ھ میں جو جنگ ہوئی اس میں مسلمان بڑی دلیری سے لڑے اور دو فصیلوں کو عبور کرتے ہوئے اندر تک گھستے چلے گئے۔ اب ان عربی سرداروں نے اپنی کارروائی شروع کی۔ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ بظاہر یہ جتلانے کے لئے کہ اس طرح دشمن ان کے تعاقب میں آگے بڑھتا چلا آئے گا۔ اور پھر ان کو میدان میں مقابلہ کرکے ہرانے میں زیادہ آسانی ہوگی جس ارادے سے یہ ترکیب عمل میں لائی گئی تھی۔ وہ حقیقتاً کچھ اور تھا۔ اور اس کے جو مضر اور نقصان دہ اثرات نکلے اس سے شاید وہ لوگ بھی بے خبر تھے۔ تیسری دیوار کے قریب ابھی عرب سنبھلنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ عیسائیوں نے شدت کے ساتھ حملہ کر دیا۔ دیواروں کی آڑ میں جو فوج چھپی ہوئی تھی اس نے چن چن کر مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو عرب خندق میں پھنس گئے ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ خود عبد الرحمٰن دشمنوں کی تلوار سے بال بال بچا۔ تقریباً پچاس ہزار نفوس اس حماقت کی وجہ سے جان سے مارے گئے۔ نجدہ بھی مقتول ہوا۔ پسماندہ فوج نہایت ابتری اور پریشانی سے بھاگی۔ اگر اس وقت عیسائی ذرا اور ہمت سے کام لے جاتے اور تعاقب شروع کر دیتے تو شاید ایک مسلمان بھی زندہ جان بچا کر نہ لے جا سکتا لیکن جس شخص نے ان کو اس حرکت سے باز رکھا وہ بھی بنی امیہ ابن اسحٰق کی ذات تھی۔ اس نے عیسائیوں کو سمجھایا کہ اگر کہیں وہ ایسا کر بیٹھے تو شاید یہ فتح شکست سے بدل جائے۔ برایں بنا کہ شاید مسلمان جھاڑیوں اور فصیلوں میں چھپے بیٹھے ہوں اور پھر ایک دم سے حملہ کر بیٹھیں عیسائی بھی اس جھانسے میں آگئے۔ خود ان کو اس قدر مال و دولت حاصل ہو چکا تھا کہ وہ اب مزید زحمت سے جس میں خطرہ بھی تھا دو چار ہونا بھی نہ چاہتے تھے۔ خصوصاً جب ان کو غیر متوقع اتنی شاندار فتح حاصل ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کو فالِ نیک سمجھا۔ اور حضرت مسیح کی عنایت سے تعبیر کیا۔ بادشاہ رومیرو کی دھاک دور دور بیٹھ گئی۔ مسلمانوں کی عظمت کو سخت دھکا پہنچا۔ جب خلیفہ بحال تباہ قرطبہ پہنچا تو اس

Marfat.com

ساتھ گنتی[1] کے لوگ تھے۔ اس کے بعد سے خلیفہ الناصر نے پھر کبھی جہاد میں ذاتی طور پر حصہ نہیں لیا۔

امیہ بن اسحاق سے زیادہ دن تک رومیرو سے نہ بنی۔ اس کو پھر اپنے قدیمی مربی کی پناہ میں آنا پڑا۔ چند روز بعد اس نے گڑگڑا کر عفو تقصیر چاہی۔ خود کو بادشاہ کے قدموں میں جا کر ڈال دیا۔ عبدالرحمٰن کا دل بھی پسیج گیا۔ اس کو معاف کر کے پرانے عہدے پر پھر بحال کر دیا۔ اس کا محمد بن ہاشم پہلے ہی عیسائیوں کے ہاتھوں میں پڑ کر گرفتار ہو گیا تھا اور لیون میں قید و بند کی زندگی گزار رہا تھا۔

ڈوزی نے اس کے واقعات ذرا مختلف انداز سے بیان کئے ہیں۔ اس کے بیان کے مطابق یہ شکست سمورہ کے مقام پر نہیں ہوئی بلکہ موضع الخندق میں جو سلامنکا Salomanca کے جنوب میں دریائے ٹورس Tourus پر واقع ہے۔ مقام کچھ ہو۔ مگر یہ زبردست شکست عبدالرحمٰن کو عیسائیوں کے ہاتھ سے اٹھانا پڑی جو بڑی حد تک اس کے جلال شاہی اور رعب و داب پر اثر انداز ہوئی۔

شکست کا بدلہ خلیفہ کی جان بچنے کو تو بچ گئی مگر جس تذلیل سے ان کو دوچار ہونا پڑا تھا وہ کسی مہلک زخم سے کم نہ تھی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے پیچ و تاب کھاتے ان عربی سرداروں کی حماقت پر کف افسوس ملتے۔ جنہوں نے اپنی ذاتی برتری قایم رکھنے کے لئے مسلمانوں کی ناک کٹوا دی۔ ان کی عزت سے ایسا غلط کھیل کھیل گئے۔ کئی دن تک شرمندگی کی وجہ سے وہ محل کے باہر ہی نہ نکلے اور جب نکلے تو نئے عزائم نئے حوصلوں کے ساتھ۔

اتفاق کچھ ایسا ہوا کہ ان حوصلوں کو بروئے کار لانے کا موقع بھی جلد مل گیا۔ نواب قشتالیہ فرڈیننڈ گورنر برگز اور رومیرو میں کچھ منافقت پیدا ہو گئی۔ سلطان کو یہ موقع مل گیا کہ اپنی فوجوں کو لیون کے خلاف حرکت دے۔ نومبر ۹۴۰ء صفر ۳۲۹ھ میں احمد بن یعلیٰ حاکم بطلیوس (ریڈاجاز) کی ماتحتی میں ایک لشکر مرتب کر کے اس جانب روانہ کر دیا جس نے شاندار فتوحات حاصل کیں۔ تھوڑے عرصہ بعد یعنی ۹۴۲ء ۳۳۰ھ میں جب مسلمانوں نے دوسرا زبردست حملہ کیا تو رومیرو میں مقابلہ کی بالکل سکت نہ تھی۔ وہ پہلے ہی سے اہل قشتالیہ سے لڑ لڑ کر نڈھال ہو رہا تھا۔ مسلمان

---

[1] صرف ۴۹

Marfat.com

جو شاہین اور عقاب کی طرح جھپٹے تو اس کی رہی سہی عقل بھی گم ہو گئی۔ اس معرکہ میں بھی فت
سہرا مسلمانوں کے سر بندھا۔ تیسری بار ۹۴۷ء، ۳۳۶ھ میں پھر مسلمان اس جانب لپکے
بھی ایسے کڑوے انداز میں کہ عیسائیوں کے چھکے ہی چھوٹ گئے۔

اب تو مسلمانوں کے حوصلے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے فوراً مدینہ س
کی مرمت کرائی اور اس میں اپنے حفاظتی دستے تعینات کئے۔ قشتالیہ اور لیون دو
ریاستوں سے مقابلہ کرنے کی ساری سہولتیں بہم کرلیں۔ دو ایک سال بعد ردمیرو د
ایسی ہزیمتیں اٹھا کر سخت پریشان ہو گیا تھا۔ دل گردہ کر کے ۹۵۰ء، ۳۳۹ھ میں ایک فو
لے کر طلبیرہ کی طرف چلا کہ مسلمانوں کو اس جارحانہ کارروائی سے باز رکھے۔ تھوڑی بہت
کامیابی بھی اس کو حاصل ہوئی۔ لیکن وہ خود اب زیادہ دن زندہ نہ رہا۔ جنوری ۹۵۱ء، رجب
۳۳۹ھ میں موت نے اس کو آن دبوچا۔

Marfat.com

باب (۱۴)

عیسائی ریاستوں میں اختلاف

پیچھے کہیں یہ احاطۂ تحریر میں آچکا ہے کہ قشتالیہ casTila شمالی حدود میں ایک مختصر سی
مت تھی جو لیون ہی کی باجگزار تھی۔ یہ لوگ اکثر و بیشتر شاہانِ لیون کے ساتھ مل کر مسلمانوں سے
ازما ہوتے تھے۔ مگر کچھ عرصہ سے ان کے ذہنوں میں بھی بغاوت کی آگ سُلگ رہی تھی۔ یہ
بھی خود مختار بننا چاہتے تھے۔ اردن دوئم کو جب ان کے ان ارادوں کا پتہ چلا تو اس
ایک ایسی پالیسی چلی کہ کچھ عرصہ کے لئے تو یہ لوگ ساری چوکڑی بھول گئے۔ اس نے ایک
ت نامہ مختلف ریاستوں کے والیوں کے نام بھجوایا کہ وہ دریائے کاریون کے کنارے جمع
ں اور وہاں قشتالیہ کی آزادی کے مسئلہ پر بحث و مباحثہ ہو۔ پھر جو کچھ طے پائے اُسی کے
ابق کارروائی کی جائے۔ جب یہ سب لوگ مقررہ جگہ پر جمع ہوئے تو اس نے قید کرا کے سب
تل کرا دیا۔ قشتالیہ کے لوگوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ چند دنوں کے لئے وہ بالکل بے یار
ددگار ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ بعد ان میں ایک جوشیلا اور باہمت جوان فرڈیننڈ گانزلیز
بھرا۔ جس نے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنے کا عزم کر لیا۔ جس وقت مسلمانوں کی
یں قشتالیہ میں اپنے قہر و غضب کا مظاہرہ کر رہی تھیں اس وقت تو اس جوان العمر ہیرو

Marfat.com

کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی ایسا قدم اُٹھاتا جو آزادی کی طرف لے جائے مگر جب جنگ میں ان لوگوں کو پسپا ہونا پڑا۔ تو ہمتیں دوچند ہو گئیں۔ اس نے لیون والوں سے رشتہ منقطع کرنے کا اعلان کر دیا۔ رومیرو اور فرڈیننڈ باہم دست و گریبان ہو گئے۔

گانزلیز بڑھا تو بڑے بلند ارادوں کے ساتھ مگر اہل لیون نے اس کو ہرا کر قید خانے کی کوٹھری جھنکا دی۔ رومیرو نے اپنا مخصوص آدمی آسر فرنانڈیس Fernades اور اس کے بعد اپنے بیٹے شانجہ کو حاکم قشتالیہ بنا دیا۔ گانزلیز کی ساری جائداد ضبط کر لی گئی۔ کچھ تو رومیرو کے تصرف میں آئی کچھ اہلیان ریاست کو خوش کرنے کے لئے ان میں تقسیم کر دی گئی۔ مگر یہ چیز ان کی خوشی نہ حاصل کر پائی اور نئے حاکم کو بھی انہوں نے طوعاً و کرہاً برداشت کیا۔ دل سے وہ گانزلیز ہی کے معتقد تھے۔ ان کے پیہم اصرار پر رومیرو نے اس کو آزاد کر دیا مگر سخت قسم کی پابندیاں اس پر لگا دیں۔ اس کی بیٹی کی شادی بھی اپنے لڑکے اردون سے زبردستی کر دی۔ ان حرکتوں سے قشتالیہ والے اور بھی رومیرو سے بددل ہو گئے۔ اور اس کی امداد سے دست کوتاہ کرنے لگے۔ ان ہی دنوں اس کی موت نے خود لیون کے لئے نیا جھگڑا کھڑا کر دیا۔

لیون میں خانہ جنگی جیسا کہ شجرے میں ظاہر کر دیا گیا ہے۔ رومیرو نے دو شادیاں کی تھیں پہلی بیوی جلیقہ Galicia کے نواب کی بیٹی تھی جس سے اردون پیدا ہوا تھا اور دوسری یوراکر شاہ نبرہ غرسیہ کی بہن تھی۔ اس سے شانجہ کی پیدائش ہوئی تھی دونوں بھائیوں میں تعلقات کشیدہ تھے۔ دونوں تخت پر حریفانہ نظریں رکھتے تھے۔ اردون اولاد اکبر ہونے کی وجہ سے اپنے کو مستحق سمجھتا تھا۔ مگر شانجہ نبرہ کے والی کا رشتہ دار ہونے کی وجہ سے مُدعی بن بیٹھا تھا۔ اردون کو قشتالیہ والوں کی مدد پر بھروسہ تھا مگر گانزلیز اپنے داماد کو خاطر میں لانے کے لئے اس وجہ سے تیار نہ تھا کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان والی بات تھی۔ ویسے شانجہ بھی گانزلیز کے عزیزوں میں سے تھا۔ اس کی سگی سالی رومیرو کو بیاہی ہوئی تھی۔ جس سے شانجہ کی ولادت ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ شانجہ کو مدد دینے میں خود گانزلیز کے مقاصد کی برآری تھی۔ وہ نبرہ والوں کی دوستی حاصل کر سکتا تھا۔ اور جب یہ پیمان باندھا گیا کہ اگر شانجہ تخت نشین ہو گیا تو اس کی ضبط املاک واپس کر دی جائے گی پھر تو معاونت نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ قشتالیہ کی فوجیں شانجہ کی امداد کے لئے روانہ ہو گئیں۔

شروع میں ان فوجوں کو اردون کے خلاف کافی کامیابی حاصل ہوئی مگر آخر کار

Marfat.com

دون نے سب کو شکست دیکر لیون کے تخت پر قبضہ کر ہی لیا۔ اور پھر اپنی حالت کو مضبوط بنانے میں طبہ کے دربار سے دوستی پیدا کرنا چاہی۔ خلیفہ نے اس کی درخواست کو دلچسپی سے سُنا۔ فوراً اس کے جواب میں ایک سفارت مشتمل بہ محمد ابن حسین اور حدالی بن شبروط جو یہودی تھا مگر علم وفضل میں اعلیٰ درجہ رکھتا تھا۔ ماہرِ طب تھا اور ریاست کا افسرِ اعلیٰ تھا روانہ کی گئی۔ اردون سوئم سے یہ شرطیں طے کی گئیں کہ وہ اپنے بعض قلعوں کو شاہ کے حوالے کر دے۔ اور بعض کو مسمار کرا دے۔ یہ باتیں طے ہوگئیں تو لیون اور قرطبہ میں دوستی قائم ہوگئی۔ اردون کو سایۂ عاطفت خلیفہ حاصل ہوگا۔ گانزلیز نے جب اردون کا یہ روّیہ دیکھا تو خود بھی خلیفہ سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے میں فخر محسوس کیا۔ مصالحت کرکے الطافِ خسروانہ کا مستحق ٹھیرا۔ گویا نبرہ والوں کے علاوہ سب امیر المومنین کے دوست بن گئے۔ ایک سے سنہ ۳۴۴ھ میں معاہدہ ہوا دوسرے سے سنہ ۳۴۵ھ۔

ایک ہی سال بعد یعنی سنہ ۳۴۶ھ ۹۵۶ء میں اردون سوئم کا انتقال ہوگیا اور اب پھر تخت کے لئے کھینچا تانی شروع ہوئی۔ اس کی جگہ شانجہ لیون کے تخت پر بیٹھا۔ گانزلیز اب تک شانجہ ہی کا طرفدار تھا۔ اب اس کا مخالف بن بیٹھا۔ ادھر شانجہ جو تخت ملنے کی طرف سے مایوس ہوگیا تھا۔ ایک دم جو اتنی بڑی سلطنت کا مالک ہوا تو دماغ ہی بدل گئے۔ جو معاہدہ اردون سوئم اور خلیفہ عبدالرحمٰن کے درمیان ہوا تھا اس کی شرائط پر عمل کرنے ہی سے انکار کر دیا۔ ریاست میں بھی ظلم و زیادتی بے اندازہ شروع کر دی۔ عبدالرحمٰن کو اس کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ حاکم طلیطلہ احمد بن یعلیٰ کو یہ حکم دیا کہ فوراً شانجہ کو اس کی کور چشمی کا مزا چکھائے۔ تعمیل حکم کی خاطر فوجیں فوراً حملہ آور ہوگئیں اور جولائی ۹۵۷ء میں شانجہ کو زبردست شکست دی اور وقتی طور پر اس کے حوصلے پست کر دیئے۔

شانجہ کے خلاف بغاوت

اس شکست سے بھی شانجہ کے غرور و تکبر میں کوئی فرق نہ آیا اس کے اس ظالمانہ طرزِ عمل لیون کے جملہ رئیس اس کے خلاف ہوگئے۔ اتفاق سے شانجہ دن بدن اس قدر فربہ اندام ہونا شروع ہوا کہ یہ موٹاپا خود اس کے لئے عذابِ جان بن گیا۔ پیدل چلنے سے وہ معذور ہوا۔ گھوڑے کی سواری سے وہ مجبور۔ نہ چل سکتا نہ پھر سکتا۔ ہر جگہ اس کا مذاق اُڑتا۔ ہر مقام پر ہنسی۔ لوگوں نے اس کی موجودگی عذابِ الٰہی سے تعبیر کی اور ایک قسم کی نفرت اور کراہیت محسوس کرنے لگے۔ گانزلیز کو بھی اس بات کا اندازہ ہوگیا وہ تو پہلے ہی شانجہ کے خلاف ہو رہا تھا۔ فوراً اس کے خلاف

Marfat.com

افواہیں پھیلانا شروع کیں۔ اور لوگوں کو بدظن کرتا رہا حتی کہ اس کے خلاف گہری سازش ہوئی ۔۔۔
۳۴۸ھ کے موسم بہار میں وہ ملک بدر کیا گیا۔ اور اب اردون چہارم اس کی جگہ پر تخت نشین ہوا۔ شانجہ
کے معزول ہونے کے بعد شاہی خاندان میں بجز اردون کے کوئی دوسرا سمجھدار اور ہوشیار شخص
تھا۔ یہ اردون الفانسو چہارم بادشاہ لیون کا بیٹا تھا اور اس طرح سے شانجہ کا چچازاد بھائی ہوتا تھا
گانزلیز نے اردون سوئم کے مرنے کے بعد اپنی بیٹی کی شادی اسی اردون سے کر دی تھی۔ اس لئے
خواہ مخواہ اس کی طرفداری اس کو کرنا ہی تھی۔ یہ اردون چہارم کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔ مگر
عادتوں کا ایسا خراب تھا کہ لوگ جلد ہی اس سے تنگ آ گئے۔ گندہ ذہن تھا۔ پراگندہ ذہن جرم
مذموم کیا کرتا تھا۔ اور اس میں شان سمجھتا تھا۔ صورت بھی بُرا تھا۔ سیرت کا بھی۔ قبیح عادات کی وجہ
سے اردون جلد **ozonolmollo** مشہور ہو گیا۔

شانجہ بیچارہ بھاگ کر پنبلونہ **Pembelona** جو دارالخلافہ نبرہ تھا اپنے ماموں غرسیہ
کے پاس پہونچا اور نانی طوطا کو ساری رام کہانی سنائی۔ اس کو بہت ترس آیا۔ اس کو تخت
واپس دلانے اور موٹاپا کم کرنے دونوں کی ترکیبیں سوچنے لگی۔ نبرہ میں کوئی ایسا اچھا حکیم نہ تھا
قرطبہ کے اکثر و بیشتر طبیبوں کی خاص شہرت تھی۔ مگر ان کی خدمات حاصل کرنے کے معنی تھے
اپنے قدیمی دشمن سے دوستی پیدا کرنا۔ اس میں ایک فائدہ یہ بھی مدنظر ہو سکتا تھا۔ کہ اس کی حمایت
سے شاید شانجہ کو پھر تخت لیون حاصل ہو جائے۔ یہ تمام باتیں سوچ کر ملکہ نے فوراً ایک سفارت
جملہ نیاز مندیوں کے ساتھ دربار قرطبہ روانہ کی۔

عبدالرحمن جو اپنی تجربہ کار نظروں سے لیون کی اس خانہ جنگی کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ یہ اچھی
طرح سمجھ بیٹھا تھا کہ جلدی ہی وقت آنے والا ہے جب کسی نہ کسی فریق کو اس کی معاونت کی ضرورت
محسوس ہوگی۔ اور پھر اس کو ان کے اندرونی معاملات میں دست اندازی کا مناسب موقع ہاتھ
آجائے گا۔ یہ موقع ہاتھ آ ہی گیا اور عبدالرحمن کی منہ مانگی مراد پوری ہوئی۔

شانجہ اور ملکہ طوطا کی آمد قرطبہ میں

نبرہ سے آئی ہوئی سفارت کے جواب میں خلیفہ
نے ایک بار پھر یہودی طبیب کا انتخاب کیا۔ اس مرتبہ تو خصوصیت سے کہ شانجہ کو ایک حکیم کی
خدمات کی ضرورت بھی تھی۔ اور پھر اس سے بہتر کوئی سیاست دان بھی دارالحکومت میں نہ تھا
عیسائیوں کی زبان سے بھی واقف تھا۔ ان کے طور طریقوں سے بھی۔ گفتگو کے آداب بھی جانتا

Marfat.com

...دوسرے ممالک کے مؤرخ بھی اس کے فضل وکمال کے قائل تھے اور اسے حکیم باتدبیر کہا کرتے تھے۔ اس کو بہت کچھ سمجھا بجھا کر نبرہ روانہ کیا گیا۔ اس نے جاتے ہی اپنی چرب زبانی اور فصیح البیانی سے ایسا ملکہ اور اس کے نواسے کو گرویدہ کیا کہ وہ لوگ اس کے بے انتہا مداح ہو گئے۔ اتنا اثر جمانے کے بعد حسدائی نے سلطان کی شرائط ان کے سامنے پیش کیں۔

۱۔ علاج شانجہ کا مکمل طور سے کیا جائے گا اور اس کو اس بے ہنگم موٹاپے سے نجات دلائی جائے گی۔ مگر اس کے عوض دس قلعے سلطان کو دینا پڑیں گے۔

۲۔ حکومت لیون پر وہ پھر شاہی لشکر کی حمایت سے بحال کر دیا جائے گا۔ مگر اس کے لئے جو معاہدہ ہوگا اس پر دستخط کرنے کے لئے دونوں کو قرطبہ آنا پڑے گا۔

پہلی شرط بالکل قابل قبول تھی مگر دوسری میں ذرا تذبذب کا پہلو پیدا ہوتا تھا۔ ملکہ کی عزت کو بھی دھکا پہونچتا تھا۔ مگر اس بار پھر طبیب حاذق نے کچھ ایسی اتار چڑھاؤ کی باتیں کیں اور کچھ ایسی شیریں کلامی اور سبز باغ دکھا کر شیشہ میں اتارا کہ وہ جبر کر کے یہ مسافت طے کرنے پر آمادہ ہو ہی گئے۔

یہ خبر جب قرطبہ پہونچی تو خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمانوں کے لئے تو یہ فخر اور غرور کا مقام تھا ہی۔ یہودی بھی خوش ہوئے کہ ان کے ہی ایک ہم مذہب اور قوم کے فرد کے ہاتھوں یہ مہم انجام پائی تھی۔ جس وقت یہ قافلہ روانہ ہوا تو عبدالرحمٰن کے حکم کے مطابق ہر ہر منزل پر ان لوگوں کا شاندار استقبال ہوا۔ ہر جگہ نہایت عزت و تکریم سے خاطر مدارات کی گئی۔ جس وقت یہ لوگ قرطبہ پہنچے تو ایک عجیب ہی سماں تھا۔ لوگ جوق در جوق اس عیسائی بادشاہ اور اس کے ساتھ خاتون کو دیکھنے کے لئے امنڈ آئے تھے۔ دو رویہ فوجی رنگ برنگی وردی پہنے کھڑے ہوئے تھے۔ پھر اس کے بعد پوری شان و شوکت کے ساتھ یہ لوگ محل میں پہونچائے گئے۔ جہاں ان کے اعزاز میں عظیم الشان دربار منعقد کیا گیا تھا۔ نہایت ہی اخلاق سے ان سے پیش آیا گیا اور حسب مراتب جس قدر بھی تواضع ممکن ہو سکتی تھی کی گئی۔

اس کے بعد معاہدہ کی پھر تجدید ہوئی۔ یہ طے پایا کہ ادھر سلطان فی لشکر لیون پر چڑھائی کرے ادھر نبرہ والے قشتالیہ سے جنگ شروع کر دیں۔ تاکہ یگانہ [illegible] مدد لیون والوں کو حاصل نہ ہو سکے۔ اس کے بعد علاج شروع ہوا۔ کچھ ہی دن [illegible]

Marfat.com

اور وہ پہلے کی طرح سے چست اور پھرتیلا ہو گیا۔

حسب قرارداد شاہی فوجیں شانجہ کے ساتھ بھیجدی گئیں۔ پہلے شہر سمورہ Zamora پر قبضہ
کیا گیا۔ اس کے بعد اپریل ۹۵۹ء صفر ۳۴۸ھ میں لیون کے تخت پر ایک بار پھر شانجہ کو بٹھا دیا
گیا۔ البتہ کچھ حصہ جس میں دارالحکومت بھی اردون ہی کے قبضہ میں رہا۔ مگر جب ۹۶۰ء یعنی ۳۴۹ھ میں
اردون وہاں سے بھاگا اور ایشتوریاس میں پناہ لی تو وہ علاقہ بھی شانجہ ہی کے ہاتھ آگیا۔
اظہارِ تشکر کے طور پر شانجہ نے فوراً خلیفہ کی خدمت میں عریضہ روانہ کیا اور اس کے احسان
بے پایاں کا شکریہ بے حد ادا کیا۔ تھوڑا بہت زہر گا نزلیز کے خلاف آگلا۔ نبرہ کی فوجوں نے
۹۶۰ء میں قشتالیہ پر حملہ کر کے اسے بھی قید کر لیا۔ شانجہ کی دھاگ ہر جگہ بیٹھ گئی خلیفہ کا تسلط
تینوں عیسائی ریاستوں پر خود بخود ہو گیا۔ اردون کو ایشتوریاس میں بھی پناہ نہ مل سکی اور وہ
برگس Burgos دارالحکومت قشتالیہ میں جا کر مقیم ہوا۔

Marfat.com

باب ۴۲
مختلف سفارتیں

خلیفۃ المسلمین عبدالرحمٰن الناصر کو جو مسلسل فتوحات اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں حاصل ہوئیں ان کی قوت اور عظمت کا شہرہ دُور دُور پھیل گیا۔ اس وقت جتنی عظیم ریاستیں تھیں وہ کچھ تو خائف اس قدر متاثر ہوئیں کہ اپنے سفراء بھیج کر دربار قرطبہ میں دوستی اور رضامندی حاصل کرنے کی ترکیبیں کرنے لگیں۔

شہنشاہ قسطنطنیہ کی طرف سے سفارت

عیسائی ریاستوں کی طرف سے جو مختصر سی سفارتیں دارالحکومت اندلس آئیں ان کا ذکر پہلے ہو چکا تھا۔ ان کا مقصد دوستی کم تھا اور اپنی مطلب براری زیادہ تھی لیکن ۹۴۷ء مطابق ۳۳۶ھ میں شہنشاہ قسطنطنیہ کی طرف سے جو سفارت بھیجی گئی اس کی اہمیت عہد عبدالرحمٰن میں بہت زائد ہے یعنی Byzantine حکومت کا شہرہ اور اس کی عظمت کی داستانیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کا دوستانہ رویہ شاہ اندلس کے ساتھ امور خارجہ اور بیرونی پالیسی کے سلسلہ میں ان کی عزت کو چار چاند لگاتے ہیں۔ قیصر کے ایلچی جب تحفہ و تحائف جو بے انتہا قیمتی تھے لدے پھندے دربار میں پہونچے تو ان کے ساتھ ہر اعزاز برتا گیا۔ ان کو ایک سجے سجائے عالیشان

Marfat.com

محل میں ٹھیرایا گیا۔ اور یومِ مقررہ کو دربار منعقد کر کے انتہائی احترام کے ساتھ استقبال کیا گیا
کثرت آئینہ بندی اور حسین قسم کی سجاوٹ سے شہر پُر تکلف دُلہن کی طرح نظر آتا تھا۔ جتنی
فوج کہ اس وقت شہر میں موجود تھی۔ نئے سامان۔ اسلحہ اور ہتھیار سجا کر نکلی۔ قصرِ خلافت کو
عجیب وغریب انداز سے سجایا گیا کہ دیکھنے والا مسحور ہو کر رہ جاتا۔ چاروں طرف دیباج
کے رنگ برنگی پردے لٹکائے گئے۔ دروازے سے لے کر تخت تک نہایت ہی عمدہ فرش
بچھایا گیا۔ تخت جو اپنی آراستگی میں جواب نہ رکھتا تھا خلیفہ کے بیٹھنے کی جگہ تھا۔ دائیں جانب
شہزادگان و دیگر رشتہ داران خلیفہ۔ بائیں جانب وزراء۔ اور دوسرے اراکین سلطنت۔
منصب دار۔ امراء و شرفاء۔ اس کے بعد اور عہدیداران اپنے اپنے مرتبہ کے مطابق کھڑے
ہوئے تھے۔ سفیر جب دربار میں پہنچے تو یہ شان و شوکت۔ یہ کرّو فر دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ نگاہیں
مارے رعب کے نہ اُٹھا سکے۔ گردنیں خم کئے ہوئے سفارت نامہ خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا
اس کے جواب میں علماءِ دربار کو حکم دیا گیا کہ وہ بزرگی اسلام اور شوکت خلافتِ اندلس بیان
کریں لہٰذا مشہور و معروف علما، جو حاضر تھے تقریر کرنے کھڑے ہوئے مگر دو چار لفظ سے زائد
نہ بول پائے۔ رعب کی زیادتی نے ان کی زبان گنگ کر دی تھی۔ خلیفہ نے اپنے بیٹے الحکم کے اتالیق
اور آتالیق ابوعلی العالی جو عراق کے رہنے والے تھے۔ ان کو اشارہ کیا کہ کوئی زوردار تقریر کریں
مگر وہ بھی عاجز رہے یہ عالم دیکھ کر منذر بن سعید البلوطی جو علم و فضل میں دوسرے مشاہیرِ علماء
کے برابر نہ تھے۔ اور نہ ان کی کچھ زیادہ شہرت ہی تھی۔ وہ بغیر اذن کے کھڑے ہوئے اور بغیر
کسی پہلے کی تیاری کے بولنا شروع کر دیا۔ ایسی شستہ تقریر کی۔ اور ایسا برجستہ قصیدہ پڑھا
کہ حاضرینِ دربار عش عش کر اُٹھے۔ عبدالرحمٰن اس شخص سے بے حد خوش ہوئے اور قاضی القضاۃ کے
عہدے پر مامور کر دیا۔

اس اہتمام کے بعد سفراء کئی روز تک دارالحکومت میں قیام پذیر رہے۔ ان کی خوب
خوب خاطر تواضع ہوئی۔ جب واپس جانے لگے۔ تو خلیفہ نے خود بھی زوردار تحائف قیصر کو روانہ
کئے۔ اور اپنا ایک ایلچی ہشام بن ہذیل بھی ان لوگوں کے ہمراہ روانہ کیا کہ وہاں جا کر دونوں
حکومتوں کے تعلقات اور زیادہ استوار کرے۔ یہ دو سال تک قسطنطنیہ میں مقیم رہا۔ اور پھر
ایک معاہدہ دوستی باضابطہ احاطۂ تحریر میں لا کر واپس آیا۔

اس سفارت کا ذکر ابن خلدون نے کچھ ایسے دلچسپ پیرایہ میں کیا ہے کہ تھوڑا بہت یہاں

Marfat.com

ن کردینا غیر مناسب نہ ہوگا بقول ان کے یہ سفارت ۳۲۶ھ میں آئی تھی۔ جبکہ دیگر مؤرخ ھ بتاتے ہیں۔ الناصر نے اس سفارت کو حضوری بخشنے میں خاص اہتمام کیا۔ اور ان کی تواضع ے پیمانہ پر کی۔ استقبال کے لئے یحییٰ بن محمد بن اللیث کو مامور کیا گیا۔ قرطبہ میں تمام بڑے بڑے افسران کی تکریم کے لئے نکلے۔ تمام اعیانِ سلطنت اور خواجہ سرا ان سے ملے۔ قرطبہ کے پاس نیا رقصہ میں ولیعہد کے مکان جس کا نام نصیر تھا۔ وہاں ان لوگوں نے قیام کیا۔ عام آدمیوں ان سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ ان کی حفاظت کے لئے بڑے بڑے امراء مقرر کئے گئے جس ں سے سولہ تو دروازے پر ہی رہتے تھے۔

بروز شنبہ ۱۱۔ ربیع الاوّل قصرِ زہرہ میں دربار خاص منعقد کیا گیا۔ جب خط پیش کرنے سفار ے تو مارے رعب کے پریشان ہوئے جاتے تھے۔ خط ہلکے آسمانی رنگ کے کاغذ پر تھا ں پر سنہری روشنائی سے تحریر لکھی گئی تھی۔ پھر اس کے ساتھ ایک دوسرا خط یونانی زبان ں روپہلی روشنائی سے لکھا ہوا تھا جس میں تحفہ جات کی تفصیل تھی۔ خط کے اوپر چار مثقال سونے ، ایک طرف حضرت مسیحؑ کی تصویر بنی تھی۔ دوسری طرف شاہ قسطنطین بن لیون کی اور اس کے بیٹے بھی۔ یہ خطوط چاندی کے ایک بکس میں محفوظ کر کے روانہ کئے گئے تھے۔ بکس پر سونے کا پترا چڑھا تھا۔ اس کے اوپر بھی قیصر کی تصویر رنگین شیشہ میں بڑی خوبصورتی سے بنی ہوئی تھی۔ یہ بکس ں ایک ترکش میں رکھا ہوا تھا۔ اور چاروں طرف دیباج کا کپڑا لپٹا ہوا تھا۔ خط کی ابتدا کچھ ں طور سے تھی۔

قسطنطین اور رومانُن۔ مسیح علیہ السلام کے معتقد۔ روم کے بڑے بادشاہ۔ دوسری طرف عظیم الاستحقاق فخر الشریف النسب۔ عبدالرحمٰن خلیفہ اندلس۔ حاکم عرب۔ اطال اللہ بقاءہ۔

یہ خط جب پڑھا جا چکا تو خلیفہ کی خواہش ہوئی کہ خطباء اور شعراء کچھ تقریریں اور شعر تعریف ں پڑھیں۔ چنانچہ ولی عہدِ سلطنت الحکم کو حکم دیا کہ کسی اچھے خطیب کو کھڑا کریں۔ اس ، اپنے قریب ہی میں بیٹھے ہوئے فقیہہ محمد بن عبدالبر الکسیانی جن کو تالیف کلام اور خطبہ ینے میں قدرت حاصل تھی۔ اشارہ کیا لیکن وہ حالتِ شاہی کو دیکھ کر غش کھا گئے۔ اس کے د ابو علی بغدادی اسمٰعیل بن القاسم التالی کا بھی یہی حشر ہوا۔ ہر چند کہ یہ بھی امیر الکلام اور بحر اللغت سلاتے تھے۔ بجز ابتدائی کلمات حمد و ثناء اور نعت رسولؐ کے کچھ نہ کہہ پائے۔ پھر زمرہ فقہاء ں سے منذر بن سعید نے اس مشکل کو حل کیا۔ اس نے فی البدیہہ تقریر جھاڑی تو لوگ عش عش کر

Marfat.com

آگئے۔ خلیفہ ان سے متعارف بھی نہ تھا ویسے دریافت کیا۔ پہلے ان کو الزہرا کی جا
کی امامت تفویض کی۔ جب قاضی محمد بن عیسیٰ کا انتقال ہوگیا۔ تو ان کی جگہ قرطبہ کا ق
مقرر کیا۔ انہوں نے ۳۵۵ھ میں انتقال کیا۔

کچھ اور وفود عبدالرحمٰن کے تدبر او طرزِ حکمرانی اور اخلاق صالح کا چرچا کچھ اس قدر پا
ہوا کہ بادشاہانِ یورپ نے اتحادِ باہمی اور بنائے دوستی مضبوط کر
کی خاطر سفارت کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ جرمنی کے بادشاہ نے اعلیٰ قسم کے تحائف
ساتھ اپنے ایلچی بارگاہِ سلطانی میں بھیج کر عزت اور شہرت پائی۔

مشرقی فرانس کے بادشاہ جن کا نام عربی مورخین نے اوفہ لکھا ہے۔ اس نے بھی نادر تحا
کے ساتھ سفیر بھیج کر دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ صقالیہ جو جرمن اور اٹلی وغیرہ کے باشند
کو لقب دیا گیا۔ ان کی جانب سے بھی ایک سفارت قرطبہ آپہنچی جس کو اسی شان و شکو
کے ساتھ ٹھہرایا گیا۔ اور پھر پوری شوکت کے ساتھ ان کو دربار میں طلب کیا گیا۔ جب یہ لوگ
واپس جانے لگے۔ ربیع الاسقف کو ان کے ساتھ بھیجا گیا۔ کہ بادشاہ صقالیہ جسے عرب د
کہتے تھے۔ خلیفہ کی دوستی کا یقین دلا دے۔

بادشاہ سلاوینزا Salvenga جس کا نام ذوتو تھا اس نے بھی صلح و امن کی
درخواست کے ساتھ اپنے سفیر بھیجے جن کا خاطر خواہ استقبال ہوا۔ ان سب کی حسب مرات
عزت اور تکریم ہوتی رہی۔

Marfat.com

باب ۴۳

حکّامِ سلطنت

عبدالرحمٰن انتہائی مردم شناس بادشاہوں میں سے تھا اور اس کو یہ بھی اندازہ تھا کہ انتظام
لطنت اس وقت تک خوش اسلوبی سے چل ہی نہیں سکتا ہے۔ جب تک کہ ہر ذمہ دار عہدے پر
قول اور لائق آدمی متعین نہ ہوں کہ یہ لوگ ہمیشہ ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں۔ اور انہیں کے ذریعہ
دل وانصاف۔ قانون اور ضابطہ برقرار رہتا ہے۔ اس میں کوتاہی کے معنی ہیں حکومت کی
خ کنی کرنا۔ اس نظریے کو ملحوظ رکھتے ہوئے انھوں نے موسیٰ بن محمد بن حدیر کو اپنا حاجب مقرر
یا۔ یہ بہت ہی لائق فائق لوگوں میں سے تھے۔ انتظامی معاملات میں تو اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔

ان کے وزیر عبدالملک بن جہور اور احمد بن عبدالملک تھے جو اپنی جگہ باصلاحیت
ورقابل لوگوں میں سے تھے۔ ان دونوں میں سے احمد بن عبدالملک بن شہید بوجہ تحفہ تحائف
ینے کے خلیفہ کی نگاہ میں بہت چڑھ گئے تھے۔ ۸ رجمادی الاوّل ۳۲۷ھ میں جو تحفہ انہوں نے
لناصر کی خدمت میں روانہ کیا اور جس کی تفصیل ابن حیان اور ابن خلدون دونوں نے بیان کی
ے۔ بہت ہی نادر، قیمتی اور اعلیٰ تھا۔ اس سے بڑا تحفہ ابھی تک کسی بادشاہ اندلس کی خدمت میں بطور
ر نہیں پیش کیا گیا تھا۔ یہ ہدیہ نہ صرف اہل مملکت بلکہ بادشاہ کے لئے بھی باعث تعجب تھا۔ اس کے
ساتھ ساتھ ایک عریضہ بھی تھا جس میں انشاء پردازی اعلیٰ معیار کی تھی اور اس میں ان تمام نعمتوں اور

Marfat.com

الطاف کا شکریہ ادا کیا گیا تھا جو ابن شہید کو خلیفہ کی مراحم خسروانہ کی بدولت حاصل ہوئی تھی۔ عبدالرحمن نے بھی ابن شہید کو کافی نوازا۔ اس کے منصب میں بھی اضافہ کیا۔ اور روزی میں اس کی تنخواہ بڑھتے بڑھتے اسی ہزار دینار ہوگئی تھی۔ ہزار دینار بطور عطیہ بھی پیش کیے جاتے عہدہ میں ذوالوزارتین یعنی دو وزارتوں کی ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ ان کی یہ اجازت تھی کہ یہیں بیٹھا کریں اور تنخواہوں کے دفتر میں بھی ان کا نام درمیان میں لکھا جائے۔ اس ہدیہ کی حسب ذیل ہے:۔

پانچ لاکھ مثقال مضروب شدہ سکہ۔ چار سو رطل سکہ غیر مضروب پینتالیس ہزار دینار ہوئی چاندی کے۔ بارہ رطل (۱/۲ سیر) عود ہندی۔ دو سو اسی رطل عود دوسرے قسم کی چار رطل عود عالی میں ایک ٹکڑا اس قدر وزنی تھا کہ کم از کم ایک سو اسی رطل کے برابر تھا۔ اس کے علاوہ مشک ایک سو تھیلی بھر تھی۔ ابن فرضی کا بیان ہے کہ مشک دو سو بارہ اوقیہ تھی۔ پانچ سو اوقیہ عنبر اشہب تھی۔ جو اپنی اصلی حالت میں پیش کی گئی تھی۔ ایک ٹکڑا اس میں ہاتھی کی سونڈ کے مثل تھا۔ تیس پارچے پھول دار زرکار ریشم کے تھے۔ جو خلفاء کے لباس کے مانند تھے۔ رنگ اور ... میں ایک دوسرے سے جدا گانہ تھے۔ دس کھالیں صرف خراسانی سمور کی تھیں۔ پانچ اونٹ ... شعیب کے تھے۔ اور دس گورخر ختک کے سات سفید رنگ کے تھے۔ تین پرچیاں پڑی ہوئی عراق کی اوڑھنے کی چادریں چھ تھیں۔ اور نوسرہ کی ۴۸ خلیفہ کی پوشاک کے لئے تھیں۔

ابن خلدون کے قول کے مطابق دس گٹھے تھے جن میں سو صرف سمور کی کھالیں تھیں۔ چھ ... عراقی بغداد کے بنے ہوئے تھے۔ ۴۸ ریشمی جھولیں گھوڑوں کی زینت کے لئے تھیں۔ چار ہزار رطل کاتا ہوا ریشم تھا۔ ایک ہزار بغیر کاتا ہوا۔ گھوڑوں کی زینوں کے لئے تیس ٹکڑے کپڑوں کے ... تھے۔ ریشم سب داروغہ توشہ خانہ مہدی سے لیا تھا۔ تیس فرش صرف ایسے تھے جو خالص اون ... بنے ہوئے تھے۔ ہر ایک کی لمبائی بیس ہاتھ تھی۔ سو جانمازیں تھیں۔ پندرہ قالین ... دار کا ... کے تھے۔ آٹھ سو ہتھیار صرف دکھاوے کے وقت کے لئے تھے۔ سو زرہوں کے نیچے پہننے کی صدریاں تھیں۔ ایک ہزار ڈھالیں تھیں۔ ایک لاکھ تیر۔ پندرہ گھوڑے خاص سواری کے لئے تھے۔ جو مختلف عربی نسل سے تھے۔ ابن رضی کہتے ہیں۔ گھوڑے ایک سو تھے۔ بہترین قیاس ہے۔ سب پر شاہانہ زینیں کسی ہوئی تھیں۔ چالیس نفیس غلام تھے۔ بیس منتخب لونڈیاں جو نہایت حسین وجمیل لباس آرائش پہنے ہوئے تھیں۔ ایک گاؤں زراعت شدہ جس میں عمارتی پتھر بھی

Marfat.com

تھا۔ اس کی بانت ایک ہزار دینار تھی۔ لکڑی سے آمدنی بیس ہزار تھی۔ عمدہ قسم کی لکڑی
پاس ہزار۔ غرض یہ ایک ایسا تحفہ تھا جو اس سے پہلے نہ سنا نہ دیکھا۔

قاضی منذر بن سعید

قسطنطنیہ کی سفارت کے سلسلہ میں قاضی منذر بن سعید البلوطی کا ذکر آچکا
ہے۔ دربار میں ان کی اس وقت کی فی البدیہہ تقریر کا اثر بہت دنوں
عبدالرحمٰن کے دل و دماغ پر رہا۔ پہلے تو اسے الزہرہ کی جامع مسجد کا خطیب و امام مقرر فرمایا۔
قاضی محمد بن عیسٰی کی وفات کے بعد عہدہ قضاۃ بھی اسے تفویض ہوا۔ ابن سعید کے متعلق رقمطراز
۔ لہ وہ بہت بڑے فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ قرآن و حدیث۔ تصوّف میں شغف خاص رکھتے تھے۔
۔ بدعت کے سلسلہ میں کئی کتابیں انہوں نے لکھ ڈالیں۔ جب قاضی مقرر ہوئے تو عدل و انصاف
یں نے اپنا وطیرہ بنایا۔ ظالموں کی سرزنش کی۔ مظلوموں کی فریاد رسی۔ حقداروں کو ان کا
دلوایا۔ باطل کا خاتمہ کروایا۔ صورت شکل سے رعب ٹپکتا تھا۔ جب قانون اور ضابطہ کا سوال
آتا تھا۔ تو کسی سے نہ دبتے تھے۔ مزاج کے سخت تھے کہ ذرا سی بات پر بگڑ کر استعفٰی دے دیتے تھے۔
الرحمٰن الث کچھ اس درجہ متاثر تھے کہ اپنی حیات میں کبھی ان کا استعفٰی منظور نہ کیا۔ الحکم نے
ان کو عرصہ دراز تک اسی عہدے پر بحال رکھا۔ ان کی ہر معاملہ اور ہر مسئلہ میں یہ پوری کوشش
تی تھی کہ کوئی سقم باقی نہ رہ جائے۔ دروغگوئی اور تملق سے نفرت تھی۔ بظاہر اور بباطن
یوں طرح سے صدق و صفا کا مجسمہ تھے۔ فرصت کے اوقات میں تحریر و تصنیف کا کام کیا
رتے تھے۔ متعدد کتابیں ان کے نام سے منسوب ہیں۔ شعر بھی کہتے تھے۔ اور اس میں خاص
ر تک دسترس حاصل تھی۔

کسی دنیاوی طاقت سے خوفزدہ نہ ہونے کی مثال ان کی یہ ہو سکتی ہے کہ ایک بار
میرالمومنین عبدالرحمٰن جو ان کے سرپرست مربی اور شہنشاہ وقت تھے۔ سر تعظیم ان کو واجب
ی۔ ہر عزت کے وہ مستحق تھے۔ مگر ایک بار جب وہ تین بار مسلسل نماز جمعہ میں شریک نہ ہو سکے
قاضی صاحب نے یہ ارادہ کیا کہ بذریعہ وعظ ان کو اس امر کے متعلق تنبیہہ کریں۔ جب آئندہ
عہ کو خلیفہ شریک نماز ہوئے تو قاضی صاحب نے اپنے خطبہ کو خدا کے اس قول سے شروع کیا۔
اتبنون بکل ریع آیۃ تعبثون " اس کے بعد یہ آیت شروع کی " متاع الدنیا قلیل والآخرۃ
خیر لمن اتقی " اور پھر اس دنیا سے لگاؤ کی سخت مذمت کی۔ انداز بیان کچھ ایسا تھا کہ سب رو
یے۔ بادشاہ بھی اپنی جگہ نادم ہوا۔ مگر بعد میں اپنے بیٹے الحکم سے قاضی کے اس رویہ کی شکایت

Marfat.com

کی۔ اور بعد میں پھر کبھی نماز جمعہ ان کے پیچھے نہ پڑھنے کا عہد کیا اور جامع زہرا ہی میں احمد[بن] قطرف جو صاحب الصلوٰۃ تھے ان کے پیچھے نماز ادا کرنے لگے۔

ایک بار الحکم کسی بات پر قاضی منذر سے ناراض ہوئے۔ باپ سے شکایت کی اور ان کی برطرفی کا مطالبہ کیا۔ خلیفہ کو یہ سُن کر بہت تاؤ آیا۔ بیٹے کو سخت تنبیہ کی۔ اور کہہ دیا کہ یہ تو ممکن ہو سکتا ہے کہ تمہیں ولی عہدی سے معزول کر دیا جائے مگر قاضی صاحب کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھایا جا سکتا۔ بلکہ اُسی دن سے یہ تہیہ کر لیا کہ قسم کا کفارہ دے کر نماز جمعہ انہیں کے پیچھے پڑھا جایا کرے گی۔

ایک بار زہرا میں الناصر نے دعوت کی۔ علماء فقہا کو بھی بلوایا۔ سارا کمرہ مہمانوں سے بھر گیا۔ قاضی صاحب کچھ تاخیر سے پہونچے۔ خلیفہ نے ان کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجلس میں انسان کو جہاں جگہ مل جائے بیٹھ جانا چاہیئے۔ یہ ان کے استغنا کی مثال تھی۔ ابن سعید کا بیان ہے کہ جس وقت محفل میں پہونچے تو لباس بھی معمولی تھا۔ اور پھٹا پُرانا بھی تھا۔

ان کی جرأت کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ابن الحسن نباہی کے بیان کے مطابق۔ الناصر نے اپنے قصر الزہرہ میں ایک چھوٹا سا قبہ بھی بنوایا تھا جس کی چھت انتہائی پُر تکلف تھی۔ سونے چاندی کی اینٹیں اس میں جڑی تھیں جس سے ساری چھت گنگا جمنی معلوم ہوتی تھی۔ اس کی چمک سے آنکھوں میں خیرگی پیدا ہوتی تھی۔ ایک دن الناصر اپنے دیگر عمائدین سلطنت کے ساتھ اسی قبہ میں بیٹھے تھے۔ اور از روئے افتخار ان سب سے یہ پوچھ رہے تھے کہ کیا تم نے اس سے پہلے بھی کوئی پُر تکلف اور شاندار مکان دیکھا ہے۔ سب نے جواب دیا کہ آپ اس معاملہ میں یکتا ہیں اور یہ مکان لاثانی ہے۔ اسی وقت اتفاق سے قاضی [صاحب] بھی آ گئے۔ الناصر غلطی سے ان سے بھی یہی سوال کر بیٹھے۔ سُنتے ہی ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ حتیٰ کہ ڈاڑھی تر ہو گئی۔ جب گریہ و زاری کچھ کم ہوئی تو کہا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ شیطان نے تمہیں اس حد تک جھکا دیا ہے کہ کافروں کی منزل تک پہونچ گئے ہیں۔ خدا نے آپ کو فضیلت اور نعمت اس لئے دی ہے کہ اس کے بندوں کی خدمت کریں نہ کہ ان پر اپنا رعب جتائیں۔ الناصر بہت شرمندہ ہوئے۔ مگر فرمایا کہ آپ کو قاضی صاحب یہ خیال بھی ہے کہ آپ مجھے کافروں کی حد تک پہونچا رہے ہیں۔ قاضی صاحب بولے۔ جو کچھ کہتا ہوں صحیح کہتا ہوں کیا خدا نے یہ

Marfat.com

...ں فرمایا ہے۔ "لولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ تا آخر آیت" سلطان مزید نادم ہوئے ...ر خاموش ہوگئے۔

ایک دوسرا قصہ تعمیرِ قصر کے سلسلہ میں بیان کردینا ضروری ہے کہ اس سے بھی قاضی منذر ...رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ حکایت حجازی سے المسہب فی اخبار المغرب سے منقول ہے۔

ایک دن الناصر تعمیرات کے خیالات میں مستغرق تھے کہ اتفاق سے قاضی صاحب بھی وہاں ...گئے۔ جب ان کو خلیفہ کے خیالات کا علم ہوا تو نصیحت کرنے لگے۔ الناصر نے جواب دیا جو ...روں میں ہے۔

هم الملوك اذا ارادوا ذکرها [1] — من بعدهم فبالسن البنیان

او ما تری الهرمین قد بقیا وکم [2] — ملك محاه حوادث الازمان

ان البنیة اذا تعاظم شأن [3] — اضحی یدل علی عظیم الشان

یہ صحیح پتہ نہیں چل پایا کہ یہ اشعار الناصر ہی کے ہیں یا کسی دوسرے کے مگر ہیں خوب۔ اس ...باوجود بھی قاضی صاحب کی درشتی اور سختی عمارات کی تعمیرات کی طرف سے گئی نہیں۔ ایک بار پھر ...ب اتفاق سے الناصر اسی قصر میں تشریف فرما تھے تو کہہ رہے تھے کہ دنیا کا کوئی بادشاہ میرے ...بر نہیں ہوا کہ اس نے فرش بھی سونے اور چاندی کا بنوایا ہو۔ تو قاضی صاحب بہت برہم ہوئے ...ر فوراً خطبہ دینے لگے۔ "ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر بالرحمن ...لبیوتهم سقفا من فضة ومعارج علیها یظهرون" اسی کے ساتھ حدیث کے اقوال بھی بیان ...رنے لگے بادشاہ ایک بار پھر سخت شرمندہ ہوئے لیکن ان کے خلاف کچھ بھی نہ کہا۔ اس ...کے علاوہ ایک دفعہ رئیس ابوعثمان ابن ادریس نے ایک قصیدہ زہرا کی تعریف میں پڑھا۔ ...ناصر بہت خوش ہوئے مگر قاضی صاحب نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

(۱) یا بانی الزهراء مستغرقا — اوقاته فیها اما تمهل

(۲) لله ما احسنها رونقا — لو لم تکن زهرتها تذبل

الناصر پر ان دونوں شعروں کا بہت اثر ہوا۔ آنکھ سے آنسو ابل پڑے۔ اگر قاضی صاحب

---

[1] بادشاہ جب اپنی ہمتوں اور بزرگی کا تذکرہ اپنے پیچھے چھوڑ جانا چاہتے ہیں تو وہ عمارت کی زبان کو ترجمان حال بناتے ہیں۔

[2] کیا تمہیں یہ نہیں معلوم ہے کہ اہرام مصر باقی ہیں۔ اور بہت سے ملکوں کو حوادث زمانہ نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے۔

[3] جب عمارت کی شان دوبالا ہوتی ہے۔ تو وہ کسی عظیم الشان شخص کی دلیل ہوتی ہے۔

Marfat.com

کے تذکرے کو طوالت دینا مقصود ہو تو ایسے ہزار ہا قصے نکل آئیں گے۔ جو ان کی عظمت و اقتدار علم و دین کے معترف ہوں گے۔ ہم اختصار ہی سے کام لیتے ہیں اور اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ قابل تقلید ہیں ایسی شخصیتیں جو دین کے احکام کی اجراء اور پابندی میں بڑی سے بڑی ہستی کو بھی خاطر میں نہیں لاتے اور اس ضمن قوت حکومت۔ اقتدار سب سے ٹکر لینے کو تیار رہتے ہیں۔ وہ المنذر بن محمد کے دوران حکومت میں پیدا ہوئے تھے اور ۳۵۵ھ میں انتقال کیا۔

ابو ابراہیم عبد الناصر بن ایک اور بڑی ہستی ابو ابراہیم نامی تھی۔ علم فقہ۔ شرع۔ حدیث اور اقوال میں عبور کلی حاصل تھا۔ نہایت عبادت گزار تھے۔ شان استغنا بجد تھی۔ ایک بار وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے طلبار کی جماعت کو درس دے رہے تھے کہ خواجہ سرا امیر المومنین کی جانب سے طلبی کا اذن لے کر پہونچا۔ یہ تبلایا کہ امیر المومنین ملنے کے لئے بے چینی سے منتظر ہیں۔ جواب کہلوا دیا کہ ابھی طالب علموں کو حدیث شریف پڑھا رہا ہوں دربار شاہی کی بہ نسبت یہاں موجودگی زیادہ ضروری ہے۔ اس لئے اس کو ختم کر کے آؤں گا۔ خواجہ سرا کو یہ جواب ناگوار بھی گزرا اور وہ خوفزدہ بھی ہوا۔ مگر کرتا کیا۔ ابو ابراہیم تو پھر درس میں متوجہ ہو گئے۔ اس نے جا کر بجنسہ وہ جواب سُنا دیا۔ جب امیر المومنین کے چہرے پر ذرا سے بھی غصہ کے آثار نہ دیکھے تو سخت متعجب ہوا۔ پھر اس جواب کے ساتھ واپس بھیجا کہ خدائے تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اور جماعت مسلمین کو آپ کی ذات سے فائدہ پہونچے جو امر تم نے اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ اسی کو پورا کرو۔

جب تک وہ فارغ نہ ہو گئے۔ غلام وہیں موجود رہا۔ پھر لے کر روانہ ہوا۔ وہ بوجہ پیری نہ زیادہ چل سکتے تھے۔ نہ کسی سواری پر سوار ہو سکتے تھے۔ اس لئے کہلا بھیجا کہ اگر الناصر قصر کا باب الصناعہ کھول دیں تو مناسب رہے گا کہ اس کی وجہ سے فاصلہ کم ہو جائے گا۔

حاشیہ ۴۲۷ ملاحظہ ہو:۔

ترجمہ اشعار۔ (۱) اے بانیٔ زہرا۔ جو اپنے اوقات کو اس میں مستغرق رکھتا ہے۔ ذرا ٹھہر کیوں نہیں جاتا۔

(۲) واللہ اس کی رونق بہت اچھی ہے بشرطیکہ اس کی نفاست کھنڈر سے بدل نہ جاتی۔

Marfat.com

غلام پھر ڈرتے ڈرتے پہونچا اور پھر اس کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی۔ جب وہ دیہ...روازہ فقیہ اور عالم کے لئے کھول دیا گیا۔

یہ سلوک تھا بادشاہ کا علماء کے ساتھ وہ ان کی قدرومنزلت کرتے تھے۔ ان کے مرتبے کو پہچانتے تھے۔ ابو ابراہیم تھے بھی اس عزت کے لائق۔ ان کے مرتبے کا لحاظ نہ کرتے تو علم و مذہب کی توہین کرنا تھی۔

Marfat.com

باب (۴۴)

الزہرا کی تعمیر

عبدالرحمن کو تعمیرات اور محلات کا شوق ابتدا ہی سے تھا نئی نئی عمارتیں بنوانے۔ پرانی عمارتوں کو اور بھی زیادہ دلکش بنانے کے لئے ان کا دل ہمیشہ بے چین رہتا تھا۔ اس ذوق کی تکمیل کی خاطر انہوں نے علماء و فقہاء کی لعن طعن بھی سہی۔ ان کے درشت کلمات بھی مگر وہ اس سے باز نہ آئے ان کے عہد کی تعمیرات میں جسے تاریخی یادگار کی حیثیت حاصل ہے۔ وہ قصر الزہرا ہے جو انہوں نے وادئ الکبیر کے دوسرے کنارے پر اپنی رہائش کے لئے بنوانا شروع کیا۔ مگر رفتہ رفتہ وہاں ایک موٹا شہر آباد ہو گیا۔ اور بہت عرصہ تک لوگوں کے دل و نگاہ کا مرکز رہا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ قصر الناصر نے اپنی پیاری اور چہیتی کنیز الزہرا کی خواہش پر بنوایا تھا یہ قرطبہ سے چار میل کے فاصلہ پر جبل العروس کے دلفریب اور خوش کن فضا میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کی بنیادیں یکم ہجری ۳۲۵ھ کو پڑی تھیں۔ اس کا طول شرقاً و غرباً دو ہزار سات سو ذراع (فٹ) تھا۔ اس کی تکسیر (اسکوائر فٹ) نوے لاکھ نوے ہزار ذراع ہوئی۔ اس لحاظ سے یہ اس قدر وسیع عمارت تھی کہ اس کو قصر الزہرا کے بجائے مدینۃ الزہرا کہا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ واقعی ایک اچھا خاصا شہر تھا۔ شاہی محل کے علاوہ اس میں شہزادگان۔ رشتہ داران حرم خاص کے رہنے کے لئے متعدد مکانات تھے خاص رسالہ شاہی۔ ملازمین۔ باڈی گارڈس کے لئے علیحدہ قطعات تھے۔ فوج شاہی کے لئے بھی مکانات کا انتظام تھا۔ اس رفیع الشان

ں کی وسعت اگر وضاحت سے کرنا ہو تو یہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے چاروں طرف کی
اروں میں پندرہ ہزار دروازے مزین اور بلند لگے ہوئے تھے۔ اندر نہ جانے کتنے سرسبز و
ِبن باغات تھے۔ بادشاہ کے لئے سبزہ زار الگ تھا۔ حرم سرا کے واسطے الگ۔ شہزادگان کے
علیحدہ۔ عائدین سلطنت کے واسطے علیحدہ۔

مؤرخین کا کہنا ہے کہ اس کی تعمیر پر کم از کم ایک کروڑ پچاس لاکھ دینار سرخ کی لاگت آئی
ں۔ یہ رقم ممکن ہے اب کم محسوس ہو مگر اس وقت کا معیار معاشرت نظر میں رکھنے کے بعد اس
کو احاطۂ تصور میں لاکر شمار کرنا بھی دشوار ہو گا۔ جب یہ بن کر تیار ہو گیا تو سلطان مع اپنی محبوب
ز الزہرا کے اس میں قدم افروز ہوا۔ پھر دونوں نے خوشنما جھروکوں سے اس سبزہ زار کو دیکھا
قصر شاہی سنگ مرمر سے لسا ہوا صنعت کاری سے مزین۔ برجوں اور میناروں سے آراستہ
ے بیش قیمت سفید موتی کی طرح نظر آتا تھا۔ اس کے پیچھے جبل العروس سیاہ رنگ کا پہاڑ
ب علیحدہ کیفیت کا حامل تھا۔ الزہرا نے جس وقت یہ سماں دیکھا تو محل اور پہاڑ کے رنگوں
ے اختلاف کو سامنے رکھ کر کہا کہ یہ محل مانند ایک سیمیں بدن ماہ جبیں ہے۔ جو کسی سیاہ رو سیاہ
م حبشی کے پہلو میں آرام کر رہی ہے۔ عبدالرحمٰن اس لطیف طنز کو فوراً سمجھ گئے۔ حکم دیا کہ اس پہاڑ
اکھاڑ پھینکا جائے۔ لوگوں نے سمجھایا کہ یہ کیونکر ممکن ہے انسان میں اتنی قدرت کہاں کہ وہ اس کو
یسے اکھاڑ پھینکے البتہ یہ ممکن ہے کہ اس پر سبزہ اور درخت اُگا کر رنگ بدل دیا جائے حکم ہوا
ایسا ہی کیا جائے۔ پھر تو رونق ہی اور ہو گئی۔ اور قصر عجیب بہار دکھانے لگا۔

ابن حیان کے بیان کے مطابق اس محل کی لمبائی چار میل اور چوڑائی تین میل تھی۔ اس
ی تعمیر میں ۲۵ سال کا عرصہ لگا تھا جبکہ اس کی عمارت پر دس ہزار مزدور اور معمار۔ چار ہزار اونٹ
ور خچر باربرداری کے لئے کام کیا کرتے تھے۔ ہر روز تقریباً چھ ہزار پتھر کٹے اور صنعت کئے ہوئے
لائے جاتے تھے۔ بغیر گھڑے ہوئے پتھروں کی تعداد بھی اس سے کم نہ تھی۔ ہر مزدور کو اوسطاً ڈیڑھ درہم
جرت دی جاتی تھی۔ اس کی فصیل چار ہزار تین سو فٹ تھی پورے قصر میں چار ہزار تین سو سولہ
رج اور ستون تھے جو مختلف رنگ اور قسم کے پتھروں سے جڑ کر بنائے گئے تھے۔ اس میں کافی
عداد سنگ مرمر کی شامل تھی۔ یہ ستون اور پتھر فرانس اور قسطنطنیہ اور اٹلی کے بادشاہوں نے
تحفہ کے طور پر بھیجے تھے۔ بہت سے اندلس ہی سے مختلف صوبوں کے گورنروں کے ذریعہ حاصل
لئے گئے تھے۔ سنگ مرمر افریقہ سے بھی معمار عبداللہ حسن ابن محمد اور علی ابن جعفر کی نگرانی میں

Marfat.com

منگوا کر لگایا گیا تھا۔ ان پتھروں اور ستونوں کو اندلس تک لانے کی مزدوری دس دینار شرح فی ستون مقرر کی گئی تھی۔ محل کے اندر جو دو خوبصورت فوارے لگے ہوئے تھے ان میں سے ایک احمد الیونانی اور پادری ربیع قسطنطنیہ سے لائے تھے۔ بڑا فوارہ پیتل کا بنا ہوا تھا۔ اس پر سونے کا ملمع اس حد تک کیا گیا تھا کہ خالص سونے کا معلوم ہوتا تھا۔ اس پر نہایت خوبصورت نقاشی تھی۔ مختلف انداز میں انسانی شکلیں کھدی ہوئی تھیں۔ دوسرا جو چھوٹا سبز رنگ کے پتھر کا تھا۔ وہ شام سے لایا گیا تھا۔ دیکھنے میں وہ اس قدر خوبصورت معلوم ہوتا تھا کہ الناصر نے اس کو قصر کے اندر جو قصر المونس تھا۔ اس میں نصب کرایا کہ زیادہ وقت اس کی نگاہوں کے سامنے رہے۔ اس فوارے میں بارہ مختلف چرند اور پرند مختلف جواہرات اور سونے سے بنے ہوئے اس میں جڑے ہوئے تھے۔ ہر جانور کی چونچ سے پانی باہر نکلتا تھا صناعوں اور کاریگروں نے ایسی صنعت اور کاریگری سے اس فوارے کو بنایا تھا کہ جو سیاح دیگر ممالک سے اس کو آکر دیکھتے تھے دنگ رہ جاتے تھے۔ اپنی آنکھوں پر اعتبار کرتے تو فہم پر اعتبار نہ رہتا تھا۔

الزہرا کا وہ حصہ جو قصر الخلفا یا قبہ کہلاتا تھا بے نظیر تھا قابل دید تھا۔ اس کی چھت سونے کی تھی۔ اور سنگ مرمر بھی اس خوبصورتی سے جڑا ہوا تھا کہ ہر چیز مثل آئینہ کے صاف و شفاف نظر آتی تھی۔ باہر کی جانب سونے اور چاندی دونوں طرح کا کام تھا اور گنگا جمنی محسوس ہوتا تھا۔ اس کے بیچ میں بھی ایک فوارہ لگا ہوا تھا جس میں وہ موتی جڑا ہوا تھا جس کو شاہ یونان نے بطور تحفہ بھیجا تھا۔ اس فوارے کے بیچ میں ایک فوارہ نما طشت پارے سے بھرا رکھا رہتا تھا۔ قصر کے پارے سے بھرا رکھا رہتا تھا۔ قصر کے گرد صاف آئینے خوشنما ہاتھی دانت کے چوکھٹوں میں جڑے مختلف اقسام کی لکڑیوں کے مرصع دروازے اور سنگ مرمر اور بلوری چوکھٹوں پر جڑے ہوئے تھے۔ جس وقت یہ دروازے کھلتے تھے اور سورج کی کرنیں شیشوں پر پڑتی تھیں۔ تو کسی کی مجال نہ تھی کہ چھت اور دیواروں کی طرف دیکھ سکے کہ نگاہیں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ اس عالم میں اگر کہیں پارہ ہل جاتا تھا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ سارا محل جنبش میں ہے جن لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا وہ یہ سمجھتے تھے کہ واقعی قصر ہلنے لگا ہے اور سخت خوفزدہ ہو جاتے تھے۔

الزہرا کے انتظامات کے لئے پورا ایک محکمہ قائم تھا۔ جس میں تیرہ ہزار سات سو پچاس

Marfat.com

ملازمین تھے۔ تیرہ ہزار تین سو بیاسی غلام عیسائی مقرر تھے۔ زنان خانہ میں چھ ہزار تین سو چودہ لونڈیاں خدمت کے لئے حاضر رہتی تھیں۔ حوضوں میں روزانہ بارہ ہزار روٹیاں دوسری غذا کے علاوہ ڈالی جاتی تھیں۔ ساڑھے سات ہزار سیر گوشت صرف پرندوں کا خرچ ہوتا تھا۔ جو غلام بچے عقبی وہاں کام کرتے تھے ان کی تعداد تین ہزار سات سو پچاس تھی مچھلیوں کی غذا چنے بھی تھی۔ جو چھ پتیلوں میں بھر کر ڈالے جاتے تھے۔ جو محل میں مقیم تھے ان کی غذا میں مرغیاں مرغابیاں مچھلیاں۔ چکور۔ تیتر وغیرہ کے علاوہ کوئی تیرہ ہزار نصف سیر گوشت بکری اور گائے کا خرچ ہوتا تھا۔

اس تمام بیان کے ماسوا علامہ مقری نے جو نفح الطیب میں اس قصر کے بارے میں تفصیل پیش کی ہے۔ وہ بہت تسلی بخش ہے۔ ہم مختصراً اس کا حوالہ یہاں دیتے ہیں۔

بعض مشائخ قرطبہ نے اس محل کی بنیاد کی اصلی وجہ یہ پیش کی ہے کہ الناصر کی ایک حسین اور محبوب کنیز بہت سا مال و متاع چھوڑ کر مر گئی۔ ساتھ ہی یہ وصیت بھی کر گئی کہ اس مال سے ان تمام مسلمان قیدیوں کا زر فدیہ ادا کر کے رہائی دلائی جائے جو عیسائیوں کی قید میں ہیں۔ وصیت کے مطابق الناصر نے تمام ریاستہائے محروسہ میں یہ دریافت کرایا کہ کوئی مسلمان غیر مسلمان کے ہاتھ میں قید تو نہیں ہے۔ پتہ چلا کہ کوئی نہیں۔ پھر دوسری کنیز جو سلطان کے بہت منہ لگی اور چہیتی تھی۔ زہرا نام تھا اس نے یہ خواہش ظاہر کی اس رقم سے ایک باوقار قسم کی عمارت بنوائی جائے۔ یہ بات دل میں بیٹھ گئی۔ خود الناصر کو بھی بے حد شوق عمارتیں بنوانے کا تھا۔ اس لئے شمالی قرطبہ میں جبل عروس کے مقام پر اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ تمام صنعت و حرفت کو کام میں لا کر اس کی تکمیل ہوئی۔ پھر بادشاہ معہ اپنی کنیز اس میں رونق افروز ہوئے۔ دروازے پر زہرا کی تصویر منقوش کی اور محل کا نام بھی اسی کے نام پر رکھا۔ زہرا نے جو پہاڑ جبشی کی تشبیہہ دیکر کی تھی اس کا ذکر پیچھے آچکا ہے۔

ابن شکان بن عباد الزہرا کے ذیل میں لکھتے ہیں زرا بفتح۔ سکون ہا۔ فتح را بعدہ ہمزہ یہ پورا قصر دنیا کی عجیب ترین عمارتوں میں سے تھا۔ اس کا نقشہ شاید پہلے کسی کے ذہن میں آیا ہو۔

ارباب دولت اور اعیان سلطنت کے لئے نہایت اعلیٰ مسکن اور سیرگاہ بنا دیا لیکن کوئی عمارت قائم نہیں رہتی اس کا بنانے والا بھی باقی نہیں رہتا۔ نام ضرور رہ جاتا ہے۔ اسی

Marfat.com

موقع کے لئے مطلح میں تحریر ہے کہ ایک بار وزیر خرم بن جہور شاہان بنو امیہ کی تعمیر کردہ عمارات پر سے گزرے جن کی بنیادیں خراب ہو چکی تھیں۔ مالکین مرکھپ گئے تھے۔ تو بے ساختہ یہ شعر زبان پر لائے۔

(۱) فاتت یوم الدار قوم تغا تو — این سکانک الغراذ علینا

(۲) فاجابت ھنا اقاموا قلیلا — ثم ساروا ولست اعلم اینا

ابن فرضی بیان کرتے ہیں کہ الزہرا کی تعمیر کے بعد وہاں مسجد زہرا کی تعمیر بھی شروع ہوئی۔ اس میں ہر روز ایک ہزار کاریگر کام کرتے تھے جس میں تین سو معمار تھے۔ دو سو بڑھئی۔ پانسو مزدور وغیرہ۔ ان مزدوروں نے مل کر ۴۸ دن میں خالی اس کی بنیادیں بھری تھیں۔ ان بنیادوں کا طول قبلہ سے ..... مقصورہ تک ۳۰ ذراع تھا۔ اور بیچ کی غلام گردش تک تقریباً ۱۲ ذرع۔ چاروں طرف غلام گردشیں تھیں۔ ہر ایک کا عرض ۲ ذراع تھا۔

درمیان میں جو صحن تھا اس کا طول قبلہ سے لیکر جوف تک ۴۳ ذراع تھا۔ اور شرقاً غرباً ۴۱ ذراع۔ مسجد کا فرش سرخ سنگ کا تھا۔ درمیان میں ایک فوارہ نصب کیا جس سے ہر وقت پانی جاری رہتا تھا۔ پوری مسجد کی لمبائی قبلہ سے جوف تک ۹۰ ذراع تھی۔ شرق سے غرب تک ۵۹ ذراع۔ صومعہ کا ارتفرع ۴۰ ذراع تھا۔ عرض ۱۰ ذراع۔ منبر نہایت ہی خوبصورت تھا۔ اس کے گرد ایک مقصورہ خلیفہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ مسجد کا منبر بروز پنجشنبہ جمعرات بتاریخ ۲۲ شعبان ۳۱۹ھ کو مکمل ہوا۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ خلیفہ الناصر نے ۳۴۰ھ میں حکم دیا کہ پہلا صومعہ گرا دیا جائے اور اس کی جگہ دوسرا صومعہ بنایا جائے۔ اس کی بنیادیں ۴۳ دن تک اتنی گہری کھدیں کہ پانی تک نکل آیا۔ جب یہ بن کر تیار ہو گیا تو الناصر الزہرا سے سوار ہو کر صومعہ تک آئے۔ ایک زینہ سے چڑھ کر دوسرے زینے سے اتر گئے۔ مقصورہ میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر واپس ہو گئے۔ جب مسجد تیار ہو گئی تو اس میں پہلی جماعت قاضی ابو عبد اللہ محمد بن ابی عیسیٰ نے پڑھائی۔ دوسرے روز الناصر نے نماز جمعہ پڑھائی۔

دور دراز سے جو سیاح قرطبہ آتے تھے وہ الزہرا ضرور دیکھتے تھے۔ اور انسانوں کی اس صنعت اور حرفت پر تعجب کرتے تھے۔ اپنے یہاں جا کر اس کے تذکرے عجیب عجیب انداز میں کرتے تھے بقول ابن بشکوال اس قصر میں کچھ نہ ہوتا صرف وہ شفاف کمرے ہوتے جن سے باغات کا منظر عجیب نظر آتا تھا۔ وہ قصر خلافت ہوتا وہ حسین قبہ ہوتا جس کی مضبوطی حسن

Marfat.com

ور صنعت کی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی ہے۔ وہ سنگ مرمر۔ وہ سونے کا کام۔ وہ ڈھلے ہوئے ستون۔ وہ نقوش جو نگاہ میں بہار کا سماں پیش کرتے تھے وہ حوض وہ بت تراشی ہوئی صورتیں بنی ہوئی تو بھی اس کو اپنی جگہ منفرد مانا جاتا اور لوگ داد تحسین کی انتہا کر دیتے۔

۳۱۹ھ کے شروع ہی میں وہ چھوٹی نہر مکمل ہوئی جو کوہ قرطبہ سے میٹھا پانی لاکر قرطبہ ملوں کو سیراب کیا کرتی تھی۔ الزہرا کے مکینوں کی تشنگی بجھایا کرتی تھی۔ اس کا پانی عجیب غریب طریقہ سے بڑے حوض تک پہنچتا تھا۔ یہ طریقہ مہندسی طور سے اختیار کیا گیا تھا حوض کے اوپر ایک شیر جس میں کافی کاریگری کی گئی تھی، نصب تھا۔ ایسا شیر بنا ہوا نہ پہلے کبھی دیکھا نہ سنا۔ یہ خالص سونے کا تھا۔ دونوں آنکھیں جواہرات کی تھیں۔ پانی اس کے منہ سے نکل کر حوض میں گرتا تھا۔ دیکھنے والا اس کی خوب صورتی اور لطفِ منظر سے مبہوت ہو جاتا تھا۔ قصر کے تمام باغات کی آب پاشی اسی حوض سے ہوتی تھی۔ یہیں سے تمام صحنوں اور حماموں میں پانی پہنچتا تھا۔ اس کے بعد واپس دریا میں جا گرتا تھا۔

یہ چھوٹی نہر۔ حوض۔ شہر۔ روانی آب۔ از روئے اختلاف درازی راہ۔ مضبوطی عمارات خوب صورتی بروج جن پر پانی چڑھ کر بلند موقعوں پر پہنچتا تھا۔ بجائے خود حیرت انگیز چیزیں تھیں۔

پہاڑ سے پانی وہاں تک آنے میں ۱۴ مہینے صرف ہوتے تھے۔ جب جمعرات جمادی الآخر کو پہلی بار پانی نہر میں رواں کیا گیا۔ اس روز الناصر نے قصر ناعورہ میں تمام ارباب سلطنت کی دعوت کی۔ مہندسین اور صناعین کو بڑے بڑے انعامات دیئے۔ مدینۃ الزہرا اور اس کے متعلق عمارت کی تیاری میں ۳۲۵ھ سے لے کر چالیس برس کا عرصہ لگا۔ الناصر کی وفات کے بعد تعمیر کا سلسلہ الحکم کے زمانے میں بھی چلتا رہا۔

شیخ سید محی الدین ابن عربی نے سامرات میں شہر زہرا کی تباہی اور اس کا جانوروں کا اڈا بن جانے کے متعلق اشعار لکھے ہیں جو انسان کو دنیا کی بے ثباتی اور بے بنیادی کا یقین

۱۔ دیار باکناف الملاعب تلمع	وما ان بھا من ساکن وھی بلقع
۲۔ ینوح علیھا الطیر من کل جانب	فیصمت احیانا وحینا یرجع
۳۔ فخاطبت منھا طایرا متفردا	لہ شجن فی القلب وھو مروع
۴۔ فقلت علی ماذا تنوح وتشتکی	فقال علی دھر مضی لیس یرجع

(ان اشعار کا ترجمہ صفحہ ۴۴۶ پر دیکھئے)

اتنی عظیم الشان اور اعلیٰ وارفع عمارت خود مسلمانوں کے تعصب اور عیسائیوں کی تنگ نظری کی نظر ہوگئی۔ ابن الرقیق کا بیان ہے کہ منگل ۲۶۔ جمادی الآخر ۳۹۹ھ کی دوپہر سے بدھ تک قرطبہ بربریوں کے ہاتھ فتح ہوا۔ اور الزہرا منہدم کر دیا گیا۔

(ترجمہ اشعار ص ۴۳۵)

ملہ (۱) بہت سارے مکان جن کے کھنڈرات کھیل کے میدانوں کے کنارے چمک رہے ہیں۔ اور و ویران ہیں ان میں کوئی بھی رہنے والا نہیں ہے۔

(۲) ان پر ہر طرف پرندے نوحہ خوانی کر رہے ہیں۔ اور پرندے کبھی خاموش ہو جاتے ہیں اور کبھ نوحوں کو دہراتے ہیں۔

(۳) میں نے ان میں سے ایک نوحہ خواں پرندے کو خطاب کیا جس کا دل درد سے بھرا ہوا تھا۔

(۴) میں نے اسی کو کہا کہ تو کس چیز کو رو رہا ہے اور تجھے کیا شکایت ہے۔ اس نے کہا کہ میں اس زما کو رو رہا ہوں جو گزر گیا اور واپس نہیں آتا۔

Marfat.com

باب (۴۵)

الناصر کے عہدِ حکومت اور کردار پر ایک نظر

الناصر جب اپنی عمر کے سترویں (۷۰) سال میں داخل ہوئے تو قویٰ میں اضمحلال آنے لگا۔ جب
بر وہ جلوہ افروز ہوئے تھے تو ان کی عمر بیس برس کے لگ بھگ تھی۔ پچاس سال حکومت کرتے
تے گذر گئے تھے۔ بیشتر مہمات کی کمان انہوں نے خود کی تھی۔ جہانبانی کی جانفشانی نے ان کو تھکا
تھا۔ انہوں نے آخر عمر میں کاروبارِ سلطنت اپنے بیٹے الحکم کے ہاتھ میں دیدیا تھا۔ خود صرف
وص معاملات میں دلچسپی کا اظہار کرتے۔ آخرکار مارچ ۹۶۱ء (محرم ۳۵۰ھ) میں جبکہ ہوا انتہائی
ور خنک چلتی تھی ان کے اوپر اس کا اثر ہوا۔ شروع میں کوئی خاص اثر نہ لیا۔ مگر جب زیادہ
بیتی ہوئی تو علاج شروع ہوا۔ طبیعت سنبھل گئی۔ جولائی (جمادی الاول) کے مہینہ میں تو یہ پتہ
نا تھا کہ وہ بالکل تندرست ہو گئے ہیں۔ ایک دربار اپنی صحت یابی کے سلسلہ میں خوشی کا
قد کیا۔ تمام اہلِ دربار کو شرف باریابی بخشا۔ مگر اس سے کچھ تھکن اور بڑھ گئی۔ صحت یابی
عارضی تھی۔ مرض کا دوبارہ حملہ ہوا۔ ۱۶ اکتوبر ۹۶۱ء۔ ۲۔ یا ۳ رمضان ۳۵۰ھ کو شمسی حساب
ے سترویں سال اور بقول بعضے تہترویں سال میں دار فانی سے کوچ کیا۔ پچاس برس سریر آرائے
لطنت رہے۔ ان کا سال پیدائش ۲۷۷ھ تھا۔

جس وقت وہ تخت نشین ہوئے تھے تو حاکم اندلس کا اثر پوری سلطنت پر برائے نام تھا۔
بانو مسلم۔ کیا عربی سردار کیا عیسائی سب انحراف پر کمربستہ تھے۔ اور امیرِ سلطنت کو خاطر میں

Marfat.com

نہ لاتے تھے۔ قرطبہ کے اطراف واکناف میں تو ضرور ان کا حکم مان لیا جاتا تھا۔ باقی صوبے مطلق العنان ہو گئے تھے یا ان سے رشتہ کچے دھاگے سے بندھا ہوا تھا۔ یہ ان کی پچاس سالہ جدوجہد اور خون فشانی کا نتیجہ تھا کہ ایک بار اقتدار رفتہ پھر واپس لوٹ آیا ایک بار اندلس میں ہی نہیں بلکہ دُور دُور تک خلیفہ بنی اُمیّہ کی دھاک بیٹھ گئی۔ سلاطین اور والیانِ ریاست ان کا نام سن کر تھرانے لگے ان سے دوستی اور اتحاد پیدا کرنے میں فخر محسوس کرنے لگے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے ہاتھ کا تحریر شدہ ایک کاغذ ملا جس میں اُنہوں نے ان دنوں کو قلمبند کیا تھا جب وہ امن وسکون سے رہے تھے۔ اُنہوں نے حساب مکمل طریقہ سے لگایا تھا کہ صرف چودہ دن ایسے تھے جبکہ وہ اطمینان اور عافیت سے رہے تھے۔ اس کے معنی واضح ہیں کہ وہ ساری عمر ترقیاتِ سلطنت اور وسعتِ ملک کے لئے خون پسینہ ایک کرتے رہے۔ عدل و انصاف اور قوانین شرعی اور ضابطہ کی عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے دل وجان سے کوشاں رہے۔ اُنہوں نے سکون اور چین اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ ہمیشہ ملک ورعایا کی بہتری اور بہبودی میں غرق رہتے تھے۔ قدرت کو خلافتِ بنی اُمیّہ کی لاج انہیں کے ہاتھوں سے رکھنا مقصود تھی۔ انہیں کی ذات سے عزت وعظمت کو دوبارہ عروج حاصل ہوا۔ انہیں کی کوششوں سے اُندلس کے ماسوا تمام عیسائی ریاستوں میں مسلمانوں کا سکہ بیٹھ گیا۔ اُنہیں کے رعب سے دربار قسطنطنیہ۔ (فرنجہ۔ المان۔ (جرمنی) اٹلی میں لرزہ پیدا ہونے لگا۔ اور انہی کے جلالِ شاہی سے مرعوب ہو کر تمام سلطنتیں اپنی سفارتیں بھیجنے پر مجبور ہوئیں۔ وہ اپنے دَور ہی کے نہیں بلکہ تمام مسلمان بادشاہوں میں ایک اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں۔ خدا ان کو بخشنے والا ہے۔

الناصر کو ظاہری کرّ و فر اور شان وشوکت مرغوب نہ تھی مگر اس دنیائے دنی کے حالات اور وسیع تجربات نے ان پر یہ واضح کر دیا تھا کہ عظمت اور سطوت جمانے کے لئے دوسروں پر اپنے جبروت کا سکہ بٹھانے کے لئے یہ سب چیزیں انتہائی ضروری ہیں۔ اور ان کے بغیر کارخانۂ حکومت چل ہی نہیں سکتا ہے۔ اس لئے وہ اس طرف راغب ہوئے۔ وہ اس اندازے کہ پہلی بار تاریخ اُندلس میں خلیفۃ المسلمین کا لقب اُنہوں نے اختیار کیا۔ الزہرہ جیسی عمارت اُنہوں تعمیر کرائی سفارتوں کا شاندار خیر مقدم انہوں نے کیا عیسائی بادشاہوں کو اپنی بارگاہ میں طلب کیا۔ بیرونی ریاستوں کے والیوں کے سر اپنے آگے جھکے دیکھے۔ علم دوست اس قدر تھے کہ ان سے

Marfat.com

...ملک اطبائے حاذق۔ علمائے کامل۔ حکمائے یگانہ۔ شعرائے کرام۔ ادبائے اعلیٰ مقام سب جمع رہتے تھے۔ ...اپنے علم و فضل اور کمال سے نہ صرف اُن کی بلکہ پوری قوم کی خدمت کیا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن کے مزاج میں فروتنی اور خاکساری بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ اس قدر تھی کہ ایک بار ...جب توسیع عمارت کے لئے ان کو ایک مقام پسند آیا۔ تو پتہ چلا کہ وہ یتیم بچوں کا ہے۔ جو قاضی منذر ...کی نگرانی میں ہیں۔ قاضی کو جب اطلاع ہوئی تو باوجود اس امر کے وہ شاہ کا ملازم تھا اور وہ قطعہ ...اراضی اس کا آقا خریدنا چاہتا تھا۔ مگر فروخت کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ جب تک ...مندرجہ ذیل تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پوری نہ ہو۔ یہ امر مشکل ہے۔

(۱) یا تو کوئی سخت ضرورت لاحق ہو کہ خرید اس کی ناگزیر ہو۔

(۲) یا جائداد کے مٹ جانے یا برباد ہو جانے کا خطرہ لاحق ہو۔

(۳) یا پھر ایسی رقم پیش کی جا رہی ہو جس سے غریب یتیموں کا فائدہ ہو۔

کیونکہ بظاہر ان تینوں شرطوں میں سے کسی کی تکمیل نہیں ہوئی لہذا یہ سودا ابھی نہیں ہو سکتا۔ ...زمین شاہی کو جب قاضی صاحب کا یہ عندیہ معلوم ہوا تو بہت ڈرے۔ اور چاہا کہ بالا ہی بالا یہ ...املہ طے کرلیں خواہ مخواہ سلطان کے کانوں تک یہ بات پہنچا کر ان کی طبیعت منغض نہ کریں۔ ملازمین ...نے کچھ جبر سے کام لینا چاہا۔ قاضی کو یہ بات ناگوار ہوئی۔ انہوں نے مکان کو منہدم کرا کے زمین کو ...اچھی قیمت پر فروخت کر دیا۔ عبدالرحمٰن نے قاضی کو فوراً اپنے حضور طلب کیا اور اس حرکت کی وجہ ...پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ مجھے وہ واقعہ یاد آ گیا کہ کسی ملک میں کچھ لوگ اپنی گزر اوقات ایک جہاز ...کے ذریعہ کرتے تھے۔ مگر جہاز کو بری بدتر حالت میں رکھتے تھے۔ کیونکہ اس ملک کے بادشاہ کی یہ ...عادت تھی کہ جب کسی اچھے جہاز کو دیکھتا تھا تو اس پر قبضہ کر لیتا تھا یہ اشارہ دراصل قرآن شریف ...کی ایک آیت کی طرف تھا بادشاہ نے جب یہ سنا تو اپنے ملازمین کی حرکت پر سخت شرمندہ ہوا ...اور قاضی صاحب پر ناراض ہونے کے بجائے معافی مانگی۔

عبدالرحمٰن کے دربار سے جو علماء اور شعراء متعلق تھے۔ ان کی فہرست تو بہت ہی طویل ہے۔ عیسائی طبیب کا ذکر اوپر آ چکا ہے بعض اکابرین سلطنت کے نام بھی گنوائے جا چکے ہیں۔ احمد عبداللہ بلخی نامی ایک گراں قدر شاعر تھا جس کا قصیدہ عقد ایک زمانے میں بہت مشہور تھا۔ عباس ابن عباس منظری نامی گرامی حکیموں میں سے تھا زریاب کے بعد اسی کا شہرہ تھا۔ یہ بھی سرکاری ملازم تھا۔ ان کے علاوہ عبداللہ ابن یونس المرادی۔ ابوبکر ابیدی۔ محمد القشبانی اس دور کی مشہور و معروف

Marfat.com

ہستیوں میں تھیں عبداللہ ابن یعلی اور غالب جانبازوں اور تجربہ کار فوجی افسروں میں سے تھے۔ وزیر اعظم کے عہدے پر فائز تھا اور اپنی قابلیت اور صلاحیت کے لحاظ سے بے مثل تھا موسیٰ ابن حدیر۔ عبدالملک ابن جہور اور احمد عبدالملک ابن شہید کے نام تو پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں۔ ان دونوں میں ہمیشہ چشمک رہتی تھی۔

عبدالرحمٰن کے زمانے میں ایک پرند مینا کے گفتگو کرنے کا واقعہ صاحب خلافتِ اندلس نے بیان کیا ہے۔ جو بہت تعجب خیز معلوم ہوتا ہے۔ کہتے ہیں۔ ایک بار عبدالرحمٰن کو فصد کھلوانے کے سلسلے میں شاہی فصاد کو بلوانا پڑا۔ جب نشتر لگنے جا ہی رہا تھا۔ کہ ایک مینا اُڑتی ہوئی اس کمرے میں آئی اور سونے کے گلدستہ پر بیٹھ گئی۔ پھر صاف لہجہ میں اس قطعہ کو پڑھا۔ جس کو سُن کر بادشاہ بہت خوش ہوا۔

(۱) أيها الفاصد رفقاً بأمير المومنينا

(۲) إنما تفصد عرقاً فيه محی العالمينا

پھر پوچھا یہ مینا کس کی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور جواب دے۔ خود مینا بول اٹھی میں مرجانہ والدہ ولیعہد الحکم کی مینا ہوں۔

عبدالرحمٰن یہ سُنکر اور زیادہ خوش ہوا۔ اور مرجانہ کو بیس ہزار دینار سُرخ بھیجے۔

الناصر نے طرزِ جہانبانی کے مختلف اچھے اچھے اُصول منتخب کئے تھے۔ چند ایک خاص حسب ذیل ہیں :-

(۱) شاہی اختیارات اور اقتدارات کو کوئی دوسرا ارکین سلطنت بجز سلطان کام میں نہیں لا سکتا ہے۔

(۲) تمام ضروری اُمور حکومت اور اہم معاملات کہ جن کی ذمہ داری امیر سلطنت پر لاحق ہوتی ہے۔ بغیر اس کے صلاح و مشورہ کے طے نہیں کئے جا سکتے۔

(۳) صرف انہیں لوگوں کو اقتدار اور اختیار سونپے جائیں جو خیر خواہانِ سلطنت اور بہی خواہانِ خلیفہ ہوں۔

ؔ اے فصد کھولنے والے نہایت آہستہ سے نشتر لگانا کہ تو جس کی فصد کھولنا چاہتا ہے وہ امیرالمومنین ہے عالموں کو زندہ رکھنے والا (یعنی ان کا سرپرست)

Marfat.com

(۴) سازش کنندگان اور عدول حکمی کرنے والوں کو سخت ترین سزائیں دے کر سلطنت ...فتنہ پسند عناصر کا خاتمہ کر دیا جائے۔

(۵) جو امرائے عرب اپنے حسب نسب کی وجہ سے متکبر اور مغرور ہو گئے تھے۔ ان کے ...ام اختیارات اور جائدادیں سلب کر لی گئیں۔

(۶) شاہی رعب اور مہمات فوجی کی غرض سے فوج کی تعداد میں بہت اضافہ کیا۔

(۷) اپنا ایک خاص رسالہ باڈی گارڈ Slave کا قائم کیا کہ جو حفاظت شاہ فریضہ ...بانی سے کم نہیں سمجھتے تھے۔

(۸) سپاہیوں کو تنخواہیں بھی دی گئیں اور حسب حیثیت زمینیں بھی۔

(۹) فیوڈل سسٹم جو یورپ میں رائج تھا۔ اس کی ترویج اس نے اپنے یہاں بھی کی جاگیرداروں کو حکم تھا کہ وہ اپنے تحت تھوڑی بہت سپاہ بھی رکھیں جو بوقت ضرورت اور طلب شاہ کے پاس ...وانہ کریں۔

(۱۰) مالگزاری محصول وصول یابی اور ٹیکس لگانے کے اصول باقاعدہ مرتب کئے۔

اس انداز سے ملک کو بہت ہی فائدہ پہونچا۔ ایک تو لوگوں کے دلوں میں سلطان کا رعب ...داب بیٹھ گیا۔ دوسرے اس نے جو سختی سے اپنے اصولوں پر کاربند رہنا شروع کیا تو ان کے ...لوں میں بھی قانون کا احترام قایم ہو گیا جس امیر نے بغاوت کی اس کا سر کچل دیا گیا جس نے سازش ...پر کمر باندھی اس کو بھگی بنا دیا گیا۔ ارتداد پسند عناصر کا سارا زور ختم کر کے رکھدیا۔ چند ہی دنوں میں نظم و ...ضبط قائم ہو گیا۔ بدمعاشوں اور مجرموں کو لرزہ سا آ گیا۔ وہ اپنی بدفعلیوں اور بدمعاشیوں سے باز آ گئے۔ لوگوں کو پتہ چلا کہ اب کوئی دل گردے کا بادشاہ تخت پر بیٹھا۔ اب کوئی ایسا حاکم آیا تو عدل گستر بھی ہے انصاف پسند بھی وہ اس کے دل و جان سے مداح ہو گئے۔

محاصل عبدالرحمٰن نے اپنے عہد میں ذرائع آمدنی بہت وسیع کئے۔ ایک سیاح جسے اقتصادی معاملات میں بھی خود دخل تھا اس بات کا معترف ہوا کہ خلیفہ کو اس ضمن میں دستگاہ کامل حاصل ہے وہ سیاح کہتا ہے۔ دولتمندی اور وصولیابی کے لحاظ سے اسپین اس وقت دنیا کا سب سے زیادہ متمول ملک ہے "ملک کی حالت جبھی بہتر ہو سکتی ہے کہ اس کے خزانے دولت سے پر ہوں۔ یہ بات اس عہد میں بدرجہ کمال موجود تھی۔ خزانے کی مرفہ الحالی سے اندلس کی خوش حالی میں چار چاند لگ گئے تھے۔ زراعت۔ تجارت۔ صنعت حرفت اور

Marfat.com

علوم و فنون سب اپنے اپنے معراج کو پہنچ گئے تھے۔ جو وہاں پہونچ جاتا تھا۔ ہری ہری کھیتیوں سبزہ زاروں کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا تھا۔ آب پاشی اور آب رسانی کے سائنٹفک ذرائع استعمال میں تھے۔ کھیتی باڑی کے کچھ ایسے طریقے ایجاد کیے گئے کہ بنجر اور بے وگیاہ زمینوں کو بھی سبزہ زار اور قابل کاشت بنا دیا گیا۔ یہ عمدگی اور بہتری صرف قرطبہ اور اطراف قرطبہ کو نہیں حاصل تھی۔ بلکہ ملک کے جس حصہ میں بھی نکل جائیے یہی کیفیت تھی۔ یہی حالت۔ ہر جگہ امن و عافیت ہر مقام پر انتظام اور اطمینان تھا۔ پولیس ہر جگہ متعین تھی جو جرائم کی روک تھام اور امن قائم رکھنے میں نہایت مستعد تھی۔ ملزمین کے ساتھ کسی قسم کی رعایت و مروت نہ برتی جاتی تھی۔ اشیا کی ارزانی تعجب خیز حد تک تھی۔ لوگوں میں قوت خرید بہت زائد تھی۔ پھر بھی چیزیں کوڑیوں کے مول بکتی تھیں۔ پھل مفت کے برابر قیمت رکھتے تھے۔ دیگر اشیاء ضرورت برائے نام قیمت پر حاصل ہو جاتی تھی۔ لوگوں میں رہن سہن اور لباس لوگ تھے۔ خوش حال اور بے فکر رعایا تھی۔

اس بیان کے بعد مناسب ہے کہ سلطنت کی آمدنی پر بھی ایک نظر ڈالی جائے۔ اس سلسلے میں مختلف دور کی آمدنیوں کے مختلف بیانات حاصل ہوتے ہیں۔ وہ سب پیش کر دیئے جائیں گے۔ ایک تحریر کے مطابق چون لاکھ اسی ہزار دینار اصل بطور مالگذاری داخل خزانہ شاہی ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ سات لاکھ ۶۵ ہزار دینار دیگر ذریعوں سے وصول ہوتے تھے۔ یہ تمام کی تمام آمدنی رعایا اور ملک کی بہبودی پر خرچ کی جاتی تھی۔ جو آمدنی خراج۔ جزیہ یا غیر مسلموں سے ٹیکس کی صورت میں حاصل ہوتی تھی وہ صرف خاص میں آتا تھا اور ذاتی خزانہ میں جمع کی جاتی تھی۔ اس آمدنی کی کوئی تھاہ نہ تھی اور نہ کوئی تعداد ہی متعین۔ اس پر رعایا کا کوئی استحقاق نہ ہوتا تھا ایک تہائی سلطان کے ذاتی خرچوں کے لئے۔ ایک حصہ تعمیرات، پل۔ سڑکوں اور مکانات کی مرمت پر صرف ہوتا تھا۔ اسی میں ایک حصہ طلبار کے وظائف مکتبوں اور مدرسوں کے اخراجات اور علم و ادب کے فروغ پر خرچ کیا جاتا تھا۔ ایک حصہ فوج یا ڈی گارڈس اور دیگر اعیان سلطنت اور ملازمین پر خرچ ہوتا تھا۔

ڈوزی لکھتے ہیں کہ ملک کے مالیہ کا ایک تہائی حصہ جو غالباً ۶۲ لاکھ ۴۵ ہزار دینار سرخ ہوتا تھا۔ سلطنت کے کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ دوسرا حصہ بیت المال میں نازک اوقات کے لئے جمع رہتا تھا اور ایک حصہ تعمیرات اور توسیعات پر خرچ ہوتا تھا۔ ان کے قول

Marfat.com

مطابق ۹۵۱ء یا ۳۴۰ھ میں بیت المال میں دو کروڑ سے زائد دینار ثرخ موجود تھے۔
ابن خلدون بیان کرتے ہیں کہ الناصر کے انتقال کے وقت خزانے کے مختلف
خانوں میں پانچ ارب دینار رکھے تھے۔لیکن اس بات پر بھی وہ متفق ہیں کہ خراج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا
جاتا تھا۔ایک فوج دوسرا عمارتوں اور تیسرا محفوظ رہتا تھا۔شہروں سے تجارت کے ذریعہ اور
زمینوں سے مالگذاری کی صورت میں ۵۴ لاکھ اسی ہزار دینار رقم ہوتی تھی۔بازار وغیرہ کا محصول وہی ہوتا
تھا۔جو اوپر لکھا جا چکا ہے یعنی ساٹھ لاکھ ۶۵ ہزار مال خمس جو صرف بادشاہ کا حصہ ہوتا تھا۔وہ
اس تعداد کے علاوہ تھا اور اس کا کوئی حساب رجسٹروں میں لکھا نہ جاتا تھا۔ابن بدیع ہمدانی کا قول تھا کہ
شہروں سے جو رقم وصول ہوتی تھی۔اس کی تعداد پانچ کروڑ چار لاکھ اسی ہزار دینار تھی۔
بازار کی آمدنی حسب سابق تحریر شدہ تھی۔یہی مورخ لکھتا ہے کہ عبدالرحمٰن کو آبادئ زمین۔
علما، لائق اور فائق لوگوں کو دوسرے ملکوں سے جمع کرنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔اس کے
ساتھ ساتھ قوت ملک، عزت سلطنت۔اور مضبوط آثار قائم کرنے، بلندی ہمت دکھانے کا شوق
بھی تھا۔

زینت جامع مسجد الزہرا کی تعمیر تو عبدالرحمٰن کا گرانقدر کارنامہ ہے ہی۔مگر اس کا ذوق
اس سلسلہ میں کچھ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ سیر ہو ہی نہ پاتا تھا۔قرطبہ کی
جامع مسجد جس کی بنیاد عبدالرحمٰن الداخل نے ڈالی مگر اس کے بعد ہر اُموی بادشاہ نے اس کی
زیب وزینت اور شان بڑھانے کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ اضافے کئے۔توسیع اور بہتری کے لئے
جو رقم اس پر خرچ ہوتی تھی اس کار ثواب میں خرچ ہوتی تھی اس کار ثواب میں خرچ کرنے کے
مماثل سمجھا جاتا تھا۔لہذا ہر بادشاہ ثواب حاصل کرنے کے لئے دل کھول کر خرچ کرتا تھا۔
عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ بھی اس سلسلے میں کچھ پیچھے نہ رہے اس کے اضافہ حسن اور خوبصورتی
کے لئے کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ اس مسجد کی لمبائی شرق سے غرب تک پانچ سو فٹ تھی۔اس
کی خوشنما اور مزین محرابیں ایک ہزار چار سو سترہ ستونوں پر قائم تھیں۔جو مرصع اور مجسمع تھیں۔
درمیان کی محراب سنگ مرمر کے سات ستونوں پر نہایت بلند و بالا اور خوبصورتی سے بنائی
گئی تھی۔ایسی دلکش اور حسین نظر آتی تھی کہ دور دور سے لوگ صرف اس کو دیکھنے آتے تھے۔
محراب کے پاس ہی منبر تھا جو خالص ہاتھی دانت اور ۳۶ ہزار مختلف رنگ اور قسم کی لکڑیوں کا بنا ہوا
تھا۔اس منبر کی قیمت کا اندازہ ۳۵ ہزار سات سو پانچ دینار تھا۔اس کے بننے میں سات برس

لگے تھے۔ عبدالرحمٰن نے پرانے میناروں کو منہدم کرا کے نیا مینار کوئی ایک سو آٹھ فیٹ اونچا تعمیر کرایا۔ چڑھنے کے لئے علیحدہ زینہ بنایا۔ اترنے کے لئے علیحدہ۔ ہر زینہ میں گن کر ایک سو سات سیڑھیاں رکھی گئیں تھیں۔ اس مسجد میں دس ہزار جھاڑ شب میں روشنی کی خاطر جلا کرتے تھے۔ ان میں تین جو بہت بڑے تھے۔ وہ خالص چاندی کے باقی پیتل کے۔ بڑے جھاڑ میں ایک ہزار چار سو اسی پیالے روشن ہوتے تھے۔ صرف ان تین چاندی کے جھاڑوں میں ۳۶ سیر تیل ہر رات کو جلا کرتا تھا۔ تین سو ملازم صرف صفائی اور نگرانی پر متعین تھے۔ خدام علیحدہ تھے۔ امام کے لئے الگ حجرہ تھا۔ بادشاہ کے نماز پڑھنے کے لئے مقصورہ الگ تھا۔ گمان ہے کہ اس کی تعمیر پر دو لاکھ ۶۱ ہزار۔ پانچ سو تیس دینار سرخ خرچ ہوئے تھے۔

مسجد کے بارے میں جس میں ۲۶۰ محرابیں تھیں یہ بات مشہور تھی کہ سال کے بھی اتنے ہی دن ہوتے ہیں۔ ان محرابوں کی صنعت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک محراب سے سورج کی روشنی ایک دن داخل ہوتی تھی اور دوسرے دن دوسری محراب سے حتیٰ کہ سال ختم ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد پہلی محراب میں روشنی پہنچتی تھی۔ یہ بات بھی زبان زد عوام تھی مگر کسی مستند تاریخ میں کسی قابل ذکر مورخ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ اس لئے ماننے میں ذرا تامل ہوتا ہے۔ مسجد میں جو پیتل کا جھاڑ تھا اس میں بھی ایک ہزار چراغ جلتے تھے۔ تین ستون مسجد کے سنگ سرخ کے تھے۔ ایک پر نام مبارک محمدؐ۔ دوسرے پر حضرت موسیٰ کا عصا اور اصحاب کہف کے نقوش تھے۔ تیسرے پر حضرت نوحؑ کے کوئے کی تصویر تھی۔ کہتے ہیں کہ یہ اوپر سے کسی کاریگر نے نہ بنائی تھیں۔ بلکہ اسی میں کھدی ہوئی تھیں۔ اس بات کو بھی کوئی مورخ تسلیم نہیں کرتا۔ ابن بشکوال کا بیان ہے کہ اس مسجد میں ایک قرآن پاک کا نسخہ تھا جس کے متعلق یہ گمان تھا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ لوگ اس کی بہت تعظیم کرتے تھے۔

قرطبہ کے صومعہ کا طول موذن کے کھڑے ہونے کی جگہ تک ۵۴ ذراع تھا۔ بغیر تراشے ہوئے پتھر بڑی خوبصورتی سے جڑے گئے تھے۔ تین بڑے بڑے روشن دان تھے۔ جن کو رمانہ (انار) کہتے تھے۔ دو پر سونے کے انار بنے ہوئے تھے۔ اور تیسرا بیچ کا انار چاندی کا تھا۔ اس کے اوپر سوسن کا پھول بنا ہوا تھا اور پھر اس کے اوپر ایک اور چھوٹا سا انار سونے کا تھا۔ غرض یہ عمارت اپنا جواب نہ رکھتی۔ اور اس قسم کی مسجد کسی بلاد اسلامیہ میں نہ پائی جاتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ قرطبہ کی زینت اور خوبصورتی کا کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔ یہ مقام مختلف صنعتوں

Marfat.com

پرجو اہر پاروں سے مالا مال ہو رہا تھا۔ تجارت کو اس قدر فروغ تھا کہ حکام نے رجسٹر درآمد برآمد میں لکھا ہے کہ اس مال پر جو محصول وصول کیا جاتا تھا اس کی رقم ملک کی مجموعی آمدنی کا ایک حصہ ہے۔ قرطبہ کی آبادی پانچ لاکھ سے زیادہ تھی۔ عام طور پر لوگ خوش حال اور ذی حیثیت ے۔ سواری کے لئے گھوڑا یا خچر ادنیٰ اور اعلیٰ سب کے پاس موجود تھا۔ بہت کم لوگ تھے۔ جن میں یا محتاجوں میں شمار کیا جا سکتا تھا۔ ان کے لئے محتاج خانے اور دار المساکین تھے۔ پورے ہر میں عبادت اور طہارت کا بڑا چرچا تھا۔ جامع مسجد کے علاوہ مختلف محلوں میں تیس ہزار کے بھگ مسجدیں تھیں اور تین سو حمام۔ مکان سب بہت ہی خوبصورت کشادہ اور عمدہ طرز کے نے ہوئے تھے۔ جن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ عالی شان قصر اور محل ان کے علاوہ تھے۔ ڑکیں پختہ اور کشادہ تھیں۔ دونوں سمت دکانیں تھیں۔ بازار نہایت سجے ہوئے تھے۔ اور نیا کی کوئی چیز ایسی نہ تھی۔ جو یہاں نہ ملتی تھی۔ پورا شہر ۲۸ محلوں میں منقسم تھا۔ خوبصورتی۔ مل اور حسن میں بغداد کے علاوہ دنیا کا کوئی دوسرا شہر قرطبہ کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ ینۃ الزہرا کے بننے کے بعد اس کی آبادی پر ضرور اثر پڑا۔ خصوصاً جبکہ الناصر نے یہ اعلان ردیا کہ جو شخص الزہرا میں جا کر بسے گا۔ اس کو چار سو درہم ضروریات زندگی کو بہم کرنے اور یک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے سلسلہ میں دیئے جائیں گے۔ تو بہت سے لوگ قرطبہ سے نکل کر وہاں جا کر آباد ہو گئے۔ پھر بھی مجموعی طور پر اس کی شان و شوکت اور گہما گہمی میں کوئی ایاں فرق نہ آیا۔

ایک دوسرے مورخ کا بیان ہے کہ یہ شہر دار الحکومت اندلس ہونے کی وجہ سے مرجع خلائق عوام و خواص تھا۔ بڑے بڑے صناع ماہر فن۔ عالم۔ فاضل۔ کامل۔ فقیہہ۔ ادیب۔ شاعر پنے اپنے فن کا مظاہرہ اور حسب توفیق داد حاصل کرنے کے لئے یہیں جمع رہتے تھے اور اس کے واہشمند ہوتے تھے کہ بادشاہ یا اس کے وزراء کی نگاہوں میں چڑھ جائیں۔ اس میں کبھی کوئی شبہ تھا کہ بادشاہ مردم شناس تھا اور اہل علم و فن کی خصوصی قدر کرتا تھا۔ اس کے بیان کے مطابق شہر میں دس لاکھ نفوس بستے تھے۔ اور ان کے رہنے کے جو مکانات تھے وہ پختہ بنے ہوئے تھے۔ سڑکوں پر درختوں کی قطاریں تھیں۔ گرمیوں کے آغاز ہی سے ہر جگہ خیمے نصب کر دیئے جاتے تھے کہ لوگ دھوپ کی شدت سے محفوظ رہنے کے لئے آرام کر لیا کریں۔ سارے شہر میں اسی ہزار چار سو دکانیں تھیں۔ نو سو کے قریب حمام اور چار ہزار تین سو گودام جن میں انواع و اقسام کا

مال بھرا رہتا تھا۔ شہر کی لمبائی ۲۴ میل اور چوڑائی ۶ میل تھی۔ گندگی اور بیماریوں کا نام ونشان نہ تھا۔ صفائی کے تمام اُصول برتے جاتے تھے۔

یہ شہر کیا تھا کہ اپنی جگہ ایک مکمل ملک تھا۔ تجارت کی یہ سب سے بڑی منڈی تھی۔ فوجی اڈا یہ سب سے بڑا تھا۔ محلات یہاں بہت زیادہ تعداد میں تھے۔ امرا اور روسا یہاں رہنا پسند کرتے تھے شاعر اور ادیب یہاں اپنا مسکن بنانا فخر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ کیا چیز تھی جو یہاں نہ پائی جاتی ہو۔ کونسی ایسی خوبصورتی تھی جو اس شہر میں موجود نہ ہو۔ سارے شہر میں آٹھ بڑے دروازے تھے۔

(۱) باب القنطرہ۔ قبلہ کے رُخ کی طرف تھا اور باب وادی بھی کہلاتا تھا۔ (۲) باب جزیرۃ الخضراء۔ دریا کے اوپر بنا ہوا تھا۔ (۳) باب الحدید۔ یہ باب سرقسطہ بھی کہلاتا تھا۔ کہ اس سے نکل کر جو سڑک جاتی تھی اس کا رُخ اسی جانب تھا۔ کہ اس سے نکل کر جو سڑک جاتی تھی اس کا رُخ اسی جانب تھا۔ (۴) باب طلیطلہ یا ابن عبدالجبار۔ اس سے سڑک طلیطلہ کی طرف جاتی تھی۔ اور غالباً عبدالجبار کے بیٹے نے تیار کیا تھا۔ (۵) باب رومیہ اس سے تین سڑکیں کٹتی تھیں۔ جو جزیرہ قادس cadiz قرمونہ، طرکونہ اور الوانہ کو جاتی تھیں (۶) باب طلبیرہ۔ یہ باب لیوا بھی کہلاتا تھا۔ اس کا رُخ طلبیرہ کی سمت تھا۔ (۷) باب عامر القرشی۔ اس کے سامنے عامر القرشی کا مقبرہ تھا۔ لہٰذا یہ اسی نام سے موسوم ہوگیا۔ (۸) باب الحورعیہ یہ باب بطلیوس بھی کہلاتا تھا کہ بیذا جار کو سڑک اسی طرف سے جاتی تھی۔

سارے شہر میں فوارے لگے ہوئے تھے اور حوض بنے ہوئے تھے وادی الکبیر جو اس کے درمیان سے بہتا تھا۔ اس کے اوپر ایک بہت بڑا پل تھا۔ شہر کے پانچ حصے تھے۔ اور ہر حصہ پر ایک مضبوط فصیل تھی جو ناقابلِ تسخیر نظر آتی تھی۔ ان پر برج بنے ہوئے تھے۔ جس پر سپاہی تعینات رہتے تھے۔ اور اپنی تیز نظروں سے ہر اندر آنے والے کو تاکا کرتے تھے۔ یوں گویا یہ شہر کیا تھا ایک جنت کا ٹکڑا تھا جو اس ارض پر اُتر آیا تھا۔

تنظیم افواج جتنی جنگیں عبدالرحمٰن کو اپنی حیات میں لڑنی پڑیں۔ اس کے پیش روؤں میں شاید ہی کسی کو لڑنی پڑی ہوں۔ یہ اسی کا دم خم تھا کہ اس نے تمام باغی صوبوں کو بھی اطاعت کا سبق سکھایا۔ اُمراءِ عرب کو بھی مطیع وفرمانبردار بنایا۔ عمر ابن حفصون اور ابن مستانہ کے ہمراہیوں کو بھی اپنی شمشیر کے جوہر دکھائے اور والیان لیون، نبرو اور قشتالیہ کو بھی ایک سے

Marfat.com

سے لے کر دوسرے سرے تک اپنی دھاک بٹھا دی۔ ان مہمات کے لئے ایک باضابطہ منظم فوج کی ضرورت تھی اور عبدالرحمٰن نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے پہلے ہی اس کی جانب پوری طور سے توجہ مبذول کر ڈالی تھی اس سے قبل تنخواہ دار بربری سپاہیوں نے جس کم ظرفی کا ثبوت دیا تھا اس کا تقاضا تھا کہ ایسا لشکر تیار کیا جائے جو مکمل طور پر حکومت کے زیر اطاعت ہو اور لالچ اور خود غرضی کی وجہ سے کبھی اس کا دامن نہ تھامے نہ کسی دوسرے کا۔ اس نے فوج کے افسر بہادر۔ شجاع۔ جری حوصلہ اور باہمت جوان مقرر کئے۔ پرانے امیروں کے مرتبہ میں بھی انہوں نے قطعاً دخل نہ دیا۔ ایک نیا ہی لشکر تیار کیا جسے فوج صقالیہ کہتے تھے۔ انگریزی میں جنہیں Slavs کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ کلیتاً انہیں کی تخلیق تھی۔ اور اس کا ذکر در تفصیل سے لازمی ہے۔

شروع میں لفظ سلاو یا صقالیہ ان قیدیوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ جو جرمنی قوم اسکلاوی قوموں پر فتح حاصل کر کے قید کر لیتے تھے۔ اور پھر اسپین میں لا کر ان کو بحیثیت غلام فروخت کر دیتے تھے۔ پھر بعد میں ہر قوم کے قیدی جو آکر فروخت ہونے لگے انہیں صقالیہ سلاو ہی پکارنے لگے۔ یہ لوگ شروع ہی سے سپاہی بنائے جاتے تھے۔ اور یہودی ان کا ختنہ وغیرہ کر کے خواجہ سرا یا زنخا کر دیتے تھے اور یہ لوگ پھر امراء اور پھر سلطان کے یہاں محلسراؤں میں بھی کام کرتے تھے۔ اور بادشاہ کی حفاظت کا کام بھی کرتے تھے۔ یہ لوگ اس قدر وفادار اور جاں نثار قسم کے ہوتے تھے کہ بہت جلد اپنے آقا کا اعتماد حاصل کر لیتے تھے۔ ان یہودیوں کو اس کام میں منفعت بہت ہوتی تھی اور وردون یہودی کا کارخانہ تو شہرت بھی رکھتا تھا۔ اور نفع بھی خوب کماتا تھا۔

ایک سیاح کے بیان کے مطابق یہ صقالیہ جو خلیفہ اندلس کی ملازمت میں تھے۔ جلیقیہ۔ فرانس۔ جرمنی۔ لمبارڈی۔ اٹلی وغیرہ سے لائے جاتے تھے۔ بعض کو بحری قزاق پکڑ لاتے تھے۔ بعض کو بردہ فروش تاجر بحر اسود کے شمالی ساحل اور ادھر ادھر سے خرید کر لے آتے تھے۔ جس وقت یہ اسپین میں بکتے تھے تو ان کی عمر زیادہ نہ ہوتی تھی۔ اپنے مالک کے طور طریقے رسم و رواج۔ بول چال نشست و برخاست کے آداب۔ غرض سب چیزیں سیکھ لیتے تھے کیونکہ بردہ فروشوں اور لٹیروں کے ہاتھوں ہر قسم کے ظلم سہتے تھے اس لئے اپنے آقا کی قربانیوں کو اعلیٰ نعمت سمجھ کر ان کو دل و جان سے عزیز رکھتے تھے اور اس کی خدمت میں اپنا تن من تک قربان کر دیتے تھے۔ ان میں بہت سے ذہین اور فطین بھی کمال حاصل کر لیتے تھے۔ ان میں بہت سے ذہین اور فطین بھی

Marfat.com

ہوتے تھے۔ وہ علم و ادب یا دیگر فنون کی طرف راغب ہو کر ان میں بھی کمال حاصل کر لیتے تھے۔ ان میں سے اکثر نے تو اتنا مرتبہ پایا کہ بڑے بڑے کتب خانے قائم کئے۔ شعر و سخن میں نام پیدا کیے اور دانا اور فہیم۔ یہ شخص حلیب نے ان کو خدمتگار سے سپاہی بنایا اور یہ مستعدی سے اس خدمت کو انجام دینے کے لئے بھی آمادہ ہو گئے۔ مورخین نے الناصر کے زمانے میں ان کی تعداد کے مختلف اعداد پیش کئے ہیں۔ کسی نے کہا کہ ۳۷۵۰ تھے۔ کسی نے لکھا کہ ۶۰۸۷ اور کسی کے بیان کے لحاظ سے ۱۲۷۵۰ گویا ان کی تعداد تو ہزاروں میں تھی مگر یہ لاکھوں پر اپنی بے جگری کی وجہ سے بھاری پڑتے تھے۔ الناصر نے ان کا مرتبہ اتنا بڑھایا کہ ان کو جاگیریں بخشیں۔ زمینیں اور جائدادیں عطا ہوئیں اور یہ خود اس قابل ہو گئے کہ غلام ہونے کے باوجود اپنی خدمت میں غلام رکھتے تھے۔ ۹۳۹ء میں جو لشکر بادشاہ لیون کے خلاف روانہ ہوا۔ جس میں خود خلیفہ بھی شامل تھے۔ اس کی عنان ایک صقالیہ نجرہ ہی کے سپرد کی گئی تھی۔

ان Slaves کے علاوہ باقاعدہ تربیت یافتہ فوج بھی تھی جس کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔ ان میں سے بارہ ہزار صرف قصر شاہی اور سلطان کی حفاظت پر مامور رہتے تھے۔ باقی جنگ کے موقع پر داد شجاعت دیتے تھے۔ یہ سپاہی بھی اتنے متمول ہو گئے کہ عیسائیوں کی طرح سے ان کی تلواروں پر ہیرے جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ ان میں شاہسوار بھی شامل تھے جو جنگوں میں اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر شریک ہوتے تھے۔ اور رسالہ Cavalry کہلاتے تھے۔ عبدالرحمن نے بری فوج کے علاوہ ایک زبردست بحری بیڑا بھی تیار کیا جس میں ۲۰۰ زبردست جنگی جہاز تھے۔ اور پچاس ہزار سے زیادہ سپاہ تھی۔ ان کا سردار امیر البحر کہلاتا تھا جو نہ صرف سواحل اندلس ہی کی حفاظت کرتا تھا۔ بلکہ افریقہ اور دوسرے علاقوں میں جا کر بحری جنگ میں بھی حصہ لیا کرتا تھا۔ اکثر موقعوں پر خلیفہ کے جہازوں نے فاطمیوں کے جہازوں یا ان کے حامیوں کے جہازوں پر حملہ کیا ان کا سازوسامان سب لوٹ لیا۔ ان کے علاوہ تجارتی جہاز بھی ایک ہزار سے زیادہ اس نے بنوائے تھے جو دنیا بھر میں یہاں کا مال لے جاتے تھے۔ اور اس کے عوض وہاں سے نادر الوجود اشیاء حاصل کر کے لاتے تھے۔ سمندری ہولتیں کچھ اس انداز سے صناعان اور مہندسین نے الناصر کے زمانے میں پیدا کر دیں تھیں کہ کیا تجارتی یا جنگی بیڑا سب کامیاب و کامران واپس آتے تھے۔ اور عبدالرحمن کو سمندر کا بادشاہ

تسلیم کرا دیتے تھے۔

اس عظیم المرتبت بادشاہ کے عہد میں ۳۸۰ میونسپلٹیاں تھیں جن کا طریقہ وہی تھا جو موجودہ دور کی میونسپلٹیوں کا ہوتا تھا۔ البتہ ان کا حسنِ انتظام آج کل سے کہیں زیادہ اچھا تھا۔ بے قاعدگی اور بے ضابطہ پن کا فقدان تھا۔ آمدورفت اور ٹریفک کا کرنے والی پولیس علیحدہ تھی۔ جگہ جگہ منزل بمنزل ڈاک کی چوکیاں۔ اور فوجی چوکیاں الگ قائم تھیں۔ ان کی ذمہ داریاں جدا جدا تھیں۔ مگر سب رعایا اور عوام الناس کی حفاظت اور سہولت کے لئے متعین تھیں۔ ڈاک لانے لے جانے کے لئے تیز رو گھوڑے تھے۔ جن کی رفتار اتنی تیز ہوتی تھی کہ آنکھوں پر تعجب آتا تھا۔

عبد الرحمٰن نے مملکت کا کوئی شعبہ بغیر تنظیم کے نہ چھوڑا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ فرد اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کا خیال بھی ایک طرح سے کیا جاتا تھا۔ قانون کا پنجہ سب کے لئے سخت تھا۔ اصول و ضابطے سب کے لئے یکساں طور پر اثر رکھتے تھے۔ کسی کو بھوکا نہ مرنے دیا جاتا تھا۔ کسی کو بے روزگار نہ رہنے دیا جاتا تھا کوئی صناع۔ کوئی معمار۔ کوئی کاریگر اپنا وقت فضول ضائع نہ کر سکتا تھا۔ ملک کے ہر حصہ میں ایسی تجویزیں عمل میں آیا کرتی تھیں جن سے بے روزگاری اور غربت باقی نہ رہے اور خوشحالی پھیلے۔ روز روز نئی عمارتیں بنتی تھیں۔ پل تیار ہوتے تھے۔ سڑکیں بنائی جاتی تھیں۔ نہریں کھودی جاتی تھیں۔ غرضیکہ فلاح و بہبود کے سارے کام ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ مجبور لوگوں۔ غریبوں۔ یتیموں بیواؤں کے لئے علیحدہ محکمہ جات بھی تھے۔ اور ادارے بھی جو ان کی رہائش روزی۔ کام تعلیم و تربیت سب کا انتظام کرتے تھے۔ ان کی تمام ضرورتوں کے کفیل ہوتے تھے۔ ایک دارالسلطنت ہی میں ایسے بہت سے ادارے تھے۔ جو بے ماں باپ کے بچوں اور بے شوہر کی عورتوں کی پرورش کرتے تھے۔ اور ان کو بادشاہ کے بچے یا اولادیں کہا جاتا تھا۔ کسی شہر میں کوئی تنگ حال خستہ حال اور پریشان نظر نہ آتا تھا۔ کسی کو بھیک مانگنے کی اجازت نہ تھی۔ اگر کوئی سہارا یا ذریعہ معاش نہ ہوتا تھا تو محتاج خانوں سے کپڑا اور کھانا لینے کا اذن عام تھا۔

ان کے علاوہ طبی امداد کی جملہ سہولتیں موجود تھیں۔ شہر میں ماہر جراح۔ ڈاکٹر۔ طبیب سب موجود تھے۔ جو غربا کا شاہی خرچ پر علاج کرتے تھے۔ یہ شفا خانوں سے متعلق تھے۔ اور ذاتی پریکٹس بھی کرتے تھے۔ ان کو سرکار سے معقول مشاہرہ ملتا تھا۔ سرکاری شفا خانوں میں

Marfat.com

دوائیں مفت تقسیم کی جاتی تھیں۔ اور علاج میں کوتاہی برتنے پر سخت تنبیہ ہوتی تھی حکیموں، طبیبوں کو یہ حکم تھا کہ علاج کے معاملہ میں غریب اور امیر کو یکساں سمجھیں اور سب کا حسب ضرورت توجہ سے معالجہ کریں۔

مورخین کا کہنا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں سینکڑوں تعلیمی ادارے خوش اسلوبی سے کام انجام دے رہے تھے۔ جن میں تعلیم حاصل کرنے والوں سے کوئی فیس نہ لی جاتی تھی۔ بلکہ غیر مستطیع طلباء کو وظائف بھی دیئے جاتے تھے۔ جو اعلیٰ تعلیم کے خواہشمند ہوتے تھے ان کو بھی حوصلہ کے مطابق مدد ملتی تھی۔ جو علمی تحقیقات اور تجسس کے شوقین ہوتے تھے انہیں سرکاری معاونت بہم کی جاتی تھی۔ کتابوں کی اشاعت کی ذمہ داری حکومت کی تھی۔ لکھنے والوں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ان کو معاوضہ بھی۔ لکھنے والوں کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ ان کو معاوضہ بھی دیا جاتا تھا اچھی تصنیف پر اور انعامات بھی ملتے تھے۔ مہندسین اور ماہرین نجوم اور طب کے تجربات کے لئے رصد گاہیں تھیں۔ جن میں ہر قسم کے تجربات کئے جا سکتے تھے۔ اس قسم کی محنت کرنے والوں کو ہمیشہ وظائف اور انعامات دونوں دے کر حوصلہ بڑھایا جاتا تھا۔ خود بادشاہ کا دماغ ہمیشہ اسی قسم کے تجربات کیا کرتا تھا۔ جو چیز زیادہ تحیّر میں ڈالتی ہے وہ عمارتیں ہیں جن کو عبدالرحمٰن نے تعمیر کرایا۔ بلکہ وہ دماغ جو جدت، ندرت، نفاست، اور حیرت انگیز چیزیں سوچ کر عمارتوں کی شان کچھ سے کچھ کر دیتا تھا۔ جزوی سے جزوی اور اعلیٰ سے اعلیٰ بات ہر منصوبے کی تکمیل کے لئے ان کے دماغ سے نکلتی تھی۔ یہ اس شخص کا ذہن تھا جس نے تمام دانشمندیوں کو بروئے کار لاکر قوم کے منتشر اجزاء کو یکجا کیا۔ باغیوں کو مطیع بنایا۔ وسائل دولت و ثروت میں اضافہ کیا مختلف سلطنتوں سے اتحاد پیدا کیا۔ مختلف ریاستوں کو زیر نگیں کیا۔ مذہبی رواداری کی بدولت دوسرے مذہب والوں کو اپنا دوست اور ہمنوا بنایا۔ اس کی قوت، سطوت اور ذہانت عقل انسانی کی سمجھ سے باہر تھی۔ انھوں نے اپنی شوکت کے ساتھ ساتھ شوکتِ اسلامی کو بھی چار چاند لگا دیئے جس کے نتیجہ میں خدا نے بھی ان کو نوازا اپنی عنایات کی بارش کر دی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں وہ انتہائی بلند خیال اور بلند فہم بادشاہ تھے جفاکشی اور محنت کا تو یہ عالم تھا کہ صرف چودہ دن انھوں نے اپنی پچاس سال سات مہینہ اور تین دن کی حکومت میں اطمینان سے گزارے ورنہ وہ تمام وقت اور تمام عمر اپنی سلطنت کے انتظام اور توسیع اور اپنی رعایا کی خدمت میں ہی بسر کرتے رہے۔ کبھی اپنے عیش و تنعم اور آرام کی فکر نہ کی نہ اپنی صحت کا ہی خیال رکھا۔ وہ حقیقتاً عہد وسطیٰ کے ایک عظیم الشان بادشاہ ہی نہ تھے بلکہ ہر دور میں ہونیوالے بڑے آدمیوں میں انکا مرتبہ بڑا ہی رہیگا۔

Marfat.com

باب (۴۶)

الحکم ثانی، المستنصر باللہ

۲۰-اکتوبر ۹۶۱ء تا ۱-اکتوبر ۹۷۶ء

۵-رمضان ۳۵۰ھ تا ۲-صفر ۳۶۶ھ

عبدالرحمٰن الناصر جیسے رفیع المرتبت بادشاہ کے مرنے کے بعد ان کے ہر دلعزیز بیٹے الحکم
یم ۵-رمضان ۳۵۰ھ یا ۲۰-اکتوبر ۹۶۱ء میں اندلس کے تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور
ہوں نے المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا۔ تخت نشینی کے دن ایک مخصوص دربار منعقد کیا گیا۔
ں میں تمام عمائدین اور اکابرین سلطنت۔ ارکانِ حکومت۔ فوج اور سپاہ اور غلام و کنیز زرق
ق لباس پہنے نئے ہتھیار جسموں پر سجائے جواہر نگار لبادے پہنے نذرِ عقیدت پیش کرنے اور نئے
دشاہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے موجود تھے۔ علی الصباح جیسے ہی شعاعِ مہر نے کرۂ ارض کو تنویر
شی۔ تاریکی اور ظلمت چھٹی کہ رسومات تاجپوشی ادا ہونی شروع ہو گئیں۔ نمازِ فجر سے فارغ ہونے
ے بعد الحکم نے سب سے پہلے فوج کا معائنہ کیا اور ان کی سلامی لی۔

Guard of Hon اس کے بعد قصرِ شاہی میں دربارِ عام کی زینت بڑھانے پہنچے۔
خت کو بیش قیمت جواہرات اور دیبا و حریر سے سجایا گیا۔ اس پر خلیفۃ الوقت متمکن ہوئے۔ سامنے

Marfat.com

شاہی خاندان کے افراد۔ شہزادگان۔ رشتہ داران اپنی حیثیت اور منصب کے مطابق اعلیٰ لباس پہنے دربار کی رونق میں اضافہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد امرائے سلطنت۔ ارکانِ دولت حسبِ مراتب و حیثیت اپنی اپنی نشستوں پر رونق افروز تھے۔ پیچھے ملازمین شاہی دریائے جواہر میں غرق مؤدب حاضر تھے خلیفۃ المسلمین کے برادرِ خورد ابو مروان۔ عبداللہ الاصغی اور عبدالعزیز ایک روز سے حاضر نہیں ہوئے تھے۔ ان کو جعفر ابن عثمان الملقب بہ المصحفی کے ذریعہ بلوایا گیا۔ میں موسیٰ ابن احمد کو بھی اسی غرض سے روانہ کیا گیا۔ کہ فوراً جس حال میں بھی ہوں انہیں پیش کر تعمیل ارشاد ہوئی۔ یہ شہزادگان بھی شرمندگی اور ندامت، سے پُر تخت خلافت جس پر سونے چتر سایہ فگن تھا۔ سامنے پہنچ کر طالبِ معافی ہوئے اور آیندہ وفادار رہنے کی قسم کھائی جب وقت یہ رسم تاجپوشی ادا ہو رہی تھی۔ سارے دربار میں سناٹا چھایا ہوا تھا ایک عجیب و جلال ٹپک رہا تھا۔ قصر شاہی کے دروازے سے لے کر دربار تک دونوں طرف سلطان کی خاص فوج چمکیلے چمکیلے خود و زرہ بکتر پہنے زر و جواہر سے مزین تلواریں ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ چپ و راست زنگیوں کا رسالہ بھی صف بستہ تھا۔ باہر سڑک پر فوج موجود تھی۔ اس علاوہ سارے شہر کو ساز و سامان آرائش سے خوب ہی سجایا گیا تھا۔

رسم بیعت کا آغاز اس طرح ہوا کہ پہلے شہزادے بڑھے۔ سونے کی اشرفیوں اور جواہرات کو پیش کر کے عقیدت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد بھائیوں نے نذریں پیش کیں۔ پھر اور شاہی خاندان کے افراد نے اس کے بعد امرائے سلطنت۔ ساتھ ہی ساتھ بیعت بھی ہوتی جاتی تھی۔ ان سب کے بعد قائدِ فوج۔ امیر البحر اور دیگر افسرانِ فوج نے حلفِ وفاداری اٹھایا حسب منصب نذریں گزاریں۔ عوام کے لئے ایک علیحدہ کمرہ تھا جس میں عیسیٰ ابن خسطیس بیعت لے رہا تھا۔ یہ سلسلہ بڑی دیر تک جاری رہا۔ جب بیعت کی رسم تکمیل پاگئی۔ تو سوائے شہزادوں اور وزیروں سب کو واپس جانے کی اجازت بخشی گئی۔ وہ لوگ حسب الحکم قصر الزہراء ہی میں موجود رہے جشن شروع ہوا۔ شاہی دسترخوان بچھا اور ضیافت کا انتظام ہوا۔ باہر غرباء و مساکین کو لباس اور کھانا تقسیم کیا گیا۔

ازراہِ عنایت و مروت پچھلے اراکین سلطنت اور وزراء کو ان کے پچھلے عہدے پر برقرار

Marfat.com

ا گیا۔ جعفر صقلبی کو حاجب مقرر کیا گیا اسے ایک خلعتِ فاخرہ عطا ہوئی۔ اس نے
ی نذرِ عقیدت اس طرح پیش کی کہ ایک رسالہ فرانسیسی سپاہ کا جو مسلح اور آراستہ
۔ تین سو بیس مختلف النوع اعلیٰ قسم کے زرہ بکتر۔ تین سو Helmet خود آہنی اور پچاس
چوبی۔ تین سو یورپ کے کارخانوں میں تیار شدہ شمشیریں۔ ایک سو سلطانیہ ڈھالیں۔ اور
ی زرہ بکتر خالص چاندی کے طلائی ملمع شدہ حضور خلیفہ کے پیش کئے۔ ابنِ حیان نے جو تفصیل
ل تحفہ کی لکھی ہے۔ اس میں یہ چیزیں اور شامل ہیں۔ سوزینِ طلائی سے آراستہ گھوڑے۔
لواریں ہندوستان کی بنی ہوئی۔ تین سو فرانسیسی ہتھیار۔ دس جوشن نقری ملمع شدہ بعض یول
۲۵ سینگ۔ جن پر سونا چڑھا ہوا تھا اس کے علاوہ متعدد ہندوستانی ٹوپیاں اور خود۔
رے اور دیگر قسم کے اسلحہ۔

الحکم کا انتخاب تختِ خلافت کے لئے انتہائی موزوں اور مناسب تھا۔ الناصر کی تمام
ت اور شفقت ان کے اوپر ابتدا ہی سے رہی تعلیم و تربیت کسی طرح بھی چشم پوشی نہیں کی گئی۔
لس اور بیرون اندلس کے جتنے بڑے بڑے علماء۔ فضلاء۔ شعراء تھے ان کو صرف خاص سے
ر ولیعہد سلطنت کا اتالیق اور استاد مقرر کیا۔ ان عالموں اور فقیہوں کی اتنی بڑی
سداد شہزادے کے اردگرد جمع ہو گئی تھی کہ خود بادشاہ بھی ان کے نام یا صورتوں سے آشنا
تھے۔ حتّٰی کہ جب شاہ قسطنطنیہ کی سفارت کو شرفِ باریابی بخشا گیا اور اس دربار میں جو عالم
نِ مثین موجود تھے۔ ان میں جب منذر بن سعید البلوطی نے فی البدیہہ تقریر کی تو بادشاہ کو
زراہِ تعجب ولیعہد سے پوچھنا پڑا کہ یہ کون بزرگ ہیں گویا الناصر کی توجہ تو اپنے بیٹے کی طرف
ی ہی۔ مگر خود ان کا میلان طبع بھی اس جانب فطری اور اعتدال سے بڑھا ہوا تھا۔ یہی
جہ تھی کہ ابھی وہ عنفوانِ شباب ہی میں تھے کہ تمام علوم و فنون میں کامل دستگاہی حاصل
رلی۔ پچیس برس کے ہوتے ہوتے تو اصولِ سپہ گری۔ شہ سواری میں بھی مہارت کلی حاصل
رلی۔ یوں انسانیت۔ اخلاق۔ بہادری کا ایک اعلیٰ نمونہ بن گئے۔

مورخین سب اس بات پر متفق ہیں کہ جتنا شوق و ذوق علم و ادب کا الحکم کو تھا اس
سے پہلے کسی اموی بادشاہ کو نہ رہا باپ کی لائبریری میں جتنی کتابیں موجود تھیں ان کا انہوں
نے بالاستیعاب مطالعہ کر لیا تھا اکثر حاشیوں پر اپنی رائے اور نوٹ بھی لکھ ڈالے تھے جب
ود مسندِ آرائے حکومت ہوئے تو اس ذوق کی تکمیل میں کوئی حد باقی نہ رکھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ

اعلیٰ درجہ کے شاعر اور ادیب تھے۔ فلسفہ فقہ اور کلاسیکی ادب پر وہ سند سمجھے جاتے تھے۔ ان
نے دربار سے بڑے بڑے علماء اور شعراء کو منسلک کیا۔ دور دراز سے کتابیں منگوا کر قرطبہ
لائبریری کو دُنیا بھر میں مثالی بنا دیا۔

عبدالرحمٰن کا پچاس سالہ دورِ حکومت اتنا طویل تھا کہ الحکم کو حکومت کی خواہش کم ہو
گئی اور انہیں نظری ذوق کا تکملہ مشغلہ خصوص بن گیا۔ عمر کے آخر حصہ میں جملہ کاروبار ان کے
اوپر ہی آپڑا تھا الناصر خود ضعیف ہو چکے تھے۔ اسی وجہ سے وہ امورِ سلطنت میں بھی ماہر ہو گ
ان کی عمر ۴۸ سال کی تھی جب تخت پر بیٹھے۔ اس لئے وہ ہر لحاظ سے ایک پختہ کار اور آزمو
کار امیر سلطنت تھے۔ جوانی کی امنگوں کے شعلے راکھ بن چکے تھے۔ بہبودی عوام ان کا مقصد
حیات بن چکا تھا۔ مزاج میں رنگینی کی بجائے متانت اور سنجیدگی آگئی تھی۔ فطرت میں سعادت
جگہ پر بُردباری اور علم سرایت کر چکا تھا۔ عقل وفہم کے ساتھ ساتھ تجربہ بھی انتہائی وسیع ہو چکا تھا
گویا وہ ایک جامع اور مکمل انسان تھے۔ جب اُندلس کی عنانِ حکومت ان کے ہاتھ میں آئی

نصرانی ریاستیں

عیسائی ریاستوں کا یہ کچھ طریقہ سا ہو گیا تھا کہ جب کوئی بادشاہ اندلس
مرتا تھا تو وہ اس کی عنایات اور الطافِ خسروانہ کے باوجود جو
اس کے حال پر رہی ہوں گی اس کی موت پر خوش ہوتے تھے۔ اور عہدِ گزشتہ میں
کئے ہوئے تمام معاہدوں سے منحرف ہو کر بغاوت اور شرارت پر آمادہ ہو جاتے تھے
چنانچہ عبدالرحمٰن کی موت پر بھی ان کو ذرا سا افسوس نہ ہوا بلکہ اظہارِ مسرت کیا اور ٹھان
لی کہ جو عہد نامے اس کے ساتھ ہوئے تھے وہ سب کے سب منسوخ۔ الحکم کے متعلق تو ان
کو یہ اندازہ تھا کہ اس میں جوشِ جہاد اور جرأتِ جنگ ہے ہی نہیں۔ اس کا رجحان اور میلان تو
کتابوں کی طرف ہے تلوار کیا اٹھا سکے گا۔ اسی نظریے کے ماتحت انہوں نے افسوں سازی
پھیلانا اور زور بغض وعناد دکھانا شروع کیا۔ الحکم ابھی پوری طرح معاملات ملکی سمجھ بھی نہ پا
تھا کہ اہلیانِ گلیشیا (جلیقیہ) نے مسلمانوں کے علاقوں پر حملہ کر کے لوٹ مار کرنا شروع
کر دی۔ یہ چیز شاید توجہ کو اپنی طرف اتنی جلد منعطف نہ کر لیتی مگر جب شانجہ شاہ لیون کو کہ جس کو
تخت ہی عبدالرحمٰن کی کوششوں سے ملا تھا اور بے ہنگم مٹاپے سے بھی نجات اسی کی مہربانی
سے حاصل ہوئی تھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ از روئے عہد وپیمان تمام سرحدی قلعے (جن کا ذکر عہد نامہ
میں آ چکا تھا) بادشاہ کے سپرد کرے اور گارنزلیز کو جو اس کی قید میں تھا مگر شاہی قیدی کی حیثیت

Marfat.com

[سک]تا تھا۔ اس کو دارالخلافہ روانہ کرے۔ شانجہ نے نشۂ غرور میں چور ہو کر اس حکم کی اہانت [اس] طرح کی کہ تمام قلعوں کو اپنے ہی قبضہ میں رکھا۔ اور گانزلیز کو نہ صرف رہا کر دیا بلکہ اُسے مجبور کیا [کہ] اپنے داماد اردون چہارم کو جسے مسلمانوں کی امداد سے لیون کی ریاست سے بھگا دیا گیا تھا [جس] قدر تنگ کر سکتا ہے کرے۔ اردون جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اس وقت برگس [Burgos] میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ مقیم تھا۔ گانزلیز نے اسے قشتالیہ سے نکل جانے کا [حک]م دیا اور اس کے اہل و عیال کو اس سے جدا کر دیا۔ اپنی بیوی یورا کہ اور دونوں بیٹیوں سے [علیح]دہ کرا کر اُسے زبردستی اسلامی ریاست میں ایک فوجی دستے کی نگرانی میں بھیج دیا گیا۔ یہ گویا [کھ]لی بغاوت کا مظاہرہ تھا۔

اس کی دیکھا دیکھی والیانِ نبرہ اور قشتالیہ نے بھی سرکشی پر کمر باندھی اور احاطۂ اطاعت [س]ے باہر نکل گئے الحکم نے جو واقعی سلطنت کی بیشتر ذمہ داریاں جعفر صقلبی کے سپرد کر کے کتابوں [می]ں غرق ہو گیا تھا۔ اب تلوار اٹھانے کا عزم کر لیا۔ کتابوں کی ورق گردانی ختم کر دی محرم [۳۵۲]ھ میں تمام حاکمانِ صوبہ کو یہ حکم بھیجا کہ وہ سرحدی ریاستوں پر حملے کی تیاری شروع [ک]ریں۔ بقول علامہ مقری خلیفہ خود بہ نفس نفیس دارالخلافہ سے ایک لشکر جرار کے ساتھ نکلے [او]ر گانزلیز کی ریاست کے شہر شنت اشتبین پر فروری ۹۶۲ء میں حملہ کیا۔ گانزلیز نے [مق]ابلہ کی طاقت نہ دیکھ کر راہ فرار اختیار کی۔ الحکم نے قلعہ کو منہدم کرا دیا۔ دوسری نصرانی ریاستو[ں] [نے] بھی جب دیکھا کہ ایک عالم میدانِ جنگ میں شجاعت اور بہادری کے کارنامے دکھا سکتا [ہ]ے تو بھیگی بلی کی طرح خاموش ہو گئے۔ حکم فتحیاب قرطبہ واپس آ گئے۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ان مفسدین کی پھر رگِ شرارت پھڑکی اب حاکم سرحد و فوج غالب [ک]و یہ حکم نامہ بھیجا گیا کہ وہ فوراً ان کی سرزنش کے لئے اپنے لشکر کو جنبش میں لائیں۔ تعمیل حکم [ک]رتے ہوئے انہوں نے فوراً بلاد جلیقیہ پر حملہ کر دیا۔ جب دارالحرب مدینہ سالم پہونچے تو معلوم ہوا [ک]ہ عیسائیوں کا ایک زبردست لشکر دوگنی تگنی طاقت کے ساتھ مقابلہ کو آ رہا ہے۔ انہوں نے [چن]د روز وہاں توقف کیا سوچا کہ مزید کمک طلب کریں مگر پھر غیرت نے اس پر آمادہ نہ کیا۔ ہر چہ [ب]ادا باد کہہ کر مقابلہ کے لئے ڈٹ گئے۔ خدا نے فتح و نصرت بخشی۔ اس فتح پر قرطبہ میں خوب خوشیاں [م]نائی گئیں۔

شانجہ میں رومیر و شاہ لیون جس نے عہد شکنی کی تھی اس کے خلاف لیلی بن محمد بن

Marfat.com

التجیبی کو روانہ کیا گیا ۔ یہ اس وقت حاکم سرقسطہ تھا ۔ اس کے حملہ کی خبر جب شانجہ کو پہونچی تو اس نے بادشاہ جلیقیہ سے مدد طلب کی ۔ وہ فوراً ایک مسلح لشکر لے کر اور گرانقدر رقم کے ساتھ اس کی مدد کو آپہونچا ۔ پھر دونوں فوجیں مل کر مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے بڑھیں التجیبی نے متحدہ فوجوں کو تورنیہ کے مقام پر وہ شکست دی کہ دانت کھٹے ہو گئے ۔ فوراً بھاگ کر اپنے علاقوں میں دبک کر بیٹھ گئے ۔ التجیبی واپس لوٹ آیا ۔

اسی اثنا میں یہ خبر آئی کہ والیان برشلونہ اور قشتالیہ نے پھر بغاوت کر دی اور پچھلی ہزیمتوں کو بالکل بھول گئے ۔ الحکم نے فوری کارروائی کو مناسب سمجھتے ہوئے اور گربہ کشتن روز اول مصداق التجیبی کو تو برشلونہ کے خلاف بڑھنے کا حکم دیا ۔ دوسرے امیر لشکر ہذیل بن ہاشم اور آزمودہ کار جنرل غالب کو گانزلیز کے خلاف فوج کشی کا حکم دیا ۔ ان فوجوں نے شاندار فتوحات حاصل کیں اور جو فرائض ان کے سپرد کئے گئے تھے اُن کو خوش اسلوبی سے بجا لائے مسلمان فوجوں کے قدم ہر جگہ کامرانی نے چومے ۔ بغاوتوں کا استیصال ہو گیا ۔

مگر پتہ نہیں یہ نصرانی کس خمیر کے بنے ہوئے تھے ۔ شکستیں کھاتے تھے ۔ پٹتے تھے ہزیمتیں اُٹھاتے تھے مگر جہاں مسلمانوں کی پشت پھرتی پھر سرکشی پر آمادہ ہو جاتے اور مسلمان رعایا کو ستانا شروع کر دیتے ۔ حالانکہ خود مسلمان کبھی اس کو نہ ستاتے یا بلا وجہ چھیڑ چھاڑ نہ کرتے ۳۵۷ھ میں ان لوگوں نے پھر سر اُٹھایا لہذا ان کے خلاف اقدام اُٹھانا ناگزیر ہو گیا ۔ سب سے پہلے غالب نے لیون کے علاقہ میں قلمریہ کے مقام پر نصرانیوں کو پچھاڑا ۔ اور اس شہر پر پوری طرح قبضہ کر لیا ۔ الحکم کے حکم سے اس کو از سر نو آباد کیا ۔ اور وہاں مسلمانوں کے خاندانوں کو زمینیں عطا کر کے بسایا گیا ۔ اس خیال سے کہ یہ لوگ اپنے حریف اور مدمقابل پر غالب رہیں ۔ اس کے بعد دوسرا شہر قلوبیہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا ۔ یہاں پر بہت زیادہ مال غنیمت سامان رسد ۔ ہتھیار ۔ گھوڑے اور مویشی ملے ۔ یہ شہر دراصل امیر دشقہ Heeseaa کے ہاتھوں فتح ہوا تھا ۔

ان اہم فتوحات کے بعد غالب ۔ یحیٰی بن محمد التجیبی اور قاسم بن مطرف بن ذوالنون شہر الیدا Alvada کی طرف راغب ہوئے قلعہ اشتبان غرماز STsTevandegomaz پچھلی افراتفری میں عیسائیوں کے قبضہ میں چلا گیا تھا ۔ فتح کر لیا ۔ یہاں بھی مسلمان کافی تعداد میں بسا دیئے گئے ۔ یہ سب کچھ تو ہو ہی رہا تھا ۔ قرطبہ میں ایک عیسائی بادشاہ اپنی جبہ نیاز مندیوں کے

Marfat.com

ساتھ حاضر ہوکر نئی اُمیدیں باندھ رہا تھا۔

اردون چہارم کا قرطبہ میں داخلہ

ہم یہ پہلے ہی لکھ آئے ہیں کہ جب شانجہ نے نقضِ امن کا ارادہ کیا تو گانزیلز کو رہا کر کے اس کے ہاتھوں اسی کے داماد اردون کو ملک بدر کردیا۔ یہ بے چارہ اپنے بیس دیرینہ وفاداروں کے ساتھ مسلمانوں کی ریاست میں داخل ہوا اور شہر مدینہ سالم میں پناہ لی۔ یہ وہ وقت تھا جب یہاں کے حاکم غالب کو نصرانیوں کے خلاف تلوار اُٹھانے کا حکم ملا تھا۔ ہر طرف جنگ کی تیاریاں جاری تھیں۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ اگر شانجہ اور گانزیلز سے اپنی ذلت کا بدلہ لیا جا سکتا ہے تو صرف اسی طریقہ سے کہ کسی طرح مسلمانوں کی حمایت حاصل کی جائے کیونکہ اس سے قبل بھی شانجہ کو تخت پر بحال کرنے میں مسلمانوں ہی کی امداد شامل تھی۔ اس نے اپنے مدعا کا اظہار دبے دبے لفظوں میں غالب سے کیا اور اس سے خلیفہ کے حضور جانے کی خواہش کی۔ غالب اپنے طور پر کسی وعدہ کا اہل نہ ہوسکتا نہ اس کو قرطبہ ہی روانہ کرسکتا تھا۔ تا وقتیکہ وہاں سے اجازت باریابی نہ حاصل ہوجائے لیکن یہ خوب سمجھتا تھا کہ اس افتراق و اختلاف میں مسلمانوں کی بہتری ہی پنہاں ہے۔ جملہ حالات سلطان کو لکھ بھیجے جو خود اسی دوران میں جہاد سے واپس آیا تھا۔ غالب کو یہ اجازت تو دیدی گئی کہ اردون بن الفانسو کو قرطبہ پہنچا یا جائے مگر کسی صاف وعدے یا مدد کی کوئی خاص اُمید نہ دلائی جائے۔

غالب کو یہ حکم ملا تو وہ اپریل ۹۶۲ء ربیع الاول ۳۵۱ھ میں اردون چہارم کو اس کے چچیرے بھائی شانجہ بن رامیرو (Ramero) کے خلاف تخت حاصل ہوجانے کی اُمیدیں لیکر چلا۔ راستہ میں سلطان کی طرف سے ایک مسلح فوجی دستہ ملا جس کو یہ حکم تھا کہ نہایت تعظیم اور تکریم کے ساتھ اردون اور اس کے ساتھیوں کو دارالخلافہ تک لائیں۔ جب شہر قریب آیا۔ تو ایک اس سے بھی زیادہ بڑی اور آراستہ فوج استقبال کے لئے ملی جس نے ہر ممکن کوشش عزت بجالانے [illegible] نزول بادشاہ کا دل موہ لینے کی کی۔ اردون اور اس کے ہمراہیوں کی خوشامد اور تعظیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ پھر ہشام اور المصحفی خیرمقدم کے لئے پہونچے۔ جب یہ قافلہ قرطبہ میں پہونچا تو اردون نے عبدالرحمٰن کا مقبرہ معلوم کیا اور وہاں پہونچکر ٹوپی سر سے اُتار کر دو زانو بیٹھ کر بڑی دیر تک اپنی عقیدت کا اظہار کیا اور اس کے حق میں دعائے مغفرت مانگی۔

قرطبہ میں اس دعویدار ریاست یلوں کو قصر ناعورہ میں ٹھہرایا گیا۔ دو دن تک تکان دور کرنے کی مہلت دی گئی۔ تاکہ مکمل آرام حاصل ہو جائے اس کے بعد دربار میں حاضر ہونے کا حکم پہنچا۔ خلیفہ نے اپنے وسیع ملک۔ بے اندازہ وسائل اور حشمت کا سکہ بٹھانے کی غرض سے ایک خاص دربار منعقد کیا کہ جس کا ذکر مردوان ابن حیان نے پوری تفصیل سے کیا ہے۔

اردون کو ایک خلعت مخصوص بھجوائی گئی جس کا رنگ سفید تھا یہ امیوں کا علامتی رنگ تھا۔ یہ لباس پورا کا پورا دیبائے سپید کا تھا اور اس پر موتی اور جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ سر پر ایک رومی کلاہ تھی جس میں بھی زرنگار جواہرات سجے ہوئے تھے۔ اور اس کا رنگ بھی سپید تھا۔ قصر ناعورہ سے لے کر الزہرا تک امرا، فوج اور سپاہ نئے ساز و سامان سے لیس بھڑکیلی چمکیلی وردیاں پہنے عجیب شان اور طنطنے سے کھڑی ہوئی تھی کہ ان کی شان و شوکت دیکھ کر جگر پانی ہوا جاتا تھا۔ اردون اور اس کے ہمراہی تو بالکل حواس باختہ ہوئے جا رہے تھے۔ اس دن دربار بتوجہ خاص نادر اور بیش بہا اشیاء سے سجایا گیا تھا۔ تکلف اور آسائش کی ہر چیز وہاں موجود تھی اس کی زینت بڑھانے کے لئے دوسرے شہروں سے بھی امراء اور روسا اپنی پوری جاہ و حشمت کے ساتھ طلب کئے گئے تھے۔ ان میں مخصوص ذات ولید بن خزران جو عیسائی امیر تھا اور پادری بھی۔ اور طلیطلہ کا پادری عبید اللہ بن قاسم کی تھی۔ وہ لوگ اردون سے پہلے جا کر آداب شاہی اور قواعد دربار سے مکمل طور پر آگاہ کیا۔

جس وقت اردون اپنی جائے قیام سے روانہ ہوا۔ راہ میں نوجوں کو لباس فاخرہ پہنے کھڑا دیکھا۔ ہر چہار طرف عجیب و غریب طرز کی آراستگی ملاحظہ کی تو بالکل وحشت زدہ ہو گیا مارے ڈر کے وہ اس کے ساتھی سینہ پر نشان بنانے لگے کہ مسیح آ کر ان کی مدد کرے۔ جب الزہرا کے پھاٹک پر پہنچے تو بجز اردون اور سب سردار پیادہ پا ہو گئے۔ باب الزہرہ پر پہنچ کر عیسائی سردار بھی گھوڑے سے اتر پڑے صرف اردون سوار رہا یا اس کا نقیب ابن قملس آگے بڑھ کر جب یہ لوگ صحن میں پہنچے جو ان لوگوں کی نشست گاہ اور جہاں کبھی شانجہ منتظر کھڑا رہا تھا۔ اردون بھی گھوڑے سے اتر پڑا۔ تھوڑی دیر وہاں ان سب کو انتظار کرنا پڑا۔ گویا یہ سستانے کی مہلت دی گئی تھی۔ جب پسینہ خشک ہوا۔ اور وحشت ذرا کم ہوئی تو ایوان میں داخل ہونے کا حکم ملا۔ جہاں تخت طلائی پر جو پر تکلف طرز سے مرصع تھا۔ اور چتر گوہر نگار سایہ فگن تھا۔ اس پر خلیفہ الحکم جلوہ فرما بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں میں قاضی القضاۃ منذر بن سعید بھی

Marfat.com

ے اور دیگر فقہائے زمانہ اور علمائے یگانہ بھی۔

اردون تختِ خلافت کی طرف آہستگی سے بڑھا اور اس پر ایسا رعب چھایا ہوا تھا کہ مشکل
م چند قدم چلتا اس کے بعد زمین بوس ہوتا۔ ہرچند کہ ایسی زمین بوسی مسلمانوں کے یہاں
ائز نہ تھی۔ مگر خلیفہ ضبط کئے اس کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔ تخت کے قریب جب اردون
ونچا تو الحکم نے از راہِ مروت و شفقت اپنا ہاتھ بڑھا دیا جس کو اردون نے تمام ادب کے
ساتھ بوسہ دیا آنکھوں سے لگایا۔

پھر پیچھے ہٹا اس احتیاط کے ساتھ کہ خلیفہ کی طرف پیٹھ نہ ہو جائے۔ اور پھر دیبائے
لائی اور مسجع مسند پر جو اس کے لئے تخت سے پانچ گز کے فاصلہ پر بچھائی گئی تھی بیٹھ گیا۔
ہر گفتگو شروع ہوئی۔ ترجمانی عیسائیوں کا قاضی ولید بن خزران کر رہا تھا۔

پہلے خلیفہ نے اردون کو اس کی آمد پر مبارکباد دی اور یہ یقین دلایا کہ وہ اس کا بہی خواہ ہے۔
ور اس کا وعدہ کیا کہ اسے طلب سے بھی زیادہ دے گا۔

یہ سنکر اردون کا چہرہ کھل اٹھا۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر تخت کی سیڑھیوں پر جو قالین بچھا
تھا اس کو چوما۔ اپنے کو بحیثیت غلام ظاہر کیا اور مراحمِ خسروانہ کا ملتجی اور امیدوار ٹھہرایا۔

الحکم کا ارشاد گرامی ہوا کہ وہ لائق التفات ہے کہ اسے تمام اس کے ہم مذہبوں پر فضیلت
و برتری دی جاتی ہے۔ اس کا یہ فعل مستحسن ہے کہ اس نے بادشاہ کے دامن میں پناہ ڈھونڈی۔

اردون ایک بار پھر زمین بوس نیازمندی بجالایا اور خلیفہ پر ساری دعا بھیج کر بولا "کہ چند سال
بیشتر اسی بارگاہ سے میرے چچازاد بھائی شانجہ کو اس کی درخواست پر مدد ملی تھی۔ ہرچند کہ
وہ اس کا مستحق نہ تھا۔ جیسا کہ اس نے اپنے سرکشانہ اور باغیانہ رویئے سے ظاہر کر دیا۔
اس کی اور میری حالت میں جو فرق ہے وہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ شانجہ اپنی رعایا میں بدنام اور
غیر مقبول تھا۔ انہوں نے اس کو تخت سے ہٹا کر مجھ کو تخت نشین کیا تھا۔ مگر وہ مرحوم الناصر کی توسط
سے اپنی رعایا اور عوام کی مرضی کے خلاف پھر اس تخت پر قابض ہو بیٹھا۔ بعد میں جو شرائطِ معاہدہ
تھیں ان کو بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچایا۔ لہٰذا میں لائقِ اعتبار اور مستحق عنایاتِ خسروانہ
ہوں۔"

یہ درخواست سن کر الحکم نے اپنی پوری اعانت کا وعدہ فرمایا اور ایک تحریری معاہدہ
کے بعد فوجی امداد کا بھی یقین دلایا۔ اس کے بعد دربار برخواست ہوا۔ اردون رخصت ہو کر

Marfat.com

دوسرے کمرے میں پہونچا تو خواجہ مرادُون سے بلا تکلف بولا کہ دربار کی شان وشوکت اور عظمت دیکھ کر اس کے حواس بجا نہ رہے تھے۔ اس کمرے میں جب ایک کُرسی پر اس کی نظر پڑی اور دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ کبھی اس پر خلیفہ بیٹھا کرتے تھے۔ تو اس کو بھی بڑھ کر دوزانو ہو کر چُوم لیا۔ اس کے بعد خواجہ سرا اس کو جعفر مقلبی وزیر اعظم کے حضور میں لے گئے یہاں بھی اس نے جُھک کر جعفر کے ہاتھ کو چُومنا چاہا۔ مگر اس نے منع کر دیا کہ بادشاہوں کو وزیروں کے ہاتھ پر بوسہ دینا زیب نہیں دیتا۔ پھر اس سے بغلگیر ہو گیا۔ بعد ازاں اردون اور اس کے ساتھیوں کو خلعت عطا کیا گیا اور ایک گھوڑا جس کا ساز و سامان اعلیٰ قسم کا تھا۔ اس پر سوار ہو کر یہ پھر اپنی جائے رہائش قصر ناعورہ میں واپس لوٹا۔ جہاں کچھ دنوں بعد ایک عہد نامہ پیش کیا گیا جس کی رُو سے سلطان کی جانب سے اس کو تخت لیون دلانے کی پوری کوشش کا یقین دلایا گیا تھا اور اس کو ہمیشہ سلطنت قرطبہ کے وفادار اور باجگزار رہنے کی تاکید تھی۔ ساتھ ساتھ اس کے بیٹے غرسیہ کو یرغمال کے طور پر شہر میں چھوڑ دینے پر بھی آمادہ کیا گیا تھا۔ ہمیشہ امن صلح قائم رکھنے پر بھی۔ گانزلیز سے کبھی دوست نہ بننے کا بھی عہد لے لیا گیا۔ جب اس معاہدے پر دونوں فریق کے دستخط ہو گئے۔ مہریں لگ گئیں۔ تو خلیفہ مستنصر نے امیر فوج غالب کو حکم دیا کہ لیون کے خلاف زبردست مہم کی تیاریاں شروع کریں۔ عیسائیوں کے قاضی ولید بن خزران یا بقول ابن خلدون ولید بن مغیث قرطبہ کے اسقف اعظم یا جاثلیق (ابن خلدون کا بیان ہے) صبغ بن عبداللہ بن نابیل اور اسقف طلیطلہ عبیداللہ بن قاسم (ابن خلدون نے پھر اختلاف کیا ہے۔ اور اس کا نام عبداللہ بن قاسم لکھا ہے۔) جیسے زبردست لوگوں کو اردون کی مدد اور صلاح ومشورہ کے لئے مقرر کیا۔ غرسیہ ابن اردون کو بھی نظر بند کرنے کے بجائے انہیں عیسائیوں کے سپرد کر دیا گیا۔ اردون کی موافقت میں تیاریاں زور وشور سے شروع ہو گئیں۔

ان تیاریوں کی خبر اڑتے اڑتے شانجہ کے کانوں میں بھی پہنچ گئی۔ بعض مورخین کا گمان ہے کہ ان سارے انتظامات اور اہتمام کی تشہیر بھی کچھ اس طرح کی گئی کہ کیا شانجہ اور کیا اس کے رفیق جس نے سُنا مرعوب ہو گیا۔ وہ لوگ نزاکت وقت کو فوراً تاڑ گئے۔ اور یہ سمجھ لیا کہ اب زبردست مصیبت آنے والی ہے۔ جس کا کوئی علاج ممکن نہ ہو سکے گا۔ شانجہ کو وہ وقت یاد آنے لگا جب اس نے اسلامی لشکر کی معاونت سے اردون کو جلا وطن کیا تھا۔ اب یہی لشکر اس کی مدد کو آگے بڑھ رہا تھا۔ اپنا مستقبل اور انجام سوچ کر وہ تھرا ہی اُٹھا۔ ادھر

Marfat.com

جلیقیہ کا بادشاہ بھی اس کا دوست نہ رہا تھا۔ اُس نے فوراً اطاعت میں اپنا مفر دیکھا۔ ایک سفارت حضور خلیفہ بھیجنے کا تہیّہ کر لیا۔ مئی ۹۶۲ء۔ ربیع الآخر ۳۵۱ھ میں اس نے جلیقیہ اور سمورہ کے بڑے بڑے رئیس اور قابلِ عزت پادریوں پر مشتمل وہ سفارت قرطبہ روانہ کی۔

ان لوگوں کے آنے کی خبر جب قرطبہ پہونچی تو الحکم کو اندازہ ہو گیا کہ جو مقصد تھا وہ حل ہو گیا۔ پادری اور رئیس جب دارالخلافہ پہنچے تو انتہائی عجز و انکساری شانجہ کی طرف سے خطاؤں اور خلاف ورزیوں کی معافی مانگی۔ اپنی اطاعت اور وفاداری کا یقین دلایا جو شرائط عبدالرحمٰن مرحوم سے طے ہوئی تھیں ان پر باقاعدہ عمل کرنے کا عہد کیا۔ مزید جو خواہشات خلیفہ کی ہوں ان کے تکملہ کا بھی عہد کیا گیا وہ سارے قلعے جو مطلوب تھے دیدیئے گئے۔ اور جو قلعہ مسلم علاقہ کے قریب تھے ان کی فصیلیں اور برج گروانے کا وعدہ کر لیا۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد والیانِ برشلونہ اور تراکونہ Tarcona نے بھی شانجہ کی مثال پر عمل کیا اور اپنی جانب سے سفارتیں بھیج کر اتحاد و صلح کا دامن تھاما ان سفارتوں کے ساتھ بہت سا زر و مال اور قیمتی چیزیں تھیں۔ جن میں بیس آختہ کئے ہوئے صقالیہ لڑکے بیس کرٹے سیاہ سمور کے پانچ سفید سمور۔ دس صقلیہ زرہیں۔ دو سو فرانسیسی تلواریں اور دیگر انواع و اقسام کی چیزیں تھیں ان ریاستوں سے بھی معاہدہ ہو گیا۔ طے یہ پایا کہ سرحدی قلعوں کو یا تو وہ مسمار کر دیں گے یا مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

اردون جو دوسرے ہی خواب دیکھ رہا تھا اور ابھی تک قرطبہ میں مقیم لیون کی باگ ڈور سنبھالنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر بھونچکا رہ گیا۔ اپنی اُمیدوں کا خاتمہ ہوتے دیکھ کر اس کا دل ڈوب گیا وہ زیادہ دن تک صدمہ نہ برداشت کر سکا۔ اور چند ہفتے بعد ۹۶۲ء میں (ذی قعدہ ۳۵۱ھ) اس کا انتقال ہو گیا علاّمہ ڈوزی اور اکثر عیسائی مؤرخین نے الحکم پر خلاف ورزی اور بدعہدی کا الزام لگایا ہے۔ یہ الزام اس وقت صحیح مانا جا سکتا تھا۔ جبکہ شانجہ بدستور شرارت پر آمادہ رہتا اور عبدالرحمٰن سے طے کئے ہوئے معاہدے کی شرائط کی تکمیل سے گریز کرتا۔ جب وہ مُعافی کا خواستگار ہوا اور پچھلی شرطوں کو ماننے پر بھی تیار ہو گیا تو الحکم کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ اپنے باپ کی روح کو صدمہ پہنچائے اور اس کے حلیف کے خلاف کوئی سخت قدم اُٹھائے۔ ممکن تھا۔ کہ وہ اردون کی مدد کسی اور صورت سے کرتا مگر موت نے اس کے ارادوں کو جامۂ تکمیل پہنانے کی مہلت ہی نہ دی

Marfat.com

لیکن اردوآن کی موت نے شانجہ کے تمام خدشات دور کر دیئے اور وہ پھر خلاف ورزی پر آمادہ ہو کر اپنی بدکرداری کا ثبوت دینے لگا۔ اس نے اپنے کو تمام پابندیوں سے آزاد سمجھ کر سرکشی کا علم بلند کر دیا۔ الحکم کو اس کی یہ کمینی حرکت بہت ناگوار معلوم ہوئی۔ غالب کو حکم دیا گیا۔ اس نے اتلیشہ کے مقام پر گانزلیز اور اس کے بعد ان لوگوں کو شکست دے کر ان کے ٹھکانے لگا دیئے۔

شانجہ ۹۶۶ء ۳۵۶ھ میں ایک بار پھر شرمندہ ہوا اور خلیفہ سے صلح کی درخواست کی۔ اس کے بعد کیٹیلونیہ catalona بوریل Borell اور میرون کے والیان جو شانجہ ہی کے مددگار تھے ان سب نے بھی عفو تقصیر چاہی اور جو قلعے بالکل سرحد پر واقع تھے ان کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ ان شاہوں کو جو سربسجود پایا تو غرسیہ بادشاہ نبرہ جو عبد الرحمٰن کا دوست اپنی ماں ملکہ طوطا کی وجہ سے تھا، خلیفہ مستنصر باللہ سے بھی دوستی کرنا چاہی۔ معزز پادری اور رئیس منتخب کئے اور ان کی جماعت بنا کر بطور سفیر قرطبہ روانہ کیا۔ ان لوگوں کا خیر مقدم بھی خاطر خواہ ہوا۔ اور معاہدہ دوستی کر لیا گیا۔

ان کے بعد جلیقیہ کے نواب روڈریگو ولاسکو Rodrigo delasag ona نے بھی صلح و امن کی خاطر نوابین ریاست کی جماعت اپنی والدہ کی سرکردگی میں دارالخلافہ روانہ کی۔ جہاں ان کا انتہائی تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا۔ ارکان سلطنت دور دور اس کے خیر مقدم کو گئے۔ اور ملاقات کے لئے ایک خاص دربار اور محفل مقرر کی گئی۔ یہ دن بھی یادگار قسم کا تھا۔ نواب کی والدہ کا جو کچھ مقصد تھا وہ حل ہوا۔ غرسیہ سے بھی ایک معاہدہ دوستی طے پا گیا۔ ملکہ کو خلعت کے علاوہ بہت سا مال عطا کیا گیا۔ سواری کے لئے ایک بہت ہی قیمتی خچر جس پر سنہری زین کسی ہوئی تھی۔ اور لگام بھی زریں تھی۔ پیٹھ پر دیباج کا زین پوش بھی پڑا ہوا تھا۔ جب وہ واپس جانے لگی تو ایک بار پھر حاضر دربار ہوئی۔ اس کا پھر شاہانہ طور سے استقبال کیا گیا۔ روانگی کے وقت زر کثیر بطور زاد راہ پیش کیا گیا۔

یہ معاہدے جو اس وقت کئے گئے کچھ مضبوط قسم کے ثابت ہوئے۔ الحکم کے عہد میں پھر عیسائیوں کی جانب سے کوئی زبردست شورش نہ برپا ہوئی۔ البتہ آپس میں ان میں خانہ جنگی ضرور جاری رہی۔ جس وقت لیون اور قرطبہ میں معاہدہ دوستی تکمیل پا رہا تھا اسی وقت شانجہ نے جلیقیہ پر حملہ کر دیا۔ اور دریائے دویرہ کے کنارے کا کافی علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔

Marfat.com

دریا کے اس پار گانزلیز کی فوجیں پڑی ہوئی تھیں گانزلیز شانجہ کی اس روز روز کی تلون مزاجی سے تنگ آگیا تھا۔ اس نے اس کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی اور یہ بہانہ کیا تھا کہ وہ ایک مشاورتی کونسل منعقد کر رہا ہے جس کا مقصد آپس میں صلاح مشورہ کر کے معاملات اور باہمی مناقشوں کو طے کر لینا ہے۔ نہ کہ خواہ مخواہ جنگ وجدل کر کے اپنے ہم مذہبوں کا خون بہانہ۔ شانجہ نے یہ دعوت منظور کر لی۔ اور گانزلیز کے کیمپ میں دریا کے پار پہنچ گیا۔ یہاں اس کی خوب ہی آؤ بھگت ہوئی اور طرح طرح کے میوے اور پھل کھانے کو دیئے گئے۔ انہیں کے اندر اس کو تھوڑا سا زہر بھی دیدیا گیا۔ شانجہ نے کھانے کو پھل تو کھائے۔ مگر جلد ہی یہ محسوس کر لیا کہ اس نے پھل نہیں کھائے بلکہ اپنی زندگی کا چراغ گل کر دیا ہے۔ مشکل یہ تھی کہ وہ کچھ کر بھی نہ سکتا تھا۔ غیروں کے کیمپ میں تھا۔ اپنی فوج دور تھی۔ زبان کی لکنت سے کہا کہ اسے لیون پہنچا دو۔ مگر تین دن بعد راہ میں ۹۶۶ء مطابق ۳۵۶ھ چل بسا۔

شانجہ کے بیٹے کی عمر اس وقت بمشکل تمام پانچ سال تھی۔ اس کا نام بھی رومیرو (Romar) تھا۔ گویا اپنے خاندان کا یہ تیسرا رومیرو تھا۔ جو تخت پر بیٹھا۔ اور اس کی خالہ ایلویرا (Elvira) اس کی اتالیق اور نگہبان مقرر ہوئی۔ یہ بیچاری خود خانقاہ سلو اور (Silvador) میں پلی تھی۔ پھر جہانبانی کے اصول کیا خاک سمجھ سکتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کے بڑے بڑے نوابین نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اور اس کے احاطۂ فرمانبرداری سے نکل گئے۔ خود آپس میں لڑنے لگے۔ اس کا انجام ظاہر تھا۔

ساری ریاست لیون چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو گئی راہبہ ایلویرا میں اتنی قوت نہ تھی کہ ان لوگوں کو قابو میں رکھتی اسی عرصہ میں نارمنڈی کے بادشاہ ریجرڈ اوّل Regard I نے اٹھارہ ہزار کا ایک گروہ جو ڈین (Dean) قوم سے متعلق تھا۔ اسپین بھیج کر سرحدی علاقوں کو خوب تاخت و تاراج کروایا۔ اتنی عظیم الشان سلطنت کسمپرسی کی حالت میں پڑ گئی۔

ادھر مسلمانوں کے حملے قشتالیہ پر برابر ہوتے رہے۔ کیوں کہ گانزلیز نے بھی تک صحیح معنوں میں مسلمانوں کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔

لیکن جب ۹۷۰ء مطابق ۳۵۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کی طرف سے نجات حاصل ہوئی اسکے جانشین میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ مسلمانوں سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھتا تھا ان جھگڑوں سے فرصت ملی تو حکم کتابوں کی دنیا میں گم ہو گئے۔

1

باب (۴۷)

افریقہ پر فوج کشی

افریقہ میں آئے دن نت نئے جھگڑے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ مغرب اقصیٰ اور موریتانیہ میں مستقل بنی فاطمی اور بنو ادریس میں جنگ چھڑی رہتی تھی۔ یہاں ابوعیش کے انتقال کے بعد اس کا بھائی الحسن ابن الکنون تخت نیکور (ریف) پر بیٹھا یہ اپنے پیشرو کی طرح حکومت اندلس کا خیر خواہ رہا۔ اور اپنے خطبوں میں اسپین کے بنی امیہ خلیفہ کا ہی ذکر کراتا رہا۔ اسی دوران میں بنو فاطمہ کے اکسانے بھڑکانے سے ایک قریبی ریاست کے شرارت پسند امیر بلکین بن زیری نے ان علاقوں پر جس میں طنجہ۔ اصیلا اور بہت سا ساحلی حصہ شامل تھے۔ حملہ کر دیا اور بہت سے شہروں پر قبضہ جما لیا۔ شیخ کے یہ انداز دیکھ کر فاطمی خلیفہ معز الدین بن اسمٰعیل نے اس کو افریقہ اور موریتانیہ کا گورنر مقرر کر دیا۔

حالات کی اس تبدیلی نے بھی اسپین پر کبھی خطرہ کو لاحق نہ کیا۔ اس لئے کہ فاطمی خلیفہ سنہ ۹۶۹ء ۳۵۸ھ میں اپنا پچھلا دارالخلافہ منصوریہ چھوڑ کر مصر میں دریائے نیل کے کنارے آباد ہو گئے اور قاہرہ کو دارالحکومت مقرر کر لیا۔ بلکین بن زیری کے بعد ابو الفتوح یوسف بن زیری کو انہوں نے افریقہ کا والی مقرر کر دیا۔

بنو ادریس جو فاطمیوں سے زیر ہوئے تو الحکم نے ان کو بھی علاقوں سے بے دخل کرنے کی سوچی جو اسپین کے ساحل کے قریب تھے۔ اس اقدام نے ابن اکنون کو بھی برگشتہ خاطر کردیا اور جب الفتوح خلیفہ مصر کا نائب ہو کر مغرب الاقصیٰ پہونچا تو الحسن ابن اکنون نے فوراً اس کا ساتھی بننا منظور کرلیا۔ خلیفہ نے اس حمایت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا۔ اور ایک فوج امیر جوہر کے ماتحت طنجہ کی جانب روانہ کی۔ جہاں الحکم کا نائب لیلیٰ ابن محمد بحیثیت گورنر کام کر رہا تھا۔ لیلیٰ کو فاطمیوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور وہ خود مارا گیا۔ امیر جوہر نے پھر شہر ناس پر حملہ کر کے اسے بھی فتح کرلیا۔ پھر کئی اور شہروں کو لوٹتا کھسوٹتا واپس چلا گیا۔ ابن اکنون نے جوہر سے ذرا بھی مزاحمت نہ کی وہ تو واپس جا ہی چکا تھا۔ ابن اکنون کی گوشمالی کے لئے الحکم نے فوراً ایک فوج ماہ اگست ۹۷۳ئہ۔ ذی قعدہ ۳۶۲ھ میں ابن طملوس کو کئی جہازوں پر فوجیں سوار کرا۔ افریقہ روانہ کردیا۔ کچھ فوجیں سیستہ میں اُس کے ساتھ شامل ہوئیں۔ پھر طنجہ پر حملہ کردیا گیا۔ ابن اکنون مقابلے کے لئے آیا۔ مگر منہ کی کھائی۔ طنجہ مستقل طور پر چھوڑنا پڑا۔ اس کے بعد ابن طملوس نے آگے بڑھ کر دلوں اور ارزیلہ فتح کرلئے۔

ابن اکنون نے از سر نو اپنی فوجوں کی تنظیم کی۔ بہت سے بربری سپاہی بھرتی کئے۔ اور پھر طنجہ کی طرف بڑھا۔ ابن طملوس بڑے کرو فر کے ساتھ مقابلہ کے لئے نکلا مگر مارا گیا۔ اموی فوجوں کو شکست ہوئی۔ بنو ادریس کے تمام شہزادگان اب کھُلم کھُلا اُمویوں کے دشمن ہو گئے۔ یہ نازک صورت دیکھ کر اُموی باقیماندہ فوجوں نے مزید کمک الحکم سے طلب کی۔ فوراً امیر لشکر غالب کو افریقہ پر فوج کشی کے لئے حکم ملا۔ اس کو بہت سے نشیب فراز سمجھائے گئے۔ جنگ سے زیادہ ڈپلومیسی سے کام لینے کی ہدایت کی گئی۔ خزانوں کی تھیلیاں ساتھ کردی گئیں کہ ابن اکنون کے بربر ہمراہیوں کو لالچ اور رقمیں دے کر توڑ لیا جائے۔ ادریسی شہزادوں کا سارا زور ختم کردو۔ ممکن ہو تو انہیں پابجولاں قرطبہ لاؤ۔ غالب پہلے ہی سے کافی سمجھدار تھا۔ ان اشاروں اور ہدایت کے بعد تو کسی خامی کی گنجائش باقی ہی نہ رہ جاتی تھی۔ آزمودہ کار سپاہیوں کے ساتھ آبنائے جبرالٹر کو پار کر گیا۔ سبتہ اور طنجہ کے درمیان قاعہ میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ابن اکنون بھی مقابلہ پر آ گیا۔ گھمسان کا رن تو نہیں پڑا مگر جھڑپیں ضرور چلتی رہیں۔ اس عرصہ میں غالب برابر بربری سرداروں اور دیگر ہمدردان ابن اکنون سے ساز باز کرتا رہا۔ ان کو زر نقد، بیش قیمت لباس، مرصع تلواریں وغیرہ بطور انعام بھیجتا رہا۔ اور مستقبل کے لئے بڑی

بڑی امیدیں بندھواتا رہا۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ وہ پیسہ کے لوبھی۔ زر کے غلام ابن اکنون کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کر غالب کے کیمپ میں پہونچ گئے۔ اور ادریسی شہزادے بھاگ کر قلعہ حجر النسر میں پناہ گزیں ہوگئے۔

غالب کی طرف سے جب یہ خبریں قرطبہ پہونچیں تو وہاں خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا لیکن اخراجات کے جو حسابات پہونچے وہ اس قدر زائد تھے کہ الحکم دنگ رہ گیا۔ اسے کچھ شائبہ خیانت بھی تھا یہ سوچ کر اس نے افسر اعلیٰ دار الضروب کو بحیثیت محاسب افریقہ روانہ کرنے کا قصد کیا۔ یہ پہلی بار اس شخص کا نام تاریخی صفحات میں نمایاں حیثیت سے آتا ہے۔ اور پھر آگے چل کر اس کا علم ہوا۔ تفصیل آنے والے صفحات میں موجود ہے ابن ابی عامر کو لفظاً مغرب اقصیٰ کا قاضی القضاۃ بنا کر بھیجا گیا لیکن اندرونی طور پر یہ سمجھا دیا گیا کہ غالب نے جو بے تحاشہ اخراجات وہاں کئے ہیں ان کے متعلق پوری معلومات بہم کریں۔ اور خود بھی کچھ رقم خرچ کر کے دشمنوں کو اپنا ہمدم و دمساز بنائے۔ اتنا اشارہ کافی تھا۔ ابن ابی عامر تو پہلے ہی سے بڑے بڑوں کے کان کاٹتا تھا۔ وہاں پہنچ کر ایسی ایسی لچھے دار باتیں کیں۔ ایسی شیریں کلامی اور فیاضی کا مظاہرہ کیا کہ غالب کی فوج کے تمام افسر بھی اس کے بندۂ بے دام بن گئے۔ افریقہ کے والیانِ ریاست اور بربری سرداروں سے بھی اتنے گہرے مراسم پیدا کر لئے جیسے کہ وہ برسوں کا ان کا جاننے والا ہو۔ اور ان کے خاندان ہی کا کوئی قریبی فرد ہو۔ اب لوگوں کو یہ اندازہ ہوا کہ ابن عامر صرف بزم کے ہی نہیں بلکہ رزم کے بھی شہسوار ہیں۔

ادھر تو وہ اپنے طرزِ سخن اور طرزِ رہن سہن سے افسرانِ فوج اور امیرانِ ریاست کو اپنا ہمنوا بناتے رہے اُدھر غالب کے طرزِ عمل پر بھی کڑی نگاہ رکھتے تھے۔ لیکن غالب سے ان بن بھی نہ رکھی۔ اس قدر احتیاط برتی کہ اس امیرِ لشکر کو یہ محسوس بھی نہ ہو پایا کہ وہ اُن کے اعمال کے محتسب بن کر آئے ہیں۔ غالب اپنے کام میں جُٹے رہے۔ اور ادریسی شہزادگان کو اپنے زیرِ نگیں لاتے۔ ابن اکنون کو انہوں نے قلعہ حجر النسر میں محصور کر کے ایک طرح کا قیدی بنا دیا۔ ادھر خلیفہ نے بھی ان جانبازوں کی طرف سے تغافل نہیں برتا بلکہ برابر کمک روانہ کرتا رہا۔ یحییٰ ابن محمد التجیبی کے تحت اکتوبر سنہ ۹۷۲ء محرم سنہ ۳۶۲ھ ایک فوج مغرب اقصیٰ روانہ کی۔ قلعہ کے محاصرے میں دونوں فوجوں نے مل کر اتنی سختی برتی کہ ابن اکنون ہمت ہار گیا۔ اموی فوجوں کے قدموں پر آ رہا۔ معاہدہ صلح تحریر ہوا جس میں ابن اکنون کے تمام رشتہ داروں کو جان کی امان دی گئی لیکن اس کو

Marfat.com

طبہ حاضر ہونے کے لئے مجبور کیا گیا۔
پیر۔ ۲۱ ستمبر ۹۷۴ء مطابق یکم محرم ۳۶۴ھ غالب کامیاب اور کامران قرطبہ پہنچا۔ اس کے
یں ہزاروں قیدی تھے۔ لیکن جو چیز اس کی عظمت اور دبدبہ کی دھاک بٹھائے دے رہی
تھی وہ الحسن ابن الکنون کی موجودگی۔ جو اس کے گھوڑے کے دائیں جانب ساتھ تھا۔ غالب
یہ ورود قرطبہ میں کچھ اس شان کا تھا کہ اس سے پیشتر یہ کسی سپہ سالار کا ہوا ہو۔ خلیفہ نے
عدد امرا سلطنت کو اس کے استقبال کے لئے شہر سے باہر تک بھیجا کہ ساتھ عزت کے شہر
داخل ہوں۔ شہر کے پھاٹک پر خود خلیفۃ المسلمین اس قائد لشکر کے خیر مقدم کے لئے پہنچے۔ یہ سرتاپا
ید ملبوس میں تھے جو اُمویوں کا نشان ہے گھوڑے کا رنگ بھی سفید تھا۔ امیر غالب سرنگ
وڑے پر مرصع زرہ بکتر اور فولادی خود پہنے ہوئے الحسن کو دائیں جانب گھوڑے پر سوار لئے
ئے نمودار ہوئے۔ خلیفہ دونوں سے بغلگیر ہوا۔ غالب کی پیشانی پر بوسہ بھی دیا۔ الکنون کے
ت سے ساتھیوں کو تحفے دیئے گئے۔ خود اس کو بیحد نوازا گیا اس کے سات سو ہمراہیوں کو شاہی
ج میں ملازم رکھ لیا گیا۔
افریقہ میں یہ فتح الحکم کی زندگی کا آخری زبردست کارنامہ تھا چند مہینوں کے بعد دسمبر
۹۷۵ء ربیع الاول ۳۶۴ھ میں ان پر فالج کا اثر ہوا۔ اپنی موت کو قریب دیکھ کر وہ نیک کاموں
طرف مائل ہو گئے کہ ساتھ عقبیٰ کے لئے بھی توشہ لیتے جائیں۔ سو غلاموں کو آزاد کر دیا۔ تمام
وبوں کے والیوں کو یہ حکم نامہ بھیجا کہ ٹیکس کا چھٹا حصہ معاف کر دیں۔ قرطبہ کے زین ساز
زار کا کرایہ جو الحکم کی ملکیت تھا اور صرف خاص کے لئے مخصوص تھا۔ غریب بچوں کی
علیم اور ان کے معلمین کی تنخواہوں پر خرچ کیا جانے لگا۔ کاروبار سلطنت مصحفی کے سپرد
رکے وہ اللہ اللہ میں مصروف ہو گئے۔
وزیر مصحفی جو انتہائی کفایت شعار اور حکومت کا بہی خواہ تھا۔ یہ گوارا نہ کر سکتا تھا کہ ان
ادریسی شہزادوں پر اس قدر مصارف کئے جائیں اور بیت المال پر اس کا بار پڑے۔ ان شہزادو
ں کی جانب سے ایک درخواست خلیفہ کے حضور گزاری کہ ان کو ان کے ملک واپس جانے کا اذن
مل جائے تو وہ وعدے کرتے ہیں کہ بقیہ عمر وفادار رہیں گے اور حکومت اندلس کے خلاف
کسی شورش میں حصہ نہ لیں گے۔ ان کو یہ اجازت مل گئی۔ ان سب کو تونس دسمبر ۹۷۴ء روانہ
کر دیا گیا۔ وہاں سے یہ لوگ اسکندریہ میں جا کر مقیم ہو گئے۔ بیت المال پر بار لم کرنے کے

Marfat.com

لئے ایک دوسرا کام مصحفی نے یہ کیا کہ مغرب اقصیٰ کے حاکم یحییٰ ابن محمد التجیبی کو وہاں سے طل
کرلیا اور صوبہ کی حکومت وہیں کے دو رئیسوں جعفر اور یحییٰ جو علی بن حمدون کے بیٹے
کے سپرد کردی۔

ادھر شمالی ریاستوں کے نصرانیوں نے خلیفہ کو علیل اور بستر مرگ پر دیکھ کر پھر شورش
شروع کی۔ ان کو ابوالاحوص معن حاکم سرقسط کی ایما بھی حاصل ہوگئی ۔ ۹۷۵ء ۳۶۵ھ کے مو
بہار میں ان لوگوں نے مسلم علاقوں پر چھاپہ مارنا شروع کردیئے۔ التجیبی کو فوراً اس کے صوبے
کا حاکم بنا کر بھیج دیا اس نے جاتے ہی فتنہ انگیزوں کے سارے کس بل نکال دیئے ا
ان کو راہ راست پر لے آیا۔

Marfat.com

باب (۴۸)

ایک عظیم شخصیت

محمد ابن ابی عامر

الحکم نے عنانِ حکومت سنبھالی ہی تھی کہ ایسی ایک ہستی نے پنپنا شروع کیا جس نے آگے
ھ کر عروج کی آخری منزلوں کو نہ صرف طے کیا بلکہ ان حدوں تک پہنچ گیا جو صرف خلیفہ یا بادشاہ
یں کو حاصل تھیں۔ اس کے بعد اسی پر بس نہ کیا بلکہ تمام اختیاراتِ شاہی بھی اپنے ہاتھ میں
ے لئے۔ خلیفہ کو برائے نام زمامِ حکومت تھامنے کے لئے چھوڑ دیا۔ ورنہ فرمان اس کے دستخطوں
ے بھیجے جاتے تھے۔ اعلان اس کے حکم سے ہوتے تھے۔ معاہدے اس کی خواہش سے کئے
ماتے تھے۔ اور اس پر مہر اس کے نام کی ثبت ہوتی تھی۔ سکوں پر اس کا لقب کندہ ہوتا تھا۔
لہ خطبہ تھا جو اس کے نام کا نہ پڑھا جاتا تھا۔ باقی کوئی ایسا اعزاز نہ تھا جو اس کی ذات
ے وابستہ نہ ہو۔ اس کے کیریر کا آغاز بھی عجیب و غریب انداز میں ہوا۔ جس کو ڈوزی نے بہت
لیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ مختصراً ہم بھی یہاں درج کرتے ہیں کہ اس ہستی جس کا نام محمد بن ابی
امر تھا کس انداز سے اُبھری اور کیونکر حدِ عروج کو پہونچی۔ اس کا وضاحت سے اندازہ ہو جائے۔
ایک دن کا ذکر ہے کہ پانچ طالب علم قرطبہ کے اطراف میں کسی ایک باغ میں بیٹھے خوش

Marfat.com

گپیاں کر رہے تھے۔ یہ لوگ اغلباً پکنک منانے گئے تھے۔ کیونکہ کھانے پینے کا سامان بھی ان کے ساتھ تھا۔ یہ سب بیٹھے کھا پی بھی رہے تھے اور چہلیں بھی کر رہے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک طالب علم گم سم کسی خیال میں ڈوبا ہوا خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی شکل وصورت سے شرافت اور ذہانت ٹپک رہی تھی۔ رنگ گورا چٹا تھا۔ ناک نقشہ خوبصورتی کی حد تک اچھا تھا۔ ماتھے پر غور کے بھی علامات تھے۔ دوسرے طالب علموں نے اس کو چھیڑتے ہوئے اس خاموشی کا سبب پوچھا وہ چونک کر بولا" دوستو وہ وقت قریب آنے والا ہے۔ جب میں اس ملک پر حکومت کروں گا۔"

وہ لوگ یہ سنتے ہی زور سے ہنس پڑے اور اس کو پاگل یا مجذوب سمجھنے لگے لیکن اس نے اس ہنسی مذاق کا کچھ بھی اثر نہ لیا۔ اور ان لوگوں سے پوچھنے لگا۔ بتاؤ جب قوت۔ طاقت اور حکومت میرے ہاتھ میں ہوگی تو تم لوگ کن کن عہدوں پر مامور ہونا چاہو گے۔ وہ لوگ ایک بار پھر ہنس پڑے۔ لیکن جب اس خوبرو جوان نے ان لوگوں کو مجبور کیا تو ان میں سے ایک بولا

"میاں ہمیں تو یہ آج کی میٹھی روٹیاں اور خستہ ٹکیاں بہت بھائی ہیں۔ تو تم مجھے انسپکٹر بازار۔ مقرر کر دینا۔ تاکہ جب جو چیز چاہوں مزے سے کھاؤں۔"

دوسرا بولا۔ "ہمیں تو یہ انجیر بہت مزیدار لگے۔ مجھے تو مالقہ ***Maleca*** کا قاضی بنا دینا کہ میرا وطن بھی ہے اور وہاں کے انجیر بھی بہت لذیذ ہوتے ہیں۔"

تیسرے نے باغ کے ہرے بھرے درختوں کی طرف دیکھ کر کہا "مجھے تو یہ سرسبز باغ بہت پسند ہے۔ مجھے تو تم قرطبہ کا حاکم بنا دینا"

چوتھا خاموش بیٹھا اس متکبر دوست سے زیادہ بقیہ ساتھیوں پر پیچ وتاب کھا رہا تھا کہ اس سے عہدے اس انداز میں طلب کر رہے تھے۔ جیسے وہ سچ مچ بادشاہ اندلس ہو گیا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا تو غصہ سے بولا:۔

"جب طاقت تمہارے جیسے انسان کے ہاتھ میں آجائے تو میرے سارے جسم پر شہد مل دینا تاکہ مکھیاں خوب بیٹھ کر بھنبھنائیں اور کاٹیں پھر منہ کالا کر کے گدھے پر سوار اس طرح کرا کر منہ میرا دُم کی طرف ہو سارے شہر میں گشت کرا دینا۔"

وہ بولا دوست گھبراؤ نہیں ایسا ہی ہوگا۔ قدرت کو کچھ ایسا ہی منظور تھا کہ وہ خوبرو نوجوان جو محمد ابن ابی عامر ایک دن واقعی حاکم اندلس بنا۔ مگر اور پھر یاد کر کے ان تمام دوستوں کو وہی بخشا جو ان لوگوں نے طلب کیا تھا۔ یہ قصہ بھی اپنی جگہ دلچسپ ہے۔

Marfat.com

جب یہ پکنک پارٹی ختم ہوئی تو سب لوگ اپنے اپنے گھر واپس لوٹ گئے۔ ابن عامر کبھی اپنے عزیزوں ابو عبداللہ محمد ابن اسحاق یمنی جن کے گھر وہ رہتا تھا۔ پہونچا۔ چہرا اُترا ہوا تھا۔ فکر و تردد کے آثار نمایاں تھے۔ اس کا عزیز اس کے پاس پہونچ کر اس خاموشی اور فکر کی وجہ پوچھنے لگا۔ نوجوان اس کی جانب بالکل متوجہ ہی نہ ہوا۔ وہ بے چارا مایوس اپنے کمرے کو لوٹ گیا۔ لیکن دوسری صبح جب ابن عامر ناشتہ پر نہ پہونچا تو ابن اسحاق کو فکر ہوئی تو پھر وہ اس کے کمرے میں پہونچا دیکھا تو وہ اسی طرح بیٹھا ہے۔ جیسا کہ رات کو چھوڑ گیا تھا۔ بستر پر ایک شکن تک نہ تھی۔ اس سے یہ اندازہ ہو کہ اس نے رات کے کسی حصہ میں آرام نہیں کیا ہے۔ جب ابن اسحاق نے بیحد اصرار کیا تو وہ بولا کہ مجھے یہ گمان پیدا ہو چلا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ آنے والا ہے۔ جب اندلس کی حکومت میرے ہاتھ میں ہوگی۔ اس وقت کے لئے میں سوچ رہا تھا کہ اگر موجودہ قاضی مرگیا تو کس دوسرے شخص کو اس کے عہدے پر مقرر کروں گا۔ بہت کچھ غور و فکر کے بعد صرف ایک شخص کا نام سمجھ میں آرہا ہے۔

ابن اسحٰق بولا وہ محمد بن اسحاق بن سلیم ہے۔ بلا شبہ۔ ابن عامر چیخ اُٹھا۔ میرا دل بھی اسی کے لئے گواہی دیتا تھا۔"

یہ ایک دن اور ایک رات کی ساری روداد کسی افسانے یا طلسماتی قصّہ کے جزو سے کم نہ ہوگی۔ مگر اس نوجوان کے عزم اور فکر و تدبر کا پتہ اس سے ضرور چلتا ہے۔ اور یہ توقع بندھتی ہے۔ کہ اس ڈھب کا آدمی ترقی کرے گا ضرور۔ اس نے ترقی کی اور بلاشبہہ اس حد تک کی کہ کوئی اور حد آگے بڑھنے کی باقی نہ رہی۔ اس سے پہلے کہ اس کے نمایاں ہونے کا حال بیان کیا جائے۔ اس کا حسب نسب بھی پیش کر دیا جائے کہ آئندہ کوئی دشواری نہ ہو۔

یہ خوبصورت نوجوان طالب علم قبیلہ بنی ابن عامر جو یمن کے قبیلہ مسافر کی ایک شاخ تھا۔ تعلق رکھتا تھا۔ یہ خاندان کچھ ایسا زیادہ نمایاں نہ تھا۔ مگر شرفائے یمن میں ان کا شمار ضرور تھا۔ محمد ابن ابی عامر کے اعلیٰ عبدالملک المعافری طارق کے ہمراہ اندلس آئے تھے۔ فتوحات میں نمایاں حصّہ لیا تھا جس کے عیوض میں جزیرۃ الخضرا کے علاقے میں دریائے آرد کے پاس جو قلعہ طرش اس کو معہ متعلقہ زمینوں کے اس کی جاگیر میں دیدیا گیا تھا۔ عبدالملک اور اس کے جانشین کم ہی طرش میں رہے۔ عمر کا زیادہ حصّہ ان لوگوں کا قرطبہ ہی میں گزرا کہ قرب سلطانی اور دارالخلافہ میں رہنے کی وجہ سے مقرب عمائدین سلطنت بن جانے کے بعد اور بھی اچھے عہدوں کی اُمید

Marfat.com

ہوسکتی ہے۔ ان کی یہ اُمیدیں پوری بھی ہوئیں۔ عبد الملک کے پوتے اور پڑپوتے ابو عامر محمد ولید اور عامر اچھے اچھے عہدوں پر فائز ہوئے۔ یہ محمد بن عبد الرحمن دوئم کے مقربین میں سے تھے اور اس قدر مزاج میں درخور حاصل کر لیا تھا کہ ان کا نام سکوں اور جھنڈوں میں بھی شامل ہوتا تھا۔

ابن ابی عامر کے دادا محمد بن عبد اللہ آٹھ سال قاضی اشبیلیہ کے عہدے پر مامور رہے ان کے بیٹے ابوحفص اپنے وقت کے برگزیدہ بزرگوں اور فقیہوں میں شمار کئے جاتے تھے حج بھی کر آئے تھے۔ محمد بن عبد اللہ کی شادی بھی اعلیٰ خاندان میں ہوئی۔ خلیفہ الناصر کے شاہی طبیب یحییٰ ابن اسحٰق کی بیٹی سے ہوئی تھی۔ یہ بعد میں وزیر بھی ہو گئے۔ ہر چند کہ نومسلم تھے مگر الناصر کے محبوب حاکموں میں سے تھے۔ ابن عامر کی ماں کا نام بریہا تھا جو ایک بڑے امیر اور حاکم ابن برطال تمیمی کی بیٹی تھیں۔ اس کا شجرہ حسب ذیل ہے۔

عبد الملک المعافری
|
یزید المعافری
|
الولید
|
ابوعامر محمد
|
عبد اللہ
|
محمد
|
ابوجعفر عبد اللہ
|
محمد بن ابی عامر

اس طرح گویا اس نوجوان کا خاندان معززین اندلس میں شمار ہوتا تھا۔ ان لوگوں کا رجحان زیادہ تر تحصیل علم کی طرف رہا۔ جنگ وجدل کی طرف رغبت نہ رہی۔ صرف عبد الملک جو خاندان کا پہلا شخص تھا جس نے اندلس میں پہلا قدم رکھا۔ فوج کا ملازم تھا۔ باقی سب دیوانی اور قضات کے محکموں میں اچھے عہدوں پر فائز تھے۔ خود محمد ابن عامر کو بھی قرطبہ اسی غرض سے بھیجا گیا تھا کہ وہاں تعلیم وتربیت حاصل کر کے قاضی شہر کے یہاں کوئی منصب حاصل کرے۔ نطرتاً یہ گرم مزاج تھا۔ جس بات کی دُھن ہو جاتی تھی اس کو پورا کر کے ہی چھوڑتا تھا۔ اُبھرنے اور ترقی کرنے کا سودا اس کے دماغ میں جنون کی حد تک سمایا ہوا تھا۔ کتابیں بھی وہ اسی قسم کی پڑھتا تھا۔

Marfat.com

ن میں ان لوگوں کا تذکرہ ہوتا تھا۔ جو چھوٹی حیثیت سے بڑھتے بڑھتے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ گئے ھے۔ لوگ اسے خبطی سمجھتے تھے مگر وہ اپنے مطلب میں بہت چلتا پرزہ تھا۔ وقتِ ضرورت کاری عیاری سے بھی نہ چوکتا تھا۔

تعلیم سے پوری طرح فراغت بھی نہ حاصل کی تھی کہ تنگیٔ معاش نے اس کو کوئی نہ کوئی کام کرنے مجبور کیا۔ قصرِ خلافت کے نزدیک ایک پھٹا بوریا بچھا کر بیٹھ گیا۔ ان لوگوں کی عرضیاں لکھنے لگا سلطانِ وقت کے سامنے کوئی گذارش پیش کرنا چاہتے تھے۔ ایک دن وہاں سے بھی ہٹا دیا یا۔ تو پھر قاضی شہر کے یہاں معمولی ملازمت مل گئی۔ اس نے اسی کو غنیمت جانا۔ مگر اپنی تیز مزاجی وجہ سے وہاں بھی وہ قاضی سے نباہ نہ کر سکا۔ ہر چند کہ قاضی وہی ابن سلم تھے۔ جن کے متعلق س کا خیال ہمیشہ سے بہت اچھا تھا۔ یہ دسمبر ۹۶۶ء ذی الحجہ ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ قاضی منذر بن سعید کے انتقال کے بعد عہدے قضاۃ پر فائز ہوئے تھے۔ اپنی دیانتداری اور نیک عملی کی وجہ سے بہت مقبول تھے۔ ابن ابی عامر جو زیادہ تر خیالوں کی دنیا میں غرق رہتا تھا کبھی کبھی غیر حاضر بھی ہو جاتا تھا ابن سلیم کا درخور مزاج نہ بن سکا اور وہ اس سے پیچھا چھڑانے کی فکریں کیا کرتے تھے اور ایک دن تو موقع پاکر حاجب مصحفی سے بھی شکایت کر بیٹھے کہ اس چھوکرے کو وہاں سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ متعین کرو۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد خلیفہ مستنصر باللہ کو اپنے بڑے بیٹے عبد الرحمٰن کی جائداد کے لئے کسی اچھے منتظم کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مصحفی نے ابن سلیم کو ابن عامر سے چھٹکارا دلانے کی غرض سے الحکم سے اس کی سفارش کی لیکن تقرری اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک سلطانہ سیدہ صبح ملکہ خلیفہ جو قوم باسکس Basque سے تعلق رکھتی تھیں اور بعد میں مسلمان ہو گئی تھیں۔ اس شخص کو مناسب نہ سمجھ لیں۔ ابن ابی عامر دوسرے تمام امیدواروں کے ساتھ ملکہ کے سامنے پیش ہوا۔ نہ معلوم ملکہ کو اس کی کونسی ادا بھا گئی کہ فوراً اس کی تقرری منظور فرمائی۔ یہ واقعہ ۲۳ فروری ۹۶۷ء ربیع الاول ۳۵۶ھ کا ہے جب وہ نوجوان سر پھرا پندرہ دینار سرخ ماہوار کے مشاہرہ پر پانچ سالہ شہزادے عبد الرحمٰن کی جائداد کا نگراں مقرر رہوا۔ یہ اس کی کامیابی کا پہلا زینہ تھا اس کے بلند ارادوں کی تکمیل کا اولین قدم۔

شروع ہی سے ابن ابی عامر نے ملکہ صبح کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان کے مزاج میں درخور پیدا کرنے ہی کی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ان کو اپنی کوششوں میں خاطر خواہ کامیابی

Marfat.com

ہوئی۔ ملکہ نے خوش ہو کر اسے اپنی جائداد کا بھی نگراں مقرر کر دیا۔ اس ذمہ داری کو بھی بحس
وخوبی وہ نباہ گئے۔ سات ہی مہینے بعد ان کو امیر دار الضرب
بنا دیا گیا۔ یہ عہدہ کیا ملا ان کی قسمت کے دریچے کھل گئے۔ یہاں تو ہر قسم کے سکے ڈھا
ہی جاتے تھے۔ بے انتہا روپیہ ان کے قبضہ میں رہنے لگا۔ اس کا صحیح مصرف اب انہوں نے
یہی سمجھا کہ تمام امراء اور رؤساء سے جان پہچان کی جائے اور ان کے آڑے وقت میں کام آ کر
اپنا گرویدہ بنایا جائے۔ جس کسی کو بھی جس قدر روپیہ کی ضرورت ہوتی یہ بغیر لکھا پڑھی صرف
زبانی اعتبار پر اس کو سرکاری خزانے سے رقم بطور قرض دیدیتے تھے۔ لوگ ان کا یہ اند
جود وسخا دیکھ کر انتہائی متاثر ہوئے اور اسے اپنا سب سے بڑا محسن اور مربی ماننے لگے
اس ضمن میں دربارِ خلافت کے معزز امیر محمد ابن فلیح کا قصہ قابل ذکر ہے۔ انہوں نے اپنی بیٹی
شادی میں کچھ اس قدر اسراف بیجا کیا کہ مقروض ہو گئے۔ بمجبوراً ایک زین جواہرات سے مرصع لا
مطلاً ابن عامر کے پاس لائے اور اسے رہن رکھ کے کچھ روپیہ مانگنے لگے۔ ان کی عاقبت نا اندیشی
نے ان کو بالکل قلاش کر دیا تھا۔ صرف وہی زین قیمتی ان کی تحویل میں رہ گئی تھی۔ ابن عامر نے
فوراً اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ ایک ترازو کے پلڑے میں رکھ کر اس کے وزن کے برابر روپیہ
لا کر ابن افلح کو دیدے۔ ابن فلیح کو اپنے کانوں پر اعتبار نہ آیا مگر جب رقم اس کی جھولی میں
ڈالی گئی تو ان کو اپنی آنکھوں پر یقین کرنا ہی پڑا۔ پھر زین بھی اس کو واپس دیدی گئی۔ اور یہ کہ
جب قدرت ہو رقم واپس کر دینا۔ ابن فلیح اس قدر احسان شکر گزاری سے دب گیا کہ کہنے لگا اگر
یہ شخص مجھے بادشاہ کے خلاف بغاوت پر بھی آمادہ کرے تو واللہ میں اس کا کہنا مانوں گا اور اس
کا ساتھ دوں گا۔

اس داد و دہش اور احباب نوازی نے بہت زیادہ ابن ابی عامر کو مقبول اور ہر دلعزیز
بنا دیا۔ جو ان سے ایک بار مل لیتا انہیں کا دم بھرنے لگتا۔ اور ملکہ صبح تو بس انہیں کا کلمہ پڑھتی
تھیں۔ اُن کو اُتارا بھی اس طرح شیشہ میں تھا۔ کہ کسی اور کا رنگ چڑھنا ہی مشکل تھا۔ وقت
بے وقت ان کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ابن عامر اس کو پورا کرنے میں مستعدی دکھاتے۔ زیادہ
تر اس بات کا خیال رکھتے کہ ان کے منہ سے کوئی کلمہ نکلنے ہی نہ پائے اور یہ ان کے دل
کی بات سمجھ جائیں اور پھر اُسے فوراً حد تکمیل تک پہونچا دیں۔ ان کی فرمائشیں پوری کرنے کے
ماسوا ان کو طرح طرح کے تحفے بھی پیش کیا کرتے تھے کہ ان کا دل خوش رہے اور عزت بھی بڑھتی

Marfat.com

ہے۔ ایک مرتبہ تو انہوں نے کمال ہی کر دیا۔ قصر شاہی کے نمونہ کا ایک چھوٹا سا محل خالص چاندی کا تیار کرایا۔ اس میں کچھ ایسی صناعی اور کاریگری برتی گئی تھی کہ جب نگاہیں پڑتی تھیں۔ تو جم کر رہجاتی تھیں۔ غلاموں کے کاندھوں پر رکھوا کر پہلے تو اس محل کو شہر کی خاص خاص سڑکوں پر گھموایا گیا کہ لوگ دیکھیں اور دنگ رہ جائیں۔ اس کے بعد ملکہ کے حضور پیش کر دیا۔ سیدہ صبح نے حالانکہ ہزاروں بیش بہا اور نادر چیزیں دیکھی تھیں۔ مگر اس کو دیکھ کر تو وہ حیران ہی رہ گئیں۔ بے انتہا تعریف کی۔

ابن عامر کی ان حرکتوں نے ملکہ کو ان سے بہت قریب کر دیا تعلقات اتنے بڑھے کہ افواہیں پھیلنے لگیں۔ بدنامی کی صورت پیدا ہونے لگی۔ مگر ابن عامر ایک ملکہ کیا محلسرا کی ساری بیگمات اور کنیزوں کو اپنا بنا چکے تھے۔ ان کا اخلاق۔ تہذیب۔ گفتگو تخاطب کے طریقے کچھ ایسے سحر کن تھے کہ سب کو موہ لیا خود خلیفہ کو ان کی اس مقبولیت پر جو خواتین محل میں ان کو حاصل تھی سخت تعجب ہوتا تھا۔ ایک دن تو اپنے ایک محرم راز سے یہ دل کی بات کہہ بھی اٹھے کہ میں لاکھ ان خواتین کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ انعامات و اکرامات بھی دیتا ہوں۔ مگر جس قدر یہ لوگ ابن عامر کا دم بھرتی ہیں اتنا میرا نہیں۔

ابن ابی عامر کی فیاضانہ حرکتوں نے سو دوست پیدا کئے تو دس دشمن بنائے۔ لوگوں نے خلیفہ کے کان بھرنے شروع کئے ان پر خیانت کا الزام لگایا۔ الحکم تو پہلے ہی سے کچھ دال میں کالا کالا محسوس کر رہے تھے۔ اس سکھانے بھڑکانے سے اور بھی چراغ پا ہو گئے۔ حسابات کی جانچ پڑتال کے لئے فوراً ان کو اپنے محل میں طلب کر لیا۔ یہ نازک صورت پیدا ہوتے دیکھ کر ابن عامر بھاگے بھاگے اپنے دوست وزیر ابن حدیر کے پاس پہنچے اور جس قدر رقم کم ہونے کی امید تھی اس سے کچھ زائد ہی ان سے مانگا۔ ابن حدیر پہلے ہی ابن عامر کا ممنونِ احسان تھا بلا تامل منہ مانگی رقم دیدی۔ وہ لے کر معہ تمام حسابات خلیفہ کے سامنے پہنچ گئے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر دکھایا۔ سارے الزام غلط ثابت ہوئے۔ ساری لگائی بجھائی اکارت گئی حاسدین مارے خجالت گردنیں لٹکا کر رہ گئے۔ جو کوشش ابن عامر کی بیخ کنی کے لئے کی گئی تھی۔ ان کے حق میں اُلٹی اور مفید ثابت ہوئی۔ ان کا وقار کیا بادشاہ کیا وزیر سب کی نظروں میں بہت بڑھ گیا۔ ابن عامر کے حُسن انتظام کی خوب تعریف ہوئی۔ ان کے لئے ترقی کی راہیں اور زیادہ کھل گئیں وہ ان درجات کو اور بھی زیادہ تیزی سے طے کرنے لگے۔

دسمبر ۹۶۸ء مطابق محرم ۳۵۸ھ المستنصر باللہ نے ان کو متعدد ایسی جائدادوں کا منتظم مقرر
کیا۔ جن کے مالک ہنوز زندہ تھے یہاں آئندہ گیارہ مہینے بعد ان کو اسبیلیہ اور نبلہ کا قاضی بنا
گیا۔ دفتر وہیں قرطبہ میں رہا۔ کچھ عرصہ بعد جب شہزادہ عبدالرحمٰن کا انتقال ہو گیا۔ تو دوسرے
بیٹے ہشام کے اتالیق اور اس کی جائداد کے بھی مہتمم مقرر ہوئے۔ جولائی ۹۷۰ء رمضان ۳۵۹ھ
میں جب ہشام ولیعہد سلطنت قرار پائے تو ابن عامر کے اعزاز میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔
فروری ۹۷۲ء۔ ربیع الآخر ۳۶۱ھ وہ خاص فوجی دستے جس کا کام شہر میں امن قائم کرنا اور رعایا
کی دیکھ بھال تھی۔ اس کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اس مرتبے نے ان کو دیگر فوجی افسران
سے بھی ملنے جلنے کا خوب موقع دیا۔ اور جب موریتانہ کے حالات خراب ہوئے اور سلطان
کی جانب سے وہاں خاص غرض اور ہدایات کے ماتحت بھیجے گئے تو وہاں انھوں نے جو
اپنے فیاضانہ سلوک اور اپنی شیریں کلامی سے فوجی افسروں کے دل خوب خوب ہاتھ میں لئے
اور ان کو اپنا گرویدہ بنایا۔

ابھی وہ جوانی کی عمر میں تھے مشکل سے ۳۱ سال کے بھی نہ ہوتے تھے کہ بیک وقت
ان کو پانچ چھ اعلیٰ مناصب حاصل ہو گئے۔ اور ان کو شمار بھی رؤسا اور امراء قرطبہ میں
ہونے لگا قصر رصافہ کے قریب انھوں نے خود اپنا مکان بنوایا۔ اس کو بڑے سلیقہ سے سجایا
پھر پوری آن بان سے اس میں رہنے لگے۔ اب وہاں مختلف قسم کے ضرورت مند جمع ہونے
لگے اور حسب ضرورت مرادیں پانے لگے۔ جلد ہی وہ عالیشان مکان مرجع خاص وعام بن
گیا۔ چھوٹے بڑے سب ہی آتے۔ کوئی غرض لے کر کوئی بے غرض۔ ابن عامر کسی کو مایوس نہ
کرتے۔ کسی کو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹاتے۔ ان کے مخلصانہ سلوک۔ فیاضانہ رویہ اور مہذبانہ
طرز گفتگو نے لوگوں کو بے انتہا ان کا مداح بنا دیا۔ اٹھتے بیٹھتے وہ بس ابن عامر کے اوصاف
حمیدہ اور خصائل عمدہ کی تعریف کرتے

Marfat.com

باب ۴۹

الحکم کا ذوقِ علمی

ادھر خلیفہ مستنصر باللہ پر فالج کا اثر ہوا ادھر ان کو اپنی زندگی کا دیا ٹمٹماتا ہوا نظر آنے لگا۔
ن کا بڑا بیٹا عبدالرحمٰن پہلے ہی موت کی آغوش میں پہونچ گیا۔ دوسرا بیٹا ہشام بہت ہی کمسن
ا۔ ان کو یہ اندازہ تھا کہ اس کی کم عمری کی وجہ سے ان کے بعد کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا ہو ضرور
وگا۔ اس لئے چاہا کہ اپنی زندگی ہی میں اس کے لئے خلافت کا راستہ ہموار کرتے جائیں۔ ایک
یشینگوئی یہ بھی گردش کر رہی تھی کہ اگر تخت خلافت بیٹے یا پوتے کسی کے قبضہ میں پہونچا
اس دن بنوامیہ کی حکومت ہی کا اندلس سے خاتمہ ہو جائے گا اس خطرہ کا سدِ باب بھی لازمی
ما۔ انہوں نے اس مقصد کے لئے ایک خاص دربار منعقد کیا اور تمام اعیانِ سلطنت
۵ فروری ۹۷۶ء یکم جمادی الآخر ۳۶۵ھ کو قرطبہ میں حاضرِ دربار ہونے کا حکم دیا۔ وہاں
ن کے سامنے ایک شاہی فرمان پیش کیا گیا۔ جس پر ہشام کی بیعت کے لئے مجبور کیا گیا تھا۔
سی امیر کی طاقت نہ تھی کہ وہ انکار کرتا۔ سب نے اس پر اپنے دستخط اور مہریں ثبت کر دیں۔
ھر خلیفہ نے ابن ابی عامر اور میسور الجعفری کو جو ملکہ صبح کا غلام تھا (الحکم خود ملکہ صبح کو پیار سے جعفر
کہا کرتے تھے) حکم دیا کہ اس فرمان کی متعدد نقلیں اتار کر تمام والیانِ ریاست اور ناظمانِ
وبہ اور افریقیہ کے ممالک محروسہ کے پاس روانہ کر دیں۔ اور پھر ان کو حکم بھی ساتھ ہی روانہ کر دیں
کہ ان پر دستخط کر کے دار الخلافہ واپس بھیج دیں پہلی اکتوبر ۹۷۶ء ۲ صفر ۳۶۶ھ کو خلیفہ کی زندگی

Marfat.com

کا چراغ واقعی گل ہوگیا۔ وہ ۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۶۳ برس کی عمر پائی۔ ۱۵ سال حکومت کی۔

الحکم کے عرصۂ حکومت کو فوجی مہمات یا فتوحات کی وجہ سے نمایاں حیثیت نہیں حاصل ہے۔ بلکہ ان کے حد سے بڑھے ہوئے ذوقِ علمی و ادبی کی وجہ سے شہرت خصوصی نصیب ہوئی کتابیں جمع کرنا، عمدہ لائبریری بنانا یہ ان کا فطری رجحان تھا۔ علماء و ادبا کی سرپرستی کرنا اور پھر ان سے کسب کمال کرنا یہ ان کا مشغلہ تھا۔ علم و ادب۔ حدیث و فقہ۔ شعر و سخن، فلسفہ و تاریخ کی کتابوں سے دلچسپی رکھنا ان کی عادت ثانی تھی۔ کتابیں جمع کرنے میں صرف کثرت ہی کو دخل نہ تھا۔ بلکہ نفاست اور خوبصورتی کو بھی۔ وہ ہر کتاب کی نہایت اعلیٰ جلد بنوا کر الماریوں میں سجا کر رکھتے تھے۔ ان کتابوں کی جلد بندی اور تزئین کے لئے سینکڑوں ملازمین ہر وقت کتب خانے میں کام کیا کرتے تھے۔ یہ کتب خانہ دارالترجمہ بھی تھا اور دارالاشاعت بھی، جس نایاب اور قیمتی کتاب کا نسخہ حاصل ہو جاتا تھا۔ اس کی نقلیں تیار کرائی جاتی تھیں بعض بعض کتابوں کی نقل میں چھ مہینے تک لگ جاتے تھے۔ مگر جب تک ختم نہ ہو جاتی تھی۔ مترجموں کو چین نہ ملتا تھا۔ ان کا یہ شوق دیکھ کر اہلِ علم اور فضلائے زمانہ بھی دور دراز کی صعوبتیں برداشت کرکے قرطبہ پہونچتے تھے۔ اور اس کے دربار سے وابستہ ہوکر اپنے علم کی تکمیل کرتے تھے۔ خلیفہ کی معاملات میں بھی اضافہ کرتے تھے۔ ان کی تشنگی تحصیلِ علم کو بھی تسکین پہونچاتے تھے۔ جو مشہور و معروف لوگ اس کے دربار سے آکر منسلک ہوتے ان میں بعض تو اپنے دور کے انتہائی ممتاز اور مشاہیر علماء اور شعراء میں سے تھے۔

ابو علی القالی عراقی (اصلی ساکن بغداد) عبدالرحمٰن الناصر کے عہد میں قرطبہ پہونچے مگر الحکم کا میلانِ خاطر دیکھ کر اسی کے گرویدہ ہوکر رہ گئے۔ خود نامی گرامی عالم تھے مگر الحکم کی دل سے قدر کرتے تھے۔ ان کی متعدد تصنیفات ہیں۔ کتاب الامالی تو بہت مشہور ہے۔

ابو بکر الازرق خاندان سلمہ بن عبدالملک بن مروان اُموی خلیفہ دمشق کے خاندان سے متعلق تھے۔ المستنصر باللہ کے آباؤ اجداد تھے۔ یہ شام سے مصر پہونچے اور وہاں سے ۳۴۳ھ میں افریقہ آئے۔ کچھ دن قیروان میں قیام کیا۔ مگر وہاں کے فاطمی خلیفہ کے گورنر نے ان کو تنگ کرنا شروع کیا۔ زبردستی ان کو شیعیت کی طرف مائل کرنا چاہا جب ان پر اس کا رنگ نہ چڑھا

یا تو اُٹھا کر قید کر دیا۔ اور ہر قسم کی اذیت اور تکلیف روا رکھی۔ یہ پھر بھی جب اپنے مذہب سے ٹس سے مس نہ ہوئے تو آزاد کر دیا۔ مگر اس سرزمین کو یہ اپنے حالات کے موافق نہ پاکر ۳۴۷ھ میں اندلس آ گئے۔ ان کے علم و فن کا شہرہ سُن کر الحکم ان سے ملنے کا خواہشمند ہوا۔ اور جب ایک بار مل لیا تو پھر جدا نہ ہونے دیا۔ مستقل ان کی صحبت سے فیض حاصل کرتے رہے۔ ۳۸۵ھ میں وہیں قرطبہ میں ان کی وفات ہوئی ان کا سنہ پیدائش مؤرخین نے ۳۲۹ھ لکھا ہے۔ گویا ۵۵-۵۶ سال کی عمر پائی۔

ظفر البغدادی۔ اس عہد کے خوشنویسوں میں بڑا مرتبہ اور شہرت رکھتے تھے۔ عراق میں حکم کے ذوق کی تعریف سُنکر بے اختیار اندلس چلے آئے اور اس کے دربار سے وابستگی کی خواہش کی حالانکہ کتب خانے میں پہلے ہی الیاس ابن عمر الصیقلی اور یوسف البلوطی جیسے خطاط اور خوشنویس موجود تھے۔ مگر ظفر کا خطِ تحریر دیکھ کر اور پھر ان کی علمی معلومات کا اندازہ کر کے خلیفہ نے فوراً ان کو اپنی خدمت میں لے لیا۔

اسمٰعیل بن عبد الرحمٰن بن علی القریشی اس کے عصر کے نمایاں اہلِ علم اور اہلِ قلم تھے۔ ان کا قیام قاہرہ میں تھا مگر وہاں علم و فن کی تحقیر بنی فاطمیوں کے ہاتھوں دیکھ کر اندلس چلے آئے۔ پہلے اشبیلیہ میں قیام کیا مگر الحکم نے ان کی شہرت سنتے ہی قرطبہ بلوا لیا اور اپنے دربار کے ورتنوں میں شمار کر لیا۔

ان کے علاوہ قاسم ابن اصبغ۔ احمد بن وہیم۔ محمد ابن السلام۔ ذکریا بن الخطاب اور ثابت بن قاسم ان مقتدر اور معزز ہستیوں میں تھے جن کا شریعت اور حدیث میں جواب نہ تھا۔ یہ جملہ حضرات الحکم کے اُستاد بھی رہے تھے۔ علم حدیث و فقہ کی تحصیل الحکم نے ان ہی بزرگوں سے کی تھی۔ کتب خانے کی نگرانی اور اشاعتِ دین کا کام بھی ان کے سپرد تھا۔ ثابت بن قاسم کی معلوماتِ دینی اس قدر بڑھی ہوئی تھیں کہ ہزاروں آدمیوں نے ان سے عقیدت رکھ کر حدیثیں سنیں اور لکھیں۔ ڈوزی کا بیان ہے علمائے حق میں چاہے وہ کہیں کے بھی کیوں نہ ہوں الحکم منصوب سے انتہائی فراخ اور سخی تھے۔ ان کے علاوہ وہ فلسفیوں کو بھی سایۂ خلافت میں لئے ہوئے تھے کہ اپنی کوششوں کو فلسفہ کی ترویج و اشاعت میں فزوں تر رکھیں اور علماء و متعصب عوام کی مخالفت کے باوجود اس کے پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ اسی لئے ابن الابار کو سخت تعجب ہوا کہ ابن الفرض اور ابن بشکوال نے ایسے نیک خصلت خلیفہ کی علم نوازی کا تذکرہ

Marfat.com

تو دل کھول کر کیا۔ مگر خود ان کو علماء عصر میں شامل نہ کیا جبکہ وہ ان علوم پر جو مولویان متین اور علمائے دین کے حاصل کرنے کے لئے لازمی ہوتے ہیں۔ بدرجہ اتم عبور حاصل کرلیا تھا۔ ان کے کتب خانے میں فنون وعلوم کی تمام قسم کی کتابیں موجود تھیں اور ان میں سے ایک بھی ایسی نہ تھی جس کو انہوں نے بالاستیعاب پڑھا نہ ہو۔ اور اس پر مصنف یا موئف کا نام۔ حسب نسب۔ مولد۔ اگر اس کا انتقال ہوگیا ہے۔ تو تاریخ انتقال مع مقام اور وقت نہ لکھ دیا کرتے ہوں۔ حاشیوں پر باقاعدہ ان کے نوٹ ہوتے تھے۔ جو ان کے تبحر علمی کی دلیل تھے۔ اس کے علاوہ شاعری میں بھی ان کا ایک اعلیٰ مقام تھا۔ اکثر وبیشتر ایسی نظمیں ان کے نام سے منسوب ہیں جو کسی بڑے دوررس ذہن کی تخلیق معلوم ہوتی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ علم تاریخ۔ علم الرجال اور معدنیات میں نہ صرف دخل تھا بلکہ کامل دستگاہ حاصل تھی۔ خود اس کی کئی تصانیف ان موضوعات پر موجود ہیں۔ علم اخبار و انساب میں بھی وہ مکمل طور پر واقفیت رکھتے تھے۔ جو معاصر مشاہیر ان کے حاشیوں پر لکھی ہوئی تحریروں کو پڑھتے تھے۔ دنگ رہ جاتے تھے اور اس کو مستند تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔

کتابیں جمع کرنے کا شوق اور اپنی لائبریری کو اعلیٰ سے اعلیٰ پیمانہ پر لے جانے کا شوق الحکم کو عشق کی حد تک تھا۔ ان کے ایجنٹ تمام ممالک میں پھیلے رہتے تھے۔ اور جہاں کسی کتاب کی تصنیف کا حال سن پاتے تھے اس کی خرید یا نقل کی فوراً کوشش شروع کردیتے تھے۔ یہ گماشتے قاہرہ۔ بغداد۔ دمشق۔ اسکندریہ اور ہر اس مقام پر جہاں کچھ علم و ادب کا چرچا تھا اور لوگ پڑھنے لکھنے کی طرف راغب تھے۔ اہل شہر اور امراء ادیبوں کی سرپرستی بھی کرتے تھے۔ وہاں پر یہ مصنفین کو کسی کتاب کے سلسلہ تصنیف شروع کرنے سے پہلے ہی الحکم کے ہاتھوں اس کو فروخت کردینے کی ترغیب دینے لگتے تھے۔ اور جب تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوجاتے تھے۔ اطمینان کا سانس نہ لیتے تھے۔ خود خلیفہ کی طرف سے یہ احکامات تھے کہ نادر کتابوں کی خرید پر روپیہ کا منہ نہ دیکھا جائے۔ بلکہ جس قیمت پر بھی حاصل ہوسکتی ہوں لی جائیں۔ حتیٰ کہ اس کی تخصیص بھی نہ تھی کہ کتاب پرانی ہے کہ نئی۔ بلکہ پرانی کتب کی اور بھی زیادہ قدر ہوتی تھی۔ بیان کیا ہے کہ الحکم کو ایک بار اطلاع ملی کہ اصفہان کے ایک مقتدر مصنف ابوالفرج اصفہانی عرب کے شاعروں اور مغنیوں کے بارے میں ایک کتاب تحریر فرمارہے ہیں۔ الحکم نے فوراً ان کو ایک ہزار اشرفی بطور انعام روانہ کیں۔ اس

Marfat.com

درخواست کے ساتھ کہ کتاب کے مکمل ہوجانے کے بعد پہلی نقل اس کی انہیں روانہ کریں۔ اُنہوں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور کتاب مکمل کرنے کے بعد (کتاب کا نام الاغانی تھا) خلیفہ کے پاس مع ایک قصیدہ کے روانہ کردی۔ اس کے موصول ہوتے ہی ایک ہزار اشرفیاں ان کی خدمت میں اور روانہ کردی گئیں۔ پہلی بار یہ کتاب اُندلس میں شائع ہوئی[1] اس رُجحان نے مصنّفین کے دل اس طرح بڑھائے کہ وہ دل و جان سے تصنیف و تالیف کی طرف رجوع ہوگئے۔ نہایت اعلیٰ اعلیٰ قسم کی متعدد کتابیں لکھی گئیں۔ قرطبہ علم و ادب کا مخزن اور معدن بن گیا۔ جلد ہی الحکم کی لائبریری میں نادر اور نایاب کتابیں ۲۴ لاکھ کے قریب جمع ہوگئیں۔ ان کی فہرست خالی ۴۴ جلدوں میں تھی۔ ہر جلد میں بیس سے لے کر پچاس صفحات تک تھے۔ یہ کتابیں مختلف فنون کے متعلق تھیں۔ اور ان کا جواب دنیا کے کسی اور حصّہ میں ملنا اس وقت تقریباً ناممکن تھا۔ ان کتابوں کی ظاہری زیب و زینت پر بھی خاص توجہ دی جاتی تھی۔ ان کی جلدیں پُر تکلف اور نفیس ہوتی تھیں۔ ایک ایک کتاب کی نقل میں خطّاط اور خوشنویس اتنی جانفشانی کرتے تھے کہ چھ چھ مہینے لگ جاتے تھے۔ شرق تا غرب اس عظمت کا کتب خانہ نکلنا محال تھا۔

الحکم ثانی کے کردار پر ایک نظر

اس عالی مرتبت بادشاہ کے کردار کی صحیح جھلک تو اس کے شغف علمی میں نظر آجاتی ہے۔ تعلیم کا چرچا جس قدر اُنہوں نے عام کیا۔ ان کے کسی پیشرو نے نہ کیا۔ ۲۷ نئے مکتب صرف اُنہوں نے قرطبہ میں کھولے تھے تاکہ بڑے سے لے کر چھوٹے تک لکھنا پڑھنا سیکھ لے اور بقدر ذوق علم حاصل کرے۔ غریبوں کو تعلیم مُفت دی جاتی تھی۔ اور ان کا دوسرا تمام خرچہ بھی ریاست اُٹھاتی تھی۔ معلّمین کی تنخواہیں سرکاری خزانے سے دی جاتی تھیں۔ طالب علم کو کھانا پینا اور کپڑا بھی خلیفہ کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جامع مسجد قرطبہ میں بھی درس تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ ابوبکر بن معاویہ وہاں حدیث پڑھایا کرتے تھے۔ ابوعلی القالی نحوی اور زبان کا درس دیتے تھے۔ ابن القوطیہ بھی صرف و نحو پڑھایا کرتے تھے۔ دارالعلوم قرطبہ میں جسے موجودہ زمانہ میں یونیورسٹی کہا جا سکتا ہے۔ بڑے جیّد قسم کے مولوی اور اساتذہ مقرر تھے۔ ابوعبداللہ مفرج کا جواب فقہ اور [illegible]

---

[1] یہی حال قاضی ابوبکر الابہری المالکی کی کتاب شرح مختصر کا ہوا جسے ابن عبدالحکم نے لکھا۔ ان کو بھی گرانقدر رقم بھیج کر یہ کتاب منگوائی۔

Marfat.com

نہ تھا۔ ابن مغیث۔ احمد ابن عبدالملک۔ ابن ہشام القوی یوسف ابن ہارون۔ الولید یونس احمد بن سعید۔ ابراہیم الہمدانی جیسی شخصیتیں نثر و نظم۔ تاریخ و ہیئت پڑھایا کرتے تھے یہ لوگ اعلیٰ پایہ کے شاعر بھی تھے۔

تعلیم کو مزید ترقی دینے کے لئے الحکم نے تمام صوبیداروں کو یہ حکمنامے بھیجے کہ چھوٹے چھوٹے دیہاتوں میں بھی اسکول اور تعلیم گاہیں کھول دی جائیں تاکہ سارے ملک سے جہالت کا نام و نشان مٹ جائے۔ ان کی اس طبیعت سے اُمراء نے یہ اندازہ لگالیا کہ الحکم کے نزدیک عہدوں اور منصوبوں کے حاصل کرنے کے لئے سیاسی یا فوجی خدمات کوئی درجہ نہیں رکھتی ہیں بلکہ علمی اور فنی صلاحیتیں مصحفی ایک معمولی ادیب اور شاعر تھے مگران کو وزارت کے عہدے پر فائز کردیا۔ ابن ابی عامر قریہ قرطاش کے ایک طالب علم ہی تھے اور قرطبہ میں ان کی تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی۔ مگران کے درجات میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا۔

الحکم مستنصر باللہ کے لئے تمام مورخین متفق ہیں کہ وہ ذی علم کے ساتھ ساتھ رحمدل اور عدل پرور بادشاہ تھے۔ ان کے عہد میں قضاۃ کے عہدے پر صرف وہی لوگ مامور ہو سکتے تھے جو نیکوکار اور منصف مزاج ہوں۔ کسی اثر یا دباؤ کے رُعب میں نہ آجائیں۔ ہر فیصلہ کرنے سے پیشتر تمام نکات کو اچھی طرح دیکھ بھال لیں کہ مبادا کوئی غلط فیصلہ کسی کے حق میں نہ ہو جائے۔ اور خلیفہ روزِ حشر مواخذ گیر ہو اس کے علاوہ وہ نہایت پابند شرع اور مذہبی آدمی تھے۔ ان کے زمانے میں شراب خوری کا بہت چرچا ہو گیا۔ اس کو ختم کرانے کے لئے انہوں نے جنون کی حد تک کوشش کی۔ غصہ میں آکر تمام انگوروں کے درخت ہی اکھاڑ کر پھینک دے رہے تھے کہ شراب کشید ہونے کی گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے۔ جب لوگوں نے یہ بتلایا کہ اس کے اور بہت سے فوائد ہیں تو وہ بمشکل تمام مانے۔ الحکم کا یہ قاعدہ تھا کہ کبھی کسی کو مفتی یا قاضی نہ مقرر کرتے جب تک کہ اس کے صاحب شرع اور صاحب معلومات ہونے کے لئے پوری واقفیت اور تسکین قلب نہ حاصل کر لیتے تھے اکثر مذاکرہ منعقد کراتے یا اسی قسم کی مجلسیں برپا کر کے ان لوگوں کا امتحان بھی لیتے تھے اور کچھ معلومات میں بھی اضافہ کر لیتے تھے۔ ...رع ہونے کی بنا پر معمولی معمولی خطاؤں اور غلطیوں پر جو اگر کبھی ان سے سرزد ہو جاتی تھیں تو سخت توبہ استغفار کرتے تھے۔ جامع مسجد کی زینت کے لئے انہوں نے کم و بیش ایک لاکھ ۶۱ ہزار دینار سرخ خرچ کئے تھے۔ یہ سارا کا سارا بادشاہ کے صرف خاص ہی میں سے خرچ ہوتا تھا مسجد کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا تھا۔

Marfat.com

...ں سب میں جالیاں لگوائی تھیں۔ اور نہایت خوبصورت گلکاری بنوائی تھی۔ مقصورہ کے تین دروازے ...ں عجیب و غریب صنعت کا ثبوت دیا گیا تھا۔ اس کے قریب اُنہوں نے ایک لنگرخانہ کھولا تھا جہاں ...ے غربا اور مساکین کو مفت کھانا ملتا تھا۔

اس تمام دینداری اور علمی شغف کے باوجود الحکم سیاسی اُمور سے کبھی بے نیازی نہ برتتے ...ے۔ جب نارمنزان کے زمانہ میں اشبونہ کے علاقے میں لوٹ مار کے لئے پہونچے تو اُنہوں نے امیر ...حکم دیا کہ جہازوں کو لے کر ادھر بڑھیں اور ان مجوسیوں کے جتنے جہاز ان کو غارت کردیں ساتھ ...ں ساتھ ان ظالموں کو بھی۔

رعایا کی سہولت اور آرام کے لئے اُنہوں نے تمام ممالک محروسہ میں حمام۔ سرائیں۔ اور ...عارت گاہیں قائم کیں۔ زراعت اور تجارت کو خاص طور سے فروغ دیا۔ آب رسانی کے انتظامات ...لئے۔ نئے نئے باغ لگوائے نئی نئی روشیں تیار کرائیں۔ ایک طرف ملک علم کی روشنی سے درخشاں ...وا۔ وہاں دوسری طرف اقتصادی حالت کو بھی کہیں بہتر بنا دیا۔

Marfat.com

باب ۵۰

ہشام المؤید

الحکم مستنصر باللہ کے انتقال کے بعد اس کے کم سن بیٹے ہشام کی تخت نشینی بڑے ڈراما
انداز میں ہوئی۔ ضعیف الاعتقادی کی بنا پر ابن بسام کے قول کے مطابق اس پیشین گوئی پر
یقین کر لیا گیا تھا کہ اگر حکومت کی باگ ڈور باپ سے بیٹے کے ہاتھ میں پہونچے گی تو بنوامیہ کا اق
قائم رہے گا ورنہ اختلال رونما ہو جائے گا۔ اسی باعث احتیاطاً مرحوم خلیفہ نے اپنی زندگی میں تمام
اُمرائے سلطنت سے اپنے بیٹے کے نام پر بیعت لے لی تھی۔ جس کا ذکر پچھلے باب میں آچکا ہے
اور پھر اس یقین کے ساتھ دم توڑا تھا کہ تخت اسی کے نامزد کردہ جانشین کو حاصل ہوگا۔ مگر وہ تو
آتے آتے نہ جانے کتنے اور روڑے درمیان میں آ گئے۔ پہلی اکتوبر ۹۷۶ء کی رات کو خلیفہ
کی آنکھیں اچانک مُند گئیں۔ ان کے قریب اس وقت صرف وفادار اور جاں نثار دو خواجہ
سرا فائق اور جوذر تھے۔ جن پر ان کو بہت ہی زیادہ اعتماد رہا تھا۔ یہ دونوں خواجہ سرا کہنے
کو تو غلام تھے۔ مگر بڑی حیثیت اور قوت کے مالک تھے۔ فائق داروغۂ مطبخ تھا۔ جوذر
شکار کے جانوران مثلاً باز۔ شکرا۔ عقاب وغیرہ کی نگرانی پر مامور تھا۔ ان کے ماتحت خود
بہت سے غلام تھے۔ شاہی حفاظتی رسالہ پر ان کا ہی حکم چلتا تھا۔ اپنی چالاکی اور رشوت و
دیگر انہوں نے اور بہت سے خواجہ سراؤں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اس طرح سے ایک

Marfat.com

ر کے لگ بھگ تاختہ صقلبی غلام ہر وقت ان کے حکم کے منتظر رہتے تھے۔ بادشاہ کی حمایت
وجہ سے یہ لوگ بہت خود سر اور بیباک ہو چکے تھے۔ اپنے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں نہ
تے تھے کسی کو اپنا ہمسر نہ سمجھتے تھے اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ایک خلیفہ کے مرنے
بعد دوسرے کو تخت نشین کرنے میں بہت کچھ ان کی ایماء کا دخل ہوتا تھا۔ اسی لئے ان
ان نے باہم مشورہ کیا کہ اگر حکم بن ہشام تخت پر بٹھا دیا گیا۔ تو بڈھے وزیر مصحفی اور ملکہ سلطانہ
کا حکم چلے گا اور ان کی دال کہیں بھی نہ گل پائے گی۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ تخت شاہی
ندان کے افراد سے نکال کر کسی صقالبی سردار کے سپرد کر دیا جائے۔ البتہ یہ ممکن تھا کہ
مرضی کا کوئی فرد گدی نشین کیا جائے کہ ان کے اشاروں پر چلے ان کا احسان مند
ہے اور ان کے اقتدار کو اور قوت بخشے۔ ان کی نظریں ہشام کے چچا مغیرہ جو ابھی بمشکل ۲۷
ال کا تھا اور الحکم کا بھائی تھا (رشتہ کا) کی طرف اٹھیں۔ مگر اس مقصد براری کی راہ
سب سے بڑا کانٹا المصحفی تھا۔ کہ جس کو ہٹائے بغیر کام بن ہی نہ سکتا تھا۔ جوذر نے
کے قتل کی تجویز پیش کی۔ فائق جوذر اکمزور دل اور دور اندیش نہ تھا یہ سن کر ڈر گیا۔
ر تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم ایک خلیفہ کی تخت نشینی
نے مرحوم آقا کے ایک پرانے خدمتگذار اور قدیم نمک خوار کے قتل سے کریں۔ بہتر یہ ہے۔
اس کو کسی نہ کسی ترکیب سے اپنی رائے کا ہمنوا بنا لیا جائے۔ سمجھانے بجھانے سے جوذر نے
ی یہ بات مان لی۔ اور اسی وقت جعفر مصحفی کو قصر خلافت میں طلب کیا۔ وہ بیچارہ ساری باتو
ے ناواقف حیران و پریشان پہونچا کہ معلوم نہیں خدانخواستہ کیا ناگہانی آپڑی ہے کہ رات
لے اس حصہ میں حکم طلبی آیا ہے۔ وہاں پہونچا تو سارا راز کھلا۔ دو غلاموں نے اپنا مقصد
ی بیان کر دیا۔ اور اس سے ساتھ دینے کی خواہش کی۔ مصحفی جو ان کی قوت سے بخوبی واقف
تھا۔ ڈرا کہ اگر کہیں مخالفت کی تو جان سے ہاتھ نہ دھو بیٹھوں۔ فوراً ان کی تجویز سے اتفاق
ر لیا۔ اپنی اور اپنے ساتھیوں کی مدد کا وعدہ کیا اور ان کی اسکیم کو کافی سراہتے ہوئے
ہا کہ مناسب ہوگا کہ دوسرے عمائدین سلطنت سے بھی اس بارے میں گفتگو کر کے اپنا
ہمرائے بنا لیا جائے اگر کوئی مخالفت کرے گا تو اس نے کہا کہ میں محل کے دروازے پر اپنے
ساتھیوں کے ساتھ موجود رہوں گا۔ اور تم لوگوں کے حکم کا منتظر۔ جیسا کہو گے ویسا کروں گا۔
یہ کہہ کر باہر نکل آیا۔ اور وہاں اپنے دوستوں کو جمع کرنے کی فکر میں لگ گیا۔ اپنے بھتیجے ہشام

Marfat.com

ابن ابی عامر زیاد بن افلح - صاحب - غالب - قاسم بن محمد بن طلوس - اسپینی نوجوں کے کما
اور مدینہ سالم کے اعلیٰ افسران جن میں بنی ہزال بھی شامل تھے اور اس کے اعتماد کے لوگ
سب کو بلا بھیجا۔ جب وہ لوگ آگئے تو خلیفہ کے انتقال کی خبر بتانے کے بعد فائق اور جو
جو کھچڑی پکارہے تھے۔ اس کا ذکر بھی کر دیا۔ اس خطرے سے بھی آگاہ کر دیا۔ جو ہشام
کے بجائے مغیرہ کی تخت نشینی سے وابستہ تھا کہ پھر ان سب کی خیر نہیں کیونکہ مغیرہ کو ان
سب سے نفرت تھی اور اس کے برسر اقتدار آجانے کے معنی ان کی زندگی کا بھی خدشہ
تھا۔ وہ سب لوگ مصحفی کی بات کے قائل ہو گئے۔ اور یہ خوب اندازہ لگا لیا کہ اگر آقا
بیٹے کے ساتھ رہے تو ملک و دولت بھی ان کا ساتھ دے گی ورنہ دوسروں کا مگر ان
لوگوں کے منصوبہ کو توڑا کیوں کر جائے۔ یہ ایک مشکل مرحلہ تھا۔ مغیرہ کو کسی نہ کسی طرح
راستے سے ہٹانا تھا۔ مگر بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے اس کے خون سے اپنے ہاتھ
کون رنگے۔ یہ بات درمیان میں تھی کسی نے حامی نہ بھری۔ ابن عامر نے یہ خاموشی دیکھ
کر لوگوں کو مصلحت بینی کا روشن پہلو دکھلایا۔ اور خود اس کام کو انجام دینے پر آمادگی ظاہر
سب لوگوں کو بہت تعجب ہوا کہ جس کام کو کسی فوجی آدمی کو انجام دینا چاہئے اس کے
لئے ایک دیوانی کے محکمہ کا آدمی اپنے آپ کو پیش کر رہا ہے۔ بہر حال سب نے اس مخلصانہ
جذبہ کو سراہا اور سپہ سالار اور ایک سو محافظ سرداروں کے علاوہ چند اسپینی دستے بھی لیکر
مغیرہ کے مکان کی طرف روانہ کر دیا۔ وہاں پہونچکر اس نے چاروں طرف محاصرہ کر لیا
پھر مغیرہ کے پاس پہونچکر خلیفہ کے انتقال کی خبر سنائی۔ ساتھ ہی ساتھ وزیروں کے
اس خوف کا بھی اظہار کر دیا۔ کہ شاید آپ ہشام کی تخت نشینی کی موافقت یا اس کو گوارا نہ کریں
مغیرہ فوراً مطلب کی تہہ تک پہونچ گیا۔ مارے خوف کے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ تھر تھراتے
ہوئے بھائی کی موت پر اظہار افسوس کیا۔ اور نئے خلیفہ کے ساتھ وفادار اور ایماندار رہنے
کا حلف اٹھایا۔ یہ حال دیکھ کر ابن عامر نے مصحفی کے پاس ساری رُوداد لکھ بھیجی لیکن
اس کا جواب یہ موصول ہوا کہ تم جس کام پر متعین کئے گئے ہو اس کو بجا لاؤ۔ کسی تذبذب کو
دخل نہ دو۔ ورنہ کسی دوسرے کو مقرر کیا جائے گا۔ ابن عامر نے وہ خط بھی مغیرہ کو دکھلا دیا۔
موت اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگی۔ مارے خوف کے اس کی گھگھی بندھ گئی۔
ابن عامر سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی وہ باہر نکل آیا۔ اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ مصحفی کے

Marfat.com

کی تعمیل کریں۔ مغیرہ کے گلے میں رسی باندھ کر اس قدر کھینچا گیا کہ سانس کی آمد و شد بند ہو گئی
اس کی لاش کو کمرہ میں لٹکا دیا گیا۔ مشہور یہ کیا گیا کہ اس نے ہشام کی تخت نشینی کی خبر
سنکر خودکشی کرلی۔ یہ سارا ماجرا مصحفی کو لکھ بھیجا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ لاش والے کمرے کو
طرف سے چن دیا جائے۔

فائق اور جوذر کو جو اپنی دھن میں ابھی تک لگے ہوئے تھے واقعہ کی اطلاع ہوئی
زمین ان کے پیروں تلے سے سرک گئی۔ وہ تو ابھی تک اپنے ہمنواؤں کو جمع بھی نہ کر پائے
بلکہ ہر طرف بلانے کے لئے ہرکارے ہی دوڑائے تھے کہ مصحفی دھوکہ دے کر اپنا کام
گئے۔ اور ان کا سارا کیا دھرا یونہی کا یونہی رہ گیا۔ جوذر نے فائق کو بہت پھٹکارا کہ یہ
اس کے نکمے پن اور غلط مشورہ کا نتیجہ ہے۔ اگر مصحفی کو پہلے ہی راستے سے ہٹا دیا جاتا
یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔ مگر اب کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ اب تو مصلحت
اسی میں تھی کہ کسی طرح خوشامد درآمد کر کے مصحفی کو راضی کر لیا جائے اور غلطی کی معافی مانگ
لی جائے۔ وہ شرمندہ اور محجوب سے اس کے پاس پہونچے۔ اس کی دلیرانہ حرکت کو بہت سراہا
اور اپنی ندامت کا اظہار کیا اور آئندہ تعاون کا وعدہ۔ مصحفی ہر چند کہ صقالیہ کے سخت خلاف
تھے۔ اور وہ لوگ ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ مگر مصلحت اسی میں تھی کہ درگزر
سے کام لیا جائے اور اس وقت کوئی اور بکھیڑا نہ کھڑا کیا جائے۔ ان لوگوں کا عذر قبول کر لیا
گیا۔ بظاہر ایسا محسوس ہوا کہ ہر شورش دب گئی۔

صبح ہوتے ہی خلیفہ کے انتقال اور ہشام کی تاجپوشی کی خبر مشتہر کر دی گئی۔ اکابرین
سلطنت قصر خلافت میں جمع ہوئے۔ ہشام سریر آرائے تخت حکومت ہوئے۔ قاضی ابن سلیم
نے تمام وزیروں۔ امیروں۔ رئیسوں اور قریشی سرداروں سے دوبارہ بیعت لی۔ عوام الناس
سے بیعت ابن عامر نے لی۔ اپنے تدبر اور چرب زبانی سے اس نے سب کو ہموار کر لیا بجز اکا دکا
سب نے ہشام جیسے گیارہ سالہ صاحبزادے کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ جب یہ رسم ادا ہو چکی
تھی تو سارے اختیارات مصحفی نے اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ غالب کو فوج کا سپہ سالار
مقرر کر دیا گیا۔ ابن ابی عامر کے منصب میں اور اضافہ کر دیا گیا۔ ملکہ صبح پس پردہ امور سلطنت
میں دخیل ہو گئی اور یوں بظاہر سارے معاملات طے پا گئے۔

لیکن اندر ہی اندر رعایا مصحفی کے اس بڑھتے ہوئے اقتدار۔ اس کے ناروا سلوک۔

Marfat.com

غیر منصفانہ رویّے سے سخت نالاں تھی۔ اب تک کسی ایسے بادشاہ نے ان پر حکمرانی کی نہ تھی جو خود کم عمر ہونے کی وجہ سے محل میں اَناؤں اور کنیزوں کی گود میں کھیلے۔ وزیر اور امیر اپنا اپنا حکم چلائیں۔ اپنی من مانی کیا کریں۔ لوگوں کو جب علم ہوا کہ مغیرہ کی موت فی الواقع خودکشی سے نہ ہوئی تھی بلکہ وہ قتل کیا گیا تھا جس میں سو فیصدی ہاتھ مصحفی کا تھا تو وہ لوگ امراء سے اور بھی بددل ہوگئے۔ اندر ہی اندر ناراضگی پھیلنے لگی۔ شورش کی آگ بھڑکنے لگی۔

ابنِ عامر ان حالات سے بے خبر نہ تھا۔ کسی قسم کی کوتاہی برتنے کے معنی تھے رعایا کو بغاوت برپا کر دینے کا موقع دینا۔ اس نے وزیر مصحفی کو مشورہ دیا کہ قرطبہ کی سڑکوں پر فوجی دستوں کی نہایت شاندار طریقہ سے نمائش کی جائے۔ تاکہ وہ لوگ مرعوب ہوجائیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ خلیفہ ہشام کا بھی جلوس نکالا جائے کہ وہ لوگ اس عقیدے کو نکال ڈالیں کہ خلیفہ کو ان وزیروں نے محل میں نظر بند سا کر رکھا ہے۔ تجویز معقول تھی۔ ایک ہفتہ بعد ہی سنیچر کے روز ۸ اکتوبر ۹۷۶ء (۸ صفر ۳۶۶ھ) کو نہایت اہتمام کے ساتھ شاہی جلوس قرطبہ بھر میں گھمایا گیا۔ خلیفہ نے المؤید کا لقب اختیار کیا۔ مصحفی کو وزیر اعظم یعنی حاجب کا عہدہ تفویض ہوا۔ بعض کا خیال ہے۔ اُنہوں خود یہ عہدہ اپنے حق میں تفویض کر لیا۔ بلکہ صبح کی سفارش پر ابنِ عامر مصحفی کی جگہ پر وزیر مقرر ہوگئے۔ نوعمر بادشاہ کو ایک مرصع اور مزین گھوڑے پر بٹھا کر ہزاروں سواروں اور سپاہیوں کے ساتھ رعایا کی نگاہوں کا مرکز بنایا گیا۔ جب یہ جلوس واپس پہنچا تو ابنِ عامر کی تحریک پر شاہی فرمان شائع ہوا جس میں رعایا کی حفاظت اور بہبودی کو مدِّنظر رکھنے کا پورا وعدہ کیا گیا تھا۔ ان کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کے واسطے روغن زیتون پر عائد کردہ ٹیکس معاف کر دیا گیا اس رویّے نے رعایا پر بہت اچھا اثر کیا۔ شورش پسندوں کی ہمتیں واقعی یہ جوش وخروش یہ تزک اختشام دیکھ کر پست سی ہوگئیں۔ ابنِ عامر کو مقبول ہونے کا ایک موقع اور ہاتھ آگیا۔ اس نے سب میں یہی مشہور کیا کہ ٹیکس اس کی ایماء پر ہٹایا گیا ہے۔ روغنِ زیتون پر ٹیکس سب سے زیادہ گراں اور ناگوار محسوس ہوتا تھا۔ لوگ دل سے ابنِ عامر کے دوست اور خیر اندیش ہوگئے۔

لیکن انتظام سلطنت مکمل طور پر جعفر المصحفی کے ہی ہاتھ میں رہا۔ وہ وزیر اعظم کے عہدے پر مامور ہوا۔ جو خلیفہ کے بعد سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لہٰذا جتنی بات ان کی چلتی تھی۔ ابنِ عامر کی نہ چلتی تھی۔ اس چیز نے اس کو کسی حد تک مصحفی کا حاسد بنا دیا اپنی

Marfat.com

...زی طبع کی بدولت اس نے ملکہ صبح پر اپنا پورا سکہ جمالیا تھا اس ملکہ کی بدولت اس کو عہدۂ وزارت حاصل ہوا تھا۔ اور اسی کے فرمان کی وجہ سے المصحفی کو مجبور ہوکر ابن عامر کو تمام ملکی معاملات میں صلاح ومشورے کے لئے شامل کرنا پڑا۔ یہیں سے اس کے عروج میں رخنہ پڑنا شروع ہوگیا۔ لیکن اس کا احساس آگے چل کر بہت دنوں بعد ہوا۔ ابھی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مصحفی اور ابن عامر حکومت کے دو مضبوط ستون ہیں۔ جن پر ساری عمارت پُرشکوہ انداز میں کھڑی ہوئی ہے۔

فائق اور جوذر کو جو خجالت مصحفی کے ہاتھوں اٹھانا پڑی تھی۔ اس کا صدمہ ان کو بے چین رکھتا تھا۔ اب تو سارا اقتدار اسی کے ہاتھوں میں تھا لہذا یہ لوگ اس کا کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتے تھے لیکن خلیفہ جو ابھی کچی عمر کا تھا اس کو سکھلانا پھسلانا شروع کیا۔ اور اندر ہی اندر ان کے کانوں میں بس گھولنے لگے۔ مصحفی کے ایجنٹوں نے ان کی کارروائیوں کی اطلاع بہم پہنچائی اور یہ بھی بتلا دیا کہ یہ لوگ باب الحدید کی جانب سے قصر میں داخل ہوتے ہیں۔ مصحفی نے اس دروازے ہی کو چنوا دیا۔ اب صرف ایک دروازہ باب السدہ آمد ورفت کے لئے باقی رہ گیا۔ یہاں سخت پہرا بٹھا دیا گیا۔ اور لوگوں کو بغیر اجازت اندر جانے کی ممانعت کردی گئی۔ دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ وہ فوج صقالیہ جو حفاظتِ خلیفہ اور محل میں متعین تھی۔ اس کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوئے اس میں تخفیف کرنا شروع کردی۔ لیکن یہ کام اتنا آسان نہ تھا۔ خود صقالیہ کا زور بہت زیادہ تھا۔ اور ان کی تعداد ملازمان بھی بہت زائد تھی۔ یہ کام حکمت عملی سے دھیرے دھیرے ہی انجام پاسکتا تھا۔ ایسے تمام ملازمین جو اختہ تھے اور نہ خواجہ سرا کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کو فائق اور جوذر کی ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا رشوتیں دے کر کچھ وعدہ وعید کر کے ان کو ابن عامر نے اپنی طرف توڑ لیا۔ ان میں سے تقریباً پانچ سو اس کی ملازمت میں جوذر وغیرہ کو چھوڑ کر آگئے۔ یہ ان دونوں خواجہ سراؤں کی طاقت پر ضرب کاری تھی۔ قصرِ خلافت میں اب نئے ملازمین رکھے گئے۔ جو قبیلہ بنی برزال سے تعلق رکھتے تھے۔ اور خاص مصحفی کے آدمی تھے۔ اس سے مصحفی کی قوت محل کے اندر اور باہر کئی گنا زیادہ ہوگئی۔

جوذر نے جو طاقت کو اس طرح پاؤں کے نیچے سے پھسلتا دیکھا تو سخت تاؤ میں آیا۔ ایک حربہ اس نے یہ استعمال کیا کہ اپنی پوزیشن کو ذرا مضبوط بنانے کے لئے مصحفی کو استعفا کی

Marfat.com

دھمکی دی۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے پاس اس قدر اہم منصب ہے کہ مصحفی اس کے ہٹ جانے کے بعد کام چلا ہی نہ سکے گا۔ مگر یہ دھمکی کچھ بھی کارگر نہ ہوئی اور جس وقت استعفیٰ پیش کیا گیا تو مصحفی بغیر چون و چرا منظور کر لیا۔ اس کا یہ خیال کہ استعفیٰ منظور نہ ہونے کی شکل میں وہ اپنی شرائط بجبر منظور کروائے گا اور مصحفی کو مجبور کرے گا کہ وہ ان کو تسلیم کریں اور یوں اس کا اقتدار بڑھ جائے گا۔ مگر جتنا سوچا گیا وہ سب دھرا کا دھرا ہی رہ گیا۔ جوذر ایک دم سے بڑا آدمی رہنے کے بجائے معمولی حیثیت کا انسان بن گیا۔ جس طرح رسی جل جاتی ہے مگر بل نہیں جاتا ہے اسی طرح جوذر کے سازشی جذبے نے اور بھی تیزی پکڑی۔ اپنے رفیقوں کو اس اقدام کے خلاف ابھارا اور ان کو برملا مصحفی اور ابن عامر کی برائی کرنے پر آمادہ کیا۔ ان گستاخیوں میں ایک شخص تو حد سے بڑھ گیا۔ کیا خلوت کیا جلوت سب ہی جگہ سخت و سست ان واجب القدر لوگوں کو کہنے لگا۔ مصحفی نے ایک بار پھر ابن عامر سے اس فتنے کو دبانے کے لئے کہا۔ اتنا اشارہ کافی تھا۔ ابن عامر بھلا کہاں چوکنے والا آدمی تھا۔ بیاسہ Baesa کا علاقہ جو درّی کے قبضہ میں تھا۔ وہاں کے لوگوں کو اس نے درّی کے خلاف ورغلانا شروع کیا۔ وہ لوگ پہلے ہی سے اس کے ظلم و ستم سے نالاں و پریشان تھے۔ اتنی شہ ملی تو اس جرأت پر آمادہ ہو گئے کہ تحریری طور پر اپنی شکایات لکھ بھیجیں۔ درّی سے جواب طلب کیا گیا اور اسے دارالوزارت میں حاضر ہونے کا پروانہ بھیج دیا گیا۔ وہ اپنی اکڑفوں میں گم وہاں پہنچ گیا مگر دیکھا تو ہر چہار طرف فوج کا سخت پہرا ہے۔ پھر تو سٹی گم ہوئی۔ اپنی جان کا خطرہ بھی لاحق ہوا۔ نکل بھاگنا چاہا مگر ابن عامر نے بغیر ہر بات کا مناسب جواب دیئے نہیں جانے دیا۔ نوبت اس حد تک پہونچی کہ ابن عامر نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔ اور درّی نے اس کی داڑھی ابن عامر نے فوراً اپنے سپاہیوں کو پکارا۔ اسپینی سپاہی تو درّی کی قوت سے خائف تھے آگے نہ بڑھے مگر بنی برزال والے بھلا کیوں دبتے۔ لپکتے ہوئے آئے۔ اور درّی پر دست درازی شروع کر دی۔ بیچارہ بیہوش ہو گیا۔ اسی عالم میں اس کو جائے رہائش پر پہونچا دیا گیا۔ جہاں اسی رات ابن عامر کے کسی ایجنٹ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ لیکن درّی کا قتل صقالیہ گروپ سے اعلان جنگ تھا۔ ابن عامر کی دوررس نظروں نے اس کا تدارک پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ فائق جس سے خطرہ سب سے زیادہ لاحق تھا۔ اس پر بددیانتی کا الزام لگا کر محل سے باہر نکال دیا گیا۔ الزام کے ثابت ہو جانے کے بعد ان پر بھاری رقم بحیثیت جرمانہ کے بھی عائد کر دی گئی

Marfat.com

کی وصولیابی سختی سے کی گئی کہ ان لوگوں کو مفلس و قلاش بنا دیا۔ فائق نے جو زراحیل و
ت ادائیگی میں کی تو اسے جلا وطن کرکے جزیرہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں پہونچ کر وہ پھر کبھی
پس اندلس نہ لوٹ سکا اور وہیں مرکھپ گیا۔ صقلبی غلام سب ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ اپنے سرداروں
کا حشر دیکھ چکے تھے۔ اس لئے اپنی جانوں کو بلاوجہ مصیبت میں نہ پھنسانا چاہتے تھے۔ فوراً
مصحفی کے اشاروں پر چلنے لگے۔ ان کا یہ رویہ دیکھ کر وزیر اعظم کو جو ان کی جانب سے کد
اں جاتی رہی۔ انہیں میں ایک خواجہ سرا سکد محل کی فوج کا سردار مقرر ہوا۔ رعایا نے ان تمام
کات کو سراہا محض اس وجہ سے کہ وہ لوگ صقلبیوں سے تنگ آچکے تھے۔ اور ان کا زور
بانا ہی چاہتے تھے۔

عیسائی ریاستوں سے جھڑپ

اسپین کے ہر بادشاہ کے لئے کچھ یہ مقسوم ہو چکا تھا کہ پہلے وہ اپنے اندرونی جھگڑوں سے نبٹے اس
ے بعد سرحدوں کی طرف توجہ دے۔ سرحدی ریاستوں نے یہ وطیرہ اختیار کر رکھا تھا کہ جب
وئی سلطان مرجاتا تو یہ نقضِ امن کرتے اور مسلمان علاقوں پر چھاپہ مار کر وہاں کے
شندوں کو تنگ کرنا شروع کر دیتے۔ یہ حرکت انہوں نے الحکم کے مرتے ہی شروع
ں۔ اب تو ایک شہ مل گئی تھی کہ تختِ خلافت پر ایک بارہ برس کا لڑکا متمکن ہے۔ جس کو
نظامِ سلطنت سے نہ واقفیت ہے اور نہ وہ ان میں دلچسپی لیتا ہے۔ وہ نہایت ٹھاٹھ
سے دور دور تک لوٹ مار کرنے لگے۔ اور مسلمانوں کو تنگ کرتے ان کی جائدادوں کو چھین
لیتے اور ان پر قبضہ کر لینے میں لطف حاصل کرنے لگے۔ وزیر مصحفی کچھ تو کمزور طبیعت کے
آدمی تھے۔ اور کچھ ان کو جنگی معاملات میں دخل بھی نہ تھا۔ لہٰذا ایسی ساری رپورٹوں کو خاموشی
سے سنتے اور ٹال جاتے۔ جب عیسائی ریاستوں کی جارحانہ کارروائیاں ناقابلِ برداشت
ہونے لگیں تو ابنِ عامر نے ملکہ صبح کے کان میں یہ بات ڈالی کہ اگر یہی لیل و نہار رہے اور
حاجب کا رویہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ یہی رہا تو حکومت کی خیر نہیں۔ اب بھی وہ لوگ
قرطبہ کے آس پاس تک چلے آتے ہیں۔ پھر تو وہ وقت آئے گا۔ جب یہ لوگ قرطبہ کے اندر
ٹہلتے نظر آئیں گے اور کوئی ان کو روکنے والا نہ ہوگا۔ ملکہ خود سرحدی حفاظت کے لئے بہت
بےچین تھی۔ مگر مجبوری یہ تھی کہ وہ خود سے کوئی قدم اٹھا بھی نہ سکتی تھی۔ ابنِ عامر نے اس کو یقین
دلایا کہ اس فوج کے ساتھ ساتھ زر وافر بھی اس کی ایماء کے مطابق رکھا جائے تو وہ اس مہم

کی عنان اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار ہے۔ بلکہ صبح کے لئے تامل کا کونسا موقع تھا۔ اُس نے فوراً حامی بھرلی۔ اب بات مصحفی کو ذہن نشین کرانی تھی۔ ابن عامر نے اس کو بھی سمجھایا کہ اگر کچھ دنوں تک یہی طریقہ وہ اختیار کئے رہا تو رعایا برہم ہو جائے گی اور پھر یہ اختیارات کی چادر تنگ ہو جائے گی۔ یہ بات کچھ مصحفی کے دماغ میں جم گئی تمام وزیروں کو بلاکر ایک جلسہ مشاورت منعقد ہوا کہ اس میں شمالی سرحد کی بابت تمام جزئیات طے ہوں۔ بڑی ردّ و قدح کے بعد یہ طے پایا کہ فوری طور پر ایک فوج کسی آزمودہ جنرل کے ماتحت اس سمت روانہ کی جائے مشکل تھی کہ وزیروں میں سے یہ ذمّہ داری کوئی اپنے سر لینے پر تیار نہ تھا۔ وہ زمانہ تو تھا نہیں کہ خلیفہ یا تو عنانِ فوج اپنے ہاتھ میں لیلے یا کسی جنرل کو حکم دے کر فوج کی سرداری قبول کر اور پھر اس کے لئے بجز تعمیل حکم کوئی چارہ کار نہ رہ جاتا تھا۔ اب تو خلیفہ حسینوں اور جمیلوں کی گود میں کھیل رہے تھے۔ رنگ رلیاں منا رہے تھے ان کو تو اس کی خبر تک بھی نہ تھی کہ سرحد پر دشمن کیا خلفشار بچا رہے ہیں۔ رخیر مشورے کے بعد جب کوئی اس بات پر آمادہ نہ ہوا کہ اس خدمت کو اپنے ذمّہ لے تو ابنِ عامر نے اپنے کو رضا کارانہ انداز میں اس خدمت کے لئے پیش کیا کہ بشرطیکہ وہ فوجوں کا انتخاب خود کرے اور ایک لاکھ سُرخ دینار جملہ مصارف کے لئے اس کو دیئے جائیں۔" ایک لاکھ سُرخ دینار" لوگوں کے مُنہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ بلکہ ایک وزیر تو اس پر اعتراض بھی کر بیٹھا کہ یہ بہت زائد ہیں۔ ابن عامر فوراً بولا۔ چلو سپہ سالاری تم قبول کرلو۔ میں دو لاکھ دینے کو تیار ہوں۔ یہ کٹھن مسئلہ تھا۔ اعتراض کرنے کو تو وہ کر بیٹھا مگر مہم کو کامیابی انجام دینے کی بات اس کے بس میں نہ تھی۔ پھر کون خواہ مخواہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے۔ آخر کار طے یہی پایا کہ ابن عامر کو ان کی مطلوبہ رقم دی جائے اور وہ بہت جلد جملہ انتظامات مکمل کرکے اپنی مہم کا آغاز کردیں۔

فروری ۹۷۷ء جمادی الآخر ۳۶۷ھ کا آخر تھا کہ اپنے منتخب سپاہیوں کے ساتھ ابن عامر عیسائیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے قرطبہ سے روانہ ہوئے۔ سب سے پہلے [illegible] محاصرہ ہوا جسے عربی میں الحمہ کہتے تھے اور جسے رو میر ثانی نے مسلمانوں کے حملہ کو روکنے کے لئے قلعہ مانکش کی فتح کے بعد تعمیر کرایا تھا۔ کچھ دنوں تک محاصرہ قائم رکھنے کے بعد اور اطراف و جوانب میں لوٹ مار کرنے کے بعد ابن عامر دوسرے شرارت پسند عناصر کی طرف رجوع ہوئے۔ اور سب کے ہوش ٹھکانے لگا کر اپریل میں قرطبہ واپس پہونچ گئے۔ بظاہر اتنی

Marfat.com

…ی چوڑی مہم سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ لیکن قرطبہ میں ابن عامر کی واپسی پر بڑی خوشیوں
اظہار ہوا اور ہر گھر پر چراغاں ہوا۔ ہر طرف جشن منائے گئے۔

کچھ خاص فائدہ اس مہم سے ہوا ہو یا نہیں لیکن اتنا ضرور ہوا کہ عیسائی جو سمجھ رہے تھے
…لمسن بادشاہ ہونے کی وجہ سے مسلمان کوئی قدم نہ اٹھا سکیں گے۔ اور ان کا کچھ نہ بگاڑ
…ئیں گے۔ ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ ان کی تلواروں میں زنگ نہیں لگا ہے۔ ان کے جوہر ان کی
…ب و تاب ابھی باقی ہے۔ وہ جو لپک لپک کر حملہ کیا کرتے تھے اور دور دور تک چھاپہ
…ا کرتے تھے۔ وہ سب رک گئے اس سے سب سے بڑا فائدہ ابن عامر کو ہوا۔ روپیہ کی
…نات تھی۔ اس کی وجہ سے انہوں نے افسرانِ فوج کو خوب دل کھول کر رقمیں دیں۔
…دورانِ محاصرہ ان کی خاطر تواضع اعلیٰ پیمانہ پر کی اپنے دسترخوان کو اس قدر وسیع کر دیا کہ کوئی فوجی
…ردار ایسا نہ ہوتا تھا۔ جو ان کے ساتھ کھانا نہ کھائے۔ قرطبہ کی آبادی تو رفتہ رفتہ ان کی حامی
…و ہی چلی تھی فوجی بھی ان کا دم بھرنے لگے۔ ابن عامر کو بھی ان کی کمزوری کا اچھی طرح سے علم
…لیا کہ اگر ان کو رقمیں کھلائی جائیں اور ذرا محبت کا سلوک کیا جائے تو وہ بندۂ بے دام
…ن سکتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس پہلی مہم میں ہی عیسائیوں پر ابن عامر کا کچھ ایسا رعب بیٹھا
…جب وہ یلغار کرتا ہوا جلیقیہ پہونچا تو عیسائی پہلے ہی شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر بھاگ چکے
…تھے۔ دوسرے سال ۹۸۵ء ۳۷۴ھ میں اس نے پھر جہاد کیا اور جین۔ البیرہ۔ بسطہ۔
Bae… تدمیر Thadmer ہوتا ہوا Valengia پہنچا کچھ دن شہر کا محاصرہ
…لئے رہا۔ پھر آگے بڑھ کر نواب بریل سے زبردست ٹکر لی۔ اور اسے برشلونہ کے قریب شکست
فاش سے دوچار کر دیا۔ اسی سال ۱۵ صفر کو اس قلعہ پر عرصہ دراز کے بعد پھر اسلامی
پرچم لہرا دیا۔ ان کے ساتھ اس بار قرطبہ کے نامی گرامی مصنفین اور مورخین تھے۔ جو ان کے
کارناموں کو ابدی جامہ پہنائیں اور متعدد شاعر تھے جو ان کی کامیابی پر قصیدے لکھیں۔
ابن الخطیب نے ان کے نام تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ ہم صرف اہم نام گنوائے دیتے
ہیں مہم کا پورا ذکر المنصور کے باب میں آئے گا۔ ابو عبداللہ ابن حسن۔ ابو القاسم۔ ابن الحسین
ابن الحسن القوی۔ جن کی کتاب فصوص بہت زیادہ مشہور ہے۔ ابو بکر زیادۃ اللہ۔ ابن علی
ابن حسن الیمنی۔ عمر ابن النجم البغدادی۔ ابو الحسن علی ابن محمد القریشی العباسی۔

Marfat.com

عبدالعزیز ابن الخطیب المحدود ۔ موسیٰ ابن طالب ۔ مردان ابن عبدالرحمٰن ۔ یحییٰ ابن ہذیل ابن عبدالملک ۔ سعد بن محمد ۔ علی النکاس البغدادی ۔ ابوبکر یحییٰ ابن امیۃ ابن وہب ۔ محمد ابن اسمٰعیل الزبیدی ۔ جن کی کتاب مختصر فی اللغت اور کتاب العین جس کا خلاصہ خلیل احمد کے نام سے مشہور ہے ۔ معرکۃ الارا تصانیف ہیں ۔ ان کے علاوہ محمد ابن عبدالملک اور احمد بن عبدالملک ابن شہید جو عہد الناصر میں وزیر بھی رہ چکے تھے ان کے ساتھ تھے ۔ محمد ابن حسن القریشی ۔ طاہر ابن محمد مشہور ریاضی داں اور ابن امیہ ابن غالب بھی ہمراہ تھے ۔

Marfat.com

باب (۵۱)

المصحفی۔ داستان عروج وزوال

جعفرابن عثمان جو اپنے نام سے زیادہ لقب مصحفی سے مشہور ہوئے انتہائی بیدار مغز، ہوشمند اور برمعمولی صلاحیت کے آدمی تھے۔ جہاں تک کہ خاندان کا معاملہ ہے۔ وہ بھی نہایت اعلیٰ تھا۔ نمان ان کے والد خلیفہ الحکم کے استاد ہونے کا شرف رکھتے تھے۔ یہ ویسے تو بربری تھے مگر لم وفضل نے ان میں خونخواریت ابہیمیت کے بجائے مروت حلیم الطبعی اور قابلیت پیدا کردی فی۔ الحکم استاد زادہ ہونے کی وجہ مصحفی کی بڑی قدر ومنزلت کرتے تھے۔ اس کی وجہ ایک اور بھی تھی کہ باپ کی طرح مصحفی بھی علمی ذوق کے نہ صرف حامل تھے بلکہ خود بھی ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ اکثر وبشتر موقعوں پر ان کے افکار ایسے چست اور برمحل ہوتے تھے کہ سننے والے تڑپ اٹھتے تھے۔ حکم تو ایسے آدمیوں کے عاشق تھے۔ انہوں نے ان کو اپنا سکریٹری بنالیا۔ ان کے بعد تھر کی نگراں فوج کا نائب افسر مقرر کردیا۔ یہاں انہوں نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ جزیرہ میورقہ کی نظامت (گورنری)، ان کے سپرد کی گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان کو آزادانہ اپنی صلاحیتوں کو دکھانے کا موقع ملا تھا۔ ان کے حسن انتظام سے خلیفۃ الوقت کچھ ایسے خوش ہوئے کہ عہدہ وزارت پر جو اعلیٰ ترین اعزاز میں شامل ہوتا ہے۔ مامور کردیا۔ ان کی آزادی رائے اور ہر معاملہ میں دوسروں کے مشوروں کو زیادہ قبول نہ کرنا ان کو اپنے حلیفوں میں مقبول نہ بنا سکا۔

Marfat.com

پھر یہ کہ بربری ہونے کی وجہ سے عربی اُمراء ان سے یوں بھی ناخوش رہتے تھے۔ لیکن دل کی بات زبان تک لانا آسان کام نہ تھا۔ اس لئے خاموش رہتے تھے۔ اتنی جلدی جلدی انہوں نے ترقی کی تو ان کے مزاج میں ایک قسم کا غرور اور نخوت کا اثر پیدا ہو گیا۔ اس اندازِ فطرت نے لوگوں کو اور بھی ان کی جانب سے بددل کر دیا۔ عہدِ ہشام کے ابتدائی دور میں جب اُنہوں نے خود سے عہدہ حجابت بھی اپنے نام سے منسوب کر لیا۔ محض اس وجہ سے کہ فائق اور جوذر کی سازش کو ناکام بنانے میں ان کا ہاتھ تھا اور ہشام اس کوشش کی بنا پر سریر آرائے مسندِ خلافت ہو پائے تھے۔ اس لئے اور بھی اس خود غرضی۔ خود نمائی اور خودستائی سے مکدر ہو گئے۔ جو مال و دولت اُنہوں نے اس قلیل عرصہ میں جمع کر لی تھی۔ اس سے لوگوں کو ان کی دیانتداری کی طرف سے بھی شبہ تھا۔ ان کی طبیعت میں حرص و آز کا بھی مادہ تھا۔ جو وہ کر اس کو اکیلے ہی ہضم کر لینا چاہتے تھے اور دوسروں میں تقسیم کر کے اپنے خیرخواہوں کی تعداد زیادہ نہیں بڑھانا چاہتے تھے۔ پھر یہ کہ ان میں اقربا نوازی بہت زیادہ تھی۔ اچھے اچھے عہدوں پر ان کے رشتہ دار یا بیٹے بھتیجے ہی مقرر تھے۔ اس سے لوگ اور بھی جلتے تھے۔ وزیر اعظم ہونے کے لئے جن صلاحیتوں اور قابلیتوں کی ضرورت ہے خصوصاً جبکہ خلیفہ بالکل نکما ہو وہ ان میں بدرجہ خاص موجود نہ تھی۔ سیاسی یا فوجی معاملات میں دخل نہ رکھنے کی وجہ سے ان کے فیصلہ یا تو تاخیر سے ہوتے تھے یا ہوتے ہی نہ تھے علم کی تحصیل نے میں سیاسی نکات سمجھنے اور حسب موقع قدم اُٹھانے کی صلاحیت اور جرأت نہ پیدا کی تھی۔ ایسے تمام موقعوں اور اُلجھنوں کے وقت وہ مجبوراً ابن عامر سے مشورہ لیتے تھے۔ جو انتہائی صائب ہوتا تھا۔ اور عمل پیرا ہونے کے بعد ان میں کامیابی بھی ہوتی تھی۔ ابن عامر ایسے ہر موقع پر اپنا خوب پروپیگنڈا کرتے تھے۔ جس سے مصحفی کی شہرت پر خاصا دھکا پہونچتا تھا۔ ملکہ صبح کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے وہ آزادانہ طور پر کوئی قدم اُٹھا بھی نہ پاتے تھے۔ ابن عامر ملکہ کو اپنے قبضے میں کئے ہوئے تھا اگر کسی موقع پر مصحفی ابن عامر کی بات ٹھکرا بھی دیتے تھے۔ وہ ملکہ کے ذریعہ اپنی مطلب برآری کر لیتے تھے اسلئے لوگوں کا ذاتی خیال یہ تھا کہ تہ در تہ ہر معاملہ کے انجام پانے میں ابن عامر کا ہاتھ ہے مصحفی یونہی کٹھ پتلی بنے ہوئے ہیں۔ پھر ایک وقت وہ بھی آیا کہ سلطانہ صبح کی سفارش پر ابن عامر وزیر مقرر ہوئے اسی روز سے مصحفی کا آفتاب عروج گہن میں آ گیا۔

Marfat.com

ہر چند کہ مصحفی ابن عامر کے آقا تھے وہ ان کا ماتحت مگر ابن عامر اپنی ذہانت۔ فطانت اور قابلیت کی وجہ سے اس پر چھائے ہوئے تھے اور اپنے رویّے سے بالکل ہی آ سے بویں سکئے ہوئے تھے۔ اندرونی طور پر اس کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے تھے۔ مگر لبظاہر اپنے برتاؤ اور حسن سلوک میں کوئی فرق نہ آنے دیتے تھے جو تعظیم اور تکریم اُن پر واجب تھی اس کو بھی بجالانے میں کوئی فروگذاشت نہ کرتے تھے لیکن دوسری صحبتوں میں وہ اشارتاً کنایتاً ان کی خامیوں۔ کمزوریوں اور غلطیوں پر دبی زبان سے رائے زنی کرنے میں بالکل نہ چوکتے تھے خصوصاً ملکہ صبح کے کان تو مستقل بھرا کرتے تھے۔ مگر یہ سب کچھ ایسے عیارانہ انداز میں کرتے تھے مصحفی کو قطعاً ان پر شبہہ نہ ہوتا تھا۔ اس کے برخلاف حاکم سرقسطا اور سرحدی فوجوں کے کماندار مصحفی سے سخت درجہ تنفر بھی رکھتے تھے اور اس کا اظہار برملا کرتے تھے ان کو اپنی فوجی خدمات برینہ ملازم اور قدیمی نمکخوار سلطنت ہونے پر بڑا ناز تھا۔ اس لئے وہ عہدہ حاجب کا مستحق اپنی ذات کو سمجھتے تھے اور مصحفی کو اس لئے مطعون کرتے تھے کہ اس نے خائن بن کر اس اعزاز سے محروم کیا اور بغیر خلیفہ کی مرضی کے خود اس عہدے کو غصب کر بیٹھے۔ وہ اپنے اس تمکدر اور غصہ کا اظہار علانیہ کرتے اور مصحفی کو ہیچ۔ نیچ اور کم درجہ کا آدمی کہنے میں بھی نہ چوکتے تھے۔ عہدے کے ماتحت وہ ان کے ماتحت تھے مگر اپنے رویّے سے وہ ہمیشہ اس بات کا اظہار کیا کرتے تھے کہ مصحفی کی وہ ذرّہ برابر پرواہ نہیں کرتے نہ اس کے احکام کی تعمیل اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں۔ ان طور طریقوں نے مصحفی کو بھی ان کی جانب سے محتاط کر دیا اور وہ اس خطرے کو مستقل منڈلاتے دیکھنے لگے۔ کہ غالب کبھی سرحد پر متعین ہونے کی وجہ سے اور فوجوں کا سپہ سالار ہونے کی باعث عیسائی فوجوں کی کمک کے ساتھ قرطبہ پر حملہ آور ہو سکتا ہے اور اس کے زور کو خاک میں ملا سکتا ہے۔ اُنہوں نے اس خطرے سے نجات پانے کی ترکیبیں قبل از وقت سوچنا شروع کیں اور جب خود کسی نتیجہ پر نہ پہونچ سکے تو ابن عامر سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا یہ کونسی مشکل بات ہے۔ غالب سے مصالحت کوئی مشکل امر نہیں اور اس مہم کو وہ سر کر سکتا ہے۔ اسے مصحفی کا طرفدار بنا سکتا ہے۔ بظاہر تو ابن عامر نے مصحفی کو اس بات کا یقین دلایا لیکن بباطن وہ اس مخاصمت کو اور زیادہ بڑھانے کی فکر میں لگ گئے۔ ملکہ سے غالب کی مستقل تعریفیں کرنا شروع کر دیں۔ اس کی بہادری اور دلیری کے افسانے سنانے لگے اسے عہدۂ وزارت کا اہل منوانے

لگے۔ دوسری طرف غالب کو اپنی ان طرفداریوں کی اطلاع دیتے رہے۔ ایک دن وہ اپنی کوشش
میں کامیاب ہوگئے اور غالب کو مصحفی پر ترجیح دلوانے کی خاطر دو وزارتوں یعنی دیوانی اور فوجدا
کا قلمدان دلوادیا۔ یوں ان کو فوج کا افسر اعلیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ دیوانی معاملات میں بھی خیا
کر دیا۔ مصحفی کو یہ بہت گراں گزرا مگر ابن عامر نے اس کو یقین دلایا کہ یہ تو دراصل دونوں کے درمیا
میں مصالحت کرانے کی غرض سے کرایا گیا ہے۔ اور غالب اب انتہائی مصحفی کا مداح اور احسانمن
ہوگیا ہے۔ تو مصحفی کو بھی اطمینان ہوگیا۔ جلد ہی ابن عامر کو ایک موقعہ نصیب ہوگیا جس سے
وہ غالب بالمشافہ گفتگو کرسکیں۔

عیسائیوں سے جنگ وجدل کرنا ابن عامر کا مزاج بن چکا تھا۔ ۲۳ مئی ۹۷۷ء یکم شوال
۳۶۶ھ میں بدھ کے روز وہ ایک بار پھر نصرانیوں سے لڑنے کے لئے فوج کے افسر اعلیٰ مقرر
ہو کر سرحد کی جانب روانہ ہوئے۔ ان کو قرطبہ لوٹے ہوئے ایک ہی مہینہ ہوا تھا کہ اس مہم کی
کارکردگی پھر ان کے سپرد کردی گئی۔ شہر مجریط Madrid میں غالب سے ان کی ملاقات
ہوئی۔ وہ توقع سے بہت زیادہ غالب کی عزت وحرمت بجالائے۔ ان کی تعریف میں اس
قدر رطب اللسان ہوئے کہ غالب سچ مچ انہیں اپنا سخت ترین ہمدرد اور ہمنوا سمجھنے لگے
گفتگو کے درمیان مصحفی کے کچے چٹھے بھی کھولے گئے۔ اس کی خامیوں کو گن گن کر بیان کیا گیا۔
ابن عامر نے تو غالب کی خوشنودی مزاج حاصل کرنے کے لئے یہاں تک کہہ دیا کہ مصحفی دراصل
حاجب بننے کے لائق ہی نہیں یہ حق غالب کا ہے اور انہیں کو ملے گا۔ غالب نے بھی ان کو
سمجھایا کہ جب تک قرطبہ کا حاکم مصحفی کا بیٹا ہے اس کا زوال ممکن نہیں۔ کوشش یہ کرنا چاہئے
کہ اسے معزول کیا جائے۔ تب اس کے ہاتھ پیر کٹ جائیں گے۔ پھر اس کو نقصان پہنچانا
مشکل نہ ہوگا۔ اس گفتگو کے بعد دونوں اصل مقصد کی طرف رجوع ہوئے۔ سرحد کو عبور کرکے
قلعہ پر حملہ کردیا۔ اسے زیر کرکے مضافات کو خوب خوب لوٹا۔ جہاں کہیں کوئی عیسائی مزاحم
ہوا اسے موت کی لذت سے ہمکنار کردیا۔ ابن عامر لدے پھندے مال غنیمت سے قرطبہ کی
جانب روانہ ہوئے اس سے پیشتر کہ وہ وہاں پہنچیں غالب کی طرف سے ایک مراسلہ بحضور خلیفہ
پہونچ گیا کہ اس مہم میں فتح کا باعث ابن عامر تھے۔ انہوں نے انتہائی جی داری اور دلیری
سے اس معرکہ کو سر کیا۔ جس جس طرح جنگ کے اصول ابن عامر نے برتے بہت ہی تجربہ کار
جنرل ہی کرسکتا تھا۔ وہ واقعی گرانقدر انعامات کے مستحق ہیں۔ اس خط نے ابن عامر کی وقعت

ل قرطبہ میں بہت بڑھا دی۔ جس وقت وہاں پہونچے تو ان کی بڑی بڑی خاطریں ہوئیں ان
شان میں قصیدے پڑھے گئے۔ سارے شہر میں خوشیوں کا اظہار کیا گیا یہ سب کچھ ہو لیا تو
بن عامر نے غالب کی نصیحت پر عمل کرنا شروع کیا۔ مصحفی کو گرانے کی ترکیبیں استعمال ہونے
لیں۔ پہلا واران کے بیٹے محمد ہی کے اوپر کیا گیا۔

محمد بن المصحفی کو راستہ سے ہٹانا دشوار بھی تھا اور آسان بھی۔ دشوار اس وجہ سے
وہ وزیر اعظم کا بیٹا تھا۔ اس کا باپ سارے اختیارات کا مالک۔ حکومت کا سب سے
علیٰ عہدیدار۔ سلطنت کا سب سے اہم رکن۔ آسان اس لئے کہ باشندگان قرطبہ اس کے
لم وستم اس کے تشدّدانہ رویّے سے سخت عاجز تھے۔ محمد میں اکڑ فوں بلا کی تھی۔ باپ کے اقتدار
ی وجہ سے وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ لوگ بھی اس کی خوشامد میں لگے رہتے تھے۔ جس سے
س کا مزاج اور بھی بگڑ گیا تھا۔ رعایا پر ہر روز نت نئے مظالم ڈھایا کرتا تھا۔ ان کو ہر طرح
سے تنگ کرنے کی کوشش کرتا۔ اپنے ان کرتوت کی وجہ سے وہ بدنام بھی تھا لائق دشنام
ی۔ اس کے خلاف جب کوئی شکایت مصحفی سے کی جاتی تو وہ بجائے تنبیہہ کے چشم پوشی کر
باتا تھا۔ وہ دھڑلے سے رشوت لیتا۔ یہ اس کو کچھ بھی نہ کہتا۔ ابن عامر کو ان باتوں کی بخوبی خبر
ھی۔ عوام سے یہ کہلوایا کہ وہ اس کے خلاف تمام شکایتوں کی روداد تحریری طور پر لکھ
بھیجیں اور ان کے ثبوت بھی مہیا کئے ادھر اس نے ملکہ صبح کے ذریعہ خلیفہ کو Prefect
کے رویّے سے مطلع کیا۔ اور تمام حالات معہ مضبوط ثبوت سامنے رکھ دئیے۔ جن
دنوں یہ اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی تھی اتفاق سے مصحفی طلیطلہ گئے ہوئے تھے۔ ایک دن
خلیفہ کی جانب سے محمد کی معزولی کا پروانہ جاری ہوا۔ اور اس کے عہدے پر ابن عامر
کا تقرر ہوا۔

ابن عامر خلعت شاہانہ میں ملبوس۔ پولیس اور فوج کے سپاہیوں کے ہمراہ حاکم شہر
کے دفتر پہنچے۔ محمد بڑی تمکنت سے اپنی مسند پر بیٹھا عدالتی کارروائیاں کر رہا تھا۔ ابن عامر
نے جاتے ہی اس کے سامنے وہ فرمان شاہی رکھ دیا۔ پڑھتے ہی اس کے ہاتھوں کے طوطے
اُڑ گئے۔ ہوش وحواس جاتے رہے۔ باپ موجود نہ تھا جو کوئی تدبیر کرتا۔ خلیفہ تک پہنچنا
آسان کام نہ تھا۔ اور اگر پہنچ بھی جاتا تو وہاں پہلے ہی سے ابن عامر کا اثر جما ہوا تھا۔ طوعاً و
کرہاً اپنی کرسی خالی کی ابن عامر نے فوراً وہ عہدہ سنبھال لیا۔ وہ انتہائی نفس شناس آدمی تھا

Marfat.com

خوب جانتا تھا کہ محمد کے کس طرزِ عمل سے عوام خوش تھے۔ اس کو بدل کر اس نے حسن انتظام کے ساتھ عدل و انصاف کا دامن بھی مضبوطی سے تھام لیا۔ رعایا کی بہبودی کے لئے تمام سخت قوانین نافذ کر دیئے پولیس کو سخت تنبیہہ کی کوئی عامل رشوت نہ لینے پائے امن و حفاظت کے لئے تمام احتیاط برتی جائے۔ عدل گستری میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا جائے۔ خود ابن عامر نے اس سلسلے میں اتنا سخت رویہ اختیار کیا کہ تمام حکام راہ راست پر آ گئے۔ ایک بار اس کے چھوٹے بیٹے نے حاکم شہر کے بیٹے ہونے کے غرور میں سرشار ہو کر ایک غریب کے بچے کو بیت سے پیٹا۔ وہ فریادی بن کر ابن عامر کے سامنے حاضر ہوا۔ اُس نے فوراً اپنے بیٹے کو دربار میں طلب کیا اور فریادی کو حکم دیا کہ اس کی پیٹھ پر اتنے ہی زور سے بیت کی چوٹ لگاؤ۔ حکم کی تعمیل ہوئی وہ نازوں کا پلا بچہ۔ نازک نازک منحنی منحنی بھلا اس مار کی تاب کہاں لاتا۔ پتہ پھٹ گیا۔ اور وہیں بھری عدالت میں اس نے جان دیدی۔ لوگوں نے جو یہ تماشہ دیکھا تو کانپ گئے۔ ظالم تو اپنی جگہ پر تھر تھر اُٹھے اور کسی بھی ظلم کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔ ابن عامر جب گھر لوٹ کر آیا تو بچہ کی لاش سے لپٹ کر خوب خوب رویا۔ خدا سے التجا کی کہ اس کے اس قصور کو معاف کرے۔ وہ قاضی پہلے تھا باپ بعد میں۔ اس کے منصب کا تقاضہ یہی تھا۔ جو وہ بجا لایا۔ رعایا پر ان باتوں کا نہایت ہی خوشگوار اثر پڑا۔ شہر میں ایسا سکون اور اطمینان ہو گیا کہ لوگ دوکان کھول کر چلے جاتے اور ان کا ایک رتی سامان چوری نہ جاتا۔ ہر شخص کا کام بغیر ایک پائی دیئے بن جاتا۔ چور چوری کرنا بھول گئے۔ ظالم ظلم سے تائب ہو گئے۔

مصحفی جو دار الحکومت کو لوٹ کر آئے تو ان کو اپنے بیٹے کی معزولی کی بھی خبر لگی۔ ابن عامر کی ہر دلعزیزی کی بھی۔ ان کو دونوں باتوں کا دکھ ہوا مگر وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ ابن عامر کو وہ ابھی تک اپنے اعتماد کا آدمی سمجھ رہے تھے۔ اس کی یہ دوہری پالیسی کا علم اب اس کو ہوا۔ یہ اندازہ بہت دیر بعد ہوا تھا۔ اس کے حریف کے اختیارات اب اس سے کچھ کم نہ رہے تھے۔ بلکہ بنظرِ غائر دیکھا جائے تو کچھ زیادہ ہی تھے۔ ملکہ پر ابن عامر کا اثر تھا۔ خلیفہ پر بھی اور ان سب سے زیادہ رعایا پر۔ وہ تو جان چھڑکتی تھی۔ ابن عامر سکول کے طلباء۔ مدرسوں کے اساتذہ۔ دفتروں کے اہلکار۔ شہر کے بڑے بڑے تجار جب جمع ہوتے تو ابن عامر کو ہزار ہزار ہزار دعائیں دیتے اور شکریہ ادا کرتے وہ لوگ کبھی وفد کی صورت میں کبھی تنہا آکر اظہار

Marfat.com

شکر کرتے اور ان کو یہی جواب ملتا کہ یہ تو ایک ایماندار منصف مزاج حاکم کا فرض ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس فرض کو اس نے نباہا بھی نہایت ایمانداری سے نہ کہیں رشوت کا نام ونشان باقی رہ گیا نہ رعایت مروت کا نہ ظلم واستبداد کا۔ مظلومین نے خاص طور پر اس کو دعائیں۔ غریب مسکین دل وجان سے مدّاح ہوگئے۔

مصحفی نے سوچا کہ اپنی موافقت میں کسی دوسری زبردست طاقت کا سہارا لیا جائے۔ ورنہ ابن عامر اس کا ستیاناس لگا کر رہے گا۔ اس کی نگاہیں غالب کی جانب اٹھیں۔ اس کے پاس فوجی طاقت بھی تھی اور سرحدی ریاستوں کی حمایت بھی۔ اس نے بہت سے تحفہ تحائف کے ساتھ غالب کو خط لکھا جس میں اس کی خوب خوب مدح سرائی کی۔ اپنی دوستی اور تعاون کا یقین دلایا۔ آئندہ کی بہت سی اُمیدیں بندھائیں۔ اپنے بیٹے عثمان کا رشتہ بھی غالب کی بیٹی اسماء سے دیدیا۔ غالب قرطبہ کے حالات سے بخوبی واقف نہ تھے۔ وہ تو اس اتحاد پر بہت خوش ہوئے۔ رشتہ کرنے پر تیار ہوگئے۔ مصحفی نے احتیاطاً اس کی رضامندی کا ایک خط بھی منگوالیا۔

ابن عامر کو جو یہ خبر ملی تو اس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ وہ فوراً گھبرائے گھبرائے سیدھے ملکہ صبح کے پاس پہونچے صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اور اس دوستی کے بُرے نتائج سے بھی مطلع کیا۔ مگر اس کو روکا بھی جائے تو کیوں کر۔ اسماء کے لئے کوئی دوسرا موزوں رشتہ کون ہوسکتا تھا۔ ابن عامر کا نام پیش کرنے کے معنی تھے ملکہ خود اپنی دلچسپیوں پر ضرب لگائیں مگر یہ ضرب لگائے بغیر کام بھی نہ بن سکتا تھا۔ ملکہ کے ہرکارے قیمتی تحفوں سے لدے پھندے فوراً سرقسطہ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں غالب کو ایک خط ابنِ عامر کی طرف سے موصول ہوا جس میں یہ تحریر تھا کہ مصحفی نے صرف اپنی ذاتی اغراض اور سازشی مقاصد کی تکمیل کے واسطے یہ دست دوستی دراز کیا تھا۔ غالب کے بعض رشتہ داروں نے اس بات کی تصدیق بھی کی کہ مصحفی کا اصلی مطلب اس اتحاد سے کیا ہے۔ ملکہ کی جانب سے یہ پیغام پہونچا کہ وہ اپنی آنکھوں کے نور اور دل کے سرور کو بیاہنا ہی چاہتا ہے تو عثمان بن مصحفی کے بجائے ابن عامر سے بیاہے اس میں خلیفہ کی مرضی شامل ہے۔ پہلے والا رشتہ وزیر اعظم کی خوشنودی مزاج حاصل کرنے کی وجہ سے طے پایا تھا یہ بدلہ اس سے بھاری تھا۔ اس میں خلیفۃ الوقت کے ساتھ ساتھ ان کی والدہ کی مرضی بھی شامل تھی۔ جن کے ہاتھ میں عنانِ حکومت تھی۔ پھر مصحفی کے ارادوں میں خود غرضی کی

Marfat.com

بوکھی۔ غالب نے ملکہ کے ارشادات پر سرِ تسلیم جھکا دیا۔ یہ خبر جب قرطبہ پہونچی تو ہر طرف مبارک سلامت کے آوازے بلند ہونے لگے۔ مصحفی کا منہ لٹک گیا۔ اپنے زوال کے دن اس کو قریب نظر آنے لگے۔

اگست کے آخر یا ستمبر ۹۷۷ء کے شروع میں غالب اور ابن عامر کے درمیان ایک تحریری معاہدہ ہوا جس میں اسماء کو آخر الذکر کی کنیزیت میں دینے کا وعدہ کرلیا گیا۔ اس کے فوراً بعد یعنی ۸۔ ستمبر ۹۷۷ء کو ایک مہم پھر شمال کی طرف پیش آگئی۔ ابن عامر کے ہاتھ میں پھر کمان فوج دیدی گئی۔ وہ قرطبہ سے نکلے طلیطلہ سے پہلے ہی غالب بھی اپنی کمک کے ساتھ ان سے آملے۔ دونوں میں بڑی دیر تک راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ دونوں نے اپنے اتحاد و یگانگت کے رشتے کو خلوص کی ڈور سے مضبوطی سے باندھ لیا۔ اس مہم کا انجام بھی کامیابی سے ہمکنار رہا۔ عیسا کے کئی قلعے مثلاً ثلمنکہ **Salmanca** وغیرہ ابن عامر نے فتح کرلیے وہ مسلمانوں کی عظمت کے نشان کو بلند کرتے ہوئے کامرانی اور شادمانی کے شادیانے بجاتے ہوئے قرطبہ میں داخل ہوئے تو ان کا شاندار پیمانہ پر استقبال ہوا۔ شاہی محل میں اس بارے پایاں مسرت کا اظہار ہو۔ کئی روز تک جشن منتا رہا۔ ابن عامر کو خلعت فاخرہ کے ساتھ ساتھ ذوالوزارتین کے عہدے سے بھی نوازا گیا۔ ان کی تنخواہ بھی ۸۰ دینار سرخ مقرر ہوئی۔ جو مصحفی کی تھی۔ گو مشاہرہ کے لحاظ سے وہ حاجب کے ہم پلہ آگئے۔ عزت ان سے کئی گناہ زیادہ پا گئے۔ مصحفی کو اپنا مستقبل اور بھی تاریک نظر آنے لگا۔ اس نکتہ فہمی میں کچھ اصلیت بھی تھی۔

تحریری معاہدہ کے مطابق شادی کی تاریخ قریب آنے لگی تو خلیفہ یا پس پردہ ملکہ صبح کا پیغام غالب کے پاس پہونچا کہ وہ خود اپنی بیٹی اور دیگر اعزا کے ساتھ دار الخلافہ تشریف لائیں جہاں کے تمام اہتمام حکومت کی جانب سے ہوں گے۔ یہ اتنا عظیم اعزاز تھا کہ جو ابھی تک کسی حکومت کے رکن کو حاصل نہ ہوا تھا۔ غالب خوشی سے پھولے نہ سمائے فوراً تیزی سے راہ کی منزلیں طے کرتے ہوئے دلہن اور اس کی ماں کے ساتھ قرطبہ پہونچے جہاں لطف و کرم کی ان پر بارش ہوگئی۔ حاجب کا خطاب ملا۔ ذوالوزارتین کا خطاب پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا مرتبے کے لحاظ سے وہ مصحفی سے بھی بڑھ گئے۔ ایک کا ستارہ عروج کی منزلوں کو طے کرتا ہوا اونچائی پر پہونچ کر تابندگی پیدا کرنے لگا تو دوسرے کے گرد گردشِ دوراں منڈلانے لگی۔ غالب عائدین سلطنت میں سب سے بڑے عہدیدار ہو گئے وہ دربار میں مرکز میں بیٹھتے۔ مصحفی اور

ابن عامر ان کے نائبین کی حیثیت سے جیب و راست تشریف فرما ہوتے۔ تمام فرامین پر اب ان کے دستخط ہوتے۔ ہر جگہ ان کا حکم چلتا۔ اب گردنیں ان کے سامنے جھکتیں۔ اب لوگ نیاز مند بن کر ان کے سامنے آتے۔ نوروز کے تہوار کے موقع پر ابن عامر اور اسمار کی شادی ہوئی تمام خرچہ جیسا کہ بتلایا جا چکا ہے۔ خلیفہ ہشام نے اٹھایا۔ اسمار تو خیر دلہن تھی ہی سارا شہر دلہن کی طرح سجا دیا گیا۔ قصر خلافت اور تمام امراء کے یہاں پرتکلف اور شاندار دعوتیں ہوئیں جب بارات رخصت ہوئی تو جلوس اس شان و شوکت کا تھا کہ شہر والوں نے کم دیکھا تھا۔

شادی کی دھوم دھام سے فرصت ملی تو غالب نے امورِ سلطنت پر توجہ دینا شروع کی ان کو ہر روز سینکڑوں شکایات مصحفی کی موصول ہوتیں۔ جو لوگ ابھی تک مصحفی کے دباؤ کی وجہ سے زبان نہ کھول سکتے تھے۔ وہ جا جا کر سارا کچا چٹھا ان کا بیان کرنے لگے۔ ان کے اوپر کون سا الزام تھا جو عائد نہ ہوا۔ رشوت ستانی کا ظلم و ستم کا نا انصافی کا۔ اقربا نوازی کا خیانت کا غرض جتنی بدعنوانیاں ہیں وہ ان سے معہ ثبوت وابستہ کر دی گئیں۔ مطلع مقدر پر مصیبتوں کے بادلوں کے برسنے کا وقت آ پہونچا۔

۲۶۔ مارچ ۹۷۸ء مطابق ۱۳۔ رمضان ۳۶۷ھ بروز پیر مصحفی ان کے بیٹے۔ بھتیجے سب کے سب خطاب چھین لئے گئے۔ مصحفی کے پاس پروانۂ گرفتاری پہونچ گیا۔ وہ حراست میں لے لئے گئے۔ ان کی کل ملکیت اس وقت تک کے لئے ضبط کر لی گئی۔ جب تک ان پر چلنے والے تمام مقدمات کا فیصلہ نہ ہو جائے۔ مصحفی کا مکان جو قصر شاہی کے قریب ہی تھا جبراً چھین لیا گیا۔ انہیں جب قید کر کے الزہرا سے جایا جانے لگا تو وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ اپنے عزیزوں کو قریب بلا کر کہا جب میرے پاس حکم گرفتاری پہنچا تھا تو مجھے قطعاً تعجب نہیں ہوا کیونکہ اس دن کا انتظار میں چالیس برس سے کر رہا تھا۔

صاحب روضۃ الازہار نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مصحفی نے اپنے تمام رشتہ داروں کو بلا کر کہا کہ میں تم لوگوں کو ہمیشہ کے لئے رخصت کرتا ہوں۔ اب تم لوگ مجھے کبھی آزاد نہ دیکھ سکو گے۔ لوگوں نے جب اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ عہد عبدالرحمن الناصر میں ایک شخص کو بے وجہ قید کر دیا تھا۔ وہ دراصل گناہگار نہ تھا۔ محض خود غرضی اور ذاتی بغض کی وجہ سے اسے اس سزا کا مستحق قرار دیدیا تھا۔ مدتوں وہ بیچارہ قید و بند کی مصیبتیں جھیلتا رہا۔ آخر کار ایک دن خواب میں دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ

Marfat.com

فلاں شخص کو رہا کر دو کیونکہ اس کی دُعا تمہارے خلاف قبول ہوگئی ہے دوسرے دن صبح ا
قیدی کو طلب کیا۔ پھر پوچھا کہ اس نے کیا بددعا کی تھی۔ جواب ملا کہ جس طرح میں قید
خانے میں پڑا سسک رہا ہوں خدا میرے قید کرنے والے کو بھی اسی تنگ و تاریک زندان
میں ڈال دے۔ مصحفی نے پھر اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہی مگر اس نے معاف
کرنے سے انکار کر دیا۔ اسے آزاد تو کر دیا مگر غلطی سے پشیمانی اس وقت ہوئی جب تیر کمان
سے نکل چکا تھا۔

مصحفی اور ان کے بیٹے مدینۃ الزہرا کے زندان میں ڈال دیئے گئے سب سے پہلے ان
کا بھتیجا ہشام ہدفِ ملامت بنا۔ یہ فوج میں ملازم اور اچھے عہدے کا حامل تھا مگر عیسائیوں
کے خلاف ایک جنگ میں اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ فتح کا باعث دشمنوں کے خلاف میں تھا نہ کہ
ابن عامر۔ یہ بات ابن عامر کے دل میں کھٹک گئی تھی۔ وہ اس سے خار کھائے بیٹھا تھا۔ جیسے ہی
موقع ملا نہ صرف قید کیا بلکہ سزائے موت بھی دلوائی۔ پھر مصحفی کے خلاف مقدمہ دارالوزراء میں پیش
ہوا۔ انہوں نے جو بے ایمانیاں اور خیانت کی تھی ان کے متعلق باز پرس شروع ہوگئی۔ جو جو
الزام صحیح ثابت ہوتا جاتا تھا اس کی باداش میں ان کی جائداد کے حصہ کو نیلام کر کے تاوان
وصول کر لیا جاتا تھا باغ رصافہ کے قریب جو سکونتی شاندار مکان تھا۔ اسے نیلام کر دیا گیا۔ رفتہ
رفتہ ان کی ساری جائداد ہی سرکاری مالیہ کے قبضہ میں پہنچ گئی۔ مگر الزامات کی فہرست تھی کہ
ابھی تک ختم ہونے کو ہی نہ آتی تھی۔ مقدمہ ہر دو چار روز بعد پیش ہو جاتا تھا۔ مصحفی میں سہنے
کی طاقت اب بالکل باقی نہ رہی تھی۔ مگر زندگی کی رسی ابھی دراز تھی۔ موت آ کر ان کو عذاب
سے چھٹکارا نہ دینا چاہتی تھی۔ جب وہ قید خانے سے عدالت تک پہنچائے جاتے تو مارے
کمزوری اور پریشانیوں سے ان سے چلا نہ جاتا تھا۔ سپاہی ان سے بڑی بدتمیزی اور
سختی سے تیز چلنے کے لیے کہتے تھے یہ وہی سپاہی تھے جو ان کے سامنے آتے تھرّاتے تھے
جو اپنی نگاہیں ان سے نہ ملا سکتے تھے، نہ اٹھا سکتے تھے۔ اب اس درشت کلامی سے پیش
آتے تھے۔ وہ یہ بھی کہہ کر آگے سے تیز چل وزیر صاحبان کب تک تیرے انتظار میں بیٹھے رہیں
گے۔ اللہ رے انقلابات زمانہ کبھی جو شخص اعلیٰ سے اعلیٰ سواریوں پر سفر کرتا تھا۔ اب
گھسٹ گھسٹ کر چلنے کے قابل نہ رہا تھا۔ وہ مایوس اور لاچار ہو کر یہ سب سختیاں جھیلتے
تھے اور کہتے تھے تم میری موت چاہتے ہو میں خود اس کا منتظر ہوں۔ وہ کمبخت آتی ہی نہیں

Marfat.com

ملتی ہے۔ کہ اس ذلت سے چھٹکارا ملے۔ تم لوگ تو شیر سے بچے اس ذلت سے دوچار نہ کرو۔
پھر اُنہوں نے اپنے اشعار پڑھے۔ جن کا خلاصہ یہ ہے :۔

"تقدیر کا کچھ اعتبار نہ کرو۔ وہ آج تمہارے ساتھ ہے۔ کل کسی اور کے ہے۔ تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ شیر مجھے دیکھ کر ڈر جاتے تھے۔ آج میں ایک لومڑی کو دیکھ کر کانپنے لگتا ہوں۔ کیسے شرم کا مقام ہے کہ ایک لائق آدمی کمینے سے رحم کا طالب ہو"

عدالت میں جو توہین آمیز سلوک مصحفی سے کیا جاتا تھا وہ بھی عبرت انگیز ہے۔ دارالوزارت میں وہ چپ چاپ جا کر بغیر کسی کی طرف متوجہ ہوئے یا سلام کئے ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ جاتے۔ ابن جابر وزیر جو ابن عامر کا منہ چڑھا تھا اور اس کی خوشامد میں لگا رہتا تھا۔ ان سے سخت لہجہ میں بولا کہ کیا تم اس حد تک اخلاق سے گزر گئے ہو کہ سلام بھی نہیں کرتے۔ مصحفی اس تلخ گھونٹ کو خاموشی سے پی گئے۔ ابن جابر نے جواب کوئی نہ پایا تو اور بھی کھسیانہ ہوا اور زیادہ سختی سے بولا کہ اللہ رے کبر و نخوت رسی جل گئی مگر بل نہ گیا۔ جواب تک دینا گوارا نہیں۔ مصحفی جل کر بولے۔ تم کہاں کے تمیزدار ہو جتنے احسانات میرے تمہارے اوپر ہیں۔ ان کے صلہ میں بجائے شکر گذاری کے بد تہذیب بتاتے ہو۔ یہ تیز جواب سن کر ابن جابر بہت گھبرایا مگر پھر منہ بنا کر کہا آپ اور کسی کے ساتھ احسان یہ منہ اور مسور کی دال۔ پھر وہ تمام شکایات یکے بعد دیگرے سنانے لگا۔ جو مصحفی کی جانب سے اس کو تھیں۔ اب تو مصحفی کے اور آگ لگ گئی۔ اس کے خاموش ہوتے ہی بولا۔ وہ وقت یاد کرو جب سرکاری روپیہ کی خیانت کے سلسلہ میں الحکم تمہارے ہاتھ کٹوا رہے تھے۔ بات سچی تھی۔ ابن جابر سٹ پٹا کر رہ گیا۔ قسمیں کھانے لگا کہ یہ جھوٹ ہے یہ بہتان ہے۔ مصحفی نے لوگوں کو جو اس واقعہ کو جانتے تھے قسمیں دلا کر پوچھا کہ یہ سچ ہے یا بہتان۔ وزیر ابن عباس بولا کہ ہے تو سچ مگر اچھا ہے کہ ہم گذری باتوں کو اس وقت درمیان میں نہ لائیں۔ مصحفی بولا کہ میں تو خود ایسا نہ چاہتا تھا مگر ابن جابر جب حد سے بڑھ گیا تو مجبوراً یہ بات زبان تک لانا پڑی۔ اس پر دوسرا وزیر ابن جوہر جو مصحفی کا جانی دشمن تھا بول پڑا کہ ابن جابر تمہیں کیا خبر نہیں کہ جو لوگ معتوبین خلیفہ ہوتے ہیں۔ ان پر دوسروں کی تعزیت و تکریم اور اخلاق کے اُصول برتنا واجب نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر اس نے سلام کیا اور اس کا جواب دوسروں نے دیا تو خلیفہ کے خطا وار ہوئے اور نہیں دیا تو خدا کے۔ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ بات ان حدود تک پہنچے ہی نہیں۔ تب جا کر یہ بحث ختم ہوئی مصحفی نے اطمینان کا سانس لیا۔

Marfat.com

مصحفی کے پاس جب تک رتی رتی باقی تھی مقدمات کا سلسلہ چلتا رہا۔ جب اس نے خود ہی کہہ دیا کہ اب سزائے جسمانی جو چاہے دے، لو جرمانہ دینے کے لئے ایک کوڑی بھی باقی نہیں رہ گئی ہے تو پھر وہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ کبھی وہ آزاد کر دیئے جاتے کبھی نظر بند رہتے۔ کبھی جیل کی تکلیفیں ان پر بڑھا دی جاتیں۔ ایک بار انہوں نے ابن عامر سے درخواست کی کہ میرے بڑھاپے اور ضعیفی پر رحم کھاتے ہوئے مجھے اپنی ڈیوڑھی پر بچے پڑھانے پر ملازم رکھ لو۔ ابن عامر اپنی ذہانت سے سمجھ گئے اور جواب دیا کہ مجھے اس طرح ذلیل کرنا چاہتے ہو کیونکہ ایک زمانہ وہ تھا جب میں نے خود مصحفی کی ڈیوڑھی میں پڑھا تھا اور جن لوگوں نے مجھے وہاں پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب میں ان کی ڈیوڑھی میں حاضری دینے کے لئے اور ملاقات کرنے کے لئے مستقل کھڑا رہتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس کی حالت دیکھ کر لوگ ابن عامر کی ذلت کا زمانہ یاد کریں۔

مصحفی کے ساتھ ابن عامر کا یہ سلوک دیکھ کر لوگ مختلف قسم کی باتیں بنایا کرتے تھے۔ ان کو مطعون کرتے تھے اور اکثر شاعر تو ان کی ہجو بھی کر بیٹھتے تھے۔ چنانچہ ایک شاعر نے یہ لکھا۔

اقتربَ الوعدُ وحانَ الهلاكْ ۔۔۔ وكلُّ ما تحذرُه قد أتاكْ
خليفةٌ تلعبُ في مكتبٍ ۔۔۔ أُمّه حبلى وخاصٍ نياكْ

ان اشعار میں خلیفہ ہشام اور ملکہ صبح دونوں پر چوٹ کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ابن عامر کی ہجو اور تذلیل حقیقتاً مد نظر تھی۔

ابن عامر جب کسی جنگ میں جاتے تو مصحفی اور اس کے بیٹے کو ہمراہ رکھتے۔ یہ لوگ پا بجولاں ایک معمولی مزدور کی طرح ان کے ساتھ ہوتے۔ المقری لکھتے ہیں کہ ایک بار ابن عامر نے بعض خطرات کے ماتحت تمام فوجیوں کو یہ حکم دیا کہ کوئی شخص آگ نہ جلائے کہ کہیں ان کے دشمنوں کو ان کے وہاں موجود ہونے کا علم نہ ہو جائے۔ لوگوں نے اس موقع پر دیکھا کہ مصحفی ایک چھوٹی سی انگیٹھی پر کچھ پکا رہے ہیں۔ اور آگ کی روشنی کو روکنے کے لئے اپنی عبا سے پردہ کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ مصحفی تھے جو اپنی جلالت و عظمت میں ہمسر نہ رکھتے تھے۔ منشی محمد اسمٰعیل کاتب منصور کی جانب سے اس واقعہ میں یہ بھی اضافہ ہوا کہ اس رات انہوں نے

---

[1] وعدۂ موت قریب آ گیا ہے مرنے میں ... ہو گئی ہے جن چیزوں سے تم ڈرتے اور بچتے ہو وہی سامنے آ گئی ہیں خلیفہ کم سنی کی وجہ سے ابھی مکتب میں کھیل رہا ہے۔ اس کی ... یعنی سیدہ صبح ... ہے اور قاضی

...اکر مصحفی کے بیٹے عثمان مصحفی آٹا پانی میں گھول کر پلا رہے ہیں۔ کیسے کیسے وقت لوگوں پر آکر ...ر گئے۔ کہاں یہ کیفیت تھی کہ ہزاروں آدمی ان کے دسترخوان پر انواع و اقسام کی غذائیں نوش ...یا کرتے تھے۔ کہاں صرف تسکین معدہ کے لئے گھلا ہوا آٹا جو اس وقت بہترین غذا ان کے ...لئے سمجھی جاتی تھی۔ فوج میں ساتھ رہنے کے دوران میں ان پر اکثر اوقات اس قدر سختی اور ...سختی برتی جاتی کہ وہ اپنا حال پُر درد اور مؤثر اشعار میں بیان کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے ...اسی بار انہوں نے ایسی ہی حالت میں مندرجہ ذیل اشعار نظم کر ڈالے۔

تعاطیت صرف الحادثات فلم ازل — اراها توفی عند موعدها الحرا

فلله ایام مضت بسبیلها — فانی لا انسی لها ابداً ذکرا

تجافت بها عنا الحوادث برهة — ولا نظرت منها حوادثه شزرا

لیالی مابدر الزمان مکانها — وابدات لنا منها الطلاقة والبشرا

وما هذه الایام الا سحائب — علی کل ارض تمطر الخیر والشرا

ان کی آنکھیں خون کے آنسو روتی تھیں۔ ان کا دل پارہ پارہ تھا۔ مگر موت تھی کہ آکر ان کو ...ن ذلت اور نکبت سے بھی رہائی نہ دلواتی تھی۔ پانچ برس تک وہ اسی عالم کشمکش میں مبتلا رہے۔ ...ن کا جسم صرف ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ مگر سانس کی آمدورفت باقی تھی ایک بار بیمار ...بھی پڑے۔ مگر زندگی کا خاتمہ پھر بھی نہ ہوا۔ اور ہوا بھی تو کیسے پھانسی پاکر یا زہر پی کر۔ مؤرخین کا ...خیال ہے کہ ان کے پینے کے پانی میں زہر ملا دیا گیا تھا بعض کہتے ہیں کہ گلا گھونٹ دیا گیا۔ واللہ ...اعلم۔

ابن عامر نے جب سنا کہ اس کا زندانی۔ اس کا پرانا قیدی اس کا قدیم حریف۔ اس کا ایک زمانہ کا مربی اور سرپرست موت کی آغوش میں پہونچ چکا ہے۔ تو اس نے اپنے دو کاتبوں کو حکم دیا کہ اس کے غسل اور کفن کا انتظام کر دیں۔ ان کاتبوں میں سے ایک محمد بن اسمٰعیل بھی تھے۔ جو اس واقعہ کا نقشہ

ترجمہ: واقعات میں نے حادثات زمانہ کے ساتھ دوستی کی اور اس پر قائم رہا تھا کہ میں دیکھ رہا تھا کہ وہ کبھی مرد کے ساتھ وفا کرتے تھے پس اللہ کیلئے وہ دن ہیں جو حادثات کیلئے راستہ میں گزر گئے میں کبھی انکا ذکر نہیں بھولتا۔ تھوڑے عرصہ تک کیلئے حادثے تجھ سے دور رہے اور مجھ کو ترچھی ٹیڑھی نظروں سے نہ دیکھا اسلئے کہ وہ شب و روز ایسے تھے کہ زمانہ ان کا مقام نہیں جانتا تھا کاش وہ روئی بشارت ان دنوں میں ہمارے لئے تھی اور یہ دن ان بادلوں کی مثال ہیں جو گاہ زمین پر نیکی برساتے ہیں گاہ بدی۔

Marfat.com

بڑے دردانگیز الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

منصور کے حکم سے وہ محمد بن حکم کے ساتھ زہرا کے قید خانے میں جعفر ابن عثمان المصحفی سابق حاجب حکومت اندلس کی لاش لینے کے لئے پہونچے جسم پر کسی خارجی صدمے کے نشانات نہ تھے۔ ایک پھٹی پرانی تھا جو کسی دربان نے ازراہِ ترحم ان کی لاش پر ڈال دی تھی پڑی ہوئی تھی۔ محمد بن مسلم نے ایک غسال کو بلوایا جس نے ان کو اُن کے پرانے گھر کی چھوٹی سی ڈیوڑھی میں غسل دینے کے لئے کوئی پرا بھی موجود نہ تھا۔ دروازہ جو ٹوٹ چکا تھا۔ اس کے ایک پٹ پر نعش کو لٹا کر نہلایا گیا اس چیز نے گردشِ ایام کا عبرت خیز سبق دیا۔ جب جنازے کو لے کر قبرستان کی طرف چلے تو بجز ایک مسجد کے مولوی کے جسے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے بلوایا گیا تھا کوئی ساتھ نہ تھا یہ ایک ایسا منظر تھا جو آنکھوں سے دیکھا نہ جاتا تھا۔ کوئی شخص کاندھا دینے کا روادار تو درکنار یہ تک نہ پوچھتا تھا کہ یہ جنازہ ہے کس کا۔ حالانکہ ایک وقت جب سارے اختیارات مصحفی کے ہاتھ میں تھے۔ ان کی سواری گھر سے نکلتی تھی تو یہ عالم ہوتا تھا کہ اس کثرت سے لوگ گھر کے سامنے ان سے ملتے۔ دیکھتے اور سلام کرنے کے لئے کھڑے ہوتے تھے کہ راستہ ملنا دشوار ہوجاتا تھا۔ ایک جمِ غفیر لگا رہتا تھا۔ اور لوگوں کا ان کے پاس پہونچنا دشوار ہوجاتا تھا۔ اکثر تو ان کے رعب کے مارے جہاں ہوتے تھے وہیں کھڑے رہ جاتے تھے۔ عرضیاں لینے کے لئے ایک سوار گھوڑے پر ہوتا تھا۔ جو سب سے وصول کرتا جاتا تھا۔ وہ دن بھی تھا۔ اور ایک یہ دن۔ تقدیر کس طرح کروٹ بدلتی ہے۔ زمانہ کیونکر منہ موڑتا ہے۔ یہ نظارہ اسی دن دیکھنے میں آیا۔ مصحفی کو مغیرہ کی جان لینے کی سزا ملی یا بے گناہ کو قید کرنے کی۔ مگر ان کا انجام تھا انتہائی عبرت انگیز۔

انقلابات ہیں زمانے کے

باب (۵۲)

ایک بلند پایہ شخصیت

(المنصور)

اس دنیائے فانی میں زندگی صرف دو ہی قسم کے لوگ گزار سکتے ہیں۔ ایک وہ کہ جن کے بازوؤں میں طاقت جسم میں ہر مصیبت سے مقابلہ کرنے کی قوت ہو۔ دوسرے وہ جو فہم و ذکا میں اپنا جواب نہ رکھتے ہوں۔ اتفاق سے یہ دونوں خوبیاں ہی مصحفی میں نہ تھیں۔ لہٰذا ذلیل و خوار ہوئے حسنِ اتفاق سے اور بہت سی خوبیوں کے ساتھ یہ خوبیاں ابن عامر میں موجود تھیں۔ اس لئے ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار اور ترقی درجات سے دوچار رہے۔ مصحفی کے تنزلی کے افسانے میں ابن عامر کی ترقی کا عنوان پنہاں تھا۔ جیسے جیسے ایک ٹھوکریں کھا کر بجائے سنبھلنے کے تحت الثریٰ میں پہونچتا گیا۔ دوسرا عرش کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ ایک اپنے مرتبے اور منصب کی حفاظت نہ کر سکا۔ دوسرے نے یہ طے کر لیا کہ وہ تمام امور سلطنت اپنے ہاتھ میں لے کر ملک پر پوری شان و شوکت سے قابض ہو جائے۔ جو سوچا وہی ہوا۔

مصحفی جب قید و بند میں مبتلا ہوئے۔ ابن عامر تمام حکومت کی ذمہ داریوں پر حاوی ہو گئے امیر غالب سے مل کر ریاست کی فلاح و بہبودی میں لگ گئے۔ ابن عامر کے اقتدار کی چادر جو اس

Marfat.com

قدر کھلی تو بہت سے حاسدین پیدا ہو گئے۔ کچھ پہلے ہی سے موجود تھے۔ فائق کا پتہ تو پہلے ہی کٹ چکا تھا مگر وہ دوسرا فریق جو ذرا ابھی تک کچھ نہ کچھ اختیارات پر قابض تھا۔ صقلبی غلاموں قوت کے بل بوتے پر وہ اب بھی ابن عامر کی بدگوئی اور ہجو علانیہ قرطبہ میں کیا کرتا تھا۔ ابن عامر تعلقات ملکہ سے کچھ اتنے گہرے ہو چکے تھے کہ لوگوں کو انگلیاں اٹھانے کی ضرورت پیش آ گئی تھی۔ لوگ برملا ملکہ سے ابن عامر اور قاضی ابن سلیم سے تعلقات کو ناجائز بتاتے اور اس قسم کے اشعار موزوں کرتے جن میں یہ باتیں صاف طور سے بیان کی جاتیں۔ ایک مرتبہ ایک تو ایک شخص جس کے ہاں ایک اچھا گانے والی کنیز تھی اس کو وہ اشعار یاد کرا دیئے۔ اس خیال سے کہ جب یہ اشعار گائے جائیں گے تو لوگ اس کی قیمت زیادہ ادا کریں گے۔ ابن عامر کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے اس مغنیہ کی گردن ہی مار دی۔

خلیفہ ہشام کے خلاف سازش

ابن عامر کا زور توڑنے کی ترکیب صرف ایک یہ تھی کہ خلیفہ ہشام کو تخت خلافت سے ہٹا کر کسی ایسے شخص کو تخت نشین کیا جائے جو خود کاروبار سلطنت سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اور اپنے اراکین کا اس قدر اقتدار پسند ہونا پسند نہ کرتا ہو۔ ایسا کون شخص ہو سکتا تھا۔ ان حالات میں یہ ام تلاش طلب تھا۔ لوگوں نے عبد الرحمٰن الناصر کے ایک پوتے عبدالرحمٰن جو اسی کا ہمنام تھا۔ نئے دعویدار سلطنت کی حیثیت سے چنا۔ اس شجرے سے یہ بات واضح ہو جائے گی۔

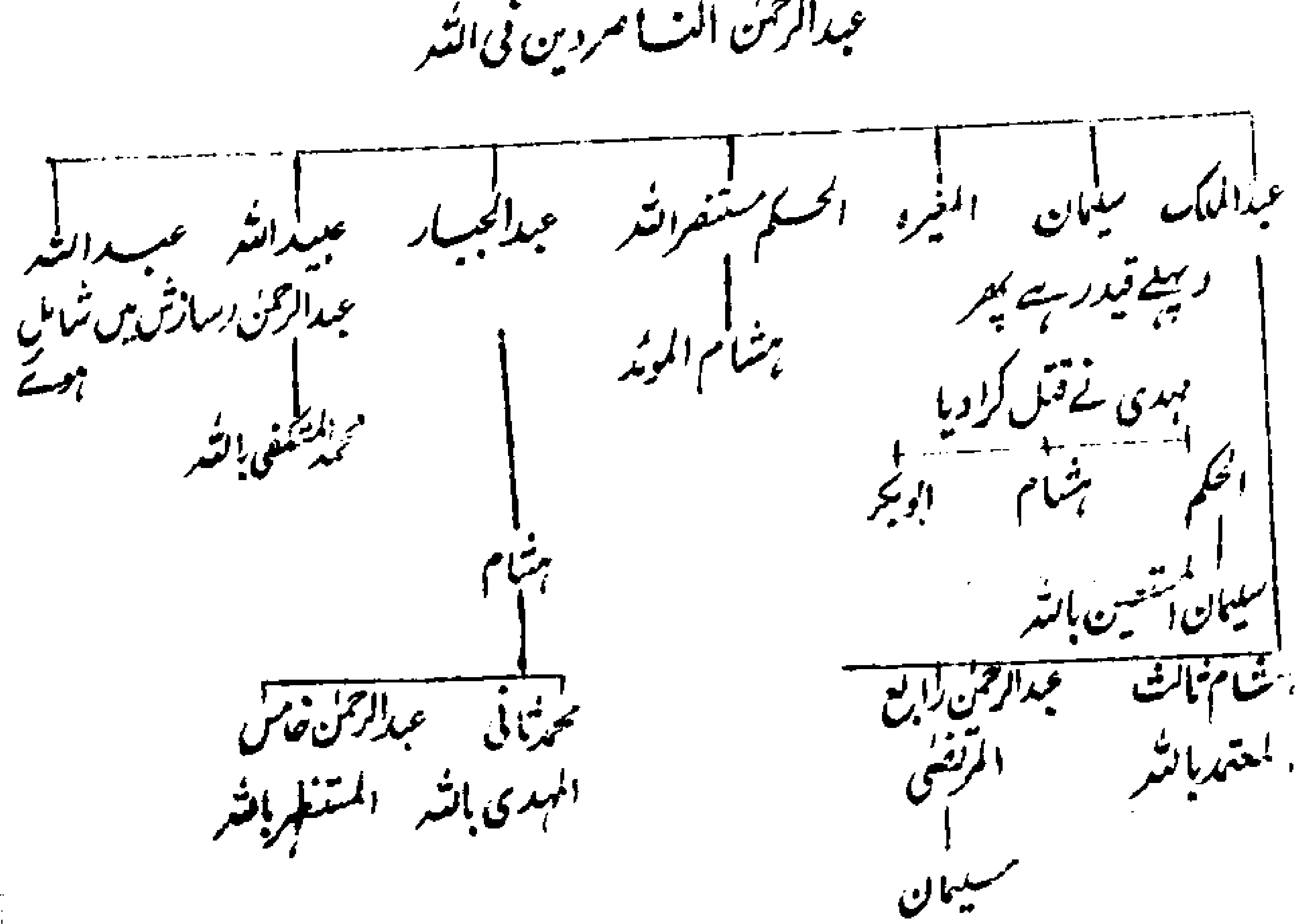

Marfat.com

گویا یہ عبدالرحمٰن عبیداللہ ابن عبدالرحمٰن الناصر کا بیٹا تھا۔ اس سازش کے کرتا دھرتا جوذر اور قاضی عبدالملک بن منذر تھے۔ ان کے ہمراہ بہت سے قاضی، فقیہہ، عالم اور رمادی نامی مشہور شاعر شامل تھے۔ رمادی ہر چند ابن عامر کے ساتھ بعض معرکوں میں رہتے تھے۔ مگر ان کا دل مصحفی ہی کی طرف مائل تھا جب وہ اپنے عہدے سے معزول ہوا تب بھی (رمادی) اپنے پرانے آقا ہی کا گن گاتا رہا۔ اور دل ہی دل میں اس بات پر کڑھتا رہا کہ مصحفی کے زوال کا باعث ابن عامر ہے۔ اس لئے انتقام کے شعلے بری طرح اس کے دل میں سلگ رہے تھے۔

سازشیوں کو روز بروز تقویت حاصل ہوتی جا رہی تھی۔ وزیر ابن افلح جو کسی زمانے میں ابن عامر کا بہت ممنون احسان اور مداح تھا۔ اس وقت ان لوگوں کے ساتھ ابن عامر کے خلاف ہو گیا تھا، شہر کا حاکم ہونے کی وجہ سے بہت سے فوجی اور پولیس بھی اس کے تحت تھی۔ اس کی حمایت نے کامیابی کی امید واثق کر دی۔ جوذر کو گو وہ پہلا سا مرتبہ حاصل نہ تھا۔ مگر خلیفہ تک پہونچنے میں اب بھی اس کو کوئی دقت نہ ہوتی تھی۔ ابن افلح کے مشورے سے دن اور تاریخ قتل ہشام طے پا یا۔ اندرونی انتظامات پر ایک نظر ڈالنے کے لئے اپنے ملازمین کے ساتھ قصر خلافت میں پہونچا وہاں سب باتیں مطلب کے مطابق دیکھ کر اپنے ملازمین کے ساتھ قصر سے نکل گیا۔ اور اپنے گھر کی طرف جو دور کسی محلہ میں تھا روانہ ہو گیا اس کے بعد ہی جوذر نے خلیفہ سے ملنے کی اجازت چاہی جو بلا کسی شبہ کے مل گئی۔ جوذر نے ملتے ہی چاہا کہ تلوار میان سے نکال کر خلیفہ کا خاتمہ ایک ہی وار میں کر دے کہ اچانک ایک شخص ابن عروس جو کہیں پاس ہی خوش نصیبی شاہ سے موجود تھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر جوذر کی طرف لپکا اور اس سے گتھ گیا۔ دونوں میں کشتی ہونے لگی ہشام نے فوراً اپنے دوسرے ملازمین کو آواز دی۔ جو لپکتے ہوئے آئے۔ جوذر کو گرفتار کر لیا۔ لڑتے لڑتے اس کا سانس بھی پھول گیا تھا۔ کپڑے بھی پھٹ گئے تھے۔

زیاد ابن افلح جو سوچ رہا تھا کہ اب تک خلیفہ کی نعش خون میں لت پت نگاہ عبرت کے لئے ایک نظارہ پیش کر رہی ہو گی یہ اطلاع ملی کہ جوذر خلیفہ پر حملہ کرتے وقت گرفتار ہوا تو سٹ پٹا گیا۔ گھبرایا ہوا قصر خلافت میں پہونچا۔ ملکہ صبح۔ ابن عامر اور دیگر مقربین ہشام پہلے ہی وہاں پہونچ چکے تھے۔ ابن عروس نے ابن افلح کو اس کی بد انتظامی اور غفلت پر بہت برا بھلا کہا۔ ابن افلح بظاہر بہت شرمندہ ہوا خلیفہ کی جان بچنے پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ اور یہ جتلایا کہ جیسے

Marfat.com

اس کا اس سازش سے کچھ تعلق ہی نہیں ہے۔ اس نے تمام سازشیوں کو چُن چُن کر گرفتار کروا
جو ذرالزہرا کے قید خانے میں بھیجدیا۔

اس کے بعد مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ بڑے بڑے سازشیوں جن میں وقت من
عبدالملک بن منذر بھی شامل تھا قرآن کی سورۂ مائدہ رکوع ۵ کے تحت جس کا مطلب یہ ہوتا
ہے۔

"جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولؐ سے لڑتے یا ملک میں فساد پھیلاتے ہیں۔ ان کی سزا
بس یہی ہے کہ ڈھونڈھ کر قتل کئے جائیں یا ان کو سولی پر چڑھا دیا"

کیونکہ اس آیت میں سزاؤں کی نوعیت مختلف ہے۔ اس لئے یہ خلیفہ کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا
کہ کس کے لئے کیا سزا تجویز کرے۔ زیاد ابن افلح جسے ہر وقت یہ خدشہ رہتا تھا کہیں اُس
کا راز نہ کھل جائے اور اسے بھی کڑی سزا ملے۔ ابن عامر کو اپنا ہمدرد بنانے کے لئے
قاضی عبدالملک کو خلیفہ سے کہہ کر پھانسی دلوادی۔ عبدالرحمٰن جسے خلیفہ بنانا مقصود تھا سُولی
پر چڑھا دیا گیا۔ بہت سے دیگر سازشیوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ جوذر کے متعلق تاریخ خاموش
کر کیا ہوا مگر گمان یہی ہے کہ سزائے موت کا مستحق ٹھہرا ہوگا۔ البتہ شاعر رمادی کی سزا اس
وجہ سے معاف کردی گئی کہ اس کے بہت سے دوستوں نے اس کی بہت سفارش کی۔ اسے
قرطبہ میں رہنے کی اجازت بھی مل گئی۔ مگر شہر میں یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ کسی شخص کو رمادی
سے گفت گو کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ جو بات کرتا پکڑا جائے گا سزا پائے گا۔ رمادی کو
اب مجبوراً لبوں پر مہر خاموشی لگانا پڑی۔ قرطبہ کے بازاروں میں وہ اس طرح سے گھومتا تھا
جیسے کوئی زندہ لاش چل رہی ہو۔ بعد میں اُس نے ابن عامر کے مزاج میں رسوخ حاصل کرلیا
کیونکہ ۳۷۶ھ ۹۸۶ء کے معرکہ میں جب ابن عامر برشلونہ کے محاصرے پر روانہ ہوا تو یہ بھی اس
کے ساتھ تھا۔

سازش کے اثرات سازش تو ابن عروس کی بروقت مداخلت سے ناکامیاب ہوگئی
مگر ابن عامر کو چوکنا کرگئی۔ اس کو یہ اندازہ ہوگیا کہ شہر کے چند
معززین کے علاوہ اس سازش میں زیادہ مولوی۔ عالم۔ فقیہہ۔ اور شاعر شامل تھے جن کو مذہب
اور علم سے بہت زیادہ لگاؤ ہوتا ہے۔ اس نے اس طبقہ کو اپنا ہمدرد بنانے کی ترکیبیں سوچیں
اس نے اپنے طالب علمی کے زمانے میں ادب اور فقہ کے ساتھ ساتھ فلسفہ بھی پڑھا تھا۔

علما کو اس مضمون سے خاص چڑ تھی۔ کیونکہ اس کے بہت سے مسائل کو وہ عقیدہ مذہبی کے خلاف سمجھتے تھے۔ اس سازش میں وہ لوگ بھی شامل تھے۔ جو کبھی اس کے ہم مکتب رہ چکے تھے۔ اور وہ لوگ بھی جو اس کے فلسفیانہ عقائد کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے تدبر اور حکمت عملی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنا رجحان فلسفہ سے ہٹالیں کہ معترضین کو مخالفت کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس دور کے مستند علماء مثلاً اصیلی ابن زکوان اور زبیدی وغیرہ کو اس نے الحکم کی مشہور و معروف لائبریری میں آنے کی دعوت دی۔ پھر ان سے ان تمام فلسفہ اور ہیئت کی کتابوں کو نشان زدہ کرنے کی گزارش کی۔ جو مذہب یا عقیدے کے خلاف ہوں۔ علماء خوش ہو گئے۔ انہوں نے ہزاروں ایسی نایاب اور نادر کتابوں پر سرخ نشان لگا دیا۔ ابن عامر نے ان کو بر سر عام جلانے کا حکم دیدیا۔ لوگوں کی نگاہوں میں خوش عقیدہ بننے کی غرض سے بہت سی کتابوں کو تو اپنے ہاتھ سے نذر آتش کر دیا۔ علم اور فلسفہ کا ایک لاثانی ذخیرہ جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ نقصان کچھ ایسا تھا جس کی تلافی اس زمانہ میں ممکن ہی نہ تھی۔ مگر عوام اور علماء ابن عامر کے اس طرزِ عمل سے ضرور خوش ہو گئے۔ اسی پر بس نہیں انہوں نے مبلغین۔ واعظین۔ علمائے دین کی ضرورت سے زیادہ عزت و حرمت شروع کر دی۔ ان کی باتوں کو بہت توجہ سے سننا شروع کیا۔ صحیفہ الٰہی اپنے ہاتھ سے لکھا اور اس نسخہ کو ہمیشہ حرزِ جان کی طرح ساتھ رکھتے تھے۔ اس طرح وہ ایک سچے اور دیندار مسلمان کی طرح مشہور ہو گئے۔ لوگ ان کو بہ نگاہ عزت دیکھنے لگے۔

اس کے علاوہ جو دوسری تدبیر کرنا تھی وہ خلیفہ ہشام کی جان کی حفاظت۔ ایک حملہ ان پر ہو چکا تھا۔ اور محض تائید غیبی کی وجہ سے ان کی جان بچ گئی۔ آئندہ بھی اس قسم کے خطرات لاحق ہو سکتے تھے خصوصاً جبکہ خلیفہ اپنے بچپنے کی حدود طے کر کے جوانی میں داخل ہو رہے تھے۔ ان کی عقل و فہم بھی کچھ پختہ ہو چلی تھی۔ اور کم سنی کا وہ جوش بھی ختم ہو چلا تھا۔ اب وہ کسی شخص کے بھڑکائے میں آکر اپنی طاقت و حشمت کا مظاہرہ کر سکتے تھے۔ ابن عامر سب کچھ گوارا کر سکتا تھا مگر اپنی قوت کو صدمہ پہونچتے نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس بارے میں ملکہ صبح سے تبادلۂ خیال ہوا۔ طے یہ پایا کہ خلیفہ کو قصرِ خلافت سے ہٹا کر دوسری محفوظ جگہ منتقل کر دینا چاہیے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک نیا قصر الزاہرہ کے نام سے ابن عامر نے تعمیر کرانا شروع کیا۔ جس کا خاکہ اور نقشہ الزہرہ سے کچھ کم شاندار نہ تھا۔ اس کا مفصل ذکر آگے آئے گا۔ جب وہ پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا تو تمام سرکاری دفاتر وہیں پہنچا دیئے گئے۔ تمام خیر خواہانِ حکومت بھی وہاں منتقل ہو گئے بڑے

بڑے بڑے تجار اور رؤسا بھی اپنی کوٹھیاں بنوا کر مدینہ الزاہرہ میں مقیم ہو گئے۔ دیکھتے دیکھتے وہ ایک ٹھاٹھ دار شہر بن گیا۔ اس کی آبادی اس قدر بڑھ گئی کہ قرطبہ تک پہونچ گئی۔ پھر اس کے بعد خلیفہ کو بڑی شان و شوکت کے ساتھ لے جایا گیا۔ اور ان کے پرشکوہ محل میں اتار دیا گیا۔ یہاں تمام حفاظتی تراکیب پہلے ہی سے کر لی گئی تھیں۔ جتنے فوجی تھے وہ بھی خاص اس کے آدمی تھے۔ جتنے حفاظتی دستے متعین کئے گئے وہ بھی اس کے اشاروں پر چلنے والے۔ قصر کے اردگرد سخت پہرہ لگا دیا گیا۔ کوئی شخص بغیر پروانہ اجازت دکھائے خلیفہ کے حضور تک پہنچ ہی نہ سکتا تھا۔ چاروں طرف خندقیں کھودی گئیں۔ دیوار یا اس خندق کے پاس تک جانا جرم میں شمار ہوتا تھا۔ اور اس کی سزا مقرر تھی۔ یہ انتظامات کیا تھے گویا خلیفہ کی دوسرے معنوں میں نظر بندی تھی عوام میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ خلیفہ نے سارا نظام حکومت ابن عامر کے سپرد کر دیا ہے۔ اور خود عبادت گزاری میں وقت گزارنے لگے ہیں۔ خلیفہ کا نام لیا جانا بھی اسے پسند نہ تھا۔ جب یہ سارے انتظامات مکمل ہو گئے۔ تو صرف ایک خلیج کو پر کرنا باقی رہ گیا وہ فوج پر مکمل اختیار۔

تنظیم افواج

جب تک فوج پر مکمل قبضہ نہ ہو جائے اختیارات کی باگ ڈور صحیح معنوں میں ہاتھ میں نہیں آتی ہے مغرب اقصیٰ اور شمالی سرحدوں پر اہم کی کمان ہاتھ میں لینے کی وجہ سے وہ بہت سے فوجیوں میں پہلے ہی ہر دلعزیز ہو چکا تھا۔ لیکن وہ پوری فوج ردو بدل کر کے پورے طور پر اپنا اقتدار اس پر جمانا چاہتا تھا۔ ذاتی فائدے کے ساتھ ساتھ آئندہ مہمات میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بھی یہی ایک مناسب شکل تھی۔ سب سے پہلے تو اس نے تمام پرانے افسروں کو معزول کیا۔ جو کچھ بھی ذی اثر تھے اور ابن عامر کے ہمنوا مشکل سے ہو سکتے تھے۔ ان کی جگہ پر تمام ایسے آدمی رکھے گئے جو اس کے زیر اثر تھے۔ شہر اور قصر خلافت کی حفاظت کے لئے جو فوج متعین تھی وہ بہت کم تھی۔ وقت ضرورت سرحد سے فوجیں طلب کی جا سکتی تھیں۔ مگر ان میں بھی شہسوار صرف پانچ ہزار کے لگ بھگ تھے۔ ان پر اعتماد نہ کرتے ہوئے کیونکہ وہ غالب کے اثر میں تھے۔ نئے سوار بھرتی کئے گئے۔ ان میں بھی زیادہ تر ایسے لوگ تھے۔ جو اس کے خیر خواہ تھے۔ پھر پیادوں اور دوسری فوجی جگہاؤں میں بھی زیادہ تر بربری اور اہل زناتہ بھرتی کئے۔ ان سب لوگوں کے مستقل مشاہرے مقرر کئے۔ اور پروانہ تقرری کیونکہ اپنے دستخطوں سے جاری کیا لہذا وہ لوگ سمجھے کہ وہ براہ راست ابن عامر کے تحت ہیں۔ پھر اس نے رویہ بھی کچھ اس قسم کا اختیار کیا کہ تمام فوجی اس کے رفیق بننے پر مجبور ہو گئے۔ خلیفہ تو پہلے

معصور تھے۔ کسی معاملے میں دخل دے ہی نہ سکتے تھے۔ ملکہ اس کے خلاف قدم اٹھا تے ہی تھے۔ مصحفی کو راستے سے پہلے ہی ہٹا دیا گیا تھا۔ بس لے دے کے ایک امیر غالب رہ گئے تھے۔ ان سے دو دو ہاتھ ہونا باقی تھا۔

غالب سے چپقلش

غالب ہر چند ابن عامر کے خسر تھے اور ان کو وہ لڑکی بیاہی تھی جو ان کی آنکھوں کا تارہ تھی۔ مگر وہ اس کی اس پالیسی کے خلاف تھے کہ تمام ملک کی تمام طاقت رات ایک شخص کے چنگل میں پھنس کر رہ جائیں۔ یہ چیز بھی وہ پسند نہ کرتے تھے کہ خلیفہ ہشام کو کٹھ پتلی بھی نہ سمجھا جائے بلکہ ایک کونے میں بُت کی طرح بٹھا دیا جائے اور اس کی حفاظت اس طرح کی جائے جیسے وہ کسی زبردست بُت تراش کا تراشا ہوا اور اس پر سونے کے ساتھ ہیرے جواہرات مڑھے ہوں۔ یہ غصہ اس وجہ سے بھی زیادہ آتا تھا کہ وہ ان کے نہایت مقبول آقا کے پوتے تھے اور عالم کے بیٹے تھے۔ جن کے فیوض و برکات کا سارا اندلس بلکہ کیا دنیائے اسلام مداح تھی۔ دلوں میں لکیر پڑ گئی۔ دونوں زبردست طاقتیں بباطن ایک دوسرے کی بیخ کنی پر آمادہ ہو گئیں۔ غالب مصحفی نہ تھے جسے ابن عامر آسانی سے دبا لیتا۔ وہ مانا سورما تھا۔ گرگ باراں دیدہ تھا۔ ہزاروں جنگیں لڑ چکا تھا۔ ہزاروں معرکوں میں نبرد آزمائی کر چکا تھا۔ ابن عامر کے ارادوں کو بھانپ گیا۔ اس نے بھی منصوبے بنانے شروع کر دیے۔ سب سے پہلے تو اس نے سوچا کہ خلیفہ کو ابن عامر کے پنجوں سے نکالا جائے۔ عیسائیوں سے بھی اس سلسلے میں مدد کا خواستگار ہوا جائے۔ دوسری طرف ابن عامر بھی فوجی طاقت مضبوط کرنے اور مالی حالت اچھی بنانے پر تل گیا۔ جب یہ معاملات قابو میں آ گئے تو ایک مہم کے سلسلہ میں شمال کی جانب روانہ ہوا۔ آگے بڑھ کر غالب بھی ان کے ہمراہ ہو گئے ایک روز ایک سرحدی قلعہ کا معائنہ دونوں کر رہے تھے کہ آپس میں بات بڑھ گئی۔ غالب بڑھاپے کی وجہ سے مزاج میں سختی بھی تھی ایک دم بھڑک اٹھے اور بولے۔ او کتے تو چاہتا ہے کہ ساری ریاست کا مالک تو ہی ہو جائے۔ اور شاہی خاندان تیرے زیرنگیں ہو کر رہ جائے۔ یہ بہت سخت الفاظ تھے۔ بہت کڑوے جملے ابن عامر ان کا داماد تھا۔ تو کیا ہوا۔ بڑی حیثیت کا مالک تھا۔ بلکہ خلیفہ کے بعد اب کوئی دوسری طاقت اندلس میں اس سے ٹکر نہ لے سکتی تھی۔ ابن عامر بھی ضبط نہ کر سکا اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ غالب پینترے باز ٹھیرے فوراً تلوار سونت اس وقت اس پر جھپٹ پڑے۔ وہ بیچارہ مرد میدان نہ تھا۔ گھبرا گیا۔ چند فوجی افسر جو پاس ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے

Marfat.com

پیچ بچاؤ کرانا چاہا مگر ابن عامر کے معمولی زخم آہی گئے۔ اب جو غالب نے دیکھا کہ دشمن ان کے وار سے بچ گیا ہے اور کچھ نہ کچھ فساد ضرور پھیلائے گا۔ فوراً اس اونچی فصیل سے نیچے کود پڑے۔ چوٹ تو آئی کچھ مگر جان بچ گئی۔ یہ معمولی سی جھڑپ ایک زبردست جنگ کا پیش خیمہ تھی۔ وہ جنگ ہوکر رہی۔

غالب نے خلیفہ کی رہائی کو جنگ کا بہانہ بنایا اور جلدی ہی بہت سے حمایتی پیدا کرلئے۔ ایک فوج مدد کے لئے بھیج دی۔ ابن عامر اس دن کا نہ جانے کب سے منتظر تھا۔ دونوں طاقتیں اپنے سامنے آگئیں۔ جنگ نے کافی طول کھینچا۔ بڑے بڑے سورما اور اہل تیغ کام آئے مگر فیصلہ نہ ہو پایا۔ ایک دن اس طوالت سے گھبرا کر غالب نے اس شدت سے حملہ کیا کہ ابن عامر کے رفیق میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ یہ موقع غالب کے لئے سنہری تھا۔ اُس نے دیکھا کہ فتح اب ہوا ہی چاہتی ہے۔ اب اپنے خاص رسالہ کو دھاوا بولنے کا حکم دیا۔ خود بھی آگے بڑھا۔ مگر گھوڑے کی کاٹھی سے ایک زخم پیشانی میں آگیا۔ خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے بیہوش ہوکر گھوڑے پر سے گرنے لگا۔ لوگوں نے سنبھالا دینا چاہا۔ اور یہ مشہور ہوگیا کہ غالب زخمی ہوکر نیچے آرہے۔ فاتحین کے دل مجروح ہوگئے۔ ہمتیں پست پڑگئیں۔ عیسائی جو خواہ مخواہ اس جنگ میں شریک ہوگئے تھے۔ بھاگنے لگے۔ ان کی دیکھا دیکھی اوروں نے بھی۔ ابن عامر نے جو یہ موقع دیکھا تو ہلّہ بول دیا۔ ہزاروں کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔ بھاگتے ہوؤں کا تعاقب سختی سے ہوا اور اُن کو چن چن کر قتل کیا گیا۔ ابن عامر کو مکمل فتح حاصل ہوئی۔ غالب ۹۸۱ء / ۳۷۱ھ میں مقتول ہوئے۔ اب ابن عامر کا کوئی ہمسر نہ رہا۔ بجز ایک ہستی کے جوان کی قدیمی سرپرست تھی۔ ملکہ سیدہ صبح۔ ابھی ان سے نپٹنے کا وقت نہ تھا۔ پہلے اس نے لیون کے بادشاہ کو اس حرکت کی سزا دینا چاہی کہ کیوں وہ غالب کی حمایت پر آمادہ ہوا تھا اور اپنی کمک روانہ کی تھی۔ اس نے اُموی شہزادہ عبد اللہ کو فوج کا سردار بنا کر ایک مہم فوراً اس جانب روانہ کردی۔

اس فوج نے جاتے ہی شہر سمورہ **Samora** کا محاصرہ کرلیا۔ یہ جولائی ۹۸۱ء مطابق محرم ۳۷۱ھ کا مہینہ تھا۔ عرصہ دراز تک قلعہ کا محاصرہ جاری رہا فتح کے امکانات تو نہ پیدا ہوئے مگر قرب وجوار کے علاقے خوب ہی لوٹے گئے۔ بستیاں خوب ہی جلائی گئیں۔ جس نے مزاحمت کی یا مقابلہ کیا اسے ابدی نیند کی آغوش میں سلادیا گیا۔ کچھ نہیں کچھ نہیں تو چار ہزار دشمن

ایک ہی حملہ میں مقتول ہوئے۔ ایک ہزار گاؤں اور قصبات پر دھاوا کیا گیا وہ سارا علاقہ خاک میں ملا کر رکھ دیا گیا۔ رومیرو ثانی جو اس وقت لیون کے تخت پر قابض تھا۔ یہ حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ رومیرو ثانی جو اس وقت لیون کے تخت پر قابض تھا۔ یہ حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔ نواب قشتالیہ اور بادشاہ نبرغرسیہ سے مدد مانگنے لگا۔ یہ معاملہ دیکھ کر ابن عامر بھی مسلمانوں کی مدد کو پہونچ گیا۔ ادھر سے تینوں عیسائی ریاستوں کی متحدہ فوجیں بڑھیں۔ ادھر مسلمان چلے۔ Rota کے مقام پر مقابلہ ہوا۔ یہ قلعہ شنت مانکر Mancas سے قریب تھا۔ جہاں ایک بار عبدالرحمٰن ناصر کو شکست ہوئی۔ اس بار عیسائیوں کو منہ کی کھانا پڑی۔ مسلمانوں نے بڑھ کر قلعہ مانکش پر قبضہ کرلیا۔ ہزاروں کی تعداد مقتولین کی تھی۔ بہت سے قیدی بھی بنائے گئے۔ اب لیون کا محاصرہ کرلیا گیا۔ رومیرو جس کی عمر بیس کی بھی نہ تھی۔ اپنی فوجوں کو جوش دلاتا آگے بڑھا۔ بڑا سخت معرکہ ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مسلمانوں نے وقتی طور پر پسپائی اختیار کی۔ نصرانیوں نے ان کو ان کی خیمہ گاہ تک ڈھکیل دیا۔ ابن عامر جو ایک اونچے تخت پر جنگ کا سارا نقشہ دیکھ رہے تھے۔ اور وہاں سے ہمتیں بھی بڑھا رہے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر سخت پریشان ہوئے۔ مارے غم وغصہ کے تخت سے نیچے اتر آئے خاک پر اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔ خدا کی درگاہ میں مسلمانوں کی کامیابی کی دعائیں کرنے لگے۔ لوگوں کو یہ احساس تھا کہ جب کوئی نازک وقت آپڑتا تھا تو ابن عامر ایسی ہی حرکتیں کرنے لگتے تھے۔ سپاہیوں کو یہ نظارہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی۔ انہوں نے جب اپنے آقا کو اس طرح گڑ گڑاتے ہوئے دیکھا تو اپنی پسپائی اور کم ہمتی پر شرمندہ ہوئے۔ دوبارہ عیسائیوں پر پل پڑے اور اس وقت تک جنگ بند نہ کی جب تک انہوں نے شکست تسلیم نہ کرلی۔ مسلمانوں نے ان لوگوں کا قلعہ کے دروازے تک تعاقب کیا۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ اس حد تک فتوحات کافی تھیں۔ موسم سرما کا آغاز بھی ہوچکا تھا۔ اب جنگ کرنا بس کا نہ تھا۔ اس لئے ابن عامر قرطبہ لوٹ آئے۔ یہاں آکر انہوں نے پچھلی فتوحات پر نازاں ہوکر المنصور کا لقب اختیار کیا۔ اس طرح لقب اختیار کرنا صرف بادشاہوں یا خلیفاؤں کو زیب دیتا تھا مگر ابن عامر پہلی ہستی ہے جو باوجود بادشاہ نہ ہونے کے اس لقب کا حامل ہوا۔ اس کے علاوہ اس کی بھی منادی کرادی کہ جملہ آداب اور القاب جو خلیفہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے لئے بھی ہوں گے آئندہ سے تمام اکابرین سلطنت اور افراد شاہی خاندان اس کے ہاتھ پر بوسہ دیں گے جس طرح سے خلیفہ کے ہاتھ پر دیتے تھے۔ سکہ پر بھی اپنا نام شامل کیا۔ اور خطبہ میں بھی یہ حکم دیا کہ

Marfat.com

خلیفہ کے بعد اس کے نام پر سلامتی بھیجی جائے۔ اور ترقیِ درجات اور درازیٔ عمر کی دعا کی جا
اس نے اپنا لباس بھی مخصوص اختیار کیا۔ اربابِ سلطنت جو ہمیشہ اس کی خوشامدیں لگے رہتے
تھے ایک ہاتھ آگے ہی بڑھ گئے۔ منصور کے ہاتھ پر بوسہ دینا تو خیر اس کے چھوٹے چھوٹے بچ
کے ہاتھ پر بھی بوسہ دینے لگے۔ جیسے وہ ولی عہد سلطنت ہوں۔ یا آئندہ زمامِ حکومت ان کے
ہاتھ میں آنے والی ہو۔ اب ابن عامر کے بجائے المنصور ہی لکھا جائے گا۔

ملکہ صبح سے اختلاف

سیدہ صبح نے جو المنصور کی یہ روش دیکھی تو دل ہی دل میں فکرمند ہوئی کہ کہیں ایک دن ہشام کو بالکل ہی راستہ سے نہ ہٹا دیا جائے۔ اور اس کی جگہ پر خلافت کا حقدار بھی وہ بن بیٹھے۔ یوں سارا اقتدار رفتہ رفتہ المنصور کے ہاتھوں میں پہونچتے دیکھ کر اس کے اپنے اختیارات پر بھی ایک ضرب لگتی محسوس ہوئی۔ یوں بھی جب سے اسماء المنصور کے حرم کی شمع بنی تھی ملکہ صبح کا چراغ ٹمٹمانے لگا تھا۔ اسماء حسن و جمال میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ عمر بھی بس ایک برس پندرہ یا سولہ کا سن۔ جبکہ ملکہ کی آب و تاب ماند ہو چلی تھی۔ ایک کی چڑھتی جوانی تھی تو دوسرے کا ڈھلتا شباب۔ ایک گویا چڑھتی دھوپ تھی تو دوسری ڈھلتا سایہ ملکہ کی حکمرانی المنصور کے دل پر ختم ہو چکی تھی۔ وہاں اب کسی اور ہی کا قبضہ تھا۔ اسی قبضہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسماء المنصور پر خفگی کا اظہار کرتی۔ اسے روز روز سلطانہ صبح سے ملنے سے روکتی۔ اس بدنامی کا ازالہ چاہتی جو ان دونوں کے نام سے چپک چکی تھی۔ منصور بھی ان باتوں کو محسوس کرتا لیکن مصلحتِ وقت کا تقاضہ یہ تھا کہ تعلقات منقطع نہ کئے جائیں اگر صدقِ دل سے نہ سہی رسمی طور پر تو رسم و راہ رکھی جائے۔ ملکہ صبح بھی کچھ کم فہم عورت نہ تھیں جو حالات کی تبدیلی کو محسوس نہ کرتیں انہوں نے اپنے بیٹے کے کان المنصور کے خلاف بھرنا شروع کر دیئے۔ رعایا پہلے ہی سے منصور کے اس رویئے کے خلاف تھی کہ انہوں نے نوجوان خلیفہ کو نہ صرف اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے۔ بلکہ اسے بالکل قیدی بنا رکھا ہے اس سے کسی معاملہ میں رائے مشورہ لینا بھی مناسب نہیں سمجھتا ہے۔ یوں المنصور عامۃ الناس کی نگاہوں میں غاصب کی حیثیت رکھتے تھے۔ ملکہ صبح کو ان کے اس کمزور پہلو کا اندازہ تھا۔ انہوں نے اور بہت سے حاشیہ آرا پیدا کئے۔ حاسدین نے خوب نمک مرچ لگا کر ان کے خلاف باتیں بنائیں۔ ہشام تو تھے ہی کچے کانوں اور کمزور دل کے۔ بھڑکانے میں آگئے۔ انہوں نے حاجب منصور پر سختی شروع کی۔ ان کو برا بھلا کہنا شروع کیا بعض باتوں پر

Marfat.com

سرزنش بھی کی۔ بعض معاملات میں پوچھ گچھ۔ منصور اس رویّے سے کھٹکے سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ اُدھر ملکہ صبح نے اور ہشام کی بہن نے مل کر خلیفہ کی اجازت سے خزانہ شاہی کو قصرِ خلافت سے نکالنے کی ترکیب سوچی۔ ایک شب سو گھڑوں میں بہت سا سونا چاندی ہیرے جواہرات بند کر کے ان پر شہد کا لیبل لگوا کر خزانے سے باہر نکلوا دیا۔ اندازاً اس طرح سے اسّی ہزار دینار صرف ہو نکل گئے۔ منصور کے جاسوسوں نے بھی یہ بات اس کے کان میں ڈال دی۔ خزانے پر یوں تصرف ہوتا دیکھ کر وہ سٹ پٹائے۔ کوشش کی کہ باقی خزانہ کو اپنے قبضہ میں لے آئیں۔ مگر ملکہ نے بھی کچی گولیاں نہ کھیلی تھیں۔ وہ تو قوم بشکنس سے متعلق تھیں۔ جب دوست تو جان بھی حاضر اور جب دشمن تو جان لینے سے بھی گریز نہیں۔ یہ مقابلہ ذرا ٹکّر کا تھا۔ مگر قسمت المنصور کے ساتھ تھی۔ ملکہ نے شورش پھیلانے کی غرض سے زیری بن عطیہ حاکم مغرب الاقصیٰ کو بھڑکایا اور اس کو اپنے پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ اس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔ المنصور نے حفظ ماتقدم کے طور پر تمام وزراء کو طلب کیا۔ اور ان سے معاملہ کی نزاکت کا اظہار کیا۔ یہ تبلا دیا کہ حرم نے شاہی خزانہ پر قبضہ کر لیا اور بہت سامال خزانہ سے غائب کر دیا۔ یہ تجویز منظور ہوئی کہ باقی خزانہ کو قصر سے منتقل کر کے اور کہیں پہونچا دیا جائے۔ جہاں سے ریاست کے دوسرے افراد اس کو خُرد بُرد نہ کر سکیں۔ جب یہ طے پا گیا تو اُنہوں نے اپنے آدمی خزانہ منگوانے کو بھیجنے کے لئے روانہ کئے۔ ملکہ نے ان کو اندر تک آنے اجازت بھی نہ دی اور یہ کہلوا دیا کہ خلیفہ کی مرضی نہیں ہے کہ کوئی خزانے کو ہاتھ لگائے۔ منصور کا یہ وار خالی گیا۔ مگر وہ نچلا بیٹھنے والوں میں سے نہ تھا۔ ایک دن خاموشی سے ہشام سے ملا اس کو سارے نشیب و فراز سمجھائے کہ اندر ہی اندر حکومت کو گھن لگانے کی ترکیبیں ہو رہی ہیں۔ ان سے آگاہ کیا۔ اور پٹی پڑھا کر نہ صرف اُس نے خزانہ وہاں سے منتقل کرنے کی اجازت حاصل کر لی بلکہ ایک تحریر بھی اس مضمون کی حاصل کر لی کہ سلطنت کا کُل انتظام منصور کے سپرد خلیفہ کی مرضی سے کر دیا گیا۔ ملکہ بے دست و پا ہو گئیں ان کا وار اوچھا پڑا۔ قرطبہ میں عنقریب وجود میں آنے والے خطرہ کا احساس نہ رہا۔

یہ معاملات یکے بعد دیگرے وقوع پذیر نہیں ہوئے بلکہ ایک ہی نوعیت کے ہونے کی وجہ سے معرض ذکر میں آ گئے۔ المنصور کے دامن پر یہ چند دھبے ضرور ہیں۔ مگر جس چیز نے ان کو بقائے دوام اور ابدی زندگی بخشی وہ ہے جنگ جو اپنی حیات میں ۵۶ بار لڑی۔ یہ زیادہ تر عیسائیوں سے لڑی گئیں۔ یوں جہاد کا نام ان کو دیا جا سکتا ہے۔ اور چند ایک معرکے افریقہ میں بھی ہوئے ہم

Marfat.com

پہلے افریقہ کے واقعات بیان کریں گے۔ پھر غزوات کے۔

مغرب الاقصیٰ میں جنگ

المنصور نے اپنے خانگی دشمنوں سے نپٹنے کے لئے بہت سے تغیرات نظامِ فوج میں کئے تھے۔ جب ان کا مدّمقابل نہ رہا تو اُنہوں نے جوشِ جہاد سے مغلوب ہو کر ھل من مبارز کا نعرہ لگایا۔ اور اپنی فتوحات کے سلسلہ کو ہر طرف پھیلا دیا۔ اس کے لئے جو اشد ضرورت تھی وہ قابلِ اعتماد مرتب اور منظم فوج اس چیز سے وہ غافل نہ تھے قبل اس کے کہ ان کی شمشیر میان سے باہر نکلے اُنہوں نے معمولی سے معمولی نکات کو بھی ذہن نشین کرکے ان کا تدارک سوچ لیا۔

فوج میں سرداران چند کے اختیارات حد سے بڑھ گئے تھے۔ خلیفہ جب چاہتا ان لوگوں کو اپنی مدد کے لئے بلا سکتا تھا۔ المنصور نے سوچا کہ فوج اس قسم کی ہونا چاہیے۔ جو اس کے اشارں پر عمل کرے۔ اپنے تمام پرانے سرداروں کو ایک ایک کرکے کسی نہ کسی بہانے سے الگ کردیا۔ اور ان کی جگہ پر اپنے جانباز اور قابلِ اعتماد سپاہی فوج میں بھرتی کئے۔ ایسے لوگ زیادہ تر اس نے باہر سے بلوائے خصوصاً مارٹینیا اور مغرب الاقصیٰ سے سبتہ میں فوج کی بھرتی کا ایک محکمہ قائم کیا اور وہاں ایک فوجی چھاؤنی بھی بنا لی۔ مغرب اقصیٰ کا سارا انتظام وہیں کے لوگوں کے سپرد کردیا کہ اسپین کے خزانہ پر اس کا زیادہ بار نہ رہے۔ البتہ ان کو مالی اور دیگر اقسام کی مدد سے گریز نہ کیا۔ جب بھی ضرورت ہوئی حسب خواہش امداد بہم پہنچائی۔ وہاں کے لوگوں پر بھی اس کا اچھا اثر پڑا کہ چلو اپنے ملک کی حکومت اپنے ہی رئیسوں کے قبضہ میں ہے۔ دوسروں کو اگر مداخلت کرنا بھی ہے تو صرف اس قدر کہ بوقت ضرورت مدد کے لئے حاضر رہیں۔ یہ دیکھ کر حاکم افریقہ بلکین نے فاطمیوں کے ایما پر مغرب اقصیٰ پر حملہ کردیا۔ ۹۷۹ء ۳۶۹ھ میں بلکین نے متواتر فتوحات اپنے مخالف کے مقابلہ پر حاصل کیں۔ مغرب اقصیٰ کے حاکموں اور رعایا کو بھاگ کر سبتہ میں پناہ لینی پڑی۔ بلکین نے ایک طرح سے اس پورے ملک پر قبضہ کرلیا۔

پناہ گزین کی حالت تباہ تھی۔ ان کا مال و اسباب وہیں رہ گیا تھا۔ منصور کی جانب سے کوئی امدادی فوج بروقت پہونچی نہ تھی۔ ان کی حیثیت والیٔ ریاست سے گھٹ کر ایک دم سے ادنیٰ انسان کی سی ہوگئی تھی۔ المنصور نے اس وقت کوئی قدم بلکین کے خلاف تو نہ اُٹھایا۔ البتہ خانماں بربادوں کو یہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ چاہیں تو اسپین کی فوج میں آکر بھرتی ہو جائیں ان کی رہائش کا بندوبست بھی کردیا جائے گا۔ تنخواہ بھی اچھی دی جائے گی۔ پھر ان کے دشمن کو بھی

Marfat.com

ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ تقریباً چھ سو بربر سوار اپنے سردار زاب ZOB جعفر کے ساتھ آکر اپنی فوج میں ملازم ہو گئے۔ المنصور نے ان کے ساتھ بڑی ہمدردی اور مروت کا ثبوت دیا۔ ان کو ہر طرح سے آسودہ حال کرکے ان کے دلوں پر اپنا قبضہ جما لیا۔ رہ گئی بات باشندگان قرطبہ کی کہ وہ اس حرکت سے بدظن ہو گئے تو اس نے حتی الامکان کوشش کی کہ وہ بربر ان لوگوں سے خلط ملط نہ ہوں۔ ویسے دونوں ایک دوسرے کی زبان سمجھتے نہ تھے۔ اگر کبھی بربریوں کا عربی بولنے پر مذاق اڑاتا تھا۔ تو المنصور اس کا برا مانتے لوگوں نے یہ بات بھی بند کر دی۔

دوسری ترکیب المنصور نے یہ کی کہ نصرانیوں کو بھی اپنی فوج میں ملازمتیں دینا شروع کیں۔ لیون قشتالیہ اور نبرہ کے بہت سے مفلس عیسائی جو تنگیٔ معاش کی وجہ سے سخت پریشان تھے۔ خوشی سے آکر بھرتی ہو گئے۔ المنصور نے ان پر بھی انعامات کی بارش کرکے اپنا گرویدہ اور ہمدرد بنا لیا۔ جا و بیجا طرفداری کیے کے ان کے حق میں انصاف کا پلہ بھاری کرکے اپنا زرخرید غلام بنا لیا اس طرح اس کی فوج نہ صرف مضبوط ہو گئی۔ بلکہ کلیتہً اسی کا دم بھرنے لگی۔

لیکن یہ سب تو ہوا مگر بربریوں کا کبھی اعتماد مکمل طور پر نہ کیا جا سکتا تھا۔ جعفر والی زاب چھ سو سواروں کے ساتھ بھرتی ہوا تھا جب غالب سے کشمکش ہوئی تھی تو اس نے بجائے منصور اسی کا ساتھ دیا تھا۔ اس بات سے منصور بہت کھسیا گیا تھا اور اس ادھیڑ بن میں تھا کہ کسی طرح اس کانٹے کو بھی دور کیا جائے۔ اس نے قبیلہ بنو تجیب کے دو سرداروں ابو الاحوص معن اور عبد الرحمن بن مطرف کو یہ ترغیب دی کہ وہ جعفر کو دعوت دیں۔ جب جعفر نے یہ دعوت قبول کر لی تو انتہائی پرتکلف طریقے سے اس کا اہتمام شروع ہوا چنگ و رباب کے ساتھ بادہ ناب کا بھی انتظام تھا۔ ساقی اور نیچوں کا بھی۔ جب دورِ جام شروع ہوا تو منصور نے کہا کہ پہلا ساغر اس کو پیش کرو جو ہمارا سب سے زیادہ ہمدرد اور ہمدم ہے۔ ساقی کے لیے یہ امر مشکل تھا کہ یہ اشارہ کس طرف ہے۔ اس نے جو متجسس نگاہ سب پر ڈالی تو منصور بولا کہ یہ جام جعفر کی نظر کرو۔ بھری دعوت میں یہ اعزاز اور وہ بھی ایک بربر کو۔ جعفر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ ساغر پہ ساغر پیتا چلا گیا۔ جام پہ جام لنڈھاتا رہا۔ یہاں تک کہ بے حد نشہ ہو گیا۔ محفل کے آداب کا بھی خیال نہ رہا۔ ناچنے لگا تھرکنا شروع کر دیا۔ اور مہمان بھی بے تکلفی کے ساتھ اس کے شریک ہو گئے۔ رات کو جب محفل ختم ہوئی تو جعفر کو مدہوش اور متوالا نوکروں کے سہارے گھر پہنچوایا گیا۔ مگر راستہ میں ان دونوں تجیبی سرداروں کے سپاہیوں نے جعفر پر حملہ کیا۔ وہ اس عالم ہی

Marfat.com

میں نہ تھا کہ مقابلہ کرتا۔ ۲۲ جنوری ۹۸۳ء ۴ شعبان ۳۷۳ھ کو اس سازش کے ماتحت مارا گیا۔ جعفر کی لاش اور سر منصور کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو اس نے بظاہر انتہائی افسوس کا اظہار کیا۔

لوگ جلد ہی جعفر کے قتل کے واقعہ کو بھول گئے مگر المنصور یہ نہ بھولے کہ موریتانیہ (مغرب الاقصٰی) پر بلکین نے قبضہ جمالیا ہے خصوصاً جبکہ وہ ایک زمانے میں اندلس کی باجگذار ریاست تھی۔ عرصہ تک وہ عیسائیوں سے الجھے رہے۔ اس لئے ان کو اس طرف توجہ دینے کا موقع نہ ملا مگر جیسے ہی ادھر سے ذرا فرصت پائی تو وہ اس جانب رجوع ہوئے۔ اتفاق سے مئی ۹۸۴ء مطابق ۳۷۴ھ میں بلکین کا انتقال ہو گیا۔ پھر ریاست میں خود ہی انتشار پیدا ہو گیا وہاں کے حاکموں نے خود آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ بہت سے شہر کاس وغیرہ فاطمیوں کے قبضہ سے نکل گئے۔ اس عالم کو دیکھ کر بنو ادریس جو وہاں کے قدیم بادشاہ تھے۔ مگر عہد الحکم میں تخت سے ہٹا دیئے گئے تھے۔ ان کے ایک شہزادہ ابن قنون جو کبھی غالب کے مقابلہ میں زیر ہو چکا تھا۔ پھر وقت سے فائدہ اٹھانے کے لئے آگے بڑھا۔ پہلے اس نے فاطمی خلیفہ سے مناسب سمجھا۔ اور تونس سے جہاں وہ مقیم تھا مصر پہونچا۔ بڑی خوشامد درآمد سے اس نے خلیفہ کو اپنے حق میں رام کر لیا۔ تھوڑی سی فوج اور مال لے کر وہ مغرب اقصٰی کی طرف بڑھا۔ اس مال سے اس نے بہت سے بربری سرداروں کو اپنی طرف بلایا۔ اور اس موقع کی تاک میں لگ گیا جب وہ سچ مچ اپنی آبائی ریاست کا مالک بن جائے گا۔ المنصور کو ابن اقنون کی یہ باتیں سخت ناگوار گزریں۔ ایک تو اس نے خلیفہ اندلس سے کیے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ کیونکہ طے یہ ہوا تھا کہ وہ اب کبھی مغرب اقصٰی کا رخ نہ کرے گا۔ دوسرے اس نے امداد اپنی مطلب براری کے لئے اسپینیوں کے قدیمی دشمن فاطمیوں سے چاہی تھی۔ اس نے فوراً ابن اقنون کو نیچا دکھانے کے لئے اپنے چچیرے بھائی عسقلیجہ کو ایک فوج کے ساتھ اس جانب روانہ کیا۔ فریقین میں جنگ ہوئی اور ابن اقنون کو شکست ہوئی اس نے معافی طلب کی اور جان بخشی چاہی۔ اور قرطبہ جانا منظور کر لیا۔ شرائط تسلیم کرنے کا اختیار عسقلیجہ کو نہ دیا گیا۔ ابن اقنوں کو قید کر کے پا بجولاں قرطبہ لایا گیا۔ اور ماہ ستمبر یا اکتوبر ۹۸۵ء جمادی الاول ۳۷۵ھ کی رات کو جب وہ جزیرۃ الخضراء سے قرطبہ کی جانب بڑھ رہا تھا قتل کر دیا گیا۔ اس طرح سے ایک خطرے سے نجات حاصل ہوئی۔

Marfat.com

ابن اقنون کا قتل ایک فاسق و فاجر اور جابر شخص کا قتل تھا۔ پھر بھی اس کے بہت سے ہمدرد اور ہمنوا تھے۔ جنھیں اس کی موت سخت شاق گزری۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ بنو ادریس سے متعلق ہونے کی وجہ سے فاطمی حسب و نسب رکھتا تھا۔ حضرت علیؓ کی اولادوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ دوسرے اس نے اپنے دشمنوں کے ساتھ ہر چند یہ سلوک کیا تھا کہ انہیں فصیلِ قلعہ سے نیچے پھینک دیا کرتا تھا۔ جن لوگوں کو اس کے قتل پر مامور کیا گیا تھا۔ اُنہوں نے خود ہچکچاہٹ محسوس کی تھی۔ جب اس کی گردن پر تلوار کا وار کیا گیا تھا تو ایک گرد کا بگولہ اُٹھا تھا۔ جس سے وہ سوار گر پڑے تھے۔ گمان یہی گزرا کہ قدرت کو اس کا قتل منظور نہ تھا۔ خود عسقیلیجہ کو اس کی موت کا بہت افسوس ہوا تھا۔ خصوصاً اس وجہ سے زیادہ کہ جو شرائط ان دونوں کے مابین طے ہوئی تھیں ان پر قائم نہ رہا گیا۔ انہوں نے کچھ رعایا کو بھی بھڑکایا۔ منصور کو اس بات پر بہت غصہ آیا۔ اس کو اسپین واپس بلانے کا حکم دیا۔ بہت سے الزامات لگا کر اکتوبر کے آخر یا شاید نومبر کے شروع ۹۸۵ء جمادی الآخر ۳۷۵ھ میں قتل کر دیا گیا۔ اس بات سے لوگ اور بھی بھڑک اُٹھے۔ ابن اقنون کے رشتہ دار تو خصوصیت سے اس حرکت سے بہت برہم ہوئے منصور نے ان کو بھی ملک بدر کر دیا۔ شعراء نے منصور کے خلاف نظمیں لکھیں۔ ابراہیم بن ادریس جو ابن اقنون کا عزیز تھا اس کے شعر تو زبان زدِ خاص و عام ہو گئے۔ کچھ شعروں کا مطلب ذیل میں درج کیا جاتا ہے:۔

"کیا بنی اُمیہ ابھی تک حیات ہیں۔ اگر ہیں تو وہ کیوں کر یہ گوارا کرتے ہیں کہ ایک کبڑا ان کی حکومت کا مالک و مختار بنا رہے جب دیکھو ایک بھورا بندر شاندار سواری پر بیٹھا ہے۔ اس کے آگے پیچھے سپاہی چل رہے ہیں۔

اے اُمیہ کے سردارو! تم تو شب میں تابندہ ستاروں کی طرح جھلملاتے تھے۔ اب وہ شان و شوکت کیا ہوئی۔ ایک وقت تھا کہ تم شیر ببر تھے۔ مگر اب تم گیدڑ بھی نہ رہے۔ کیونکہ ایک لومڑی تمہاری سلطنت پر قابض ہو گئی ہے۔"

منصور کو چالاک لومڑی کے نام سے پکارنے والا پہلا شخص مصحفی تھا۔ اپنی بدنامی اس طرح دیکھ کر منصور نے ایک بار پھر مذہبی کام انجام دے کر عوام کا دل موہ لینا چاہا۔ مسجد قرطبہ کو وسعت دی۔ بیت المال سے زرِ کثیر صرف کیا۔ جن لوگوں کے مکانات قرب و جوار میں تھے ان کو بہت زیادہ قیمتیں دے کر مسجد کے لئے خرید لیا۔ رعایا کا پھر محبوب بن گیا۔

کچھ دنوں بعد مغرب اقصیٰ میں پھر گڑبڑ شروع ہوئی۔ اس کی بنا زیری بن عطیہ حاکم علاقہ

Marfat.com

کی بغاوت تھی۔ ذکر اس کا پیچھے بھی کیا جا چکا ہے۔ ملکہ سیدہ صبح کا آفتابِ عروج جب ماند پڑنے لگا تو انہوں نے ہر ممکن کوشش منصور کو دھکا پہونچانے کی کی۔ خزانہ کا کچھ تو انہوں نے اپنے قبضہ میں لے ہی لیا تھا۔ مگر منصور بروقت آگاہ ہو گیا تھا۔ اور سارا مال متاع اپنی تحویل میں لے آیا تھا۔ ملکہ نے منصور کی مخالفت کے لئے زیری کو چھانٹا۔ کیونکہ بربر کی نیم وحشی عادات تمام موجود تھیں۔ نسلی غرور اکھڑپن اور بہادری بہت زیادہ موجود تھی۔ اس علاوہ سمجھ اور عقل وفہم بھی غضب کی رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے منصور نے اس کو افریقہ کے علا کی حکومت سونپنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ اس سے ڈر بھی تھے۔ ۹۹۱ء مطابق ۳۸۱ھ زیدی بن عطیہ المغربی کو جو پہلے محض حاکم زناتہ تھا۔ اپنا دو بنانا چاہا۔ زیدی نے بھی ازراہِ تشکر ایک سفارت منصور کی خدمت میں روانہ کی۔ اس سفارت ساتھ بہت سے قیمتی تحفے بھی روانہ کئے۔ جن میں دو سو اچھی نسل کے گھوڑے۔ پچاس اونٹ۔ بہت تیز رفتار۔ ایک ہزار یا اس سے کچھ زائد سپر جو گینڈے کی کھال کی بنی ہوئی تھیں۔ اور علاقہ زرا جہاں کی ڈھالیں مشہور ہوتی تھیں۔ وہاں خاص طور پر تیار کی گئی تھیں۔ بہت سے زندہ جانور بھیجے۔ مثلاً گینڈے، ہاتھی، شیر وغیرہ۔ کھجوروں کے بھرے ہوئے ایک ہزار تھیلے۔ اور بہت سی خوبصورت اور قیمتی چیزیں بھیجیں۔ زیدی کو اس سفارت اور تحائف سے خاطر خواہ فائدہ پہونچا اسے تمام ملک مفتوحہ کا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ فرمان خود ہشام کے دستخطوں سے روانہ کیا گیا۔

سالِ آئندہ زیدی خود قرطبہ منصور سے ملنے کے لئے پہونچا۔ اپنے ساتھ اور بھی زیادہ قیمتی تحائف لایا۔ تین سو حبشی سوار اور اتنے ہی پیادے بھی ساتھ لایا۔ منصور نے بھی اس کا شاندار طریقے سے استقبال کیا۔ اس نے وزیر کا خطاب دیا۔ تمام مراتب ومناصب جو عہدہ وزارت سے متعلق ہوتے ہیں۔ اسے تفویض کئے۔ رہنے کے لئے جعفر المصحفی کا مکان دیا۔ جن سواروں اور پیادوں کو وہ ساتھ لایا انھیں فوج میں اچھی اچھی تنخواہوں پر بھرتی کر لیا۔ ابھی زیدی کی یہاں خاطر مدارات ہی ہو رہی تھی کہ خبر پہونچی کہ ابن لیلیٰ الیفرونی نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے ملک فاس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے فوراً واپسی کی ٹھانی۔ منصور نے اس کے تحائف کی قیمت کے برابر روپیہ اسے دیا اور کچھ فوجی بھی ساتھ کر دیئے۔ اس حد تک تعلقات تو اچھے رہے۔ مگر جوں جوں زیدی کا مزاج بگڑتا گیا۔ منصور اس کی طرف سے کھنچتا گیا۔ لیکن اس دن سے تو بالکل مخالفت کی جڑ مضبوط ہو گئیں جس دن زیدی نے منصور کے لئے برملا رکیک الفاظ استعمال کئے۔ پہلے تو

Marfat.com

[ز]یلی کو شکست دے کر کہا کہ اے زمین افریقہ میں تیرا مالک ہوں۔ پھر جب کسی شخص نے خوشامدانہ [انداز] میں اُسے وزیر کہہ کر مخاطب کیا تو وہ سخت جھنجھلایا۔ اور بولا کہ کیا وزیر وزیر بکتا ہے۔ [میں] خود امیر ابن امیر ہوں۔ ابن عامر نے تو مارے کنجوسی کے ایک خطاب پر مجھے ٹال دیا۔ قسم [خدا] کی اگر اسپین میں احمقوں، ذلیلوں، اور پست ہمتوں کے علاوہ بھی کوئی بستا ہے تو منصور کا [ع]الم کل قائم نہ رہے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں تو اپنے ملک میں موجود ہوں۔ اب شیطان کا [ح]ال سننا اس کی صورت دیکھنے سے بہتر ہے۔

[اگر] یہ بات یہ کلمات کوئی اور کہتا تو فوراً کسی نہ کسی حیلے سے قتل کر دیا جاتا۔ مگر زیدی ایسا کمزور [شخ]ص نہ تھا جسے یوں آسانی سے راستے سے ہٹا دیا جاتا۔ خصوصاً جبکہ اسے ملکہ صبح کی حمایت بھی [حاص]ل ہو۔ ملکہ اپنے آدمی بھیج کر مستقل اس کو بھڑکا رہی تھیں۔ علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کر رہی [تھ]یں۔ اور اپنی امداد دینے کا بھی کلّی وعدہ کر رہی تھیں۔ پیشگی اسّی ہزار اشرفیاں مٹکوں میں [بھ]ر کر کے ان پر شہد اور مفرح عرقیات۔ مسالے وغیرہ کے لیبل لگوا کر شہر سے روانہ کر کے مغرب [اقص]ٰی بھیج چکی تھیں۔ حاکم شہر کو تو کوئی شبہہ نہ ہوا پرچوں کی وجہ سے مگر منصور کو پہلے سے اس [با]ت کا پتہ چل گیا۔ اس نے داؤں مارا کہ خزانہ قصر خلافت سے نکل کر اس کے قبضے میں آجائے۔ مگر [ملک]ہ نے وہ داؤں خالی دیا۔ منصور بھی ایک چالاک آدمی تھے۔ ایک دن خزانہ اپنے قبضہ میں لے [ل]ی آئے۔ تفصیل پیچھے کہیں احاطۂ تحریر میں آچکی ہے۔

جب خزانہ پر منصور کا تصرف ہو گیا۔ تو انہیں ملکہ کی مخالفت اور زیدی کی عداوت کا زیادہ خوف [نہ] رہا۔ اسے باغی حکومت سمجھ کر اپنے غلام واضح کی ماتحتی میں ایک لشکر مغرب اقصیٰ روانہ کر دیا [گ]یا۔ اس نے وہاں پہنچ کر ارزیلہ اور نکور پر قبضہ جما لیا۔ پھر زیدی سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ لیکن طنجہ کے مقام پر اسے زیدی کے ہاتھوں شکست اٹھانا پڑی۔ اسی شہر میں قلعہ بند ہو گیا۔ یہ خط منصور کی خدمت میں سارے حالات لکھ کر روانہ کیا اور مدد کی درخواست کی۔ منصور نے فوراً ایک فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ عبد الملک اپنے بیٹے کو اس کی سپہ سالاری عطا کی۔ خود ہمراہ جزیرۃ الخضرا تک گئے وہاں کامیابی کی ہزاروں دعاؤں کے ساتھ آگے روانہ کیا۔ یہ فوج سبتہ کے ساحل پر اُتری۔ پھر وہاں سے آگے فاس کی طرف بڑھی اس فوج کی تیاریاں دیکھ کر زیدی گھبرایا۔ بہت سے بربری سردار تو نہ صرف دل بلکہ اس کا ساتھ بھی چھوڑ بیٹھے۔ عبد الملک کے ہمراہی بن گئے۔ وہ طنجہ کے مقام پر واضح سے آن ملا۔ اب دونوں مل کر زیدی کے مقابلہ کے لئے

آگے بڑھے۔ فاس کے مقام پر ۱۵ رمضان ۳۸۶ھ/۹۹۶ء میں زیدی کو کامل شکست دی۔ اہل ہی میں سے ایک کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ زیدی نے پھر اپنی طاقت مجتمع کر کے مقابلہ کا ارادہ اکتوبر ۹۹۸ء۔ شوال ۳۸۸ھ میں اسے پھر شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ لیکن جنگ کچھ ایسے زور سے ہوئی کہ ایک بار تو یہ شبہ ہونے لگا کہ عبدالملک کی فوج کا رنگ اکھڑ جائے گا۔ لیکن ایک اسودی نے جس کے بھائی کو زیدی نے قتل کروایا تھا دورانِ جنگ زیدی کو زخمی کر دیا۔ اس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اسودی گھوڑا دوڑاتا ہوا عبدالملک کے پاس پہونچا اور اسے زیدی کے زخمی ہونے کی خبر سنائی۔ اس سے ہمتیں بہت بڑھ گئیں۔ عبدالملک کی فوجوں کا یلغار کچھ اس انداز سے ہوا کہ زیدی کے زیرِ علم جو بربری لڑ رہے تھے جم نہ پائے۔ راہِ فرار اختیار کی۔ زیدی بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ اس فتح کی خبر سے منصور کو بہت مسرت ہوئی۔ زیدی کا سارا زور گھٹ کر رہ گیا جو علاقے اس کے زیرِ نگیں تھے پھر اسپین کی حکومت کے باجگذار بن گئے۔ اس جنگ کے تین برس بعد زیدی کے پرانے زخم کھل جانے کی وجہ سے ۱۰۰۱ء/۳۹۲ھ میں انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے المعز میں بالکل دم خم نہ تھا۔ صرف زاب اور شلغن کے علاقہ پر قبضہ باقی رہ گیا تھا۔ اس نے اسی کو غنیمت سمجھا اور صلح کر لینا چاہی۔ منصور نے بھی مصلحت اندیشی کے تحت اس کی درخواست کو ٹھکرایا نہیں۔ اس کی خطاؤں کو درگزر کر کے خلیفہ کے حکم سے وہاں کا حاکم تسلیم کر لیا۔

عیسائی ریاستوں سے معرکہ آرائی

المنصور ہر چند رزم کے آدمی نہ تھے مگر جذبۂ جہاد ان کے دل میں انگڑائیاں لیا کرتا تھا۔ اس کے تحت انھوں نے کم از کم ۵۰ لڑائیاں کفار سے لڑیں اور قدرت نے سب میں ان کو سرخرو کیا۔ ہر میدان میں انھوں نے فتح پائی۔ ہر جنگ میں دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ چند معرکوں کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔ الحکم کی موت کے بعد عیسائیوں کی جراتیں بہت بڑھ گئیں تھیں۔ ان کے ظلم و ستم کی داستانیں ہر روز دارالخلافہ پہونچتی تھیں۔ دریائے ٹیگس کا پل انھوں نے تباہ کر دیا تھا۔ قرطبہ کے قرب و جوار تک نہایت آسانی سے پہونچ کر چھاپے مارنے لگے تھے۔ ان کی روک تھام کرنے والا کوئی نہ تھا۔ سب سے پہلے المنصور ہی نے مصحفی کی توجہ اس طرف دلائی تھی اور جب کوئی اس مہم کی عنان اپنے ہاتھ میں لینے کو تیار نہ تھا تو یہ اسی کا دل گردہ تھا کہ تلوار کا آدمی نہ ہوتے ہوئے بھی تلوار بکف نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس کے تیور یہ ضرور بتلا رہے تھے کہ

Marfat.com

جنگ میں ندامت کا منہ دیکھنے والا آدمی نہیں ہے۔ چنانچہ ۵۲ روز کے عرصہ میں اس نے یلغار کرکے لیون اور اس کے اطراف واکناف کے تمام شہروں کو تباہ کردیا۔ اور پھر واپس قرطبہ پہونچ گیا۔ یہ واقعہ ۹۸۰ء ۳۶۹ھ کا ہے۔ اور تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔ دوسرے ہی سال پھر وہ ایک فوج لے کر نواب بریل Borrel کے دار الحکومت پر حملہ آور ہوا اور اسے شکست فاش دی۔ اس مرتبہ اس کے ساتھ ممتاز شعرا و مؤرخین تھے۔ جن کے نام بھی بیان کئے جاچکے ہیں۔

۲۳- مئی ۹۷۷ء مطابق چہارشنبہ یکم شوال ۳۶۶ھ کو پھر وہ شمالی ریاستوں سے نبرد آزما ہوکر واپس قرطبہ لوٹے مگر ایک ہی مہینے بعد پھر اس جانب فوج کشی کے ارادے سے چل کھڑے ہوئے قلعہ موسیٰ فتح کیا۔ قلعہ Baus ۔ Los پہلے ہی قبضہ میں آچکا تھا۔ ۸ ستمبر ۹۷۷ء مطابق ۱۲- محرم کو وہ ایک بار پھر نصرانیوں سے اپنے جذبہ کی تسکین کی خاطر روانہ ہوئے ۔ظلمنکہ کا قلعہ اس مہم ہی کے دوران میں فتح ہوا۔

جب ۹۸۱ء میں وہ غالب سے جھڑپ لینے پر مجبور ہوئے۔ تو اس سے بیشتر کئی معرکے عیسائیوں سے کئے۔ غالب کا ساتھ دیا تو منصور نے غالب کو شکست دینے کے بعد ادھر کا رُخ بھی کردیا۔ عبداللہ اموی شہزادے کو سپہ سالار بناکر ایک فوج سمورہ Zamora کی جانب روانہ کی۔ اور اس کو فتح کرلیا۔ اس محاصرے میں کوئی چار ہزار عیسائی قتل ہوئے۔ المنصور خود بھی فوج کے ساتھ تھے۔ ایک ہزار سے زیادہ گاؤں تباہ کئے گئے۔ پھر رومیر ثانی بادشاہ لیون جو بمشکل تمام بیس برس کا تھا۔ اُسے اور اس کے سر اٹھوں۔ بادشاہ نبرہ اور قشتالیہ کو بھی روطہ جو شبت مانکش Simancas کے قریب ہے۔ وہاں شکست دی۔ پھر اس قلعہ کو بھی فتح کرلیا۔ شروع میں کچھ شکست کے آثار بھی نمودار ہوئے۔ مگر بعد میں پالہ المنصور کے ہاتھ رہا۔ دراصل اس جنگ سے واپسی کے بعد اُنہوں نے المنصور کا لقب اختیار کیا تھا۔

رومیرو کو جو ہزیمت المنصور کے ہاتھوں اٹھانا پڑی اس کی وجہ سے اس کا سب امارا وقار خاک میں مل گیا۔ نوابین۔ ڈیوک اور جاگیردار سب اس سے بدظن ہوگئے اور اسے منحوس سمجھتے ہوئے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔ جلیقیہ جو لیون کی ریاست کا ایک حصہ تھا بغاوت پر آمادہ ہوگیا۔ امرا نے رومیرو کے چچا Beremund کو تخت پر بٹھانے کی کوششیں شروع کردیں۔ اور ۱۵۔ اکتوبر ۹۸۲ء مطابق ۲۳ ربیع الآخر کو شہر شنت یاقب

Toaalo میں اس کے سر پر تاج شاہی پہنا دیا۔ رومیر دیہ حرکت ہرگز نہ برداشت کرسکتا تھا فوراً برمند پر چڑھائی کردی۔ پورتیلادی ارنیاس Portelade arnos کے مقام پر سخت لڑائی ہوئی۔ برمند کو فتح حاصل ہوئی۔ مارچ ۹۸۱ء شوال ۳۷۰ھ گویا دو سال کے عرصہ میں برمند نے رومیرد کو اتنا تنگ کیا کہ وہ لیون کے تخت پر بھی قابض نہ رہ سکا۔ رومیرو نے بھاگ کر استورقہ Astorga میں پناہ لی۔ وہاں سے المنصور سے خط وکتابت شروع کی۔ یہ گفت و شنید ابھی جاری تھی کہ رومیرو چل بسا۔ اس کی ماں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینا چاہی مگر کام زیادہ چل نہ سکا۔ کیونکہ برمند نے مصلحت زمانہ کو دیکھتے ہوئے منصور کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلینا چاہا۔ جو وعدے وعید رومیرو مرحوم یا اس کی ماں نے منصور سے کئے تھے۔ اس سے کہیں زیادہ برمند نے پیشکش کردی۔ منصور نے وقت سے فائدہ اٹھایا۔ فوراً اس کی مدد کے لئے ایک فوج روانہ کردی۔ جو لوگ اب تک برمند کی مخالفت پر آمادہ تھے انہیں دبا دیا گیا۔ مگر خود برمند کے حقوق بہت کچھ چھن گئے۔ اور اسے منصور کے زیر دستوں میں شمار کیا جانے لگا۔ یہ ریاست جو عرصہ دراز سے یا تو آزادی کے مزے لوٹ رہی تھی یا فرانسیسیوں کے زیر اثر تھی۔ وہ منصور کی کوششوں اور دانشمندیوں کی وجہ سے اسلام کی باجگذار بن گئی۔

۵ مئی ۹۸۱ء مطابق ۱۱ ذی الحجہ ۳۷۰ھ کو شتلو Catalonia جو فرانس کے علاقہ میں شامل تھا فوج لے کر بڑھے پہلے البیرہ پہونچے۔ پھر بیاسہ Baesa پھر ورقہ Morga اس کے بعد مرسیہ آئے۔ یہاں رئیس ابن خطاب کے مہمان ہوئے یہ کسی عہدے پر سرفراز تھے مگر پھر بھی بڑی زمینداری کے مالک تھے۔ بادشاہ تدمیر قوطہ کی دلاوروں میں سے تھے۔ جسے صوبہ مرسیہ طارق ابن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے بخشا تھا۔ اور جس کے نام پر ہی صوبہ مرسیہ تدمیر Thedalomir کہلانے لگا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد اتھانا جلد جو اس کا بیٹا تھا۔ اس کو اس صوبہ کی گورنری عطا ہوئی تھی۔ یہ ابن خطاب اسی قبیل میں سے تھا۔ المنصور کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ انواع واقسام کے کھانے تیار ہوتے تھے۔ نہایت پرتکلف دسترخوان ہوتا تھا۔ غسل کے لئے معطر پانی ہوتا تھا۔ المنصور یہ تمام اہتمامات دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ احساس شکر گزاری کے طور پر انہوں نے ان کی زمین کے ایک حصہ کا لگان معاف کردیا۔ حاکم مرسیہ کو یہ حکم دیا کہ وہ ابن خطاب سے انتہائی تعظیم سے پیش آیا کرے۔ ضروری معاملات میں صلاح مشورہ بھی کرلیا کرے۔ یہاں کچھ دن قیام کرکے قتلولینیہ کی طرف بڑھا۔ راستے میں تومس بودبل

Thomas Bo[…] کی فوجیں رخنہ انداز ہوئیں۔ ان کو شکست فاش دی۔ یکم جولائی ۹۸۵ء ۹ صفر ۳۷۵ھ بدھ کے دن برشلونہ کا محاصرہ کرلیا۔ چار پانچ دن کے اندر ہی اس کو فتح کرلیا۔ شہر کے وہ تمام باشندے جنہوں نے مزاحمت کی موجبِ قتل گردانے گئے۔ بہت سے غلام بنے شہر لٹا بھی نذر آتش بھی کیا گیا۔ یہ غالباً ان کا تیئسواں معرکہ تھا۔ وہاں سے واپسی پر مغربِ اقصیٰ میں جنگ کا نقشہ جمانا پڑا۔ جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں۔

افریقہ سے ابھی پوری طرح فراغت بھی نہ پائی تھی کہ برمنڈ نے چھیڑ چھاڑ شروع کردی۔ جو مسلمان فوج مستقل لیون میں تعیناتی کردی گئی۔ اس سے وہاں کے باشندوں سے بن نہ سکی۔ برمنڈ نے المنصور سے شکایت کی اور جب خاطر خواہ جواب نہ پایا تو اس فوج کو نکال باہر کردیا۔ منصور کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جون ۹۸۷ء صفر ۳۷۷ھ میں وہ آندھی طوفان کی طرح سے قرطبہ سے اٹھے اور لیون کا مشہور شہر قلمریہ بالکل تباہ کرڈالا۔ وہ بھی ایسا کہ پھر سات برس تک بس نہ پایا۔ دوسرے سال پھر دریائے دویرہ کو پار کرکے سارے لیون کے علاقے میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ انہوں نے برمند کو بدتمیزی کی خوب خوب سزا دی۔ بہت ہی لوٹ کھسوٹ مچائی۔ برمند نے بھاگ کر لیون سے سمورہ میں پناہ لی۔ منصور لیون کو خالی سمجھتے ہوئے فوراً اس پر جھپٹ پڑے۔ یہ قلعہ بہت ہی مضبوط آسانی سے فتح ہونے والا نہ تھا۔ کسی نے یہ بات بتائی کہ مغربی جانب اگر نقب لگائی جائے تو فصیل کمزور ہے۔ شاید اندر داخلے میں آسانی ہو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ جلیقیہ کا رئیس اور لیون کی فوجوں کا سپہ سالار گون سالوز گونزلیز Gorma Gonzalez یا گوری گونزلیز Gonsalved Ilaz بیمار ہونے کے باوجود مقابلہ کی تیاری کے لئے پالکی پر سوار ہوکر فوجوں کو لے کر اس نقب کے منہ پر آپہنچا۔ اور مقاومت کرتا رہا۔ چار دن تک جنگ چلتی رہی۔ پھر مسلمانوں کو جنوبی دروازے سے اندر داخل ہونے کا موقع مل ہی گیا۔ سپہ سالار مارا گیا۔ شہر پناہ کو منہدم کردیا گیا۔ عمارتیں، برج۔ گرجا۔ مورچے سب توڑ پھوڑ دیئے گئے۔ صرف ایک برج باقی چھوڑ دیا گیا کہ لوگوں کو وہاں شہر موجود ہونے کا علم رہے۔ اس فتحیابی کے بعد رخ سمورہ کی جانب کردیا گیا۔ راستے میں کئی مقامات مثلاً بطرہ اسلولنا اودسا ہون کو قبضہ لیا گیا۔ پھر سمورہ کے گرد خیمے ڈال دیئے گئے اور محاصرہ کرلیا گیا۔ برمند یہیں مقیم تھا مگر اس کی ہمتیں پست ہوچکی تھیں۔ اس نے خاموشی سے راہِ فرار اختیار کی۔ شہریوں نے شہر کو منصور کے حوالے کردینے میں ہی عافیت دیکھی۔ سب

ابو ساعے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ اطاعت تسلیم کرلی۔ خلیج بسکے کے قریب کا علاقہ برمند کے پاس باقی رہ گیا ورنہ سب مسلمانوں کے زیرنگیں آگیا۔ اب فوجیں واپس قرطبہ پہونچ گئیں۔ یہاں پر ایک سازش کا مسالہ تیار ہورہا تھا۔ منصور کو اس کے عہدے سے ہٹانے کی ترکیبیں ہو رہی تھیں۔

منصور کے خلاف سازش

لوگ عرصہ سے اس بات پر جلے بُھنے بیٹھے تھے کہ منصور نے خلیفہ ہشام کو سلطنت کے معاملات سے بالکل ہٹا کر سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے جس نے بھی ذرا سی زبان کھولی یا مخالفت پر کمر باندھی اس کا خاتمہ کروا دیا۔ رعایا کا نگہبان بھی خود بن بیٹھا ان کا مربی اور بہی خواہ بھی۔ وہ چاہتے تھے کہ عنانِ حکومت ہشام کے ہاتھ میں ہو۔ وزرائے سلطنت حکومت چلانے کے محض کل پُرزے ہوں۔ یہ بات اپنی جگہ پر درست تھی مگر بہت سے لوگ اس سے ذاتی مخاصمت بھی رکھتے تھے ان میں اس کا بیٹا عبد اللہ بھی شامل تھا اور خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر کا پوتا عبد اللہ بھی اور سرقسطہ کا رئیس عبد الرحمٰن بن مطرف بھی۔ منصور کے بیٹے عبد اللہ کو تو اپنے باپ سے اس وجہ سے جلن تھی کہ اس کی نظرِ عنایت اس کے سوتیلے بھائی عبد الملک کی طرف تھی جو اس سے چھ سال چھوٹا بھی تھا۔ اور اس کے مقابلے میں نہ شہسوار اچھا تھا نہ بہادر ہی تھا۔ نہ عقیل وفہیم۔ اسی پیچ وتاب میں مُبتلا ہو کر عبد اللہ نے قرطبہ چھوڑنے کا ارادہ کیا اور سرقسطہ عبد الرحمٰن بن مطرف کے پاس جا پہونچا یہ شخص عربی نژاد تھا اور رئیس ابن رئیس۔ صرف سرقسطہ ہی کی گورنری کوئی ایک سو سال سے اسی کے خاندان کے افراد کے لئے وقف تھی۔ عبد الرحمٰن منصور کی افتادِ طبع سے اچھی طرح واقف تھا۔ ہر وقت ڈرا کرتا تھا کہیں وہ اس کو بھی مسندِ حکومت سے نہ ہٹا دے۔ اس سے قبل کہ یہ موقع آئے عبد اللہ کے پہونچنے کے بعد اس نے کھلم کھلا منصور کی مخالفت شروع کردی۔ عبد اللہ کے کانوں میں بھی خوب زہر گھلایا۔ دونوں نے یہ طے کیا کہ فوجی انتظامات درست کرکے قرطبہ پر حملہ کردیں گے۔ اور پھر فتح کے بعد سلطنت کو آدھا تقسیم کرلیں گے۔ جنوبی حصہ عبد اللہ کے پاس رہ جائے گا۔ شمالی عبد اللہ کے پاس۔ ان لوگوں نے بھر کا کر اور لوگوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کرلیا خصوصاً دیوانی اور فوجداری کے عہدیداران اور اموی شہزادہ عبد اللہ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جو اس وقت طلیطلہ کا حاکم تھا اور ظالم کہلاتا تھا۔ منصور کے جاسوسوں نے یہ تمام خبریں اس کے کانوں تک پہنچا دیں۔ اس نے فوراً ایسی ترکیبیں سوچنا شروع کیں۔ جن سے سانپ بھی مرجائے۔ اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

Marfat.com

پہلے تو حیلے بہانوں سے عبداللہ کو سرقسط سے بلوایا اس کے ساتھ نہایت اخلاق اور ـت سے پیش آیا۔ اور اس کے دل میں یہ خیال جاگزیں کیا کہ منصور اس کو عبدالملک سے ہیں چاہتا ہے۔ اس کے بعد عبداللہ حاکم طلیطلہ کی طرف رجوع ہوا اس کے خلاف بہت سے ـات تھے۔ اخلاقی پستی کے ساتھ ساتھ سنگدلی میں بھی وہ اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ بنا بریں ـسے وزارت سے ہٹا دیا گیا اور طلیطلہ کی حکومت چھین لی گئی۔ لوگوں اور خود اس کو یہ خیال تک بھی کہ یہ ذاتی مخالفت کی وجہ سے قدم اٹھایا گیا ہے۔

ان دونوں سے نپٹنے کے بعد وہ عبدالرحمن بن مطرف کی طرف متوجہ ہوا۔ ریاست قشتالیہ ـ جنگ کی سوچی گئی۔ تمام سرداروں اور گورنروں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی اپنی فوجیں لے کر ـید پر جمع ہوں۔ عبدالرحمن بن مطرب التجیبی کو بھی یہی حکم ملا۔ اس نے تعمیل کی۔ اس کی غیر ـودگی میں منصور کے گرگوں نے رعایا کو بھڑکایا کہ وہ جو شکایت بھی حاکم صوبہ کے خلاف ـتے ہیں اسے تحریری طور پر حاجب سے بتلائیں۔ اگر وہ صحیح ثابت ہوئیں تو ان کے حق میں ـلہ کیا جائے گا۔ ایسا کونسا حاکم ہوگا جس کے ہاتھ کسی نہ کسی بدعنوانی میں نہ رنگے گئے ـں۔ بہت سی شکایتیں پیش کردی گئیں۔ جن میں ایک یہ بھی تھی کہ فوجیوں کی تنخواہوں کا بڑا ـہ التجیبی نے خرد برد کر دیا۔ اس کی تحقیق کرائی گئی۔ جب درست ثابت ہوئی تو اسے معزول کے اس کے بیٹے یحییٰ سمیجہ کو حاکم سرقسط بنا دیا گیا کہ لوگوں کو یہ شک نہ ہو کہ منصور نے یہ کارروائی ی تعصب یا بغض وعناد کی وجہ سے کی ہے۔ کچھ دنوں بعد عبدالرحمن کو گرفتار کر لیا گیا۔ وجہ یہ بیان ـئی کہ اس سے حساب فہمی مقصود ہے۔

عبداللہ بن منصور نے جو یہ عالم دیکھا تو ٹھٹکا اب اس کی سمجھ میں آیا کہ اس طرح اس کا باپ ـے اپنے دشمنوں اور سازشیوں کو ایک ایک کر کے راستے سے ہٹا دیا ہے۔ جب عیسائیوں ـے خلاف چڑھائی کی گئی تو عبداللہ کو بھی فوج میں شامل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس نے ـدئی چون وچرا نہ کی البتہ چوکنا ضرور ہو گیا۔ جس وقت مسلمان شنت اشتیبان غسرماج StesTrandegomas کا محاصرہ کئے ہوئے تھے یہ اپنے چند قابل اعتماد غلاموں کے ساتھ چپکے سے حاکم ریاست قشتالیہ غرسیہ Graecia ferdinand کے پاس ـسک گیا۔ خط وکتابت پہلے سے ہی ہو چکی تھی۔ غرسیہ نے اس کو پناہ دینے کا وعدہ کر لیا۔ منصور کو اب احساس ہوا کہ اس کا ایک جگر کھودنے والا ہاتھ سے نکل گیا۔ غرسیہ کو

دھمکی آمیز خطوط لکھے مگر وہ اپنے وعدہ سے نہ ہٹا۔ مسلم فوجیں اس کے علاقے کو سال تک خوب لوٹتی رہیں۔ اُس کی فوجوں کو ہراتی رہیں مگر وہ دُھن کا پکا ہی رہا لیکن جب اگست ۹۸۹ء جمادی الاول ۳۷۹ھ میں قلعہ وشمہ اور اکتوبر میں القبہ کا قلعہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل کر منصور کے قبضہ میں چلا گیا تو اس نے بے دست و پا ہو کر صلح کی درخواست کی اور اس نے دشمن کو حوالے کر دینے کا وعدہ کیا۔

عبداللہ کو ایک سجے سجائے خچر پر سوار کر کے منصور کے پاس لے چلے۔ اس کو یہ گمان تھا کہ باپ آخر باپ ہے اس کا گناہ معاف کر دے گا۔ راستہ میں منصور کا بھیجا ہوا ایک فوجی دستہ جس کا افسر سعد ملا۔ وہ تمام آداب اور مراتب بجالایا۔ عبداللہ کے ہاتھ پر بوسہ دیا اس کی تعظیم میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ یہ بھی یقین دلایا کہ اس کا قصور کوئی ایسا سنگین نہیں ہے۔ جو قابل معافی نہ ہو۔ جس وقت تک غرسیہ کے سپاہی بھی عبداللہ کے ساتھ اسی قسم کا رویہ رہا۔ مگر دریا دویرہ پار کرتے ہی جیسے وہ لوگ رخصت ہوئے تو سعد ہٹ کر فوج کے پیچھے چلا گیا۔ چند سپاہیوں نے آگے بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ ۹۔ ستمبر ۹۹۰ء مطابق ۱۵۔ جمادی الآخر ۳۸۰ھ ہجری عبدالرحمن بن مطرف بھی خیانت کے الزام میں قتل کرا دیا گیا۔ البتہ عبداللہ سابق حاکم طلیطلہ بھاگ کر برمند کے پاس پہنچ گیا۔

منصور پہلے غرسیہ کی جانب متوجہ ہوئے کیونکہ اس نے عبداللہ کو پناہ دی تھی۔ اس کے بیٹے شانجہ کو اس کے خلاف بھڑکا کر بغاوت کے لئے آمادہ کیا گیا۔ بہت سے نوابین کو بھی اس کی حمایت پر کھڑا کر دیا گیا۔ جب یہ فتنہ مکمل طور پر تیار ہو گیا تو ۹۹۴ء مطابق ۳۸۴ھ کو شانجہ نے باقاعدہ بغاوت کا اعلان کر دیا۔ منصور نے اس کے اقدام کو سراہتے ہوئے اسے شنت اشتیبان عزاج اور قلنہ پر قبضہ بھی دلوایا۔ اپنی جانب سے اسے بادشاہ قشتالہ بھی تسلیم کر لیا۔ اس حد تک کامیابی حاصل کر کے منصور نے مزید جنگ مناسب نہ سمجھی۔ خود اس کے درباری اور فوجی بھی تنگ آچکے تھے۔ شاعروں کی زبانی اپنے مقصد کا اظہار کیا۔ ایک شاعر صاعد نے تو اس حد تک کہا کہ ایک ہرن کی گردن میں رسی ڈال کر منصور کے سامنے لایا اور اس جانور کو بطور تحفہ پیش کرتے ہوئے ایک نظم پڑھی جس کے تین اشعار حسب ذیل ہیں ؎

۱۔ مولائی مونس غربتی متحفظی　　من ظعفا ایامی لمنع معقلی

Marfat.com

عبد نشلت لضبعة وغرسیہ — فی نعمةٍ اهدیٰ الیک بایدٍ
سمّیة غرسیہ وبعثة — فی جبلبةٍ لیتاح فیہ تغاوفی

یہ بھی حسنِ اتفاق تھا کہ پیشینگوئی پوری ہو کر رہی۔ اسی دن جو ۶ء ۹۹۵ء ۱۲/ ربیع الآخر ۳۸۵ھ کی تاریخ تھی۔ پیر کا دن تھا۔ غرسیہ دریائے دویرہ کے کنارے القصر اور نجہ کے درمیان ۔۔ر کر لیا گیا۔ اور پانچ دن بعد کسی وجہ سے جان بحق ہوا۔ اب شانجہ پوری طرح سے قشتالیہ بادشاہ تھا۔ مسلمانوں کا باجگذار بننے ہی میں اسے بہتری نظر آئی۔

غرسیہ سے نپٹنے کے بعد منصور برمند کی طرف راغب ہوا۔ عبد اللہ کو پناہ اس نے دے ۔۔ی تھی۔ برمند کی ریاست کا زیادہ حصہ پہلے ہی مسلمانوں کے قبضہ میں آچکا تھا۔ خود نوابین ۔۔ں کی سلطنت کے اس سے خوش نہ تھے۔ بہت سی زمین اور باغات وہ ہتھیائے بیٹھے تھے۔ ۔۔مند کو کوئی خاطر ہی میں نہ لاتا تھا۔ اعلانیہ مخالفت پر آمادہ تھے۔ اس کے مرنے کی افواہیں ۔۔رم کیا کرتے تھے منصور کو ان حالات سے بہت تقویت حاصل ہوئی۔ اس نے فوراً حملہ ۔۔دیا۔ برمند مقابلہ پر نکلا تو استورگا جہاں وہ مقیم تھا۔ وہ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ گھبرا کر امان ۔۔اہی جو اس شرط پر قبول ہوئی کہ اموی شہزادہ عبد اللہ کو اس کے حوالے سے کیا جائے ۔۔چلتے چلاتے لیون کے جنوبی مشرقی حصہ میں کاریوں کو بھی فتح کر لیا۔ وہاں کے لوگوں ۔۔نے بغاوت کر دی تھی۔ اس کے بعد وہ قرطبہ کی طرف چلے تو عبد اللہ ان کے ساتھ تھا۔ مگر ۔۔س عالم میں کہ پیروں میں بیڑیاں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اونٹ پر سوار اسی طرح سے اسے ۔۔رطبہ پہونچ کر بازاروں میں گھمایا گیا۔ آگے آگے ایک ڈھنڈورچی یہ کہتا جاتا تھا کہ دیکھو ۔۔بد اللہ بن عبد العزیز کو جو دشمنان اسلام سے مل کر اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ ہوا تھا۔ ۔۔و تارکِ اسلام ہو گیا تھا عبد اللہ اس کی تردید کرتا تھا۔ اس کی بات مگر کون سنتا تھا۔ ۔۔آخر کو اسے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ یہاں سے قصیدے لکھ لکھ کر منصور کے پاس

ترجمہ اشعار:۔ اے میرے آقا۔ میرے ہمدم۔ مجھے غریبی سے محفوظ رکھنے والے میرے سرپرست مجھے کامیابی بخشنے والے میں تمہارے سامنے ایک ہرن کو لایا ہوں جس کا نام میں نے غرسیہ رکھا ہے۔ تو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی مدد کی۔ اپنے نعمت و احسان میں اس کو جگہ دی۔ اب اسے اسی ۔۔مت اس لئے لایا ہوں کہ میری پیشینگوئی پوری ہو۔

Marfat.com

بھیجے اس کی طرح طرح سے خوشامدیں کیں مگر منصور کے دل پر کچھ اثر نہ ہوا۔ نومبر ۹۹۵ء وشوال ۳۸۵ھ سے لے کر منصور کی موت تک وہ قید وبند کی مصیبتیں ہی جھیلتا رہا۔

شنت یاقب[1] پر حملہ المنصور کی متعدد معرکہ آرائیوں میں سب سے زیادہ اہمیت جس کو حاصل ہے وہ شنت یاقبہ یا ڈی کمپوسٹیلا کے شہر اور کلیسا پر حملہ۔ یہ حملہ بالقصد نہ تھا مگر برمند بادشاہ لیون نے بھاگ کر جب شنت یاقب یا سنت یعقوب کے شہر میں پناہ لی تو حملہ ناگزیر ہوگیا۔ ادھر مغربِ اقصیٰ میں جھگڑا کھڑا ہوگیا۔ برمند نے سوچا المنصور تو افریقیہ میں زیری بن عطیہ سے مصروف جنگ ہیں اپنی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالنے کا یہ موقع ہے۔ پہلے تو خراج بھیجنا بند کیا۔ اس کے بعد چھنے ہوئے علاقہ کو اپنے قبضہ میں لانے کی ترکیبیں کرنے لگا۔ منصور کس ڈھب کا آدمی تھا یہ اسے خبر نہ تھی وہ بخوبی ایک وقت میں دو لڑائیاں لڑ سکتا تھا۔ وہ عیسائیوں کو کسی قیمت پر بھی خود سر اور طاقتور ہوتے نہ دیکھ سکتا اسی وجہ سے تقریباً سال میں دو غزوات شمالی سرحدوں پر لازمی تھے۔ ہر معرکہ میں ان پر ضرب کاری لگائی جاتی تھی۔ انہیں پنپنے دینا تو درکنار ان کی قوتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ برمند کی یہ گستاخی اور فتنہ انگیزی ان کے لئے قطعاً ناقابلِ قبول تھی۔ شنت یاقب یا کمپوسٹیلا کا کیا ذکر اگر وہ آسمان پر بھی جا کر چھپتا تو وہ اس کا پیچھا نہ چھوڑتے۔ اسی لئے وہ ۳۔ جولائی ۹۹۷ء مطابق وہ ۲۳۔ جمادی الآخر ۳۸۷ھ کو اس شہر پر حملہ آور ہونے کے لئے چل ہی کھڑے ہوئے۔

یہ شہر کمپوسٹیلا علاقہ جلیقیہ کے آخری حدود میں تھا۔ اور موجودہ ملک پرتگال کا ایک حصہ مانا جاتا تھا۔ اس کی شہرت اس بنا پر زیادہ تھی کہ وہاں حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام راہب یعقوب کا مزار تھا۔ جو اپنے تقدس کی وجہ سے وہی درجہ رکھتا تھا۔ جو مسلمانوں کے نزدیک کعبہ یا یہودیوں کے نزدیک فلسطین کی ہے۔ اس مزار کے معلوم ہونے کے متعلق قصہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ شارلیمین شہنشاہ فرانس کے زمانے میں صوبہ جلیقیہ کا بڑا پادری تھوڈومیر نامی تھا۔ جو اپنے زہد و اتقا میں بڑی شہرت رکھتا تھا۔ اس نے

---

[1] شنت یاقب کا غیر معرب نام سینٹ ڈی کمپوسٹیلا

Sant de compostela

Marfat.com

اب میں دیکھا کہ قریب کے جنگل میں جو جھاڑی ہے اس میں نور ہی نور نظر آرہا ہے۔ اور کچھ مقدس لفیوں کی بھی آواز آرہی ہے۔ اس نے اسے وجود میں آنے والے کسی معجزے سے تعبیر کیا۔ اور تین ن روزہ رکھ کر خوب عبادت کی۔ اس کے بعد جب وہ اس خواب میں دیکھی ہوئی جھاڑی کے پاس ہونچا اسے ہٹا کر دیکھا تو ایک سنگِ مرمر کی قبر نظر آئی۔ اس نے لوگوں کو مطلع کیا کہ اسے قدرتی رائع سے بتلایا گیا ہے کہ یہ حواری حضرت یعقوب کا مزار ہے۔ جو سب سے پہلے اسپین پہونچے تھے۔ اور دین مسیحی کی اشاعت میں مشغول ہوئے تھے۔ اس قصہ میں کچھ اور دلچسپی پیدا کرنے کے لئے س نے کہا کہ جب ہیروڈوٹس Hirodilusus کے حکم سے حضرت یعقوب شہید کئے گئے۔ یروشلم ں تو ان کی لاش اسپین لائی گئی تھی اور اس وقت کس مپرسی کے عالم میں وہاں دفن کردی گئی تھی۔ اس قصہ کو تسلیم کرنے میں تامل اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ زمانہ ہی ضعیف الاعتقادی کا تھا۔ دلائل و براہان کا کوئی ذکر نہ تھا۔ یہ پادری اسقف اور راہب جو قصہ جس طرح سے چاہتے تھے۔ شہور کر دیتے تھے۔ عوام الناس جہالت اور کم علمی کی وجہ سے اسے بلا چون وچرا مان لیتے تھے۔ ان مذہب کے ٹھیکیداروں کے ہزاروں مطلب نکل جاتے تھے۔ چڑھاوے آنے لگتے تھے تبرکات اور قیمتی اشیاء ان مردوں کے نام پر حاصل ہونے لگتی تھیں۔ یہ خبر جب الفانسو شاہ لیون کو معلوم ہوئی تو اس نے تھیوڈومیر سے یہ درخواست کی کہ وہ اس مزار کو جس قدر بھی زینت بخش سکتا ہے بخشے اور خود بھی وہیں اقامت گزیں ہو۔ اس خواہش کا اظہار ہونا تھا کہ فوراً وہاں ایک شاندار گرجا تعمیر ہوگیا۔ بڑی خانقاہ بن گئی قبر کی عمارت نہایت خوبصورت اور وسیع بنائی گئی۔ دور دور سے راہب اور رہبن لاکر وہاں رکھی گئیں۔ بہت ہی جلد وہ ایک زیارت گاہ بن گیا زائرین قرب وجوار دور و دراز سے آنے لگے۔ منتیں ماننے لگے۔ مرادوں کا اظہار کرنے لگے۔ دسویں صدی عیسوی تک اس مزار کی شہرت برایں بنا کہ معجزے اور کرشمے خود ساختہ وجود میں آتے تھے۔ فرانس اٹلی۔ جرمنی اور دوسرے ممالک میں مشہور ہوگیا

مسلمان بادشاہوں اور عوام نے اس مزار کا ذکر اذکار سنا ضرور تھا۔ مگر کبھی اس کو دیکھنے کا اتفاق اس وجہ سے نہ ہوا تھا کہ وہ انتہائی دشوار گزار اور ناقابلِ عبور منزلوں پر واقع تھا۔ اور وہاں تک پہونچنا آسان کام نہ تھا۔ اس سے پہلے بلا وجہ وہاں کسی کو حملہ کرنے اور اسے جیت لینے کا خیال بھی نہ آیا تھا۔ مگر منصور جیسے جری حوصلہ اور بلند ہمت انسان کے لئے یہ کوئی مشکل مرحلہ نہ تھا۔

۳ جولائی ۹۹۷ء - ۲۳ یا ۲۴ جمادی الآخر ۳۸۷ھ کو منصور سواروں کا ایک منتخب دستہ لے کر قرطبہ سے روانہ ہوئے یہ ان کی اڑتالیسویں جنگ تھی۔ اس میں انہوں نے جملہ انتظامات پایہ تکمیل تک پہونچا دیئے تھے۔ پہلے پرتگال سے شہر توریہ پہنچے جہاں بہت سے عیسائی جو منصور کی زیر اطاعت تھے۔ اُن کے لشکر میں آ شامل ہوئے اس کے بعد یہ سمورہ میں آکر ٹھہرے یہاں بھی بہت سے عیسائی معہ فوج اُن کے جھنڈے تلے آگئے۔ چند روز قیام کرکے یہ آگے بڑھے اور شہر پرتغال میں آکر ٹھیرے یہاں سے آگے بڑھ کر دریائے دویرا پار کیا۔ وہاں پر بحری بیڑا جس کے متعلق ہدایات پہلے ہی سے دیدی گئی تھیں آکر ملا۔ یہ بیڑا بندرگاہ قصرابی ادنس میں آکر اُسی دن ٹھیرا جس دن المنصور اپنی فوج سمیت وہاں پہونچے۔ ان جہازوں پر ملّاح۔ تیر انداز۔ اسلحہ جات۔ خورونوش کا سامان اور آرام و آسائش کی تمام چیزیں لدی ہوئی تھیں۔ یہ بیڑا پرتغال کے مقام پر اس طرح سے لنگر انداز کیا گیا کہ ایک پل قائم ہوگیا۔ یہاں سے تھوڑی دور آگے دریائے مینہ جلیقیہ کی زمین کو سیراب کرتا تھا۔ وہ علاقہ عیسائیوں کے قبضہ میں تھا مگر ان میں مقابلے کی طاقت نہ تھی اس وجہ سے سب مطیع و فرمانبردار ہوگئے۔ منصور اپنی فوج کے ساتھ روانہ ہوئے مختلف دریاؤں جنگلوں اور سرسبز میدانوں کو طے کرتے ہوئے جو بہترین آب و ہوا۔ کشت زاروں اور پُرفضا ہونے کی وجہ سے بہشت زار بنے ہوئے تھے۔ مگر آگے کا راستہ بہت دشوار گزار تھا۔ اس کا طے کرنا بہت ہی مشکل اور پریشان کن۔ مگر منصور گھبرانے والے آدمیوں میں سے نہ تھے۔ وہ خود کلہاڑا لے کر راستہ صاف کرنے لگے۔ آگے چلتی ہوئی فوج سے پھر تو تبروں اور تیغوں کے ذریعہ سارے درخت کاٹ کر رکھ دیئے۔ پتھروں کو راستہ سے ہٹا کر راہ کو کشادہ بنا دیا۔ اس تیز رفتاری اور سخت محنت کے بعد جب اس گھنے جنگل کو عبور کرکے دوسری طرف پہونچے تو ایک پُرفضا کہسار نظر آیا۔ جہاں کی آب و ہوا نہایت خوشگوار اور فرحت بخش تھی۔ شیریں پانی کے چشمے اور نہریں رواں تھیں۔ ہوا دماغ کو تر و تازہ بناتی تھی۔ پھر دریائے دورہ یا مینیہ کو جو عبور کیا سامنے ایک تنگ درّہ طلبارتش نظر آیا جس کا ذکر برمیودوثانی بادشاہ جلیقیہ کے فرمان میں بھی آچکا ہے۔ یہاں پر ان عیسائیوں نے جو مختلف مقامات پر منصور کے ساتھ ہو لئے تھے اور اس کی رفاقت کا دم بھرنے لگے تھے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہوئے اپنے ہم مذہبوں سے ساز باز کرنے لگے منصور کے جاسوسوں نے فوراً اس کے پاس خبر پہونچائی۔ یہ چیز اس موقع پر انتہائی تشویشناک

ی تھی اور خطرناک بھی۔ مورخوں نے اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔
ابن سعید کہتے ہیں کہ وہ ایک سخت سردیوں کی رات تھی۔ بارش بھی ہو رہی تھی۔ جب
ی کو یہ بتلایا گیا کہ سازشی اپنی اسکیم کو مکمل کرنے کے لئے آج کی رات کوئی نامہ و پیام
ق ثانی کے پاس بھیجیں گے۔ انہوں نے اپنے ایک قابل اعتماد سوار کو بلا کر یہ حکم دیا کہ فوراً
درہ طیالس یا طلیارتش کے دہانے پر کھڑے ہو جاؤ اور جو شخص بھی دوسری جانب جاتا ہو
لے اس کو گرفتار کر لاؤ۔ وہ سوار تمام رات حسب الحکم سردی مینہہ اور ہواؤں میں کھڑا رہا۔
لوئی شخص بھی ادھر سے نہ گزرا۔ صبح جب مایوس ہو کر وہ واپس لوٹنے ہی والا تھا تو اسے
یک بوڑھا آدمی گدھے پر سوار نظر آیا جو ہاتھ میں لکڑیاں کاٹنے کے لئے کلہاڑا لئے ہوئے
ھا شکل و صورت سے لکڑہارا معلوم ہو رہا تھا۔ سوار نے اس سے پوچھا کہ کہاں جا رہا ہے۔
س نے جواب دیا غریب آدمی ہوں۔ لکڑی کاٹ کر جنگل سے لاتا ہوں اور پھر شہر میں بیچکر
گذر اوقات کرتا ہوں۔ سوار نے سوچا اس بڈھے لکڑہارے سے منصور کو کیا کام ہو سکتا
ہے۔ لہذا اسے جانے دیا۔ تھوڑی دور جب وہ نکل گیا تو سوار کو خیال آیا کہ یہ تو منصور کے
کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی۔ پتہ نہیں وہ اس کی کیا سزا دیں۔ اس لئے اس کو لے چلو
فوراً گھوڑا دوڑا کر اس کے پاس پہونچا اور بولا کہ تمہیں منصور نے بلایا ہے۔ اس نے جواب دیا
مجھ غریب مسکین بڈھے آدمی سے ایسے جلیل القدر بادشاہ کو کیا کام ہو سکتا ہے۔ سوار نے
کہا۔ مجھے یہ تو نہیں معلوم البتہ ان کا حکم یہی ہے کہ جو کوئی درہ پار کرتے ہوئے نظر آئے اسے
پکڑ لاؤ۔ چنانچہ تم پہلے شخص ہو جو یہ کام کرتے نظر آئے ہو۔ اس لئے چلتا ہوں۔ بڈھا ساتھ چلا
جب منصور کے سامنے پہونچا تو اسے دیکھ کر قطعاً تعجب نہ ہوا۔ وہ خود ایسے شخص کے انتظار
میں رات بھر نہ سوئے تھے۔ حکم دیا کہ اس کی تلاشی لو۔ اس کے پاس کچھ بھی نہ نکلا۔ اب تو مایوسی بہت
بڑھی۔ خیال کیا گیا کہ شاید گدھے پر رکھی ہوئی کاٹھی میں کچھ ہو لہذا اس کی بھی تلاشی لی گئی
تو ایک خط جو لیون کے عیسائیوں نے مسلمانوں کے دشمنوں کو لکھا تھا کہ اسلامی لشکر کا رخ کے
بعض کمزور پہلو ایسے ہیں کہ اس جانب سے حملہ کیا جائے تو کامیابی یقینی ہے۔ اس کے ساتھ
وہ پوری اسکیم تھی کہ درہ طلیارتش میں گھیر کر مسلمانوں کو تباہ کر دیا جائے۔ ایک طرف سے شاہ
لیون کی فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ دوسری طرف جو عیسائی لشکر کے ہمراہ ہیں حملہ کر رہے ہیں۔ اسلامی
فوج کو پیس کر رکھ دیں گے مگر جسے خدا رکھے اسے کون چکھے۔ اس خط سے نہ صرف سازش کا سارا

Marfat.com

پتہ چل گیا بلکہ ان لوگوں کے نام بھی معلوم ہو گئے۔ جو اس کارِ خیر میں شریک تھے۔ ان تمام عیسائیوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اور بوڑھے لکڑہارے کو بھی۔ اس بروقت قدم نے منصور کے مخالفین کے حوصلے پست کر دیئے۔ اور ان کی یہ تدبیر نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔

اب اس فوج نے شنت یاقب کا راستہ پکڑا۔ کئی دور دراز میدانوں سے گزرے بہت سے خلیجوں سے جو بحر اخضر میں جا کر گرتے پہلے اس مقام پر پہنچے۔ جسے مؤرخین نے بلنبو لکھا ہے۔ وہاں سے آگے چل کر دیر قشمان جو موجودہ شہر بیونہ اور توئی کے بیچ میں واقع ہے لوٹ لیا۔ پھر دیر وامیان جسے دیر سان کلمادو بھی کہتے ہیں۔ فوجیں پھیلا دیں۔ پھر شنت بلایہ یا بلائی کوٹو جا پہنچے۔ وہاں سے چل کر بحرِ محیط کے کنارے پر بسے ہوئے ایک جزیرے میں ڈیرا ڈال دیا یہاں سے شنت بلایہ سے عیسائیوں نے بھاگ کر پناہ لی تھی۔ انہوں نے تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا اور مکانات کو منہدم کرا دیا اس کے بعد دوسرے جزیرے جو خلیج دیگو سے ملحق تھا۔ وہاں پہنچے۔ یہاں کے ساحل پر ایک ایسا مقام بھی آیا جو بالکل پایاب تھا مسلمانوں کی دہشت سے جو لوگ چھپ کر یہاں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ انہیں قیدی بنا لیا گیا۔ یہاں سے منصور کوہ مرسیہ پر پہنچے۔ جس کی سمتیں بحرِ محیط سے ملتی تھیں۔ یہاں سیلاب کے پانی کی طرح مسلمان پھیل گئے۔ بہت سے لوگوں کو گرفتار کیا۔ بہتوں کو نکال باہر کیا مکانوں کی لوٹ سے بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ اب رہبروں کی مدد سے خلیج دیگو کو عبور کر کے دریائے ایلہ یا یلہ کے کنارے پہنچے اسی کے دوسری جانب شہر کمپوسٹیلا آباد تھا۔ جہاں زیارتگاہِ حواری یعقوب تھی۔ راہ میں ایک چھوٹا سا مقام ایریا آتا تھا۔ وہاں بھی ایک زیارت گاہ تھی۔ اس کو بھی خوب لوٹا گیا۔ یہ زیارت گاہ دراصل کبھی اسقف تھیوڈومیر کی رہائش تھی اور اسی جگہ پر رہ کر اس نے شنت یاقب کا مزار دریافت کیا تھا۔ اس زیارت گاہ کو بھی مسمار اور منہدم کر دیا گیا۔ یہاں سے جو آگے بڑھے تو یعقوب کا مزار سامنے تھا۔

۱۱ اگست ۹۹۷ء ۳ شعبان ۳۹۷ھ کو بدھ کے دن ہر جگہ فتح اور کامرانی حاصل کرتی ہوئی وہ فوجیں کمپوسٹیلا میں داخل ہوئیں۔ سارا شہر سنسان پڑا تھا لوگ پہلے ہی سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے صرف ایک دیندار راہب حواری یعقوبؑ کے مزار پر عبادت میں مصروف تھا۔ منصور نے پوچھا تم کیوں نہ بھاگے۔ اس نے جواب دیا۔ میرے لئے سب سے اچھی پناہ گاہ یہی تھی۔ یہیں بیٹھ کر عبادت کر رہا ہوں۔ منصور نے کہا اچھا۔ اور لوگوں کو حکم دیا کہ اسے کوئی نہ

Marfat.com

ستائے۔ مزار کے ارد گرد بھی ایک فوج مقرر کر دی کہ اسے کوئی نہ لوٹے اور آزار نہ پہونچائے۔
باقی حصۂ شہر کا تو خوب ہی لٹا۔ سارے مکانات گرا دیئے گئے۔ فصیل کو منہدم کر دیا گیا۔ گرجا کو
بھی نقصان پہنچایا گیا۔ بڑی بڑی مضبوط عمارتیں دم بھر میں زمین دوز کر دی گئیں۔ فوجیوں نے
مضافات کی زمینوں ۔ باغوں اور کھیتوں کو بھی خوب خوب لوٹا۔ پہلی بار یہاں مسلمانوں کے
قدم پہونچے وہ بھی اس شان سے۔

شنت یاقب کی زبردست مہم کو سر کرنے کے بعد منصور نے آگے بڑھ کر دوسرے شہر شنت
ST. Mancau پر جو شہر کرونہ کے قریب تھا اُسے فتح کر لیا۔ پھر ایک ہفتہ کمپوسٹیلا
میں قیام کر کے اذنِ واپسی دیا۔ راستہ کی بہت سی عمارتوں کو گرا دیا۔ پھر قلعہ بلیقیہ یا بقول
ابن عذاری ملیقیہ پہونچے۔ یہاں فوجیوں کو باشندگان پر دست درازی سے روک دیا گیا۔
ایک دربار منعقد کیا۔ جس میں ان تمام عیسائیوں کو جو منصور کے ساتھ ان مہمات میں شریک
ہوئے تھے خلعت دیئے۔ انعامات بخشے اور قیمتی کپڑے و دیگر عطایات دیئے اور پھر یہیں
سے ایک خط تمام جنگوں کی تفصیل کا حامل خلیفہ کے حضور روانہ کیا۔ اس کی مفصل کیفیت
بلکہ وہ خط بجنسہ مورخین نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے۔ جس طرز کی خلعت عطا کیں ان
کی تفصیل بھی اس طور سے لکھی ہے:۔

دو ہزار دو سو پچاس ریشمی کپڑوں کے تھان ۔ اکیس کپڑے صرف الجبر کے۔ دو کپڑے
عنبری کے۔ گیارہ کپڑے سقلاطون کے۔ پندرہ کپڑے مریش کے۔ سات زین پوش دیباج
رومی کے بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں میں بھی تقسیم کیا۔ ان کے دل خوش ہو گئے یہ سب
انجام دے کر دار الخلافہ کا رُخ کیا گیا۔ جب قرطبہ میں داخل ہوئے تو عوام نے
انتہائی جوش و مسرت کا اظہار کیا۔ اور اس قدر دعائیں دیں اس فاتح کو کہ شدتِ جذبات سے
اس کا دل بھی بھر آیا۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ ہر طرف شکرانے کی نمازیں پڑھی
گئیں۔ خیرات بانٹی گئی اور گھر گھر چراغاں کیا گیا۔ شنت یاقب کے گرجا کے جو پھاٹک اور
گھنٹے لاد کر لائے گئے تھے انہیں مسجد کے بالا خانے میں نصب کیا گیا۔ یوں ان علاقوں
میں منصور نے اپنے گھوڑوں کی ٹاپیں اور اپنے مبارک قدم پہنچا دیئے جہاں اس سے پہلے کبھی
نہ پہونچے تھے۔

آخری ایام اور انتقال:۔ ہر چند کہ منصور کا استقبال شنت یاقب کی مہم سے لوٹ کر

Marfat.com

اس شاندار طریقہ سے ہوا کہ خود کسی زمانے میں خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کا بھی نہ ہوا مگر عام طور سے رعایا ان کے اس انداز سے سخت نالاں رہتی تھی کہ انہوں نے خلیفہ ہشام المؤید کو بالکل ہی کاروبار سلطنت سے علیحدہ کر دیا ہے اور مسندِ حکومت پر خود اس طرح قابض ہوئے ہیں کہ کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہیں۔ یہ بات اندر ہی اندر کافی پھیل رہی تھی۔ اور یہ بات تھی بھی کسی قدر صحیح۔ ہشام کے محل کے اردگرد اتنا سخت پہرہ رہتا تھا کہ پرندہ پر بھی وہاں نہیں مار سکتا تھا ان کی حفاظت اور نگرانی اس طرح سے ہوتی تھی کہ جیسے وہ کسی سنگین الزام میں ماخوذ قیدی ہوں۔ لوگ یہ سمجھنے لگے کہ دراصل خلیفہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ لوگوں کی برہمی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ خبر مشتہر نہیں کی گئی ہے۔ یہ ساری افواہیں منصور کے کانوں میں بھی پہونچ گئیں۔ انہوں نے خلیفہ کی رونمائی کی سوچی ایک روز عصائے سلطنت ان کے ہاتھ میں تھا کر سر پر شاندار اونچی کلاہ جو صرف خلیفاؤں اور بادشاہوں کو زیب دیتی ہے رکھ کر شاہانہ لباس پہنا کر عالی شان طریقے پر سجے سجائے گھوڑے پر بٹھا کر سارے شہر میں گھمایا۔ خود منصور عصائے وزارت تھامے خلیفہ کے گھوڑے کی باگ پکڑے پوری نیازمندیوں کے ساتھ خلیفہ کے ہمراہ تھے۔ خلیفہ کو دیکھنے کے لئے دور دور سے لوگ جمع ہو گئے۔ سڑکیں آدمیوں سے کھچاکھچ بھر گئیں۔ ہزار ہا مشتاقین اور خلیفہ کو ایک نظر سے دیکھنے کے لئے بیچین لوگ ہر چہار جانب سے امنڈ آئے۔ ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ گئی۔ شکوک رفع ہو گئے دلوں کو اطمینان ہو گیا۔ یہ تصفیہ طے پا گیا تو منصور نے پھر جہاد کی ٹھانی۔

ان کی عمر اب بڑھاپے کے حدود میں پہونچ گئی تھی مگر ان کا دل ابھی تک جوان تھا۔ ان کا جذبہ اسی طرح سے شدید تھا۔ وہ شمال کے عیسائیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے ایک بار پھر قرطبہ سے ماہ صفر ۳۹۳ھ مطابق ۱۰۰۲ء میں نکلے۔ وہ ہر مہم پر روانہ ہونے سے پیشتر یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ خدا ان کو میدانِ جنگ میں موت سے ہم آغوش کرے۔ کفن جوان کی بیٹیوں نے سیا تھا اور اپنی آبائی جاگیر تریہ طرش کی آمدنی سے خریدا گیا تھا۔ ہمیشہ ساتھ ہوتا تھا۔ وہ کلام پاک جو انہوں نے خود اپنے ہاتھ سے تحریر کیا تھا ہمیشہ ساتھ رہتا تھا۔ جو گرد میدان جنگ پر ان کے منہ اور جسم پر پڑتی تھی ایک ملازم کو حکم تھا کہ رومال سے جھاڑ کر محفوظ رکھ لیا کرے۔ ان کا خیال تھا کہ جس پر یہ گرد چھڑکی جائے گی۔ اس پر نارِ جہنم حرام ہو جائے گی۔ یہ تیاریاں ہمیشہ کی جاتی تھیں مگر اس بار ان کارروائیوں کو کام میں لینے کا وقت بھی آ گیا۔

Marfat.com

یہ مہم ریاست قشتالیہ کے خلاف عمل میں لائی گئی۔ فوج نے پہلے دریائے دویرہ پار کیا پھر قسطیلہ کے مقام پر مقیم ہوئی۔ پھر وہاں سے آگے بڑھ کر قنالیش کے مقام پر نواب قشتالیہ سے جنگ شروع ہوئی جس میں فتح کا سہرا مسلمانوں ہی کے سر بندھا۔ یہاں پر الیمیان کا مزار تھا اسے منہدم کرا دیا گیا کہ اس کی حقیقت کچھ نہ تھی۔ لوگ کمزوری اعتقاد کی وجہ سے اس کو پوجنے تک لگے تھے۔ یہ فتح کامل اس کو حاصل ہو گئی۔ مگر اُن پر کچھ ایسے مرض کا دورہ پڑا کہ ان کی موت کا باعث بنا۔

یہ ان کا باونواں غزوہ تھا۔ مورخین نے اس کے واقعات بھی کافی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ واپسی پر مرض کا حملہ اتنی شدت سے ہوا کہ چلنے پھرنے کی سکت نہ رہی۔ حکیموں نے ہر چند تشخیص کرنا چاہی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ منصور نے سمجھ لیا کہ اب وقت آخر ہو پہنچا صحت سے مایوس ہو کر دوا پینا بند کر دی۔ گھوڑے پر سوار نہ ہو سکنے کی وجہ سے ایک تخت پر لٹائے گئے۔ جس کو آدمی سروں پر اُٹھا کے لے کر چلے۔ مرض کی وجہ سے کچھ ایسی تکلیف تھی کہ بار بار کراہ اُٹھتے تھے۔ ایک مرتبہ کہنے لگے کہ اس وقت لشکر میں کم و بیش بیس ہزار آدمی ہیں مگر کسی کو اتنی تکلیف نہیں ہے جتنی مجھ کو ہے۔

پندرہ دن تک اسی طرح سے تخت پر سوار وہ شہر **Medinaceli** پہنچے یہاں پہنچ کر انہوں نے چند روز قیام کیا۔ اپنے بیٹوں کے مستقبل کا خیال بھی ستانے لگا اپنے فرزند عبدالملک کو پاس بلایا۔ اسے مختلف قسم کی ہدایات دیں پھر کہا کہ سپہ سالاری کی ذمہ داری اپنے بھائی عبدالرحمن کے سپرد کر دو۔ خود فوراً قرطبہ چلے جاؤ اور سارے اختیارات حکومت اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اگر کوئی معترض ہو تو اُسے راہ سے ہٹا دو۔ پھر اور بہت سی نصیحت کر کے رخصت کیا۔ مگر طبیعت میں کچھ ایسی بے چینی تھی کہ پھر واپس بلایا۔ مزید ہدایتیں کیں۔ پھر جب وہ رخصت ہونے لگے تو واپس بلا لیا بس یہ سوچتے تھے کہ ابھی اور بہت کچھ کہنے کو باقی رہ گیا ہے۔ یہ کہہ کر عبدالملک سمجھ گئے کہ چراغ کی لو اب بھڑکنے ہی والی ہے۔ رونے لگے۔ منصور نے منع کیا اور کہنے لگے کہ رونا کمزوری کی دلیل ہے۔ یہ کہہ کر رخصت کر دیا۔ جب ذرا طبیعت سنبھلی تو سرداران فوج کو اپنے حضور طلب کیا۔ ان سے بہت کچھ کہنا سننا چاہا مگر کمزوری نے بولنے کی اجازت ہی نہ دی۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ ناتوانی کا یہ عالم تھا کہ شکل تک نہ پہچانی جاتی تھی۔ اشاروں اشاروں میں اپنی حالت بتلائی اور رخصت چاہی۔ یہ دیکھ کر عمائدین فوج بھی زار و

Marfat.com

قطار رونے لگے۔ انہیں بھی منع کیا۔ اور سامنے سے رخصت کر دیا۔ چند دن بعد ۱۰ اگست ۱۰۰۲ء مطابق ۲۷۔ رمضان المبارک ۳۹۲ھ میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ مدینہ سالم ہی میں دفن کئے گئے۔ اسی کفن میں لپیٹے گئے۔ جو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور وہ گرد جو غزوات کی ساتھ تھی اور ایک موٹی تھیلی میں جمع تھی۔ وہ چھڑک دی گئی۔ قبر پر یہ اشعار کندہ کئے گئے۔

۱۔ آثارہ تنبئك عن اخبارہ حتی کانك بالعیان تراہ

۲۔ تاللہ لا یاتی الزمان بمثلہ ابداً ولا یحمی الثغور سواہ

ایک عیسائی مورخ نے منصور کی موت کے واقعہ کو اس طرح بیان کیا جیسے ایک بہت بڑا دشمن واصلِ جہنم ہوا۔ ایک خوفناک شخص سے نجات مل گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عیسائی اس سے کتنا خوفزدہ رہتے تھے اور اس کا نام سنتے ہی ان کا دم فنا ہو جاتا تھا۔ اس کا ذکر ہی سن کر وہ تھر تھر کانپنے لگتے تھے۔ آئندہ چل کر جب عیسائیوں نے کچھ زور پکڑا تو طرح طرح سے اس پر الزامات عائد کئے اور اس کے مزار کی بھی تحقیر کی۔ چنانچہ المستعین بن ہود کا غلام شجاع کہتا ہے کہ جب وہ شہر مدینہ سالم میں الفانسو سے ملنے کے لئے پہونچا تو دیکھا اس نے اپنا تخت منصور کی قبر کے اوپر بچھا رکھا ہے۔ اور اس کی بیوی اس کے پاس ہی تخت پر تکیہ لگائے آرام سے بیٹھی ہے۔ الفانسو کہنے لگا کہ شجاع دیکھا تم نے دیکھا میں نے مسلمانوں کے علاقوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ایک ایسے بادشاہ کی قبر پر تخت بچھائے بیٹھا ہوں جس کی دھاک تم سب لوگوں میں بری طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ شجاع نے جواب دیا کہ کاش یہ شخص زندہ ہوتا تو اگر ایک سانس بھی تیرے خلاف لے لیتا تو تجھے بیٹھنا دشوار ہو جاتا۔ مرے ہوئے کی قبر پر بیٹھنا کونسی بہادری کا کام ہے۔ یہ سنکر الفانسو سخت برافروختہ ہوا اور اسے قتل کر دینے کا ارادہ کیا مگر اس کی بیوی نے اسے اس ارادے سے باز رکھا اور کہنے لگی کہ یہ غلام جو کچھ کہہ رہا ہے وہ حقیقت ہے۔ وہ شخص واقعی ایسا تھا جس پر یہ لوگ فخر کر سکتے ہیں۔ منصور حقیقتاً ان ہستیوں میں تھا جس پر سرزمین اندلس سارا اسلام ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ اس جیسا فرمانروا نہ پیدا ہوا ہے نہ شاید پیدا ہو سکے گا۔ اس کا جواب ملنا ناممکن اس کی مثال ناپید۔

ترجمہ اشعار: ۱۔ خود اس کے نشانات تجھے اس کی خبریں بتائیں گے۔ گویا کہ تم اسے اپنے سامنے دیکھ رہے ہو ۲۔ خدا کی قسم زمانہ اب اس جیسا نہ پیدا کر سکے گا۔ اور اس کا جیسا سرحدوں کی حفاظت اور ملک کی حمایت کرنے والا نہ ہوگا۔

Marfat.com

باب ۵۳

کردار المنصور

منصور قدرت کی طرف سے کچھ ایسے اوصاف لے کر آئے تھے کہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ ایسے دیدہ ور صدیوں میں چمن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جب تک رہتے ہیں اپنی شمیم جانفزا اور نکہتِ روح افزا سے سارے گلشن کو مہکاتے رہتے ہیں۔ ایسی ہستیوں کے لئے یہ پوچھنا پڑتا ہے۔ ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے!

منصور ایک ایسا گنجینہ تھے۔ ایک ایسے خزینہ تھے کہ جس کے سامنے لعل و گہر کے ڈھیر بھی ماند۔ زر و جواہر کے انبار بھی کم اصل اور بے قیمت۔ ہر میدان میں ان کا ہم پلہ ملنا مشکل۔ رزم کا تو یہ عالم تھا کہ اپنے ۲۶ سالہ دورِ وزارت میں انھوں نے کم و بیش ۵۶ لڑائیاں لڑیں۔ دشمنوں کو ان کے نام سے لرزہ آنے لگا مشرکین ان کا ذکر ہی سن کر کانپنے لگے۔ ان کے سینہ میں انیاں کبھی چبھوئیں۔ ان کے دلوں کو بھی چھید کر رکھ دیا۔ بزم کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے شاعر، ادیب، عالم ان کے گرد پروانوں کی طرح جمع رہتے تھے۔ اپنے علوم سے ان کو فیض پہونچاتے۔ ان کی معلومات سے خود کو مستفیض کرتے۔ انہوں نے اس روشنی کو اپنے کاشانے تک محدود نہیں رکھا بلکہ سارے ملک میں پھیلا کر ظلمت جہالت پر نورِ علم مسلط کر دیا۔ امیر غریب، مفلس، آقا، نوکر، سپاہی، تاجر،

Marfat.com

نوکر بھی سب حصولِ علم کی طرف نہ صرف راغب ہوئے بلکہ اُسے حاصل کر کے اپنے درجات ترقی اور فروغ میں اضافہ کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صقلبی غلام جنہیں علم و ادب سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اپنے آقا کا یہ علمی رجحان دیکھ کر اس طرف ایسا جھکے کہ عبادۃ بن ہیسما اور حبیب الصقلبی جیسے عالم پیدا کر دیئے۔ ان لوگوں کا تذکرہ کتاب الشعراء میں بھی موجود ہے۔

ان کے عہد میں ایک ہی نہیں بلکہ ہزاروں یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ عالم و فاضل موجود تھے۔ چند ایک کے ذکر ان کی مدت حکومت کو نمایاں کرنے کے لئے ضروری ہے حبیب کی کتاب الاستظہار والمعالبہ علی من انکر فضائل الصقالبہ تو نہیر خاصی شہرت کی مالک ہے اور اس وجہ سے اس کے مصنف کو بھی دنیائے ادب میں ایک بلند مقام حاصل ہے لیکن اس کے چند ہم عصر اور ہم فرقہ مثلاً المغیرہ ابن حزم۔ ابوالولید اور ابن الدباغ اور یوسف بن عبدالبار کچھ کم شہرت اور عظمت کے مالک نہیں ہیں۔ جب وہ کسی مشہور عالم کا تذکرہ سن لیتے تھے تو پھر کہیں کیوں نہ بستے ہوں اسے بلا بھیجتے تھے۔ چنانچہ ابو علی سعید ابن الحسن ابن عیسی البغوی کی تعریف سن کر انہیں بغداد سے بلوایا۔ اور بڑا اعزاز بخشا۔ دیگر علماء و فضلا کو ان سے حسد پیدا ہوا اور ان کے درپے ہو گئے ان کی شکایتیں کرنا شروع کر دیں ہر طرح سے یہ کوشش کی انہیں نالائق ثابت کرنے کی مگر ابو علی نے اپنی بذلہ اور ظریف الطبعی سے کسی کو دم نہ مارنے دیا۔ ان لوگوں کا منہ بند کرنے کے لئے منصور سے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو ایک سوانحِ عمری آپ کی مع خاندانی حالات لکھ ڈالوں۔ جو بلحاظ تحریر النوادر کہ تصنیف ابو علی القالی کی ہے جو عبدالرحمٰن الناصر کے زمانے میں ملک الشعراء بھی تھے اور قاضی شہر بھی اس کتاب میں انہوں نے خاندانِ بنی امیہ کے حالات قلم بند کئے ہیں منصور نے اجازت دیدی۔ اس نے اپنی تمام لیاقت صرف کر کے منصور کی حیات مکمل تحریر کر ڈالی۔ نصوص اس کا نام رکھا۔ ادھر کتاب تیار ہوئی ادھر تمام علماء پیچھے پڑ گئے۔ ہزاروں اعتراضات کر ڈالے منصور بھی اس کتاب سے کچھ زیادہ خوش نہیں ہوا کیونکہ مبالغہ آمیزی اور دروغ گوئی بلند پروازی کے ساتھ ساتھ بہت کی گئی تھی۔ جو اشعار لکھے تھے۔ ان کو بھی لوگوں نے کہا کہ سرقہ ہیں۔ اور اس کی معلومات پر بھی حملے کئے۔ پھر ایک کتاب محض سادہ کاغذ کی تیار کی اس کی خوبصورت جلد بنائی۔ اس پر کتاب النکت نام لکھا۔ مصنف کا نام ابوالغوث جلد کے اوپر لکھا اور ایسی جگہ رکھ دی جہاں سے سعید گزرا کرتا تھا۔ جس وقت یہ وہاں پہنچا اتفاق سے منصور بھی موجود تھے۔ انہوں نے برائے نام وہ کتاب اٹھائی اور سعید سے مصنف اور کتاب کا نام بتلا کر

Marfat.com

(پو)چھا کبھی اس کو دیکھا یا پڑھا۔ ابو علی سعید نے سوچا کہ اگر میں نے انکار کر دیا تو معلومات میں کمی نظر (آ)ئے گی۔ کہا کہ بہت عرصہ ہوا جب پڑھی تھی۔ مضمون کیا ہے۔ یاد نہ رہا۔ صرف اتنا بتلا سکتا ہوں کہ بہت (س)ے واقعات مختصر انداز میں درج کئے ہیں۔ منصور اس کی اس دروغ بیانی پر بہت برہم ہوا اور اسے (س)امنے سے ہٹوا دیا۔ اب تو مخالفین کو بہت شہ مل گئی فوراً اس کی کتاب کے متعلق یہ شعر پڑھ دیا۔

قد غاص فی البحر کتاب الفصوص وھٰکذا کل ثقیل یغوص

(ی)ہ کتاب فصوص دریا میں ڈوب گئی۔ بھاری ہونے کی وجہ سے تہہ میں بیٹھ گئی)
سعید نے جب یہ شعر سنا تو فوراً اس کا جواب لکھ مارا۔

عاد الی معدنہ انما توجد فی قعر البحور الفصوص

(وہ واپس چلے گئے اپنے معدن کی طرف کیونکہ جو نگینے ہوتے ہیں۔ وہ سمندر کی تہہ ہی میں پائے جاتے ہیں)

اس طرح نوک جھونک مستقل اس کے ہمعصر علماء اور شعراء سے چلتی رہی۔ ہر چند کہ وہ اس کی تذلیل پر آمادہ رہے مگر اس سے اس کی تبحر علمی اور واقفیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اکثر اوقات تو وہ ایسے ایسے مضامین باندھ جاتا کہ سننے والے دنگ رہ جاتے۔ ایک بار تو چند احباب ہم مذاق و ہم مشرب عالم کیف و مستی میں تھے کہ ان میں سے ایک نے ایک قطرۂ شراب لب جام لگا دیکھ کر شعر کہنے کی فرمائش کی۔ ابو علی سعید نے برجستہ اور فی البدیہہ کہا سے

کان ریح الروض لما اتت نمت علینا مسک عطار

کانما ابریقنا طائرا یحمل یاقوتا بمنقار

(جبکہ باغ میں ہوائے خوشگوار آئی تو اس نے ہم پر مشک کے قطروں کو بطور عطیہ کے چھڑکا ہمارا جام شراب اس پرند کی مانند ہو گیا جس کی چونچ میں یاقوت کا دانہ ہو)

ایک دوسرے موقع پر کسی شخص نے ایک گلاب کا پھول بے موسم منصور کی خدمت میں پیش کیا۔ اتفاق سے اس وقت سعید بھی وہاں موجود تھے۔ منصور نے فرمائش کی کہ کوئی شعر ہو جائے۔ سعید نے ذرا سے تامل کے بعد یہ اشعار پڑھے۔

اتتک ابو عامر وردۃ یذکرک المسک انفاسها

کعذراء ابصرها مبصر فغطت باکمامها راسها

(تم کو جو یہ گلاب کا پھول ابو عامر نے دیا ہے اس کی خوشبو مشک کی یاد دلاتی ہے۔ پھول

اس کنواری لڑکی کے مثل ہے کہ جب کسی کی نگاہ اس پر پڑی تو اُس نے جھینپ کر اپنا سر آستین میں چھپالیا)

المنصور یہ اشعار سن کر بے انتہا خوش ہوا۔ مگر سعید کے بدخواہ جو ہمیشہ موجود رہتے تھے فوراً لگائی بجھائی کرتے ہوئے کہا کہ یہ شعر تو ایک بغدادی شاعر کے ہیں۔ جو قاہرہ میں مقیم ہے۔ منصور نے ثبوت چاہا۔ ابن العارف جس نے یہ شکایت کی تھی فوراً بدر نامی شاعر کے پاس پہنچا اور ایک قصیدہ نظم کرا کے اس میں ان اشعار کو بھی شامل کر کے مصر کی لکھی ہوئی ایک کتاب میں چپکا کر المنصور کے سامنے پیش کر دی۔ منصور نے ایک نہایت سجی سجائی کشتی اپنے سامنے رکھی اور سعید کو بلوا کر کہا کہ آج تیرا امتحان ہے۔ ان اشیاء اور کشتی کے متعلق فوراً کچھ شعر کہو۔ جبا نے یہ قصیدہ نظم کر کے تعمیل حکم کی۔

اباعامرٍ هل غيرجد واكفٌ	وهل غيرمن عاداك فى الارض خائفٌ
يسوق اليك الدهر كل غريبةٍ	واعجب مايلقاه عندك واصفٌ
وشائع نورٍ صاغها مراطياً	على حافتيها عبقةٌ ورفارفٌ
ولما تناهاالحسن فيها تقابلت	عليها بانواعِ الملاهى اوصائفٌ
كمثل الظباءِ المستكنة كنسا	تظلّلها بالياسمين السقائفٌ
واعجب منها انّهنّ نواظرٌ	الى بركةٍ ضمت اليها الطرائفٌ
حصاها اللآلى مايجٌ فى عبابها	من الرقش مسموم اللعالمين راجفٌ
ترى ماترا لاالعين فى جنباتها	من الوحش حتى بينهنّ السلاحفٌ

جس وقت برجستہ یہ قصیدہ سعید نے منصور کی شان میں پڑھا تو وہ بے انتہا خوش ہوا۔ ایک ہزار دینار سُرخ۔ ایک خلعتِ فاخرہ عطا کی اور تیس دینار جیبِ خاص سے ماہانہ وظیفہ کے طور پر مقرر کئے۔

ترجمہ اشعار = اے بو عامر جس قدر سخی ہے اس کا مقابلہ ابر باراں بھی نہیں کر سکتا جس شخص نے تجھ سے دشمنی پر کمر باندھی وہ تو ضرور تجھ سے خائف ہے ورنہ اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔

ہر نادر اور ہر عمدہ شے زمانہ سب سے پہلے تیری ہی خدمت میں پیش کرتا ہے اور عجیب ترین جو تیرے توسط سے زمانہ کو ملتی ہے وہ تیری مدح اور ثنا ہے۔ بہت سی کلیاں اور غنچے ہیں جنہیں ابر باراں نے سنوارا اور کھلایا ہے۔
(باقی صفحہ ۵۴۷ پر)

Marfat.com

پیچھے کہیں ذکر آچکا ہے کہ جس دن رئیس قشتالیہ غرسیہ گرفتار ہو کر آیا تھا۔ اس دن ایک شاعر نے ایک ہرن دو شعروں کے ساتھ منصور کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ وہ شعر بھی لکھے جا چکے ہیں۔ وہ دراصل اسی سعید کے تصنیف کردہ تھے اور اسی نے ہرن بھی بطور تحفہ دیا تھا۔ اور یہ پیشین گوئی کی تھی کہ غرسیہ اسی طرح بندھا ہوا آپ کے سامنے پیش ہوگا۔ اسی دن غرسیہ مقید ہو کر منصور کی بارگاہ میں لایا گیا۔ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

منصور انتظامی معاملات میں سخت گیر تھے مگر ادب کا چسکا ایسا لگ گیا تھا کہ بڑے سے بڑے قصور کو بھی بغیر سوچے سمجھے معاف کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک بار خزانہ کا محاسب Aoditor ایک ایسا شخص مقرر ہوا جسے شعر و شاعری سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ سال کے آخر میں جب خزانہ کا حساب کتاب ہوا تو اس میں تین ہزار دینار کم نکلے۔ اس سے بلا کر پرسش کی گئی تو مارے خوف کے اُگل دیا۔ منصور نے لال پیلا ہو کر کہا کہ اے بدبخت۔ اے بے ایمان تجھے سرکاری مال میں غدر بود کرنے کی ہمت کیوں کر ہوئی۔ اُس نے تھرتھراتے ہوئے جواب دیا کہ حکم خدا مصلحت رائے پر پیش نہ پاسکا مفلسی نے نیت میں فتور ڈال دیا۔ امانت میں خیانت کر دی۔ منصور نے برافروختہ ہو کر جواب دیا۔ ہم تجھے ایسی عبرت خیز سزا دیں گے کہ آئندہ پھر کسی مفلس کو امانت میں خیانت کرنے کی جرات نہ ہو سکے۔ انہوں نے حکم دیا کہ بیڑیاں اور لوہار کو حاضر کیا جائے پھر اُس کے جسم بھر کو بیڑیوں سے جکڑ کر قید خانہ روانہ کر دیا۔ اور جیلر کو یہ حکم دیا کہ جتنی بھی سختیاں وہ کر سکتا ہے اس پر کرے چلتے چلتے ملزم نے یہ دو شعر پڑھ دیئے ؎

بقیہ حاشیہ ۵۴۶۔ کہ دونوں کناروں پر ان کے پارچہ نے سبز اور قطرے ٹنکے ہوئے ہیں۔

جبکہ اس کا حسن پورے کمال کو پہنچا تو حسین و جمیل کنیزوں نے طرح طرح کے لہو و لعب سے اس کا مقابلہ کیا۔

وہ کنیزیں مثل اس ہرن کے ہیں جو اپنے مسکن میں ہیں اور ان پر یاسمین کے پھولوں کی چھتیں آویزاں ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ وہ کنیزیں نظارہ کر رہی ہیں اس حوض یعنی کشتی کا کہ جسے اشیاء عجوبۂ روزگار نے بھر رکھا ہے۔ سنگریزے بھی مثل موتی کے ہیں اور اس کے پانی میں وہ سانپ تیر رہے ہیں۔ جن کے دونوں لعاب زہریلے ہیں تو یہ کنیزوں کی زلفیں ہیں جو اس کشتی میں اس طرح تیر رہی ہیں جیسے زہریلے سانپ۔

اوّاہ اوّاہ وکم ذا اری   اکثر من تکرا ریا اوّاہ
ما لامرئ حول ولا قوۃ   الحول والقوۃ للّٰہ

رہا ہے ہائے اب میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔ اس سے زیادہ سخت تو وہ سزا ہے جو اس کے بعد آنے والی ہے۔ کسی شخص میں کوئی طاقت نہیں بجز اُسی خدائے بزرگ و برتر میں)

منصور نے جو یہ شعر سُنے تو پھڑک اُٹھا۔ اُسے واپس بلا کر پوچھا یہ شعر تیرے ہی ہیں یا کسی دوسرے شاعر کے۔ اس نے عرض کی حضور میری ہی تصنیف ہے۔ منصور نے خوش ہو کر اس کی بیڑیاں کٹوا دیں اور آزاد کر دیا۔ مجرم کا دل بھی باغ باغ ہو گیا۔ فوراً دو شعر اور اُس نے پڑھ دیئے۔

اما تری عفو ابی عامر   لابد ان تبیعہ منہ
کذالک اللہ اذا ما عفا   عن عبدہ ادخلہ الجنۃ

(کیا تو نے ابن عامر کی قوتِ عفو دیکھی۔ لازم ہے کہ اس کے ساتھ کچھ مہربانیاں بھی ہوں جس طرح خداوند بندے کا قصور معاف کر دیتا ہے تو اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے)۔

منصور نے یہ سُن کر اور بھی مسرت کا اظہار کیا۔ جو رقم اس پر واجب تھی معاف کر دی۔

علم و ادب کا شوق اتنا ہمہ گیر تھا کہ فلسفہ۔ ہئیت۔ دین و شریعت۔ تاریخ و جغرافیہ شعر و سخن کے ماسوا مختلف ایسے اصناف پر کتابیں اس کے زمانے میں لکھی گئیں کہ جو بظاہر غیر اہم نظر آتے ہیں۔ مگر آج سینکڑوں سال گزرنے کے بعد ان کی وقعت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا مثال کے طور پر کتب خانہ فاس (افریقہ) میں ایک کتاب صرف پھولوں کے بیان میں لکھی ہوئی ملی۔ جو منصور کے ایک مصاحب نے لکھی تھی۔ اسی کتاب میں پھول نیلوفر کے متعلق ایک ایسا قصہ تحریر ہے جو تاریخی اعتبار سے آج بہت اہمیت رکھتا ہے۔ منقول ہے کہ ایک بادشاہِ روم نے اپنا ایک سفیر المنصور کے حضور دوستانہ مراسم قائم کرنے کے لئے بھیجا۔ ساتھ ہی ساتھ مقصد یہ بھی تھا کہ وہ مسلمانوں کی شوکت و حشمت کا بھی اندازہ کرے منصور کو اس کی آمد میں اس کنایہ کا بھی علم ہو گیا۔ چنانچہ اپنا رعب و دبدبہ دکھانے کے لئے اس نے طریقہ کچھ اس قسم کا اختیار کیا کہ وہ ایلچی بھی دنگ رہ گیا۔ اس سے قبل کہ وہ بارگاہِ منصور میں پیش کیا جائے۔ اس نے شب کو یہ حکم دیا کہ صحن میں جو بڑا حوض ہے۔ جس میں نیلوفر کے پودے اُگے ہوئے اور اوپر کھِل کر عجب بہار دکھاتے ہیں۔ اس میں سونے چاندی کے ہزاروں چھوٹے چھوٹے پتر بنوا کر ڈال دیئے۔ وہ رات بھر

Marfat.com

پھولوں کے اوپر جم گئے۔ دوسری صبح جب حسب الحکم وہ ایلچی پیش کیا گیا۔ تو اس کی خاطر تواضع کی گئی۔ پھر اسی کے سامنے ایک ہزار صقلبی غلام سونے چاندی کی کشتیاں لئے ہوئے حوض کے کنارے آپہونچے۔ نیلوفر جو سطح پانی پر عجیب و غریب رونق پیدا کر رہے تھے۔ ان پر سے پانچسو غلاموں نے سونے اور پانچسو نے چاندی کے پتّر ان طشت میں چن کر رکھے۔ اور پھر منصور کی خدمت میں پیش کئے۔ سفیر بہ نگاہِ تحیّر یہ سارا تماشہ دیکھتا رہا۔ اوّل تو ان غلاموں کی زرق برق وردیوں کو دیکھ کر ہی انگشت بدنداں تھا۔ اس پر سے یہ پھولوں کا خراج تحسین ادا کرنا۔ اس کی عقل میں سما ہی نہ سکا۔ جب اپنے بادشاہ کے حضور پہونچا تو سارا ماجرا سنا کر کہا کہ حضور انسان تو انسان اس جلیل القدر شاہ کو تو پھول پتّے تک سونے چاندی کا خراج پیش کرتے ہیں۔ اگر پھولوں کے متعلق یہ کتاب نہ لکھی گئی ہوتی تو ہمیں شاید ہی اس سفارت کا حال معلوم ہوتا۔ یا کم از کم اس واقعہ کا علم ہی نہ ہو پاتا۔

منصور کے حلم اور جرم سے چشم پوشی بربنائے ادب کا اندازہ پچھلے دیئے ہوئے ایک حصہ سے ہی ہو چکا ہوگا۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ ایک بار وہ سعید بن محمد المروانی سے کسی بات پر سخت ناراض ہو گئے۔ ایک دن بہت سے اصحاب منصور کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاق سے سعید بھی پہونچ گئے اور یہ شعر پڑھے ؎

مولائی مولائی اما آن ان | تو یحنی باللہ من ھجرکا
وکیف بالبھجۃ وانی بہ | ولم انل اسیح فی بحرکا

منصور سنتے ہی ہنس پڑے۔ سعید کا قصور معاف کر کے اُسے گلے سے لگا لیا۔ اسی طرح سے ایک بار کسی جرم کے سلسلہ میں قاسم بن محمد المروانی قید کر دیئے گئے۔ انہوں نے چند اشعار لکھ کر بھیجے جس میں اپنے قصور کی معافی چاہی تھی اور آیندہ نیک چلنی کا یقین دلایا تھا۔ منصور نے انہیں بھی معاف کر دیا۔

ان کی ذات پر یہ الزام ہے کہ انہوں نے محض علماء کے تعصب کو مٹانے کے لئے ان کو ہموار کرنے کے واسطے اور سیاسی اغراض کی بناء پر بہت سی نادر اور نایاب کتابیں فلسفے اور ہیئت کی جلا ڈالیں۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ آج اگر وہ کتابیں موجود ہوتیں تو ایک ایسا ذخیرہ ہمارے درمیان ہوتا جس کا کوئی جواب ہی نہ تھا۔ لیکن ہزاروں آدمیوں کے خون بہانے سے کسی بغاوت کو پرورش دینے سے۔ بدامنی اور بدنظمی پیدا کرنے سے

یہ بہتر ہے کہ ان کے اسباب کا خاتمہ کر دیا جاوے۔ خود المنصور کو ان کے ضائع ہو جانے کیلئے انتہا افسوس تھا۔ مگر وہ کرتے بھی تو کیا۔ واعظین اور مبلغین کی نہ صرف وہ بے حد عزت کرتے تھے بلکہ عوام الناس بھی ان کو بہ نگاہِ عقیدت دیکھتے تھے۔ منصور بیک وقت دونوں کو اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے۔ مورخین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ اسلام دوست تھے۔ خود ایک کلام پاک اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ نماز و روزہ میں بھی تغافل نہ برتتے تھے۔

ابو العلا صاعد بن الحسن ربعی البغدادی المعروف بہ سعید ابو علی جن کا ذکر تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔ انہیں کے ضمن میں ایک اور واقعہ بہت مشہور ہے۔ ایک موقع پر منصور کے پاس اس کے ایک صوبیدار میرمان بن یزید کا خط آیا جس میں تحلب اور تزبیل (کاشتکاری اور کھاد) وغیرہ کے متعلق تذکرہ کیا تھا۔ اسی وقت اتفاق سے صاعد ادھر سے آ پہونچے۔ منصور نے ان سے دریافت کیا کہ میربان بن یزید کی کتاب القوالب والزوالب پڑھی ہے۔ صاعد فوراً بولے کیوں نہیں ابن درید نے اس کی نقل تیار کی ہے۔ اور بغداد میں نظر سے گزری تھی۔ حاشیہ پر چیونٹیوں کے چلنے کے سے نشانات تھے۔ منصور بولے تم بہت جھوٹے ہو ہو۔ میربان تو میرے ایک صوبیدار کا نام ہے۔ اور جس کتاب کا نام لیا ہے۔ وہ کاشتکاری کے متعلق ایک خط ہے۔ صاعد بھلا کہاں چوکنے والے تھے۔ جی ہاں یہ تو صحیح ہے مگر اسی نام کا ایک مصنف بھی موجود ہے۔ اور اتفاق سے اس کی تصنیف کا بھی وہی نام ہے جو آپ نے لیا۔

صاعد آدمی چلتے پُرزے تھے۔ طرح طرح سے انعامات حاصل کرنے کی کوششیں کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان تمام تھیلیوں سے جن میں ان کو انعامات ملے تھے۔ ایک جبہ تیار کرایا اور اُسے اپنے غلام کافور کو پہنا کر اپنے ساتھ منصور کے قصر تک لے گئے۔ وہاں خود باریابی حاصل کی۔ پھر اس کے بعد یہ درخواست کی کہ میرے غلام کافور کو بھی اندر آنے کی اجازت دیدی جائے۔ منصور نے کچھ تعجب کا اظہار کرتے ہوئے اجازت دیدی حبشی غلام فوراً وہ رنگ برنگی قبا پہنے ہوئے اندر داخل ہوا۔ منصور نے کہا کہ یہ عجیب و غریب نامعقول لباس اس کو کس لئے پہنایا ہے۔ صاعد بولے حضور نے اتنی بار تھیلیوں میں مجھے انعام عطا فرمایا ہے کہ وہ سب جمع ہو کر ایک لبادے کا کپڑا بن گئیں۔ اسی لئے میں نے اس کی یہ قبا

Marfat.com

ایک برنگی سلوا دی۔ منصور سُن کر ہنس پڑے اور کہا کہ حُسنِ طلب تو کوئی تم سے سیکھے۔ پھر بہت تحفہ تحائف صاعد کو دیئے۔ اور ایک اچھا لباس اس غلام کو بھی بھجوا دیا۔

ڈوزی کا کہنا ہے کہ منصور سب سے زیادہ خوشی سے جس چیز کا خیر مقدم کرتے تھے۔ وہ ادیبوں اور شاعروں کا۔ علمی مذاق ان کا بہت بلند تھا۔ اور بادشاہوں سے زیادہ وہ اہلِ علم کو نوازا کرتے تھے۔ شاعروں کو اپنے دربار کی زینت سمجھتے تھے۔ اور علماء و ادباء کو مملکت کا زیور انہوں نے خود بڑی محنت و مشقت سے حاصل کی تھی۔ اس لئے اس کے جوہر سے واقف تھے۔ حمیدی کا بیان ہے کہ وہ بچپنے ہی سے بہت ذہین اور ہر بات کو سمجھ لینے میں ایک خاص ملکہ رکھتے تھے۔ ان کی قوتِ ادراک اور معاملہ فہمی بہت تیز تھی عالموں اور فاضلوں کی صحبت نے اسے اور بھی جلا بخشدی تھی۔ وہ بزمِ مطربان سے زیادہ قابلِ بزمِ شاعران تھے جو حظ ان کو ان کی صحبت اور مجلس میں حاصل ہوتا۔ دوسروں کی محفل میں نہ ہوتا تھا۔

عدل اور انصاف

جس وقت منصور نے مسندِ وزارت سنبھالی اسی دن سے انہوں نے یہ سوچ لیا کہ اب قوم کی تقدیر ان سے وابستہ ہوگئی ہے۔ ان کے ساتھ ساتھ کسی بے انصافی کے معنی ہیں خدا اور تقدیر کی ناشکرگزاری جس نے ان کو یہ عہدہ یہ منزلت بخشی۔ وہ اس بات سے سخت خائف رہا کرتے تھے۔ کہ ان کے قلم سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو کسی بے گناہ کے خلاف پڑے اور انہیں اس کی سزا بھگتنا پڑے اپنی صاف باطنی کی وجہ سے وہ یونہی ہمیشہ اپنے گناہوں پر شرمسار رہا کرتے تھے۔ اس پر انہیں یہ منظور نہ تھا کہ کرسیٔ انصاف پر متمکن ہوتے ہوئے انصاف کو ضرب کاری پہونچا کر اپنے گناہوں میں اور اضافہ کریں۔ اگر کبھی ان کو یہ علم ہوجاتا تھا کہ ان سے کوئی نا انصافی ہوئی ہے۔ تو وہ اس کی تلافی بہر طور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جس قدر وہ قوت اور اقتدار حاصل کرتے جاتے تھے۔ اسی قدر اپنی جگہ پر خوف زدہ رہتے تھے کہ کہیں غلط کاریوں پر ان کا نام درج نہ ہوجائے۔ وہ اخلاقی آداب سے درگزر کر کے اپنے کو ظالم یا غیر منصف مزاج مشہور نہ کرنا چاہتے تھے۔ جب تک کوئی طاقت ان سے ٹکر لینے کی جرأت نہ کرتی وہ اپنے قول و فعل اور عمل میں صادق رہنے کی کوشش کرتے ارادے کے پختہ تھے۔ جب کسی بات کا تہیہ کر لیتے اُسے پورا کر کے چھوڑتے۔ ان کی ہمت کا تو کوئی جواب ہی نہ تھا۔ جسمانی اور دماغی دونوں تکالیف کی برداشت کا مادہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ ان کے متعلق ایک واقعہ کا ذکر لازمی ہے۔ اس سے پیشتر کہ ان کی منصف مزاجی

کے متعدد واقعات میں سے چند یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان کے پاؤں میں ایک بار کچھ تکلیف تھی جس کی وجہ سے جراح نے اتنا حصہ گوشت کے جلانے کی تجویز پیش کی۔ اُنہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ اتفاق سے جس وقت جراح گوشت جلانے کے لئے ان کے پاس پہنچا تو وہ ایک مجلس شوریٰ منعقد کئے ہوئے کسی مسئلہ پر بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔ جراح نے اپنا کام شروع کر دیا اُنھوں نے اپنے چہرے پر اتنا اثر بھی تو نہ آنے دیا کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کو یہ علم ہوتا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ داغا جا رہا ہے۔ جب گوشت کے جلنے کی بُو آئی تو لوگوں کو پتہ چلا کہ کیا فعل عمل میں آ رہا ہے۔ اس سے ان کی قوت برداشت حزم اور استقلال ظاہر ہوتا ہے۔

جس وقت اُنہوں نے مصحفی کے بیٹے محمد کی جگہ پر شہر قرطبہ کے حاکم ہوئے تو اپنے چھوٹے بیٹے جس نے کسی غریب یہودی کے بیٹے کو بید سے مارا تھا۔ اتنا بید سے پٹوایا کہ وہ مر گیا۔ اس سے زیادہ بڑی اور مضبوط مثال ان کی انصاف پسندی کی کیا ہو سکتی ہے مگر چند مشہور واقعات کا ذکر اس وجہ سے لازمی ہے کہ ان کی اس سرشت پر پوری روشنی پڑ سکے۔

ابن حبان سے روایت ہے کہ مشرقی ممالک میں سے عدن کا رہنے والا ایک جوہری بہت سے جواہرات لے اندلس آیا۔ اس کے پاس ایک سُرخ رنگ کی تھیلی تھی جس میں یاقوت بھرے تھے اس نے وہ جواہرات وغیرہ منصور کو دکھلائے اس نے عمدہ عمدہ بہت سے خرید لئے۔ باقی واپس کر دیئے۔ وہ خوش خوش اُندلس سے واپسی کا ارادہ کر رہا تھا۔ ابھی قرطبہ سے زیادہ دور نہ گیا تھا کہ گرمی نے ستایا۔ نہانے کے ارادے سے اس نے تھیلی کو کپڑوں کے ساتھ کنارے پر رکھ کر دریا میں نہانے کی غرض سے کود پڑا۔ اس دوران میں ایک چیل آئی اور وہ تھیلی چونچ میں دبا کر اُڑ گئی۔ تاجر پر تو ایک قیامت ہی ٹوٹ پڑی۔ اتنا زیادہ نقصان وہ بھلا کہاں برداشت کر سکتا تھا۔ رونے پیٹنے لگا۔ لوگ جمع ہو گئے۔ اس کو تسلی دی اور کہا کہ منصور کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرو۔ سوداگر نے جواب دیا کہ اگر کوئی چور چرا کر لے جاتا تو بات دوسری تھی۔ پرندوں کے معاملہ میں منصور بیچارہ کیا مدد کر پائے گا۔ لوگوں نے پھر بھی اس کو اس کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ دہائی دیتا۔ زار و قطار روتا وہ منصور کے حضور پہنچا اور سارا معاملہ گوش گزار کیا۔ منصور نے اس کو تسلی دی اور کہا کہ دیکھو کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے تیرا مال واپس دلاتا ہوں۔ اس سے پوچھا کہ وہ جانور کس سمت اُڑ کر گیا تھا۔ یہ معلوم کر کے اس نے پولیس کے اس اطراف کے لوگوں کو بلوایا اور اُن سے دریافت کیا کہ تمہارے علم میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے

Marfat.com

جس کی حالت دو ایک دن میں ہی بہتر ہو گئی ہو۔ ان لوگوں نے جواب دیا اور تو کوئی ایسا آدمی نظر نہیں آتا ہے۔ مگر ایک مزدور ضرور ہے۔ جو اپنا پیٹ مزدوری کر کے پالتا تھا۔ ابھی اس نے اپنے اور اپنے بچوں کے لئے نئے کپڑے بھی بنوائے ہیں اور باربرداری کے لئے ایک خچر بھی خریدا ہے۔ اتنی معلومات کافی تھی۔ فوراً اُسے بلوایا گیا۔ معمولی دریافت پر ہی اُس نے قبول کیا کہ یہ دولت اُسے کیوں کر ملی تھی۔ اور پاجامے سے وہ تھیلی نکال کر سامنے رکھ دی اور کہا کہ دس مثقال سونے کے برابر اس میں سے نکالا ہے۔ باقی ویسا کا ویسا ہی محفوظ ہے۔ منصور نے اس سوداگر سے کہا کہ تھیلی کھول کر دیکھو اور بتلاؤ کہ جو کچھ کہہ رہے وہ صحیح ہے کہ نہیں۔ اس نے دیکھ بھال کر کہا کہ ساری چیزیں بدستور موجود ہیں۔ صرف اسی قدر کم ہے۔ جتنا کہ اس کے استعمال میں آیا اور اُسے معاف کیا۔ منصور نے کہا کہ معاف کرنے والے ہم ہیں۔ پھر دس دینار تو تاجر کو اس کے عیوض دیئے جو اس تھیلی میں سے کم ہو گئے تھے۔ اور دس دینار اس مزدور کو دیئے اور کہا کہ اگر یہ تھیلی سیدھے ہی اگر ہمارے پاس لے آتا تو ہم اسے مالا مال کر دیتے۔ تاجر نے خوش ہو کر ہزاروں دعائیں دیں اور کہا کہ خدا کی قسم منصور ایک واحد بادشاہ ہے جس کا حکم انسانوں کے ماسوا چرند و پرند اور حیوانوں پر بھی چلتا ہے۔ میں اس بات کو چار دانگ عالم میں مشہور کر دوں گا۔ منصور یہ سنکر بہت ہنسے اور کہا جاؤ خدا تمہارے گناہوں کو معاف کرے۔

کتاب الازہار المنثورہ فی الاخبار الماثورہ میں درج ہے کہ کسی موقع پر منصور اپنی فوج کے معائنہ کے لئے ایک میدان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے ہی سے وہاں بہت سے لوگ اس کی وجہ سے جمع ہو گئے تھے۔ اتنے میں ایک بربری سردار جس کا نام وان زمار ابن ابوبکر بربری تھا اور جو ملک مغرب کی فوج کا بڑا افسر تھا۔ وہاں پہونچا اور کچھ اس انداز سے منصور سے مخاطب ہوا کہ سنجیدہ سے سنجیدہ آدمی بھی ہنس پڑے۔ کہنے لگا حضور نہ آپ کے پاس رہنے کو گھر ہے نہ میرے پاس۔ خصوصاً میں تو بالکل آسمان کے نیچے کھڑا ہوں۔ منصور نے دریافت کیا یہ کیونکر؟ تمہارے پاس تو بہت ہی لمبا چوڑا مکان تھا۔ کہاں گیا۔ اس نے جواب دیا۔ حضور اس میں سے مجھے آپ کی عطا کردہ نعمتوں کی وجہ سے نکلنا پڑا۔ وہ اتنی زیادہ ہو گئیں میرے پاس کہ وہ مکان اُن سے بھر گیا۔ اور مجھے اس میں سے نکلنا پڑا۔ اب پھر وہی تنگدست اور کھوکھلا ہوں۔ منصور کی ہنسی [illegible] اور کہا خدا تمہیں جزا دے۔ تمہیں اعلیٰ درجہ کا خطیب تو نہیں کہہ سکتا مگر تمہاری باتیں [illegible] کی

Marfat.com

تقریروں سے زیادہ بلیغ اور فصیح ہیں۔ تم تو شکر نعمت میں ہم سے بڑھ گئے۔ یہ بلاغت انسان کو دھوکے میں ڈالنے والی ہے۔ پھر اور لوگ جو پاس کھڑے تھے ان سے کہا کہ دیکھو ادائے شکریہ کا یہ طریقہ اس بربری سے سیکھو۔ جسے تم اندلس والے جاہل کہتے ہو کہ اس میں حسن طلب بھی شامل ہے۔ شیریں بیانی میں وہ تم سے بھی بڑھ گیا۔ جو کچھ اسے میری جانب سے حاصل ہوا اُسے بھی بھولا نہیں ہے۔ تمہاری طرح سے نہیں کہ انعامات بھی پاؤ اور پھر شکر نعمت کے بجائے حجت کرو۔ اس کے بعد اس بربری کو ایک عالیشان مکان سکونت کے لئے دیا اس سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ منصور کس قدر اپنے امراء اور افسروں پر مہربان رہتا تھا اور ان کی بھلائی اور بہتری کے لئے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھتا تھا۔

ایک بار وہ محل کے اندر تشریف فرما تھے۔ ایک صقلبی غلام ان کی پشت پر ڈھال لئے حفاظت کے واسطے کھڑا تھا کہ ایک شخص نے آکر وہاں بے تحاشہ چیخنا شروع کیا۔ منصور نے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا کہ جو غلام آپ کی پشت پر کھڑا ہے۔ اس کو میں نے حاکم کے پاس انصاف کے لئے لے جانا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوا اور مجھے دھتکار دیا۔ اس سے لڑائی کی بنا پوچھی گئی تو جواب دیا کہ ایک لونڈی ہم دونوں کی شراکت میں تھی۔ یہ آپ کا باڈی گارڈ میرے حصہ کا کام اُسے نہیں کرنے دیتا ہے۔ جب حاکم کے پاس لے جانا چاہتا ہوں تو وہاں بھی نہیں جاتا ہے۔ منصور نے کہا کہ ان ملازموں نے مجھے سخت عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ میرے ملازم ہونے کی وجہ سے یہ اپنے آپ کو انصاف اور قانون سے بلند سمجھتے ہیں اور من مانی کیا کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر کڑوے تیوروں سے اس غلام کی طرف دیکھا وہ کانپ ہی تو گیا۔ اس سے کہا کہ یہ ڈھال دوسرے آدمی کو دیدو جب تک تمہارے معاملہ کا تصفیہ نہ ہو جائے میری ملازمت سے علیحدہ سمجھو تمہارا کام دوسرا آدمی کیا کرے گا۔ پھر پولیس والوں کو بلا کر حکم دیا کہ اُسے حاکم کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہہ دو کہ میری وجہ سے اس کے ساتھ کوئی نرمی نہ برتے کہ انصاف پر داغ آئے۔ اگر وہ مجرم قرار پائے تو اسے ایسی سزا دے کہ یہ بھی یاد رکھے۔ تعمیل حکم ہوئی۔ اس فریادی نے بہت شکریہ ادا کیا۔ اور اس کی منصف مزاجی کی بے حد تعریف کی۔

منصور کے خدمتگاروں میں ایک اور شخص یورنی نامی تھا۔ جو صاحب عہدہ بھی تھا اور حقیقت بھی محلسرا کے اکثر کام بھی وہی کیا کرتا تھا کسی تاجر سے سودا سلف خریدنے کی وجہ سے اس

Marfat.com

جھگڑا ہو گیا۔ معاملہ عدالت تک پہونچا۔ جب حلف اٹھانے کی نوبت آئی تو مجسٹریٹ نے پورفی منصور کا خاص ملازم سمجھتے ہوئے اس سے حلف نہیں اٹھوایا۔ اس تاجر نے منصور کو جب وہ جامع مسجد جا رہے تھے تو دہائی دی۔ معاملہ کی نوعیت سمجھ کر فوراً اس خدمت گزار کو اس حاکم کے پاس بھیج دیا۔ اپنی ملازمت سے علیحدہ کر دیا اور حاکم کی بھی سرزنش کی۔

ایک شخص اور محمد نامی جو منصور کی فصد کھولا کرتا تھا اور عمل جراحی سے بھی واقف تھا۔ اسے ایک دن انہوں نے فصد کھولنے کے لئے بلوا بھیجا۔ پتہ چلا کہ اس نے اپنی بیوی سے بدسلوکی کی تھی۔ اس لئے قاضی محمد بن روب نے اسے قید کر دیا ہے۔ منصور نے اس کو اپنے پہریداروں کی نگرانی میں اپنے پاس بلوا بھیجا اور یہ ضمانت دی کہ فصد کھلواتے ہی اسے واپس جیلخانے بھیج دیا جائے گا۔ وہ فصاد جب اپنا کام کر رہا تھا تو اس نے قاضی کی غیبت کرنا بھی شروع کر دی۔ منصور نے اس کو فوراً منع کر دیا۔ اور کہا کہ آخر وہ قاضی ہے۔ چاہے تو مجھے بھی سزا دے سکتا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ تم جا کر اس کے سامنے اصلیت ظاہر کر دو اور پھر معافی کے خواستگار ہو۔ محمد بے حد نادم ہوا۔ قاضی سے ماجرا کہہ سنایا۔ انہوں نے میاں بیوی میں مصالحت کرا دی۔ اپنے انصاف اور احکام میں اور بھی زیادہ سختی برتنے لگے۔

ان کی فیاضی اور عدل و انصاف کی داستانیں اس قدر موجود ہیں کہ ان کی علیحدہ ایک کتاب تصنیف ہو سکتی ہے۔ دن رات ان کو رعایا کی بہبودی اور آرام کا خیال رہتا تھا وہ خود رات رات بھر شہر کا گشت لگا کر سب کے حالات سے پوری طرح واقفیت حاصل کرتے سب کا دکھ درد سنتے ان کی دادرسی کرتے اور اس نوع کے کاموں میں اپنے تن من کا بھی ہوش نہ رہتا۔ ایک بار ان کے ایک ملازم شعلہ نے کہا کہ حضور کا آرام کرنا تو اب بالکل مفقود ہو گیا مستقل جاگنے سے آپ کی صحت پر برا اثر پڑے گا۔ منصور نے جواب دیا اے شعلہ جب بادشاہ سوتا ہے تو چور اچکے لٹیرے اور جرائم پیشہ جاگ اٹھتے ہیں۔ لہذا لازم ہے بادشاہ پر کہ جب رعیت سو جائے تو وہ ان کی نگہبانی کے لئے خود اپنا سونا حرام کر لے۔

اگر انہیں بھولے سے بھی کبھی یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ انہوں نے کسی کے ساتھ بے انصافی یا بے مروتانہ سلوک کیا ہے تو وہ سخت پشیمان ہوتے اور جب تک اس کی تلافی نہ کر لیتے چین نہ لیتے۔ ایک دن ان کے سامنے ان خاص خاص قیدیوں کے ناموں کی فہرست پیش ہوئی جن کی رہائی منظور تھی۔ اتفاق سے اس میں ایک نوکر کا نام بھی شامل تھا جس پر وہ سخت

Marfat.com

ناراض تھے اور اسی وجہ سے وہ قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا تھا منصور نے اس کا نام دیکھ
ہی حاشیہ پر لکھ دیا اس کی رہائی اُس وقت ممکن نہیں جب تک یہ جہنم واصل نہ ہو جائے جب
اس شخص کو معلوم ہوا تو اس نے خدا کی بارگاہ میں دعا کی منصور نے رات کو سونا چاہا تو ان کو
نہ آئی اور ایک ڈراؤنی صورت اُن کے سامنے گردش کرتی نظر آنے لگی۔ انہوں نے ہر چند چاہا
کہ وہ مہیب صورت ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جائے مگر ایسا نہ ہوا۔ بلکہ مستقل
صورت اس شخص کو رہا کر دینے کے لئے کہتی ہے۔ ورنہ ان کو قید کی دھمکی دیتی ہے۔ ان کو
ہو گیا کہ اس کی رہائی قدرت کو منظور ہے۔ صبح اُٹھتے ہی انہوں نے بستر پر سے یہ حکم لکھ دیا
بعض کہتے ہیں کہ رات ہی کو قلمدان منگا کر بستر پر یہ حکم لکھا کہ "یہ شخص ابن عامر کی مرضی کے خلاف
خدا کا رہا کردہ ہے"۔ اس بات کا چرچا عرصہ تک ملک میں رہا منصور اپنی جگہ پر بہت نادم
رہے۔ خدا سے توبہ استغفار کرتے رہے۔

کسی اور موقع کا ذکر مورخین نے اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ مدینۃ الزہرا وہ شہر کہ جو
اُنہوں نے تعمیر کرایا تھا اس کے ایک پُرفضا باغ میں اپنے وزیر ابو مغیرہ ابن حزم کے ساتھ
ولعب میں غرق تھے۔ ایک خوبصورت کنیز سامنے ترنم ریز اور نغمہ بار تھی اس مغنیہ سے منصور کو
عشق تھا مگر وہ ابن حزم پر جان دیتی تھی اس مغنیہ سے منصور کو عشق تھا مگر وہ ابن حزم
جان دیتی تھی۔ چنانچہ اس نے اس وقت بھی جو اشعار نغمہ کے لئے گائے اُن کا مفہوم
یہ تھا کہ لوگو میں ایسے شخص سے محبت کرتی ہوں جو خود مجھ سے دور رہنا چاہتا ہے۔ گو
مجھ سے قریب ہے۔ اے کاش میں اس سے ہم آغوش ہو جاتی۔ اور وہ مجھے اپنے
سینہ سے لگا لیتا۔

جب یہ اشعار ابن حزم نے سنے تو جواب میں یہ اشعار گنگنانا شروع کئے۔ جن کا مطلب
تھا کہ میں اس حسین و جمیل عورت تک کیونکر پہنچ سکتا ہوں جس کے اردگرد تلواریں اور
برچھیاں تنی ہوئی ہیں۔ اگر میرے دل کو یہ یقین ہوتا کہ تیری محبت میرے ساتھ سچی ہے
ہے تو اپنی جان تک تیری خاطر دیدیتا۔ جو شریف دل منزل مقصود حاصل کرنا چاہتا
ہے کوئی بھی خطرہ اس کے قدم نہیں ڈگمگا سکتا۔

منصور نے جو یہ اشعار دونوں کی زبان سے سنے تو سخت پیچ و تاب میں مبتلا ہوا۔
تلوار میان سے کھینچ لی۔ اس کنیز سے دریافت کیا کہ کیا ان اشعار میں تیری مراد ابو مغیرہ

Marfat.com

کی تھی۔ اس نے جواب دیا کہ شاید جھوٹ میری جان بچالے مگر میں جھوٹ نہ بولوں گی۔ میں قبضے میں حضور کے ہوں مگر دل اسی پر فدا کر چکی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ زار وقطار رونے لگی۔ پھر منصور نے مغیرہ کو بُرا بھلا کہا تو اس نے بھی یہ جواب دیا کہ میرے مالک میں اس قصور کی معافی چاہتا ہوں اور اقبال کرتا ہوں کہ یہ عظیم خطا مجھ سے سرزد ہوئی۔ لیکن میں کر بھی کیا سکتا ہوں۔ انسان تدبیر کے آگے لاچار ہے۔ منصور نے اس کا بھی قصور معاف کیا اور اسی دن وہ کنیز ابومغیرہ کے حوالے کر دی۔ اس کا یہ انصاف ضرب المثل ہوگیا۔ اور ابومغیرہ نے اس کو ہزار ہزار دعائیں دیں۔

جس موقع پر فقہاء اور علماء نے شرارت پر کمر باندھ لی تھی اور سازش پر سازش کئے جا رہے تھے اور ان کو خوش کرنے کے لئے منصور نے بہت سی کتابیں جلوا دی تھیں اور بہت سے فلسفیوں کو کڑی سزائیں دی تھیں۔ انہیں فلسفیوں اور بہت ہی تعلیم یافتہ شخصوں میں قاسم ابن محمد سنبوسی تھے۔ جن کے ساتھ اور بھی بہت سے عالم اور فلاسفر ملحد قرار دیئے جانے کے باعث گرفتار ہوئے تھے۔ لوگوں کو عام اجازت تھی کہ سنبوسی کے خلاف شہادتیں دیں۔ ہر جمعہ کو یہ لوگ جامع مسجد کے دروازے پر بٹھا دیئے جاتے تھے۔ اور لوگوں سے کہا جاتا تھا کہ جس کسی کو بھی ان کی بابت کچھ علم ہو اور ان کے عقائد سے واقفیت ہو وہ شہادت دے سکتا ہے۔ اس طرح سے شہادتیں جمع کر کے قاضی نے ان کو موت کی سزا تجویز کر دی۔ جس دن فیصلہ سُنایا جانے والا تھا۔ ایک دوسرے بڑے فقیہ ابن المقوا بھی عدالت میں پہنچے اور ابن سنبوسی کی موافقت میں ایک لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی۔ صدر مجلس قاضی ابن السری برابر ابن المقوا کی مخالفت کرتے رہے اور مستقل سنبوسی کی جان لینے پر آمادہ نظر آتے رہے مگر اراکینِ عدالت پر اس تقریر کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ سنبوسی بری کر دیئے گئے۔ منصور قاضی ابن السری کے اس سخت رویے پر بہت دل برداشتہ ہوئے اور کہا کہ مذہب کی حفاظت ہمارا فرض ہے مگر قاضی ابن السری نے سنبوسی جیسے سچے اور اچھے مسلمان کے پیچھے پڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ خود ظالم شخص ہیں اور اس قابل نہیں ہیں کہ آیندہ زندہ رہنے دیئے جائیں۔ جیسے ہی قاضی مذکور سے کوئی غلطی سرزد ہوئی انہیں قید خانے بھیج دیا گیا۔ یہ بڑی تنبیہ قاضی جیسے شخص کے لئے۔ انہوں نے رہا ہو کر اس سخت گیر پالیسی پر عمل کرنا یقینی چھوڑ دیا ہوگا۔

Marfat.com

کسی معمولی سے معمولی آدمی اور رعیت کے مفلوک الحال انسان سے باخبر رہتے تھے۔ اور نہیں چاہتے تھے کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو دکھ پہنچے۔ ایک مرتبہ ایک ایلچی غرسیہ شاہ نبرہ کے پاس گیا۔ اس سے ملنے کے بعد پوری ریاست کا دورہ کیا۔ اتفاق سے کسی گرجا میں ایک مسلمان بڑھیا ملی۔ جو قید تھی وہاں لونڈی کی طرح سے رہتی تھی۔ اس بڑھیا نے اس سے رو رو کر اپنا حال بیان کیا۔ اور قسمیں دیں کہ وہ جاتے ہی سارا واقعہ منصور سے بیان کر دے گا وہ یقیناً اس کی رہائی کے لئے کوئی سبیل نکالے گا۔ وہ ایلچی جب واپس قرطبہ پہونچا تو منصور نے سفر کے حالات دریافت کئے۔ اس نے وہ بڑھیا والا قصہ بھی بتلا دیا۔ منصور نے فوراً نبرہ پر چڑھائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ غرسیہ کو جب معلوم ہوا تو وہ بہت فکرمند ہوا کہ آخر منصور کی اس بے موقع فوجکشی کا کیا مطلب ہے۔ خصوصاً جبکہ دونوں ریاستوں میں صلح ہے۔ اس نے کہلا بھیجا کہ حضور کس وجہ سے ناراض ہیں۔ مجھ سے ایسی کیا خطا سرزد ہوئی ہے۔ جو آپ اتنا بڑا قدم اُٹھانے پر آمادہ ہوگئے ہیں۔ منصور نے قاصدوں کو جواب دیا کہ کیا غرسیہ نے اس بات کی قسم نہیں کھائی کہ اس کی پوری ریاست میں کوئی مسلمان مرد عورت قید نہ رہے گا۔ یہ قسم اس نے جھوٹی کھائی تھی۔ کیونکہ فلاں مقام پر جو گرجا ہے اس میں ایک مسلمان عورت قید ہے۔ جب تک اُسے آزاد نہ کرا لوں گا چین نہ لوں گا۔ غرسیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ اُسے معلوم نہ تھا کہ اس مقام پر کوئی بڑھیا کنیز کی حیثیت سے رہتی ہے۔ اسے فوراً رہا کرا کے آپ کے پاس روانہ کرتا ہوں۔ اور گرجا کو بھی مسمار کرائے دیتا ہوں۔ جب یہ کیفیت ہو منصور کے مزاج کی تو بھلا رعایا کو کوئی تکلیف کیسے پہنچ سکتی تھی۔

جہاں تک مطمح کا تعلق ہے نہایت مستند کتاب ہے اور اس دور کی ایک ایسی تاریخ ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ منصور مستقل مزاج ہونے کے ساتھ انصاف کے بھی دالہ و شیدا تھے۔ عقل و فہم تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر چند کہ تاجِ خلافت اُنہوں نے اپنے سر پر نہیں رکھا مگر اتنے شاندار طریقہ سے حکومت کی کہ بڑے سے بڑے فرمانروا ان کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں۔ سعادت میں وہ خدائے تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ رفعت و قدر اور وسعتِ صدر میں وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے منحوسیت ان کی سعادتوں کی وجہ سے بالکل مٹ گئی۔ تدبیر خلافت اور سیاست مملکت میں اُنہوں نے ایسا کمال دکھایا کہ لوگ متحیر ہو گئے۔ چور اچکوں کا خاتمہ کر دیا۔ جرائم پیشہ کا قلع قمع۔

Marfat.com

ہر جگہ امن اور عافیت کا دور دورہ کر دیا۔ بیس برس سے زیادہ بہت ہی آن بان سے حکومت کی۔ جو اطمینان اور سکون اس زمانہ میں حاصل تھا کم زمانوں میں رہا ہوگا۔ اسی لئے اُن کا عہد جو بہترین عہد میں شمار ہوتا ہے۔ ان کی دھاک دشمنوں کے دل پر بھی تھی۔ ان کے انصاف میں امیر و غریب سب برابر تھے۔ قانون سب کے لئے یکساں تھا۔ بے اعتدالی۔ بے انصافی اور بد انتظامی کو کہیں جگہ نہ تھی۔ دشمن نے جہاں سر اُٹھایا ذلیل و خوار ہوا۔ جس نے ان کو زک پہونچانے کی کوشش کی اس کو خود زک اُٹھانا پڑی۔ جس نے شورش بپا کرنا چاہی اس کا سر کچل دیا گیا۔ جس نے لاقانونیت بگھارنا چاہی اسے قانون کے شکنجہ میں کس دیا گیا۔ جس نے عوام الناس کے حقوق پامال کرنا چاہے خود اس کے حقوق چھین لئے گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس نے اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے حدود سے بھی تجاوز کیا۔ کچھ غیر دیانتدارانہ طریقو ں کو بھی استعمال کیا۔ مصحفی کو صقالیہ کا زور ختم کرنے کے لئے آلہ بنایا۔ پھر غالب کو مصحفی کے خلاف بھڑکایا۔ جب اس کا جادو ٹوٹ گیا تو غالب کے خلاف بربریوں کو تقویت دی۔ غرض ایک دوسرے کے خلاف کسی دوسرے کو اپنا حربہ بنایا۔ لیکن اس نے یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ وہ خود کسی شاہی خاندان سے تعلق نہ رکھتا تھا۔ جو خود بخود موروثی حیثیت سے اقتدار اور اختیارات اس کو حاصل ہو جائیں بلکہ اسے تو وزارت کے عہدے تک پہونچنے کے لئے باقاعدہ رسہ کشی کرنا پڑی۔ اور پھر اپنے حقوق مستحکم کرنے کے لئے ہر داؤں کو آزمانا پڑا۔ ورنہ خود اس کو وہ ٹھوکر پڑتی کہ کبھی سر نہ اُٹھا سکتا۔

جذبۂ جہاد منصور کی قسمت کا ستارہ شروع ہی سے عروج پر تھا وہ تقدیر کے نہ صرف سکندر تھے۔ بلکہ قوت و حشمت میں بھی اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔ لڑائیاں لڑنا ایک طرح سے ان کا تفریحی مشغلہ بن گیا تھا۔ انہوں نے اپنے بیس سالہ دور حکومت میں کم و بیش پچاس لڑائیاں اور کسی میں شکست کا مُنہ نہ دیکھا۔ اکثر اوقات یہ ہوتا تھا کہ وہ ایک غزوے سے واپس آکر اطمینان کا سانس بھی نہ لے پائے تھے کہ دوسرے کی تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں۔ سال میں دو دو بار معرکہ آرائیاں معمولی سی بات بن گئی تھی۔ آرام و آسائش کی تو انہیں پرواہ ہی نہ ہوتی تھی۔ ایک محاذ سے واپس آکر کمر کھول نہ پاتے تھے کہ دوسرے کے لئے کمر باندھنے لگتے تھے۔ جنگ و جدل سے تھکنا جانتے ہی نہ تھے۔ فوجی قواعد اور ضابطہ میں بھی ہر ممکن سخت گیری کو داخل نہ رکھتے تھے۔ کہ ان کی بے راہ روی اور

Marfat.com

لاپرواہی ساری سلطنت کا تختہ اُلٹ سکتی ہے۔ افسران سے گھلا ملا رہنا بھی چاہتے تھے اور اُن پر اپنا رعب بھی قائم رکھتے۔ کیا مجال تھی کہ جب فوج اُن کے سامنے سے گزر رہی ہو تو کسی کے مُنہ سے چوں تک نکل جائے۔ ایک مؤرخ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ سپاہی تو سپاہی گھوڑے بھی ان کے سامنے آکر ہنہنانا بھول جاتے تھے۔ یہ اسی منظم فوج کا فیض تھا کہ دور دور تک ان کی دھاک بیٹھی تھی۔ دشمن ان کا نام سن کر ہی کانپنے لگتے تھے۔ عیسائیوں کی تو رُوح فنا ہوتی تھی۔ یہ خوف اُن پر اس حد تک طاری تھا کہ ایک مرتبہ عیسائیوں کے شہر کی ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی اس شہر کو جب منصور کی فوجوں نے فتح کرلیا تو اس پہاڑی پر علمبردار نے مسلمانوں کا جھنڈا نصب کر دیا۔ جب ان کی فوج وہاں سے واپس چلی گئی تو بہت عرصہ تک وہ جھنڈا وہاں یونہی لہراتا رہا اور کسی عیسائی کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اس کو جاکر اُتار دیتا یا اتنا ہی معلوم کرلیتا کہ وہاں اب کوئی مسلمان متنفس موجود ہے بھی کہ نہیں۔

ایک دوسرے غزوے کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ ایک بار ان کی فوج کو سرحدی ریاستوں پر حملہ کرنے کی غرض سے ایک تنگ درے سے ہوکر گزرنا پڑا۔ جس کے دونوں جانب بلند پہاڑ تھے۔ رَو میں لوٹ مار کرتی عیسائیوں کو قیدی بناتی ان کی فوج بہت آگے نکل گئی۔ کسی والیِ ریاست کو اتنی ہمت نہ ہوسکی کہ ان کا راستہ روکتا یا مزاحمت و مقاومت کرتا۔ جب دائیں بائیں اُنہوں نے متعدد بستیوں کو خاکستر کر دیا۔ بہت سے مقامات کو فتح کرلیا۔ تو پھر واپس لوٹے۔ اس عرصے میں عیسائیوں نے یہ شرارت کر ڈالی کہ دہانہ کے مُنہ پر فوجوں کو تعینات کرکے ان کی واپسی کا راستہ بند کر دیا۔ سردی کا موسم شروع ہوچکا تھا۔ اس وقت ان لوگوں سے مقابلہ کرنا یا راستہ صاف کرنا ممکن نہ تھا۔ وہ پیچھے لوٹ آئے اور انہیں کی بستی میں ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ خیمہ نصب کرکے چھاؤنی بنا کے فوجیں اُتار دیں۔ مکانوں کی بنیادیں ڈال کر نئی بستی کی تعمیر شروع کر دی۔ عارضی طور پر بہت سی جھونپڑیاں بھی فوجیوں کے لئے بنا ڈالیں۔ سپاہیوں کو حکم دیا کہ تیغ و شمشیر رکھ کر ہل اور ہنسیا اُٹھالیں اور کھیتی باڑی شروع کر دیں جتنے عیسائی قیدی تھے۔ ان کی گردنیں مار کر اس درّے کے سامنے لاشوں کا ایک انبار اس طرح سے لگا دیا کہ مستقل ایک دیوار بن گئی عیسائیوں کی بھی آمدورفت کا سلسلہ بند ہوگیا۔ سواروں کو حکم دیا کہ گھوڑوں کے لئے چارہ بھی لائیں اور دوسرے لوگوں کے لئے کھانے پینے کا سامان بھی۔ وہ لوگ نکل کھڑے ہوئے اور بستی

Marfat.com

بستی قریہ قریہ لوٹ مچادی۔ جو مقابلہ پر آیا اسے موت کی نیند سُنا دیا۔ مال واسباب جو کچھ نظر آیا لُوٹ لیا۔ تیار فصلوں اور باغوں پر اپنا قبضہ کرلیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف ویرانی برسنے لگی۔ ہر سمت سنّاٹا چھا گیا۔ اب تو عیسائیوں کے ہوش ٹھکانے آئے۔ مسلمانوں کا یہ ارادہ دیکھ کر کہ انہوں نے آبادی قائم کر کے مستقل وہیں رہنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ وہ اور بھی گھبرائے مجبوراً بہ ہزار منّت وسماجت صلح کا پیغام بھیجا اور یہ شرط پیش کی کہ مسلم فوج کو نکل جانے کی اجازت ہے مگر وہ عیسائی قیدیوں کو اپنے ساتھ نہ لے جاسکیں گے۔ اور مال غنیمت بھی واپس کرنا پڑے گا۔ منصور نے صلح ہی سے انکار کردیا۔ اور کہلا بھیجا کہ ہمارے سپاہی تو اب اسی سرزمین کو اپنا وطن بنا لینا چاہتے ہیں۔ یہ جواب سُنا تو عیسائیوں کی سٹّی بالکل ہی گم ہوگئی۔ رسل ورسائل جاری رکھے۔ مستقل ان کی واپسی کے لئے خوشامد کرنے لگے۔ منصور نے کہلا دیا کہ اب تو دوسری مہم کا آغاز کرنے کا وقت آگیا ہے۔ تھوڑے عرصے کے لئے جانے سے فائدہ خواہ مخواہ اس آنے جانے کی تکلیف میں مبتلا کون ہو۔ دشمن کے جھکتے ہی تو چھوٹ گئے بڑی خوشامد درآمد کے بعد اس بات پر راضی کیا کہ جو مالِ غنیمت لُوٹ مار میں حاصل ہوا ہے اسے بھی لے جائیں۔ قیدیوں کو بھی ساتھ رکھیں۔ ان چیزوں کے لے جانے کے لئے بار برداری کے جانور عیسائی ہی مہیا کریں گے۔ اور مقتولوں کی سڑی ہوئی لاشوں سے جو راستہ رُک گیا ہے اس کو بھی صاف کریں گے۔ ساری لاشوں کے ڈھیر کو وہاں سے ہٹائیں گے۔ یہ ایک ایسی مثال ہے کہ کسی دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔ دشمنوں پر اتنی ہیبت اور رعب شاید ہی کسی دوسرے فاتح کا رہا ہو۔

ایک مرتبہ وہ ایک جنگ سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں ایک عورت نے ان کا راستہ کھوٹا کیا اور ان سے اپنی بات منوانے پر مصر ہوئی۔ منصور رُک گئے اور اس کی داستان سننے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ وہ کہنے لگی کہ خود تو تلف زندگی اٹھاتے رہتے ہو اور رعایا کی پریشانی کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے منصور سخت پریشان ہوئے کہ اس بڑھیا پر ایسی کیا افتاد ناگہانی ٹوٹ پڑی جو ایسی باتیں بناتی ہے۔ اس سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا جوان بیٹا عیسائیوں کی قید میں ہے اور یہ اس کے فراق میں تڑپ رہی ہے۔ منصور اسی وقت پھر عیسائیوں پر حملہ آور ہونے کے لئے تیار ہوگئے۔ اور جس مقام پر بڑھیا نے اپنے بیٹے کو قید بتایا وہاں حملہ کردیا۔ اور عیسائیوں کو ان کی اس کمینی حرکت کا مزا چکھا کر نہ صرف اس

Marfat.com

بڑھیا کے لڑکے کو آزاد کرایا بلکہ اور مسلمان قیدیوں کو بھی رہائی دلوائی اور ان کے قید کرنے والوں کو سخت سزائیں دیں۔

یہ فخر بھی منصور کو حاصل تھا کہ اُن کی فوج کا بیشتر حصہ انہیں کے قید کردہ لوگوں پر مشتمل تھا یہ بھی ایک بڑا اعزاز تھا جو انہیں کو حاصل تھا۔ دُنیاوی اور دینی متاخرین میں وہ سب سے بڑھ کر غیر مسلموں کے ساتھ جہاد کرنے کو ہی اچھا سمجھتے تھے اور خود شریک ہو کر اپنی ذات کو ہر نگاہ میں باعث افتخار بناتے تھے۔ جب کسی جنگ میں شامل ہوتے تھے تو جو گرد ان کے جسم پر اس جہاد کے دوران میں پڑ جاتی تھی اسے ایک ملازم جھاڑ کر رومال میں جمع کر لیتا تھا۔ جو اچھا خاصہ وزن دار ہو گیا تھا۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی فوج اور گھوڑوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو گئی تھی کہ شہر کے اندر ان کا قیام ممکن نہ تھا۔ لہٰذا باہر الگ ایک چھاؤنی بنائی گئی اور گھوڑوں کے لئے متعدد اصطبل اور ان کے لئے دانہ وغیرہ یہ خود لواتے تھے اور ان کی خوراک کا معقول انتظام تھا۔ جب کسی جنگ سے واپس آتے تھے۔ تو داروغہ اصطبل کو بلا کر دریافت کرتے تھے کہ کتنے مر گئے۔ ان کے دانے گھاس میں تو کوئی کوتاہی نہیں ہوئی۔ جب شاہانِ نصاریٰ پر فتح حاصل کر کے وہ دار الخلافہ واپس لوٹے تو اس شان و شوکت اور تزک و احتشام سے کہ چشم بینا نے نہ پہلے کبھی دیکھا نہ دیکھنے کی اُمید منصور کے کاتب اور وزیر ابو مروان عبدالملک بن ادریس الخولانی نے اس کا حال مفصّل لکھا ہے۔ ہم طوالت کے خوف سے حذف کرتے ہیں۔ ابو مروان کے متعلق صاحب مطمح کا قول ہے کہ ہمیشہ صحیح البیانی سے کام لیتے تھے۔ نہایت دانا و فہمیدہ وزیروں میں سے تھے۔ عبارت سلامت اور فصاحت سے بولتے تھے خود شاعر تھے اور نثار بھی۔ دار الترجمہ اور دار الانشاء انہیں کے سپرد تھا۔ منصور کے بیٹے عبدالملک تک یہ اعزاز ان کو حاصل رہا۔ اسی کا یہ قول ہے کہ دشمن تو منصور سے مارے ڈر کے تھر تھراتے رہتے تھے۔ مگر فوجی اس پر جان فدا کرتے تھے اور اسے بالمثل اپنے باپ کے سمجھتے تھے۔ ان کی وجہ سے فوجی کسی مصیبت کو تو مصیبت سمجھتے ہی نہ تھے۔ خطروں سے کھیلنا معمولی بات جانتے تھے۔ ایک موقع پر جب رومیوں کے خلاف ان کی فوج کو شکست ہونے لگی تو اس نے گھبرا کر اپنی پیشانی زمین پر رگڑنا شروع کی۔ یہ عالم دیکھ کر تمام سپاہیوں کا جذبہ صادق اور مردانگی واپس لوٹ آیا اور اس شدّت سے حملہ کیا کہ شکست فتح سے تبدیل ہو گئی۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ جب فوج کہیں مقیم تھی تو منصور نے یہ حکم دیا کہ کوئی سپاہی اپنی تلوار

[می]ان سے باہر نہ نکالے گا۔ اتفاقاً انہوں نے بہت فاصلہ پر یہ دیکھا کہ ایک سپاہی اس [حک]م کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اور تلوار ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہے۔ اسے پکڑ بلوایا گیا۔ اس [ن]ے انتہائی لجاجت سے کہا کہ اس کا مقصد حکم عدولی نہ تھا۔ بلکہ اپنے دوست کو اس کی نمائش [کے] وہ تلوار دکھا رہا تھا۔ جو محض میان کے ڈھیلی ہونے کی وجہ سے باہر سرک آئی تھی۔ منصور [ن]ے اس کا یہ عذر قبول نہ کیا۔ اور حکم دیا کہ اسی تلوار سے اسی کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا کر ساری [ف]وج میں گھمایا جائے تاکہ آئندہ سے لوگوں میں خلاف ورزی حکم کی جرأت نہ پیدا ہو سکے۔ ایسا [ہ]ی کیا گیا۔

تمام مہمات پر روانہ ہونے سے بیشتر منصور کی یہ عادت تھی کہ جملہ ارباب حل وعقد سے [چھ]وٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے نکات پر غور وفکر اور صلاح مشورہ کر لیا کرتے تھے [س]ب شرکاء کو یہ اجازت تھی کہ اپنی رائے کھل کر معاملہ کے ہر پہلو پر دیں۔ جو باتیں صائب [ہو]تی تھیں منصور انھیں قبول کر لیتے تھے۔ لیکن جنہیں وہ اپنی سمجھ کے مطابق مناسب نہیں سمجھتے [تھ]ے ان کی سختی سے مخالفت کرتے تھے۔ اگر ان کی مخالفت کی بھی مخالفت ہوتی تھی تو وہ اس [ک]ی پرواہ نہیں کیا کرتے تھے۔ بعد میں لوگ محسوس کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کہتے تھے صحیح ہوتا تھا۔ اپنی [ز]ندگی میں جتنی لڑائیاں انھوں نے لڑیں یہ ان کی سمجھ داری، ہوشیاری، فہمیدگی کا نتیجہ تھا۔ [ک]بھی اس محاذ پر ان کو مات نہ کھانا پڑی۔ دشمنوں کے مقابلہ میں کبھی شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑا [ج]ہاں بھی گئے کامیاب رہے۔ جہاں بھی لڑے فتح مند ہوئے۔

[ش]وق تعمیرات

المنصور کی جہاں فیاضی، کرم گستری، عدل وانصاف جوہر جنگی اپنی جگہ پر مسلّم تھی۔ وہاں ان کا نئی نئی عمارتیں بنوانے کا شوق بھی کچھ کم نہ تھا جس [ط]رح ان کے اور تمام کاموں میں چاہے وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ذہانت اور فطانت ٹپکتی ہے [اس]ی طرح سے تعمیرات میں بھی۔ قرطبہ کی رونق انہوں نے نئی نئی عمارتیں پل ومساجد بنوا کر دوبالا [ک]ردی۔ یہ ہی نہیں بلکہ استجا Astigi میں بھی ایک شاندار اور وسیع پل دریائے شنیل پر بنوا کر [آ]مدورفت میں سہولت پیدا کی۔ لیکن ان کی جس عمارت نے ان کو شہرت دوام بخشی وہ قصر الزہرا [ت]ھا۔ جو بڑھتے بڑھتے ایک شہر کی حیثیت حاصل کر گیا۔ اور مدینۃ الزہرا کے نام سے موسوم [ہ]وا۔ ان کی ابتدا تعمیر سیاسی وجوہات کی بنا پر ہوئی مگر بعد میں ایسی ایسی صناعیاں اور نزہت کاریاں اس میں کی گئیں کہ وہ ایک اعلیٰ نمونہ کی عمارت ہو گئی اور زیب وزینت خوبصورتی اور

Marfat.com

دیدہ زیبی میں کسی طرح سے الزہرہ قصر عبدالرحمن الناصر سے کم نہ تھی۔

جس زمانے میں قصر خلافت سازش کا مرکز بن گیا۔ ہر آیا گیا خلیفہ ہشام کو مستقل بھڑکانے اور اکسانے پر تل گیا۔ خود ملکہ صبح اپنے بیٹے کے کان منصور اور دیگر اراکین سلطنت کے خلاف بھرنے لگی۔ خزانے وہاں سے منتقل کئے جانے لگے۔ سرکاری معاملات اور کاغذات میں خانگی کارروائیاں عمل میں آنے لگیں۔ روپیہ پیسوں میں غدر۔ بود ہونے لگا تو پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ محل کے تمام راستے بند کر کے صرف ایک پھاٹک آمد و رفت کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اس میں سے بھی اجازت کے ساتھ گزرنا پڑتا تھا۔

لوگ پھر بھی باز نہ آئے تو مناسب یہی سمجھا گیا کہ سرکاری دفاتر کو کسی دوسری جگہ منتقل کیا جائے۔ الزہرا سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر ایک عمارت کی بنیاد پڑی جس کا نام بعد میں الزاہرہ پڑا۔ یہیں خلیفہ کو بھی منتقل کر دیا گیا۔ منصور بھی وہیں اٹھ آئے۔ سربرآوردہ اور عمائدین سلطنت بھی وہیں بس گئے اور دیکھتے کے دیکھتے اسے ایک عظیم الشان شہر کا منصب حاصل ہو گیا۔

ابن سعید کا بیان ہے کہ زہرا اور الزہرا میں گو دس میل کا فاصلہ رکھا گیا۔ مگر رفتہ رفتہ اس شہر نے اتنی وسعت پائی کہ کوئی راہرو ایک قصر سے دوسرے قصر تک چراغوں کی روشنی میں جا سکتا تھا۔ کہیں تاریکی نہ پائی جاتی تھی۔ گویا سارا حصہ درمیان کا آبادی سے پُر ہو گیا تھا۔ وہ بھی انتہائی پُررونق طریقہ سے۔

صاحب مطمح کے قول کے مطابق الزہرا کی بنیاد ۳۶۸ھ میں پڑی۔ اس وقت المنصور کی شہرت اور عظمت قوت و قسمت مستحکم ہو چکی تھی۔ ہر شعبہ پر ان کا تسلط مکمل تھا۔ اسی کی وجہ سے بہت سے حاسدین اور جلنے والے پیدا ہو گئے۔ جو نہ صرف ان کے درپے ہو گئے بلکہ ہشام المؤید کو بھی ان سے بدظن کرنے لگے۔ اپنی حفاظت اور سلطنت کے کاروبار میں رخنہ اندازی کو روکنے کی غرض سے انہوں نے اس قصر کی تعمیر لازمی سمجھی۔ نہ صرف اپنا قیام وہاں کیا بلکہ اہل و عیال خدام و حکام کو بھی وہیں اپنے ساتھ لے گیا۔ تمام ضروری کاغذات بھی وہیں لے جائے گئے۔ اور تدبیر المدت اور سیاست کا سارا کام وہیں سے ہونے لگا۔ وہ گویا مرکز بن گیا۔

اس کی تعمیر دریا کے دوسری جانب ایک پُرفضا مقام پر شروع کی گئی۔ دور دراز سے کاریگر۔ مزدور۔ صناع۔ انجنیئر اور آلات جمع کئے گئے۔ دو سال کے قلیل عرصہ میں اتنا حصہ تعمیر

Marfat.com

گیا کہ وہاں رہائش اختیار کی جا سکتی تھی۔ ۳۷۰ھ میں منصور وہاں اٹھ آئے۔ اپنا تمام عملہ بھی ساتھ لے آئے مال و متاع اسلحہ اور فوج کا ایک بڑا حصہ بھی۔ سارے دفاتر اور کچہریاں ی وہیں قائم ہو گئیں۔ وزیروں۔ امیروں۔ اہالیان دربار منشی۔ کلرک بلکہ حفظ مراتب کے اظ سے مکانات بھی تیار ہو گئے۔ تاجر پیشہ اپنی دوکانیں لے آئے۔ وسیع اور پُر رونق بازار بن ے۔ چوڑی چکلی سڑکیں حسین اور پرشکوہ محلات اور دیگر عمارات سب تکمیل پا گئیں۔ اطراف و جوانب ے لوگ بھی وہیں آ گئے کہ صاحب اقتدار و اختیار کے قریب رہ کر اپنے کام نکالیں۔ خلیفہ کا ذکر ہی ب بھول گئے۔ ان کی موجودگی محض برائے نام تھی منصور نے خود اپنے محل میں جلوس وزراء۔ امراء ؤساء اور سفراء قائم کیا۔ ہاتھ پر بوسہ دینے کی رسم اپنے لئے بھی جائز رکھی جو صرف خلیفہ یا دشاہ کے لئے مخصوص تھی۔ دوسرے ممالک کے لوگ سفراء اور ایلچی سب براہ راست انہیں ے اپنی ضرورتوں کے لئے ملتے تھے۔ دوسرے مقامات سے محاصل بھی وہیں آ کر جمع ہوتے تھے۔ ل حاجت کا جمگھٹا بھی وہیں لگا رہتا تھا۔ خلیفہ تک پہونچنے کی کوئی بھی زحمت نہ گوارا کرتا تھا۔ ہاں یوں بھی پابندیاں اس قدر زیادہ تھیں کہ لوگ جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ سخت قسم ے پہریدار اور نگہبان مقرر تھے۔ وہاں کے رہنے والوں اور آنے جانے والوں کی کڑی ڑانی ہوتی تھی۔ ان کی ہر ظاہر و پوشیدہ حرکت پر نگاہ رکھی جاتی تھی۔ خلیفہ کو کلیتاً ہر کام سے یگانہ کر دیا گیا تھا۔ وہ عورتوں کی طرح مجبور تھا۔ ہر وقت کم سن اور ماہ وش کنیزوں کی صحبت ں رہتا تھا۔ لباس بھی زنانہ پہنتا تھا۔ کھیل کود بھی سب عورتوں کے سے تھے۔ منصور جب کبھی اہر جاتے تو ان پر پہرہ اور بھی سخت کر دیا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ بھی ان سے بے تعلق ہو کر رہ گئے۔ البتہ الزہرہ کی خوبصورتی اور آبادی روز بروز بڑھتی گئی۔ جدھر بھی نظر اٹھتی تھی نہایت ہی جاذب نظر عمارتوں کا سیلاب نظر آتا تھا۔ منصور کے قصر میں بھی تقریباً بارہ ہزار ڈھالیں اور تیغیں پہرہ داروں اور حفاظتی دستوں کے لئے تیار ہوتی تھیں۔ جو لوگ محل میں رہتے تھے ان کے لئے ہر روز بارہ ہزار سیر گوشت علاوہ شکار چڑیوں اور مچھلیوں کے خرچ ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پورا شہر عجیب و غریب اور حسین و جمیل محلات۔ مکانات۔ سیر گاہوں۔ باغوں اور بازاروں کا مجموعہ تھا۔

ایک دن اپنے ہی محل میں بیٹھے ہوئے منصور الزاہرہ کا نظارہ کر رہے تھے۔ کہ یکایک ان کے دل میں کیا خیال سمایا کہ آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو رواں ہو گئے۔ لوگوں نے پوچھا خیر تو

ہے۔ رقت کے لہجہ میں منصور نے جواب دیا کاش میں اس کیڑے کو اس دنیائے فانی سے عدم کا راستہ دکھلا سکتا۔ جو اس کو تباہ و برباد کر کے رہے گا۔ لوگ اور بھی پریشان ہوئے کہ آخر ایسے کلمات زبان سے کیوں ادا ہو رہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا اس میں حیرانی اور پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک وقت وہ آنے والا ہے جب قصر الزاہرہ اس طرح مٹے گا کہ اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔ اور اس کی بنیادیں تک اکھاڑ پھینک دی جائیں گی۔ ان کا یہ کہا ہوا کچھ غلط ثابت نہ ہوا۔ ان کی حیات میں تو نہیں مگر ان کے مرتے ہی ان کے بیٹے عبدالملک مظفر کے زمانے ہی میں الزہرہ پر آفتیں ٹوٹنا شروع ہو گئیں۔ اس ضمن میں ایک داستان اور بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایک بزرگ صنعت انسان جنہیں ولی اللہ کا مرتبہ حاصل تھا۔ ایک بار الزاہرہ کی جانب سے گزر رہے تھے۔ اس کی زینت اور رونق کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ "اے قصر عالی شان تجھ میں قرطبہ کے ہر مکان کا کچھ نہ کچھ حصہ قدرت نے رکھ دیا ہے۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی۔ مگر کچھ دنوں بعد اس مرد نیک کا کہنا درست نکلا۔ جب الزاہرہ کی لوٹ شروع ہوئی تو ہر شخص نے ہی کسی نہ کسی چیز پر ہاتھ صاف کر کے اپنے مکان لے گیا۔ تمام شہر لٹ پھٹ کے کھنڈر بن گیا۔ اس کی نادر الوجود اور خوبصورت اشیاء قاہرہ اور بغداد تک جا کر بکیں۔

منصور نے رسل و رسائل اور آمد و رفت کے ذرائع میں سہولت پیدا کرنے کے لئے کئی پل بھی تیار کئے۔ اس میں سے ایک تو قرطبہ ہی میں دریائے وادی الکبیر پر تعمیر ہوا جس کی بنیاد ۳۸۷ھ میں ڈالی گئی۔ اور ایک سال میں جا کر مکمل ہوا۔ اس پر کوئی ایک لاکھ چالیس ہزار دینار سرخ کی لاگت آئی۔ اس پل سے عوام الناس کو بہت ہی فائدہ ہوا۔ اور منصور کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تعمیرات کے سلسلہ میں اگر رعایا کے کسی فرد سے کچھ حاصل کرنا ہوتا تھا تو وہ گرانقدر معاوضہ دے کر لیتے تھے۔ اس پل کی تیاری میں اتفاق سے ایک غریب بوڑھے کی زمین درمیان میں آگئی۔ منصور نے اس بڈھے کو بلا کر اس سے زمین کا مطالبہ بالعوض ایسی رقم جو اس کو منظور ہو گیا۔ بڈھا اپنی دانست میں بڑی سے بڑی رقم دس دینار سرخ جو ناقابل ادائیگی تھے بتائے۔ امینوں نے فوراً دس دینار پیش کر کے ایک تحریر حاصل کر لی۔ مگر منصور اس بات پر رضامند نہ ہوا۔ اور اس کو دس گنی قیمت ادا کی۔ بڈھے بیچارے کو تو شادی مرگ ہو گیا۔ دوسرا پل دریائے شنیل پر استبجہ کے قریب بنوایا گیا تھا۔

فلاح و بہبود کے ساتھ ساتھ مذہبی امور کے بجا لانے میں ایک کارنامہ المنصور کا جامع مسجد

میں اضافہ بھی ہے۔ اس مسجد کی تعظیم جب سے اس کی بنیاد عبدالرحمٰن الداخل کے ہاتھوں پڑی تھی کوئی بنی امیہ سے تخت اندلس پر ایسا نہ بیٹھا تھا جس نے نہ کی ہو۔ اس کی توسیع۔ آرائش اور زینت میں ہر اموی بادشاہ نے دل کھول کر حصہ لیا تھا۔ اور اس کو ایسی شاندار مسجد بنادیا تھا کہ روئے زمین پر اس کی مثال ملنا مشکل۔ خود صاحب نفح الازہار نے یہ بات اپنی کتاب میں لکھی ہے کہ دار الخلافہ قرطبہ کے باشندے علم و فضل میں خوب شہرت رکھتے ہیں۔ وہاں جو ایک جامع مسجد ہے جس کی مثل ممالکِ اسلام میں نہیں ان کے بیان کے مطابق مسجد میں ایک جھاڑ ہے جس میں ایک ہزار چراغ جلتے تھے۔ اور جو پیتل کا بنا ہوا تھا۔ اور اس میں بہت سی ایسی خوشنما چیزیں ہیں جو عجیب و غریب انداز میں بنی ہوئی ہیں۔ ان کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ ان کی صنعت دیکھ کر آدمی متحیر رہ جاتا ہے۔ جہاں کہیں چار دیواریں ملی ہیں۔ وہیں ایک قبہ بنادیا گیا ہے۔ اس کی چھت اور فرش میں لاجورد پتھر لگے ہوئے ہیں جن پر سونے کا کام ہے۔ جب منصور کو اس کی خوبصورتی میں اور اضافہ کرنے کا خیال پیدا ہوا تو وقت تالیہ سے جو عیسائی قیدی لائے ان کو اسی کام پر لگا دیا۔ ان کے خیال میں اس سے اسلام کی عظمت اور وقعت وابستہ تھی۔ انہوں نے اس کو بڑھانے کے خیال سے اطراف و اکناف کے بہت سے مکانات خریدنے چاہے۔ مالکان مکان جتنی قیمت چاہے بتلاتے تھے۔ المنصور بخوشی ادا کر دیتے تھے۔ بلکہ اس میں اضافہ کر کر کے دوگنی تگنی قیمتیں ادا کرتے تھے اور عوض میں ایک مکان بھی دیتے تھے۔ اتفاق سے انہیں مکانوں میں سے ایک بڑھیا کا مکان بھی تھا جو اپنے مکان کے بدلے میں ایک ایسا مکان چاہتی تھی جس میں اس کے مکان جیسا کھجور کا درخت ہو کیونکہ اس کو اس درخت سے بہت محبت ہوگئی تھی۔ بڑی دوڑ دھوپ کے بعد ایک ایسا مکان مل سکا جس کے صحن میں کھجور کا درخت لگا ہوا تھا۔ بہت بڑی قیمت چکا کر وہ مکان خرید ا گیا۔ پھر بڑھیا کو اس میں منتقل کیا گیا۔ منصور کا حکم تھا کہ مکان جیسا وہ چاہتی ہے ویسا ہی خرید ا جائے [illegible] کی ایک ایک پائی خرچ ہوجائے۔ اس طرح سے ہزاروں روپیہ محض [illegible] کئے گئے مجموعی رقم ایک لاکھ ۶۱ ہزار دینار سرخ اس مسجد میں صرف توسیع کی خاطر خرچ کئے گئے۔ یہ تمام رقم حصہ خمس یعنی جو منصور کا ذاتی تھا۔ اس میں سے خرچ کیا گیا تھا۔

کتاب مجموع المفترق نے لکھا ہے کہ توسیع سے پہلے مسجد کی چھت قبلہ سے مشرق تک ۲۲۵ گز تھی۔ اور چوڑائی ۲۰۵ المنصور نے اتنی اتنی گز راستے اور بڑھا دیا۔ پتھروں کی سلیں جو اس

میں لگائی گئیں ان کی تعداد ۱۱ تھی۔ جو چوڑائی میں لگی تھیں اس میں آٹھ سلیس اور بڑھائی گئیں اسی طرح لمبائی میں جو سلیس لگی ہوئی تھیں ان میں بھی اضافہ کیا گیا۔ دیواروں پر سونا چڑھایا گیا۔ اور پچی کاری کا کام مستقل کیا گیا۔ قبہ کے اوپر چاندی اور سونے کے لٹو لگے ہوئے تھے۔ جن میں سے دو خالص سونے کے تھے۔ اور ایک چاندی کا۔ ان کے اوپر اور نیچے سونے کے پھول لگے ہوئے تھے۔ پوری انجینئری کے ساتھ اس میں کام کیا گیا تھا۔ ایک چھوٹا سا انار بھی تھا جو اوپر سجاوٹ کے طور پر لگا یا تھا۔ عجوبہ روزگار معلوم ہوتا تھا۔

اس جامع مسجد میں منبر کے اوپر حضرت عثمان کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ قرآن موجود تھا جو بنی امیہ دمشق کے قبضہ میں تھا اور جس پر ان کے خون کے داغ تھے۔ جو آن کے قتل کے وقت اس پر پڑے تھے۔ اس کی جلد سونے کی تھی۔ اور موتی اور یاقوت ٹانکے گئے تھے۔ دیبا کے کپڑے کا جزدان تھا۔ اور عود کی رحل جس پر سونے کا کام کیا گیا تھا۔

ابن الفرض نے لکھا ہے کہ منصور کو مسجد کے خوبصورت بنانے کے ساتھ ساتھ اضافہ کرنے کا خیال بھی ۳۷۷ھ میں پیدا ہوا کیونکہ قرطبہ کی آبادی بڑھنے کی وجہ سے جامع مسجد کا صحن تنگ نظر آنے لگا تھا۔ مشرق کی جانب دیوار توڑ کر پہلے توسیع ہوئی اس طرح سے کہ وہ قصر خلافت کے مغربی حصہ تک پہنچ جائے سب سے پہلے صحن وسیع کیا گیا۔ اور اسے مضبوط تر بنا دیا گیا۔ بیچ میں ایک حوض بنوایا جو وضو وغیرہ کے کام آتا تھا۔ تیل کے چراغوں کے ماسوا موم بتی کی روشنی بھی اس میں کرائی۔ جس سے روشنی بھی دوگنی ہو گئی۔ جامع مسجد کے ستونوں کی تعداد جو فرش سے چھت تک اور قبوں میں چھوٹے چھوٹے میناروں کی شکل میں تھے۔ ایک ہزار چار سو ستر تھی۔ یا اس سے بھی کچھ زیادہ۔ رمضان شریف میں جب پورے مہینے بہت تیز روشنی ہوتی تھی۔ تو روئی کی بتی کے چراغ ہزاروں کی تعداد میں جلائے جاتے تھے۔ جو ملازم ان کے زمانے میں مسجد سے متعلق تھے مثلاً قاری۔ مؤذن۔ امین۔ امام۔ جاروب کش۔ نگہبان دربان وغیرہ ان کی تعداد ۱۵۹ تھی۔ مسجد کے چھوٹے بڑے دروازے سب ۲۱ کی تعداد میں تھے مغرب کی طرف ۹ تھے ایک دروازہ عورتوں کے لئے وقف تھا۔ جو اس کے مقصورہ کے جانب کھلتا تھا۔ مشرق کی جانب بھی ۹ دروازے تھے۔ شمال میں تین دروازے تھے۔ دو بڑے مردوں کے لئے ایک عورتوں کے لئے۔ ان میں سے ایک دروازہ خلیفہ کے لئے وقف تھا اور قصر خلافت کی جانب کھلتا تھا۔

Marfat.com

منصور سے پہلے الحکم مستنصر باللہ نے قدیم جھرنے جو جامع مسجد کے پیچھے تھے اور جن میں کنوؤں سے پانی آتا تھا۔ بند کروا کر چار شرق و غرب کی جانب بنوا دیئے تھے۔ ان میں سے دو بڑے جھرنے مردوں کے واسطے پانی وضو وغیرہ کے لئے بہم کرتے تھے اور چھوٹے دو عورتوں کے واسطے۔ ان میں قرطبہ کے پہاڑ کاٹ کر نہر بنوا کر پانی لایا گیا تھا۔ جو پہلے حوض میں جمع ہو جاتا تھا۔ پھر ہر طرف جاری رہتا تھا۔ میٹھا پانی جو وضو اور حمام کے علاوہ پینے کے کام آتا تھا۔ سقابوں میں جمع ہوتا تھا۔ جو مسجد کے تین طرف شرق و غرب کی سمت بنے ہوئے تھے۔ یہاں سے وہ باقی تین طرف جاتے تھے۔ اور تین حوض ان سے بھرے رہتے تھے۔ یہ حوض بھی قرطبہ کے پہاڑ کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ اور سنگ تراشوں نے ایک عرصہ دراز ان کی تعمیر پر صرف کیا تھا۔ منصور نے بھی یہی تمام طریقے قائم رکھے۔ مسجد کے مغرب جانب دار الصدقہ لنگر خانہ تھا۔ جس میں سے غریبوں کو دونوں وقت کھانا ملتا تھا۔ فقیروں کے لئے بہت سے مکانات بھی مسجد کے مشرقی جانب بنے ہوئے تھے۔

مسجد کے اندر جو منبر امام کے لئے بنا ہوا تھا اس پر جو نقش و نگار بنائے گئے تھے وہ صرف آٹھ برس میں بن کر تیار ہوئے تھے ہر روز آٹھ صناع کام کرتے تھے جن کو روزانہ مزدوری نصف مثقال سونا ملتی تھی۔ صرف اس منبر پر دس ہزار پچاس مثقال سونا صرف ہوا تھا مسجد کی روشنی کے لئے جو تیل آتا تھا۔ وہ سونے چاندی کے مٹکوں میں بھرا رہتا تھا مسجد کے تمام دروازے پیتل سے منڈھے ہوئے تھے۔ ان کے جوڑ اس طرح سے ملائے گئے تھے کہ پتہ نہ چلتا تھا۔ کہ واقعی جوڑ ہیں یا پورا ایک ٹکڑا۔ ہر دروازے میں کڑے پڑے ہوئے تھے۔ جو نہایت علمیت و حکمت سے بنائے گئے تھے۔ غرضیکہ پوری عمارت بے مثل اور لاجواب تھی۔

مورخین نے المنصور کی ان تمام صفات کے باوجود انہیں بخشا نہیں۔ نہ صرف وہ زمانہ ساز اور طرار اور عیار بتائے گئے۔ بلکہ مطلب پرست اور خود غرض بھی کہے گئے۔ خلیفہ ہشام کو انہوں نے بالکل ہی معطل کر کے تمام معاملات سلطنت پر خود غلبہ حاصل کر لیا۔ اگر عمائدین اور اکابرین حکومت بھی خلیفہ سے ملنا چاہتے تو ان کو منصور سے اجازت لینی پڑتی۔ اور بجز سلام و دعا اور خیر و عافیت دریافت کرنے کے مزید گفتگو منع تھی۔ تمام رؤسائے دولت جن سے ان کو خطرہ تھا یا جنہوں نے ان کی مخالفت کی ان کو چن چن کر راہ سے ہٹا دیا۔ مراتب سے گرا دیا۔

Marfat.com

یا پھر ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ خود ایک دوسرے سے لڑ کر تباہ ہو گئے۔ سب سے پہلے صقلبی غلاموں کو جن میں جوذر اور فائق بہت سر چڑھے تھے مصحفی کی ایما سے ختم کیا۔ پھر مصحفی کی تباہی غالب اور ملکہ صبح سے مل کر کی۔ جب وہ ان کے قیدی بن گئے تو غالب کا خاتمہ کرنے کے لئے جعفر ابن احمد بن علی بن حمدون کی مدد حاصل کی۔ جب وہ خطرہ بھی مٹ گیا۔ تو ابن عبد الودود کے ذریعہ جعفر کا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک ایک کر کے ابن صبور ابن فلاح۔ ابن ذوالنون اور زیری بن عطیہ سب کو راستے سے ہٹا دیا۔ آخر میں جو خطرہ منڈلا رہا تھا وہ ملکہ سیدہ صبح کا تھا اہل حرم اور قصر خلافت کی سربر آوردہ ہستیوں سے مل کر ان کو بھی بالکل عضو معطل بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ان کا مدمقابل یا ہمسر نہ رہا۔ عہدہ محاسب سے ۹۹۱ء مطابق ۳۸۱ھ میں اپنے بیٹے عبد الملک کے حق میں دستبردار ہو کر خود نہ صرف المنصور کا لقب اختیار کیا بلکہ اپنے نام کے آگے ملک کریم اور سید کا بھی اضافہ کیا۔ اور عام طور پر یہ منادی کرا دی کہ سید کا لفظ اپنے نام کے آگے اور کوئی استعمال نہ کرے۔ عملاً اور حکماً ساری ریاست پر ان کی فرمانروائی تھی۔ وہ چاہتے تو حق خلافت بھی حاصل کر سکتے تھے۔ مگر یہ ان کو منظور نہ تھا کہ لوگ جو عقیدت بنو امیہ سے رکھتے ہیں۔ اس کو کوئی صدمہ پہنچا کر اپنی مخالفت خواہ مخواہ بڑھائیں ان کا مقصود حکومت کرنا تھا وہ چاہے بادشاہ بن کر ہو یا اس کا نمائندہ۔ رعایا کو بددل اور متنفر اپنی جانب سے وہ کرنا ہی نہ چاہتے تھے۔ بساط حکومت پر وہ شاطرانہ چالیں تو چلتے تھے مگر نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے۔ جو قدم اٹھاتے تھے وہ پھونک پھونک کر۔ اگر کوئی مخالفت ہوتی تو اپنی داد و دہش۔ لطف و کرم اور مصلحت اندیشی کی بنا پر اس پر غلبہ حاصل کر لیتے تھے۔ ان کی سخاوت۔ اور بخشش کا تو یہ عالم تھا کہ لوگوں کو نہ صرف منہ مانگی چیز دیتے تھے بلکہ اپنی جانب سے بھی اس میں اتنا اضافہ کرتے کہ وہ شخص خود حیرت زدہ ہو کر رہ جاتا تھا۔ ویسے روز ان کا معمول خیرات اور انعامات تقسیم کرنے کا تھا۔ اس میں ناغہ مشکل ہی سے ہوتا تھا۔ اتوار کے دن وہ عموماً ملازمین کو تعطیل دیدیا کرتے تھے۔ لیکن خیرات سے اس دن بھی تغافل نہ برتتے تھے۔ بلکہ خود اپنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے۔ ایک اتوار اتفاق سے خوب پانی برس رہا تھا انہوں نے خیال کیا کہ اس بارش و طوفان میں کیا کوئی ضرورت مند آئے گا۔ لہذا آرام کی غرض سے کمرے میں چلے گئے۔ اتنے میں انکا دربان ہنستا ہوا پہنچا اور کہا کہ دروازے پر تین بربری آئے ہیں۔ ان میں سے ایک ابوالناس بن صالح ہیں اور دو کوئی اور۔ صورت سے سائل معلوم

Marfat.com

تے ہیں منصور نے حکم دیا کہ حاضر کئے جائیں۔جب پیش ہوئے تو دیکھ کر ہنسی آگئی۔بھیگ کر
ل شور بامعلوم ہو رہے تھے۔ ان سے پوچھا کہ ایسی بارش میں تم کیوں آئے۔ جب ہر شخص اپنے
یں سر چھپائے بیٹھا ہے۔ابو العباس نے جواب دیا کہ ہر دوکاندار اپنی دوکان میں اس لئے
تا ہے کہ کوئی خریدار آئے تو ایسی اُتار چڑھاؤ کی باتیں کریں کہ کپڑے تک اُتار لیں۔ہم نے سوچا
ا ایسے دربار میں کہ جہاں یہ کپڑے تو صحیح سلامت رہ جائیں۔منصور خوش ہو گئے۔ان لوگوں کو
لباس بھی دیئے اور زرِ نقد بھی۔

ابن سعید اپنی کتاب میں ابن حیان۔فتح مطلع حجازی کی مسہب اور خشندی کی اس طرف کے
لے سے لکھا ہے کہ وہ قریہ ترکش کے رہنے والے تھے اور اپنے قبیلے کے آدمیوں کی بہت آؤ
لت کرتے تھے۔لیکن فوج میں زیادہ تر زناتہ اور بربر کے قبائل مثلاً صنہاجہ۔مغراوہ۔بنی یعز
،یرزان اور بنی مکناسہ کے آدمی بھرتی کرتے تھے۔کہ وہ اہلِ اندلس کے اثر میں نہ آجائیں ملوک
اۃ کی بھی مدد کرتے تھے۔زیری بن عطیہ سے چھین کر ان کے علاقے مثلاً سجلماسہ وغیرہ واپس
ادیئے۔واضح کو مغربِ اقصیٰ کا حاکم مقرر کر دیا۔ ان باتوں سے اہلِ افریقیہ اس کا بہت دم بھر
ے۔ انہیں لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ان کا مطلع انوار اور آفتابِ اقبال ہمیشہ چمکتا رہا۔اور
با عہدہ اور عزت حاصل کر لی۔جو اب تک کسی ملازم بادشاہ کو حاصل نہ ہوئی تھی۔ان کی بے پناہ
ل وفہم و دانش اور تائید خداوندی نے ان کا پرچم سعادت اور جلالت ہمیشہ بلند و بالا رکھا
ین لڑائیوں میں سے ہر ایک میں وہ سرخرو اور کامیاب ہوئے۔غزوات و جہاد کی خاک میں وہ
جہنم سے بچاؤ کی صورت اور ذریعہ سمجھتے تھے۔صفائی باطن اور پاکی قلب کی وجہ سے وہ ہمیشہ
بلِ احترام رہے۔اعترافِ گناہ وہ روز کرتے تھے۔توبہ و استغفار برابر کیا کرتے تھے۔عذابِ
لٰہی سے ہمہ وقت ترساں رہتے تھے۔کوئی عیب یا نشہ بجز شراب خواری ان سے وابستہ نہ تھا
ں سے بھی مرنے سے دو سال قبل توبہ کر لی۔ اور پھر کبھی منہ نہ لگائی۔عدل و انصاف سے اس
بہ سے گریز نہ کرتے تھے۔کہ خدا ذاتی گناہ تو معاف کر دے گا لیکن جن لوگوں کی حفاظت اور
ن کی فلاح ان کے سپرد کی گئی ہے۔اس سے اگر کوتاہی برتی تو ناقابلِ معافی گناہ ہو گا۔خدا کی مخلوق
و کمتر نہ سمجھتے تھے۔کسی کی تضحیک گوارا نہ تھی۔

ایک بار کسی شخص نے ایک آدمی کے بارے میں کہا کہ اسے ملازم مت رکھئے یہ منحوس ہے۔
نصور نے اس کی اس بات پر تعجب کا اظہار اس کی جانب سے نہ ہوا۔وہ شخص شکایت کر کے

شرمندہ ہوا۔ جب خود کوئی تقریب منعقد کرتے یا خوشی مناتے تو رعایا کو بھی اس میں شریک کرتے کہ ان کی دعاؤں کی وجہ سے برکت ہو۔ ایک مرتبہ جب اپنے لڑکوں کی رسم ختنہ ادا کی تو اہلِ دولت کے پانچسو بچوں کی اور غربا کے لاتعداد بچوں کی وہ رسم ادا ہوئی۔ اس میں پانچ لاکھ دینار کے مصارف آئے وہ سب انہوں نے اپنی جیب سے ادا کئے۔ ان کی اس جود و سخا اور داد و دہش کا نتیجہ تھا کہ رعایا ان کو اپنے باپ سے زیادہ عزیز رکھتی ان کے دشمنوں سے نفرت کرتی۔ ان کے دوستوں کو دوست رکھتی۔ ایک بار جب انہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کے صحت مند ہو جانے کے بعد غسلِ صحت کے روز ایک دعوتِ عام کی تو وہ زمانہ قرطبہ میں شدید قحط کا تھا۔ ایک پاؤ آٹا دو دینار کا بکتا تھا۔ لوگ قرطبہ چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس دن عام تقریب کی وجہ سے لوگوں نے منصور کے حق میں اتنی دعائیں مانگیں کہ افق پر ایک ابر کا ٹکڑا نظر آیا۔ پھر خوب کھل کے برسا الجزیری جو اپنے وقت کا بڑا شاعر تھا۔ اس واقعہ کو قصیدہ کی صورت میں لکھا کہ ابر اور باراں بھی تیرے دوست ہیں اور تیرے حکم کے منتظر۔ جب تو چاہتا ہے۔ وہ برس اٹھتا ہے۔ یہ پورا قصیدہ الزاہرہ کی تعریف میں ہے اور اس روز کی بارش کے بعد فی البدیہہ کہہ کر سنایا گیا تھا۔

ان کا زمانہ اس قدر عروج کا تھا کہ افواج اور اموال کی وجہ سے قرطبہ میں گنجائش باقی نہ رہی تھی۔ اہالیان فوج اور گھوڑوں کے اصطبل شہر کے باہر بنائے گئے تھے۔ سپاہیوں کی تعداد ۸ لاکھ تھی۔ دو لاکھ سوار۔ چھ لاکھ پیدل۔ یہ لوگ منصور کے اس قدر گرویدہ تھے کہ اپنی جان سے بڑھ کر عزیز اور بادشاہ سے زیادہ حرمت و عزت بجا لاتے تھے۔ ان کی قوت اتنی تھی کہ نصاریٰ آنکھ اٹھا کر ان کی طرف نہ دیکھ سکتے تھے۔ ان کی ہر دلعزیزی۔ شوکت اور سطوت حاصل کر لینے کے باوجود ان کے مزاج میں رعونت اور تکبر نام کو نہ تھا۔ شریفانہ اطوار سے کبھی انہوں نے انحراف نہ کیا۔ اخلاق اور کردار کے مضبوط تھے۔ ان کا انصاف ضرب المثل تھا۔ ان کے اوصاف عدیم المثال۔ جو جرائم ان سے سرزد ہوئے ان کی زیادہ وجہ حُبِ جاہ و منزلت کے ماسوا تقاضائے وقت اور حالات کا بہاؤ تھا۔ اگر وہ خود یہ رویّہ نہ اختیار کرتے تو انکے ساتھ یہی رویّہ اختیار کیا جاتا۔ حصولِ مقاصد میں جو کوتاہیاں عمل میں آئیں۔ انکے ماسوا وہ صادق العمل تھے۔ صادق القول، فیاض اور سخی۔ بہادر و شجاع۔ ذہین و فہیم۔ ہمت ور اور دلیر۔ وہ انسانی گوشت پوست کے ڈھانچے میں مجموعۂ اوصاف تھے۔ خدا اُن کی مغفرت کرے۔

Marfat.com

باب (۵۴)

ما بعد المنصور

المنصور کی موت ایک عظیم المرتبت۔ عالی ہمت۔ جری حوصلہ اور بلند پایہ شخصیت کی موت تھی کہ جس کی مثال رہتی۔ دنیا تک مشکل ہی سے ملے گی۔ فرائض محاسب وہ پہلے ہی عبد الملک کے سپرد کر چکے تھے۔ جب ان کو اپنا انجام آخر نظر آیا۔ تو انھوں نے انتہائی اظہار غم کے بعد پروانہ تقرری عبد الملک کو عطا کر دیا المظفر کا لقب اختیار کیا۔ شروع شروع بہت اضطراب رہا۔ لوگ چاہتے تھے کہ اب عنانِ حکومت مکمل طور پر خلیفہ ہی کے ہاتھ میں رہے۔ ابن ابو عامر کا خاندان اب غیر متعلق ہو جانی چاہیئے۔ ہشام نے ہر چند ان کو سمجھایا کہ وہ خود ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں نہیں لینا چاہتے ہیں۔ مگر رعایا بپھری ہوئی تھی۔ جب ان کو دبایا گیا تو بغاوت کی صورت رونما ہوگئی۔ المظفر اپنے باپ کی طرح مدبر اور جوشیلا تھا۔ فوراً صورتِ حال پر بزورِ شمشیر قابو حاصل کیا۔ اس کے بعد خلیفہ عبد الرحمٰن الناصر کے پوتے جس کا نام بھی اتفاق سے ہشام تھا۔ المظفر کے خلاف سازش کرنا چاہی مگر جاسوسوں نے وقت پر اطلاع بہم کردی۔ نہ صرف اس کو دبایا گیا بلکہ دسمبر ۱۰۰۲ء مطابق ربیع الاول ۳۹۳ھ میں ہشام سرغنہ شورش پسند ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔

Marfat.com

اب جو ذرا امن قائم ہوا تو ان کا جذبۂ جہاد بھی بروئے کار آیا۔ وہ اپنے باپ کی حیات کے دوران میں ہی مختلف جنگوں میں حصّہ لے چکے تھے۔ اور افریقہ تک فوج کشی کر چکے تھے۔ نصاریٰ کی جانب اپنی فوجوں کا رُخ موڑ دیا۔ متعدد مقامات پر شاندار فتوحات حاصل کیں اس عرصہ میں معاشرے میں بڑی تبدیلیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ بہت سے پرانے عربی نژاد امیر اور رئیس ایک ایک کر کے ختم ہو چکے تھے۔ بربریوں اور صقالبوں کا زور المنصور کے منہ لگا لینے کی وجہ سے بہت بڑھ گیا تھا۔ امراء دربار میں ابو عبدہ۔ ابن شہید۔ ابن جہور اور ابن فلیس کے خاندان والے اب بھی دربار سے منسلک تھے اور با اختیار لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ یہ رئیس ابن رئیس ان نو دولتیوں اور کم ظرفوں کے مُنہ نہ لگنا چاہتے تھے۔ جو باہر سے آکر محض کسی ایک حاکم کی خوشنودیٔ طبع حاصل کرنے کی وجہ سے مال و دولت کے مالک بن بیٹھے تھے ان لوگوں سے سبھی جلتے تھے۔ خصوصاً فوجی ہونے کی وجہ سے یہ لوگ اکھڑ اور دُرشت مزاج بھی بہت تھے۔ بربری یوں بھی وحشی اور درندہ صفت سمجھے جاتے تھے۔ سلطنت ہر چند کہ بہت مستحکم اور خوش حال ہو چکی تھی مگر پرانے امراء متوسط طبقے کے امیروں اور فوجی سرداروں دونوں کو بہ نظر حقارت دیکھتے تھے۔ یہ کیفیت تو تھی مذہب خیالات کے بھی مختلف فرقے اور جماعتیں بن گئیں۔ علماء اور فقہاء ہر چند فلسفیانہ خیالات کی ترویج پسند نہ کرتے تھے۔ مگر عوام میں اس کی جانب سے شوق بڑھتا ہی جاتا تھا۔ مولویوں کی اجارہ داری مذہبی معاملات میں اب لوگ زیادہ پسند نہ کرتے تھے۔ ایسے ہی نظریات کے لوگوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا۔ اتفاق سے ان کو ابن میسرہ نامی موحد اور آزاد خیال رہنما بھی مل گیا۔ یہ لوگ اور میاسری کہلانے لگے۔ ان لوگوں نے ایسے قوانین وضع کئے۔ جو خلاف شرع اور حدیث بھی تھے۔ اور مخرب دین بھی۔ یہ عقیدے بھی انہیں لوگوں نے پیدا کئے کہ یہ دنیا ایک مچھلی پر رُکی ہوئی ہے۔ وہ مچھلی گائے کے سینگ پر ٹکی ہوتی ہے۔ وہ ایک چٹان پر کھڑی ہے۔ چٹان ایک فرشتہ کے کاندھوں پر رکھی ہوئی ہے اس کے پیروں کے نیچے ایک بحرِ بیکراں موجیں مار رہا تھا۔ اسی فرقے نے یہ بھی تعلیم دی کہ دُنیا لاحد اور لامتناہی ہے مذہب کو جبر اور دھوکہ سے اشاعت کا ذریعہ بتایا۔ ایک دوسرے فرقے نے فلاسفہ یونان کو ترویج دی۔ ریاضی اور علمِ ہیئت کے فروغ نے مذہبی عقائد میں دلائل اور منطق کو بہت کچھ دخل دیدیا۔ انہیں فرائض دینی لغو محسوس ہوئے۔ شریعت۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج تمام

Marfat.com

یکار نظر آئے۔ جتنے مسلّم شدہ اصول تھے۔ ان کی خلاف ورزی ان لوگوں نے اپنا عقیدہ نا لیا۔ اسی طرح سے ایک تیسرا فرقہ مسلمان۔ یہودی اور عیسائیوں کا مل کر وجود میں آیا۔ اس مذہب کا م ان لوگوں نے ملت الکلیہ رکھا۔ اور اس مذہب کے پردے میں لامذہبی کی ترویج کی۔ ان کے قاید میں بڑی لچک اور لوچ تھا۔ جیسا موقع دیکھتے تھے ویسا ہی کرتے تھے۔ خود عیسائیوں میں مختلف گروپ بن گئے تھے۔ مشرقی حدود میں رہنے والے ملوکی کہلاتے تھے۔ بعض نسطوری لہتے تھے۔ اور بعض یعقوبی۔ آپس ہی میں خوب ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالا کرتے تھے۔ مسلمانوں میں ھی ان کی دیکھا دیکھی خوب خوب فقرہ بازیاں اور ایک دوسرے پر لعنت ملامت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ کوئی معتزلہ تھا۔ تو کوئی خارجی سُنّی ان دونوں کے خلاف تھے۔ غرض ایک عجیب افراتفری مچی ہوئی ہوتی تھی۔ سیاسی مطلع پہلے ہی ابر آلود ہوچکا تھا۔ مذہبی انتشار نے اور بھی بے چینی پھیلادی خاندان ابن ابو عامر سے لوگ پہلے ہی بد دل تھے۔ عبدالملک المظفر ہر چند کہ بہت ہی قابل اور باصلاحیت حکمران تھے۔ مگر عموماً لوگ ان کے ہمنوا نہ تھے۔ ہشام المؤید کے خیر خواہ تھے۔ پھر بھی حسن انتظام اور خوش اسلوبی کی وجہ سے ان کا دور سنہری کہلاتا ہے۔ قدرت کو اندلس کی خوش حالی پسند نہ آئی۔ سات سال بعد ۱۰۰۸ء۔ ۳۹۹ھ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اب ان کے چھوٹے بھائی عبدالرحمٰن منصب حجابت پر فائز ہوئے۔ انہوں نے اپنا لقب الناصر دین اللہ یا بقول چند مامون اللہ تجویز لیا۔ ادھر یہ حکومت اور سلطنت کا مالک ہوا ادھر نحوست اور بدبختی کا دور شروع ہوا۔ ایک تو اس کے مزاج میں گرمی بہت تھی۔ دوسرے مولویوں اور فقیہوں سے سخت نفرت کرتے تھے۔ لوگ ان کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے کہ ان کا نسب اچھا نہ تھا۔ ان کی ماں شانجہ شاہ نبرہ کی بیٹی تھی۔ اسی وجہ سے اس کو بھی نانا کے نام پر لوگوں نے شانجول یا سنخول کہنا شروع کر دیا۔ پھر رفتہ رفتہ یہی نام مروّج ہوگیا۔ انہیں مذہبی امور سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ریاستی معاملات سے بھی برائے نام دلچسپی رکھتے تھے۔ اگر اذان دیتے وقت موذن حی علی الصلوٰۃ کہتا تھا تو یہ اپنی محفل میں بیٹھ کر حی علی الخمر کہتے تھے۔ بڑی وارفتہ مزاجی اور آزاد منش طبیعت میں پائی جاتی تھی۔ باتیں بھی وہ سنجیدہ قسم کی نہیں کیا کرتے تھے۔ بلکہ اس میں عبدالرحمٰن کی سازش کا بھی دخل تھا اور اسے زہریلا سیب کھلا کر موت کے گھاٹ اتارا۔ ان سب کے علاوہ لوگ بنو عامر کی طرف سے شدید جذبہ متنفر رکھتے تھے۔ اس بات کو عبدالرحمٰن بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے طاقت مستقل اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لئے اور مستقبل میں اپنی قوت اور سطوت کو اور زیادہ برقرار رکھنے کے واسطے ہشام المؤید

Marfat.com

جواب بھی برائے نام خلیفہ تھے ایک تحریر اس قسم کی حاصل جس سے وہ بعد از خلیفہ تخت والی دوا
ٹھہرائے جاتے تھے اس نے اپنے چند مخصوص آدمیوں مثلاً قاضی ابوذکوان ابن بردکاتب الا
وغیرہ کو شریک کار بنایا۔ جب یہ اسکیم ہشام کے سامنے پیش کی گئی تو ہرچند سلطنت کی ذمہ داریاں
فرائض سنبھالنے کا اہل نہ تھا۔ مگر یوں تاج وتخت کو بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکلتے بھی گوارا نہ کر سکتا تھ
خصوصاً جبکہ یہ افواہ گرم تھی کہ بعض پیشین گویوں کی بموجب اگر سلطنت بنی امویوں کے ہاتھ سے نکل
پھر مسلمانوں کے اقتدار کو اس قدر دھکا پہنچے گا کہ کفار ان پر مسلط ہو جائیں گے۔ مگر قاضی ابوذکوا
نے جن کا خاصا اثر ہشام پر تھا کچھ اس انداز سے نشیب وفراز سمجھائے کہ وہ آمادہ ہو ہی گئے پہلے
ایک مجلس شوریٰ اہل حل وعقد کی قائم ہوئی۔ جس میں تمام نکات پر غور وفکر کیا گیا۔ عبدالرحمن کے
برسر اقتدار آنے کے ایک ہی مہینے بعد ایک عہد نامہ کے بموجب جسے ابوحفص وثیقہ بن بروئے تحری
فرمایا۔ جس کا مضمون حسب ذیل ہے۔ عبدالرحمن ہشام المؤید کے دوران حیات میں ان کے ولی ع
اوران کے بعد تخت کے مالک ٹھہرائے گئے۔

"یہ عہد نامہ امیر المؤمنین ہشام المؤید نے عوام الناس کی اطلاع کی خاطر تحریر کیا اور مشتہ
عوام کیا۔ وہ اپنی جانب سے خدا سے عہد کرتے ہیں اور اپنے داہنے ہاتھ پر استخارہ دیکھنے کے
بعد مستقل غور وفکر کرنے کے بعد یہ طویل بیعت نامہ احاطۂ تحریر میں لاتے ہیں۔ جو امامت مسلمانو
کی خدا تعالیٰ نے ان کو بخشی ہے۔ اس کی بناء پر وہ ان تمام باتوں سے گریز کرتے ہیں جو ایمان او
شرع کے خلاف ہیں۔ اور قضائے الٰہی سے جن کا لوٹایا جانا ممکن نہیں۔ وہ سخت خوف زدہ ہیں اس
بات پر کہ امت پر کوئی ایسی مصیبت نہ آئے۔ جو ٹل نہ سکے۔ اس لئے اس معاملہ پر ان سے ہجوم نہ کیا
جائے۔ اور جب وہ واپس اپنے خدا کے پاس جائیں تو دنیا کے تمام بد اثرات سے محفوظ ہوں
اور کسی کا کوئی حق ان کے ذمہ باقی نہ ہو۔

حالات کچھ اس قسم کے نظر آتے ہیں کہ اہل قریش میں کوئی ایسا نہیں باقی رہ گیا جو بار حکومت
اُٹھا سکے۔ اور اپنے رویہ خوش اخلاقی سے مخلوق کی خدمت کر کے فرمان حق تعالیٰ بجا لائے۔
امیر المؤمنین کو کوئی ایسی ہستی بھی نظر نہیں آئی جس کو وہ اپنا ولی عہد فضائل ذاتی شرف حسب و
نسب۔ علوئے منصب ومراتب مقرر فرما سکیں اور بربنائے اتقاء، پرہیزگاری کسر نفسی خلافت اپنے
بعد اس کے سپرد کر سکیں۔ بجز ناصح حبیب ابوالمظفر عبدالرحمن بن منصور ابی عامر کے (خدا ان کو توفیق
عطا کرے۔ اور جب وہ خلیفۃ المسلمین ہوں تو حق ان کی مدد کرے) جب ان کے حالات پر ایک نظر

Marfat.com

تے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ وہ نیکی کے کام کرنے میں بالکل پس وپیش نہیں کرتے۔ دوسروں کی
ہیں پیش پیش رہتے ہیں۔ تمام خوبیوں سے مرتبع ہیں۔ ہر چہار طرف اپنا اثر رکھتے ہیں۔ خود ان
ے والد المنصور اور ان کے بھائی المظفر نیکیوں اور خوبیوں کا مجموعہ تھے انہیں کے پیرو یہ ہیں
یک دن وہ بھی انہیں کی تقلید کرتے ہوئے نیکیوں کی راہیں طے کرتے ہوئے منزل مقصود تک
ہنچیں گے۔

امیر المومنین کو اپنے علم سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جس کو وہ اختیار سونپ کے اپنا ولی عہد
بنانے والے ہیں وہ قحطانی ہے۔ جس کی بابت بروایت عبد اللہ ابن عمر بن العاص ابو ہریرہؓ حدیث
ں یہ آیا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہ آئے گی۔ جب تک ایک آدمی قحطان سے نہ نکلے گا جو
پنے عصا سے تمام مخلوق پر حکومت کرے گا۔ اس بات پر یقین رکھتے ہوئے ان تمام آثار سے مقابلہ
یا تو عبد الرحمن کو اس کے مطابق پایا۔ اس لئے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے ابو المظفر عبد الرحمن کو اپنی
بات میں امور سلطنت کی بہبودی کی خاطر اپنی رضا اور رغبت سے یہ خلافت اور تخت اپنی موت
کے بعد ان کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ عہد نامہ امیر المومنین نے لکھا ہے ان کی اجازت سے لکھا گیا
ہے اور انہیں کے حکم کے مطابق اسے جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور انہیں کی اجازت سے اس کا
نفاذ عمل میں آتا ہے۔"

اس عہد نامہ میں اختیارات کی منتقلی کے سلسلہ میں کوئی شرط درمیان میں نہیں رکھی جاتی۔
اس تحریر کی ایفاء میں اپنے قول و فعل کے مطابق خدا تعالیٰ کا عہد اور نبی کریم رسول اللہ کا ذمہ۔
خلفاء راشدین اور اپنے آباء و اجداد اور اپنی ذات کا ذمہ لیتے ہوئے یہ عہد کرتے ہیں کہ کوئی اس
میں تبدیلی نہ کی جائے گی۔ نہ کوئی تحویل ہوگی نہ کوئی زوال۔ اپنے قول پر خدا کو گواہ ٹھہراتے ہیں کہ
اس کی شہادت بہت کافی ہے۔ پھر خود شہادت دیتے ہیں کہ یہ عہد نامہ جائز الامر۔ ماضی القول
والفعل ہے۔ اور اپنے ولی عہد المامون ابو المظفر عبد الرحمن بن المنصور رجو کچھ انہوں نے قبول کیا
اور اپنے نفس پر لازم کیا۔ اس کی تکمیل میں خدا انہیں توفیق عطا فرمائے) کی موجودگی میں یہ تحریر
احاطۂ ضبط میں لائی گئی۔ اور آج بتاریخ ۱۵۔ ربیع الاول ۲۹۸ھ کو اس پر دستخط کئے گئے
اس کے بعد تمام وزراء اور قضات نے اس پر اپنے نام اور پھر بقلم خود لکھ کر دستخط کئے۔
پھر عوام الناس کے سربرآوردہ لوگوں نے دستخط کئے۔ اس روز سے بعد ابو المظفر ولیعہد
کہلانے لگے۔

Marfat.com

ادھر یہ عہد نامہ تیار ہوا۔ اُدھر سارے شہر میں ایک آگ سی لگ گئی۔ لوگوں کا غصہ اب تو درجہ انتہا تک پہونچ گیا۔ ان کے جوش و خروش کا عجیب عالم ہوگیا۔ خاندان ابن ابو عامر سے ایک عام نفرت اور بد دلی پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ اندر ہی اندر شعلے سلگ رہے تھے۔ اب ایک دم بھڑک اُٹھے۔ اس تقرری کے خلاف باقاعدہ اشعار لکھے گئے۔ جن کا مضمون کچھ اس قسم کا تھا۔

"ابن ذکوان اور ابن برد نے مذہب کی تذلیل اور توہین کا ایک نیا طریقہ نکالا ہے۔ یہ خدا کے بھی دشمن ہیں دین کے بھی۔ انہوں نے ایک عیسائی بادشاہ کے نواسے کو تخت خلافت کا حقدار بنا دیا ہے"۔

اگر عبدالرحمٰن شنجول Abdul Rahman میں ذرا سی بھی صلاحیت اپنے باپ یا بھائی کی طرح ہوتی تو اس آگ کو فرو کر دیتے۔ فتنہ محض اس وجہ سے دبا ہوا تھا کہ لوگ صقلبی اور بربری فوج سے خائف تھے۔ جو خاندان ابن ابو عامر کے ہی خواہ تھے۔ عبدالرحمٰن نے معاملات اندیشی اور حالات کا مطالعہ صحیح طور پر نہ کرتے ہوئے عیسائی ریاست لیون پر حملہ کی تیاریاں ۱۴ جنوری ۱۰۰۹ء۔ ۱۴ جمادی الاول ۳۹۹ھ کو شروع کر دیں اور بروز جمعہ اس جانب روانہ ہو گئے۔ روانگی سے قبل سر پر عمامہ باندھا اور اہلیانِ فوج کو بھی یہی حکم دیا۔ حالانکہ یہ لباس عالموں اور فقیہوں کے لئے مخصوص تھا۔ عوام نے اس حرکت کو بزرگانِ دین کی توہین سے تعبیر کیا۔ اتفاق یہ کہ اس مہم میں بھی کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ الفانسو پنجم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ سردی کی شدت اور برف باری کی وجہ سے مقابلہ بھی ناممکن ہوگیا۔ راستوں کا طے کرنا بھی دشوار ہوگیا۔ بہ حالت مایوسی اور نامرادی فوجیں قرطبہ واپس لوٹیں۔ ان کے پہونچنے سے قبل ہی ان کی ذلت اور ناکامی کی خبریں وہاں پہونچ چکی تھیں۔ لوگ برافروختہ تو تھے ہی اب کھل کر میدان میں آ گئے۔

قرطبہ میں بغاوت اس بغاوت کا سرغنہ ایک اموی شہزادہ تھا جس کا نام محمد تھا اور جو ہشام بن عبدالجبار بن عبدالرحمٰن الناصر کا بیٹا تھا۔ اس کا باپ ہشام پہلے بھی عبدالرحمٰن کے بھائی عبدالملک کے زمانے میں فتنہ بپا کر چکا تھا۔ اور انجام کار مارا گیا تھا۔ اس کے بیٹے کو اپنے باپ کی موت پر بڑی تھی ہی۔ اس کا تو خون کھول رہا تھا۔ کسی مناسب موقع اور بہانے کی تلاش تھی۔ عبدالرحمٰن کی بدنامی نے وہ موقع بہم کر ہی دیا۔ محمد جو

Marfat.com

اپنی جان بچا کر قرطبہ سے بھاگ کر اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا۔ دارالخلافت واپس لوٹ آیا۔ یہاں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ دولت کی فراوانی تھی اس کے پاس۔ طبیعت میں بھی کنجوسی نہ تھی۔ علماء پہلے ہی جلے بھنے بیٹھے تھے۔ محمد بن ہشام کی معاونت پر آمادہ ہو گئے۔ فقیہ حسن بن یحییٰ نے اس سلسلہ میں پیش قدمی کی۔ سب لوگوں کی متحدہ کوششوں کی وجہ سے جلدی ہی ایک مضبوط جماعت تیار ہو گئی۔ حاکم قرطبہ ابن عسقیلیجہ عامری جو عبدالرحمٰن کی غیر موجودگی میں اس کا قائم مقام بھی تھا ان حالات سے قطعاً بے خبر نہ تھا۔ جن لوگوں کے خلاف رپورٹ ملی۔ ان کے مکان کی تلاشیاں لی گئیں۔ اور کوئی قابل اعتراض چیز نہ ملی۔ بات دب گئی۔ محمد بن ہشام کو تیاریوں کا موقع مل گیا۔

۱۲ فروری ۱۰۰۹ء مطابق ۱۸ جمادی الآخر ۳۹۹ھ جمعہ کا دن عام بغاوت کا مقرر کر دیا گیا۔ تیس آدمی لیڈر بنائے گئے۔ ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ روز مقررہ پر قصر خلافت کے مقابل چبوترے پر سر شام جمع ہو جائیں۔ اسلحات لباس کے نیچے چھپائے رکھیں۔ سورج ڈوبتے ڈوبتے محمد نے بھی وہیں جانے کا وعدہ کیا۔ اور ان لوگوں کو اشارہ کا منتظر رہنے کی تاکید کی۔ شام کی چہل پہل سیر و تفریح میں لوگوں کو یہ اندازہ بھی نہ ہو پایا کہ اتنے آدمی کسی غرض سے وہاں جمع ہوئے ہیں۔ یا ویسے ہی تفریح کے لئے۔ محمد بن ہشام بھی اپنے گروہ کو لئے ہوئے خچر پر سوار اسی مقام پر پہونچ گیا۔ آتے ہی اشارہ کیا تیسوں جوان فوراً محل کے دربانوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان پر جو ناگہانی ٹوٹی تو گھبرا گئے۔ کچھ زیادہ مزاحمت نہ کر پائے۔ بے دست و پا ہو گئے۔ محمد بن ہشام تلوار ہاتھ میں سونتے محل میں داخل ہوئے ابن عسقیلیجہ کو پتہ بھی نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ وہ تو جیسی کنیزوں کے ساتھ شغل بادہ نوشی میں مصروف تھا۔ شور و غل سن کر جو ہڑ بڑا کر اٹھا تو دیکھا محمد کی تلوار سر پر چمک رہی ہے۔ سنبھل بھی نہ پایا تھا کہ گردن سر سے الگ ہو گئی۔ اس کی موت کی اطلاع فوراً ہر گلی کوچے میں پہونچ گئی۔ لوگ خوشی سے پورے ہتھیار اٹھائے محمد بن ہشام کے ساتھیوں کے ساتھ مل گئے۔ اچھلتے پھاندتے سب قصر خلافت کی فصیل کے نیچے جمع ہو گئے۔ اسے دو جگہ سے توڑ بھی ڈالا۔ خلیفہ ہشام تو بیچارے بالکل نا قابل اور نا اہل قسم کے آدمی تھے وہ بھلا اس مصیبت کا کیا مقابلہ کر پاتے اسی انتظار میں بیٹھے رہے کہ شاہی فوجیں آکر فوراً ان باغیوں کو سزا دیدیں گی۔ اور بلوائیوں کا قلع قمع کر دیں گی۔ مگر شاہی فوجیں اور ان کے عہدیدار وہاں سے دور قصر الزاہرہ میں بیٹھے یہ سوچ رہے تھے کہ وہاں حاکم شہر ابن عسقیلیجہ موجود ہی ہے ساری بغاوت کو دبا لے گا۔ انہیں کیا معلوم کہ وہ پہلے ہی قتل کیا جا چکا ہے۔ جب یہ بات معلوم

Marfat.com

ہوئی تو دم بخود ہوکر رہ گئے اپنی اپنی فکر میں لگ گئے۔ خلیفہ کو کسی کا خیال ہی نہ رہا۔ بجبوراً خلیفہ کو خود اپنا خیال کرنا پڑا۔ محمد بن ہشام کے پاس یہ پیغام پہونچوایا کہ اگر میری جان بخش دی جائے تو تمہارے حق میں خلافت سے دستبردار ہو جائیں گے۔ محمد بن ہشام نے بصد ادب جواب کہلوا کہ اس ساری بغاوت کا مقصد قطعاً آپ کی جان لینا نہیں ہے۔ بلکہ ان لوگوں کے ہاتھ سے اختیارات چھین لینا جو اُمویوں کے حقوق غصب کئے ہوئے ہیں۔ رہا سلطنت کا معاملہ تو وہ اگر برضا و رغبت طے ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ اتنی گفتگو کے بعد فوراً ایک مجلس مشاورتی جس میں عالمان دین کے علاوہ روساء اور ذی حیثیت اصحاب شامل تھے طلب کی گئی۔ ایک معاہدہ ہشام بن الحکم اور محمد بن ہشام کے درمیان ہوا جس میں حکومت کی عنان ہشام کے دستخطوں سے محمد بن ہشام کے ہاتھ میں دیدی گئی۔

ہشام کو جو یہ سارے اختیارات بیک چشم زدن میں حاصل ہو گئے تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا۔ رات بھر اس نے وہیں قصر خلافت میں قیام کیا۔ اپنے ہی ایک عزیز کو منصب حاجب پر فائز کیا۔ فوج میں اپنے آدمی بھرتی کرنا شروع کر دیئے۔ لوگ بھی دھڑا دھڑ نئے ولولوں اور اُمنگوں کے ساتھ نئے خلیفہ کی فوج کے رکن بننے لگے۔ جن میں زیادہ تر متوسط گھرانے کے افراد تھے۔ عبد الرحمٰن کی مخالفت میں یہ سارا شوشہ کھڑا ہوا تھا اس کی مخالفت بدستور جاری تھی محمد بن ہشام نے نئے حاجب کو حکم دیا کہ اپنے سرکردہ فوجیوں کے ساتھ قصر الزاہرہ کا محاصرہ کرے اور اگر کوئی مخالفت پر آمادہ ہوا اس اذیت کے ساتھ قتل کر دے۔ مگر وہاں ان حالات میں کون مقابلہ کرتا۔ سب نے گردنیں جھکا دیں۔ محمد بن ہشام نے بھی عفو سے کام لیا۔ البتہ ان لوگوں کو خوب سخت سست کہا جنہوں نے عبد الرحمٰن کو ولیعہد سلطنت بنوا دیا تھا۔ وہ لوگ بھی بہت نادم ہوئے۔ سب نئے والیٔ ریاست کے ہمنوا ہو گئے۔ ایک دن کے اندر ہی اندر ساری مخالفت دب گئی۔ خاندان ابن ابو عامر کا سارا بول بالا ختم ہو گیا۔ لوگ بے انتہا مسرور و شاداں نظر آنے لگے کسی کو بھی یہ اُمید نہ تھی کہ ان کی اُمیدیں اس قدر جلد پوری ہو جائیں گی۔ یہ تبدیلی یوں آنکھ جھپکتے وقوع پذیر ہو جائے گی۔ اب جو واقعی ہو گئی تو ان کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ گمان یہ تھا کہ لوٹ مار کا جو بازار گرم ہوا ہے۔ وہ عرصہ تک جاری رہے گا۔ مگر محمد بن ہشام نے دور اندیشی کو کام میں لیتے ہوئے اس بات کو زیادہ ہوا ہی نہ دی۔ البتہ یہ حکم دیا کہ جو بیش قیمت چیزیں اور خزانے الزاہرہ میں محفوظ ہیں ان کو وہاں سے نکال کر قرطبہ صحیح سلامت پہونچا دیا جائے۔ لوگوں کو

اتنا اشارہ کافی تھا۔ انہوں نے ایسا لوٹا کھسوٹا کر دروازے۔ کھڑکیاں جالیاں تک نہ چھوڑیں۔ الزاہرہ کے علاوہ اور جو سربر آوردہ لوگوں کے مکانات۔ ملازم پیشہ کے مکانات تھے انہیں بھی خوب خوب لوٹا۔ چار دن تک مستقل یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بمشکل تمام اس کو روکا جاسکا پندرہ لاکھ طلائی سکے۔ ۱۲لاکھ نقرئی سکے۔ ۲۰لاکھ اشرفیاں اس کے علاوہ ان گنت قیمتی چیزیں لوٹنے والوں کے ہاتھ آئیں۔ جب یہ سارا کام تکمیل پا چکا تو محل کو نذرِ آتش کر دیا گیا۔ اتنی پُرشکوہ اور عظیم الشان عمارت جل کر خاکستر ہو گئی۔

۲۸ فروری ۱۰۰۹ء مطابق ۱۲۔ جمادی الآخر ۳۹۹ھ کو جامع قرطبہ میں بعد نماز جمعہ میں دو اعلان سُنائے گئے۔ ایک کی رُو سے عبد الرحمٰن سنخول پر سخت سب وشتم کیا گیا اور اس کی عادات بد کو گنوایا گیا۔ ہر نماز کے بعد اس پر لعنت ملامت بھیجنے اور بددُعا کرنے کی تلقین کی گئی۔ دوسرے اعلان کے بموجب جتنے محصول اور ٹیکس بلا وجہ حال ہی میں لگائے تھے اور رعایا کے لئے سخت ناگواری کا باعث تھے وہ سب منسوخ کئے گئے۔ ایک ہفتہ بعد محمد بن ہشام المہدی باللہ کے لقب سے تختِ اُندلس پر متمکن ہوئے۔

Marfat.com

باب (۵۵)

محمد بن ہشام المہدی باللہ

خلافت کا بار سنبھالتے ہی محمد نے سب سے پہلے فوج کی تنظیم شروع کردی کیونکہ ابھی جو خاص خطرہ تھا وہ ہنوز لاحق تھا۔ عبدالرحمٰن سنخول فوج کی کثیر تعداد لئے ہوئے لیوں سے واپس آرہا تھا۔ اس سے لڑنے کے لئے جملہ شہریوں کو ترغیب دی جانے لگی لوگ تو اس سے نالاں تھے ہی اس کو کارِ ثواب سمجھ کر فوج میں شامل ہونے لگے۔ ادھر بھی ایک لشکر کثیر تیار ہوگیا۔ مگر اس کی نوعیت ذرا مختلف تھی۔ یہ تمام شہری جو فوج میں بھرتی ہوتے تھے۔ قواعد داں فوج کے افراد نہ تھے بلکہ تاجر۔ زمیندار۔ کلرک۔ ملازم۔ حجّام۔ جولاہے۔ قصّاب۔ پنساری۔ غرض معمولی پیشہ ور لوگ تھے جو اس پورے فن سے نابلد تھے۔ اسی کے ساتھ ان لوگوں کی ماتحتی بھی قبول نہ کرسکتے تھے۔ جن سے خار کھائے ہوئے بیٹھے تھے۔ لہٰذا ان کے افسر بھی انہیں افراد میں سے منتخب کئے گئے۔ یوں اقتدار قدیم امرائے سلطنت کے ہاتھ سے بھی نکل گیا۔ بالکل نئے لوگوں کی عملداری ہوگئی۔

ان نت نئی تبدیلیوں کا حال عبدالرحمٰن کو طلیطلہ میں معلوم ہوا۔ اس نے اپنا رُخ قلعہ رباح کی طرف موڑ دیا۔ جو کبھی عمر ابن حفصون کی بھی جائے پناہ رہ چکا تھا۔ فوجی طاقت ابھی اس کے ساتھ تھی ہی۔ اس کو یقین تھا یہ سارا ہنگامہ بنوکِ شمشیر دبا دیا جائے گا۔ اسے کیا معلوم جن لوگوں پر وہ اعتماد

کررہا ہے۔ وہی ناقابلِ اعتماد ہیں۔ کچھ تو پہلے ہی یہ خبریں سُن کر سرکنے لگے۔ بربری صقلبی اور زناتہ سے جب اس نے حلف وفاداری لینا چاہا تو وہ لوگ بھی پچک گئے اور کہنے لگے کہ ایک مضمون کے حلف بار بار اٹھانے سے فائدہ وفادار رہنے کا عہد ہم تو پہلے ہی کرچکے ہیں۔ عبدالرحمٰن جانتے تھے کہ یہ اس قبیلے اور قوم کے فرد ہیں جن کی وفاداری۔ ایمانداری کوئی اہمیت۔ کوئی معنی رکھتی ہی نہیں ہے۔ یہ تو لالچی اور طماع ہیں۔ دولت ان کی ملجا وماوٰی ہے۔ اس کا خیال صحیح ہی تھا۔ بربر پہلے ہی دل میں مہدی باللہ کا ساتھ دینے کا ارادہ کرچکے تھے۔ عبدالرحمٰن اپنی جگہ مطمئن تو پہلے ہی نہ تھا۔ جب یہ روّیہ دیکھا تو اپنے ایک فوجی افسر محمد بن یعلیٰ سے پوچھا کہ فوج کے ارکین کے کیا خیالات ہیں جواب ملا سب آپ سے بددل ہیں۔ اب تو عبدالرحمٰن کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ پھر بھی اس نے ہمّت نہ ہاری اور قرطبہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جہاں اس کو اس وقت بھی اپنے دوستوں اور وفاداروں سے کچھ توقعات تھیں۔ عیسائی ریاست کاریون کا والی البتہ ابھی تک عبدالرحمٰن کا خیرخواہ اور وفادار تھا۔ اس نے اس کو اس ارادے سے باز رکھنا چاہا۔ اور غلط قسم کی توقعات کو سہارا بنانے سے منع کیا۔ مگر جب گیدڑ کی موت آتی ہے۔ تو وہ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ عبدالرحمٰن بھی نہ مانا۔ تھوڑی بہت فوج لئے قرطبہ کی طرف روانہ ہوا۔ رئیس کاریون نے ساتھ نہ چھوڑا۔ جب ایک پوشیدہ مقام ہانی پر پہونچے تو جماعت میں اور بھی افتراق پیدا ہوا۔ رات کو اطمینان سے سوئے صبح جاگے تو دیکھا سوائے چند ملازمین اور رئیس کاریون کے کوئی باقی نہ رہا تھا اس عیسائی نے پھر بہت زور دیا کہ واپس چل کر کاریون میں پناہ لیجئے اور قرطبہ جانے کے ارادے سے باز رہئیے مگر عبدالرحمٰن کو اس کی موت قرطبہ کھینچے لئے جارہی تھی۔ اپنے دوست کی مخلصانہ رائے نہیں مانی۔ بلکہ یہ جواب دیا کہ میں نے قاضی شہر کو لکھ دیا ہے کہ میرے لئے خلیفہ سے امان حاصل کرے۔ رئیس کاریون نے یقین دلانا چاہا کہ اب ایسی امان کا ملنا ناممکن ہے۔ مگر عبدالرحمٰن نہ مانا۔

۴۔ مارچ ۱۰۰۹ء۔ ۱۶۔ جمادی الآخر ۳۹۱ھ جمعرات کے دن اس کا قافلہ خانقاہ شانس میں اقامت گزیں ہوا۔ دوسرے دن خلیفہ مہدی باللہ جس کو عبدالرحمٰن کی تمام حرکات وسکنات کی خبریں مل رہی تھیں۔ وہیں اپنے سوار گرفتاری کے لئے بھیجدیئے عبدالرحمٰن نے ان سے ان کے آنے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کو قرطبہ پہونچانے کا حکم دیا گیا ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا مجھے تو معافی دیدی گئی ہے۔ میری جان تو سلامت رہے گی۔ سواروں نے جواب دیا امید تو ہے۔ فی الحال تو آپ ہم لوگوں کے ساتھ چلئے۔ چنانچہ وہ چل دیا۔ بعد میں مہدی کا مقرر کردہ نیا

Marfat.com

حاجب ایک پوری فوج کے ساتھ پہنچ گیا۔ عبدالرحمٰن فوراً اس کے سامنے سجدہ بجالایا۔ ایک تو وہ حاکم تھا۔ دوسرے خاندان بنی اُمیہ میں سے تھا۔ سواروں نے کہا کہ اس کے گھوڑے کے پیروں کو بھی بوسہ دو عبدالرحمٰن نے طوعاً و کرہاً یہ بھی کیا۔ رئیس کاریون کھڑا یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا اور انقلاباتِ زمانہ پر غور کر رہا تھا کہ کل یہی شخص پوری سلطنت کا مالک تھا۔ اور بڑے بڑے اس کے سامنے دین بوس ہوتے تھے۔ لرزہ براندام رہتے تھے۔ آج یہ حاکموں کے گھوڑوں کے پیر کو بھی چوم رہا ہے۔ جب یہ سب کچھ ہوگیا تو عبدالرحمٰن کو برہنہ سر ایک گھوڑے پر سوار کیا گیا۔ جب شام ہونے لگی تو حاجب نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں۔ حکم کی تعمیل کچھ اس سختی سے کی گئی کہ رسی گوشت کے اندر گھس گئی۔ خون کی روانی رُک گئی۔ نیل کے داغ پڑ گئے۔ عبدالرحمٰن نے التجا کی کہ خدا کے واسطے اتنی سختی نہ کرو۔ ذرا بند ڈھیلے کر دو۔ ان لوگوں کو بھی رحم آگیا۔ رسیاں ڈھیلی کر دیں۔ عبدالرحمٰن نے فوراً اپنے موزوں سے خنجر نکال کر سینے میں گھسیڑ لینا چاہا۔ مگر لوگوں نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔ اور اس حرکت سے باز رکھا۔ جب حاجب کو معلوم ہوا تو ہنسا اور عبدالرحمٰن سے بولا کہ آپ کو خودکشی کی زحمت نہ دی جائے گی۔ پھر زمین پر گرا کر سرتن سے جدا کرنے کا حکم دیا۔ اس کے قتل کے بعد رئیس کاریون کا بھی یہی حشر ہوا۔ اگلے روز حاجب عبدالرحمٰن کی لاش اور سر علیحدہ علیحدہ لئے ہوئے قرطبہ پہنچے اور خلیفہ مہدی باللہ کے سامنے پیش کیا۔ مہدی نے لاش کو گھوڑے سے روندڈالا پھر ایک شلوار اور قبا میں رکھ کر محل کے دروازے کے سامنے لٹکوا دیا۔ اور قریب ہی ایک نیزے پر اس کا سر بلند کر دیا۔ پاس ایک شخص کو کھڑا کیا جسے حکم دیا کہ ہر راہگیر کو مخاطب کر کے یہ کہے کہ ذرا دیکھو سنخول کا یہ انجام خدا کی لعنت بھیجو اس پر بھی اور مجھ پر بھی۔ یہ مجھ پر بھی اس لئے کہنا پڑتا تھا کہ وہ شخص عبدالرحمٰن کا دستِ راست تھا اور اس کی فوج کا ایک اعلیٰ افسر اور اس کا بہی خواہ تھا۔ اس کی جان محض اسی وجہ سے بخشی گئی تھی کہ وہ اپنی ذات پر بھی عبدالرحمٰن کے ساتھ ساتھ لعنت بھجوائے گا۔

عبدالرحمٰن سنخول کے قتل کے بعد المہدی باللہ کے سامنے کوئی اور دشوار مرحلہ باقی نہ رہا۔ ہشام المؤید کو پہلے ہی قید خانے کی ہوا کھلا چکے تھے۔ رہ گئے بربر جو عامریوں کے پروردہ تھے انہوں نے دورانِ شورش ہی مہدی کا حقِ خلافت تسلیم کرلیا تھا۔ دوسری طاقتور قوم متقلبوں کی تھی۔ ان کا لیڈر واضح عامری تھا جو اس وقت شمالی سرحدوں پر متعین تھا۔ اس نے ایک خط لکھ کر اپنی عقیدت مندی کا بھی اظہار کر دیا تھا۔ بیعت بھی کر لی تھی۔ اور مبارکباد بھی پیش کر دی تھی۔ مہدی نے بھی اس کو

Marfat.com

ایک خلعت فاخرہ ایک مزین گھوڑا اور بہت سا مال و متاع بھیجدیا تھا۔ اسے سرحدوں پر بحیثیت حاکم کے قائم رکھا۔ اور مستند کر دیا۔ کچھ عرصہ کے لئے تو یہ محسوس ہوا کہ سارے حالات درست ہو گئے۔ اب کوئی فتنہ ابھرنے کے لئے باقی نہیں رہ گیا۔ لیکن مہدی باللہ کی غیر عقلمندانہ حرکتوں کی وجہ سے ساری بازی اُلٹ گئی۔ واقعات نے اُن کو کسی حد تک ظلم و تعدی پر بھی مجبور کر دیا تھا۔ کچھ دنوں تک تو یہ بات چل گئی۔ مگر انتشاری کیفیت ختم ہونے کے بعد یہ حرکات برداشت نہ کی جا سکتی تھیں۔ کچھ مخالفتیں جو ہوئیں تو مہدی سمجھے یہ ساری اس فوج کی شرارت ہے جو اہل حرفت و صنعت پر مشتمل ہے اور نئی نئی بھرتی ہوئی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مہدی کو خلافت دلانے والوں میں اُن کا ہاتھ کُلّی طور پر ہے۔ اس لئے ان سب کو بیک جنبش قلم برخواست کر دیا۔ سات ہزار کے قریب افراد جو دھندے سے لگے ہوئے تھے بیکار ہو گئے۔ وہ اپنا پہلا پیشہ بھی چھوڑ چکے تھے ان کے لئے ایک مشکل پیدا ہو گئی۔ وہ لوگ سب سے پہلے مخالفین بنے۔ دوسرا جو غلط قدم مہدی نے اٹھایا وہ صقالبہ کا جلا وطن کرنا تھا۔ یہ لوگ عامریوں کے زمانے میں بڑے بڑے اختیارات اور اقتدارات کے مالک ہو گئے تھے۔ ان کو ملازمت سے علیحدہ کر کے شہر سے نکالا گیا۔ تو ایک طرح سے دشمنوں کے ہاتھ بہت مضبوط کر دیئے گئے۔ تیسری جو غیر دانشمندانہ حرکت کی وہ علمائے دین کی طرف سے تغافل اور بے اعتنائی برت کے ان کو خواہ مخواہ اپنا دشمن بنا لیا۔ رویہ کچھ اس قسم کا اختیار کیا کہ رعایا بھی بھڑک اٹھی۔ منصب، مراتب، دولت، عزت جو حاصل ہوئی تو اور سب کچھ بھول کر عیش و عشرت میں پڑ گئے۔ محل سے باہر کبھی آئے ہی نہیں۔ اندر بند مستقل داد عیش دیا کرتے شاندار دعوتیں اور روز ور دار جشن منعقد کرتے۔ جن میں سینکڑوں بانسریاں۔ نفیریاں اور مختلف ساز سجا کرتے۔ نئے نئے انداز سے عیش و طرب کی محفلیں جمتیں۔ اب لوگوں کی سمجھ میں یہ آیا کہ یہ تو عبدالرحمٰن سے بھی بدتر آدمی ہے اس کا مستقل لقب شرابی پڑ گیا۔ اپنے گھروں کی عزت محفوظ رکھنے کے لئے بہت سے امراء اس کے سامنے جانے سے کترانے لگے۔ شعراء نے اس کے اطوار اور چال چلن کے متعلق اشعار نظم کرنا شروع کر دیئے۔ ہر طرف سے مخالفت اور مخاصمت کا ایک طوفان اُمنڈ آیا۔

واضح عامرہ جو مہدی کا دوست بن چکا تھا اس کی خوشنودی طبع کی خاطر اس کے بعض مخالفین کا سر کاٹ کر اس کے پاس بھیج دیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ وہ گلدانوں میں سجا دیئے جائیں اور محل کے سامنے دریا کے کنارے انہیں سجا دیا جائے۔ پھر شعراء سے کہا گیا کہ ان سے متاثر

Marfat.com

ہو کر نظمیں لکھیں۔ ان میں ابو العلا صاعد بھی تھے۔ جو کسی زمانے میں منصور کی ناک کا بال اور آنکھ تارہ بنے ہوئے تھے۔ اور انہیں کے بلانے پر دور دراز کا سفر طے کر کے اندلس پہونچے تھے اور انہوں نے عامریوں کی مذمت اور مہدی باللہ کی مدح سرائی شروع کر دی۔ لوگ ذرا خاموش ہوئے تو مہدی نے بربریوں کی بھی ذلت شروع کر دی۔ ان کو ہتھیار سجانا۔ گھوڑے پر سواری کرنا قصر خلافت میں حاضری دینا سب منع کر دیا گیا۔ یہ ان کی تحقیر کا نرالا طریقہ تھا۔ اس کے بعد شہر والوں کو اکسا کر ان کے گھروں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ جب زادی بن مناد اور ایک دو بربر سردار نے خلیفہ کے حضور یہ شکایت پیش کی کہ یہ زیادتی فوراً بند کی جائے۔ اور مجرمین کو فوری طور پر سزائیں دی جائیں تو مہدی کے وقتی طور پر ان کا دل رکھنے کے لئے بعض لوگوں کی گردنیں کٹوادیں مگر پھر بات دب جانے کے بعد وہی طریقے شروع کر دیئے۔ اسی اثناء میں ایک عیسائی جو ہشام المؤید کی ہم شکل تھا۔ مرا تو مہدی نے یہ مشہور کرا دیا کہ سابق خلیفہ کا انتقال ہو گیا۔ اپریل ۱۰۰۹ء شعبان ۳۹۹ھ میں اس کی لاش محل میں منگوا کر لوگوں کو اس کی صورت دکھا جن لوگوں کو اس بات پر یقین نہ آیا۔ انہیں کچھ دے دلا کر یہی مشہور کروا دیا کہ ہشام کا انتقال ہو گیا۔ پھر ان کا جنازہ نہایت دھوم دھام سے قبرستان میں دفن کر دیا۔ جبکہ وہ خود حقیقتاً زندہ ایک وزیر کے گھر میں پابند طوق و سلاسل کر دیئے گئے۔ یہ بات ان کی خواہش کے مطابق جب انجام پا گئی تو دیگر شاہی افراد پر مظالم توڑنے لگے۔ مئی ۱۰۰۹ء رمضان ۳۹۹ھ میں سلیمان ابن عبدالرحمٰن الناصر کو بلاوجہ قید خانے بھجوا دیا۔ ان کا قصور اتنا تھا کہ کچھ روز قبل تخت کے لئے ان کا نام بھی تجویز کیا گیا تھا اس کے بعد یہ خبر ہر طرف گونجنے لگی کہ کچھ مخصوص بربری سرداروں کی تعداد دس کے قریب ہے قتل کئے جانے والے ہیں۔ اب تو تمام بربری جوش غضب میں بھر گئے۔ سلیمان کے بیٹے ہشام نے ان کو اور بھی بھڑکایا۔ یہاں پر ایک مختصر شجرہ رشتہ داروں کا سلسلہ سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

عبدالرحمٰن الناصر دین اللہ

سلیمان — عبدالجبار — الحکم المستنصر باللہ

(مہدی نے قید کرا دیا)

Marfat.com

ہشام (عبدالرحمن نے قتل کرایا)

ابوبکر — ہشام — الحکم

محمد — المہدی باللہ

سلیمان (المستعین باللہ)

عبیداللہ

ہشام المؤید

اب بربر۔ بہت سے اُموی شہزادے۔ سرداران صقالبہ برطرف شدہ فوج سب ایک پلیٹ [فار]م پر مہدی باللہ کے خلاف جمع ہوگئے۔ ۲رجون ۱۰۰۹ء۔ ۵ شوال ۳۹۹ھ یہ سارے لوگ [ش]مشیر بکف ہشام بن سلیمان کو اپنا خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے۔ مہدی باللہ کے گھر کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ مہدی جو اس وقت محفلِ رقص و سرود جمائے ہوئے تھے عیش کو منغض ہوتے دیکھ کر نحت چیں بہ جبیں ہوئے۔ دریافت کیا تو ہشام نے کہا کہ آپ نے بلا وجہ میرے باپ کو قید و بند [ک]ی سختیوں میں مبتلا کردیا ہے۔ مہدی نے اس وقت ذرا دبنا مناسب سمجھا۔ اس کو خوش کرنے کے لئے سلیمان کو آزاد کردیا۔ اس وقت تو بات ٹل گئی۔ مگر پھر ہشام بن سلیمان نے دعویٔ خلافت [ک]ردیا۔ اور اپنا حق تحریری طور پر مہدی باللہ کے سامنے پیش کردیا۔ مہدی باللہ پھر مشتعل ہوگئے۔ پہلے خط و کتابت کے ذریعہ معاملہ سلجھا دینا چاہا۔ مگر جب ہشام مستقل خلافت کے معاملہ میں سنجیدہ ہوتے گئے تو ایک فوج مہدی نے اپنی مدد کے لئے بلوالی۔ ادھر بربر جو اس خط و کتابت کی وجہ سے کوئی تاخیر برداشت نہ کر سکتے تھے۔ قرطبہ کے بازار کے اس حصہ کو جو برتن سازوں کا لوٹنا شروع کردیا۔ شہریوں کو تو بربر ایک آنکھ نہ بھاتے تھے وہ بھی مارنے مرنے پر تل گئے۔ شاہی فوج بھی اُن کی مدد کے لئے پہونچ گئی۔ بربریوں کو مستقل زک اُٹھانا پڑی۔ ۳رجون ۱۰۰۹ء۔ ۶رشوال ۳۹۹ھ کو بربریوں کو مکمل شکست ہوگئی۔ ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے۔ جو بچے انہیں سخت پریشانی کے عالم میں شہر چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ ان کی بیوی بیٹیاں لوگوں کی کنیزیں اور حرم کی لونڈیاں بنیں مردوں کے سروں انعامات مشتہر کئے گئے۔ ہشام اور سلیمان دونوں لذتِ فنا سے آشنا کردیئے گئے۔

بربریوں کو اپنی شکست اور اس ذلت پر سخت صدمہ ہوا۔ اتفاق سے ان کا سردار جو

Marfat.com

بہت باصلاحیت اور قابل تھا ہنوز زندہ تھا۔ اس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ اس کا نام تھا زاوی مناد جو قبیلہ صنہاجہ کا رئیس تھا۔ اور قیروان کے قرب و جوار کے علاقہ پر حکومت کیا کرتا تھا۔ مہدی باللہ کے مقابلہ پر ایک دوسرے اُموی شہزادے کو بطور خلیفہ نامزد کرنے کی اسکیم اسی کی تھی۔ ہشام بن سلیمان کے مارے جانے کے بعد اس نے بربریوں کو پھر ایک جگہ پر متحد کیا اور ان کو اپنی تذلیل کا بدلہ لینے کی قسمیں دلائیں سلیمان بن عبدالرحمٰن الناصر کے دوسرے بیٹے حکم (ہشام کا بھائی) کے بیٹے سلیمان کو اپنی مقصد برا ری کے لئے دوبارہ خلافت کے واسطے تجویز کیا۔ پیچھے دیئے ہوئے شجرہ پر ایک نظر ڈالنے سے اس کا سلسلہ رشتہ داری بھی واضح ہو جائے گا۔ جس وقت سلیمان بن حکم کے چچا ہشام بن سلیمان بن عبدالرحمٰن الناصر نے بغاوت کی تھی اور مارا گیا تھا تو یہ سلیمان شکست زردہ بربریوں کے ساتھ قرطبہ سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ اب زاوی نے اسی کو نہ صرف خلافت کے لئے پیش کیا بلکہ اس نے بربریوں سے اس کے نام پر بیعت بھی لینا چاہی۔ کچھ لوگوں نے اعتراض بھی کیا مگر اتحاد اور اتفاق کے نام پر ان کی آواز دبا دی گئی۔ جب سلیمان کے ہاتھ پر بیعت ہو گئی اور اس نے المستعین باللہ کا لقب اختیار کر لیا۔ تو زاوی نے ایک دوسری اسکیم یہ پیش کی کہ جتنے بربری قبائل کے لوگ یہاں موجود ہیں وہ اپنے اپنے قبیلے کے لحاظ سے اپنا سردار چن لیں۔ یہ بڑی شاطرانہ چال تھی اس طرح سے المستعین باللہ تمام بربری سرداروں کے دست نگر ہو گئے۔ اور بربری سپاہیوں سے ان کا براہِ راست کوئی تعلق نہ رہا۔ جب یہ سارے معاملات طے پا گئے تو اس فوج نے سب سے پہلے وادی الحجارہ کو اپنا نشانہ بنایا۔ وہاں لوٹ مار مچا کر حاکم شمالی سرحد واضح عامری سے یہ درخواست کی وہ باقاعدہ فوج سے ان لوگوں کی اعانت مہدی باللہ کے خلاف کرے واضح نے معاملہ کو لیت و لعل میں ڈال کر مہدی کو حالات سے مطلع کیا۔ اور فوجی امداد طلب کی۔ بربریوں نے اس کے دارالحکومت مدینہ سالم پر حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہا۔ مگر واضح نے شاہی فوجوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں کی ایک ایسے انداز سے مرمت کی کہ وہ ساری چوکڑی بھول گئے۔ دوبدو جنگ میں تو واضح کو شکست ہوئی مگر اس نے قلعہ بند ہو کر بربریوں تک رسد پہنچنے کے تمام ذرائع منقطع کر دیئے جب ان کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ تو انہوں نے مجبوراً شانجہ بادشاہ قشتالیہ سے مدد کی درخواست کی مہدی کو بھی اس بات کی خبر لگ گئی اس نے بھی ایلچی قشتالیہ کے

Marfat.com

دربار تحفے تحائف کے ساتھ روانہ کئے اور شانجہ کو یقین دلایا کہ اگر اس نے سلیمان المستعین کے خلاف مہدی کی مدد کی تو بہت سے قلعے اور جاگیریں اس کو بخش دی جائیں گی۔

اللہ رے مسلمانوں کی زبوں حالی! ایک دن تھا کہ عیسائی ان کے نام سے کانپتے تھے۔ وہ جس طرح چاہتے تھے ان سے معاہدہ لکھوا لیتے تھے۔ آج یہ وقت آگیا تھا کہ دونوں مسلمان فریق اس کی مدد کے متمنی تھے۔ شانجہ نے حالات کا پوری طرح جائزہ لینے کے بعد المستعین کو مدد دینے کا وعدہ کر لیا۔ البتہ اس سے یہ مطالبہ کیا کہ جو قلعہ اور زمینیں اس کو بطور انعام مہدی کی جانب سے دی جا رہی ہیں۔ وہ اگر المستعین کو فتح پا جائیں تو اس کی جانب سے مل جائیں۔ المستعین نے اس شرط کو قبول کر لیا۔ پھر تو شانجہ نے فوجی کمک کے ماسوا بہت زیادہ تعداد اور مقدار میں سامانِ رسد جس میں تقریباً ایک ہزار بیل۔ پانچ ہزار بھیڑیں اور ایک ہزار گاڑیاں۔ دوسرے کھانے پینے کی چیزوں سے لدی پھندی بھجوا دیں۔ رسد کی تکلیف سے جو نجات ملی تو بربر فوج تازہ دم ہو کر مدینہ سالم پر ایک زبردست حملہ کرنے کے لئے بڑھی وہاں پہونچ کر ان لوگوں نے واضح کو اپنی جانب ملانا چاہا۔ جب وہ رضامند نہ ہوا تو وہ اپنی فوجی طاقت کو وہاں ضائع کرنے کے بجائے قرطبہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ یہ واقعہ جولائی ۱۰۰۹ء مطابق ذی قعدہ ۳۹۹ھ کا ہے۔ واضح سمجھا بربری اور عیسائی اس کی طاقت سے خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ فوراً ایک فوج لے ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ یہ عالم دیکھ کر بربری مڑ پڑے اور اسے سخت شکست پہونچائی۔ واضح نے اپنے چار سو ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کر قرطبہ میں پناہ لی۔ اور وہاں مہدی کو واقعات بتلائے۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس کے چار سو ساتھیوں میں سے دو سو اس کا ساتھ بھی چھوڑ کر چلے گئے۔ مہدی بڑی تیاریوں کے ساتھ اہلِ شہر اور خاصانِ دولت کی حمایت لے کر قرطبہ کے باہر مشرقی میدان میں دشمن کے پہونچنے کا انتظار کرنے لگا۔ جیسے ہی وہ لوگ سامنے نظر آئے۔ بغیر سوچے سمجھے موقع محل دیکھے حملہ کر دیا جنگ ۵ نومبر ۱۰۰۹ء مطابق ۱۴ ربیع الاوّل ۳۹۹ھ کو بمقام قنتش ہوئی۔ بربریوں نے بڑی جانبازی کا ثبوت دیا۔ ان کے معدودے چند آدمیوں نے حد سے حد میں نے مہدی کی ساری فوج کو ناکوں چنے چبوا دیئے۔ پھر زوردار حملہ کر دیا۔ تقریباً ۲۰ ہزار سے زیادہ آدمی یا قتل ہوئے یا بھاگتے ہوئے کچل کر مر گئے۔ ان میں عالمانِ دین بھی تھے۔ اامامانِ مسجد بھی۔ ان میں اہلِ حرفہ بھی تھے اور پیشہ ور بھی۔ ابن حیان کا بیان ہے کہ صرف دس ہزار آدمی مارے

Marfat.com

گئے یا دریائے وادی الکبیر میں ڈوب مرے۔ مگر دوسرے مورخین ۲۰ سے ۳۰ بلکہ ۳۶ ہز
تعداد مقتولین کی بتلاتے ہیں۔ واضح انجام جنگ سے پہلے ہی واقف تھا۔ اس لئے مناسب
موقع دیکھ کر چھ سو آدمیوں کے ساتھ سرحد کی طرف کھسک گیا۔ مہدی نے قرطبہ پہونچکر محل
میں چھپ کر جان بچائی۔ بربریوں نے اس کو گھیر لیا۔ مہدی نے پیغام بربریوں کے پاس
بھیجا کہ اگر میری جان بخشی کی جائے تو میں ہشام المؤید کو قید خانے سے نکال کر پھر تخت
خلافت پر بٹھانے کو تیار ہوں۔ یہ پیغام ابن ذکوان لے کر گئے تھے۔ جب بربریوں نے یہ
بات ان کی زبان سے سنی تو بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ کل تو ہشام کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی
نماز جنازہ بھی مہدی نے پڑھائی تھی۔ پھر جنازہ بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ سپرد
خاک کیا گیا تھا۔ آج وہ کیسے زندہ ہو گئے۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ بہر حال خلیفہ تو سلیمان
المستعین مقرر ہو چکے۔ شہریوں نے بھی المستعین سے مصالحت میں مصلحت دیکھی۔ ان کے آگے
بیعت کر کے اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔ اب مہدی کے لئے کوئی چارہ نہ رہ گیا۔ اس نے بھاگ کر
طلیطلہ میں پناہ لی۔ المستعین ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے۔ ہر طرف سے
مبارکباد کا غلغلہ بلند ہوا۔ لوگوں نے خوشیوں کا اظہار کیا۔ ہشام المؤید کو پھر قید خانے بھیج
دیا گیا۔ عبدالرحمٰن سنخول کی لاش جو عرصہ سے محل کے سامنے صلیب پر لٹک رہی تھی۔ اسے دفن
کرا دیا۔ عیسائی فوجیں جو مدد کے لئے آئی تھیں۔ انہوں نے حسب قرارداد وہ قلعے طلب کئے
المستعین نے وعدہ کیا کہ جیسے ہی ان کا قبضہ ان قلعوں پر ہو جائے گا۔ وہ مکمل عہد کر دیں گے
شانجہ کی فوجیں لوٹ مار کر کے ۱۴ر نومبر ۱۰۰۹ء کو واپس قشتالیہ لوٹ گئیں۔

المستعین نے علماء اور فقہا کو طلیطلہ روانہ کیا کہ وہاں کے لوگوں کو سمجھائیں اور مہدی
باللہ کے جال میں پھنسنے سے گریز کریں مگر وہاں کے باشندے بھلا سمجھانے بجھانے سے
کہاں ماننے والے تھے۔ وہ بات صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ المستعین نے فی الوقت طلیطلہ کا قصد
چھوڑ کر واضح کی مرمت کرنا چاہی۔ مدینہ سالم کا رخ کیا۔ واضح نے بھاگ کر طرطوشہ sa
میں قیام کیا۔ وہاں سے یہ پیغام بھیجا کہ اگر مجھے شمالی سرحدوں کی حکومت پر برقرار رہنے د
جائے تو بیعت کرنے سے عار نہیں۔ المستعین تہ میں چھپے ہوئے مطلب کو سمجھے بغیر اس شرط پر
راضی ہو گئے واضح کو اپنی حالت درست کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے تتلونیہ tlonia
کے عیسائی حاکم سے ساز باز شروع کر دی۔ پھر Raymond حاکم برشلونہ سے بھی

Marfat.com

چاہی اور Armani رئیس الرجل سے بھی اس قسم کی درخواست کی۔ جب یہ امداد حاصل ہوگئی تو پوری تیاریوں کے ساتھ وہ مہدی سے طلیطلہ میں جا ملا۔ پھر قرطبہ کی کوچ ہوا۔

المستعین اتنی بڑی جمعیت سے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ شہروں سے فوج میں بھرتی ہونے کی اپیل کی وہ کٹتی کاٹ گئے۔ بربریوں نے ان کو یقین دلایا کہ آپ کیوں ڈرتے ہیں۔ انشاء اللہ ہم ہی کافی ہیں۔ قرطبہ کے باہر چار میل کے فاصلے پر عقبۃ البقر کے میدان میں ۱۲۔ جون ۱۰۱۰ء کو دونوں فوجیں مد مقابل آئیں۔ مہدی کے بیس ہزار مسلمان اور ۹ ہزار عیسائیوں سے مل کر المستعین کی بربری فوج کو پسپا کر دیا۔ مہدی ایک بار پھر فاتح اور خلیفہ کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے عیسائیوں نے پھر حسب دستور لوٹ مار مچاتی قرطبہ والے بیچارے مفت میں ظلم و ستم لوٹ مار کا شکار ہوئے۔ بدقت تمام یہ نصرانی فوجیں ۸۔ جولائی ۱۰۱۰ء ۲۲ ذی قعدہ ۴۰۰ھ کو قرطبہ سے اپنی اپنی ریاستوں کو واپس لوٹیں۔ بربریوں نے جزیرۃ الخضر میں جا کر پناہ لی۔ المستعین بھی بھاگ نکلے۔ مہدی نے ان کا تعاقب کیا مگر کچھ حاصل ہوا۔

اب حکومت کی باگ ڈور پھر مہدی باللہ کے ہاتھ میں تھی جنگ میں جو بے حد و بے شمار اخراجات ہوگئے تھے ان کو پورا کرنے کے لئے مہدی نے کئی نئے ٹیکس لگائے جس سے رعایا سخت برانگیختہ ہوگئی۔ مہدی نے یہ چال چلی کہ ہشام المؤید کو قید خانے سے نکال کر پھر تخت خلافت پر بٹھلا دیا۔ خود بطور حاجب کام کرنے لگا مگر ساری طاقت اور اختیارات اپنے ہی ہاتھ میں رکھے فرمان خود لکھتا۔ مہر ہشام کی لگواتا۔ عملاً سے خود جاری کرتا دستخط ہشام سے کرواتا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ جو کچھ بدنامی ہو وہ ہشام کی۔ رعایا کا باعث ملامت وہی ہے۔ نہ کہ خود اس کی ذات ایک بات یہ بھی کہ عیسائی فوجوں کی روانگی کے بعد شہر والے یوں بھی بے قابو ہو رہے تھے۔ مہدی کے بس کے نہ رہے خصوصاً وانح کے علاوہ اور عامری سردار جن میں خیران اور عنبر کافی نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ انہوں نے مستقل رعایا کو مہدی کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ اسے شرابی اور زانی کہہ کر بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اس کی ساری مکارانہ حرکتوں اور عیارانہ باتوں کو طشت از بام کرنا شروع کیا۔ جب لوگوں کو کافی حد تک اس سے بدظن کر دیا۔ تو مہدی کی خیر خواہی شروع کی۔ اس کے دوست بننے لگے۔ اور یہ خواہش کی کہ انہیں فوج میں مع ان کے سپاہیوں کے شامل کر لیا جائے کہ وقت ضرورت ہر ممکن مدد دے سکیں۔ مہدی نے سوچا چلو اس طرح ان کی حمایت اور دوستی حاصل ہو

Marfat.com

فوج میں بھرتی کر ہی نہ لو۔ پھر تو وہ عامری سردار اپنے صقلبی غلاموں کو لے کے اس طرح قرطبہ میں داخل ہوئے۔ جیسے وہاں کے خود حاکم ہوں۔ مہدی کو اپنی جان کا خوف ہوا۔ طلیطلہ بھاگ جانا چاہا مگر انہوں نے جانے نہ دیا۔ ۲۳ جولائی سنہ ۱۰۱۰ء، ذی الحجہ سنہ ۴۰۰ھ سنیچر کے دن ان لوگوں نے رعایا کو پھر مجبور کیا کہ باقاعدہ ہشام المؤید کی بیعت کریں۔ انہیں لباس فاخرہ پہنا کر تخت خلافت پر مسند نشین کیا۔ مہدی باللہ جو اس وقت اپنے محل میں تھے۔ اور غسل فرما رہے تھے۔ یہ معلوم کر کے فوراً قصر خلافت پہونچے اور معاملہ کی روک تھام کرنا چاہی۔ ہشام کی جگہ خود تخت پر بیٹھنا چاہا۔ مگر عنبر نے زور سے ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا۔ تلوار نکال کر قتل کر دینا چاہا۔ مگر مہدی نے بھی اس کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں لے لیا۔ دوسرے صقلبی سردار جو وہاں جمع تھے مہدی پر ٹوٹ پڑے اور ان کا سر تن سے جدا کر دیا۔ ۷ مہینے پہلے اسی طرح جگہ پر ابن عسقیاجہ کو قتل کر کے وہ تخت پر بیٹھے دوبارہ اسی جگہ ان کی لاش نظر آئی اور ہشام المؤید کی باقاعدہ خلافت کا اعلان ہوا۔

قرطبہ کی تباہی

کیونکہ خیران اور عنبر نے ہشام کو حکومت دلوائی تھی لہذا وہی ہر معاملہ پر بری طرح حاوی ہو گئے۔ ہشام کی حیثیت تو شروع ہی سے عضو معطل کی طرح تھی۔ اگر ان میں کچھ جان ہوتی تو اتنا فتنہ و فساد یہ قتل و غارتگری ہی کیوں ہوتی۔ شخصی حکومتوں کے زوال کا باعث افراد کی ہی نہیں بلکہ فرد کی کمزوری نکما پن ہوتا ہے وہ اسی دن سے شروع ہو گیا جس دن ہشام جیسا کمزور منحنی اور کمسن خلیفہ اندلس کا مالک و مختار ہوا۔ ہشام تو ہمیشہ دوسروں کے ہی سہارے حکومت کا کاروبار کرتے رہے۔ اتنی مصیبتیں برداشت کر کے اس قدر سختیاں جھیل کر بھی ان کی آنکھیں نہ کھلی تھیں۔ کچھ شعور نہ آیا۔ کوئی اہلیت نہ پیدا ہوئی تھی۔ واضح عامری حاجب مقرر ہوئے۔ مہدی کا سر پورے شہر میں گھمایا گیا پھر سلیمان المستعین اور اس کے بربری ساتھیوں کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیج دیا گیا۔ کہ اب مصالحت اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ وہ دوسروں کی طرح ہشام کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیں۔ مگر بربر مغرور ہو کر بھلا کسی اور کی اطاعت کا ہے کو قبول کرنے لگے۔ ایلچیوں کے ساتھ سلوک ناروا کرنے لگے۔ المستعین نے بمشکل تمام انہیں صحیح سلامت وہاں سے نکلوایا۔ پھر اپنے چچازاد بھائی مہدی کا سر دیکھ کر خوب روئے اور اسے اپنے بھتیجے عبداللہ

Marfat.com

کے پاس بھجوا دیا۔ کچھ دنوں بعد ان کو بہت سے ذی اثر باشندگان قرطبہ کا یہ پیغام پہونچا کہ اگر وہ خاموشی سے ۱۲۔ اگست ۱۰۱۰ء۔ ۲۸۔ ذی الحجہ ۴۰۰ھ کی رات کو قرطبہ پہونچ جائیں کوئی دشوار نہ ہوگی۔ المستعین اچھی طرح سمجھتے تھے کہ لوگ اہلِ صقلبی سے خوش نہیں ہیں اور واضح کی حجابت کو کبھی اچھی نظروں سے نہ دیکھیں گے۔ پھر بنی اُمیہ کے خیر خواہ صرف بنی اُمیہ کی بھلائی چاہ سکتے تھے۔ المستعین جزیرۃ الخضراء سے طے شدہ پروگرام کے مطابق روانہ ہوئے۔ ادھر واضح کو شہریوں کی سازش کا علم ہوگیا۔ ۱۰ اگست کی رات کو جب المستعین شہر پناہ کے نیچے پہنچے تو کھلے دروازوں کے بجائے واضح کی فوج نے ان کا استقبال کیا۔ اور زبردست ہزیمت سے دوچار کیا۔ المستعین کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ واضح نے بربریوں سے گفتگو شروع کر دی۔ المستعین نے لڑائی کو ذرا معرضِ التوا میں ڈال کر اپنے ہمدم شانجہ والی قشتالیہ کو مدد کا واسطہ اس کڑے وقت میں دیا۔ یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر اپنے امدادی دستے روانہ کر دیئے تو وہ تمام قلعہ جات جو المنصور نے عیسائیوں سے چھین لئے تھے۔ اس کی تحویل میں دیدیئے جائیں گے۔ شانجہ فرزند الفانسو سمجھتا تھا کہ المستعین کا یہ وعدہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا ہے کیونکہ وہ قلعے قبضے میں واضح کے ہیں۔ لہٰذا مناسب یہ ہوگا کہ نامہ و پیام اس سے شروع کیا جائے۔ المستعین کی جو پیشکش تھی وہ اس نے واضح پر واضح کر دی اور کہلا بھیجا کہ اگر یہی قلعے اس کو واضح کی جانب سے مل جائیں تو پھر وہ المستعین کو نہ صرف یہ کہ مدد نہیں دے گا بلکہ واضح کی امداد کرے گا۔ اس مسئلہ پر جب شہر کے باشعور اور سمجھ دار لوگوں کی رائے لی گئی۔ تو اس خوف سے کہ کہیں رہی سہی سلطنت بھی ہشام کے ہاتھ سے نہ نکل جائے شانجہ کا مطالبہ منظور کر لیا۔ دو سو کے لگ بھگ قلعے شاہ قشتالیہ کے سپرد کر دیئے گئے۔ دوسری عیسائی ریاستوں نے جو یہ دیکھا کہ محض زبانی گفتگو اور دھمکی سے سینکڑوں قلعوں کا قبضہ حاصل ہو جاتا ہے تو واضح کے دشمن سلیمان سے گفتگو شروع کر دی۔ پھر اپنے مطالبات واضح کے سامنے بھی رکھ دیئے اور یہی دھمکی دی کہ اگر ان کو بھی کچھ مقبوضات نہ دیئے گئے تو وہ المستعین کے حلیف بن جائیں گے۔ ان کی باتیں بھی ماننی ہی پڑیں۔ لیکن قرطبہ کا محاصرہ بدستور ۱۸ مہینے تک جاری رہا۔ پھر حملہ آوروں نے مدینۃ الزاہرہ پر بھی حملہ کر دیا۔ تیسرے سال کسی شہری نے بربریوں سے ساز باز کر کے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ ۴۔ نومبر ۱۰۱۰ء۔ ۲۲۔ ربیع الاول ۴۰۱ھ کو وہ لوگ شہر میں داخل ہو گئے۔ وہاں کے لوگوں پر قہر و غضب کا طوفان ٹوٹ پڑا۔ مدینۃ الزاہرہ

Marfat.com

جیسی خوبصورت جگہ ذرا سی دیر میں تہس نہس کر کے رکھ دی گئی۔ مقتولین کے خون سے سڑکوں کا رنگ سرخ ہو گیا ان کی دوشیزگان کی عصمت کے پرچے اڑ گئے۔ مال و دولت خشت و سنگ کی حیثیت سے بکھرا بکھرا نظر آنے لگا۔ بوڑھے بچے سب قتل ہو گئے۔ ان کے مکانات لٹنے کے بعد آگ کا ڈھیر بنا دیئے گئے۔ پھر یہ قہر و خونریزی کا سیلاب قرطبہ اور اس کے مضافات کی جانب بڑھا۔ دیہات سے جان بچا کر لوگ شہر میں داخل ہو گئے تو ننگی تلواریں یہاں بھی ان کا پیچھا کرتے ہوئے پہونچ گئیں۔ کھانے کی چیزوں کا فقدان ہو گیا۔ لوگ بھوک سے مرنے لگے۔ سرکاری خزانہ پہلے ہی خالی تھا اب تو بالکل ہی ہو گیا۔ مرحوم المستنصر کے کتب خانے کی نادر اور بیش بہا کتابیں کوڑیوں کے مول بکنے لگیں۔ سونا اور جواہرات دو دو وقت کا کھانا بھی بدل نہ کر سکے۔ بربریوں اور افریقیوں نے دل کھول کر لوٹ کھسوٹ مچائی۔ تین چار مہینے تک یہی سلسلہ چلتا رہا۔ لوگ واضح کو کبھی گالیاں دیتے تھے کبھی بربریوں کو۔ رعایا کا جو یہ عالم دیکھا تو واضح کے دشمنوں کی بن آئی۔ انہوں نے عوام الناس کو مشتعل کرنا شروع کر دیا۔ وہ پہلے ہی سے مشتعل تھے۔ سارا مادہ تیار تھا۔ ایک چنگاری چھوڑنے کی دیر تھی صقلبی سردار ابن ابی وداعہ نے اس صورت حال سے خوب فائدہ اٹھایا۔ لوگوں کو واضح کے خلاف اس قدر ورغلایا کہ وہ مجبوراً المستعین سے مصالحت کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نوعیت کا پیغام ابوبکر کے ذریعہ المستعین کے پاس بھیجا۔ مگر شہریوں کو پتہ چل گیا۔ ابوبکر جب جواب لے کر واپس لوٹا تو جواب سنانے سے پہلے اس کو قتل کر دیا۔ واضح نے بھاگ کر بربریوں کے کیمپ تک پہونچ جانا چاہا مگر ابن ابی وداعہ اس کے ارادے کو بھانپ گیا اور اس کے محل ہی میں جا پکڑا۔ تلوار اس کے سینہ پر رکھ کر بولا تو نے بیت المال کا سارا روپیہ خرد برد کر کے ہم کو اس مصیبت میں پھنسا دیا۔ آج وہ رقم ہوتی تو حالات اتنے بدتر نہ ہو جاتے۔ اب خود یہاں سے بھاگ کر ہم کو بربریوں کے رحم و کرم پر چھوڑنا چاہتا ہے۔ یہ جملہ پورا ہوا ہی تھا کہ تلوار سینے کے پار ہو گئی۔ سر دھڑ سے الگ کر لیا گیا۔ پھر شہر بھر میں گھمایا گیا۔ واضح اور اس کے ساتھیوں کا گھر اسی مصیبت سے دوچار ہوا۔ جو ایسے عالم میں ہمیشہ وحشی لوگوں کے ہاتھوں سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ہر چیز لٹی۔ جو باقی بچی توڑی پھوڑی گئی۔ ۱۶۔ اکتوبر ۱۰۱۱ء ۱۵ ربیع الثانی ۴۰۲ھ کو واضح کی لاش کا بھی وہی حشر ہوا۔ جو اس سے قبل محمد بن ہشام بن عبد الجبار المہدی باللہ اور ابن عمقیلیجہ کا ہو چکا تھا۔ اللہ رے ستم ظریفی قسمت۔

Marfat.com

اب قرطبہ کا محافظ ابن ابی دراعہ تھا۔ المستعین ہنوز شہر کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ ڈیڑھ برس
ں یہ سلسلہ بغیر کسی فیصلہ کے چلتا رہا۔ ابن ابی دراعہ نے بھی کوئی ظلم ایسا نہ تھا جو شہریوں پر نہ توڑا
۔ اس کو اتفاق سے علماء و فقہاء کی حمایت بھی حاصل ہوگئی تھی۔ جنہوں نے بربریوں سے جنگ
بنزلہ جہاد قرار دیا تھا۔ اس طاقت کی ہمنوائی نے ابن ابی دراعہ کو من مانی کرنے میں اور بھی
ادی۔

جنگ میں پلہ کبھی محاصرین کا بھاری ہو جاتا کبھی محصورین کا مئی ۱۰۱۳ء شوال ۴۰۳ھ
ب یہ چھیڑ کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ زادی بن مناد کا بھتیجہ حباسہ ابن ابی دراعہ کی نوجوں کے ہاتھ پڑ
ا۔ اس کے گھوڑے کا بند ٹوٹ گیا۔ اور جب وہ اسے پکڑنے کے لئے جھکا تو ایک صقالبہ
ے اُسے قتل کر دیا۔ اس کے بھائی حبوس نے لاش چھین لینے کی بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ
ل ہوئی قرطبہ کے اندر لا کر حباسہ کی لاش کی بڑی درگت کی۔ اسے سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔ پھر ہاتھ
ں ناک کان کاٹ کر جلا دیا گیا بربریوں کو بہت طیش آیا اور حباسہ کے خون کا بدلہ لینے کی
م اُنہوں ہر باشندہ قرطبہ سے لی۔ حملہ میں سختی برتی گئی مگر ابن ابی دراعہ کی نوجوں نے ایسی
ردار شکست دی کہ محاصرہ اٹھا وہاں سے بھاگتے ہی بن پڑی۔ پھر ان کا تعاقب
ِکے اشبیلیہ تک سے نکال دیا گیا۔ البتہ قلعہ رباح پر بربریوں کا قبضہ ضرور ہو گیا۔ ابن ابی دراعہ
فوجیں واپس قرطبہ لوٹ آئیں مگر حالات کچھ سازگار نہ ہو سکے۔ شورشیں بڑھتی ہی رہیں۔ بے
لینانی فزوں ہوتی ہی گئی۔ فوجی تنظیم بالکل ختم ہو گئی۔ روپیہ پیسہ کی مستقل کمی ہوتی گئی المستعین
نے نزاکت حال سے فائدہ اٹھانے کی سوچی۔ ایک بار پھر دندناتے ہوئے قرطبہ کی فصیل تک
ج گئے۔ اہل شہر قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرتے رہے۔ دو ایک جنگوں میں ان کو کامیابی بھی حاصل
ئی۔ مگر انہیں کے ایک سردار کی نمک حرامی سے ۱۹۔ اپریل ۱۰۱۳ء۔ ۵۔ شوال ۴۰۳ھ بروز
نوار بربری شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ایک بار پھر چیل کوؤں اور گدھوں کی
راک کا سامان کثیر مقدار میں مہیا ہو گیا۔ مکانات نذر آتش ہونے لگے قیمتی ساز و سامان
ٹنے لگیں۔ بے گناہ اور گناہگار دونوں بلا امتیاز تیغ و سنان کا نشانہ بننے لگے۔ بزرگان دین
کی بھی پگڑیاں اچھلنے لگیں۔ قاضی سعید ابن منذر جیسی ہستی بھی ماری گئی۔ مروان بنی حدیر کے
میں اور شریف بھی قتل ہوئے۔ باکمال ادیب اور ایسے عالم ابوالولید عبداللہ ابن الفرضی
قرطبہ میں ۹۶۲ء مطابق ۳۵۱ھ میں پیدا ہوئے تھے اور عربی ادبیات اور فن رجال پر کامل

Marfat.com

دستگاہ رکھتے تھے۔ ان ظالموں کی تلوار کی خوراک بنے۔ اور فاضل اجل قاضی بلنسیہ بھی۔ ان وحشی اور بہیمانہ صفت بربریوں نے نیک لوگوں کو دیکھا نہ بدکو۔ نہ اچھوں کو چھوڑا نہ بُروں ایک ایک کو چُن چُن کر اپنی بربریت کا ہدف بنایا۔ ان کی رہائش گاہوں کو شعلوں اور دھوئیں سے بھر دیا حسین سے حسین عمارتیں جل کر راکھ ہوگئیں عظیم الشان محل خاک کا تودہ بن گئے۔ خوبصورت عمارتیں مٹی کا ڈھیر بن گئیں۔

جب ذرا ہنگامہ سرد ہوا تو خلیفہ المستعین نے دربار عام منعقد کیا۔ تمام لوگوں کو جمع کرکے بیعت کی تجدید کی اپنے حق میں دعائیں سُنیں۔ جو دل سے نہیں محض زبان سے نکل رہی تھیں۔ لاشوں کے ڈھیروں پر شادیانے بجوائے۔ آہ و ماتم کے درمیان نغمے بلند کرائے ہر طرف زبردستی خوشی کا اظہار کیا گیا بادل نخواستہ لوگوں نے اس تبدیلی کو قبول کیا۔ ان میں اب مقاومت اور مخالفت کی طاقت ہی نہ تھی۔

اس سے فراغت پاکر المستعین نے ہشام المؤید کو طلب کیا ان سے بازپرس کی اس عہد شکنی کی جو انہوں نے حقوق خلافت کی دستبرداری کے سلسلہ میں المستعین کی موافقت میں کی تھی۔ ہشام نے جواب دیا میں خود نہ پہلے کچھ کرتا تھا نہ اب کرتا ہوں لہذا مجھ سے پرسش فضول۔ لو آج خوشی سے تمہارے حق اپنے فیصلہ کا اعلان کرتا ہوں۔ اس کے باوجود بھی ایک دن خاموشی سے ان کو ان کے محل میں قتل کرادیا گیا۔ المستعین نے ہر چہار طرف اپنے آدمی بھیجدیئے۔ اور تمام علاقوں پر اپنے حامیوں کو مقرر کردیا۔ ربادیش بن حیوس کو غرناطہ کا علاقہ تفویض کیا۔ برزالی کو قرمونہ کا۔ یفرنی کو رندہ Rinda، برزون کو شریش کا یہ سب بربری سردار تھے۔ اپنے گروہ کے آدمیوں کو اور اچھی جگہاؤں پر رکھا۔ ابن عباد کو اشبیلیہ پر۔ ابن الافطس کو لطلیوس (Bedajaz) پر۔ ابن ذوالنون کو طلیطلہ پر۔ ابن ابی عامر کو بلنسیہ پر۔ ابن ہود کو سرقسطہ پر۔ مجاہد العامری کو دانیہ اور جزائر پر جو لوگ خلیفہ سے متصل رہے پہلے ان کو شقندہ Secunda میں رہنے کی جگہائیں دی گئیں۔ مگر بعد میں قرطبہ کی بچی کھچی آبادی کو جلاوطنی کا حکم ملا۔ ان کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کرلی گئیں اور وہ بربریوں میں تقسیم کردی گئیں۔ رعایا پہلے ہی بے چین تھی اور زیادہ بے چین ہوگئی۔ شعراء نے جو مہدی باللہ اور سلیمان المستعین کے لئے شعر نظم کئے۔ وہ بہت کچھ ان کے کردار کا خاکہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

محمد بن ہشام المہدی باللہ کی بابت یہ شعر ملاحظہ ہوں۔

قد قلم محمد بینا ولیکن بملتہ الفسق والمحون
وشارك الناس فی الحریم لولاہ مانال بالمصون
من کان من قبل ذارجہا قد صار ذا قرون

(ہمارا مہدی نکلا۔ لیکن ملت واسطے ظلم اور بیوقوفی لے کر لوگوں کو دوسروں کے حرم
میں داخل کر دیا۔ اگر وہ نہ ہوتا تو حفاظت کا انتظام رہتا۔ پہلے جن کے سینگ نہ نکلے تھے۔
اب ان کے سینگ نکل آئے ہیں۔

اشاروں کنایوں میں مہدی کے ظالم۔ فاسق۔ زانی۔ بدقماش اور بدکردار ہونے کا
ذکر کر دیا۔ اسی طرح سے سلیمان المستعین کے لئے دوسرے شاعروں کے خیالات سے مستفیض
ہو سکے۔

لا رحمة اللہ سلیمانکم فانہ ضد سلیمان
ذاك بہ غلت شیاطینہا وحل ھذا کل شیطان

(خدا تمہارے سلیمان پر رحم نہ کرے۔ کیونکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بالکل ضد ہے
جس نے تمام شیطانوں کو قید کر دیا تھا۔ اس نے تمام شیطانوں کو آزاد کر دیا ہے)

المستعین کے بارے میں مؤرخین کا فیصلہ ہے کہ وہ خود بھی اعلیٰ پایہ کا شاعر اور ادیب تھا
اس کا کلام کچھ اب بھی محفوظ ہے۔

Marfat.com

باب (۵۶)

بنی حمود کا عروج

کرنے کو تو المستعین نے مختلف مقامات پر اپنے مخصوص آدمی مقرر کر دیئے مگر یہ بربری، صقلبی، عامری
کب کسی کے ہوئے ہیں جو المستعین کے ہوتے۔ اپنی قوت کو مضبوط کرتے ہی حالات سدھرتے ہی د
سب خود مختار بن بیٹھے۔ اور خلیفہ کی حدود صرف پانچ صوبوں تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ قرطبہ۔ اشبیلیہ
نبلہ۔ اکشونبہ۔ Osconba اور باجہ Baja المستعین میں اب اتنی ہمت نہ تھی جوان لوگوں
کو پھر سے اپنے قابو میں لاتے۔ ویسے تھے بھی علم و ادب اور اس سے زیادہ حسن و جمال۔ رقص و موسیقی
کے شیدا۔ اس طبع کا آدمی بھلا بربریوں کو آزادی دیئے جانے کے بعد کہاں اپنا مطیع و فرمانبردار
بنا سکتا تھا۔ انہوں نے زبانی دھمکیوں سے کام نکالنا چاہا۔ یہ کہلا بھیجا کہ اگر وہ راہ راست
پر نہ آئے تو اہلیانِ قرطبہ جیسا ان کا حشر ہوگا۔ مگر کون سنتا ایسے غاصب آدمی کی بات خود قرطبہ
کے اندر لوگ ابھی تک ہشام المؤید کی موافقت میں تھے۔ (یہ ان کے قتل سے پہلے کی بات ہے)
اور خطبہ میں بھی باوجود منادی انہیں پر دعائے خیر کی جاتی تھی۔ اس کے ہمدرد صقالبی سردار
جن میں خیران بھی تک رہا تھا۔ اس کے اشارے پر پرچم بغاوت بلند کرنے کو تیار تھے۔ خیران
کس طرح میدانِ جنگ میں موت کو چکمہ دے کر صحیح سلامت رہا تھا۔ اچھا ہونے کے بعد المریہ
کی طرف نکل گیا اور وہاں مستعین کے مخالفین کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ

Marfat.com

فتہ پورے المریہ پر قابض ہو گیا۔ المستعین اس کا کچھ نہ بگاڑ پائے۔ خود اس کے یہاں بعض ایسے افراد
افراد موجود تھے جو اس کے غنیموں کے ہمدرد تھے اور المستعین کا بھلا نہ چاہتے تھے۔ ان میں
نمایاں شخص علی بن حمود تھا۔ یہ افریقہ سے المستعین کے ساتھ آیا تھا اور اس کے جاں نثاروں
اور مددگاروں میں سے تھا۔ یہ علی بن ادریس بن عبداللہ بن حسن بن حسین بن حضرت علی ابن ابی طالب
کی اولاد میں سے تھا۔ اس لئے قابل وقعت اور عزت سمجھا جاتا تھا۔ اس کے دادا ادریس عباسی
خلیفہ ہارون الرشید کی مخالفت سے اُکتا کر کوئی دو سو برس قبل افریقہ بھاگ آئے تھے۔
اور پھر وہیں بربریوں کے ساتھ رہن سہن اختیار کر کے خود بھی کسی حد تک طور طریقوں کے لحاظ
سے بربری ہو گئے تھے لیکن حسب، نسب کی وجہ سے بربری ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ انہیں
کی اولاد میں سے تھا اسی نے شہر فاس کی بنیاد ڈالی تھی جس کو بعد میں کافی شہرت حاصل ہوئی
علی بن حمود افریقہ میں سبتہ اور طنجہ جو اسپین کی کنجی سمجھے جاتے ہیں۔ وہاں کے حاکم تھے۔ ان کے
بھائی قاسم بن حمود جزیرۃ الخضراء کے والی تھے۔ اسی لئے جب المستعین اندلس سے بھاگ کر جزیرہ
خضراء میں پناہ گزیں ہوئے تو ان کے بھائیوں سے راہ و رسم پیدا ہوئی۔ ان کی شہ اور مدد پر المستعین
کو دو بارہ قرطبہ پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی تھی۔ علی بن حمود کچھ اور ہی ارادوں کے ساتھ اندلس
میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن ابتداء میں وہ اپنے خیالات اور ارادوں کا اظہار برملا نہیں
کر سکتے تھے۔ بعد میں جب المستعین کے خلاف عام بے چینی بڑھی اور تمام صوبے یکے بعد دیگر
مطلق العنان ہونا شروع ہو گئے تو علی بن حمود کے عزائم نے بھی انگڑائیاں لینی شروع کیں۔
اس کو کہیں سے یہ معلوم ہو گیا تھا یا خود ہی مشہور کر دیا کہ کسی مستند دینی کتاب میں یہ تحریر ہے
کہ اندلس میں بنی امیہ کے زوال اور اختلال کے بعد ایک علوی جس کا نام "ع" سے شروع
ہو گا۔ حکومت کی باگ ڈور سنبھالے گا ہشام المؤید جو اس وقت تک قید میں تھے۔ جب علی
بن حمود کا شجرہ معلوم ہوا تو ان سے کہلا بھیجا کہ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ سلیمان المستعین
مجھے قتل کرا دے گا۔ اس وقت تم میرے قتل کا بدلہ لینا اسپین کی سلطنت تمہارے مقسوم میں ہے
مورخین کا گمان ہے کہ یہ بھی علی بن حمود کی چال تھی۔ در اصل کوئی پیغام اس قسم کا ہشام کی
جانب سے اس کے پاس نہیں پہونچا۔ بلکہ جس طرح سے اس نے پہلا قصہ گھڑا تھا اسی طرح
یہ بھی مگر وہاں کے لوگوں کو ایسی باتوں کا یقین دلانا کچھ مشکل نہ تھا۔ انہیں تمام باتوں کی بنیاد
پر اس نے خیران صقلبی سے خط و کتابت کر کے ایک بڑی سازش کا مصالحہ تیار کر لیا۔ یہ بھی

Marfat.com

طے ہو گیا کہ اگر المستعین کو شکست دیتے ہی ہشام زندہ رہا تو اس کو خلیفہ تسلیم کیا جائے گا بصورت دیگر علی بن حمود کو۔ یہ مراحل جب طے ہو گئے تو علی بن حمود ایک لشکر گراں کے ساتھ اسپین کے ساحل پر اترا۔ سب سے پہلے جھڑپ عامر ابن فتوح فائقی حاکم مالقہ MALCA سے ہوئی۔ اس کو یہ سمجھایا کہ جنگ سے کچھ حاصل نہ ہوگا ممکن ہے کہ آئندہ المستعین کو شکست ہو تو اس کی یہ رہی سہی حکومت بھی جاتی رہے گی۔ عامر ابن فتوح کا رجحان پہلے ہی صقلبیوں کی طرف تھا۔ بربریوں سے یہ شکایت اس کو تھی کہ رندہ کی صوبیداری اس سے چھین کر بربری سردار کے سپرد کر دی۔ غرض سمجھانے بجھانے سے عامر مان گیا اور مالقہ علی بن حمود کی تحویل میں دیدیا۔ آگے بڑھ کر شہر المنکب میں علی کی ملاقات خیران سے ہوئی۔ ابتدائی گفتگو کے بعد دونوں کی متحدہ فوجیں قرطبہ کی جانب بڑھنے لگیں۔

اسی اثناء میں علی بن حمود نے بربریوں کی سرشت کا اندازہ کرتے ہوئے ان سے بھی گفت و شنید شروع کر دی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ تو پیسے کے لوبھی ہیں۔ جدھر سونے چاندی کے سکوں کی کھنک دیکھیں گے ادھر ہی پلٹ پڑیں گے۔ دوسرے وہ لوگ علی کو اپنے ہی قبیلہ کا آدمی سمجھتے تھے اس کی حمایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہ جانتے تھے۔ علاوہ ازیں زادی بن زیری حاکم غرناطہ ہرچند کہ سلیمان کا ساتھی تھا مگر بنی امویوں کو دیکھ کر ہی جل بھن جاتا تھا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس کے باپ زیری کو بھی امویوں نے بہت تنگ کیا تھا۔ اور جب اسے شکست ہوئی تھی تو اس کا سر قصر خلافت کے سامنے دیوار پر کاٹ کر لٹکا دیا گیا تھا۔ زادی اپنے باپ کے ساتھ امویوں کا یہ سلوک کبھی فراموش نہ کر سکتا تھا۔ وہ بلا تامل علی کے ساتھ ہو گیا۔

سلیمان نے سارے قضیہ کا تدارک گربہ کشتن روز اول کے مصداق اس طرح کرنا چاہا کہ ایک بربری فوج علی کا راستہ روکنے کے لئے بھیجی مگر وہ جان بوجھ کر ہار گئی۔ پھر ان بربریوں نے المستعین کو یہ سمجھایا کہ جب تک فوج کی کمان آپ اپنے ہاتھوں میں نہ لیں گے کام نہ بنے گا۔ وہ فوراً مقابلہ کے لئے ایک فوج لے کر روانہ ہو گئے۔ مگر جنگ ہونے سے پیشتر ہی بربریوں نے ان کے ساتھ دغا کی ایک تخچر پر ان کے ہاتھ پیر باندھ کر علی بن حمود کی قید میں دیدیا۔

یکم جولائی ۱۰۱۶ء۔ ۲۲ محرم الحرام ۴۰۷ھ کو علی بن حمود فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے قرطبہ میں داخل ہوئے۔ پہلے ہشام المؤید کی تلاش ہر قید خانے میں شروع ہوئی۔ جب نہ ملے تو المستعین سے ان کی بابت دریافت کیا گیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ مر چکے ہیں جب

جب ان کی لاش کا مطالبہ کیا گیا تو المستعین نے ایک قبر کی طرف اشارہ کر دیا۔ قبر کو کھودا گیا۔ ہشام کے ایک خاص ملازم کو طلب کیا گیا آقا کی لاش کو شناخت کرنے کے واسطے مگر اسے پہلے ہی علی بن حمود نے سکھا دیا تھا کہ چاہے وہ لاش ہشام کی ہو یا نہ ہو مگر لوگوں سے کہے یہی کہ یہ واقعی ہشام المؤید کی لاش ہے۔ چنانچہ اس نے ویسا ہی کہا بلکہ ثبوت کے طور پر ایک سیاہ دانت کی طرف بھی اشارہ کر دیا جو اس لاش کے منہ میں موجود تھا۔ جب یہ کارروائی ختم ہو گئی۔ تو علی نے سلیمان المستعین اس کے باپ حکم اور اس کے باپ ابوبکر کی موت کا حکم سنا دیا۔ کہتے ہیں کہ جب جلاد حکم کی گردن مارنے جا رہا تھا تو علی نے حکم سے کہا کہ تمہیں یہ سزا اس گناہ کی پاداش میں دی جا رہی ہے جس کے مرتکب تم ہشام کے قتل کے سلسلہ میں ہوئے۔ وہ ستر برس کا بوڑھا دیندار عبادت گزار بھی تھا حکم کے منہ سے نکلا اسے کس نے قتل کیا وہ تو ابھی زندہ ہے۔ علی کے کان میں جیسے یہ الفاظ پڑے تو انہیں بنا بنایا کھیل بگڑتا نظر آیا۔ جلاد کو اشارہ کیا اس نے فوراً گردن مار دی۔ اس قصے کے ثبوت میں کوئی مستند ثبوت نہیں ملتا ہے۔ وہ چاہے زندہ ہوں یا نہ ہوں مگر یہ حقیقت ہے کہ پھر کچھ پتہ ہشام کا چلا نہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ المستعین کے زمانہ ہی میں قرطبہ سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ دنوں تک ادھر ادھر مزدوری کرتے رہے بعد میں کہیں ایشیائی ممالک کی طرف نکل گئے۔ قصہ کوتاہ کہ ہشام کا پتہ نہ ملا علی بن حمود طے شدہ امر کے مطابق اندلس کے تخت حکومت پر فائز ہو گئے۔ جس روز المستعین قتل کئے گئے اسی دن ان کے ہاتھ پر بیعت لی گئی۔ لوگوں نے ان کو اپنا خلیفہ تسلیم کر لیا۔

روز اول ہی سے انہوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا کہ تمام مخالفین کو راہ سے ہٹا کر ہر ایک پر اپنا رعب و داب بٹھا لیا۔ اہلیان قرطبہ کو اپنے حسن سلوک سے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ یہ بھی کوشش کی کہ ان لوگوں کے اس نقصان کی تلافی کر دی جائے جو اس دوران میں مختلف خانہ جنگیوں کی وجہ سے ہوئی تھی لیکن اس کا موقع آنے سے پہلے ہی حالات کچھ بدل گئے۔ بربریوں سے ان کی ناچاقی ہو گئی۔ جس کی وجہ محض ان کی فیاضانہ طبیعت اور انصاف پسندانہ ذہنیت تھی۔ ایک مرتبہ جب وہ باب عامرہ کے سامنے سے گذر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک بربری انگوروں کا ایک پورا ٹوکرا لئے آ رہا ہے۔ جب علی نے اس سے دریافت کیا کہ اتنے بہت سے انگور کہاں سے لائے۔ تو پہلے تو وہ ہنسا پھر یہ سمجھتے ہوئے کہ اول تو علی خود بربری ہیں۔ دوسرے بربریوں کی مدد سے خلیفہ ہوئے لہٰذا ہر طرح ان کا خیال کریں گے۔ اترا کے بولا اتنے بہت

Marfat.com

سے انگور کہاں سے آسکتے ہیں۔ یہ سننا تھا کہ علی نے اس کے قتل کا حکم دیدیا اور پھر گردن کاٹ کر انگور کے ٹوکرے میں رکھ کر سارے شہر میں گھموایا۔ اسی کے ساتھ ساتھ اہل اسپین پر ان کی مہربانی مروت اور شفقت بڑھتی ہی گئی۔ وہاں کے ادیبوں اور شاعروں کو بھی نوازا وہاں کے تجار اور مشائخ کو بھی۔ ان کے یہ طریقے اہل بربر کو بھلے نہ معلوم ہوئے وہ تو ساری مروت اور ہمدردی اپنے لئے چاہتے تھے۔ جبکہ یہ خیال بھی ان کے دل میں جاگزیں تھا کہ علی کو سلطنت دلوانے میں ساری مدد ان کی شامل تھی۔ خیران ان کا سرغنہ تھا۔ اس نے پہلے تو حاجب بن کر طاقت اپنے ہاتھ میں لینا چاہی جب یہ ممکن نہ ہوا تو دشمن بن بیٹھا۔ بنی امویوں میں سے کسی ایسے شخص کو تلاش کرنے لگا۔ جلدی ہی اس کی مڈبھیڑ عبدالرحمن بن ہشام بن عبدالجبار بن عبدالرحمن الناصر سے ہو گئی جو اس وقت بلنسیہ میں مقیم تھے۔ یہ واقعہ ۱۰۱۷ء ۴۰۸ھ کا ہے۔ اس کے بعد اس کو اپنے حامیوں کی تلاش ہوئی۔ بہت سے لوگ اس کی مدد پر آمادہ ہو گئے۔ ان میں پیش پیش منذر حاکم سرقسطہ تھا۔ حسب ہدایت وہ Raymond حاکم برشلونہ سے ایک عیسائی فوج کی کمک لے کر عبدالرحمن بن ہشام سے ملنے کے لئے بڑھا۔ علی نے اہلیانِ اندلس کا یہ رویہ دیکھا تو سخت چراغ پا ہوا۔ اس نے تو تمام رعایت مروت انہیں لوگوں کے ساتھ برتی تھی۔ بربریوں سے مخالفت انہیں کی خاطر مول لی تھی۔ وہی لوگ اس طرح دغا دیں گے یہ اندازہ نہ تھا۔ اس نے تمام قرطبہ کے قدیمی باشندوں کو بے گھر بے در کرنے کا ارادہ کر لیا تا کہ کبھی کوئی شخص آئندہ ان کی حمایت پر آمادہ ہی نہ ہو۔ بربریوں کی طرفداری شروع کر دی۔ نئے نئے ٹیکس لگائے جانے لگے۔ بہت سے لوگوں کو بلا وجہ قید میں ڈالنا شروع کر دیا بعض اصحاب ان میں مقتدر قسم کے بھی تھے۔ مثلاً ابن جہور وغیرہ۔ ان لوگوں کی ذلت اس طرح سے بھی کی کہ جب یہ لوگ قید سے آزاد ہو کر نکلے تو ان کو پیدل گھر تک پہونچنا ہوتا اور سواری کے لئے جو گھوڑا خچر وہاں لے جایا جاتا اسے سرکاری اصطبل میں داخل کر دیا جاتا۔ ابن جہور کے علاوہ جنہوں نے قید کی مصیبتیں جھیلیں ان میں ابوالعزم بھی تھے۔ جو بعد میں والی قرطبہ بنے مسجدوں اور خانقاہوں کے سلسلے میں جتنی زمینیں اور جائدادیں وقف تھیں وہ بھی ابن جبار کے توسط سے ضبط کر لی گئیں قرطبہ کے کسی باشندے کی کوئی شکایت بربری کے خلاف قابل توجہ نہ سمجھی جاتی شہر بھر میں شاہی جاسوس پھرنے لگے۔ اگر آدھی رعایا مصیبت کا شکار تھی تو آدھے لوگ ان پر مصیبت لانے کی وجہ تھے۔ شہر بھر پر خوف کا عالم طاری ہونے لگا۔ لوگوں نے گھر سے باہر نکلنا

Marfat.com

چھوڑ دیا۔ جو بھی ذرا مشتبہ حالت میں بازاروں میں گھومتا پایا جاتا اٹھا کر جیل خانے بھیج دیا جاتا۔ ڈر کے مارے لوگ رات کو گھروں سے ضروریات کی تکمیل کے لئے نکلتے تھے۔ جب خوف وہراس بہت زیادہ پھیلا تو لوگوں نے بغاوت کی ٹھان لی۔ نومبر ۱۰۱۷ء جمادی الآخر ۴۰۸ھ کو جب علی بن حمود باغیوں کی سرکوبی کے لئے وادیٔ آش تک پہنچے تو سخت بارش ہونے لگی۔ مجبوراً قرطبہ واپس لوٹ آئے۔ اگلے سال اپریل ۱۰۱۸ء ذی قعدہ ۴۰۸ھ کو پھر قرطبہ سے باہر نکلنا چاہا کیونکہ باغی جین Jaen تک پہنچ گئے تھے۔ ۱۷ اپریل کو جب علی بن حمود نے اپنی فوجوں کا معائنہ روانگی سے قبل کرنے والے تھے تو فوجیں حسب الحکم میدان میں تیار کھڑی ہو گئیں دیر تک ان کا انتظار رہا۔ جب نہ پہونچے تو تشویش بڑھی۔ محل میں جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جب وہ غسل کر رہے تھے تو کسی نے ان کو قتل کر دیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس میں ہاتھ بنو امیہ کے تین وفادار صقلبی غلاموں کا تھا۔ وہ لوگ بھاگ کر کسی مکان میں چھپ گئے۔ بعد میں پھانسی کی سزا پائی۔ عام طور پر لوگ علی کے قتل سے بہت خوش ہوئے۔ سلطنت بقول بعض دو سال اور بعض صرف ۲۱ مہینے اور چھ دن بتلاتے ہیں۔ علی نے اپنے پیچھے دو بیٹے یحیٰی اور ادریس۔ ایک بھائی القاسم بن حمود چھوڑے۔ یحیٰی اس وقت سبتہ کا حاکم تھا اور قاسم اشبیلیہ کا۔ بہت سے لوگوں نے فوری طور پر یحیٰی کو خلیفہ منتخب کرنا چاہا مگر زیادہ تر لوگوں نے قاسم بن حمود جو علی سے دس سال بڑے تھے اور ایک ہی ماں سے تھے علوی ہونے کا شرف انہیں بھی حاصل تھا ان کی موافقت کی۔ ان کو فوراً اس سلسلے میں کئی خط لکھے گئے۔ ان کو وہ سب پڑھ کر ذرا سی بھی خوشی نہ ہوئی۔ بلکہ یہ ڈر پیدا ہوا کہ جس طرح ان کے بھتیجوں کی حق تلفی کی گئی ہے۔ اسی طرح سے ان کے بھائی نے اس چال سے ان کو قرطبہ بلا کر راہ سے ہٹانے کی ترکیب نہ سوچی ہو۔ اس بنا پر ان کو ذرا تامل ہوا۔ مگر جب ساری حقیقت ان پر واضح ہوئی تو پھر با دل نخواستہ اپنے بھائی کا غم کرتے وہ اشبیلیہ سے چلے۔ علی کے قتل کے چھ روز بعد جب یہ قرطبہ میں داخل ہوئے تو دھڑا دھڑ لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کر دی۔

جہاں تک قاسم کی ذات کا تعلق تھا وہ حسنِ صورت اور حسنِ سیرت دونوں سے آراستہ تھی۔ نیک طبیعت تھے کسی کو بلا وجہ آزار پہونچانا فعلِ قبیح سمجھتے تھے۔ لیکن بربری ان کی نیکی سے بھی خوش نہ ہوئے۔ جب انہوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ لوگ یحیٰی بن علی بن حمود کے

Marfat.com

طرفدار ہیں اور اس کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو خدشہ پیدا ہوا۔ انہوں نے افریقہ کے زنگی لوگوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ بہت سے غلام خرید کر اور بہتوں کو حسن سلوک سے متاثر کر کے مختلف علاقوں پر متعین کیا تاکہ وہ انہیں کے ہمنوا رہیں۔ اس رویئے سے بربری بھی بھڑک اٹھے۔ دوسری طرف ایک دوسرا ہی شورشہ کھڑا ہو رہا تھا۔

خیران اور منذر اپنی کارگزاریوں میں مستقل مصروف تھے ۳۰ اپریل ۱۰۱۸ء اذی الحجہ ۴۰۸ھ کو ایک مجلس مشاورت منعقد کی جس میں علماء و فقہاء و شرفا بھی شریک تھے۔ یہ طے کہ آئندہ انتخاب خلیفہ بطرز جمہوری ہو۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالملک بن عبدالرحمٰن الناصر کا انتخاب عمل میں آیا۔ انہوں نے المرتضٰی کا لقب اختیار کیا۔ آئندہ سے وہ اسی لقب سے یاد کئے جائیں گے۔ یہ معاملات جب طے پا گئے تو یہ لوگ غرناطہ کی طرف بڑھے۔ وہاں پہونچ کر المرتضٰی سے زادی بن مناد ی کو خط لکھ کر اپنے کو خلیفہ تسلیم کر لینے کی تلقین کی۔ جواب میں زادی نے قرآن کی آیت نقل کر دی جس کا مطلب انکار بیعت تھا۔ دوسرا خط دھمکی آمیز بھیجا گیا۔ جواب میں پھر دوسری آیت قرآن کی نقل کر دی گئی۔ مطلب وہی تھا۔ اب بجز جنگ کوئی چارہ نہ تھا خیران اور منذر کو یہ بات کھلی کہ المرتضٰی بغیر ان کے مشورے جنگ کی تیاریاں کر رہا ہے وہ لوگ ان سے بھی بددل ہو کر مخالفت پر آمادہ ہو گئے زادی سے ساز باز کر لی۔ جنگ میں لوگوں کی غداری نے پانسہ پلٹ دیا۔ خیران اور منذر کے ساتھ سلیمان بن ہود جو عیسائی فوج کا سپہ سالار تھا۔ وہ بھی پیچھے ہٹ گیا۔ المرتضٰی نے جو جنگ کا یہ نقشہ دیکھا تو بہادری سے لڑتے ہوئے میدان سے باہر نکل آئے اور پھر وادیٔ آش کی طرف اپنے گھوڑے کا منہ موڑ دیا۔ مگر خیران کے آدمیوں نے اسے راستے ہی میں قتل کر دیا۔ اس کا سر المریہ جہاں خیران اور منذر مقیم تھے۔ وہاں پہونچایا گیا۔ المرتضٰی کے اس قتل نے اہلیان اندلس کو بربری جانب سے اور بددل کر دیا۔ قاسم بن حمود ان کا دل جیتنے کے لئے المرتضٰی کے رہائشی خیمے دریائے وادیٔ الکبیر پر نصب کروا دیئے۔ لوگ ان کو دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوتے تھے۔ عبادہ بن ماء السماء نے ان کی موت پر مرثیہ لکھا۔

المرتضٰی کی موت نے قاسم بن حمود کی پوزیشن قرطبہ میں مستحکم کر دی حکام ان ریاست میں اس نے مستقل تبدیلیاں کر کے اپنے حامیوں کی تعداد بڑھالی۔ لوگوں پر بلا وجہ ٹیکس نہیں لگایا امن و امان۔ عدل و انصاف کے ذریعہ قائم کر دیئے۔ خیران کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر اس کو

Marfat.com

اپنے ساتھ ملا لیا۔ زہیر ایک دوسرے صقلبی سردار کو مرسیہ کی حکومت سونپ دی۔ ساتھ ہی ساتھ ان۔ رباح اور بیاسہ کے صوبے بھی اس کی تحویل میں دیدیئے۔ اپنے عقائد سے کسی کو شکایت کرنے کا موقع نہ دیا۔ خود اگرچہ وہ سُنی المذہب نہ بھی تھے تو بھی لوگوں کو شیعیت کی طرف راغب ہونے کی تلقین نہ کرتے تھے۔ لوگوں کا دل موہ لینے کے بعد اپنی حالت کو اور زیادہ مضبوط بنانے کی غرض سے بربریوں کے پاس جو زنگی غلام تھے ان کو خرید کر اپنی ملازمت میں لے لیا۔ ان کی ایک فوج مرتب کی۔ اور اپنے عہدوں پر مامور کیا۔ بربریوں کو یہ بات سخت کھلی انہوں نے اب اس کے فریق مخالف یحییٰ بن علی بن حمود یعنی قاسم کے بھتیجے سے سازش کرنا شروع کر دی۔ یحییٰ نے ایک خط بھیج کر بربریوں پر یہ واضح کیا کہ میرے چچا نے میری موروثی ولایت پر قبضہ کر لیا پھر اس نے بربریوں کی حق تلفی بھی کی ہے۔ زنگیوں اور حبشیوں کو منہ لگایا ہے۔ ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کو بڑے بڑے عہدے تفویض کئے ہیں۔ لوگوں نے اس کی ان دلیلوں کو تسلیم کر لیا۔ مدد دینے کا وعدہ کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر یحییٰ نے اپنی ساری فوجوں کو جمع کیا۔ پھر ان کو جہازوں پر سوار کرا، بحرِ محیط کو عبور کرتے ہوئے اپنے بھائی ادریس کے پاس مالقہ میں جا اترے۔ وہاں سے ایک خط خیران کو لکھا جس میں ان کی تمام پچھلی نوازشوں کو گنوایا۔ اور پھر یہ بھی یاد دلایا کہ یہ اسی شخص کا احسان اور مدد کا نتیجہ تھا کہ اس کے باپ نے قرطبہ کی حکومت حاصل کی تھی۔ خیران نے جواب میں اپنی مکمل ہمدردی کا یقین دلایا لیکن ادریس اس کی وفاداری پر یقین نہ رکھتا تھا۔ بھائی کو اس کی مدد سے گریز کرنے کے لئے کہا۔ یحییٰ نے سمجھا دیا کہ ہم اس پر مکمل طور سے اعتبار نہ کریں گے۔ البتہ اسے بھی یہ یقین نہ ہونے دیں گے کہ ہمیں اس کا اعتبار نہیں۔ اس کے بعد یحییٰ بڑی آن بان سے قرطبہ کی طرف چلا۔

قاسم بن حمود کو جو اپنے بھتیجوں کی ان تیاریوں اور ارادوں کی خبر ملی تو اپنے خواص سواروں کے ساتھ ۱۱ یا ۱۲۔ اگست ۱۰۲۱ء ۲۸ یا ۲۹۔ ربیع الآخر ۴۱۲ھ کو راہ فرار اختیار کر کے اشبیلیہ میں قیام کیا۔ ایک مہینے بعد یحییٰ قرطبہ میں داخل ہوئے۔ اہل شہر بربر۔ حبشیوں اور صقلبیوں سب نے ان کی خلافت بروز سنیچر یکم جمادی الثانی ۴۱۲ھ کو تسلیم کر لی۔

یحییٰ کے نجیب الطرفین ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا مگر وہ بد دماغ تو تھا ہی بہت اتنی جلد جو اس کو کامیابی اپنے عزائم میں حاصل ہو گئی تو دماغی توازن اور بھی بگڑ گیا۔ غرور کے ساتھ چھچھورا پن بھی آگیا۔ معززین شہر نے اس سے درخواست کی کہ وہ کم درجہ کے لوگوں خصوصاً

Marfat.com

حبشیوں کو ان کے اعلیٰ عہدوں پر متقرر نہ رہنے دے کہ اس سے ذہنی اور روحانی تکلیف ہوتی ہے۔ یہ بات تو اُس نے مان لی۔ مگر اور بہت سی ایسی باتیں شروع کر دیں جو باشندگانِ قرطبہ کو سخت ناگوار گزریں۔ جب یحییٰ نے سختی برتی تو بہت سے لوگ بھاگ کر اشبیلیہ میں قاسم کے پاس پہونچ گئے۔ جو افسران وہاں رہ بھی گئے۔ وہ بھی یحییٰ سے خوش نہ تھے۔ اس سے یحییٰ کی حالت اتنی سقیم اور نازک ہوگئی کہ اُسے ہر وقت اپنی ہی گرفتاری کا خطرہ محل کے اندر نظر آنے لگا۔ ادریس کو ادھر یہ اطلاع ملی کہ مالقہ کے لوگوں نے خیران کو وہاں کی حکومت کا لالچ دے کر بُلایا ہے۔ وہ اس وقت سبتہ میں تھا اس نے فوراً اپنے بھائی کو اس بات سے آگاہ کیا۔ یحییٰ نے مناسب یہی سمجھا کہ وہ جلد از جلد مالقہ پہنچے۔ چنانچہ اپنے قیام قرطبہ کے ایک ہی مہینے کے بعد ۱۲ فروری ۱۰۲۳ء ۱۸۔ ذیقعدہ ۴۱۳ھ کو یحییٰ وہاں سے بھاگ کر مالقہ پہونچے اور قاسم قرطبہ میں جہاں ان کی بیعت کی تجدید ہوئی لیکن ان کی پوزیشن بھی اپنے بھتیجے سے کچھ کم نازک نہ تھی۔ ادریس نے طنجہ پر قبضہ کر لیا۔ جسے قاسم بہت مضبوط کر آئے تھے یحییٰ نے جزیرۃ الخضرا کو بھی چھیالیا۔ جہاں قاسم کے اہل و عیال موجود تھے۔ اور مال و متاع بھی۔ قرطبہ کے اندر خود پھوٹ پڑی ہوئی تھی بربر تو کبھی کسی کا مستقل ساتھ دیتے ہی نہیں تھے۔ شہری بھی ایک شخص قاسم نامی جو اُموی تھا۔ اس کی حمایت میں آوازہ بلند کرنے لگے قاسم کے ساتھ صرف حبشی غلام رہ گئے۔ بربری بہت سے یحییٰ کے ساتھ ہو گئے۔ بہت سے خیران کے ساتھ۔ ادھر جونہی اُمیہ کے خروج کی خبریں شہر میں مشہور ہونا شروع ہوئیں تو قاسم ہر بنی اُمیہ کے خلاف ہو گئے اور حکم دیدیا کہ جو بھی اُموی نظر آئے اسے قتل کر ڈالا جائے۔ یہ لوگ جان بچا بچا کر دوسرے اطراف میں بھاگنے لگے اور وہاں اپنے ہمدرد پیدا کرنے لگے۔ اپنی باتوں اور اطوار سے دوسروں کے دلوں میں گھر کرنے لگے اور قاسم کی بدگوئی کر کے اس کے خلاف مشتعل کرنے لگے۔ بربر تو پہلے سے ہی خار کھائے بیٹھے تھے۔ یہ عالم جو دیکھا تو فوراً بغاوت پر کمربستہ ہو گئے۔ ۳۱۔ جولائی ۱۰۲۳ء ۱۰ جمادی الاوّل ۴۱۴ھ کو خروج کر دیا۔ قاسم نے شہریوں کو اپنی جانب ملانا چاہا مگر بات زیادہ بنی نہیں۔ ۶۔ ستمبر ۱۰۲۳ء یعنی ۷ جمادی الآخر ۴۱۴ھ کو جمعہ کی نماز کے بعد پورے شہر میں ایک عام شورش برپا ہوگئی۔ ان لوگوں نے قاسم اور بربریوں دونوں کو شہر سے نکال دیا۔ اس نے شہر کے غربی حصہ میں باہر نکل کر اپنا خیمہ نصب کر لیا۔ پھر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ پچاس دن تک مستقل جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا۔ قرطبہ کے لوگ حتی الامکان مدافعت کرتے رہے مگر جب راشن کی کمی نمودار ہونے لگی

Marfat.com

تو ہمتیں بھی پست ہونے لگیں۔ پھر کچھ دنوں تک دروازے بند کر کے فصیل شہر پر لڑتے رہے۔ مگر آخر تابکے یہ درخواست قاسم کے سامنے پیش کی کہ وہ شہر اس کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ مگر تمام آدمیوں کو صحیح سلامت چلے جانے دیا جائے گا۔ قاسم نے زعم میں آکر یہ شرط منظور نہ کی۔ پھر تو اہلیان شہر بھی جان پر کھیل گئے۔ فصیل میں ایک سوراخ کر کے نکل جانے کا راستہ بنا لیا۔ ۳۰ اکتوبر مطابق ۱۲ شعبان کو باہر نکل کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے۔ قاسم بن حمود کو شکست ہوئی وہ اشبیلیہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بہت سے ساتھی تتر بتر ہو گئے۔ اشبیلیہ والوں نے بھی قاسم کو اندر قرطبہ والوں کی دیکھا دیکھی نہ آنے دیا۔ حالانکہ وہاں کا حاکم اسی کا بیٹا محمد تھا۔ محمد بن زیری اکابر بربرہ میں سے مدار المہام تھے۔ اور محمد ابن عباد قاضئ شہر جو معتمد بن عباد کے دادا تھے۔ انہوں نے ابن زیری کو یہ لالچ دیا کہ شہر کی حکومت اپنے قبضہ میں لے آئیں۔ لالچ بری بلا ہوتی ہے۔ وہ فوراً آمادہ ہو گئے۔ شہر کے لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ آپس میں کشت و خون شروع ہو گیا۔ بہت سے بربری اور حبشی قتل ہوئے۔ آخر میں ابن عباد غالب آئے۔ انہوں نے قاسم کے بیٹے اور دیگر رشتہ داروں کو صحیح سلامت نکل جانے کی اجازت دیدی۔ وہ سب قاسم کے ساتھ شریش کی طرف چلے گئے۔ اشبیلیہ میں جمہوری طرز کی حکومت قائم ہو گئی۔

قاسم شریش پہنچے ہی تھے کہ اس کا بھتیجہ یحیٰی بن علی اس کی سقیم حالت کا اندازہ کرتے ہوئے یلغار کر کے چڑھ آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ بیس دن تک اس نے طول کھینچا آخر کار قاسم کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ یحیٰی نے یہ طے کر لیا تھا کہ اگر قاسم اس کے ہاتھ پڑ گیا تو قتل کئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ تاوقتیکہ وہ تیسری بار قرطبہ پر قبضہ نہ حاصل کرے۔ پھر بھی اس نے اس کے قتل کرنے میں کوئی تعجیل نہیں برتی۔ کچھ لوگوں نے رائے دی کہ اسے قیدی بنا کر مالقہ لے جایا جائے۔ کہتے ہیں کہ یحیٰی کو جو چیز قاسم کے قتل سے باز رکھتی تھی وہ ایک خواب تھا جس میں وہ مستقل اپنے باپ کو دیکھتے تھے۔ جو اپنے بھائی کے قتل سے منع کرتے تھے۔ پھر بھی یحیٰی نے کبھی غفلت کبھی بدمستی کے عالم میں قاسم کے قتل کا ارادہ کیا مگر اس کے دوست احباب اس کو اس ارادے سے باز رکھتے تھے۔ مجبوراً اس نے قاسم کو مالقہ کے قدیم قلعہ میں قید کر دیا۔ جہاں وہ تیرہ برس تک ایک قیدی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ۱۰۳۶ء ۴۲۸ھ میں جب یحیٰی کو یہ معلوم ہوا۔ کہ قاسم اس کی فوج کو اس کے خلاف ابھار رہا ہے۔ تو فوراً یہ حکم دیدیا کہ اس کا گلا گھونٹ دیا جائے۔

Marfat.com

ادھر قرطبہ کے لوگ جب بغیر بادشاہ کے ہوئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ کہ اب کس کو تخت حکومت پر فائز کیا جائے نومبر ۱۰۲۳ء رمضان ۴۱۴ھ میں ایک مجلس اکابرینِ شہر کی منعقد ہوئی۔ جس میں تین آدمیوں کے نام خلافت کے منصب کے لئے پیش کئے گئے۔

سلیمان کا نام پہلا ہونے کی وجہ سے اُسے اپنے منتخب ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ جو کاتب احمد بن برد مقرر تھا۔ اس نے تک اس خیال کے ماتحت عہد نامے میں سلیمان کا نام تحریر کر دیا۔ لیکن معززین کی زیادہ تعداد عبدالرحمٰن کی موافقت میں تھی۔ ایک جلسہ افسرانِ فوج رؤسائے قوم اور عوام الناس کا جامع مسجد میں یکم دسمبر ۱۰۲۳ء ۱۲۔ رمضان ۴۱۴ھ کو بعد نماز جمعہ منعقد ہوا۔ عبداللہ ابن محافس وزیر کے ساتھ سلیمان اچھے لباس میں ملبوس مسجد میں آئے۔ انہیں اپنے منتخب ہونے کا گمان ہی نہیں بلکہ یقین واثق تھا۔ پھر عبدالرحمٰن داخل ہوئے ان کے ساتھ فوج اور پیشہ ور کافی تھے۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوئے۔ لوگوں نے نعرہ بلند کر دیا۔ اور اس کے بعد بغیر توقف ان کا انتخاب کر لیا۔ وزیر اور سلیمان یہ عالم دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ کچھ بنائے نہ بن سکی۔ آخر انہیں بھی عبدالرحمٰن ہی کو خلیفہ منتخب کرنا پڑا۔ سلیمان نے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ عبدالرحمٰن نے ان کو اپنے پاس بٹھالیا۔ عبدالرحمٰن نے اسی دن المستظہر کا لقب اختیار کیا۔ اس سلسلہ کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل شجرے پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

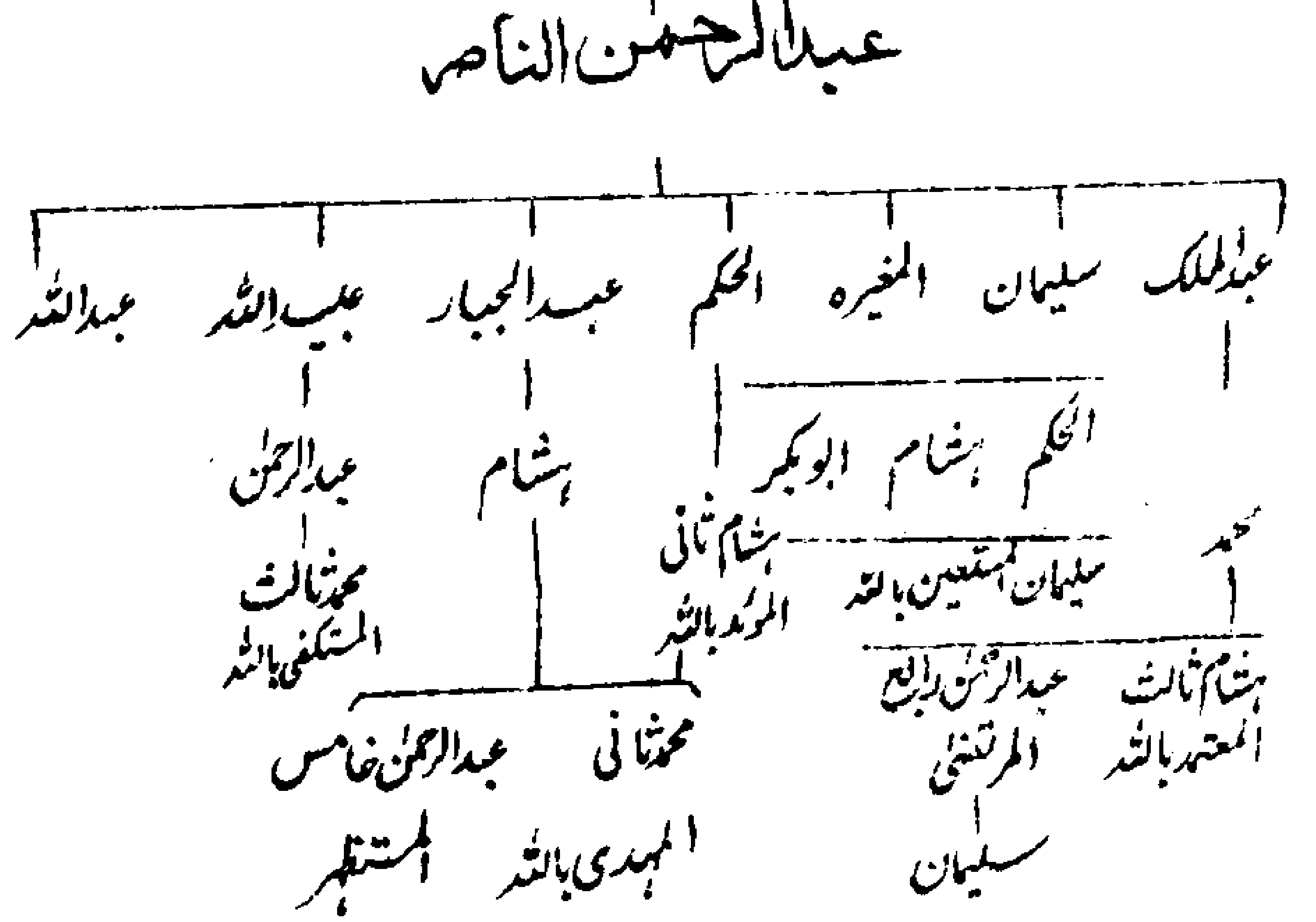

Marfat.com

اس طرح عبد الرحمٰن خامس الملقب بہ المستظہر عبد الرحمٰن الناصر کے پڑپوتے تھے عرصۂ دراز کے بعد ایک بار حکومت اُمویوں کے ہاتھ میں پھر آئی۔ بنی حمود کا عروج جتنی تیزی سے ہوا تھا اتنی ہی تیزی سے ان کا زوال ہوا۔ بہت جلد لوگ بھول گئے کہ المرتضیٰ کے بعد کوئی ایسا زمانہ بھی آیا تھا جب مروانیوں کا اقتدار خطرے میں پڑ گیا تھا۔

Marfat.com

باب (۵۷)

المستظہر
المستکفی

المستظہر کو جو بلا محنت و مشقت تخت خلافت حاصل ہوا تو فوراً گوناگوں دلچسپیوں میں مشغول ہوگیا۔ اس نے اپنے رفیق ایسے بنائے جو مرنجان مرنج اور متنفرق سے کے تھے۔ ان میں شعرا بھی تھے ادبا بھی۔ مورخ بھی۔ علما بھی۔ جو مشہور ہوئے وہ ابو عامر بن شہید تھا جو ہمہ دم لغویات میں منہمک رہتا تھا۔ ابو محمد بن علی بن حزم تھا جو اپنے دور کے ممتاز مورخوں اور عالموں میں تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ چلتا پرزہ بھی تھا۔ اس کا چچا زاد بھائی عبدالوہاب بن حزم تھا جو محض خوش گپیوں میں اپنا وقت ضائع کرتا تھا۔ ان سب میں المستظہر کی ابن حزم سے بہت بنی۔ دونوں شعر و سخن کے بادشاہ تھے۔ علم و ادب کے شائق۔ ایسے اشعار ہر قسم کے نظم کرتے تھے جن سے عشق و محبت علاوہ حسن و جمال کیف و نشاط اور سوز و گداز کے تاثرات بھی جھلکتے تھے۔ یہ ابن شہید اور المستظہر اکثر آپس میں شعری و علمی مباحثے کیا کرتے تھے۔ خصوصاً المستظہر جو بچپنے ہی سے اپنی چچا زاد بہن حبیبہ پر بری طرح عاشق تھے۔ اور

اس میں ناکامی کی وجہ سے بڑے درد بھرے اشعار کہے جن میں اکثر جگہ اپنے عشق کے بیان کے علاوہ محبوبہ کا نام بھی بار بار دُہرایا۔ اسی طرح علی بن حزم جو نبلہ کے رہنے والے تھے۔ ان کے پردادا نے اسلام قبول کیا تھا۔ مگر حزم عیسائیت سے سخت نفرت کرتا تھا چنانچہ اپنی مشہور تصنیف ملل والنحل میں اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ وہ بنی اُمیہ کے دل وجان سے بہی خواہ تھے۔ جس زمانے میں زمامِ اقتدار علی بن حمود کے ہاتھ میں آئی اور خیران نے بھی اسی کی موافقت اختیار کی۔ حزم اپنے پچھلے ہی سرپرستوں کے حق میں رہے۔ اور ہمیشہ انہی کی بہتری اور بھلائی کی ترکیبیں سوچا کرتے تھے۔ دعائیں کیا کرتے تھے۔ خیران کو جب ان باتوں کی اطلاع ملی تھی تو اُس نے قید خانے بھجوا دیا۔ پھر جلاوطن کردیا۔ وہ اشبیلیہ کے پاس ایک چھوٹا سا قلعہ ہے حصن القصر وہاں چلے گئے۔ جب معلوم ہوا کہ لوگ بلنسیہ میں عبدالرحمن رابع المرتضیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ تو انہوں نے بھی وہاں پہونچ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ اور جب المرتضیٰ اپنے مخالفین سے نبرد آزما تھے تو ابن حزم بھی سرفروشانہ انداز میں ان کے ساتھ تھے المرتضیٰ نے شکست کھائی یہ بربریوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ جہاں ان علم ذوق اور بھی تقویت پکڑ گیا۔ عالم بھی مشہور ہوئے مؤرخ بھی اور شاعر بھی۔

المستظہر کے زمانے میں کچھ لوگ قید تھے ان کے متعلق یہ مشہور کردیا گیا کہ کبھی رہا نہ کئے جائیں گے۔ اتفاق سے ایک شخص ابوعمر نے ان کو آزاد کردیا ـــــ حالانکہ اکثر وزراء ان کے خلاف تھے۔ مگر المستظہر نے کسی کی بات نہ مانی چند اور آدمیوں کو رہا کردیا۔ کی تو اس نے ان لوگوں کے ساتھ بھلائی مگر نتیجہ اُلٹا نکلا۔ سب المستظہر کی بیخ کنی پر آمادہ ہو گئے۔ بربریوں سے مل کر اس کے خلاف سازش کرنے لگے۔ المستظہر ان چیزوں سے ناواقف محفلِ شعراء اور انجمن رقاصان میں دل بہلا رہا تھا۔ وہاں آگ سُلگ رہی تھی چنانچہ ایک دن انہیں کے محل میں انہیں قتل کردیا گیا۔ مرتے وقت وہ بالکل اپنے شباب کے دور میں تھے بمشکل ۲۳ سال کے ہوئے تھے۔ حکومت صرف ۴۷ دن کی تھی لیکن اپنی مختصر حیات میں جو نظمیں اور اشعار کہے گئے۔ وہ اب بھی عربی ادب کی جان ہیں۔ اس کے حاجب ابن حزم نے بھی اس کے مرنے کے بعد گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی۔ اور عبادت ومطالعہ کو مشغلۂ حیات بنا لیا۔

Marfat.com

۱۸۔جنوری ۱۰۲۴ء ۴ ذی قعدہ ۴۱۴ھ کو المستظہر کے قتل کے بعد شہر میں ایک ہنگامہ ہوا۔شہریوں اور فوجیوں نے بربریوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔جہاں کوئی بربر نظر آ اُسے فوراً ایذائیں پہونچا کر قتل کر دیتے تھے۔ان کے گھربار کو لوٹ لینے کے بعد ان کی عورتوں کو آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔خود المستظہر کے اہل حرم کو فتنہ پرداز امیروں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔اس پوری بغاوت میں جن لوگوں نے عملی حصّہ لیا تھا۔اُن میں نمایاں محمد عبدالرحمٰن بن عبیداللہ بن عبدالرحمٰن الناصر تھے (دیکھئے شجرہ) جو ہرچند جاہل اور کینہ تو مگر اموی ہونے کی وجہ سے خلافت کے اُمیدوار تھے۔اپنا تھوڑا بہت اثر رسوخ پیشہ لوگوں میں بھی رکھتے تھے۔خاص کر احمد بن خالد سے جو ذات کا جولاہا تھا۔مگر تھا بہت تیز طرار۔ابن عمران کا ذکر پہلے ہی آ چکا ہے۔انہی کے بل بوتے پر محمد بن عبدالرحمٰن نے اتنا بڑا ہنگامہ کھڑا کیا تھا۔جب اس کو کامیابی حاصل ہو گئی تو خود مسندِ خلافت پر بیٹھا المستکفی لقب اختیار کیا۔اپنے جولاہے دوست کو وزیر اعظم مقرر کیا۔چھوٹے لوگوں کو بڑے بڑے عہدے اور مرتبے عطا کئے۔اس بات سے قدیمی امرا اور شریف خاندان کے افراد سخت برہم ہو گئے۔المستکفی نے تمام مخالفین کو قید کر دیا۔ایک کو گلا گھونٹ کر مروا بھی ڈالا۔اب تو لوگ اور بھی برافروختہ ہو گئے۔المستکفی اپنے عاقبت نااندیش مشورہ کاروں کے کہنے سے بعض دیندار اور نیک طینت لوگوں کو جو کبھی المستظہر کے ہمدرد تھے مثلاً علی بن حزم اور عبدالوہاب ابن حزم وغیرہ کو جیل بھجوا دیا۔ابو عامر شہید اور بعض دوسرے حضرات گرفتاری کے ڈر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔مالقہ پہنچے وہاں یحییٰ ابن حمود جو المعتلی کے لقب سے مشہور تھے۔مل گئے۔انہیں کے کہنے سننے سے یحییٰ المعتلی نے قرطبہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔یہ خبر قرطبہ میں پہلے ہی سے گرم ہو گئی۔

مئی ۱۰۲۵ء ربیع الاوّل ۴۱۶ھ کو شہر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔خالد جو باپ جولاہا ہونے کے باوجود حاجب کے عہدے پر فائز تھا چھڑیاں اور قرولیاں مار مار کر ٹھنڈا کر دیا گیا پھر لاش کو پیروں سے گھسیٹا۔پھر قصرِ خلافت کا محاصرہ کر لیا۔فوجیوں نے مستکفی کو یہ مشورہ دیا کہ خود شہر سے نکل کر کہیں چلے جائیں۔کیونکہ فوجیں ان کی حفاظت نہ کر پائیں گی۔انہیں یحییٰ سے دو دو ہاتھ کرنا ہیں۔مستکفی نے مجبور

Marfat.com

لباس بدل کر ایک رقاصہ کے لباس میں دو کنیزوں کو ساتھ لے کر محل سے نکل کر مضافات میں قیام کیا۔ مگر وہاں انہیں کے ہمراہی نے جس نے عمر بھر کی دمسازی کا وعدہ کیا تھا زہر دے کر مار ڈالا۔ یوں عرصۂ قلیل میں خلافت اندلس نے کئی خلیفہ کے نقش دیکھے جو نقش بر آب ثابت ہوئے۔ اب المستکفی کی موت کے بعد ایک مدت سے خلا پیدا ہو گیا۔

Marfat.com

باب (۵۸)

طوائف الملوکی

قرطبہ کے لئے ایک ایسا وقت بھی آیا جب اس پر کوئی حاکم مسلط نہ رہا۔ شہریوں نے جمہوریت کے طرز پر ایک مجلسِ عاملہ قائم کر لی۔ مگر حالاتِ زمانہ اس کے حق میں نہ تھے۔ چنانچہ چھ مہینے سے زیادہ یہ طرز بھی قائم نہ رہ سکا۔ لوگوں کو پھر کسی اُموی بادشاہ کی تلاش شروع ہوئی۔ اس اثناء میں بے چینی۔ بے اطمینانی۔ بدامنی بُری طرح سے بڑھ گئی۔ کوئی نظام کوئی ضابطہ کوئی قانون قائم ہی نہ رہا۔ جب کوئی اُموی خلیفہ بھی اس قسم کا دستیاب نہ ہو سکا جو ان حالات بد پر قابو حاصل کر سکے تو بعض لوگوں نے یحییٰ بن علی بن حمود الحسینی المعروف بہ المعتلی کے حق میں پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ یہ درصل بھلائی عوام الناس کی خاطر کیا گیا۔ انہیں خط بھیج کر قرطبہ آنے کی دعوت دی۔ یحییٰ نے یہ دعوت قبول تو کر لی۔ مگر وہ اہلیانِ قرطبہ کی سرشت سے پوری طرح واقف تھے۔ کہ کس طرح جلدی سے وہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جانب سے اپنے ایک معتبر سپہ سالار ابن عطاف کو بھیج دیا۔ یہ واقعہ رمضان ۴۱۶ھ ۱۰۲۵ء کا ہے۔ مگر دوسرے ہی سال وہ لوگ ابن عطاف سے تنگ آ گئے اور نقض عہد پر ٹھان لی۔ اس کشمکش اور غیر اطمینانی حالات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے خیران اور مجاہد والیٔ دانیہ اپنی خدمات کی پیشکش قرطبہ والوں کے سامنے کی اور صقلیبوں کی جانب

سے پوری امداد کا وعدہ فرمایا۔ ان کی بات پر پوری توجہ دی گئی۔ مئی ۱۰۲۶ء ربیع الاول ۴۱۷ھ میں خیران ور مجاہد اپنی اپنی فوجیں لئے قرطبہ آ دھمکے شہریوں نے ان کی مدد کی۔ ابن عطاف کو نکال باہر کیا۔ اس لے بہت سے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا۔ جب ہنگامہ فرو ہوا تو سوال خلافت کا پیدا ہوا۔ خیران چاہتا ا وہ تخت حاصل کرے۔ مجاہد چاہتا تھا کہ وہ آپس میں تنازعہ شروع ہوا۔ خیران کو کامیابی ب نہ ہوئی وہ واپس اپنی ولایت صوبہ المریہ۔ ۱۲ جون ۱۰۲۶ء۔ ۲۲ ربیع الآخر ۴۱۷ھ و چلا گیا۔ مجاہد قرطبہ میں بڑی امیدوں کے ساتھ مقیم رہا مگر جب دال گلتی نظر نہ آئی تو دانیہ واپس لا گیا۔ اور پھر مجلس انتظامیہ کام چلانے لگی جس میں سب سے زیادہ با اختیار ابوالحزم ابن جہور تھا۔ دانشمند بھی تھا اور ذی اثر بھی۔ اس کے مشورے سے پھر یہ طے پایا کہ کسی اموی شہزادے کو تخت ر بٹھلایا جائے۔ جب سرحد کے حاکموں سے اس بارے میں صلاح لی گئی تو وہ بھی اس رائے کی موافقت ں ہوئے تلاش بسیار کے بعد عبدالرحمٰن چہارم المرتضیٰ کا بھائی جو المرتضیٰ کے قتل کے بعد البتت Albatal بھاگ گیا تھا اس اہم ذمہ داری کے لئے چنا گیا۔ اپریل ۱۰۲۷ء ربیع الاول ۴۱۸ھ ں قرطبہ میں اس کے نام پر غائبانہ بیعت لی گئی۔ المعتد یا المعتمد کا لقب اختیار کیا۔ پھر انہیں قرطبہ آنے کی دعوت دی گئی۔ البنت سے وہ روانہ ہوئے مگر قرطبہ پہونچتے پہونچتے ان کو متعدد مقامات پر جنگ و جدل کرنا پڑی۔ اور اکثر صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑا۔

۱۸ دسمبر ۱۰۲۹ء ۸ ذی الحجہ ۴۲۰ھ میں جب وہ قرطبہ میں داخل ہوئے تو شاہانہ طریقہ پر ان کا استقبال کیا گیا۔ مگر ان کی غیر وجیہہ شکل، بڑھاپا اور کم عقلی کو دیکھ کر جلدی ہی لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ نظرِ انتخاب غلط شخص پر پڑی۔ جب دربارِ عام منعقد ہوا تو نہ وہاں وہ تقریر ہی کر پائے نہ شعراء کا شکریہ ادا کر پائے۔ جنہوں نے ان کی شان میں قصیدے پڑھے تھے۔ ان کی آرام طلب اور عیش پسند طبیعت نے لوگوں کو اور بھی بددل کر دیا۔

ہشام ثالث المعتد نے بھی ایک جولاہے حکم بن سعید کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ یہ ان کا قدیمی دوست تھا۔ جب وہ قرطبہ میں تھے تو اس سے کافی راہ و رسم تھی۔ اس نے کپڑا بننے کا پیشہ ترک کر کے فوجی ملازمت اختیار کر لی تھی۔ جہاں کافی ناموری حاصل کی۔ جب المعتد خلیفہ ہوئے تو ان سے مل کر اس نے اپنی قدیمی دوستی کے واسطے سے اتنا اہم عہدہ حاصل کر لیا۔ مگر اس کا اہل بالکل بھی نہ ثابت ہو سکا۔ اچھے اچھے مرغن کھانوں کہنہ اور لذیذ شرابوں، مغنیوں اور مطربوں کے علاوہ کسی اور چیز سے ان کی دلچسپی ہی نہ تھی۔ پھر اسی راہ پر اس بڈھے خلیفہ کو بھی لگا دیا۔ کچھ تو بڑھاپا کچھ

Marfat.com

طبیعت کی کاہلی اور تلون مزاجی، کچھ عیش وعشرت کا چسکا۔ ان سب نے ان کو سلطنت کے کاروبار سے بالکل بے نیاز کر دیا۔ ہر معاملہ رفتہ رفتہ حکم بن سعید حاوی ہو گیا۔ اس نے فوراً محصول اور ٹیکس خالی خزانے کو پُر کرنے کے لئے لگانا شروع کر دیئے۔ جب رعایا ناراض ہوئی تو وہ دوسری ترکیبیں سوچنے شروع کیں۔ مگر یہ دوسری ترکیبیں ہو بھی کیا سکتی تھیں سوائے اس کے کہ دوسروں کا مال ہضم کیا جائے۔ یہ پتہ چلا کہ مظفر عامری نامی سردار کے لڑکوں نے کچھ مال ومتاع بطورِ امانت اپنے دیانتدار رفیقوں کے پاس رکھ دیا ہے۔ تو اس کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔ اور پھر انہیں بھاری قیمتوں پر قرطبہ کے تاجروں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ فتنہ وفساد کے دوران میں جو ہزاروں محل اور قصر اور مکانات زمین دوز کئے گئے تھے ان کا ملبہ بیچ ڈالا۔ اس میں جو لوہا، سیسہ، شیشہ اور دوسری قیمتی چیزیں دستیاب ہوئیں انہیں زائد قیمت پر جبریہ نیلام کرا دیا پھر بھی جب اخراجات عیش پورے نہ ہوئے تو اور دوسرے امیروں اور رئیسوں کو ستانا شروع کیا۔ ساتھ ہی ساتھ عالموں اور فقیہوں کے بھی پیچھے پڑ گیا۔ ان میں سے ایک جید فقیہہ ابن جبار بھی تھا اس نے ایک زمانہ میں مساجد اور اوقاف کا مال ضبط کر کے علی بن حمود کے خزانے میں کافی رقم کا اضافہ کر دیا تھا جب دوسرے رفیقوں نے اس پر اعتراضات کئے تھے تو ان کا منہ ان کی تنخواہیں اور وظیفے بڑھا کر بند کر دیا گیا تھا۔ حکم نے اس اضافہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے ابو عامر بن شہید سے ایک بیان لکھوایا جو جون ۱۰۳۰ء جمادی الآخر ۴۲۱ھ کو جامع مسجد میں نماز کے بعد پڑھا گیا۔ اس میں فقیہوں پر سخت اعتراضات کے ماسوا رکیک حملے بھی کئے گئے تھے۔ لوگوں میں بے چینی پھیلی۔ فقہا نے ان کو بھڑکانا شروع کیا۔ مگر ان کی بات زیادہ چل نہ پائی۔ حکم نے ایک وزیر کو جو اس فتنے میں شریک تھا قتل کرا دیا۔ ابو عامر ابن شہید نے حکم کی شہ پا کر فقیہوں پر اور بھی ظلم توڑنا شروع کئے۔ ان پر اور بھی زیادہ اعتراضات کی بوچھار کر دی۔ اس چیز نے حکم کے خلاف مواد ہم کرنا شروع کیا۔ پہلے تو خلیفہ کو ان کے خلاف بھڑکایا گیا۔ مگر عیش وطرب کا جو چسکا حکم نے ڈال دیا اس سے باہر خلیفہ نکل ہی نہ سکتے تھے۔ اس لئے اس کی مخالفت بھی نہ کر سکتے تھے۔ اُلٹا ان کو یہ حکم ملا کہ محل میں آنا جانا بند کر دیں۔ صرف ابن جہور کی آمد ورفت قائم رہی۔ حاجب حکم نے اس کو بھی راہ سے ہٹانا چاہا مگر چل نہ سکی۔ ابن جہور نے جو یہ رنگ دیکھا تو خلافت کا ہی خاتمہ کرنے پر تل گیا۔ شروع میں لوگوں کو یہ باور کرایا کہ ہشام المعتد کی جگہ پر کسی دوسرے قابل آدمی کو مسند خلافت پر بٹھانا مقصود ہے اور اس مطلب کے لئے ہشام کے ایک دوسرے عزیز اُمیہ کو راضی کر لیا۔ یہ شخص بھی ہشام کی طرح کم

Marfat.com

ل۔ جاہل اور آرام طلب تھا۔ اراکین مجلس نے اس کو یہ سمجھا دیا کہ لوگ ہشام سے بددل ہیں ہی
گر اس نے کبھی بغاوت کا شوشہ کھڑا کر دیا تو بہت سے لوگ اس کے ہمنوا بن جائیں گے۔ اور اسے کامیابی
اصل ہو جائے گی تہ کے اندر کیا بات تھی اسے اُمیّہ نہ سمجھ پایا۔ اس نے بہت سے فوجیوں کو جنکو تنخواہیں
اتی نہ تھیں یا دوسری مراعات نہ حاصل تھیں اپنی جانب ملا لیا۔

دسمبر ۱۰۳۱ء ذی الحجہ ۴۲۲ھ کی ایک رات کو وہ غیر مطمئن سپاہی بھڑکانے سے حکم کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ اور اس راہ پر بیٹھ گئے جہاں سے وہ اکثر گزرا کرتا تھا۔ وہ جیسے ہی محل سے نکل کر وہاں پہنچا اتنی سرعت سے اس پر ضرب کاری لگائی گئی کہ وہ مدافعت کے لئے تلوار تک باہر نہ نکال پایا اور تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کا سر جو بے تحاشا خون میں لتھڑا ہوا تھا دھڑ سے جدا کر دیا گیا۔ پھر ایک ماہی گیر کے لگن میں دھو کر نیزے کی انی پر چڑھا کر شہر میں گھمایا گیا۔ پھر یہ بلوائی اُمیہ کی سرکردگی میں قصر خلافت کی طرف چیختے چلاتے پہونچے۔ ہشام المعتد نے جو یہ شور وغل سنا تو چند مستورات اور چار صقلبی غلاموں کو لے کر ایک برج پر چڑھ گئے۔ اور باغیوں سے پوچھا کہ آخر ان کا کیا مطلب ہے۔ بلوائیوں نے جواب دیا کہ پہلے تو اپنے اس وزیر کا حال دیکھو جس پر تمہیں بڑا ناز تھا۔ پھر ہشام کو گالیاں اور مغلظات سنانا شروع کیں۔ ہشام نے ٹھنڈے دل سے ان کو سمجھانا چاہا مگر وہ باز نہ آئے۔ اور حرم سرا میں گھس کر وہاں ساز و سامان لوٹنے لگے۔ وہاں ان کو چند وہ زنجیریں بھی نظر آئیں جو بعض وزراء اور اراکین مجلس کو قید کرنے کے لئے بنوائی گئی تھیں انہیں دکھلا کر اُمیہ نے بلوائیوں کا غصہ اور بھی بڑھایا۔ اور لوٹ مار کی ترغیب دے کر ہشام کے قتل کے لئے اکسایا۔ ہشام نے اپنی موت کو سر پر ناچتے دیکھ کر بعض ایسے لوگوں کو جو اس فتنے میں کوئی عملی حصہ نہ لے رہے تھے خدا کا واسطہ دے کر مدد مانگی مگر ان کے کان پر کوئی جوں نہ رینگی۔ ہشام کی موت سے قبل ہی اُمیہ تخت خلافت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ بلوائیوں کے جتنے سرغنے تھے ان کو اسی وقت عہدے تفویض کر ڈالے۔ کسی نے کہا بھی کہ اس قدر جلد بازی سے کام نہ لو مگر اُمیہ اس وقت کہاں سنتے تھے۔ بولے آج تو حاکم بن لینے دو کل کا کیا یقین زندہ رہوں بھی یا نہ رہوں۔ جب یہ روئداد محل میں وقوع پذیر ہو رہی تھی۔ ابن جہور ایک نئے ہی ڈرامے کے سین تیار کر رہا تھا۔ باہم صلاح و مشورہ کر کے فوج اور مخصوص ملازمین کو لے کر وہ قصر خلافت کی طرف بڑھا۔ سپاہیوں اور وزیروں کو دیکھ کر بلوائی دب گئے۔ لوٹ مار بند کر دی۔ پھر زندہ دلوں نے

Marfat.com

ہشام سے چلا کر کہا کہ آپ نیچے اتر کر خلافت سے دستبردار ہوئیے۔ آپ کی جان سلامت رہے بحالت مجبوری ہشام ڈرتے نیچے آئے انہیں معہ ان کے بیویوں کے جامع مسجد قرطبہ میں نظربند کر دیا گیا۔ رات کو عمائدینِ شہر سے مشورہ ہوا کہ ہشام کے حق میں کیا فیصلہ کیا جائے طے ہوا کہ قلعے میں بند کر دیا جائے۔ جب وزراء مسجد پہونچے تو دیکھا کہ ہشام عجیب کس مپرسی کے عالم میں وہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کی بیویاں زار وقطار رو رہی ہیں۔ اکلوتی بچی سردی سے کانپ رہی ہے۔ ہشام اس کو گرم رکھنے کے لئے سینے سے چمٹائے ہوئے تھے۔ نہ کچھ کھانے کو تھا نہ پہننے کے لئے پورے کپڑے۔ جب ان کو فیصلہ سنایا گیا تو آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا اور بولے کہ یہ سب تسلیم پہلے کچھ کھانے کا انتظام کر دیجئے۔ بچی بھوک مارے تلملائی جاتی ہے۔ یہ حالت دیکھ کر ان لوگوں کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔ کھانا جو میسر تھا منگوا دیا روشنی کے لئے ایک چراغ بھی جلا دیا گیا۔ دوسرے دن ان کو شہر سے نکال کر قلعہ میں نظربند کر دیا گیا۔ اس کے بعد اراکینِ مجلس نے یہ اشتہار جاری کر دیا کہ آج سے خلافت کا خاتمہ۔ سارا کاروبارِ سلطنت مجلس انتظامیہ بجالائے گی۔ یہ سب کچھ جب ہو گیا تو وزراء کا دھیان امیہ کی طرف پلٹا۔ اسے اب تک وزیروں کی بات کا یقین تھا اور اپنے خلیفہ ہونے کا بھی۔ بہت سے شہریوں کو اب تک اپنے ارد گرد بیعت کی خاطر جمع کئے ہوئے تھا۔ وزراء نے آخر ان سب لوگوں کو سخت ڈانٹا جو ایسے بدتمیز آدمی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو آمادہ تھے۔ امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو سخت متردد ہوا۔ انتقام لینے کا عہد کر کے وہ محل سے نکل گیا۔ کہاں غائب ہوا۔ کدھر چلا گیا۔ یہ پھر پتہ نہ چل پایا۔ ہشام المعتد قلعے سے نکال کر شمالی حدود میں لاردہ بھیج دیئے گئے۔ جہاں سلیمان بن ہود حاکم تھا۔ اس نے ان کو بالکل گمنامی کی زندگی میں ڈال دیا۔ لوگ جلدی ہی بھول گئے کہ ہشام بھی کبھی ان کے خلیفہ تھے۔

پانچ سال بعد دسمبر ۱۰۳۱ء صفر ۴۲۸ھ کو وہ موت کے دامن میں جا سوئے کسی نے ان کی موت کا ذرا سا بھی غم نہ کیا۔ اسپین میں بنی امیوں کا ہمیشہ کے لئے اقتدار ختم ہو گیا۔ ان کی جگہ پر ایک جداگانہ نظامِ جمہوریت کے طور پر قائم ہو گیا۔

Marfat.com

باب ۵۹

زوال کے اسباب

بنی اُمیہ کا زوال کسی ایک قبیلہ یا فرقہ کا زوال نہ تھا ایک نظام حکومت ایک شخصی سلطنت اور ایک طرزِ سیاست کا سوال تھا۔ اسلام میں جمہوری اصول اور اندازِ جہانبانی کو شہنشاہیت میں تبدیل کرنے کا سہرا اُمویوں ہی کے سر ہے۔ اس سُنہری طرز پر ملمع سازی کا کام انہی کے ہاتھوں انجام پایا۔ معاویہ کا رائج کردہ یہ طریقہ آخری تاجدار مروان ثانی کے دم تک قائم رہا۔ اس کے بعد جب اُندلس میں زمامِ حکومت ان کے ہاتھ آئی تو وہاں بھی شخصی حکومت اسی طرز پر قیام میں لائی گئی۔ اور آخری وقت تک وہاں یہی سلسلہ جاری رہا۔ شخصی حکومت میں جیسا کہ ظاہر ہے جب تک افراد یا اشخاص جن کے ہاتھ میں عنانِ سلطنت ہوتی ہے۔ قابل اور لائق ہوتے ہیں تو سلطنت کا کاروبار خوبصورتی اور حُسن کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ جہاں ان مسند نشینوں میں خامیاں اور کمزوریاں پیدا ہونا شروع ہوئیں حکومت میں بھی رخنے پڑنے لگے۔ اگر یہ سلسلہ کمزور جہانبانوں کا عرصہ تک چلتا رہا تو پھر اس حکومت کا بھی خدا ہی حافظ ہوتا ہے۔ یہ کُلیہ ہے۔ اور ناممکن تھا کہ اندلس کے حکمرانوں پر اس کا اطلاق نہ ہوتا۔ جب تک عبدالرحمٰن الداخل۔ الحکم، عبدالرحمٰن الناصر اور المنصور جیسے فرمانروا اس کے تخت پر قابض رہے۔ نہ صرف نظم و نسق ہی نہایت اعلیٰ قسم کا رہا بلکہ پوری سلطنت میں دن

Marfat.com

دونی اور راستہ ہو گئی ترقی ہوتی رہی۔ جہاں ان کی جگہ پر ہشام المؤید، محمد مہدی باللہ اور المستعین باللہ اور المستظہر جیسے کمزور اور ناکارہ قسم کے انسان مالک تخت و تاج ہوئے حکومت میں بھی خلل اور کمزوری آنا شروع ہو گئی۔ اور رفتہ رفتہ نہ صرف وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی بلکہ بنی امیہ کا نام و نشان تک مٹا گئی۔ جن کی بہادری اور رعب سے بڑی بڑی حکومتیں کانپ جایا کرتی تھیں۔ جن کے نام سن کر بھی بازنطینی، فرانسیسی اور جرمنی سلطنتوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔ جن کے ذکر ہی سے اردوس بروس کی عیسائی ریاستیں کھٹر کھٹر کانپنے لگتی تھیں۔ وہ اپنی نااہلی، قدر ناشناسی اور نکمے پن کی وجہ سے باعث استہزا اور لائق تمسخر بن گئے۔ کہیں ان کا تذکرہ ہوتا تو ہنسی مذاق کے ساتھ کہیں ان کا نام لیا جاتا تو تفنن طبع کی خاطر۔ وہ عظمت کے فسانے تھے نہ وہ سطوت کے ترانے، نہ وہ رعب و داب کی داستانیں تھیں نہ وہ جلال و جمال کے قصے۔ افراد کی ذاتی صلاحیتوں اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ وہ بھی رخصت ہوئے اور افسانہ ماضی و داستان پارینہ بن گئے۔ نہ صرف یہ بلکہ کل تک جو ان کے نام سے لرزا کرتے تھے وہ اب اپنا سکہ ان پر بٹھانے لگے۔ اس کی ظاہری وجہ صرف یہ تھی کہ یہ اشخاص تخت حکومت پر قابض رہے اور اپنے زعم میں یہ کبھی نہ سوچا کہ اگر کسی روز ان کے جانشین کمزور اور نااہل ہوئے تو خون پسینے سے سینچی ہوئی اس حکومت کا کیا انجام ہو گا۔ اسے کون سنبھالے گا۔ اس کی نگہبانی کون کرے گا۔ جمہوری طرز جہانبانی کو ختم کر کے انہوں نے اپنی حکومت ہی کو دھکا نہ پہنچایا بلکہ پورے اسلام کو ضرب کاری لگائی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا اور خوب دیکھا اور کوئی نظام حکومت ہمیشہ حسن و خوبصورتی کے ساتھ کسی ملک یا قوم میں رائج رہا تو وہ صرف جمہوری انداز تھا۔ آج بھی جتنی سلطنتیں اپنے اقتدار کا سکہ ساری دنیا پر بٹھائے ہوئے ہیں۔ ان میں زیادہ تر وہی ہیں جو جمہوریت کی قائل ہیں رہی تو یہ یہی۔ انہیں ممالک نے ترقی کی جنہوں نے سارے اختیارات کسی ایک شخص کے چنگل میں نہ پھنسا کر تمام لائق و فائق تجربہ کار اور دیانتدار قابل اور باصلاحیت افراد کو منتخب کر کے ملک کا کاروبار ان کے سپرد کیا پورے اعتماد اور رضا بطیب کے ساتھ اور ان افراد نے بھی اپنی قوم کے اعتماد اور اعتبار کو کبھی ٹھیس نہ پہنچنے کی کوشش نہ کی بلکہ اس کو اور بھی زیادہ مضبوطی سے قائم رکھا جس دن انہوں نے اس اعتماد کی لاج نہ رکھی قوم نے ان کو ان کے فرائض سے سبکدوش کر کے دوسرے شخص کو اس کا اہل بنا دیا۔ بنی امیہ وزرا اور امراء کے انتخاب میں بھی اپنی ذاتی پسند اور سفارش کو بہت کچھ دخل دیا کرتے تھے۔ مردم شناسی ان

Marfat.com

ہیں یقیناً موجود تھی مگر اس کا استعمال کبھی نہ ہوتا۔ وزیر اسی وقت تک وزیر رہ سکتا تھا اور امیر اسی وقت تک امیر جب تک کہ وہ بادشاہ کی نظروں میں چڑھا ہوا ہو۔ اُن کا محبوب اور پسندیدہ لوگوں میں سے ہے جس دن اس کی طرف سے نظر مڑی اُس کا سارا منصب و مرتبہ خاک میں ملا۔ اس چیز نے اکثر و بیشتر صلاحیتوں کو پوری طرح بروئے کار نہ آنے دیا۔ ہمیں خال خال ایسے افراد کا ذکر پڑھنے میں آتا ہے جنہوں نے بادشاہ کی موجودگی میں کوئی ایسے کارنمایاں انجام دیئے جس سے ان کا نام بھی اس دور کے قابل اور تجربہ کار سیاست دانوں میں تاریخ میں شامل کیا جائیگا۔

ابن ابی عامر المنصور ضرور ایسی شخصیت تھی جس کے کارنامے بڑے سے بڑے حکمران کے سامنے بھی اعلیٰ ترین جگہ رکھتے ہیں۔ مگر یہ نام ہمیں اس وقت ملتا ہے جبکہ بنی اُمیہ کی حکومت میں انحطاط آچکا تھا جب تخت پر ہشام المؤید جیسے نکمے بادشاہ قابض تھے۔ اس سے پہلے جو نام بھی لیا جاتا ہے۔ اس کی خصوصیت ہمیشہ ضمنی نظر آتی ہے۔ اور بادشاہِ وقت کے سامنے اس کی صلاحیتیں کوئی بہت زیادہ قابل درجہ نہیں رکھتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ قابل نہ تھے یا ان کو اپنی قابلیتوں کا خاطر خواہ صلہ نہ ملا ہو۔ بلکہ مؤرخین نے ہمیشہ اُن کو اس طرح سراہا جیسے وہ بھی حکومت کے ایک رُکن اور بادشاہ کے دست نگر ہوں۔ اپنی علیحدہ کوئی انفرادیت نہ رکھتے ہوں۔

اگر شہنشاہِ وقت نے سراہا تو ان کی داستان لکھنے والوں نے بھی۔ اگر بادشاہ کی نظر سے گرے تو ان کی قلم کی گرفت میں بھی نہ آسکے۔ وہ قوم و ملت کا سرمایہ ہونے ہوئے بھی بادشاہ کی جائداد سمجھے گئے۔ ان کی داد و دہش کے محتاج۔ اُنہی کی عنایت کے متمنی۔ انہیں کے مرہونِ منت انہوں نے چڑھایا تو آسمان تک جا پہنچے۔ اُنہوں نے گرایا تو تحت الثریٰ میں بھی نظر نہ آئے۔ اس طرح سے وہ قابلِ توجہ اشخاص شخصی حکومت کا ایک رُکن ملک اور قوم کو وہ مفاد نہ پہنچا سکے جو دوسری شکل میں کر سکتے تھے۔ حکومت کا دستِ نگر بن کر وہ رہبرِ قوم نہ ہو سکے۔ بلکہ بادشاہ کے اشاروں پر کٹھ پتلی بن گئے۔ جو حکومت اس انداز پر چلے اس کی بقا زیادہ دنوں تک رہ ہی نہیں سکتی۔ ایک نہ ایک دن وہ ضرور آئے گا جب مسندِ حکومت پر بہتر اشخاص متمکن نہ ہوں گے۔ اُس دن ملک میں بدحالی اور حکومت میں بدنظمی پھیلنا ضروری ہے۔ جس دن ان چیزوں کا آغاز ہوا اسی دن سمجھو زوال نے اپنے قدم جمانا شروع کر دیئے۔

قطع نظر اس کے بنی اُمویوں کی حکومت اُندلس پر صدیوں تک قائم رہی اور عروج کی اس حد تک پہنچ گئی جہاں پر وہم و گمان کا گذر بھی آسانی سے نہیں ہو پاتا ہے۔ مگر یہ چیز اسی وقت تک

Marfat.com

ممکن تھی اور ممکن رہی جب تک حکمرانوں کے دلوں میں ملک کی ترقی کے جذبات اور سلطنت کے عروج دینے کی صلاحیت کارفرما رہی۔ جس دن اس کی جگہ خودغرضی۔ ذاتی مفاد اور کاروبار سلطنت کی طرف سے بے اعتنائی نے لی۔ ترقی کی راہیں رُک گئیں۔ عروج زوال میں تبدیل ہونے لگا۔ افراتفری اور انتشار ہر چہار جانب پھیلنے لگا۔ فرقہ وارانہ جذبات اور قبیلہ کی عصبیت نے ذہنوں میں پستی اور خودغرضی کوٹ کوٹ کر بھر دی۔ وہ فاتحین جو عرب کے بعض متمدن علاقوں مثلاً حجاز، یمن وغیرہ سے آئے تھے وہ دوسرے تمام عربوں کو اپنے آگے ہیچ سمجھتے تھے۔ اسی طرح شامی اور دمشقی یہ سمجھتے ہوئے کہ حکومت در اصل انہیں کے قبیلے کی ملکیت ہے اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے عجمی زیادہ مہذب ہونے کی وجہ سے دوسروں کو اپنے سے کمتر جانتے تھے۔ بربری یہ خیال کرتے تھے کہ اندلس ان کے ہاتھوں فتح ہوا ہے۔ لہٰذا اس کے صحیح وارث اور جانشین وہی ہیں۔ قدیم عرب اور بیرونی مسلمان انکو غیر مہذب اور غیر تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے غلام سے بدتر جانتے تھے۔ خود اسپینی اس زعم میں مبتلا تھے کہ یہ اُن کا آبائی ملک ہے۔ اس لئے وہ اپنی جگہ پر خود کو اعلیٰ اور ارفع گردانتے تھے۔ یہ کشمکش مستقل قائم تھی۔ چنانچہ جتنی بغاوتوں کا حال پڑھنے میں آتا ہے۔ ان میں زیادہ تر یہی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ طلیطلہ والوں نے کبھی سرِ تسلیم خم نہ کیا اور ہمیشہ بغض و عناد کا ثبوت دیتے رہے محض اس وجہ سے کہ وہاں قدیم باشندگان زیادہ تھے ایسے عیسائیوں کی تعداد بھی کافی تھی جو اچھی حیثیت کے مالک تھے۔ ان کے زیرنگین رہ چکی تھی۔ محمد بن عبدالرحمٰن، منذر، اور عبد اللہ کے زمانے میں تو مستقل عرب نژاد سلطنت کے خلاف بغاوتیں کرتے رہے اور غیر مسلموں سے زیادہ نو مسلموں سے برد آزمارہ کر اپنی کم ظرفی اور تنگ نظری کا ثبوت دیتے رہے۔ جہاں اُمویوں پر زوال کے اسباب لگائے جائیں گے وہاں ان نو مسلموں کے ساتھ سلوک ناروا بھی شامل کیا جائے گا۔ یہ نو مسلم جنھیں Renegads کہتے تھے بڑی اچھی حیثیت کے مالک اور رئیس اور امیر لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اسلام کی خوبیاں دیکھ کر یا فاتحین کے ساتھ رسم و راہ پیدا کرنے کی غرض سے اُنہوں نے اپنا قدیمی مذہب چھوڑ کر دین اسلام اختیار کیا تھا۔ از روئے مذہب اس کا وہی درجہ تھا جو کسی بھی دوسرے مسلمان کا کیونکہ یہی ایک ایسا مذہب ہے جو تقدیم و تاخیر کو خاطر میں نہیں لاتا ہے۔ بلکہ ہر مسلمان اس نے چاہے کلمہ آج ہی کیوں نہ پڑھا ہو وہی درجہ اور مرتبہ رکھتا ہے جو کوئی بھی دوسرا مسلمان مگر یہ عربوں کی تنگ نظری اور گندہ خیالی تھی کہ اُنہوں نے تمام اسپینی مسلمانوں کو اچھوت سمجھا۔ اور

Marfat.com

اُن کے ساتھ شادی بیاہ یا مراسم بڑھا کر اپنے ہم مرتبہ نہ گردانا۔ ایک بار ترک مذہب کرکے دوبارہ عیسائی یا یہودی ہو جانا ان کی طبیعت نے گوارا نہ کیا۔ مگر خود جن کا مذہب قبول کیا تھا اُن کے سلوک اور رویئے نے ان کو تکلیف ضرور پہنچائی۔ جس کے نتیجہ میں یا تو وہ مستقل احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے اور اپنے کم درجہ ہونے کو اور دوسرے عربی مسلمانوں کو اپنے سے بہتر سمجھنے لگے۔ یا پھر مستقل مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اور جب بھی موقع ملا اُن سے دو دو ہاتھ کرنے سے گریز نہ کیا۔ بعض تو حکومت کی بیخ کنی پر ہی تُل گئے۔ جس میں عمر ابن حفصون۔ ابن مروان وغیرہ نے کافی شہرت حاصل کی۔ یہ ایک ایسی رسّہ کشی تھی۔ جس کا اختتام تادمِ نزاع سلطنت اُموی نہ ہو پایا۔ بلکہ یہ کشمکش اور باہمی منافرت بڑھتی ہی گئی۔ اور حکومت کی بنیادوں کو کمزور کرتی رہی۔

بعض سیاسی حالات کی بنا پر یا ذاتی کمزوریوں کی وجہ سے اموی بادشاہوں نے شمالی سرحد پر عیسائی ریاستوں کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ یہ ریاستیں روز بروز مضبوط اور مستحکم ہوتی رہیں ان کا خاتمہ کرنے کی کوئی مستقل جدوجہد نہ کی گئی۔ متعدد غزوات ہوئے سینکڑوں بار فوجیں اس طرف بھیجی گئیں مگر انہوں نے فتح حاصل کرکے صرف لوٹ مار اور مال غنیمت حاصل کرنے پر اکتفا کی یا خراج سالانہ باندھ دیا۔ ان کو نیست و نابود کرکے اپنے مستقل دشمن کا خاتمہ نہیں کیا۔ یہ بھی نہ ہوا کہ عیسائی بادشاہ یا والی کو ہٹا کر کسی مسلمان کے سپرد اس کی حکومت کر دی ہوتی۔ بہت ہوا تو ان کے اکثر و بیشتر قلعوں پر قبضہ کرکے ان کی ریاست کی حدود کو مختصر کر دیا۔ مگر یہ نہ ہوا کہ وہ مستقل اسلامی سلطنت کا ایک صوبہ بن کر رہ جاتیں۔ اور وہاں حکومت کسی عیسائی بادشاہ کی نہ ہوتی بلکہ مسلمان حاکم کی۔ یہ ریاستیں ہمیشہ ایک عذاب بنی رہیں۔ اور جب قرطبہ کے تخت پر کوئی کمزور بادشاہ ہوتا ان کی طاقت بڑھ جاتی تو یہ ان قلعوں پر پھر اپنا قبضہ کر لیتے بلکہ اندلس کے مقبوضات پر بھی اپنا دست دراز کرتے ان کی طاقت میں اضافہ کے ساتھ قرب و جوار کے مسلمانوں پر بھی زندگی تنگ اور تلخ ہو جاتی۔ ان پر چھاپے مارے جاتے ان کا ساز و سامان لوٹ لیا جاتا۔ ان کی عورتوں کو باندیاں بنا لیا جاتا ان کی کھیتیوں اور مکانوں کو آگ لگا دی جاتی۔ اس کا تدارک کرنے کے لئے کبھی کبھار کوئی فوج بھیج دی جاتی۔ جو ان کے مظالم کا مزہ چکھا آتی۔ کبھی یہ بھی نہ ہو پاتا۔ پھر تو وہ اور بھی اپنی ہی من مانی کرتے۔ اور جہاں تک ان کی تلواریں پہنچ سکتیں پہنچ جاتیں۔ خون کا دریا بہا آتیں۔ آگ اور خون کا کھیل آتیں۔ نہ صرف یہ بلکہ بعض دفعہ تو ان کی جانب سے اس قدر تغافل برتا گیا کہ بہت سی نئی ریاستیں بھی وجود میں آگئیں اور بہت مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں پر قابض ہو گئیں۔ گو تھک

Marfat.com

مارتج کی ریاست اس وقت قائم ہوئی جب مسلمانوں کی طاقت اسپین میں بڑی حد تک مضبوط تھی۔ برشلونہ پر جس وقت قبضہ کیا گیا تو مسلمانوں نے کیا کیا مدافعتی ترکیبیں نہ کیں۔ کس کس طرح سے حملہ کو نہ روکا اور الحکم کو اپنی حالت سے آگاہ کرکے مدد کی اپیل کی مگر وہ اپیل کوئی اثر پیدا نہ کرسکی۔ برشلونہ تباہ ہوا مسلمانوں کو ایک دن مجبور ہوکر عیسائیوں کے سپرد کرنا پڑا۔ اور اس طرح سے ایک نہایت ہی اچھا بندرگاہ اور ایک مضبوط قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ مگر الحکم کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ اسی طرح سے لیون کی ریاست مٹھی بھر عیسائیوں کی کوشش سے وجود میں آئی۔ اگر ذرا سی بھی توجہ اس وقت اس طرف مبذول کردی جاتی تو اس کا قیام کیا معنی ان عیسائیوں ہی کا کہیں وجود نہ ہوتا۔ مگر نہ تو عبدالرحمٰن الداخل اور اس کے جانشین کا کریون کے باغیوں کا قلع قمع نہ کیا۔ اور اس کے قیام کے بعد بھی کوئی ایسی تراکیب نہ کیں کہ اس کا وجود خاک میں مل جائے۔ بلکہ مستقل بے نیازی اور لاپرواہی برت کر خود اپنی ریاست کا انجام بد دیکھنے کے لئے چھوڑ دیا۔ یہ ایک نا قابل دید حقیقت ہے کہ اندلس سے مسلمانوں کی مراجعت اور نکلنے کا سبب بھی یہی معمولی عیسائی ریاستیں تھیں جو آگے چل کر اتنی مضبوط ہوئیں کہ خود مسلمان ان سے مدد مانگنے لگے تھے۔ ایک دوسرے سے مخالفت کی وجہ سے ان کو اپنا حلیف بنانے پر مائل کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کی بدخواہی ان کے ہاتھوں سے حاصل کرنے میں ذرا بھی گریز نہ کرتے تھے۔

اس مدد کے ملنے میں جو کچھ مسلمانوں کا نقصان ہوتا تھا۔ اس کا خیال ہی تکلیف دہ ہوتا ہے سینکڑوں کی تعداد میں قلعے ان کے حوالے کر دیئے جاتے تھے۔ مسلم آبادی کو ان کا زرخرید بنایا جاتا تھا ان کی جائدادوں اور مکانوں پر ان کو مسلط کر دیا جاتا تھا۔ ان کی بہنوں بیٹیوں کو ان کی تحویل میں دیدیا جاتا تھا۔ ان کے گاڑھے پسینے کی کمائی کو ان کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔ ان کے عوض میں چند سو سپاہی اور کچھ ہتھیار مل جاتے تھے۔ جو کسی طرح بھی مفید ثابت نہ ہوتے تھے۔ یہ عیسائی سپاہی نہ بہادری، جرات اور ہمت سے لڑتے تھے۔ نہ اپنے معاونین کا ساتھ ہر حال میں دیتے تھے۔ اگر فتح ان کے حلیفوں کو حاصل ہوتی تو سب سے زیادہ مالِ غنیمت یہ لیتے۔ شہر میں فاتحین کی حیثیت سے پہلے یہ داخل ہوتے۔ محلوں پر اپنا قبضہ جما کر لوٹ مار کرتے پھر دولت کے انبار لئے ہوئے اپنی ریاست کو لوٹ جاتے۔ اگر خدانخواستہ شکست کے آثار نمودار ہوتے تو سب سے پہلے بھاگنے والوں میں یہ ہوتے۔ گھوڑوں کے منہ سب سے پہلے ان کے مڑتے۔ جن کی وجہ سے دوسروں کی ہمتیں بھی پست ہوجاتیں اور اگر ہار نہ ہوتی ہو تو ہو جاتی تھی۔ غرض کہ ان کی مدد کی وجہ سے جیت بھی ایک مصیبت تھی اور ہار تو پھر ہار ہوتی ہی ہے۔

Marfat.com

ایک پرانی کہاوت ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ اس کہاوت کو اگر اندلس کے زوال کے سلسلہ میں استعمال کیا جائے تو وہ جائز استعمال ہوگا۔ مسلمان کو اگر کوئی نیچا دکھا سکتا ہے تو اسی مذہب ملت کا فرد ہو سکتا ہے۔ اگر ان کے پندار کو کوئی شکست دے سکتا ہے تو اسی مذہب کا ماننے والا ہو سکتا ہے۔ اگر ان کے عروج کو کوئی زوال میں تبدیل کر سکتا ہے تو اسی نسل و اصل کا شخص اندلس میں مسلمانوں کو اتنا نقصان غیر مسلموں نے نہیں پہنچایا جتنا کہ خود مسلمانوں نے ہشام المؤید اور اس کے بعد اگر قرطبہ متعدد بار لٹا اس کی عمارتیں خاکستر کی گئیں۔ وہاں کی دوشیزائیں کسبیاں بنائی گئیں تو مسلمانوں ہی کے ہاتھوں۔ اگر قصر الزہرہ اور الزاہرہ لٹے تو کلمہ گویوں ہی کے ہاتھوں۔ اگر وہ حسین وجمیل محلات اور قصور نذر آتش ہوئے تو اسلام کے متوالوں ہی کے ہاتھوں اگر وہ بے مثل اور لاثانی عمارتیں خاک میں ملا دی گئیں تو مسلمانوں ہی کے کرم کی وجہ سے۔ اگر اُمویوں کے آخری دور میں مسلمانوں کی عظمت کو دھکا پہنچا تو انہیں کے ناہنجارپن اور ظلم و تعدی کی وجہ ہے۔ اگر بار بار اس کی مضبوط فصیلیں توڑی گئیں تو انہیں کے زور بازو سے جس نے کبھی پورے یورپ میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ الانتشار اور افتراق پھیلا تو انہیں کی خود غرضیوں اور بے ضابطگیوں کی وجہ سے۔ صبح ایک اُموی شہزادہ تخت پر بیٹھتا شام کو اس کے ساتھ ہزاروں اور شاہی افراد کا خون بہا دیا جاتا۔ دوسرے دن پھر کوئی ڈھونڈ ھ کر تخت نشین کیا جاتا اور دو چار دن بعد قصرِ خلافت میں پھر وہی خونیں ڈرامہ کھیلا جاتا۔ بعض شہزادے تو صرف چند گھنٹے ہی تخت پر متمکن رہ پائے۔ پھر یا تو انہیں زنجیر وسلاسل میں جکڑ دیا گیا یا دار پر لٹکا دیا گیا۔ یہ سب حرکتیں کون کر رہا تھا۔ یہ بدعنوانی اور بدنظمی کن ذاتوں کی وجہ سے تھی۔ پچھلے اوراق پر پھر ایک نظر ڈالئے ساری بات واضح ہو جائے گی۔

اُمویوں کو جہاں اپنی ذات پر بہت ناز تھا۔ وہاں اپنے قصر میں اور اہلیانِ اُندلس پر بھی اعتماد نہ تھا۔ چنانچہ اپنی ذات کی حفاظت کے لئے اپنے محل اور حرم سرا کی نگہبانی کے واسطے ہمیشہ غیر ممالک کے سپاہی بھرتی کئے گئے۔ اور ان کو خواہ مخواہ عروج دیا گیا۔ الحکم اول نے زنگی اور مصری غلام بھرتی کئے۔ جو اُندلس میں عربی نہ بول یا سمجھ پانے کی وجہ سے گونگے کہلاتے تھے۔ ایک بغاوت بھی محض ان کے غلط رویئے کی وجہ سے ہوئی جس میں الحکم ذرا عقل اور سمجھ داری سے کام نہ لے تو خود اس کا کام تمام ہو گیا تھا۔ اس کے بعد بھی اہل قرطبہ کبھی ان سے خوش نہ رہے اور ہمیشہ ان کو لعنت اور ایک مصیبت سمجھتے رہے۔ یہ غلام رفتہ رفتہ اُمورِ سلطنت میں اسقدر دخیل ہو گئے کہ بعض اوقات بادشاہ کا انتخاب بھی انہیں کی مرضی سے ہوتا تھا اور وزیر و حاجب

سب اپنے کو ان کے سامنے بے دست و پا پاتے تھے۔ الحکم ثانی کے انتقال کے وقت تو دونوں غلاموں فائق و جوذر نے ہشام کو علیحدہ کر کے المغیرہ کو تخت پر بٹھلانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ اور اپنی تجویز کو عمل میں لانے کے لئے مصحفی جو اس وقت سب سے زیادہ طاقتور شخص تھا قتل کرنے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ اگر وزیر اعظم مصحفی اس وقت ذرا مصلحت اندیشی سے کام نہ لیتے تو جو کچھ فائق اور جوذر چاہتے تھے وہی ہوتا۔ ہشام المؤید کبھی خلیفہ نہ ہو پاتے۔ مصحفی کا بھی انجام کچھ اچھا نہ ہوتا۔ اس سے قبل بھی عبدالرحمن بن الحکم اول کے انتقال کے بعد محمد بن عبدالرحمن الاوسط کو تخت دلانے میں انہیں خواجہ سراؤں کا ہاتھ تھا ورنہ شائد ملکہ طروب کا بیٹا عبداللہ وارث تخت و تاج ہوتا اور تاریخ کی حیثیت اس وقت ذرا مختلف ہوتی۔ ان لوگوں کی بے انتہا قوت نے بڑی حد تک امورِ سلطنت میں رخنہ اندازی اور اختلال پیدا کر دیا۔ کمزور بادشاہ پر تو یہ بڑی طرح حاوی ہو جاتے تھے اپنی من مانی اُن سے کروایا کرتے بعض اوقات لالچ میں آکر اپنے آقا کی جان لینے سے بھی نہ چوکتے۔ چنانچہ عبدالرحمن ثانی کو زہر دینے میں اُن کے غلام نصر نے کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا تھا۔ اگر طبیب بروقت اطلاع نہ دیتا۔ تو شاید نصر کی اسکیم پوری طرح کامیاب ہو کر رہتی۔ ان غلاموں نے جنہیں **Slaves** کہا جاتا تھا۔ ایک مستقل فتنے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ان کی ایک علیحدہ فوج ہوگئی تھی جس میں یک جہتی اور گروہ بندی ہونے کی وجہ سے بڑی قوت تھی۔ شاہی فوج بھی اکثر ان سے دب جاتی اور دھونس کھا جاتی یہ مادرصرف بادشاہ اور اُس کے خاندان کی حفاظت پر تھے۔ اس لئے اپنے کو خاصانِ شاہ میں شمار کرتے تھے۔ ان کی دلچسپی سیاسی معاملات میں اُندلس کے لئے بہت مہلک ثابت ہوتی ہے تو ایک طرح سے ناگزیر ہوتی ہے۔ اگر اس کا مصرف صحیح ہو تو حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ غلط ہو تو پھر اس حکومت کا اللہ والی۔ اسپین میں بھی جب تک یہ لوگ اعتدال پسند رہے حالات غلط رُخ نہ اختیار کر پائے۔ مگر جب جب بھی اُنھوں نے خود غرضی کو مدِ نظر رکھ کر حکومت کے معاملات میں دخل دیا۔ وہیں سے خرابیاں جڑ پکڑنے لگیں۔ یہ لوگ اچھی عادات کے مالک تو نہ تھے جو اچھی باتیں سوچتے۔ تخریبی حرکات نے اسپین میں مسلمانوں کی حالت کو اور بھی خطرے سے قریب کر دیا۔

ان سیاسی پیچیدگیوں اور نظامِ حکومت کے ماسوا نسلی امتیازات نے بھی اُمویوں کو وہاں سخت نقصان پہنچایا۔ یہ امتیاز ذاتی قابلیتوں کی بنا پر نہ تھا بلکہ محض پیدائش اور خاندانی رُجحانات

بڑھا۔ یہ لوگ صرف دولت کے نشہ میں چور خاندانی بڑائی پر نازاں اپنے آگے ہمچو من دیگرے نیست کی مصداق بنے رہتے تھے۔ ایک بار جب عبدالرحمٰن الناصر نے شمالی حدود میں فوج کشی کی اور کمان اپنے ایک چہیتے غلام کے سپرد کر دی تو یہ اونچی ناک والے۔ اعلیٰ خاندان والے ایسے برہم ہوئے کہ جب معرکۂ جنگ و جدال شروع ہوا تو انہوں نے لڑائی میں دلچسپی لینا تو درکنار ایسے حالات پیدا کر دیئے جس میں شکست ناگزیر ہو گئی۔ وہ ہزیمت مسلمانوں کو اٹھانا پڑی جو اس سے پہلے شاید ہی کبھی اٹھانا پڑی ہو۔ ان لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ اس نسلی تعصب میں مبتلا ہو کر وہ مسلمانوں کو نقصان پہونچا رہے ہیں۔ غنیم یہ نہ کہے گا کہ غلام کی فوج کو شکست دی۔ مورخین یہ نہ لکھیں گے کہ یہ ہار محض اونچی ناک والوں کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے ہوئی۔ وہاں تو یہی تذکرے ہوں گے کہ عیسائیوں کے ہاتھ مسلمانوں نے شکست کھائی جس میں وہ لاکھوں کی تعداد میں کھیت رہے۔ اس قسم کے بے بنیاد تعصبات اور امتیازات نے ایک قسم کی فرقہ بندی پیدا کر دی۔ اور آپس کے اختلافات بہت بڑھا دیئے۔ ترقی کی شاہراہوں کو مسدود کر دیا۔ بے چینی اور اضطراب کو بہت بڑھا دیا۔ ایک فرقہ سے دوسرے فرقے میں مفاہمت کے امکانات کم ہو گئے۔ لوگ اپنی بہبودی کو مدنظر رکھنے لگے۔ جس نے خود غرضی کے جراثیم بڑی حد تک پیدا کر دیئے رفتہ رفتہ ان میں جن قبیلوں نے زیادہ قوت حاصل کر لی وہ اپنے علاقوں میں مطلق العنان بن بیٹھے اور ایک وقت وہ بھی آیا جب قرطبہ کے حالات ناگفتہ بہ ہو گئے تو انہوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے سارے تعلقات مرکزی حکومت سے منقطع کر لئے۔ اگر اس قسم کے تعصبات اور امتیازات کو پہلے ہی پنپنے کا موقع نہ دیا جاتا۔ فرقہ واریت کو ہوا نہ دی جاتی تو اتنی جلد حالات ایسی کروٹ نہ بدلتے۔ لوگوں میں اتنی ہمت نہ پیدا ہوتی کہ دارالحکومت میں نزاعی کیفیت دیکھ کر اپنے صوبوں میں خود مختار بن بیٹھیں۔

اس کے علاوہ مذہبی تعصبات نے مسلمانوں کو من حیث القوم سخت ترین نقصان پہونچایا۔ علماء اور فقہا کے گروہ میں خود بہت اختلاف تھا۔ نظریاتی بحث اور عقائد کے اختلافات نے اتنا زور پکڑا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن بیٹھے۔ ان میں سے ہر عقیدہ والا شاہی نوازشات زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کا متمنی رہا۔ شاہ کا قرب حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کر ڈالی جس کو قرب حاصل ہو گیا۔ اس کا تو سینہ فخر سے پھول گیا۔ دوسرے عقیدے والوں نے باغیانہ جذبات اور اشتعال دلانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ایک دوسرے پر

Marfat.com

کیچڑ اُچھالنے لگے۔ بدگوئی اور یاوہ گوئی سے بھی باز نہ آئے۔ ان کے اعتراضات کے زد میں کیا شاہ کیا اراکین سلطنت سب آ گئے۔ آئے دن بادشاہ کی حرکات پر نکتہ چینی ہونے لگی۔ اُٹھتے بیٹھتے ان کے کاموں پر اعتراض ہونے لگے۔ اگر کبھی سختی سے روک تھام کی گئی تو رعایا ان کی مدد پر آمادہ ہو گئی۔ ان کا دبانا اسلام دشمنی کے مترادف سمجھا گیا اور لوگوں نے بادشاہ کے خلاف ہتھیار اُٹھانا مذہبی جہاد سمجھا بیشتر ہم کو کئی بغاوتوں میں ایسے ہی علمائے دین کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ ان کو دربار میں اثر رسوخ حاصل ہوا۔ تب بھی ملک کی ترقی میں کوئی مدد نہ دی جب یہ اثر ان سے چھین لیا گیا تو باقاعدہ جنگ پر تل گئے۔ علمی اور ادبی فروغ سے تو ان کو ایک قسم کی جلن تھی۔ فلسفہ اور ماہیت کے تو سخت خلاف تھے۔ چنانچہ خود المنصور کو ایسے تنگ نظر علماء کو خوش کرنے کے لئے متعدد فلسفے کی بیش بہا کتابوں کو نذر آتش کرنا پڑا۔ جن کا جواب آج ملنا مشکل ہے۔ خود عبدالرحمٰن الناصر جس کا عہد ہر اعتبار سے اسپین کا سنہری زمانہ کہلانے کا مستحق ہے۔ ایسے مولویوں کی مخالفتیں برداشت کرنا پڑیں۔ الحکم اور عبدالرحمٰن کو تو براہ راست ان سے جنگ ہی کرنا پڑی۔ تب بھی ان کی پیاس نہ بجھی۔ ان کو جلا وطن کیا گیا۔ تب بھی اُن کی دشمنی ختم نہ ہوئی۔ سرکار سے مخالفت کے سوا یہ قوم کے افراد میں تنگ نظری پیدا کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے ہمیشہ عیسائیوں اور عیسائیوں کے لئے سخت ترین سزاؤں کو روا رکھا۔ ان کو قتل کروا دینا۔ جلوا دینا۔ زندہ دفن کروا دینا معمولی باتیں سمجھیں۔ جس سے یہ لوگ کبھی غیر مسلموں میں بھی مقبول نہ ہو پائے۔ دینی۔ مذہبی رواداری سکھلانا تو درکنار تعصب اور مخالفت کو ہوا دی۔ غیر مسلموں کو ہمیشہ مشرکین اور کفار کہہ کر مسلمانوں سے دور رکھا۔ ان میں یک جہتی نہ پیدا ہونے دی۔ اُن کو لائق تعزیر اور قابل سزا سمجھ کر مجرمین کی فہرست میں شمار کیا۔ خود فاتحین ہونے کی وجہ سے ان کو اچھوت یا شودر گردانا عوام الناس بڑی تک ان جذبات سے متاثر نہ تھے ورنہ جو یہ اتنی یگانگت اور قرابت پیدا ہوئی وہ بھی شاید ان اُمویوں کے کرم سے نہ پیدا ہو پاتی۔ اگر یہ ذرا وسیع النظری کا ثبوت دیتے اور بحسنِ اخلاق سے ان لوگوں کا دل موہ لیتے تو شاید ایک بھی نصرانی یا یہودی پورے اسپین میں باقی نہ رہتا۔ حجاج بن یوسف کا بُرا ہو اس نے یہ قبیح رسم ڈالی کہ جو بھی غیر مسلم نیا نیا اسلام قبول کرے اس پر جزیہ عائد کیا جائے۔ حالانکہ مسلمان ہونے کے بعد وہ اس ٹیکس سے بری ہو جاتا ہے اور انہیں حقوق کا مستحق ہو جاتا ہے جو دوسرے تمام مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ اس رسم بد کا اطلاق اکثر دور میں اندلس میں بھی رہا۔ جس سے نو مسلموں کو سخت کوفت ہوتی تھی۔ اور وہ اسلام قبول

کر لینے کے بعد بھی کوئی صورت مفر نہ پاتے تھے۔ اس چیز نے بہت سے لوگوں کو ترک مذہب سے روک دیا۔ اور بہت سے لوگوں کو پھر مرتد ہو جانے پر مجبور کیا۔ افسوس کہ علماء کا اثر ہر دور میں اتنا زیادہ رہا کہ ان خرابیوں کا کوئی مناسب سدّ باب نہ ہو پایا۔

علاوہ ازیں دولت کی غلط تقسیم نے بھی بنی اُمویوں کو بہت غیر مقبول بنا دیا۔ عبدالرحمٰن الداخل نے اس رسم کی بنا ڈالی کہ اپنے تمام رشتہ داروں اور عزیزوں کو دُور دُور سے بلوا کر اچھے اچھے عہدوں پر فائز کیا۔ ان کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی شدّت کے ساتھ جاری رہا۔ اُموی تمام مال و متاع اپنی موروثی حق سمجھنے لگے۔ اگر کبھی کوئی جائداد یا جاگیر ان سے چھین لی جاتی تو تلوار اُٹھانے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ اگر کسی بڑے منصب پر کسی غیر اُموی کو مامور کر دیا جاتا تو بس جل بھن کر راکھ ہو جاتے۔ اس شخص کے ساتھ ساتھ بادشاہ سے بھی بغض و کینہ رکھنے لگتے تھے۔ قدیمی جائداد پر قبضہ بغیر محنت مشقت کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے اُن کی رغبت کسی صنعت و حرفت کی طرف نہ ہو سکی ہر وقت نیزہ بازی اور شمشیر بازی سیکھنے میں لگے رہتے اور معمولی معمولی بات پر اُلجھ جانے کے لئے آمادہ۔ دولت چند مٹھیوں میں کھنچ جانے کی وجہ سے عام لوگوں کی حالت خاطر خواہ سنبھل نہ پائی جتنی فراوانی تھی دولت کی اس لحاظ سے تو ہر فرد و بشر کو خوش و خرّم ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اس طبقاتی تقسیم اور دولت کے غلط بٹوارے نے سارے حالات ہی بدل کر رکھ دیئے۔ اس چیز نے یورپ میں رائج غلط اُصول فیوڈلزم کو اندلس میں بھی پورے طور پر اُبھرنے کا موقع دیا۔ جاگیرداریت کا آہنی شکنجہ پورے نظام پر مسلط ہو کر رہ گیا۔ جاگیر دار اپنی جگہ پر چھوٹی موٹی ریاست کا والی سمجھنے لگے کاشتکاروں اور کسانوں کو مانند غلام گردانتے لگے۔ یہ جاگیردار کبھی تو سلطنت کے وفادار رہتے اور کڑے وقتوں میں ہر قسم کی مدد بادشاہ کو دیتے۔ کبھی بالکل اُن سے منحرف ہو جاتے۔ کیونکہ فوجی امداد زیادہ تر انہیں کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ اس لئے یہ لوگ اور بھی اکڑے رہے۔ خیر سے اگر کہیں بادشاہ کمزور ہوا تو پھر ان کے یہ احکام رد کرنے میں بھی کوئی دریغ نہ کرتے تھے۔ بادشاہ کو حملہ کے لئے فوجی کمک کی حاجت تھی۔ یہ دیدہ و دانستہ ٹال رہے ہیں۔ ملک پر حملہ ہو گیا ہے اور دفاعی کارروائیوں کے واسطے فوج طلب کی جارہی ہے۔ مگر یہ کوئی نہ کوئی عذر لنگ پیش کر رہے ہیں۔ غرض کہ بادشاہ کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اپنی جاگیروں میں صرف اپنا حکم منواتے کسی دوسرے کی چلنے ہی نہ دیتے عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتے اور اسی کو مطمح نظر سمجھتے۔ شراب و شاہد ان کا روز کا معمول ہوتا۔ تعیش پسندی۔ تن آسانی ان کا نظریہ حیات تھا۔ ریشمی لبادوں میں ملبوس ہو کر گھر سے نکلنا۔

Marfat.com

اپنی تلواروں کو ہیرے جواہرات سے مزین کرنے ۔گھوڑوں کو سجانا باعث افتخار سمجھتے ۔چنانچہ عہد عبداللہ میں بعض لڑائیاں محض ان جھوٹی زیبائش اور آرائش کی بنا پر لڑی گئیں ۔جنہوں نے دھیرے دھیرے حکومت کو کافی نقصان پہنچایا۔ یہ سب چیزیں مل کر گھن بن گئی تھیں جو آہستہ آہستہ اُمویوں کی حکومت کو چاٹے جا رہی تھیں۔ اس وقت تو محسوس نہ ہوا مگر جب ساری بنیادیں کھوکھلی ہو کر رہ گئیں۔ اور عمارت بھڑ بھڑا کر گر پڑی تو پھر خیال پیدا ہوا کہ اگر بر وقت معمولی روک تھام ہو جاتی تو یہ انجام نہ ہوتا۔ جو بنی اُمویوں کو دیکھنا پڑا۔

باب ۶۰

طرز سیاست و جہانبانی

عربوں نے جو انتظامِ سلطنت کے اصول قائم کئے تھے۔ وہ نہایت ہی آسان مگر جامع اور مکمل تھے۔ بادشاہ یا خلیفہ کل امور مذہبی۔ سیاسی۔ معاشرتی اور فوجی کا مالک تھا۔ سلطنت کا سارا کاروبار چار حصوں میں تقسیم تھا۔

(۱) خزانہ (۲) امور خارجہ (۳) عدالت (۴) فوج

ان چاروں محکموں کے لئے ایک علیحدہ علیحدہ وزیر ہوتا تھا۔ اور ان سب پر ایک وزیر اعظم جسے حاجب کے نام سے پکارتے تھے۔ انتظامی امور اور فرمان شاہی کا نفاذ سب اسی وزیر اعظم کے سپرد تھا۔ دیگر وزراء سب وزیر اعظم کے زیر دست ہوتے تھے مگر اپنے اپنے شعبوں میں نگرانی کا کام پوری طرح سے انہیں لوگوں کے سپرد ہوتا تھا۔ یہ تمام وزیر یہ حق نہ رکھتے تھے کہ بادشاہ کی مرضی کے خلاف کوئی کام بجا لاسکیں۔ ہر معاملہ میں جو اہم ہوتا تھا بادشاہ سے صلاح و مشورہ ضروری ہوتا تھا۔ خود بادشاہ بھی اراکین سلطنت اور عمائدین حکومت معاملاتِ خصوصی میں مشورے کے لئے طلب کر لیا کرتا تھا۔ اکثر اوقات یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس شخص کا مشورہ مناسب ہوتا تھا۔ اسے وزیر اعظم (؟) ذوالوزارتین کے لقب سے سرفراز کر دیا جاتا تھا۔ یہ طریقہ بڑا نوی طرز حکومت

Marfat.com

کے پریوی کونسل سے بہت کچھ ملتا جلتا تھا۔ اس میں اکثر وبیشتر اعزازی ہی ہستیاں غور وفکر اور مشورے کے لئے شریک ہوتی تھیں۔ حاجب یا وزیر اعظم ایسی مجالس کا عموماً صدر ہوتا تھا جب یہ لوگ کسی فیصلہ پر پہنچ جاتے تھے۔ تو حاجب پوری روئداد بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا کرتا۔ مشورہ کی منظوری یا نامنظوری یا ترمیم کا آخری اختیار صرف بادشاہ کو حاصل تھا اعزازی وزیر کہلاتے تھے لیکن مامور شدہ وزیر وزیرالوزارتین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ وزیروں کے ماتحت سکرٹیری کو خطیب الدولہ کہتے تھے ان میں سے ایک خطیب الرائے ہوتا تھا۔ جو ہر قسم کی خط وکتابت کا کام کیا کرتا تھا۔ دوسرا خلیب الزماں ہوتا تھا جس کے ذریعہ غیر مسلموں کی تمام جائدادوں کی نگرانی ہوتی تھی۔ پھر ایک صاحب کا انتقال ہوتا تھا جس کے سپرد ریاست کے تمام اخراجات اور اُن کی دیکھ بھال حساب کتاب تھا۔ بجز خلیفہ یا بادشاہ کی ریاست یا افسرانِ صوبہ (گورنرز) کے کسی اور کی جائداد موروثی نہیں سمجھی جاتی تھی۔ ہر چند کہ دوسری تمام جائدادیں تقریباً موروثی ہی ہوتی تھیں اور اس وقت تک ان پر تصرف یا قبضہ نہیں کیا جاتا تھا۔ جب تک کہ صاحب جائداد سے کوئی اختلاف یا ایسا قصور نہ ہو جائے جس کی بنا پر بزا ضبطی جائداد لازمی ہو۔

اگر کوئی شخص نہ صرف اندلس بلکہ تمام مسلمانوں کی سلطنتوں پر نظر ڈالے تو اسے اندازہ ہو جائے گا کہ خلافتِ راشدہ کے بعد ہر جگہ شہنشاہیت اور آمریت کا دور دورہ تھا۔ لیکن بنظرِ غائر دیکھنے کے بعد پتہ چلتا تھا کہ بڑی حد تک ان کی بنیادیں جمہوری طرز پر تھیں کیونکہ بجز مخصوص معاملات بادشاہ بلاوجہ ہر معاملہ میں اپنی ٹانگ نہیں اڑایا کرتے تھے۔ ہر چند کہ وہ ملک وملت اور تمام قوم کے سیاہ وسفید کا مالک تھا مگر ازروئے شریعت یہ اس پر واجب تھا کہ تمام قوم کی نگرانی پوری طرح کرے اور ان کی بہبودی کا ہر طرح سے خیال رکھے۔ بلحاظ مذہب یہ بھی لازم تھا کہ اس کی رعایا چاہے وہ امیر ہو یا غریب ان کی آواز ان کے حقوق یکساں ہوں۔ ہر مسئلہ میں ان کو مساویانہ طور پر اختیارات حاصل ہوں۔ قانون کی رو سے بادشاہ قاضی کو برطرف یا معزول کر سکتا تھا لیکن اسی قانون کی رو سے قاضی بھی بادشاہ کو اگر اس سے کوئی فعل خلافِ شریعت عمل میں آیا ہو تو سزا دے سکتا تھا۔ اکثر مقدمات جو قاضی کی عدالت میں پہونچتے تھے جن میں بادشاہ بھی فریق کی حیثیت رکھتا تھا تو اسے بھی ایک معمولی جوابدہ کی حیثیت میں حاضر عدالت ہونا پڑتا تھا۔ عدالت پر اُس وقت بادشاہ کی کوئی عزت وتعظیم واجب نہ تھی۔ اگر وہ کوئی تکریم بجالاتا تھا تو وہ

Marfat.com

محض ذاتی فعل ہوتا تھا۔ قانون کی نگاہ میں دونوں فریق ایک ہی حیثیت کے مالک تھے بادشاہ کو یہ بھی حق حاصل نہ تھا کہ اپنے ذاتی اثر یا اقتدار سے عدالت پر کوئی رعب جاسکے یا دباؤ ڈال سکے کہ جس کی وجہ سے انصاف کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ عدالتیں جب معاملہ کو انصاف کی ترازو پر تولتی تھیں تو بڑا چھوٹا۔ امیر غریب۔ اور امتیازِ مذہب وملت نہ دیکھتی تھیں۔ بعض اوقات تو قاضی برسرِ عدالت بڑے بڑے امیروں کو حتیٰ کہ بادشاہ کو بھی جھڑک دیا کرتے تھے۔ فیصلہ کے وقت ملک کے قانون کے ساتھ ساتھ شریعت اور فقہ کو بھی نظر میں رکھا جاتا تھا اور اس کے خلاف ممکن نہ تھا۔ قاضی کا تقرر بڑی چھان بین کے بعد ہوتا تھا۔ ہر کس وناکس اس ذمہ دار عہدے پر فائز نہیں ہوسکتا تھا اس کے لئے لازمی تھا کہ وہ اصولِ شریعت۔ فقہ اور دیگر علوم سے کماحقہ واقفیت رکھتا ہو۔ قانون اور اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ نکات سے بھی پوری طرح آگاہ ہو۔ اس کے علاوہ دُنیاوی لالچ سے کوئی وابستگی نہ ہو۔ زروجواہر کی چمک اس کے ایمان کی قوت کو متزلزل نہ کر سکے۔ اور کوئی اثر اس پر کام نہ کر سکے۔ زہد وتقویٰ میں اس کا ہمسر مشکل سے مل سکے۔ ملوث گناہگار نہ ہو سکے۔ نیک نیت ایماندار ہونا ضروری تھا۔ خدا کا خوف اور رسول کی محبت اس کے دل میں یقینی جاگزیں ہو۔ خودغرض اور مطلب پرست نہ ہو۔ لوگوں سے زیادہ میل جول نہ رکھتا ہو۔ اپنے اختیارات کا غلط استعمال نہ کرے۔ کیونکہ اس کا ہاتھ بادشاہ کے گریبان تک پہونچ سکتا تھا۔

اخلاقیات اور معاشرت کے اصول کچھ اس طرح وضع کئے گئے تھے کہ مسلمان اور دوسری تمام قومیں بھی اطمینان وچین سے زندگی بسر کرسکیں۔ باہمی میل وجول اور رشتہ ویگانگت قائم رکھنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ سرکار کی طرف سے کسی فرد پر کوئی مذہبی پابندی یا کسی اور قسم کا دباؤ نہ تھا۔ وہ لوگ اپنے مذہبی فرائض آزادی کے ساتھ بجا لا سکتے تھے۔ ایک دوسرے سے دست وگریبان ہونے کا کوئی موقع مذہبی یا تمدنی اعتبار سے نہ ہوتا تھا۔ جو تعلیم اسلام نے دی تھی اس سے ہر شخص فیضیاب ہونے کے بعد اس پر عامل ہوتا تھا۔ خود بادشاہ یا خلیفہ کو یہ اختیار حاصل نہ تھا کہ دینی احکام کی خلاف ورزی کرے۔ جب بھی کوئی ایسا قدم بادشاہ کی جانب سے اُٹھایا گیا تو پہلے تو رعایا نے مختلف انداز سے تنبیہ کی جب اصلاح نہ ہوئی تو بغاوت کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ کوئی فرد اخلاق اور تہذیب کی سرسبز وشاداب سرزمین کو پامال اور روندنا چاہتا تھا۔ محض اس وجہ سے کہ اس کے مذہب پر کوئی حرف نہ آسکے

Marfat.com

اور لوگ مسلمانوں کو غیر مہذب نہ سمجھنے لگیں۔ ان کو فاتح سمجھ کر جابر نہ کہیں۔ حفظ مراتب۔ مساوات یک جہتی۔ بھائی چارہ۔ اخوت وطنیت یہ سب کچھ ایسے زرّیں اُصول تھے کہ جن پر کاربند رہنا ہر مسلمان اپنا شیوہ سمجھتا تھا وہ اپنے قانون کو قانون الٰہی سمجھتا تھا۔ اور اتنے عظیم المرتبت قانون کی بے عزتی اسے گوارا نہ تھی۔ اس کی رُو سے تو ادنیٰ اعلیٰ۔ حاکم محکوم۔ فاتح مفتوح سب ایک ہی مرتبے کے مالک تھے۔ اس کے تحت تو قوموں میں تفریق ہے نہ ملکوں کی کوئی تقسیم چاہے وہ رہنے والا مشرق کا ہو یا مغرب کا بجز رسم ورواج کوئی اختلاف ممکن نہیں نظر یاتی بُعد تو ہو سکتا ہے۔ دینی عقائد میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ رہن سہن مختلف ہو سکتا ہے نشست وبرخاست کے طریقے جدا ہو سکتے ہیں۔ بول چال میں فرق ہو سکتا ہے مگر د نماز پڑھنے کے طریقے الگ ہو سکتے ہیں نہ زکوٰۃ اور دیگر فرائض بجالانے کے۔ مساوات اخوت۔ حریت اور محبت کے تمام اُصول وہی کے وہی رہیں گے۔ ایک ہی ملک میں بیسیوں مذہب کے فرو رہ سکتے ہیں لیکن مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔ وا لے سچے اور سنہری اُصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کسی کی بیخ کنی یا بربادی گوارا نہیں کر سکتا۔ بہیمیت یا بربریت کو کوئی ہوا نہیں دے سکتا۔ قومی تعصب تو ہو سکتا ہے مگر مذہبی نہیں۔ جب تک یہ انداز اندلس میں قائم رہے وہاں کا معاشرہ بھی مثالی تھا۔ وہاں تدبیر وتہذیبِ مملکت ایک ہی تھی۔ جوہر ذاتی کو بروئے کار لانے کے بعد مراتب حاصل کرنے کا موقع سب کو تھا۔ اس میں کوئی مذہبی تخصیص نہ تھی اپنے زورِ بازو سے کوئی بھی کسی منصب کا اہل ہو سکتا تھا۔ وہاں انسان اور انسان کی خوبیوں کی قدر تھی۔ اس کے اصل نسل کی نہیں۔ یہ چیز جتنے عرصہ قایم رہی اُموی حکومت ترقی ہی کرتی رہی۔ جب تک ان کی حکومت کے دروازے صرف قابل اور مستحق حضرات کے لئے کھلے رہے۔ ہر شعبۂ حیات میں فروغ وعروج ہوتا رہا جب تک ان کے قانون کی زد میں ہر کس وناکس آتے رہے۔ جنہوں نے غلط راہ روی اختیار کی تو لوگوں کے دلوں پر ان کی فراخ دلی اور وسیع النظری کی دھاک جمی رہی۔ جب تک عیسائی اور یہودی اسی آنکھ سے دیکھے گئے جس سے مسلمان تو زوال کے آثار نمودار نہ ہوئے جب تک غیر مسلموں کو ہر قسم کی معاشرتی اور مذہبی آزادی حاصل رہی وہ لوگ سلطنت کے مدح خواں اور خیر خواہ رہے۔ اکثر یہ دیکھنے میں آیا کہ بعض بڑے کلیساؤں کے آدھے حصّہ کو مسجد بنا لیا گیا۔ اور ایک ہی وقت میں اذان اور ناقوس کی صدائیں بلند ہوتی رہیں کوئی جھگڑا کھیڑا

Marfat.com

نہ ہوا تو مسلمان اور غیر مسلم ایک قوم بن کر شیر و شکر ہو کر اندلس اور ان کی حکومت کے بہی خواہ اور وفادار رہے۔ جب یہ باتیں باقی نہ رہیں انحطاط نے اپنا رنگ جمانا شروع کر دیا۔ اور یہ باتیں اُس وقت تک قائم رہیں۔ جب تک بادشاہ تو کل اختیارات کا مالک رہا مگر تمام محکموں اور شعبوں میں فرائض کی ادائیگی خوش اسلوبی اور ضابطگی کے ساتھ ہوتی رہی۔ عدالتوں میں انصاف کا ڈنکا بجتا رہا۔ ان عدالتوں کی صورت بہت کچھ موجودہ عدالتوں سے ملتی جلتی تھی۔ ہر شہر میں ایک اعلیٰ عدالت ہوتی تھی۔ جیسا کہ چیف کورٹ اور اس میں ایک چیف قاضی ہوتا تھا۔ جسے قاضی الجمع کہتے تھے۔ دارالحکومت میں جو سب سے بڑا قاضی ہوتا تھا اُسے قاضی القضات کہتے تھے جیسا کہ آجکل چیف جسٹس ہوتا ہے۔ مملکت کے تمام قاضی اس کی ماتحت سمجھے جاتے تھے اور ان کے فیصلے کے خلاف اس کی عدالت میں اپیل ہو سکتی تھی۔ آخری مقام فیصلہ بادشاہ کی بارگاہ ہوتی ہے۔ جیسے عہدِ حاضرہ میں پریوی کونسل یا پاکستان میں فیڈرل کورٹ۔ ان تمام ماتحت قاضی کو احکامات قاضی القضات کی جانب سے موصول ہوتے رہتے تھے اور برابر ہدایات بھی ملتی رہتی تھیں۔ اکثر مقدمات میں جو پیچیدہ ہوتے تھے ان میں اگر قاضی القضات کی رائے طلب کی جاتی تھی تو اس سے بھی گریز نہ کیا جاتا تھا۔ بلکہ مناسب مشورہ دے کر اس گتھی کو سلجھا دیا جاتا تھا عدالتوں میں شریعت کے ماسوا حالات کے تحت وضع کردہ قوانین اور ملک کے بعض مروج شدہ ضابطوں کو بھی استعمال میں لایا جاتا تھا۔ غیر مسلموں کی عدالتیں علیحدہ ہوتی تھیں اور اُن کے مقدمات کے فیصلے انہیں کے مذہب اور اُصول کے مطابق وہاں ہوتے تھے۔ اور ان کو سزا اور جزا انہیں کے قوانین کے ماتحت ملتی تھی صرف ان مقدمات میں عیسائی یا یہودی کو قاضی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا جس میں فریقِ ثانی مسلمان ہو۔ ایسے معاملات میں قاضی کو تہہ تک پہنچنے کے لئے معاملہ کی پوری پوری چھان بین کرنا پڑتی تھی۔ اور فیصلہ سنانے میں پوری توجہ کو دخل دینا پڑتا تھا۔ کہ مبادا کوئی ایسی چوک نہ ہو جائے جس سے نہ صرف غلط فیصلہ سنا دیا جائے بلکہ جانبدار ہونے کا الزام لگا دیا جائے۔ ان لوگوں کے حقوق کی پوری حفاظت کی جاتی تھی۔ اور حتی الامکان ان کے عقائد یا دلوں کو صدمہ پہنچانے کی کوشش عدالت کی طرف سے نہیں ہوتی تھی۔ عدالت نہ صرف غیر جانبدار ہوتی تھی۔ بلکہ معمولی معاملات میں ایسے مراعات بھی برت سکتی تھی۔ بشرطیکہ وہ قوانین کسی فرد کے خلاف نہ جائیں غیر مسلموں کی جائیدادوں اور زمینوں کے لئے بھی علیحدہ محکمے قائم تھے اور ان کے لئے عدالتیں بھی جدا تھیں۔ ان کا افسر صاحب الزماں کہلاتا تھا۔

Marfat.com

جب مقدمات عدالت میں لائے جاتے تھے تو نہ صرف گواہوں کے بیانات اور شہادتوں کو پوری توجہ سے سنا جاتا تھا۔ بلکہ خفیہ طور پر بھی معاملہ کی جانچ پڑتال کرلی جاتی تھی کہ کہیں کسی بے گناہ کو سزا۔ کسی غلط شخص کو قید نہ ہو جائے۔ مجرموں کو سزائیں جرم کی نوعیت کے لحاظ سے دی جاتی تھیں ان سزاؤں میں تخفیف بھی ہو سکتی تھی۔ بشرطیکہ ملزم اقبال جرم کے بعد آئندہ محتاط رہنے اور نیک اطوار پر قائم رہنے کی ضمانت دے۔

پولیس عدالتوں کے علاوہ پولیس کے محکمے کی صورت بھی وہی تھی جو آجکل نظر آتی ہے۔ ہر شہر میں پولیس کا ایک بڑا افسر ہوتا تھا جسے صاحب الشرطہ کہتے تھے جیسا کہ آج سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ اس کے ماتحت دیگر افسران ہوتے تھے۔ جنہیں صاحب المدینہ اور صاحب اللیل کہتے تھے۔ صاحب المدینہ کو کوتوال شہر سمجھ سکتے ہیں۔ اور صاحب اللیل وہ حاکم تھا جس کے ذمہ رات کا پٹرول اور شہریوں کی حفاظت تھی۔ ان لوگوں کا کام تمام مجرمین کی فہرست رکھنا۔ ان کی حرکات پر نگاہ رکھنا اور بصورت جرم صحیح مجرم کو تلاش کر کے کیفر کردار کو پہونچانا۔ جرم کے سرزد ہونے کے بعد تلاش مجرم میں اس بات کا لحاظ رکھا جاتا تھا کہ کسی تعصب یا دشمنی کی وجہ سے کوئی غلط شخص بلاوجہ نہ پھنس جائے۔ عدالت کے سامنے مجرم کو پیش کرنے سے قبل یہ پوری طرح سے تحقیقات کرلی جاتی کہ اصل مجرم وہی ہے اور واقعی لائق سزا ہے۔ رعایا کے جان و مال کی حفاظت۔ مسافروں کے سامان کی حفاظت۔ شہر میں غلط کاریوں کو بند کرنے کی ذمہ داری۔ جوا۔ قمار بازی۔ طوائف گردی، عصمت فروشی۔ بدفعلی اور ہر قسم کے حرکات خبیثہ کو روکنا انہیں کے ذمہ تھا۔ رات کو گشت کر کے نقب زنی۔ چوری یا غلط کاریوں کو عمل میں نہ آنے دینا ان کا فرض منصبی تھا۔ مستعدی، چستی پھرتیلا پن اس محکمہ کے لوگوں کی خصوصیات تھیں۔ جن کے ماتحت ان کا تقرر ہوتا تھا۔ ان میں ایک محتسب بھی ہوتا تھا جو خاص طور سے شراب خوری دروغ گوئی اور زناکاری سے منع کیا کرتا تھا ایسے لوگوں کو برسرعام ایسے حرکات کے مرتکب نظر آئیں۔ ان کو سزا دلوانا اس کے سپرد تھا۔ اس کے علاوہ ایک انسپکٹر آف مارکٹ یعنی محتسب بازار بھی ہوتا تھا جو دوکانداروں کے اوزان کو دیکھتا پرکھتا تھا۔ غلط تول نہیں تولنے دیتا تھا۔ خراب اور غیر صحت مند چیزوں کو نہیں بکنے دیتا تھا۔ تمام تجارت پیشہ کی نگرانی کرتا تھا کہ وہ سیاہ بازاری۔ ذخیرہ اندوزی یا مال کی خرد برد نہ کرسکیں۔ یہ محکمہ قاضی القضات کے ماتحت بھی ہوتا تھا۔ اور پولیس کے بھی۔ ان مقدموں کے فیصلے فوری اور پبلک کے مفاد کو مدنظر رکھ کر

Marfat.com

ضروری کارروائی جلد عمل میں آتی تھی۔ بازار کے نرخ مارکیٹنگ شعبہ مقرر کرتا تھا۔ اور اس سے زائد قیمت پر کوئی چیز فروخت نہ ہوسکتی تھی۔ کسی چیز پر کنٹرول نہ تھا۔ مگر قیمتوں پر ضرور تھا قیمتیں اس لحاظ سے مقرر کی جاتی تھیں کہ نہ رعایا کی جیب پر بار پڑے نہ دوکاندار کو نقصان ہو۔

محکمہ رسل و رسائل Post ذرائع رسل و رسائل کو انتہائی زود تر اور بہتر بنانے کے لئے بادشاہانِ اندلس نے کچھ کم جدوجہد نہ کی اس محکمہ میں اس قدر ترقی کی کہ آج بھی اس زمانے کے ہرکاروں اور ڈاک لے جانیوالوں کی تیز رفتاری پر تعجب محسوس ہوتا ہے۔ اس محکمہ کے اعلیٰ افسر کو صاحب البرید کہتے تھے۔ تمام ڈاک کا انتظام اس کے سپرد تھا۔ ایک مقام سے دوسرے تک کا فاصلہ کئی منزلوں پر تقسیم تھا۔ ہر منزل پر ڈاک کی چوکیاں قائم تھیں۔ جہاں تازہ دم اور تیز رو گھوڑے، خچر اور اونٹ ہر وقت موجود رہتے تھے۔ اس کے علاوہ عملہ بھی رہتا تھا۔ جو ایک ڈاک بردار سے ڈاک اور چٹھیاں لے کر دوسرے ڈاک بردار کے سپرد کرتا تھا اور اسے گھوڑا بھی دوسری منزل تک پہونچنے کے لئے مہیا کیا جاتا تھا۔ اکثر اوقات جانور بدلتے رہتے تھے۔ ڈاک بردار ایک ہی رہتا تھا۔ ان گھوڑوں اور اونٹوں کی تیز رفتاری پر آج کل ڈاک گاڑیوں، گاڑیوں کا شبہ ہوتا تھا۔ سکنڈوں میں یہ نظروں سے اوجھل ہوجاتے تھے۔ صرف گرد کے بگولے پیچھے اڑتے ہوئے رہجاتے تھے۔ ان تمام جانوروں پر ایک سرکاری ٹھپّہ لگا رہتا تھا کہ یہ دوسرے جانوروں سے خلط ملط نہ ہوسکیں اور آسانی سے شناخت کئے جاسکیں ہر شہر میں ایک بڑا ڈاک خانہ ہوتا تھا۔ سرکاری ڈاک کے علاوہ جو براہِ راست حاکم صوبہ کے سپرد کردی جاتی تھی یا اس کے پاس پہنچادی جاتی تھی۔ جس کے پاس پہونچانا مقصود ہوتا تھا۔ باقی خطوط اس ڈاک خانے کے ذریعہ ہرکارہ تقسیم کیا کرتے تھے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن الناصر کے زمانے میں فوجی ضرورتوں کے واسطے کبوتر بھی پیغام رسانی کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ یہ کبوتر بہت ہی سدھے ہوتے تھے ہمیشہ فوج کے ہمراہ رکھے جاتے تھے۔ وقت ضرورت ان کے گلے میں ایک پرچہ باندھ دیا جاتا تھا۔ یہ اڑکر اس منزل پر پہونچ جاتے تھے۔ جہاں سے یہ روانہ ہوتے تھے۔ ڈاک کا انتظام خوش اسلوبی کے علاوہ دیانتداری کے ساتھ چلے اس کے واسطے خفیہ پولیس بھی نگراں کی صورت میں رہتی تھی۔ جس کا کام یہ ہوتا تھا کہ یہ پتہ چلاتا رہے کہ سرکاری خطوط صحیح شخص کے پاس پہونچائے جائیں راستہ میں ان کو کوئی کھول کر مضمون نہ معلوم کرسکے ضروری

Marfat.com

اور رازدارانہ پیغامات اسی احتیاط کے ساتھ پہونچائے جائیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ اس کے علاوہ نگراں پولیس ہوتی تھی۔ جو سرکاری خزانوں کی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی میں تمام حفاظتی کارروائی کو عمل میں لائے سکّہ جات اور مالیات پوری حفاظت سے لے جائے جاسکیں اور عام لوگوں کا روپیہ بھی تحفظ کے ساتھ جس شخص کے پاس بھیجنا مقصود ہو پہنچ جائے اس دور میں اتنے مکمل انتظامات ڈاک سخت ترین تعجب کا موجب نظر آتا ہے۔

فوجی تنظیم

ملکی دفاع۔ بغاوتوں کا سدّباب۔ اندرونی سازشوں کی روک تھام۔ دوسری ریاستوں اور ملکوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک مستقل اعلیٰ تربیت یافتہ فوج رکھی جاتی تھی۔ یہ فوج مختلف حصّوں میں منقسم ہوتی تھی۔ ساری فوج کا ایک اعلیٰ ترین افسر بادشاہ ہوتا تھا جو خود سپہ سالار نامزد کرتا تھا۔ اس سپہ سالار کی پوزیشن بھی کسی طرح وزیر سے کم نہیں ہوتی تھی بلکہ فوجی اختیارات اور طاقت اس کے زیرنگین ہونے کی وجہ سے وزراء بھی اس سے خائف ہی رہتے تھے۔ اور خوشنودی حاصل کرنے میں معروف رہتے تھے۔ فوج کشی یا دفاع کے وقت جو لشکر مہم کے لئے متعین کیا جاتا تھا اس کا ایک علیحدہ امیر لشکر مقرر ہوتا تھا جس کے ماتحت جملہ فوج ہوتی تھی۔ مگر یہ فوج کی کمان جس شخص کے بھی سپرد کی جائے وقتی ہوتی تھی۔ اس اعزاز کے بدلے اس کو اکثر خطابات اور دیگر رعایتیں بخشی جاتی تھیں۔

فوج خصوصاً دو حصّوں میں تقسیم ہوتی تھی۔ (۱) بری (۲) بحری۔ بری فوج پھر کئی حصوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔

(۱) امیر لشکر اس کا حفاظتی دستہ (۲) شہسوار (۳) اسلحہ بند جنہیں حربیہ بھی کہا جاتا تھا (۴) قدر انداز جنہیں رابیہ بھی کہتے تھے۔ یہ تیر و کمان میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ (۵) پیادہ۔ جو تمام ہتھیاروں سے لیس ہوتے تھے مگر پا پیادہ فوج کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ (۶) باربردار۔ جو فوج کا سارا ساز و سامان لاد کر چلتے تھے۔ ان کا ایک افسر ہوتا تھا جس کے سپرد محاذِ جنگ پر پہونچنے سے پیشتر یا کسی متعین قیام گاہ پر فروکش ہونے سے قبل تمام ضروری سامان سے اس جگہ کو لیس کر دیتا تھا۔ باربرداری کے لئے ہزاروں جانور بھی ہوتے تھے۔ جن میں خصوصیت سے خچر اور اونٹ استعمال ہوتے تھے۔

شہسواروں کے لئے آہنی خود۔ زرہ بکتر۔ زین سمیت گھوڑے اس کے علاوہ ہتھیاروں میں نیزے۔ بلم۔ تلوار۔ ڈھال وغیرہ ہوتے تھے۔ یہ سوار جنگ کے فن میں اور گھوڑے سواری

Marfat.com

دونوں میں مکمل طور پر مہارت رکھتے تھے۔ پیادہ فوج کو صرف تلوار اور ڈھال دیجاتی تھی۔ اگر دوسرے قسم کے ہتھیار وہ چاہیں تو ذاتی قیمت پر رکھ سکتے تھے سرکار کی جانب سے مہیا نہیں کئے جاتے تھے۔ قدر اندازوں کو تیر تفنگ کمان اور ترکش دیئے جاتے تھے۔ یہ لوگ نگاہ کے بہت تیز ہوتے تھے۔ اوران کا نشانہ خصوصیت سے بہت اچھا ہوتا تھا۔ ایسا تاک کر تیر مارتے تھے کہ بالکل چھ کر رہ جاتا تھا۔ لڑتے وقت جس طرح سے تنظیم ان سب کی امیر لشکر کرتا تھا اس پر ان کو کاربند رہنا پڑتا تھا تاوقتیکہ شکست یا فتح کے آثار نمودار نہ ہوجائیں۔ ساری فوج دس دس ہزار کے دستوں میں تقسیم کردی جاتی تھی۔ اور ہر دستہ کا پھر ایک افسر مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ افسر بھی سپہ سالار کی حیثیت رکھتا تھا پھر دس دس ہزار کے دستوں کو ایک ہزار کے دستوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ ان پر جو افسر ہوتا تھا اسے قائد کہتے تھے۔ پھر ہزار کے دستوں کو سو سو میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ان کا افسر نقیب کہلاتا تھا اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اسی قسم کی تقسیم آج بھی فوج میں پائی جاتی ہے۔ فرق صرف ناموں کا یا تعداد کا ہے باقی اُصول لگ بھگ وہی ہیں۔

فوج بھی دو قسم کی ہوتی تھی۔ ایک باقاعدہ منظم فوج دوسری بیقاعدہ باقاعدہ فوج مستقل ملازم رہتی تھی۔ اور حکومت ان کے تمام اخراجات کی ذمہ دار ہوتی تھی۔ ان کے خورد نوش اور رہائش کا انتظام بھی حکومت کی ذمہ داری تھی۔ بے قاعدہ فوج وقتِ ضرورت بھرتی کرلی جاتی تھی یا صوبیداروں اور باجگذار ریاستوں سے طلب کرلی جاتی تھی۔ مستقل ملازم سپاہیوں کی تنخواہیں ایک سے لے کر ایک ہزار درہم سالانہ تک ہوتی تھی۔ افسران کی ہزار سے لے کر ڈھائی ہزار تک ہوتی تھی۔ سالانہ ترقی خلعت۔ انعامات۔ اور جاگیریں ان کے علاوہ عطا کی جاتی تھیں۔ کسی کے شجاعانہ یا دلیرانہ کارنامے پر کسی قیمت کا انعام بھی اس کو بخشا جاتا تھا۔ یا کوئی زمین وغیرہ مرحمت کی جاسکتی تھی۔ ان کی تفریح اور اطمینان قلب و دماغ کی بھی جملہ سہولتیں بہم کی جاتی تھیں کہ یہ تن من دھن سے بس ملک کی دفاع اوراس کی طاقت کے اضافہ میں مصروف رہیں۔ بروقت ملازمت ان سے حلف وفاداری لیا جاتا تھا۔ اور اسی حلف کے بل بوتے پر فوج کی کمزوری یا تہوری کا دار و مدار ہوتا تھا۔ اگر فوج وفادار ہے تو کسی مہم میں ناکامیابی اتفاق ہی سے ہوسکتی تھی۔ مالِ غنیمت میں ان کا تین چوتھائی حصہ خلیفہ کے لئے صرف خمس یا ایک چوتھائی الگ کرلیا جاتا تھا اس سے ان لوگوں میں جذبہ فتح حاصل کرلینے کا اور بھی شدید ہو جاتا تھا بصورت

Marfat.com

کامیابی، سرخروئی، مال، متاع اور غازی کا مشہور لقب غرض سب ہی کچھ حاصل ہو جاتا تھا۔ موت کی شکل میں شہادت کا مرتبہ تو کہیں گیا ہوا نہیں۔ پھر بادشاہ کی بارگاہ سے بھاری انعامات ملنے کی توقع ان کے جذبے کو اور بھی تقویت بخشتا رہتا تھا۔

بادشاہ یا خلیفہ کی حفاظت کے لئے ایک خاص دستہ مقرر تھا جس کی تعداد رفتہ رفتہ اتنی بڑھ گئی تھی کہ اچھی خاصی ایک فوج بن گئی تھی۔ ان کی تنخواہ عام سپاہی کے مقابلے میں زیادہ ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کو اپنی خاص وردی بھی اپنے پاس ہی سے بنوانا پڑتی تھی۔ سامانِ حرب سے بھی لیس ہونا پڑتا تھا۔ یونیفارم بہت صاف ستھری رکھنا پڑتی تھی۔ ان کو بادشاہ خاص سپاہی ہونے کی وجہ سے اور بھی بہت سے مراعات حاصل تھیں۔ یہ سپاہی بادشاہ کے دل وجان سے خیر خواہ اور ان کے وفادار ہوتے تھے۔ ان کی بھرتی زیادہ تر بیرونی ممالک کے تربیت یافتہ اور جنگجو قسم کے انسانوں میں سے ہوتی تھی۔ مصر، جلش، اور افریقہ سے ان کی بہت زیادہ تعداد بلا کر شامل حفاظتی رسالہ کی جاتی تھی۔ بربری اور زنگی بہت کافی بھرتی کئے جاتے تھے۔ ان کی بلکہ کل فوج کی آرام وآسائش کا پورا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ امن کے زمانے میں بھی اس میں کوئی فرق نہ آپاتا تھا۔

ہر فوج کے ساتھ ایک انجنیر ہوتا تھا جو بوقت فوج کشی اپنے عملہ کے ساتھ ساتھ آگے چل کر راستہ صاف کرتا تھا۔ راستہ بناتا تھا درختوں کو کاٹ کر جنگلوں کو صاف کر کے شاہراہ تیار کرتا تھا۔ قیام گاہ محفوظ اور اچھا مقام بھی یہی تجویز کرتا تھا۔ وہاں ضروریات کی تمام چیزیں فوج کے پہونچنے سے پہلے ہی پہونچا دیا کرتا تھا مگر اس میں انجنیری سے متعلق بھی سارا سامان ہوتا تھا۔ جو منجنیقیں ساتھ رہتی تھیں ان کا انتظام بھی اس کے سپرد تھا۔ اور اس لئے اس کو امیر المنجنیق کہتے تھے۔ یہ انجنیئر ریاضی اور انجنیرنگ سے واقفیت کے ماسوا فنونِ جنگ سے بھی واقف ہوتے تھے کہ اگر کہیں ناگہانی کوئی حملہ ہو جائے تو پوری طرح مدافعت کر سکیں۔ اس عملے کا یہ بھی کام ہوتا تھا کہ وقتِ ضرورت سامانِ حرب واسلحہ جات اور قلعہ شکن آلات بھی تیار کرے۔ جب کسی قلعہ کا محاصرہ ہوتا تھا اور اس کی فصیل کو توڑنا اس تک پہنچنا۔ اور ان مشینوں کا خاص زاوئیے سے استعمال بھی یہی لوگ بتلایا کرتے تھے۔

فوجی چھاونیوں میں ایک اعلیٰ پیمانہ پر ہسپتال ہوتا تھا۔ جہاں پورا طبی اور سرجری کا سامان موجود ہوتا تھا۔ لیکن جب فوجیں جنگ کے لئے روانہ ہوتی تھیں۔ تو مرہم پٹی کا سامان، زخموں

Marfat.com

کے لئے دوسری تمام ضروریات کی دوائیں۔ وبائیں پھیلنے کی شکل میں اس کے روک تھام کی تمام دفاعی تراکیب مریضوں کے لئے علیحدہ خیمے۔ اسٹریچر وغیرہ سب ساتھ ہوتے تھے۔ ان گشتی شفا خانوں میں اکثر خواتین بحیثیت معالج یا معاون معالج ساتھ ہوتی تھیں۔ جیسا کہ آج کل نرسیں ہوتی ہیں۔ مگر زائد تعداد معالجین کی مردوں کی ہی ہوتی تھی۔ دورانِ جنگ میں ان کی بھرتی اور زخمیوں کے علاج میں چستی قابلِ دید اور قابلِ داد ہوتی تھی۔ دم توڑنے والے زخمی کا بھی علاج اسی ستعدی سے کرتے تھے جتنا کہ معمولی چوٹ کھائے ہوئے کا۔ کچھ تو ان میں جذبۂ ہمدردی ہوتا تھا کچھ مستقل ٹریننگ کے بعد پیدا کیا جاتا تھا۔

جس طرح آجکل محکمہ خورد و نوش اور جملہ ضروری انتظامات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس طرح سے اس وقت بھی سارا سامان مثلاً کھانے پینے کی چیزیں۔ خیمہ جات۔ اوڑھنے بچھونے کا سامان بستر۔ پلنگ۔ حسب ضرورت ہتھیار۔ لباس۔ جنگی اور معمولی۔ جانوروں کے لئے گھاس پھونس چارہ کھجور اور خشک کھانے اور پانی وغیرہ ساتھ لے چلنے کے واسطے بھی ایک محکمہ ہوتا تھا۔ جو لشکر کشی کے وقت فوجیوں کی تعداد کے لحاظ سے یہ سب چیزیں لے کر چلتا تھا۔ اس عملے کے لوگ اتنے ہوشیار ہوتے تھے کہ ضرورت کی معمولی سی معمولی چیز بھی ساتھ سے جانا نہ چھوڑتے تھے۔ جن اشیاء کی حاجت کا خیال بھی جنگ کے دوران میں نہ آسکتا تھا مگر بعض اوقات محسوس ہو جاتی تھی وہ بھی ان کے ہمراہ ہوتی تھی جنگ کے زمانہ میں یہ تازہ کھانا تیار کروا کر سپاہیوں میں تقسیم کرتا تھا لیکن سپاہیوں کو کئی کئی دن بے آب و دانہ رہنے کی بھی عادت ڈال دی جاتی تھی کہ کسی چیز کی کمیابی کے عالم میں شدت سے اس کی تکلیف نہ محسوس کریں۔

فوجی تربیت اور تنظیم کے لئے بھی باقاعدہ تربیت یافتہ افسر مقرر کئے جاتے تھے اور اس کے لئے جابجا تربیتی ادارے اور اسکول بھی کھلے ہوئے تھے۔ اوّل تو بچہ کو حاصل ہو جانے کے بعد ہی سے گھر والے شمشیر زنی اور نیزہ بازی کی تعلیم دینے لگتے تھے لیکن جو اپنا پیشہ ہی آگے چل کر فوجی ملازمت بنانا چاہتے تھے وہ باقاعدہ اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انہیں جسمانی ورزش دوڑ دھوپ جھپٹنے اور چھپ کر چھاپہ مارنے کی بھی پریکٹس کرائی جاتی تھی۔ ہتھیاروں سے کھیلنا اور شہسواری تو خیر لازمی چیز تھی ہی۔ اس کے علاوہ حملے کے وقت۔ مدافعت کے جتنے جنگی گر ہوتے وہ بھی سکھائے جاتے تھے۔

فوجی جاگیر: مستقل فوج کے ملازموں کو تو ماہوار اس کے عہدے اور صلاحیت کے اعتبار

Marfat.com

سے وافر مشاہرہ دیا جاتا تھا۔ لیکن جو افسرانِ فوج وقت ضرورت بھرتی کئے جاتے تھے یا جن کے ذریعہ سے ان اوقات میں سپاہ طلب کی جاتی تھی ان کو گذارے کے لئے زمینیں اور جاگیریں دی جاتی تھیں۔ بعض اوقات ان جاگیروں سے کچھ بھی مالگذاری نہ وصول کی جاتی تھی۔ لیکن زیادہ تر سرکاری مالیہ کے واسطے کچھ نہ کچھ دینا پڑتا کسی خاص کارنامے پر بھی اس قسم کی جاگیریں بخشی جاتی تھیں اور خلعت فاخرہ سے بھی سرفراز کیا جاتا تھا جس نوعیت اور آمدنی کی یہ جاگیریں ہوتی تھیں اس کے حساب سے ان کو فوج رکھنا پڑتی تھی۔ جتنا بڑا جاگیردار ہوگا۔ اتنی ہی لمبی چوڑی فوج بادشاہ کی خاطر سے رکھنا پڑے گی۔ اور وقت طلب ہتھیاروں اور اسلحہ جات سے لیس ہوکر بھیجنا پڑتی تھی۔ یہ جاگیردار عموماً سپاہی بجز تھوڑے سے بہت کے مستقل ملازم نہیں رکھتے تھے بلکہ حسب الحکم فوری بھرتی کرلیا کرتے تھے۔ اس طرح سے ان کو کافی بچت ہوجاتی تھی یہ نظام اقطاعی یا جاگیرداری بہت عرصہ سے یورپ میں مروّج تھا۔ اسی کے اثرات اندلس نے بھی قبول کرلئے تھے۔

طریقۂ جنگ جنگ کے لئے جب فوجیں روانہ ہوتی تھیں تو ان کو پانچ حصوں میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ پہلے حصہ کو ہراول کہتے تھے جو اصل لشکر سے کئی میل آگے چلتا تھا اس کا کام تھا کہ راہ کی دشواریوں کو دور کرتا چلے اگر کہیں کمین گاہوں میں دشمن کی فوج چھپی ہو تو اس سے بھی دو دو ہاتھ کرے۔ دشمن کی تمام پناہ گاہوں اور اس کی فوجوں کے قیام اور مقاصد کا پتہ چلائے۔ ان کے ساتھ جاسوس بھی ہوتے تھے۔ جو بھیس بدل کر یا مختلف حیلے استعمال کرکے دشمن کی فوج کی تعداد ان کے شہسواروں اور پیادوں کا صحیح انداز اور جنگی رموز اور رازوں کا پتہ لگاتے تھے۔ ان کی نقل وحرکت اور کارروائیوں کو معلوم کرتے رہتے تھے۔ ان کی طاقت اور انتظامات کے متعلق بھی ساری واقفیت بہم کرتے تھے راہ میں جو سخت مقام آتے تھے یا زمین میں جہاں جہاں نشیب و فراز ہوتے تھے ان کا نقشہ وغیرہ بنواکر فوج کے پاس بھیجتے تھے تنگ وتاریک دروں مشکل موڑوں۔ راستہ کی ہمواری یا غیر ہمواری کی اطلاعات بھیجتے تھے۔ خاص فوج کی سپہ سالاری بادشاہ کی موجودگی میں اسی کے سپرد ہوتی تھی۔ کبھی کبھی وہ اپنی موجودگی کے باوجود کسی دوسرے شخص کو امیر لشکر مقرر کردیتا تھا جب بادشاہ خود ہمراہ نہ ہوتے تھے تو کسی نہ کسی کو امیر نامزد کرتے تھے ہر فوجی پر اُس کے حکم کی تعمیل لازمی تھی۔ اکثر تو اس کا اشارہ ہی بالمثل حکم تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے لئے ایک علیحدہ خیمہ ہوتا تھا اور رہائشی امتیازات اور طغرے لگاکر دوسروں پر فوقیت جتادی جاتی تھی۔ اصل لشکر کو

اس طرح سے تقسیم کرتے تھے کہ بیچ کے حصّہ کو قلب کہتے تھے جس میں تمام کہنہ مشق اور تجربہ کار سپاہی اور افسر ہوتے تھے۔ شہسوار اور مضبوط فوجی بھی زیادہ تر اسی حصّہ میں رکھے جاتے تھے وقتِ جنگ جب لشکر کو کھڑا کیا جاتا تھا تو عموماً سپہ سالار کے ہاتھ میں علم یا جھنڈا ہوتا تھا لیکن امیر لشکر کسی دوسرے کو بھی علمبردار بنا سکتا تھا۔ پھر قلب کے حصّہ کا الگ افسر متعین کیا جاتا تھا۔ جس کے اشارے پر سپاہی حرکت میں آتے تھے داہنے حصّہ کو میمنہ کہتے تھے۔ یہ لوگ امیر قلب۔ امیر میمنہ اور امیر میسرہ کہلاتے تھے۔ لشکر کے پیچھے حفاظتی دستہ ہوتا تھا۔ جسے ساقہ کہتے تھے۔ سب سے آگے گھوڑے سوار ہوتے تھے۔ اس کے پیچھے وہ سپاہی جو خود و زرہ بکتر پہنتے تھے۔ پھر محض ہتھیار والے سپاہی۔ ساقہ اسی وقت حرکت میں آتا تھا جب آگے کے حصّوں میں انتشار پیدا ہو جاتا تھا۔ اور غنیم کا لشکر صفیں کاٹتا ہوا وہاں تک پہنچ جاتا تھا یا خیمہ پر حملہ آور ہوتا تھا۔ فتح کی شکل میں بھی جب دشمن بھاگنے لگتا تھا تو یہ لوگ بقیہ فوجیوں کے ساتھ تعاقب اور لوٹ مار میں شامل ہو جاتے تھے۔ تیر انداز چاروں طرف جما دئیے جاتے تھے بعض اوقات کسی ایک سمت کھڑے کر دئیے جاتے تھے جو مستقل تیروں کی بوچھاڑ کرتے رہتے تھے۔ حملہ کا اندازہ یہ ہوتا تھا کہ جس دن اس کے واسطے مقرر کر دیا جاتا تھا اس دن تُور کے تڑکے ہی طبلِ جنگ بج جاتا تھا۔ اور مستقل بجتا رہتا تھا۔ سپاہی جلدی جلدی ضروریات سے فارغ ہو کر لباس پہن کر ہتھیاروں کو سجا کر تیز قدم اٹھاتے ہوئے میدان میں پہنچ جاتے تھے اور اپنی پوزیشن کے لحاظ سے کھڑے ہو جاتے تھے۔ علمبردار سب سے آگے گھوڑے پر سوار جھنڈا بلند کئے کھڑا ہوتا تھا۔ حملہ سے پہلے امیر لشکر نعرۂ تکبیر کہتا تھا جس سے تمام فوجی تیار ہو جاتے تھے۔ دوسری تکبیر پر ہتھیار وغیرہ سنبھال کر یورش کے لئے آمادہ ہو جاتے تھے۔ تیسری تکبیر پر ہلّہ بول دیا جاتا تھا۔ اگر سپاہی اس کی خلاف ورزی کرتے تھے یعنی دوسری تکبیر پر ہی حملہ کر دیتے تھے یا ترتیب توڑ کر آگے بڑھ جاتے تھے تو ان کی سخت سرزنش کی جاتی تھی۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے شاعر رجز خواں۔ خطاب۔ واعظ۔ شعروں۔ رجزوں اور تقریروں سے فوجیوں کا دل اور ان کی ہمت کو بڑھایا کرتے تھے ان کے خون میں گرمی اور حرارت پیدا کر دیا کرتے تھے۔ شہسوار یا سپاہی اس انداز سے کھڑے ہوتے تھے کہ ان کی سپر سے اُن کے جسم کا زیادہ حصّہ چھپ جائے۔ تاکہ اگر دوسری جانب سے نیزے۔ بھالے۔ تیر یا دوسرے تیز دھار والے ہتھیار آئیں تو جسم کا کوئی حصہ یا تو اُن کی زد میں نہ آسکے یا زخمی نہ

Marfat.com

کر سکے۔ خود سر کی حفاظت کرتا تھا۔ منہ پر آہنی نقاب پہن لی جاتی تھی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ جسم پر جوشن۔ بازو بند اور زرہ بکتر ہوتی تھی ۔ اتنا بھاری سامان پہننے کے باوجود یہ لوگ بھاری بھاری ہتھیار نہایت آسانی سے چلا لیا کرتے تھے۔ دن دن بھر چلاتے تھے اور اُن کے بازو نہ تھکتے تھے۔ اگر جنگ سورج چھپنے پر بند نہ ہوتی تھی تو رات کو بھی ہتھیار چلاتے رہتے تھے۔ ان کی قوت اور طاقت کا احاطہ محض تصور کے ذریعہ سے کیا جا سکتا تھا۔ حملہ کرتے وقت پہلے صرف نیزوں سے کام لیا جاتا تھا۔ شروع میں دو بدو جنگ ہوتی تھی۔ ایک فوج سے ایک پہلوان نکلتا تھا۔ اس کے چلنج پر دوسری جانب سے بھی کوئی بہادر تیر چلاتا تھا۔ یہ اپنے اپنے کمالات کا مظاہرہ کر کے گتھ جاتے تھے اور جب تک کسی کو فتح یا شکست یا موت نہ نصیب ہو جاتی تھی یا دم ٹوٹ کر بھاگ نہ جاتا تھا دونوں مستقل لڑتے رہتے تھے۔ جس فرد کو فتح حاصل ہوتی تھی وہ چیلنج کر کے پھر کسی دوسرے کو مبازر کے لئے طلب کرتا تھا۔ یا دوسرا جوڑ نکل کر لڑاتا تھا۔ کچھ دیر تک یہی سلسلہ چلتا تھا۔ پھر ایک دم سے چارج کا حکم دیا جاتا تھا۔ اس سے ساری فوج حرکت میں آ جاتی تھی۔ صفوں کی صفیں آگے بڑھنے لگتی تھیں۔ ان دیو قامت انسانوں اور پھر اس پر سے ان جنگی لباسوں کو دیکھ کر یہ اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ یہ انسان ہیں یا واقعی دیو ہیں جو انسانی پیکر میں اتر آئے ہیں۔ جب دونوں فوجیں قریب آنے لگتی تھیں تو تیروں کی بارش ہو جاتی تھی۔ جب تک یہ تیروں کی زد میں رہتے تھے۔ یہی سلسلہ رہتا تھا اور زیادہ قریب آ جانے کے بعد تلواریں میان سے نکل آتی تھیں۔ رگ گلو اور دست و بازو کو کاٹنے لگتی تھیں۔ آگے حملہ آوروں کے بعد پیادے بھی اپنی شجاعت اور قوت کا مظاہرہ کرنے لگتے تھے۔ فوج کے ساتھ قلعہ شکن آلات بھی ہوتے تھے۔ جنہیں دبابہ کہتے تھے۔ منجنیق بھی ہوتی تھی جو فصیل توڑنے کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ یہ مشین آگ اور وزنی پتھر برسایا کرتے تھے۔ ایک ایک پتھر اتنا بھاری ہوتا تھا کہ جب فصیل کی مضبوط دیواروں میں سوراخ یا کہیں کہیں سے شکستگی کے آثار پیدا کر دیتے تھے۔ اکثر یہ آگ کے گولے اور پتھر فصیل پھلانگ کر زور سے پھینکے جانے کی وجہ سے دوسری جانب پہنچ جایا کرتے تھے تو متعین حفاظتی دستوں کو سخت نقصان پہنچایا کرتے تھے۔ دن بھر اسی انداز سے جنگ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ سورج ڈھلتے ہی جنگ میں سستی پیدا ہونے لگتی تھی۔ اور اس کے غروب ہوتے ہی چنگ بج کر جنگ کے رک جانے کا اعلان

Marfat.com

کر دیتا تھا۔ سپاہی واپس آکر اپنے اپنے خیموں میں پہنچ جایا کرتے تھے۔ ہتھیار کھول لباس اُتار، منہ ہاتھ دھویا غسل کرکے تازہ دم ہوکر کھانے پینے میں مشغول ہوجاتے تھے۔ جہاں کہیں فوج کا پڑاؤ ہوتا تھا۔ وہاں میلوں دور تک خیموں کی قطاریں نصب کردی جاتی تھیں۔ وہیں سڑکیں تیار ہوجاتی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کھانوں کی دُکانیں اور دوسری چیزوں کی فروخت شروع ہوجاتی تھی۔ اچھا خاصا بازار لگ جاتا تھا۔ خیموں کے آگے آگ سُلگ جاتی جس سے عجیب دلفریب نظارہ پیدا ہوجاتا۔ اکثر خواتین بھی فوج کے ہمراہ ہوتی تھیں ان کے خیمے پیچھے لگائے جاتے تھے۔ یہ خواتین اپنے شوہروں، بیٹوں یا بھائیوں کے لئے کھانا تیار کرتیں۔ جب جنگ سے لوٹتے تو ان کے لباس اُتروائیں۔ ہتھیار کھولتیں۔ ہاتھوں اور پیروں کی مالش کرتیں۔ پھر جب نہادھولیتے تو آگے کھانا لاکر رکھ دیتیں۔ کبھی خود بھی شامل ہوجاتیں۔ کبھی ان کو کھاتے دیکھ کر خوش ہوا کرتی تھیں۔

صنعت وحرفت

مسلمانوں نے اندلس کا شاید ہی کوئی شعبۂ حیات چھوڑا ہو جس میں قابل ذکر ترقی نہ کی ہو۔ علاوہ ان چیزوں کے جو قدرتی عطیات ہیں۔ اور نباتات۔ جمادات اور زراعت کی شکل میں وہاں کی اقتصادی حالت کو بہتر بناتی ہیں صنعت وحرفت دستکاری اور صنعت گری میں کمال حاصل کیا۔ اُس دَور میں جسے قطعاً مشینی نہیں کہا جاسکتا۔ جب نہ بڑی بڑی ملیں تھیں نہ کارخانے نہ فیکٹریاں اس کے باوجود ایسی ایسی نفیس چیزیں بنائیں کہ جن پر آنکھ ہی نہ ٹھیرتی تھی جن کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ ریشمی کپڑا۔ زربفت اور کمخواب۔ دیبا وحریر وپرنیان سوتی کپڑے غرضکہ ملبوسات کی اتنی قسمیں تیار کیں کہ جن کی مثال آج بھی نہیں مل سکتی۔ طلائی زیورات۔ نقرئی اشیاء ایسی سڈول۔ خوبصورت بناتے تھے کہ نہ صرف جسم کی زینت بڑھ جاتی تھی بلکہ دیکھنے میں بھی کمال صنعت کا اندازہ ہوتا تھا۔ سن۔ جوٹ اور سوت کی ہزاروں چیزیں جن سے زیبائش اور آرائش کا کام لیا جاسکتا تھا تیار کرتے تھے۔ فرش۔ لمبے چوڑے۔ شاندار۔ چھت گیریاں۔ دیوار اور در کے سجانے کی چیزیں حسن وجمال میں اضافہ کرنے والی ہزارہا اشیاء جو زیب وزینت کے کام آتی تھیں۔ بناتے تھے۔ یہ تمام چیزیں نہ صرف ملک کے اندر استعمال ہوتی تھیں بلکہ بندرگاہوں سے جہازوں کے ذریعہ دور دور بھیجی جاتی تھیں۔ ہر تجارتی منڈی وہاں کا مال ہاتھوں ہاتھ لیتی تھی اور بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ شرابیں

Marfat.com

اور دوسری منشیات نہایت اعلیٰ طریقہ سے کشید کرتے تھے۔ تمباکو کا استعمال بھی جانتے تھے اس میں بھی خوشبو وغیرہ ملاکر مرغوب خاطر بنا لیتے تھے۔ ظروف طلائی و نقرئی کے علاوہ چینی کے سب سے پہلی بار اُندلس ہی کی سرزمین سے ایجاد ہوکر دور دور پھیلے۔ نشست و برخاست کا سامان اچھے قسم کا تیار کرتے تھے۔ ہر چیز میں نفاست اور سبک پن اُن کا ہی حصّہ تھا۔

زراعت اسپین قدرت کی جانب سے ہر عطیہ سے مالا مال کیا گیا تھا۔ سارے ملک میں پائدار ندیاں بہت سے علاقہ کو زرخیز اور قابلِ کاشت بناتی تھیں۔ پہاڑی حصّوں کو چھوڑ کر بیشتر علاقہ سرسبز اور شاداب تھا فصل تیار کرنے میں اتنی محنت نہ کرنا پڑتی تھی۔ جتنی کہ بنجر یا سخت زمینوں پر ہوتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے قصبات اور دیہاتوں کو چھوڑ کر شہر کے مضافات میں بھی ہزار ہا باغات تھے۔ جن میں آڑو۔ سروے۔ سیب۔ انجیر اور زیتوں کے درخت ہوتے تھے۔ کھجور کا درخت عبدالرحمٰن الداخل نے وہاں سب سے پہلے لگایا۔ عرب اور شام کا یہ میوہ وہاں خوب ہی پھلا پھولا۔ غرناطہ اور مالقہ میں انگور کثرت سے پیدا ہوتا تھا۔ انناس اور دوسرے میوہ جات اسبیلیہ اور غرناطہ اور قرطبہ کے علاقہ میں بھی پائے جاتے تھے شہر کی فصیل سے ذرا باہر نکلئے تو دور تک لہلہاتے ہوئے ہرے ہرے کھیت نظر آتے تھے۔ جن میں گیہوں۔ چاول۔ گنا۔ روئی۔ اور دوسرے اجناس پیدا ہوتے تھے۔ عموماً سال میں دو فصلیں ہوتی تھیں۔ بنجر یا افتادہ زمینیں بہت کم تھیں۔ اناج اس قدر زائد مقدار میں پیدا ہوتا تھا کہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا۔ زعفران بھی پیدا ہوتا تھا۔ معدنیات میں سونا۔ چاندی لوہا۔ پارہ۔ تانبہ کوئلہ بھی پایا جاتا تھا قیمتی پتھر مثلاً نیلم۔ یاقوت۔ ہیرا۔ پکھراج وغیرہ بھی ملتے تھے سونے اور چاندی کی بھی کانیں تھیں۔ سمندر اور گہرے دریاؤں سے قیمتی موتی بھی دستیاب ہوتے تھے۔ غلّہ کی فراوانی اور ان بیش بہا پتھروں کی موجودگی نے ملک میں بڑی ارزانی پیدا کردی تھی۔ لوگوں کو اپنی روزی کمانے میں زیادہ وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ جابجا نہریں اور آبپاشی کے ذرائع اتنے مستحکم تھے کہ بارش یا دوسرے قدرتی وسائل پر کم ہی اعتماد کرنا پڑتا تھا۔ وقتِ ضرورت کسانوں کی سہولت کے لئے بیل۔ بیج اور تقاوی بھی بانٹی جاتی تھیں۔ ہر طرف خوش حالی اور ارزانی کا دور دورہ تھا۔

فنِ تعمیر اُندلس کی عمارتیں مضبوطی۔ پائیداری۔ خوبصورتی اور آن بان میں اپنا جواب نہیں رکھتی تھیں اُموی بادشاہوں کو عمدہ سے عمدہ محل۔ قصر اور عمارتیں بنانے کا بے انتہا

شوق تھا۔ عبدالرحمٰن الداخل کے وقت سے جو قصور بننے کا سلسلہ شروع ہوا تو المنصور تک ایسے ایسے نادر محل تیار کرائے کہ نگاہیں جن کو دیکھ کر انسانوں کا نہیں دیوجنوں کا کام سمجھتی تھیں۔ الزہرہ اور الزاہرہ جیسے محل جن کی خوبصورتی پر خود خوبصورتی کو ناز ہوتا تھا۔ عبدالرحمٰن اوّل نے قصر اصافہ کی بنیاد ڈالی تو عبدالرحمٰن سوئم نے قرطبہ سے باہر قصرِ خلافت کی بنا رکھی۔ ان بادشاہوں کے اسی ذوق نے جامع مسجد قرطبہ۔ الزہرہ کی مسجد اور الزاہرہ کی مسجدوں کو وہ خوبصورتی بخشی اس میں اتنا زیب وزینت اور آرائش کا کام کیا کہ حسنِ مکمل کا نمونہ نظر آتا تھا۔ ان بڑی بڑی عمارتوں کے علاوہ ہزاروں محل اور مکانات پورے دارالخلافہ میں بنوا کر وہاں کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیئے۔

قرطبہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں بھی تھے۔ بادشاہوں کی دیکھا دیکھی امراء اور رؤساء نے بھی اپنی شان وشوکت اور امتیازی خصوصیت برقرار رکھنے کے لئے عالی شان محل وقصور تعمیر کروائے۔ اور ان کی زیبائش میں پُر تکلف اور اہتمام کو دخل دیا۔

انجینئرس کا خیال ہے کہ اُمویوں نے تعمیرات میں مضبوطی اور خوبصورتی دونوں کا لحاظ تو بخوبی رکھا مگر طریقۂ تعمیر Archetects of میں کوئی نمایاں جدت نہ پیدا کر سکے۔ ان کی تعمیرات میں یونانیوں۔ رومیوں کے ساتھ ساتھ مشرقی طرز جو بلادِ شام۔ عراق۔ ایران اور حجاز میں مستعمل تھا اس کی آمیزش ملتی ہے لیکن یہ تصرف اس انداز سے کیا گیا تھا کہ یہ بذاتِ خود ایک طرز بن گیا تھا۔ اور دیکھنے والوں کو اس میں واقعی نُدرت اور جدّت کا احساس ہونے لگا تھا عبدالرحمٰن الداخل۔ عبدالرحمٰن الناصر اور المنصور کی جدّت خیالی اور انوکھے پن کے خیال نے عمارتوں کو اور بھی یکتا ویگانہ بنا دیا۔ خصوصاً الناصر اور المنصور تو تعمیر شروع کرتے ہی مستقل مستغرق ہو جاتے تھے۔ اسی فکر میں کہ اس میں کون کونسی نئی اور جدید چیزیں شامل کریں کہ دیکھنے والوں نے نہ کبھی دیکھا نہ کبھی سننے والوں نے سُنا۔ اس غور وفکر کا نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوتا تھا۔ اور عمارت میں بہرطور کوئی نہ کوئی خصوصیت ضرور ایسی پیدا کر دیتا تھا کہ بنانے والے کا مقصد حل ہو جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب یورپ کے سیّاح۔ سفیر اور انجینئرس اطرافِ اُندلس میں آئے اور ایسی ایسی لاجواب عمارتیں دیکھیں تو اپنے ملکوں میں بھی اسی نوع اور طرز کی عمارتیں تعمیر کرنے کا خیال لے کر گئے اور واقعتاً بنائی بھی جس کی وجہ سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ اسپین کا تعمیری فن یورپ کے اور ممالک میں بھی انتہائی مقبول ہوا۔ اور اس کے بعد سے وہاں جتنی بھی قابلِ ذکر

Marfat.com

عمارتیں تعمیر ہوئیں ان میں اُندلسی رنگ ضرور جھلکتا تھا۔ نوکدار محرابیں۔ سبک اور منقش ستون پچی کاری اور مینا کاری دیواریں خوبصورت اور مزّین۔ چھت طلائی اور مرصع۔ فرش رنگین اور دیدہ زیب۔ یہ سب چیزیں یورپ میں مسلمانوں کے وجود سے قبل ناپید تھیں۔ بعد میں فرانس کا خصوصاً اور دیگر ممالک کا عموماً رابطہ جب اہلِ اندلس سے پڑا تو ان کے یہاں کی عمارتوں میں یہ چیزیں شامل ہونے لگیں۔ پرانی عمارتیں جو آثارِ قدیمہ کے طور پر فرانس میں نظر آتی ہیں۔ ان میں یہ طرز بدرجۂ اتم ملتا ہے۔ عمارتوں میں ابتدا میں صرف پختہ اینٹیں یا پتھر استعمال کئے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے سنگِ مرمر۔ سنگِ سُرخ و سبز اور تراشیدہ وغیر تراشیدہ پتھروں کا استعمال شروع کیا۔ ان پتھروں پر بڑی محنت سے باریک اور رنگ برنگی کام کیا جاتا تھا۔ جس کے صانع اور کاریگر کو ایسی دیدہ ریزی کا بہت زیادہ معاوضہ دیا جاتا تھا اس کے علاوہ مصالحوں میں بھی بہت سی تبدیلیاں کی گئیں۔ مٹی۔ چونا۔ ریتی۔ چھوٹے موٹے پتھروں کو ملا کر ایسا مصالحہ تیار کیا گیا۔ جو مضبوطی کے ساتھ ساتھ جُڑنے کے بعد فرش کو یا دیوار کو کئی رنگ کا بنا دیتا تھا۔ اس قسم Mosaic work اس سے پہلے مروج نہ تھا۔ یہ سب چیزیں مل کر خود ایک پتھر بن جاتی تھیں۔ اور تیاری کے بعد بہت خوبصورت نظر آتی تھیں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ ماسوئی خوبصورتی کے اس میں پائیداری بھی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ گویا یہ ایک مصالحہ ایجاد کیا گیا جس میں کم محنت کے باوجود رنگینی۔ مضبوطی اور خوبصورتی سب ہی کچھ پایا جاتا تھا۔ غرناطہ کی زیادہ تر عمارتیں اسی مسالے سے تیار ہوئیں مگر اس کی ابتدا قرطبہ کے محلات سے ہی ہو چکی تھی۔ جن لوگوں کی نظریں ان عمارتوں پر پڑ چکی ہیں یا جو حصّے عمارات کے ابھی تک موجود ہیں ان کے دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جیسے یہ کل ہی بن کر تیار ہوئی ہیں۔ دیواروں اور فرش پر چمک دمک اور ستھراپن ابھی تک اس طرح موجود ہے جیسے ان کی روز صفائی بالتزام ہوتی ہے۔

عیسائیوں کی بنائی ہوئی عمارتوں میں تصویریں اور حسین وجمیل نقوش یا (Paintings) بکثرت پائی جاتی تھیں۔ مسلمان بادشاہوں یا امراء نے بھی اس کو اپنی عمارتوں میں روا رکھا۔ اس کے علاوہ سنگ تراشی اور بت تراشی بھی جائز سمجھی۔ الناصر نے قصر الزہرہ میں تو خصوصیت سے تصاویر دیواروں پر بنوائیں اور جو فوّارے دور دراز سے لاکر نصب کئے گئے تھے۔ ان میں پتھر کے نہایت خوشنما ترشے ہوئے اصنام بھی تھے یہ اسی طرح سے لگا دیئے گئے

تھے۔ بعد میں المنصور حالانکہ مذہبی رُجحانات کے آدمی تھے اس سے زیادہ حسین اور جاذب نظر مُورتیاں اور پینٹنگ اپنے مخصوص قصر الزاہرہ میں بنوا کر محل کو عجیب رونق اور نگاہوں کو مسخر کرنے والی کیفیت بخشی۔ الحمراء کا جو الماسدہ آج تک صحیح حالت میں موجود ہے۔ اس کے صحن میں ایک بہت ہی حسین فوارہ ہے۔ اس کے چاروں طرف شیروں کی مُورتیاں ہیں جو انتہائی نزاکت اور اہتمام سے تراشی گئی ہیں اس کے علاوہ الحمراء میں جو نادر چینی کے ظروف اور گلدان اور مرتبان رکھے ہوئے ملے ہیں۔ اُن پر بھی صنّاعی اور تصویر کشی کی گئی ہے۔ کہ اور زیادہ حسین نظر آئیں۔ یہ طریقہ اغلباً مسلمانوں نے چینیوں سے حاصل کیا تھا۔

پائیداری مضبوطی کے ساتھ ساتھ نزاکت اور نفاست نے وہ درجہ اُندلس کی عمارتوں کو بخشا کہ اسلامی مملکت میں بغداد اور مغلیہ دور میں ہندوستان کے علاوہ کہیں اور کی عمارتوں کو ملنا مشکل ہے۔ ان میں نقاشی بھی تھی صنّاعی بھی حُسن و جمال بھی دیدہ زیبی اور جاذب نظر بھی پچی کاری اور نقش نگاری بھی دستکاری اور ہُنرمندی بھی اور مضبوطی بھی۔ غرضیکہ وہ سب کچھ تھا جو ایک دلکش، خوبصورت، اور اعلیٰ پیمانہ کی عمارت میں ہونا چاہیئے۔ اور سب سے بڑھ کر ایک یہ بات تھی کہ وہ محل و قصور نمائندہ ہیں اپنے تعمیر کرانے والوں کی جدتِ فکر اور ندرتِ طبع کا۔ ابن حزم کا قول تھا کہ اہلِ اُندلس صنائع اور نقش و نگار میں چینیوں سے بڑھ کر ہیں۔ فن حرب اور آلاتِ حرب بنانے میں ترکوں سے۔

ادب اور ثقافت

علم و ادب اور تمدن کا عروج جس قدر اُندلس میں ہوا اس وقت دُنیا کے کسی اور حصہ میں نہ ہوا۔ اسپین مسلمانوں کے فروغ اور عروج کی وہ داستان ہے کہ جسے پڑھ کر آدمی انگشت بدندان اور سُن کر سر بگریباں رہ جاتا ہے۔ نظامِ سلطنت میں صرف فوج کشی فتوحات۔ مملکت میں امن و عافیت ہی قائم رکھنا داخل نہ تھا بلکہ علم و ادب کی ترویج۔ تمدن و ثقافت کو نکھارنے سدھارنے اور اس کو ایک اعلیٰ نمونہ کا بنانے کا خیال بھی ہمیشہ رہتا تھا۔ تمام مورخین چاہے وہ نصرانی ہوں یا مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ خلفاء بنی اُمیّہ کی سرپرستی میں جس قدر علوم و فنون نے ترقی کی اور چیزوں نے کم کی۔ وہ لوگ صحیح معنوں میں شعراء ادباء۔ علماء۔ فضلاء اور حکماء کے مربّی تھے۔ ان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کے اعتراف کرنے والے تھے۔ اور ان کے قدردان تھے۔ ان کو نہ صرف اپنے دربار سے منسلک رکھ کر تمام فنونِ لطیفہ اور علوم لفظی اور معنوی سے استفادہ کرتے تھے بلکہ ان کو اپنے قائم کردہ

Marfat.com

دار العلوم میں مقرر کر کے شاہی اخراجات پر عوام الناس کو بھی ان سے فائدہ اٹھانے کا موقع بہم کرتے تھے۔ بعض بادشاہ تو ایسے گزرے ہیں جنھوں نے زر کثیر خرچ کر کے اپنی تمام اعانت اور سرپرستی کا یقین دلا کر دور دور سے ممتاز مشاہیر فن و ادب جمع کئے اور اندلس کو گہوارہ فن اور علم بنا دیا۔ اُن کے یہاں یہ کوشش بھی بقدر کمال جاری تھی کہ تصنیفات طبع زاد کے علاوہ تحقیقی کام بھی بہت زیادہ ہو۔ یونانی اور رومی ادب کی بے انتہا کتابیں عربی میں منتقل کی گئی اور مترجمین کو گرانقدر رقمیں اور انعامات ان کی ان کاوشوں پر دی گئیں بہت سی اصطلاحات الفاظ یا ترکیبیں جو عربوں کے لئے بالکل نئی تھیں ان کے لئے مترادف ترکیبیں اصلاحات اور الفاظ خاص طور سے ڈھالے گئے اور ان کو اس انداز سے عربی کا جامہ پہنایا گیا کہ جیسے وہ سچ مچ اسی زبان کے الفاظ ہوں۔ جو چیزیں سمجھ میں نہ آتی تھیں ترجمہ کرنے والے ان کے متعلق باقاعدہ چھان بین اور جستجو کرتے اور جب تک ان کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہ آتا تھا وہ لوگ چین نہ لیتے تھے۔ چنانچہ شاہ قسطنطین نے ایک کتاب معدنیات اور نباتات کے فوائد کے متعلق اندلس روانہ کی تو اس کی عبارت اور زبان سمجھنے والا کوئی وہاں موجود نہ تھا بادشاہ کے پاس پھر یہ درخواست بھیجی گئی۔ جہاں آپ نے وہ کتاب ازراہ عنایت و کرم روانہ کی وہاں کا ترجمہ کرنے والا بھی روانہ فرمایئے۔ قیصر قسطنطنیہ نے فوراً اس خواہش کا احترام کرتے ہوئے ایک مترجم روانہ کیا۔ اس نے جا کر ایک سلیس ترجمہ کیا کہ عرصہ دراز تک وہ حکماء اور اطباء کے لئے وجہ ہدایت اور معلومات بنا رہا۔ حیف کہ وہ مفقود ہو گیا ورنہ جو چھوٹی موٹی بوٹیوں سے علاج کے طریقے اس میں بتائے گئے تھے۔ اور ان کے فوائد کا ذکر کیا تھا۔ وہ کہیں اور ملتی ہی نہیں۔

ہر بادشاہ اُموی کی طرف سے یہ برابر کوشش رہی کہ پوری مملکت میں درس گاہیں۔ تعلیم گاہیں اور مدرسے قائم ہوں جن میں زیادہ تر تو مفت تعلیم ہو۔ اور شریعت اور فقہ وغیرہ کے علاوہ علم ریاضی۔ ہئیت۔ تاریخ۔ اور کسی قدر فلسفہ کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ غرناطہ۔ اشبیلیہ۔ مالقہ۔ سرقسطہ۔ بلنسیہ۔ جین۔ طلیطلہ۔ مرسیہ۔ ماردہ۔ وغیرہ میں اس قسم کے ہزاروں مکتب قائم ہو گئے۔ جن میں تکمیل تعلیم اور تحقیقات علمی کی ہمہ سہولتیں بہم تھیں۔ اور قرطبہ تو سرچشمہ علم اور مستقر علماء ہی بن گیا۔ جتنی ترقی وہاں ہوئی کسی اور شہر میں نہ ہو سکی کہ وہ دار الخلافہ تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ یورپ کے تمام ممالک سے طلباء تحصیل علم کی خاطر قرطبہ

Marfat.com

آتے تھے اور اپنے ذوق وشوق کی تکمیل کرتے تھے۔

شروع شروع میں تو عربوں میں خود کسی تجسّس یا تحقیق کا مادّہ پیدا نہ ہوسکا۔ خود حالات بھی اس قسم کے تھے یونانی اور رومی کلاسک ادب اور تاریخ کی اس قدر کتابیں اُن کے ہاتھ لگ گئی تھیں کہ ان کا ترجمہ لازمی تھا۔ پھر یہ کہ یہ اس ملک کی زبانیں تھیں جن کو انہوں نے نیا نیا فتح کیا تھا۔ ان یونانی اسپینی، لاطینی زبانوں کا جاننا ان کے لئے لازمی تھا کہ اس ملک میں ان کو بود و باش اختیار کرنا تھی۔ وہیں کے لوگوں میں مل جل کر رہنا تھا۔ اس سے جہاں ایک قسم کی یگانگت قدیم آبادی سے پیدا ہوئی وہاں ان کے علمی اور ادبی ذخیروں سے بھی فائدہ اُٹھانے کا موقع مل گیا۔ اتنا سا نقصان بھی ضرور ہوا کہ کچھ عرصہ تک بہت زیادہ طبع زاد کام نہ ہوسکا اور مصنفین یونان اور روما کے مقلد بنے رہے۔ انہی کی کاوشوں کو اپنی زبان میں منتقل کرتے رہے مگر اس چیز سے ایک سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ وہ تمام قدیمی ادب جو ظاہر ہے عربوں کے عروج کے بعد فنا ہوجاتا یا اہمیت کھو دیتا۔ اس کو ازسرنو ایک موقع پنپنے کا ملا اور آج تک بہت سی چیزیں جو اس دور کی ہم کو نصیب ہوجاتی ہیں۔ ان کا وجود محض ان عرب مُصنّفین اور مترجمین کی بنا پر قائم رہا۔ گویا یہ شائقین ادب پر ان لوگوں کا بڑا احسان ہے۔ جو بلاشبہ کیا گیا۔ اس کے بعد جو شہرۂ علم اور چرچا ادب بڑھا تو ہزارہا کتابیں مختلف موضوعات اور سینکڑوں عربی لغات اور صرف و نحو کی کتابیں تیار ہوگئیں۔ لاکھوں کی تعداد میں نہایت بیش بہا اضافے دنیا کے ادب میں دیئے۔ ایسی ایسی نادر اور نایاب کتابیں لکھی گئیں جو آج بھی اپنی عظمت اور اہمیت نہیں کھو پائی ہیں۔ امیولیا کی کوششوں سے لوگ سقراط۔ ارسطو۔ افلاطون سے ایک طرف آگاہ ہوتے دوسری طرف سے خود ان لوگوں کی ذہنی تخلیقوں سے وہ استفادہ کیا کہ بیان سے باہر عربوں میں محنت ومشقت کا مادّہ بہت زیادہ پہلے ہی سے موجود تھا۔ تجربہ۔ تحقیق۔ مشاہدہ۔ اور پھر مطالعہ ان کے کردار میں اس طرح داخل ہوا کہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا جزو بن کر رہ گیا۔ اس کی بدولت اساتذہ کا کلام اور ان کے فکر اور تجسس کا جو نتیجہ تھا ہم تک پہونچا۔ شاید اہل یورپ برسوں کیا صدیوں تک بھی کوشش کرتے رہتے تو یہ کام انجام نہ پا سکتا پھر جیسے امویو کے قدم اُندلس میں جمنے لگے۔ ان کی حکومت کی بنیادیں مضبوط ہوئی گئیں علم کی قدر اور علماء کی قدردانی بھی بدرجۂ اتم ہوتی گئی خصوصاً الحکم ثانی کے عہد میں تو جس قدر اہل فکر

Marfat.com

اہلِ سخن اور اہلِ ادب قرطبہ میں جمع ہوئے کہیں اور موجود نہ تھے اور جس قدر کتابیں (ایک لاکھ سے زائد) اس نے جمع کیں کسی نے نہ اس سے پہلے کیں نہ بعد میں۔

علمِ تاریخ تمام علوم کی طرح فن تاریخ میں بھی بہت ترقی ہوئی اور متعدد مستند اور مفصل تواریخ تحریر کی گئیں۔ ہرچند کہ اہلِ یورپ جو مسلمانوں کے تمام کارناموں پر یا تو پانی ہی پھیر دینا چاہتے ہیں۔ یا ان کو اپنے نام سے شہرت دیتے ہیں۔ عربوں کو سرے سے مورخ تسلیم کرنے ہی پر تیار نہ ہوتے تھے۔ بلکہ محض واقعہ نویس تبلاتے تھے۔ اس فن کو بھی ابتدائی حالت میں بیان کرتے تھے ——— حالاں کہ ابن حیان جس نے صرف اندلس کی تاریخ دو حصّوں میں لکھی ہے۔ ایک میں دس جلدیں ہیں۔ دوسرے میں ساٹھ۔ جن لوگوں نے مطالعہ کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ وہ محض واقعہ نگاری ہے تاریخ نویسی کا درجہ کمال۔ ایک اسی پر کیا منحصر علامہ المقری۔ ابن خلدون۔ ابن غالب (مصنفہ الانفس) ابن لبسام۔ ابن سعید۔ احمد بن محمد ابرازی وغیرہ نہایت اعلیٰ پایہ کے مورخ تھے۔ آخر الذکر نے تو اندلس کے حالات پر ایک بہت ہی ضخیم کتاب لکھی تھی ابن حیان کی تاریخ کتاب المقتبس صرف دس جلدوں میں شائع ہوئی۔ یہ صاحب معلومات اور صاحب ذخیرہ تھے۔ ان کے بیان کردہ واقعات بہت سے چشم دید اور بہت سے ان کے معاصرین کی نظروں سے گذرنے کی وجہ سے مستند اور قابلِ وقعت ہیں۔

منظفر بن الافطس نے بادشاہان بطلیوس (Batlins) کی تعریف میں اس قدر طوالت اور مکمل طور پر اپنی تاریخ المنظفری میں کی ہے کہ آج کل بھی کسی تاریخ میں جذئیات اس انداز کے نظر نہیں آتے۔ اس میں تمام واقعات مع مقامات۔ سنہ اور شرکا کے نام تبلائے گئے ہیں۔ اس دور کے تمام علوم و فنون سے بھی مکمل واقفیت بہم کی گئی ہے۔ اس کی ضخامت کسی طرح کتاب المتیس سے کم نہیں۔ سلاطین تمونیہ کی تاریخ ابن الصلات نے بڑی کوشش کے بعد لکھی اس میں بھی تمام واقعات کا ذخیرہ پوری محنت کے ساتھ جمع کیا گیا۔ ابن العیر فی السفر ناظمی نے بھی ایک کتاب تمونیہ بادشاہوں کے بارے میں لکھی ہے۔ جس انداز سے یہ تاریخ لکھی گئی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ فن اس زمانے میں کافی ترقی کر گیا تھا۔ اور مورخین میں وہ شعور موجود تھا جو ایک تاریخ نویس کو درکار ہوتا ہے۔ خود ابن غالب اس کتاب کی عظمت اور اہمیت کے معترف ہیں۔ ابوالحسن السالمی نے کتاب اخبار فتنہ

Marfat.com

ثانیۂ اندلس لکھ کر اس ملک کے متعلق ایک قابل ذکر اور قابل اعتماد تاریخ کا اضافہ کیا۔ انہوں نے اپنی تاریخ کو سنہ کے لحاظ سے تقسیم کیا ہے۔ اور ہر ہر سنہ کے واقعات علیحدہ علیحدہ لکھے ہیں۔ اس کی ابتداء ۲۹ئہ سے کی ہے۔ گویا مسلمانوں کی آمد سے قبل اندلس کا جو خاکہ مکمل انداز میں ملتا ہے۔ وہ السالمی کی ہی کتاب کا مرہون منت ہے۔ واقعات کس طرح سے کس سال وقوع پذیر ہوئے۔ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے۔ اور واقفیت میں آسانی سے گرانقدر اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح کی تاریخ اس سے قبل لکھی گئی ہو۔ عموماً واقعات کو بادشاہان کے ادوار سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ بہت سی معمولی باتوں کو حذف کر دیا گیا ہے۔ لیکن سنہ کے لحاظ سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ مرقوع القلم نہیں ہو سکتا ہے۔

ابن بشکوال جن کا نام ابن القاسم تھا۔ اصحاب الاندلس کے نام سے ایک پورا تاریخی رسالہ لکھا۔ جس میں اسپین کے بڑے بڑے علماء۔ فضلاء۔ فصحاء۔ حکماء اور شعراء کا ذکر کیا ہے۔ ان کی ادبی اور علمی خدمات اور ان کی محنت اور کاوش کا ذکر بڑے فاضلانہ انداز میں کی ہے۔ اندلس میں جو فروغ زبان۔ ادب اور علم کو ہوا۔ اس کا پورا خاکہ اس کتاب سے ملتا ہے۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ ابتدائی معلومات کی کتاب ہے۔ ان بڑے بڑے فن کاروں اور اہل قلم کے تذکرے کے علاوہ مخصوص شہروں کی فضیلت کا بھی ذکر ہے۔ قرطبہ چونکہ دارالحکومت تھا۔ اس لئے اس کے متعلق انتہائی تفصیل سے معلومات بہم کی ہیں۔ ان کی دوسری معرکتہ الآرا تصنیف کتاب الصلہ تاریخ العلماء ہے جس میں کاملان دین اور رہبران مذہب کا تذکرہ ہے۔ مذہب کے متعلق کس کس نے خلوص سے کام کر کے لوگوں میں اس کے لئے ترغیب اور کشش پیدا کی۔ کن کن عالموں نے قرآن اور حدیث پر تحقیق کر کے لوگوں کے لئے اشاعت دین کا کام کیا۔ رہنمائی اور رہبری فرمائی یہ سب اذکار ہیں۔ اس دور کے بہت بڑے فقیہہ ابو جعفر بن عبدالحق الخزاجی القرطبی نے بھی حالات اور واقعات سے پر ایک طویل رسالہ تاریخ اندلس کی صورت میں لکھا ہے۔ اس کی ابتداء انھوں نے آفرینش کائنات سے کی ہے۔ اور خاتمہ دولت عبدالمومن ۵۶۵ھ پر کیا ہے۔ مسعودی جس کا مرتبہ بحیثیت مؤرخ بہت عظیم ہے۔ ایک ضخیم تاریخی کتاب خلف المشرق کے نام سے بڑی محنت سے لکھی۔ ہر خلیفہ یا بادشاہ کے حالات کے مطابق تاریخ کے باب کی ترتیب سے

پہلے مسعودی ہی نے کی۔ اس سے پہلے واقعات کا احاطہ تنظیم کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ جسے ہم طریقہ کہہ سکتے ہیں۔ مگر ابواب واقعات سے زیادہ خلفاء کی اہمیت کے لحاظ سے ترتیب دیا جانا یہ اسی کا حصہ ہے۔ پھر بھی یورپین علماء عربوں کو حقیقتاً مورخ ماننے پر تیار نہیں ہیں۔

اسی طرح ابومحمد بن حزم بھی متعدد تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اور انہوں نے پوری جانفشانی اور محنت سے تمام واقعات جمع کئے اور پھر پوری تصدیق کرنے کے بعد احاطہ تحریر میں لائے۔ مسعودی کی طرز پر ابوالولید بن زیدوں نے کتاب التبین لکھی۔ قاضی ابوالقاسم صاعد بن احمد الطلیطلی کی کتاب التعریف یا اخبار علماء الامم من العرب والعجم اور دوسری کتاب جامع اخبار الامم بھی تاریخی اعتبار سے قابل اعتنا کتابیں ہیں۔ قاضی ابوالولید بن الفرضی نے علماء و شعراء اندلس کے حالاتِ زندگی خدمات اور نمونہ کلام جمع کرکے اہلِ کمال کو روشناس کرایا۔ یحییٰ بن حکم الغزالی۔ منظوم تاریخ لکھی جو ان کی شاعرانہ قوتوں کی دلیل ہے۔ ان کی تقلید میں ابوطالب نے بھی ایک منظوم تاریخ لکھ ڈالی۔ جس کو پڑھنے میں بھی لطف آتا ہے۔ اور معلومات حاصل کرنے میں بھی۔ ابن بسام کی تاریخ کا نام کتاب الذخیرہ فی جزیرۃ الاندلس ہے۔ جو یقیناً انتہائی مستند ہے۔ مطمح نامی کتاب بھی بحیثیت تاریخ بڑا درجہ رکھتی ہے۔ ابوالحسین بن محمد الزبیدی نے اندلس کے لغت اور صرف و نحو میں دخل رکھنے والوں کی ایک مکمل تاریخ تصنیف کر ڈالی۔ اور اس طرح سے اس خالی گوشۂ معلومات کو پر کردیا۔ ان کے علاوہ ہزاروں صنف تاریخ پر تحریر کی گئیں۔ جن کا بڑا مرتبہ ہے۔ ان سب کا ذکر یہاں محض طوالت کا باعث ہوگا۔ محض ایک فہرست دیدی جاتی ہے۔

نام مصنف	نام تصنیف	کیفیت
ابوعمر بن عبدالبر	للقصد والامم فی معرفت	عربوں اور عجمیوں کے حالات سے پر ہے۔
عریب بن سعید القرطبی	اخبار العرب والعجم اختصار تاریخ طبری	تاریخ اندلس اور افریقہ کا بھی اضافہ کیا۔
احمد بن سعید الفیاض	کتاب العبر	پوری تصنیف قابل دید اور پر از معلومات ہے۔
ابن خرج	حدائق	ابن بسام کی کتاب بہت کچھ اسی سے ماخوذ ہے
ابن بسام	المطلع	اسکا ذکر پیچھے آچکا ہے تین حصوں میں کبیری وسطی صغری

Marfat.com

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
	قلاید العقبان	انتہائی فصیح و بلیغ ہے
ابو عمر بن امام	سمط الجمان سقط المرجان	مطبع کے بعد تحریر کی گئی۔ جو کمی اس میں رہ گئی تھی وہ پوری کر دی گئی
ابو الجبر صفوان بن ادریس المرسی	زاد المسافر	ابو عمر کی کتابیہ کا ایک طرح سے تتمہ ہے۔
ابو محمد عبد اللہ بن ابراہیم الحجازی	مہب فی فضائل المغرب	ذخیرہ اور قلاید کے بعد کی تصنیف ہے ابتدا سے لے کر آخر تک اندلس کے حالات ہیں۔ جغرافیہ اندلس بھی اس میں موجود ہے۔
عبد الملک بن سعید	تتمہ مہب	ابو محمد کی کتاب کو حد تکمیل تک پہنچایا۔
موسیٰ بن محمد اور علی بن موسیٰ	تکملا مسہب	یہ کتاب دو حصوں میں ہے ایک مشرق فی علی المشرق دوسرا مغرب فی علی المغرب
علی بن موسیٰ	فلک الادب المحیط بحلی لسان العرب	ان کتابوں میں ۶۴۵ھ تک کے حالات مندرج ہیں تمام قابل ذکر اشخاص مورخ علماء اور ادباء کا تذکرہ ہے۔

علم فلسفہ جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے یورپین فلاسفر بھی یہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہیں کہ مسلمانوں کا حصہ بالخصوص اندلس کے اس میں بہت زیادہ تھا۔ پہلا قدم تو انہوں نے اسکی اشاعت

Marfat.com

میں یہ اٹھایا کہ تمام فلسفہ یونان کو عربی میں ترجمہ کر ڈالا۔ اس کے بعد باقاعدہ اس صنف پر غور وفکر کرکے متعدد کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ ہرچند فلسفہ کے بہت سے اصول علماء دین جو تعصب میں مبتلا تھے مذہب اسلام کے خلاف سمجھتے تھے۔ اسی لئے جب محمد ابن ابی حامر المنصور کو علماءِ دین کے اختلاف کو دور کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اور ان کی حمایت حاصل کرنا چاہی تو تمام مقتدر علماء کو یہ دعوت دی کہ وہ اس کتب خانہ میں داخل ہو کر فلسفہ کو اور ایسی تمام کتابوں کو نذر آتش کردیں جو مذہب کے خلاف پڑتی ہوں۔ ہرچند کہ اس سے بڑی نادر اور لاجواب کتابیں محض نظریاتی اختلاف یا تعصب مذہبی کی وجہ سے ضائع ہوگئیں مگر المنصور کی خواہش پوری ہوگئی۔ اس قصہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ علماء اور فقہاء فلسفہ کی ترقی سے خوش نہ تھے۔ بلکہ اس کی ترقی چاہتے ہی نہ تھے۔ اس کے باوجود اندلس میں اس صنف علم کو بڑی اشاعت اور تقویت حاصل ہوئی۔ بڑے بڑے اونچے فلاسفر اس سرزمین پر ابھرے اور اپنے نظریات اور توجہات سے لوگوں کو غور وفکر کے لئے کتنے ہی مسئلے دیئے کتنے راز ہائے پیچیدہ اور پوشیدہ حل بھی کر دیئے۔ اور ظاہر بھی۔

یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ کی ابتدائی مختصر تاریخ بیان کردی جائے۔ مغربی بلاد میں تو فلسفہ کا چرچا بہت قدیم سے تھا مگر اہل مشرق بجز ہندیوں کے اس سے ناآشنا تھے۔ تاریخ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ممالک عرب وعجم میں اس کے پھیلنے کی وجہ یہ ہوئی کہ یونان کے فرقہ پرستوں اور تنگ نظروں نے پادری نسطوری کو اپنے ملک سے نکالا تو یہ ایشیا پہونچے پادری نے ایک مدرسہ ایڈیسیا میں قائم کیا اور یہاں یونانی علوم کی تعلیم شروع کی فلسفہ یونان پر خاص توجہ دی گئی۔ اور یہاں سے فلسفہ کی اشاعت مشرق میں شروع ہوئی۔ بعد میں جب رومی بادشاہ زینو (ZEN) نے ایڈیسیا کو تباہ کر دیا۔ تو ایران کے ساسانی حکمران نے وہاں کے طالب علموں کو اپنے دامن پناہ میں لے لیا۔ اور یوں ایران فلسفیانہ خیالات سے روشناس ہوا۔ جب جسٹینین (Jestinand) کے زمانے میں ایتھنس Athens اور اسکنڈر Alexandria تباہ ہوئے۔ اور وہاں کی تعلیم گاہیں اجڑ گئیں تو وہاں کے ذی علم حضرات بھی ایران پہونچے۔ اور وہاں ہاتھوں ہاتھ لئے گئے۔ ارسطو اور افلاطون کی کتابوں کا ترجمہ بھی سریانی اور کلانی میں کر ڈالا۔ جب عربوں نے عجم کو فتح کرلیا۔ تو یہ ادبیات اور فلسفہ جات وہاں بھی مروج ہوئے اور ایرانی

Marfat.com

زبانوں سے ان کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر ڈالا۔ اس طرح پھیلتے پھیلتے یونانی فلسفہ تمام ایشیا میں چھا گیا۔ عربوں نے اکتسابِ علم کی خاطر اتنی محنت کر ڈالی کہ یونانی زبانوں کو بھی سیکھ لیا۔ اور پھر اس کے بیشتر علوم کو چھان ڈالا۔ اس طرح ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں اہلِ عرب اس صنفِ علم سے پوری طرح واقف ہوگئے۔

اندلس میں بھی واجب القدر فلسفی گزرے ہیں۔ ابوبکر محمد بن یحییٰ المعروف بہ ابن ماجہ دُنیا کے مسلم الثبوت فلسفیوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کی معلومات ہمہ گیر تھیں۔ جتنا ان کو فلسفہ میں دخل تھا۔ اُتنا ہی ریاضی اور ہیئت میں کہ ان دونوں کا فلسفہ سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان کے علاوہ ابن طفیل ابوبکر محمد بن عبدالملک کا رجحانِ طبع بھی اسی جانب مبذول تھا۔ انہوں نے مراکش ۱۱۸۵ء تقریباً ۵۸۱ھ میں انتقال کیا۔ مگر زندگی بھر ترویجِ فلسفہ کرتے رہے۔ شعر و سخن میں کافی دست گاہ رکھتے تھے۔ ابوبکر ابن زہر جو اشبیلیہ کے رہنے والے تھے۔ قابلِ فخر فلاسفروں میں سے تھے۔ لیکن ان سب سے بڑھ کر ابوولید محمد بن رشد جو تمام یورپ میں Averroes کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس صنف میں بدرجہ کمال تک حاصل کیا۔ ان کی ناموری اور شہرت اور دور تک پھیلی اور یورپ میں بھی ان کے اعلیٰ پایہ کے فلسفیانہ نکات نے اُودھم مچا دیا۔ یہ ۱۱۹۹ء مطابق ۵۹۵ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ دورانِ حیات میں اشبیلیہ اور قرطبہ کے قاضی بھی رہ چکے تھے۔ انہوں نے جب اپنے خیالات کی اشاعت شروع کی تو تمام علماء ان سے سخت برافروختہ ہوئے وہ لقائے روح اور عقبیٰ کے قائل بھی نہ تھے۔ اس کا قول تھا کہ ہر انسان کو اس کے اعمال کی سزا و جزا اسی دُنیا میں مل جاتی ہے۔ یہ عقائد عالموں کے نزدیک بمنزلۂ کفر تھے۔ لہٰذا ان کے خلاف بہت شور و غل مچایا بیچارے کچھ عرصہ کے لئے وطن سے بے وطن کر دیئے گئے۔ اپنے ایسے فلسفیوں کی موجودگی میں علماءِ یورپ کا یہ خیال کہ عربوں نے محض فلسفہ یونان کی نقل کی اور اس میں اپنی جانب سے کوئی اضافہ یا جدت نہیں کی بے بنیاد خیال نظر آتا ہے۔ جو صرف تنگ نظری پر مبنی ہے۔

فن ریاضی اور ہیئت

اور علوم کی طرح ریاضی اور ہیئت میں بھی مسلمانوں کا حصہ عظیم ہے۔ ریاضی کا شاخسانہ الجبرا تو کلیتاً مسلمانوں ہی کی ایجاد ہے اور اس کو ریاضی میں قبول ہی ان لوگوں کی وجہ سے کیا گیا۔ اس سے مسلمانوں کی ذہانت اور فطانت کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ اندلس کے مسلمان بھی اس فن میں ناموری حاصل کرنے میں پیچھے نہ رہے۔

Marfat.com

اس میں متعدد کتابیں تحریر فرمائیں۔ اگر اس دور کے کتب خانے اور لائبریری بعد کے فاتحین نے نہ تباہ کردی ہوتی۔ تو آج نہ معلوم کس قدر ذخیرہ کتابوں کا ان موضوعات پر نکلتا۔ جہاں تک ہئیت کا تعلق ہے اس میں یورپین عالموں نے استفادہ مسلمانوں ہی کی تحقیق اور معلومات سے کیا۔ اور جب جگہ بہ جگہ جب دلائل دینے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ انہیں کی کتابوں کا سہارا لیا ہے۔ خود عربوں کا کمال اس علم میں اس قدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ یونانی ہئیت دانوں کی تحقیقات جس میں بطلیموس کا درجہ بہت افضل ہے۔ غلط ثابت کر دیا۔ اور ایسے ایسے استدلال پیش کئے کہ بعد کے ریاضی اور ہئیت دونوں کو انہیں تسلیم کرتے ہی بن پڑی۔

سب سے پہلے ریاضی دان جو علم نجوم میں بھی یکتا تھے ابو عبیدہ مسلم بن احمد المعروف بہ صاحب القبلہ مشہور و معروف ہوئے۔ یہ لقب ان کو اس وجہ سے حاصل ہوا تھا کہ وہ مشرق کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ستاروں اور سیاروں کی حرکت سے اور ان کے اثرات سے اس کو کماحقہ آگاہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ علم حدیث و فقہ میں بھی بہت دخل رکھتے تھے۔

یحییٰ بن یحییٰ مشہور محدث اور عالم ریاضی۔ نجوم۔ لغت۔ عروض معانی شعر اور سب میں کامل دستگاہی رکھتے تھے۔ حدیث اور شرع کے تو وہ عالم ہی تھے۔

ابن عبدالرحمٰن الزرقال اس دور کے انتہائی شہرت یافتہ مہندسین میں تھے۔ ان کا قیام طلیطلہ میں تھا۔ جہاں انہوں نے گھریال بنائیں۔ اور آلا اصطرلاب سب سے پہلے انہوں نے ایجاد کیا۔ طلیطلہ سے منتقل ہوکر جب اشبیلیہ پہونچے تو والیان بنی عباد نے ان کی خاطرخواہ عزت افزائی کی۔ معتمد کے اصرار سے ایک کتاب علم ہئیت اور آلات جو انہیں کی ایجاد تھے تصنیف کی الزرقال نے بڑی محنت سے سالانہ استقبال معدل النہار کا پچاس ثانیہ تحقیق سے معلوم کیا تھا۔ جس کی صحت سے آج بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اندلس میں ایسے مہندسین بھی گذرے ہیں۔ جنہوں نے اسی زمانے میں یہ معلوم کرلیا تھا کہ زمین کی شکل انڈے کی طرح ہے۔ اور وہ آفتاب کے گرد حرکت کرتی ہے۔ اس کے متعلق وثوق سے موسیو سدی یو نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ کہ ان مسلمان ریاضی دانوں اور منجموں کو سیاروں کے ساتھ زمین کی حرکت کا بھی علم تھا۔

ابو القاسم بن عباس بن فرناس سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے پتھر سے شیشہ بنانے کی ترکیب معلوم کی۔ یہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ قلیل کی کتاب عروض پر جو ہے۔ اس کی تشرح

لکھی۔ موسیقی کے متعلق کئی کتابیں لکھیں اور اس فن کو کافی ترقی دی۔ ایک آلہ بنایا جسے مثقال کہتے ہیں۔ اس سے وقت کا تعین ہوتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ابو القاسم نے پرندوں کو ہوا میں اڑتے دیکھ کر خود بھی اڑنے کا شوق کیا۔ اور سب سے پہلے ایسے پر ایجاد کئے جن کو لگا کر یہ کچھ دور ہوا میں اڑے لیکن واپس اترنے میں دقت محسوس ہوئی۔ ان کی وجہ شاید یہ تھی کہ کوئی دُم نہیں لگائی تھی چڑیوں اور دوسرے پرندوں کو نیچے اترنے میں مدد دُم سے ملتی ہے۔ انہوں نے اپنے گھر ہی میں ایک ہیئت بنائی تھی جس پر ستارے۔ ابر۔ بجلی۔ پانی۔ بارش۔ طوفان۔ سب کا پتہ چلتا تھا۔ بہت سے لوگ ان کی یہ حرکات دیکھ کر ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ مگر حقیقتاً یہ ان کی جانفشانیوں کا نتیجہ ہے۔ کہ بعد میں اہل یورپ نے ہوائی جہاز کے ذریعہ اڑنے کا فن سیکھا۔ اور موسمی تبدیلیوں کے لئے بیرشیری تیار کیں۔ انہیں کے ہم نام ابوالقاسم اصبغ بن السمح علم نجوم اور ہندسہ کے ماہر تھے ان کی کتاب الاخل الی ہندسہ اقلیدس بڑی نادر کتابوں میں سے ہے۔ اس کے علاوہ وہ کتابیں۔ اسطرلاب اور زائچہ کے متعلق ہندیوں کی معلومات کے مطابق لکھیں۔ جن کا نام سندہند ہے۔

ابوالحکم عمر الکرمانی جو قرطبہ میں رہتے تھے۔ وہ بھی طب ریاضی نجوم میں بدرجہ کمال آگاہی رکھتے تھے۔ ایک تصنیف کتاب معاملات پر نہایت اعلیٰ ہے۔ ابومسلم بن خلدون جو اشبیلیہ کے رہنے والوں میں سے تھے۔ اور ان کا شمار وہاں کے اشراف میں ہوتا تھا۔ اشراف میں ہوتا تھا۔ وہ بھی فلسفہ ہندسہ نجوم طب وغیرہ میں گہری نظر رکھتے تھے۔ اور مکمل معلومات حاصل تھیں۔ ان کے شاگرد عزیز ابن لبرغوث مشہور ریاضی دانوں میں تھے۔ پھر ان کے شاگرد ابوالحسن مختار الرحینی بھی بڑے پایہ کے مہندسین اور ہیئت دانوں میں سے تھے۔

عبداللہ بن احمد السرقسطی بھی ان علوم کے نامی گرامی ماہرین اور ناقدین میں سے تھے۔ الوحی القرطبی کا شمار بھی مشہور منجموں اور مہندسوں میں ہوتا تھا۔ ابوالوقتی الطلیطلی بھی ہندسہ منطق۔ اور زائچہ تیار کرنے میں رکھتے تھے۔ حافظ ابوالولید ہشام ہندسہ۔ نحو۔ لغت۔ منطق۔ معانی۔ اشعار سب میں عمیق نظر رکھتے تھے۔ اور ان کا شمار بھی ماہرین فن میں تھا۔ ابوالمطرب عبدالرحمٰن بن شہید جو عہدۂ وزارت پر فائز رہ چکے تھے۔ ہندسہ کے ساتھ ساتھ طب میں بھی بہت معلومات رکھتے تھے۔ علاج میں مفردات اور مرکبات کے اثرات

Marfat.com

سے کما حقہٗ واقف تھے۔ زیادہ تر غذاؤں سے علاج کرتے تھے۔ اگر اس سے شفا نہ ہوتی تھی تو پھر یا مفردات استعمال کرتے تھے یا مرکبات دونوں کو ایک ساتھ نہ دیتے تھے۔ معدنیات اور جڑی بوٹیوں کے فوائد سے بھی پوری طرح آگاہ تھے۔ انہیں کی طرح ابن بیطار جن کا پورا نام عبدالرحمٰن بن احمد المالقی تھا جڑی بوٹیوں کے علاج کا بہت تجربہ کیا کرتے تھے۔ خود ایک دن ایک جڑی کھالی وہیں انتقال کر گئے۔ مسلمہ اور ابن السمح مشہور ترین ریاضی دانوں اور زائچہ تیار کرنے والوں میں سے تھے۔

جغرافیہ علم جغرافیہ کے حاصل کرنے میں بھی اندلس کے مسلمان کسی سے پیچھے نہ رہے۔ جیسے جیسے ان لوگوں کو تجارت میں ترقی ہوتی گئی اور دوسرے ممالک سے رابطہ پیدا ہونے لگا۔ یہ وہاں کے حالات کے ساتھ ساتھ موسم، ندیاں، پہاڑ، اور جغرافیہ سے مکمل معلومات بھی کرتے رہے۔ جو مسلمان سیاح مثلاً ابن بطوطہ وغیرہ دوسرے ملکوں خصوصاً چین اور ہندوستان وغیرہ گئے انہوں نے اس ملک کے جغرافیائی حالات بھی اپنے سفرناموں میں تحریر کئے۔ رفتہ رفتہ یہ ایک مستقل فن اور علم بن گیا۔ اندلس میں جو سب سے مشہور جغرافیہ نویس گزرے ہیں۔ ان کا نام ادریس ہے۔ انہوں نے پوری ایک کتاب جغرافیہ پر ۱۱۵۴ء میں لکھ ڈالی۔ اس میں اپنی پوری تحقیقات اور معلومات کا نچوڑ سمو کر رکھ دیا۔ کتاب میں سہولت کے لئے متعدد نقشے وغیرہ بھی دیئے۔

احمد بن محمد الرازی نے اندلس کے شہروں کے متعلق ایک ضخیم کتاب لکھی۔ جس میں وہاں کے ٹیلوں۔ پہاڑوں۔ پلٹیو۔ دریا اور ہر شہر کی خصوصیات لکھی ہیں۔ نہایت عمدہ کتاب ہے۔ ابو عبید البکری بن خروف کی کتابیں المسالک۔ الممالک اور معجم ما استعجم بن انتجاع والا ماکن فن جغرافیہ اپنا جواب نہیں رکھتی ہیں۔ حجازی نے جو مہذب اور تکملہ لکھی ہیں۔ وہ بھی بدرجہ وافر معلوماتی ہیں۔

طب و جراحی جن علوم و فنون نے اسپین میں بہت زیادہ ترقی پائی ان میں فن طب و جراحی کو بھی بڑی منزلت حاصل ہے۔ مسلمانوں نے تو اس میں وہ یدطولی حاصل کیا کہ لاعلاج اور ناقابل صحت امراض بھی پناہ مانگنے لگے۔ کوئی ایسا مرض بجز موت نہ تھا جس کا علاج یہ لوگ بخوبی نہ کر لیتے ہوں حکماء اور اطباء کی قدر و منزلت عوام اور خواص دونوں بہت کرتے تھے۔ بادشاہان وقت تو فاضل اور کامل اطباء کو اپنے زمرہ اراکین سلطنت میں شامل کر لیتے تھے۔ اور ان کو بڑی بڑی تنخواہیں دے کر علاج معالجے کی سہولت بہم کر کے عوام الناس کو فائدہ پہونچاتے تھے۔ آج تمام دنیا جو اس فن میں اس قدر ترقی کر چکی ہے

در اصل اس کی ابتداء انہیں عربوں سے ہوئی۔ بوعلی سینا کا نام اور اُس کے اکمل فن ہونے سے کون انکار کرسکتا ہے۔ ابوبکر محمد الرازی جیسے طبیب کی معلومات سے کون منکر ہوسکتا ہے۔ اُن کا بہرہ تو چار دانگ عالم میں ہے سارا یورپ ان کی معلومات اور تصنیفات سے فائدہ اُٹھا رہا ہے۔ ان کی کتابوں کے ترجمے لاطینی زبان میں بھی ہوئے۔ فرانسیسی میں بھی۔ انگریزی میں بھی۔

دیگر ممالک کے عربوں کی طرح اندلس کے مسلمانوں نے بھی اس فن میں پوری واقفیت حاصل کرنے کی مکمل جدوجہد کی۔ جرّاحی جو آجکل کے ڈاکٹر دورِ حاضر کا کرشمہ بتاتے ہیں۔ اس وقت حدِ کمال تک پہنچ گیا تھا۔ مستند مصنّف لیبان مسلمانوں کا اعلیٰ طبیب اور جرّاح ہونے کا معترف ان الفاظ میں ہے۔

فنِ جرّاحی کی ابتدائی ترقی بھی عربوں سے ہوئی اور دورِ حاضر تک یورپ کے تمام ڈاکٹروں اور سرجنوں پر ان کا اثر قائم ہے۔ اس زمانے میں بھی ان کو آنکھوں کی سرجری جو سب سے زیادہ نازک مقام ہے آتی تھی۔ موتیا بند کا علاج وہ بہت خوبی سے کردیتے تھے۔ پتھری کو بغیر اپریشن نکال دیتے تھے۔ زخموں کو کاٹ کر ریشمی ٹانکوں سے سی دیا کرتے تھے۔ زخم کو آگ سے جلا کر ٹھیک کردیتے تھے۔ بیہوشی کی دوا آپریشن سے پہلے سنگھا دینے کا رواج مروّج تھا۔ مریض کو تکلیف نہ پہنچانے کی خاطر عمل جرّاحی سے کوئی نشہ آور دوا ضرور دیتے تھے۔

اُندلس کے طبیبوں میں ابوالقاسم بن عباس البقاسیس کا درجہ بہت بُلند ہے۔ وہ اپنے دور کے بہترین طبیب اور سرجن مانے جاتے تھے اُنہوں نے ایک مکمل کتاب اس فن پر التعریف لمن عجز عن التالیف کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں جرّاحی کے تمام نکات۔ پتھری نکالنے کے طریقے۔ بچے کی پیدائش کے طریقے۔ دانت۔ آنکھوں اور ہڈیوں کے متعلق ساری ضروری معلومات بہم کی ہے مختلف امراض کے علاج کے طریقے بھی لکھ ڈالے ہیں۔ ان کے علاوہ ابومروان بن عبدالملک بن زہر جو یوسف بن تاشقین کے زمانے میں تھے بحیثیت طبیب اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ یہ لوگ نباتات اور معدنیات کے ذریعہ علاج کرنے کے ہزارہا طریقوں سے واقف تھے۔ انہیں کے کہنے سُننے سے قرطبہ۔ اشبیلیہ اور دوسرے مقامات پر ایسے ایسے پودے اور درخت لگائے تھے جن کی پتّیاں۔ کہاں پتشاخیں یا جڑیں متعدد امراض میں فائدہ بخشتی تھیں۔ اسی طرح سے علم حیوانات میں بھی کمال حاصل کرکے اس سے جو طب کا تعلق ہے اور انسان کو فوائد حاصل ہوسکتے ہیں اُن سے آگاہ کیا۔

Marfat.com

کاغذ کا استعمال کاغذ کی ایجاد اور استعمال کا سہرا بھی مسلمانوں کے سر ہے۔ کہا تو یہ جاتا ہے کہ اولاً اولاً اس کو چینیوں نے ایجاد کیا مگر کاغذ کی وہ شکل جس سے ہماری نگاہیں آج آشنا ہیں وہ مسلمانوں نے ہی دی۔ چینی ریشم یا بانس کا کاغذ بنا لیتے تھے۔ لیکن لگدی۔ سن اور روئی سے کاغذ بنانے کا کام عربوں نے ہی شروع کیا۔ اندلس کی ہزار ہا کتابیں ان اقسام کے کاغذ پر لکھی گئیں۔ جبکہ بادشاہان یورپ چمڑے پر لکھا کرتے تھے یا کپڑے پر۔ یہ چیزیں بہت زیادہ مہنگی اور کمیاب ہونے کی وجہ سے اس وقت تک اور ممالک میں کتابیں بہت کم لکھی گئیں لیکن اندلس میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ دراز تھا۔

توپ و بارود بارود اور مشین گن جنھیں دورِ حاضر کی ایجادات کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے زمانے میں مروّج تھیں ان کی یہ شکل تو بلا شبہ نہ تھی مگر جو چیز وہ دورانِ جنگ اس قسم کی استعمال میں لایا کرتے تھے وہ اسی سے ملتی جلتی تھی۔ بعد کے تجربات نے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں بڑی تبدیلیاں اور بہتر نمونہ بنا دیئے۔ مگر جہاں تک بنیاد کا تعلق ہے اس کا وجود ہمیں عربوں کے یہاں ملتا ہے۔ الفانسو یازدہم کے دورانِ حکومت میں جو تاریخ لکھی گئی اس میں یہ ذکر صاف طور سے ملتا ہے کہ مسلمان قلعہ پر حملہ کے وقت بہت سی گرجنے والی چیزیں اور لوہے کے گولے سیب کے برابر پھینکا کرتے تھے۔ یہ اس قدر دور تک پہنچ جاتے تھے کہ بعض اوقات فوج کو بھی پار کر تے تھے۔ موسیو لیبان بھی اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ بارود اور توپوں کا استعمال مسلمانوں نے متعدد جگہ کیا ہے اور تمام شکن آلات میں ان کا شمار بھی تھا۔ المقری اور ابن خلدون اس بیان کی تائید کرتے ہیں عربوں کا جو بارود کا نسخہ ہے وہ ذیل میں مندرج ہے:۔ شورہ دس درم۔ کوئلہ دو درم۔ گندھک ڈیڑھ درم۔ ان کو باریک پیس کر لوہے کی سلاخ میں بھرنا چاہئے مگر اس احتیاط سے کہ کھٹنے نہ پائے۔ لکڑی کا ایک گز بنا کر اس کو اندر کی طرف ٹھونسیں پھر اس کے اوپر سے لوہے یا گولے کا ٹکڑا ڈالیں پھر ایک فتیلہ لگا دیں جس میں بہ وقت ضرورت آگ لگا دی جائے۔

مسلمانوں کے تمدن کے اثرات یورپ پر یہ ایک کلیہ ہے کہ فاتح قوم کی تمدن اور ثقافت بہت جلد مفتوح ملک پر چھا جاتی ہے۔ لوگ اسے اپنا دین وایمان سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس کو اپنانے میں فخر

Marfat.com

محسوس کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کا اثر غیر مسلموں اور قرب وجوار کے نصرانی ممالک پر نہ پڑتا ناممکن تھا خصوصاً جب کہ مسلمان اپنے ساتھ واقعی ایک تابندہ ضابطۂ حیات اور اعلیٰ تمدن لے کر رہ گئے تھے۔ ان اثرات کا اندازہ صحیح طور پر لگانا ہو تو اس ملک اور اس کے ہمسایہ ملکوں کی حالت مسلمانوں کے حملہ سے قبل دیکھی جائے اور پھر ان کے تسلط کے بعد۔ یہ چیز ہماری جانب سے تفصیلی طور پر ابتدائی ابواب میں پیش کی جا چکی ہے لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ ذرا پہلے کا دورِ جہالت دیکھو وہاں کی اقوام بالمثل وحشی جانوروں زندگی بسر کرتی تھیں۔ یا پھر ایک دم سے صورت ہی بدل گئی۔ رہن سہن آیا۔ اٹھنا بیٹھنا سیکھا آداب شاہی سیکھے۔ طرزِ ملاقات اور معمولات معلوم ہوئے۔ علمی ادبی ذوق پیدا ہوا فلسفہ و حکمت کا چرچا ہوا۔ صنعت و حرفت میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ علوم و فنون کا ایسا فروغ ہوا کہ نہ کبھی اس سے پہلے دیکھا نہ سنا۔ آٹھ سو سال تک عرب نصرانیوں کو معاشرت کے اصول اور سیاست کے نکات سمجھاتے گئے۔ طرزِ جہانبانی بتلاتے رہے۔ اندازِ حکمرانی سمجھاتے رہے ان پر جو جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا اس کو دور کر کے علم کی روشنی دکھائی۔ وحشیوں کی طرح اُٹھتے بیٹھتے تھے اس کو بدل کر انسانوں کی طرح بولنا چالنا سکھایا۔ ان کا علم تو صرف مذہب یا انجیل کی تلاوت تک محدود تھا۔ لکھنا پڑھنا ان کے عوام ایک فیصدی بھی نہ جانتے تھے۔ پادری کسی اور مضمون کی تعلیم دینا چاہتے نہ تھے۔ اور دے کب سکتے تھے انہوں نے خود ان حدود کے باہر کچھ لکھا پڑھا نہ تھا اگر کوئی شخص اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے پر مصر ہوتا تھا تو اس پر دباؤ ڈالتے تھے اور اسے بجبر روکتے تھے ان کو جاہل رکھ کر ہی یہ لوگ اپنی من مانی کر سکتے تھے۔ اپنا رعب دبدبہ قائم کر سکتے تھے۔ اس لئے کیا امیر کیا غریب سب کو بے دست و پا بنا سکتا تھا۔ عربوں نے ان کو اس طریقہ کار سے نہ صرف منع کیا بلکہ تعلیم کو ہر شخص کا جائز حق سمجھتے ہوئے خوب پھیلایا۔ پادریوں کا سارا بھرم مٹ کے رہ گیا۔ عیسائی عوام کا خیال ان کی طرف سے ایسا پھرا کہ جب عبدالرحمٰن ثانی کے زمانے میں ان مذہبی پیشواؤں نے ان لوگوں کو حکومت کے خلاف بھڑکانا چاہا تو کسی نے بھی بجز چند خود غرضوں کے ان کا ساتھ نہ دیا۔ شمال کی عیسائی ریاستیں اگر کبھی مسلم علاقہ کو فتح کر لیتی تھیں تو وہاں کے عیسائی باشندے ان کے حق میں بددعا کرتے تھے۔ اور یہ آس لگا کر بیٹھ جاتے تھے کہ کب خدا ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات دے کر پھر ان مسلمانوں کو ان پر مسلط کرے [illegible] انکو

کو آزادی مسلمانوں کے ہاتھوں نصیب تھی اپنے ہم مذہبوں سے نہ تھی۔ ان کا جان و مال محفوظ تھا۔ ان کی عورتوں کی عزت محفوظ تھی نہ ان کی معبد گاہیں اور خانقاہیں محفوظ تھیں جس کے معاوضہ میں معمولی سا ٹیکس لیا جاتا تھا۔ ان کا حسنِ سلوک اور اچھا اخلاق دیکھ کر تمام عیسائیوں نے مسلم طرزِ معاشرت اختیار کر لیا حتیٰ کہ نام بھی ان کے جیسے رکھنے لگے۔ ولید بن خزرون۔ ابو القاسم وغیرہ سننے کے بعد کون سمجھ سکے گا کہ یہ عیسائی یا مسلمان۔ عربی زبان سیکھ کر اس فصاحت و بلاغت سے بولنے لگے تھے کہ خود عرب بھی دنگ رہ جاتے تھے۔ نہایت بامحاورہ نظم و نثر لکھنے لگے تھے۔ اپنی زبان تو قطعاً بھول سے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ خود ان کی زبان میں بہت سے عربی الفاظ داخل ہو گئے تھے اور ان کی زبانوں پر بُری طرح چڑھ گئے تمام یورپ میں یہ الفاظ عام طور سے استعمال کئے جاتے تھے اور لوگ یہ بھی محسوس نہ کرتے تھے کہ یہ ان کی زبان کے الفاظ ہیں جن کی طرف سے ایک عام جذبۂ نفرت پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ڈوزی نے تو باقاعدہ لغت تیار کی تھی جس میں عربی الفاظ کی آمیزش بتائی تھی۔ فرانسیسی اور اطالوی زبان میں آج بھی بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو عربی سے حاصل کئے گئے ہیں۔ خصوصاً جہازرانی اور بحری معاملات کے متعلق زیادہ ترکیبیں عربی میں ہیں۔ قطب نما جس سے سمتیں متعین ہوتی ہیں اور جس کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ چینیوں نے ایجاد کیا۔ عربوں ہی کے ذریعہ یورپ میں پہنچا۔ جنگ کا نقشہ۔ نعرہ لگانا۔ طبل جنگ بجانا کا دستوں کے حساب سے تعینات کرنا سب عربوں ہی کے طریقوں سے ماخذ ہیں۔ انتظامِ سلطنت اور نظامِ حکومت کی زیادہ تر اصطلاحیں عربوں کی ہیں۔ جو عام طور سے یورپ میں پھیلیں۔ فرانس کے تو طبقۂ ثالث کے بادشاہ زیادہ تر عربی طریقوں کے مقلد تھے۔ خصوصاً شکار کے سلسلہ میں مروج تھے۔ ٹورنامنٹ کا لفظ جس کو اہلِ زبان لاطینی سے مشتق بتاتے ہیں۔ دراصل عربی لفظ دوران سے نکلا ہے۔ علمِ ہیئت کی ساری اصطلاحیں مسلمانوں سے حاصل کی گئیں ہیں۔ ستاروں اور سیاروں کے نام وہیں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ریاضی اور الجبرا وہیں سے ملا۔ طب اور جراحی کی بنیادیں مسلمانوں نے ہی مضبوط کیں۔ ادویات کے نام تک انہیں کی زبان کے ہیں۔ ایک عام لفظ اساسن [illegible] جو انگریزی میں مستعمل ہے اور قاتل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے عربی کے لفظ حشیش سے لیا گیا۔ دونوں کا مطلب ایک ہے۔

جب مسلمانوں نے اُندلس چھوڑا تو پھر ایک بار تہذیب وتمدن کا شیرازہ بکھرا۔ سارا خوشنما باغ اُجڑ کر رہ گیا۔ سارا نقشہ مٹ کر رہ گیا۔ نہ وہ طور طریقے رہے۔ نہ وہ رہن سہن نہ وہ نفاست اور نزاکت باقی رہی۔ نہ وہ اہتمام اور احتشام۔ جو نقش اپنی بلند اخلاقی روشن خیالی اور وسیع النظری کا جمایا تھا ایک دم بھلا کر بیٹھ گئے اور تنگ نظری اور تعصب کا اس حد تک شکار ہوئے کہ وہ حسین وجمیل عمارات وہ قصر وہ محل تک ختم کر ڈالے جو اپنی خوبصورتی اور خوشنمائی میں ساری دُنیا میں لاثانی سمجھے جاتے تھے۔ وہ ظالم تو یہ بھی بھول گئے کہ یہ اب انہیں کی ملکیت ہے۔ اس میں وہی لوگ رہیں گے۔ وہ تو مسلمانوں کا نام ونشان اور اُس سے وابستہ ہر چیز کو بالکل مٹا دینا چاہتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا۔ یا ذبح کر دیا۔ اگر انہوں نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑنے سے انکار کیا۔ برخلاف اس کے جب مسلمان قابض ہوئے تھے تو انہوں نے ایک شخص کو بھی مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہ کیا تھا۔ اور اس قصور پر معمولی سے معمولی سزا بھی نہ دی تھی بلکہ ان کو پُرانے مذہب پر قائم رہنے اور مذہبی مراعات بخوشی دے رکھی تھیں

اس قتل وغارت گری کا نتیجہ یہ ہوا کہ کھیتیاں برباد ہوگئیں۔ زراعت تباہ ہوگئی۔ باغات اُجڑ گئے۔ زمینیں خشک ہوگئیں بہار خزاں میں بدل گئی۔ شادابی مُردنی میں۔ نہ تجارت رہی نہ صنعت وحرفت۔ نہ وہ شعر وسخن کی جولانیاں رہیں نہ وہ علم وادب کے چرچے۔ نہ وہ تعمیر کا ذوق باقی رہا۔ نہ وہ قصر ومحل کا تصور۔ شہروں کی آبادی گھٹ گئی۔ صنعت کاروں نے مفلسی کی زندگی گزارنے سے موت کو بہتر سمجھا۔ سینکڑوں کارخانے بند ہو گئے۔ ہزارہا کاریگر بے روزگار ہو گئے۔ اُندلس میں پھر ایک بار ظلمت وتاریکی چھا گئی۔ خوش حالی اور فراوانی کا دور دورہ ختم ہو گیا۔ ترقی کی راہیں گم ہو کر رہ گئیں۔ ادبار ونکبت اور افلاس چھا گیا۔ ہر سمت ویرانی اور خزاں پھیل گئی اور وہ بھی کچھ اس عنوان سے کہ پھر کبھی بہار اس ملک کے دامن کو پھولوں سے نہ بھر سکی۔

ختم شد

والحمد للہ علیٰ احسانہٖ

Marfat.com